تبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

ترجمہ : حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر : شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ہشتم

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سُورَةُ الْفَاتِحَة تا سُورَةُ النِّسَاء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سُورَةُ الْمَائِدَة تا سُورَةُ النَّاس)

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

تکملہ

معارف القرآن

ترجمہ: عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحہ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدہ تا سورۃ الناس)

(جلد ہشتم)

پارہ ۲۸ ۲۹ ۳۰

سورۃ المجادلۃ تا سورۃ الناس

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ®

LG-29 مادیہ علیمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37242117 - 0332-4377621

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

نام کتاب ——— معارف القرآن وتفسیر عثمانی

جلد ——— ہشتم

سن اشاعت ——— محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر 2017ء

کمپوزنگ ———

ناشر ——— مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

باہتمام ——— انیس احمد مظاہری

اسٹاکسٹ ——— مکتبۃ المظاہر، جامعہ احسان القرآن لاہور

0332-4377501

(کاوش) اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشنگانِ علوم نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب معارف القرآن وتفسیر عثمانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شب وروز کی محنت شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کار فرما ہی اس عظیم کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے میں ہیئۃ العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زر کثیر خرچ کر کے کروائی گئی ہے اور بار بار پروف ریڈنگ کروائی گئی تاکہ اغلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہرکیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسب سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

(استدعا) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت وکوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبانِ حدیثِ رسول وقرآن کو کسی مقام پر کوئی قابلِ تصحیح عبارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکرگزار ہوں گے اور اس غلطی کی درستگی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت ہی ہم اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

فہرست مضامین

سورۃ المجادلہ

سورۃ المجادلہ مدنی سورت ہے جس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے ابتداء سورت اس مجادلہ اور جھگڑے کے قصہ سے فرمائی گئی جو خولہ بنت ثعلبہ ؓ کا اپنے خاوند سے پیش آیا تھا کہ ان کے خاوند، اوس بن صامت ؓ نے ظہار کر کے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا تو خولہ بنت ثعلبہ ؓ شکایت کرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت تک کوئی حکم شرعی اس بارے میں نازل نہیں ہوا تھا زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے پر حرام کرنے کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی کو کہہ دیتا، ”انت علی کظھر امی“ کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، تو یہ آہ و زاری کرتی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا بس تو اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے خولہ ؓ بار بار کہتی رہیں یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور مسلسل آنحضرت ﷺ سے التجا کرتی رہیں اور اس دوران یہ بھی کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے خاوند نے میرا مال بھی کھایا میری جوانی بھی گزر گئی عمر بڑی ہو چکی میری اولاد مجھ سے جدا ہو چکی اب میں کیا کروں پھر پروردگار کی طرف رخ کر کے دعا مانگی اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنے رنج و غم کا شکوہ پیش کرتی ہوں تو ہی اس کو دور فرمانے والا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ﴾ الخ کہ اے ہمارے پیغمبر ﷺ اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ ﷺ سے جھگڑ رہی [1] ہے اپنے خاوند کے معاملہ میں اور اللہ کی طرف وہ اپنی شکایت پیش کر رہی ہے تو ابتداء سورت میں ظہار کر لینے پر کفارہ اور کفارہ ظہار کا حکم بیان فرمایا گیا پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضری کے آداب و احکام بیان کئے اور یہودیوں کی اس بے ہودگی کو بھی ذکر کیا گیا جو وہ آپ ﷺ کی مجلس میں آ کر کیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانا ہوتی تھی اسی کے ساتھ منافقین کے بھی احوال ذکر کئے اور اخیر سورت میں ایمان کی اصل بنیاد و اساس کا ذکر کیا گیا کہ وہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے اور جب تک کوئی شخص ایمان کے ان تقاضوں کی تکمیل نہیں کر سکتا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کا عملی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، فرمایا کیسی بابرکت اور عظمت والی وہ ذات ہے جو تمام عالم کی آوازوں کو سنے۔

یہ عورت جھگڑا لے کر آئی اور میرے حجرہ کے گوشے میں بیٹھی وہ جھگڑ رہی تھی اور میں حجرہ کے گوشہ میں ہونے کے باوجود اس کی کچھ باتیں نہیں سن سکی تھی مگر سبحان اللہ، کہ رب العزت سات آسمانوں کی بلندی سے اس کی باتیں سن رہا تھا جب وہ یہ کہہ رہی تھی، اللھم انی اشکوا الیک چنانچہ تھوڑی دیر گزری کہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیات لیکر نازل ہوئے۔ [2]

---

[1] تفسیر روح المعانی، ابن کثیر جلد رابع۔

[2] صحیح بخاری، ابن ماجہ

۵۸ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ایاتہا ۲۲ رکوعاتہا ۳

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ

سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی اللہ کے آگے ف۱ اور اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا

سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند پر اور جھینکتی ہے اللہ کے آگے، اور اللہ سنتا ہے سوال جواب تم دونوں کا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ

بیشک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے ف۲ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں، ان کی مائیں

بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں اپنی عورتوں کو وہ نہیں ان کی مائیں۔ مائیں

اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی ف۳ اور اللہ

وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا۔ اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹ۔ اور اللہ

لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ف۴ اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہیے ایک بردہ

معاف کرتا ہے بخشنے والا۔ اور جو ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو، پھر وہی کام چاہیں جس کو کہا ہے، تو آزاد کرنا ایک بردہ

ف۱ اسلام سے پہلے مرد اگر اپنی عورت کو کہتا کہ تو میری ماں ہے تو سمجھتے تھے کہ ساری عمر کے لیے اس پر حرام ہوگئی پھر کوئی صورت ان کے ملنے کی نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک مسلمان (اوس بن الصامت) اپنی عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کو یہ ہی کہہ بیٹھا۔ عورت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی۔ اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو۔ وہ شکوہ، وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہوتا ہے اولاد پریشان ہوتی ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتی کہ یا رسول اللہ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ کبھی اللہ کے آگے رونے جھینکنے لگتی کہ اللہ! میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں، ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے۔ اس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی (کسمپرسی میں) ضائع ہو جائیں گے۔ اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل کو حل کر۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور "ظہار" کا حکم اترا۔

(تنبیہ) حنفیہ کے نزدیک ظہار یہ ہے کہ اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ (ماں بہن وغیرہ) کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا اس کو منع ہو۔ مثلاً یوں کہے "انت علیّ کظہر امّی" (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) "ظہار" کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

ف۲ یعنی اللہ تو سب ہی کچھ سنتا دیکھتا ہے۔ جو گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ کیوں نہ سنتا۔ بیشک وہ مصیبت زدہ عورت کی فریاد کو پہنچا۔ اور ہمیشہ کے لیے اس قسم کے حوادث سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتلا دیا۔ جو آگے آتا ہے۔

ف۳ یعنی بیوی (جس نے اس کو جنا نہیں) وہ اس کی واقعی ماں کیونکر بن سکتی ہے جو محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لیے حقیقی ماں کی طرح حرام ہو جائے؟ ہاں آدمی جب اپنی بدتمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بیہودہ بات کہہ دے اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے، تب اس کے پاس جائے ورنہ نہ جائے۔ پر عورت اسی کی رہی، محض ظہار سے طلاق نہیں پڑگئی۔

ف۴ یعنی جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے۔ اب ہدایت آ چکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گزرے تو توبہ کر کے اللہ سے معاف کرائے۔ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں ف۱ اس سے تم کو نصیحت ہوگی ف۲ اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۳ پھر جو کوئی نہ پائے

پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں۔ اس سے تم کو نصیحت ہوگی۔ اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی نہ پاوے

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ

تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار ف۴ پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو کوئی یہ نہ کرسکے تو کھانا دینا ہے

تو روزہ دو مہینے کا لگاتار، پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں۔ پھر جو کوئی نہ کرسکے تو کھانا دینا ہے

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

ساٹھ محتاجوں کا ف۵ یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اس کے رسول کے ف۶ اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور منکروں کے واسطے

ساٹھ محتاج کا۔ یہ اس واسطے کہ حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور یہ ساری حدیں باندھی ہیں اللہ کی۔ اور منکروں کو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

عذاب ہے دردناک

دکھ کی مار ہے۔

شکوہ والتجا خاتون پریشان حال در بارگاہ ربّ العزت ذی الجلال ونزولِ حکمِ ظہار

قَالَ تَعَالٰی : ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ ... الی ... عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کا مضمون انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور ان کے ذریعہ عالم دنیا کے لیے سامان ہدایت ورحمت کا ذکر تھا اب اس سورت کی ابتداء اس مضمون سے کی جارہی ہے کہ اللہ رب العزت، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ایسے ہدایات واحکام نازل فرماتا ہے جن سے لوگ اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں اگر وہ اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی کسی وقت پریشان ومضطرب ہوں تو خدا تعالیٰ کس طرح ان کی التجاء سنتا ہے اور احکام شریعت کے ذریعہ کس طرح ان کی پریشانیاں دور فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ نے سن لی ہے اس عورت کی بات جو اپنے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ سے جھگڑ رہی تھی اپنے خاوند

ف۱ یعنی یہ لفظ (اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ) کہا صحبت موقوف کرنے کو۔ پھر صحبت کرنا چاہیں تو پہلے ایک غلام آزاد کریں اس کے بعد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔
(تنبیہ) حنفیہ کے ہاں کفارہ دینے سے پہلے جماع اور دواعی جماع دونوں ممنوع ہیں۔ بعض احادیث میں ہے "اَمَرَهٗ اَنْ لَّا يَقْرُبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ۔"

ف۲ یعنی کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ ونصیحت کے لیے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو۔ اور دوسرے بھی باز آئیں۔

ف۳ یعنی تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔

ف۴ یعنی بیچ میں دم نہ لے۔

ف۵ "بردہ" (غلام) آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تب روزے رکھ سکتا ہے۔ اور روزے رکھنے سے مجبور ہو تب کھانا دے سکتا ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

ف۶ یعنی جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ ورسول کے احکام پر چلو، جو مومن کامل کی شان ہے۔

کے حق میں اور شکایت کر رہی تھی اپنی مصیبت و پریشانی کی اللہ کے سامنے اور اسی کی بارگاہ میں التجا کر رہی تھی اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کے سوال و جواب کو اور آپس کی رد و قدح کو کہ خولہ ؓ کہہ رہی تھی، یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں کہ اس کے یہ کہنے سے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے" میں حرام ہوگئی۔ اور آپ ﷺ کہتے تھے کہ مجھ پر تو کوئی اور حکم اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔ بے شک اللہ خوب سنتا دیکھتا ہے تو اس نے ایک دکھی عورت کی آواز و التجاء کو سنا اور اس کی مصیبت و پریشانی سے نجات پانے کا راستہ پیدا کر دیا اور آئندہ کے لیے اس قسم کی بات کرنے والوں کے واسطے یہ حکم نازل کر دیا کہ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں سے اور ان کو اپنی ماں کہہ بیٹھیں اور ماں کے بدن سے انکو تشبیہ دیدیں تو وہ نہیں ہو جاتیں انکی مائیں، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا اور یقیناً وہ بول رہے ہیں ایک بہت ہی ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہ جس عورت نے ان کو جنا نہیں وہ کیسے ان پر ماں کی طرح حرام ہو سکتی ہے یہ بے ہودہ بات ایسی تو نہ تھی کہ اس پر درگزر کیا جاتا لیکن اللہ بہت ہی درگزر کرنیوالا ہے جو اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے تو اب ایسی صورت حال میں قانون خداوندی اور حکم شرعی یہ ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کر لیں اور پھر وہ لوٹنا چاہیں اسی چیز کی طرف جس کے واسطے انہوں نے یہ کہا یعنی حرمت تعلق اور وہ پھر اس علاقہ زوجیت کی طرف لوٹنا چاہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں ❶

اے مسلمانو! یہ بات جس کی نصیحت تم کو کی جا رہی ہے۔ اور اس حکم کا تم کو پابند کیا جا رہا ہے۔ اور اللہ تو خوب خبر رکھنے والا ہے ان تمام کاموں کی جو تم کرتے ہو پھر اگر کوئی شخص نہ پائے غلام اور اس کی قدرت نہ ہو کہ غلام آزاد کرے تو پھر دو مہینہ کے روزے ہیں پے در پے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں پھر اگر کوئی اس کی بھی کوئی استطاعت نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم مذکورہ بالا کفارہ کی تین صورتوں میں ہے اس لیے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور تابع دار ہو اللہ کے ہر حکم کے اور اس کے رسول کے اور یہ اللہ کی حدود ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر مقرر کر دی ہیں ان پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے اور کافروں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اللہ کے حکم سے روگردانی درحقیقت انسان کا خود اپنے اوپر ظلم ہے جس کی سزا سے وہ ہرگز نہیں بچ سکتا اسی وجہ سے اللہ نے حدود مقرر کر دیں تا کہ ان سے کوئی تجاوز نہ کرے۔

---

❶ حنفیہ کے یہاں ظہار میں یہی حکم ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے قبل مرد و عورت آپس میں نہیں مل سکتے جماع اور دواعی جماع سب ممنوع ہیں چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ زہری ؒ نے تصریح کی ہے کہ لمس و تقبیل وغیرہ بھی جائز و حلال نہیں ہے جب تک کہ کفارہ نہ ادا کرے عکرمہ ؓ، ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی عورت سے قربت کر لی قبل اس کے کہ میں کفارہ ادا کروں، آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا اس بات پر آخر تجھے کس بات نے آمادہ کیا اس نے اپنا عذر بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، لاتقربها حتی تفعل ما امرك الله عزوجل، کہ تو اس کے قریب بھی نہ جا جب تک کہ تو اس بات کی تکمیل نہ کرلے جس کا اللہ عزوجل نے تجھے حکم دیا ہے یعنی کفارہ ادا کر لے امام ترمذی ؒ نے اس حدیث کو حسن، غریب، صحیح فرمایا ہے، اور امام ابوداؤد و نسائی نے اس کو عکرمہ ؓ سے مرسلاً روایت کیا ہے، (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ظہار کے تفصیلی احکام کیلئے کتب فقہ کی مراجعت فرمائی جاوے۔ ۱۲

ظہار کا مفہوم اور اس کا حکم شرعی

جیسا کہ تفسیری کلمات سے معلوم ہو چکا، ظہار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی عورت کو یہ کہے، انت علی کظھر امی، کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے، اصطلاح شریعت میں ظہار اپنی بیوی کو یا اس کے کسی ایسے جزء شائع کو جس سے سارے جسم کو اور ذات کو تعبیر کیا جا سکتا ہو، اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے حصہ سے تشبیہ دینا جس کا دینا جائز نہیں ہے اسی طرح دیگر محرمات ابدیہ سے تشبیہ دینا ظہار ہے لفظ ظہار ظھر بمعنی پشت سے مشتق ہے یہ لفظ اگرچہ تلفظ اور ذکر کیا جاتا ہے مگر مراد مجازاً پیٹھ یا مقام مخصوص ہوتا ہے، حیاءً لفظ ظہار بولنا اختیار کیا گیا کلام عرب میں اس طرح کا مجازاً استعمال شائع اور معروف ہے، ان آیات کے نزول سے پیشتر ظہار کو قطعی طلاق شمار کیا جاتا تھا اور اس وقت اسلام میں اس صورت خاص کا کوئی حکم بھی نازل نہ ہوا تھا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ابتداءً فرمادیا تھا کہ اب تو اس پر حرام ہو چکی اور اب کوئی صورت تیرے واسطے نہیں یہاں تک کہ یہ کفارہ کا حکم قرآن کریم میں نازل ہو گیا اب ظہار کرنے پر شریعت کے نزدیک کفارہ کی یہ شکل نکل آئی اور اس طرح کفارہ ادا کر کے مرد اپنی بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

فقہاء کے نزدیک یہ بات تو بالاجماع ہے کہ ان الفاظ کے کہنے سے ظہار ہو جائے گا۔ لیکن ان الفاظ یعنی "انت علی کظھر امی" کے علاوہ اور کوئی لفظ کہے اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً "ظھر" تو کہے لیکن "ام" کا لفظ نہ کہے تو اگر ام کے علاوہ کسی غیر محرم کا ذکر کیا یعنی محرم سے تشبیہ نہیں دی تو اس صورت میں بالاتفاق ظہار نہ ہوگا؛ اس لیے کہ اپنی عورت سے قربت کو اگر ایسی عورت کی قربت سے تشبیہ دی جس سے نکاح ہو سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں خواہ نسباً ہوں مثلاً بہن۔ پھوپھی، بیٹی، نواسی یا رضاعت کے رشتہ سے مثلاً جیسے کہ رضاعی بہن اور رضاعی بیٹی وغیرہ تو ان سورتوں میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ تھا کہ ظہار نہ ہوگا، دوسرا یہ کہ ظہار ہے، دوسری شکل یہ کہ ماں کی پشت سے تو تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ان کا دیکھنا حرام نہیں مثلاً ہاتھ۔ پاؤں، چہرہ، آنکھ، تو اس میں ظہار نہیں اور اگر ایسے اعضاء سے تشبیہ دی ہے کہ ان کا دیکھنا حرام ہو مثلاً ران، سرین، اور پیٹ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہے۔

تیسری شکل یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو اور نہ پشت کا بلکہ یہ کہے کہ تو مجھ پر میری بہن یا بیٹی کی طرح ہے تو اس شکل میں فقہاء حنابلہ و شافعیہ ظہار نہیں کہتے لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس شکل میں بھی ظہار ہے، لفظ "منکم" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہار مسلمان کر سکتا ہے کافر ذمی کو ظہار کا حق نہیں تفصیل کیلئے کتب فقہ کی مراجعت فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ

جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے اتاری ہیں

جو لوگ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے، وہ رد ہوئے، جیسے کہ رد ہوئے ہیں ان سے پہلے، اور ہم نے اتاریں ہیں

اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۟ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

آیتیں بہت صاف اور منکروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا ف۱ جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر جتلائے گا ان کو

آیتیں صاف۔ اور منکروں کو ذلت کی مار ہے۔ جس دن اٹھائے گا اللہ ان سب کو، پھر جتائے گا ان کو

عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۟ ع

ان کے کیے کام ف۲ اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے، اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ف۳

ان کے کیے۔ اللہ نے وہ گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

تنبیہ ووعید پر بغاوت ونافرمانی از حکم خدا اور رسول ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفارۂ ظہار کا حکم بیان فرما کر اخیر میں فرمادیا گیا تھا یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ اور حدود خداوندی سے تجاوز کرنا اللہ کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتا تو اب ان آیات میں احکام خداوندی سے بغاوت کرنے والوں اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں پر وعید وتنبیہ ہے فرمایا

بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ ذلیل وخوار ہوئے جیسا کہ ذلیل ہوئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے اتار دی ہیں کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام جن کے بعد نہ کوئی تردد ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ابہام باقی رہ سکتا ہے اور کافروں کے واسطے بڑا ہی ذلیل کردینے والا عذاب ہے، جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر کھول کر رکھ دے گا انکے سامنے انکے وہ کام جو انہوں نے کئے، اللہ نے تو اس کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہوں نے اس کو بھلا دیا ہے ہر انسان اور اس کا عمل اور اس کی ہر حالت خدا کے احاطہ میں ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں گو، انسان اپنے اعمال اور احوال کو بھلا دیتا ہے اور نہ ہی اس کو قیامت یاد رہتی ہے۔ اور اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے کوئی ذرہ آسمانوں اور زمین میں اس سے پوشیدہ نہیں، ہر ایک کے سامنے اس کے اعمال کا دفتر کھول کر رکھ دیا جائے گا زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے، الغرض اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی نافرمان اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ وہ اللہ کی گرفت اور عذاب سے بچ جائے گا۔

ف۱ یعنی مومنین کا کام نہیں کہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی رہے کافر جو حدود اللہ کی پروا نہیں کرتے اور خود اپنی رائے وخواہش سے حدیں مقرر کرتے ہیں۔ انہیں چھوڑیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ ایسے لوگ پہلے زمانہ میں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار یہ جے رہنا اور خدائی احکام کی عزت واحترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانے کے مترادف ہے۔

ف۲ یعنی جو کام کیے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آجائے گا کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا۔

ف۳ یعنی ان کو اپنی عمر بھر کے بہت سے کام یاد بھی نہیں رہے، یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں

تو نے نہ دیکھا! کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں

هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ

وہ نہیں ہوتا ان میں چوتھا اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چھٹا اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا ان کے ساتھ

وہ نہیں ان میں چوتھا، اور نہ پانچ جہاں وہ نہیں ان میں چھٹا، اور نہ اس سے کم نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ان کے ساتھ،

اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ اَلَمْ

جہاں کہیں ہوں ف۱ پھر جتلا دے گا ان کو جو کچھ انہوں نے کیا قیامت کے دن، بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز تو نے

جہاں کہیں ہوں۔ پھر جتائے گا ان کو، جو انہوں نے کیا قیامت کے دن۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز۔ تو نے

تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی

نہ دیکھے؟ جن کو منع ہوئی کانا پھوسی، پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے، اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ

اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی ف۲ اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو وہ دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے

اور زیادتی کی، اور رسول کی بے حکمی کی۔ اور جب آئیں تیرے پاس، تجھ کو دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے،

ف۱ یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے، اللہ کے علم میں تو آسمان و زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ، کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں، اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔

(تنبیہ) مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورت اختلاف ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اسی لیے عموماً معاملات مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں۔ اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ۔ شاید اس لیے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے "وَلَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ" سے تعمیم فرمادی۔ باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شوریٰ خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لیے ہوا کہ اس وقت یہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔ جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ نیز خلیفہ کا انتخاب ان ہی چھ میں سے ہونا تھا تو ظاہر ہے جس کا نام آتا اس کے سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے تھے۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لیے عبداللہ بن عمر کا نام لے دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۲ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر منافق سرگوشیاں کرتے۔ مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ ان پر عیب پکڑتے۔ ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارے کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر کہتے "یہ مشکل کام ہم سے کہاں ہو سکے گا" پہلے سورۂ "نساء" میں اس طرح کی سرگوشیوں سے منع کیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ موذی بے حیاء پھر بھی اپنی حرکتوں اور زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ

اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں کافی ہے ان کو دوزخ داخل ہوں گے اس میں

اور کہتے ہیں اپنے دل میں، کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ؟ اس پر جو ہم کہتے ہیں۔ بس ہے ان کو دوزخ پیٹھیں گے اس میں،

فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ

سو بری جگہ پہنچے ف۱ اے ایمان والوں جب تم کان میں بات کرو تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی

سو بری جگہ پہنچے۔ اے ایمان والو! جب کان میں بات کرو، تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ

اور رسول کی نافرمانی کی اور بات کرو احسان کی اور پرہیزگاری کی ف۲ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس

اور رسول کی بےحکمی کی، اور بات کرو احسان کی اور ادب کی۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس

تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ

تم کو جمع ہونا ہے ف۳ یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تاکہ دل گیر کرے ایمان والوں کو اور وہ ان کا کچھ نہ

جمع ہو گے۔ یہ جو ہے کانا پھوسی، سو شیطان کا کام ہے، کہ دلگیر کرے ایمان والوں کو، اور وہ ان کا کچھ نہ

شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ

بگاڑے گا بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے ف۴ اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے

بگاڑے گا بن حکم اللہ کے۔ اور اللہ پر چاہئے بھروسا کریں ایمان والے۔ اے ایمان والو! جب تم کو کہئے

ف۱ یعنی اللہ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں۔ ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور ﴿وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ اور مومنین کی زبانوں سے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"۔ مگر بعض یہود جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو بجائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے دبی زبان سے "اَلسَّامُ عَلَيْكَ" کہتے جس کے معنی ہیں "تجھے موت آئے۔" گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، اس کے خلاف بددعا دیتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہے تو ایسا کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب دیا۔ "حسبهم جهنم" یعنی جلدی نہ کرو۔ ایسا کافی عذاب آئے گا جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

(تنبیہ) احادیث میں "یہود" کے متعلق آیا ہے کہ "السلام" کی جگہ "السام" کہتے تھے۔ ممکن ہے بعض منافقین بھی ایسا کہتے ہوں گے۔ کیونکہ منافق عموماً یہودی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی یہ کہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں صرف "وعليك" فرما دیتے۔ ایک مرتبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے "السام عليك" کے جواب میں یہودی کو "عليك السام واللعنة" کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال خلق سے یہ جواب پسند نہ آیا۔

ف۲ یعنی سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہیے۔ ان کی سرگوشیاں اور مشورے ظلم و عدوان اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے لیے نہیں، بلکہ نیکی اور تقویٰ اور معقول باتوں کی اشاعت کے لیے ہونے چاہئیں جیسا کہ سورۂ "نساء" میں گزرا۔ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ﴾۔

ف۳ یعنی سب کو اللہ کے سامنے جمع ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اس سے کسی کا ظاہر و باطن پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو۔

ف۴ یعنی منافقین کی کانا پھوسی (سرگوشی) اس غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں۔ کہ نہ معلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ =

لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

کہ کھل کر بیٹھو ف۱ مجلسوں میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی دے تم کو ف۲ اور جب کوئی کہے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو ف۳ اللہ

کھل بیٹھو مجلسوں میں، تو کھل جاؤ، اللہ کشادگی دے تم کو۔ اور جب کہئے اٹھ کھڑے ہو، تو اٹھ کھڑے ہو، اللہ

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بلند کرے گا ان کے لیے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم ان کے درجے میں ف۴ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم

اونچے کرے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور علم، بڑے درجے۔ اللہ خبر رکھتا ہے جو

خَبِيْرٌ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

کرتے ہو ف۵ اے ایمان والو تم کان میں بات کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے

کرتے ہو۔ اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کہو رسول سے تو آگے دھر لو اپنی بات کہنے سے پہلے

= رہے ہوں گے۔ یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع و نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورے کرلیں اور منصوبے گانٹھ لیں، تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ لہٰذا تم کو غمگین و دل گیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

(تنبیہ) احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی کرنے لگیں۔ کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی ایک طرح آیہ ہذا کے تحت میں داخل ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں۔"

ف۱ یعنی اس طرح بیٹھو کہ جگہ کھل جائے اور دوسروں کو بھی موقع بیٹھنے کا ملے۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری تنگیوں کو دور کرے گا اور اپنی رحمت کے دروازے کشادہ کردے گا۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ آداب ہیں مجلس کے۔ کوئی آئے اور جگہ نہ پائے تو چاہیے سب تھوڑا تھوڑا ہٹیں تاکہ مکان حلقہ کا کشادہ ہو جائے۔ یا (اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں اور) پرے ہٹ کر حلقہ کرلیں۔ (یا بالکل چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جائیں) اتنی حرکت میں غرور (یا بخل) نہ کریں۔ خوئے نیک پر اللہ مہربان ہے اور خوئے بد سے بیزار۔"

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کی مجلس میں ہر شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب چاہتا تھا جس سے کبھی مجلس میں تنگی پیش آتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لیے یہ احکام دیے گئے۔ تاکہ ہر ایک کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے، اور نظم و ضبط قائم رہے۔ اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے۔ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا بلکہ انتہائی نظم و شائستگی سکھلاتا ہے۔ اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدان جہاد اور صفوف جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

ف۴ یعنی سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب و تہذیب سکھلاتا اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم و ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں، اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کے درجے اور زیادہ بلند کرتا ہے۔ "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" یہ متکبر بد دین یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھا دیا اور وہاں کیوں بٹھا دیا۔ یا مجلس سے اٹھ جانے کو کیوں کہا۔ افسوس کہ آج بہت سے بزرگ اور عالم کہلانے والے اسی خیالی اعزاز کے سلسلہ میں غیر مختتم جنگ آزمائی اور مورچہ بندی شروع کردیتے ہیں۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔"

ف۵ یعنی ہر ایک کو اس کے کام اور لیاقت کے موافق درجے عطا کرتا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون واقعی ایماندار اور اہل علم ہیں۔

صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

خیرات یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور بہت ستھرا پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱

خیرات۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اور بہت ستھرا۔ پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ

کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا

کیا تم ڈر گئے؟ کہ آگے رکھا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں۔ سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کیا

عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا

تم کو تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ

تم کو، تو اب کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ

ع ۲

تَعْمَلُوْنَ ⑬

تم کرتے ہو ف۲

تم کرتے ہو۔

بیان عظمت خداوندی وآداب حاضری در بارگاہ رسالت ﷺ

قال تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ... الی ... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... اس سے قبل ان غافلوں اور نافرمانوں پر وعید تھی جو اللہ کے رسول کے احکام سے بغاوت کریں روز قیامت اور اپنے اعمال کے نتیجہ کو فراموش کر دیں۔ ان کو آگاہ فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وجلال کا ذکر ہے اور یہ کہ اس کے رسول کی خدمت

ف۱ منافق بے فائدہ باتیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مہم باتوں میں سرگوشی کر کے اپنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا، یا کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت چاہتے تو اس میں تنگی ہوتی تھی۔ لیکن مروت واخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو مقدرت والا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے۔ اس میں کئی فائدے ہیں۔ غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ، مخلص ومنافق کی تمیز، سرگوشی کرنے والوں کی تقلیل، وغیر ذلک۔ ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہو، اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ اسی لیے یہ قید لگائی گئی ہے۔ آخر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ فرما دیا۔

ف۲ یعنی صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا، حاصل ہو گیا۔ اب ہم نے یہ وقتی حکم اٹھا لیا ہے چاہیے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں۔ مثلاً نماز وزکوٰۃ وغیرہ اسی سے کافی تزکیہ نفس ہو جائے گا۔

(تنبیہ) "فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امت میں سے صرف میں نے عمل کیا۔

میں حاضری کے آداب کیا ہیں اور جو منافقین و یہود، آپ ﷺ کے پاس محض آپ ﷺ کا وقت ضائع کرنے یا آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کی غرض سے آتے ہیں اس کے پیش نظر مسلمانوں پر کچھ احکام آداب و عظمت کے بیان فرمائے گئے تاکہ مخلص کا فرق ظاہر ہو سکے، ارشاد فرمایا:

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے انسانوں کے اعمال تو کیا ہر ذرۂ کائنات اس کی نظروں کے سامنے ہے کوئی بھی سرگوشی اور مشورہ تین آدمیوں کا نہیں ہوتا ایسا کہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہ ہوتا ہو ان کا چھٹا اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زائد کا کوئی مشورہ و سرگوشی مگر یہ کہ وہ پروردگار ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی کہیں وہ ہوں غرض کوئی مکان و زمان اور کوئی حالت اور مجلس و سرگوشی اور کوئی مخفی سے مخفی عمل ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کا علم اس کو محیط نہ ہو چھپ کر مشورہ کرنے والوں کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ ہم خدا کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں اس کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ ہر چیز محفوظ رکھتا ہے، اس لیے پھر ان کو آگاہ کر دے گا اور جتلا دے گا قیامت کے روز ان اعمال کو جو انہوں نے کیے بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اس بناء پر نہ تو کسی کو حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے غفلت برتنی چاہئے جیسا کہ کچھ منافقین و یہود کرتے تھے تو کیا اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو آپس میں سرگوشیوں سے منع کئے گئے لیکن پھر وہ لوگ وہی کام کرتے ہیں جس کی ان کو ممانعت کی گئی اور آپس میں سرگوشی کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور جب آئیں اے پیغمبر یہ لوگ آپ کے پاس تو تحیہ وسلام کرتے ہیں اس طرح سے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو تحیہ نہیں کیا اور ان الفاظ سے آپ ﷺ کو دعاء سلامتی نہیں دی، اللہ نے تو اپنے رسولوں کو ﴿سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ فرمایا اور ﴿سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ کہا اور اسی طرح "السلام علیك ایها النبی" التحیات میں فرمایا مگر یہ منافق اور یہودی جب آپ ﷺ کو تحیہ کرتے تو السلام علیك کے بجائے السام علیك، کہتے اور سام کے معنی موت ہیں تو اس طرح نازیبا الفاظ کہہ کر آپ ﷺ کو سلام کرتے ہیں۔ [1] اور مومنین کو ایذاء بھی پہنچاتے ہیں اور خود اپنی باطنی گندگی و خبث کی وجہ سے اپنے دلوں میں کہتے ہیں کیوں نہیں ہم کو اللہ عذاب دیتا ہمارے اس کہنے پر اگر ہم اس کے پیغمبر کی توہین و دل آزاری کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ عالم دنیا میں اس طرح کا نظام اللہ کی حکمت کے پیش نظر ممکن نہ تھا کہ جو گستاخ اور یہودی یا کافر کوئی بھی بے ہودہ لفظ زبان سے نکالے تو فوراً ہی اس پر آسمان سے عذاب نازل ہو جائے ایسی صورت میں تو پھر ایمان بالغیب کا کوئی درجہ نہیں رہتا اس وجہ سے فرمایا بس کافی ہے ان کو دوزخ جس میں یہ داخل ہوں گے قیامت کے روز سو وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے جس کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ کس قدر خباثت تھی کہ باوجود اس طرح سرگوشیوں کی ممانعت کے پھر بھی سرگوشیاں

[1] ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے اسی لفظ سے آپ ﷺ کو مخاطب کیا۔ السام علیك حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سن رہی تھیں انکو غصہ آیا اور فرمانے لگیں، بل علیك السام و العنة۔ کہ بلکہ تجھ ہی پر موت اور لعنت ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے عائشہ رضی اللہ عنہا نرمی کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے کیا نہیں محسوس فرمایا کہ اس نے کیا کہا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے کیا جواب دیا میں نے اس کو کہہ دیا "وعلیك"، یعنی اس کی بات اسی پر لوٹا دی اور میری بات تو اس کے حق میں قبول ہوگی، اور اس کی بات میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔

کرتے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھنے والے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور عجیب عجیب قسم کے آنکھوں سے اشارے کنائے کرتے تو اس کے بالمقابل مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے سے کوئی پوشیدہ بات کرو تو ہرگز کسی گناہ کی بات کی سرگوشی نہ کرو اور نہ زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی، اور سرگوشی و مشورہ کیا کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں کی اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب اٹھائے جاؤ گے ہر عمل واخلاص کا بدلہ روز محشر ہر ایک کو مل جائے گا اگر یہود اور منافقین مسلمانوں اور رسول خدا ﷺ کی دل آزاری کے واسطے ایسی حرکتیں کرتے ہیں تو اس پر مسلمانوں کو رنجیدہ نہ ہونا چاہئے ان کو یہ بات ہر وقت پیش نظر ہی رکھنی چاہئے کہ یہ جو کچھ سرگوشی اور کانا پھوسی ہے وہ صرف شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ غمگین کردے [1] اہل ایمان کو اور حال یہ ہے کہ وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا بجز اللہ کے حکم کے کہ اگر کسی بات کے متعلق اسی کا حکم ہوا تو وہ بہرکیف ہو جائے گی اور ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اور اللہ پر بھروسہ کرنے سے ان پر اس قسم کی دل آزار حرکتیں زیادہ اثر انداز نہ ہوں گی، اور ان کا یہ اعتقاد "کہ کوئی چیز اور کوئی بھی سازش بغیر بغیر اذن الٰہی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی" ان کے دلوں کے ایمان و تقوی کو اور مضبوط کردے گا اگر منافق و یہود برائی کی باتوں کی سرگوشیوں میں مصروف ہیں تو اہل ایمان کو نیکی اور تقویٰ کے مشوروں میں لگ جانا چاہئے، ان آداب وہدایات کے ساتھ اس ادب کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ

اے ایمان والو جب تم کو کہا جائے کھل کر بیٹھو مجلس میں تو کھل جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے کشادگی فرمائے گا۔ اس لیے ایسا نہ کرنا چاہئے کہ منتشر بیٹھیں اور دوسرے آنے والوں کے لئے جگہ کشادہ نہ رہے بلکہ قریب قریب حلقہ بنا کر بیٹھے رہیں اور اگر کہا جائے اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو حلقہ بنانے اور جگہ کشادہ کرنے کے لیے مجلس میں بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور علم والوں کے درجات حقیقت یہی ہے ایمان، اخلاص اور تہذیب و شائستگی جہاں انسان کو تواضع سکھانے کا ذریعہ ہے اسی کے ساتھ مراتب و درجات کی بلندی کا بھی باعث ہے اور اللہ خوب جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو اے لوگو تم کرتے ہو۔ اس وجہ سے ہر ایک کو اس کے اخلاص اور صلاحیت کے اعتبار سے اجر وثواب ملے گا۔ ایمان اور علم یہی دو نعمتیں ہیں جن سے انسانوں کی صلاحیتوں اور استعداد میں جلا اور خوبی حاصل ہوتی ہے تو ان ہی پر درجات و مراتب کی بلندی مرتب فرمائی گئی۔

منافق چونکہ ہر طرح اسی کی کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچے اور اسی طرح وہ آنحضرت ﷺ کے فیوض وبرکات سے مستفیض نہ ہوں تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں غیر ضروری باتیں کرنے لگتے اور وقت ضائع کرتے اور آپ ﷺ اپنی مروت واخلاص کے باعث کسی کو منع نہ فرماتے تو اس وجہ سے یہ حکم نازل فرمایا گیا کہ آنحضرت ﷺ سے جو

[1] حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں"۔

حدیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں سرگوشی کرنے لگیں کیونکہ اس صورت میں لامحالہ تیسرا شخص غمگین ہوگا۔ ۱۲

بھی کوئی خصوصی مجلس کی طرح مشورہ کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ پہلے وہ ان غرباء کے واسطے صدقہ دے جو اصحاب صفہ اور دیگر غرباء مسجد نبوی میں شب و روز رہتے ہوں تا کہ ان غرباء کی اعانت بھی ہو اور اس کے باعث جو درحقیقت ضرورت مند اور مخلص ہوگا وہی خصوصی مشورہ اور سرگوشی کے لئے حاضری چاہے گا تو فرمایا اے ایمان والو جب تم کوئی سرگوشی اور مشورہ کرو رسول ﷺ سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے کوئی صدقہ بھیج دیا کرو یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے کیونکہ صدقات سے انسان کی باطنی کدورتوں اور کثافتوں کا ازالہ ہوتا ہے اور تقویٰ وطہارت کے آثار رونما ہوتے ہیں پھر اگر تم نہ پاؤ کوئی چیز صدقہ کی پہلے بھیج دینے کے لیے تو بس اللہ بڑا ہی بخش دینے والا مہربان ہے۔ اس طرح غیر مستطیع لوگوں کے حق میں پہلے ہی سہولت فرما دی گئی۔

یہ جو کچھ مقرر ہوا تھا محض نفس کے تزکیہ اور منافق و مخلص کے امتیاز کے لیے، منافقین نے تو بخل کی وجہ سے پہلے ہی مجلس میں خصوصی سرگوشی کا سلسلہ بند کر دیا اور جو مسلمان بلا وجہ ہی خصوصی ملاقات کا ارادہ کرتے تھے، انہوں نے بھی یہ سوچ کر کہ یہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں بالآخر اس طرح اس حکم کو تبدیل فرما دیا گیا۔ کیا تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات بھیجا کرو، بہرحال جب تم نے ایسی بات نہیں کی اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو اب تم قائم رکھو نماز اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتے رہو اسی میں تمہارے واسطے نجات و کامیابی اور فلاح وسعادت ہے اور اللہ خوب جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔ نہ کسی کا عمل خدا سے مخفی ہے اور نہ کسی کے اخلاص اور سعادت سے اللہ تعالیٰ بیخبر ہے ہر ایک کو اس کے اخلاص و عمل کا ضرور پورا پورا اجر و ثواب دے گا۔

مناجات و سرگوشی پر جو صدقہ کا حکم تھا وہ عارضی تھا اور اس کی غرض پوری ہوگئی تو اس کو تو اٹھا لیا گیا ہاں جو احکام ابدی اور دائمی ہیں وہ ہمیشہ قائم رہیں گے سو ان کو قائم رکھو نماز پڑھتے رہو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری میں مستعد و تیار رہو۔

استاذی محترم شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "امت میں صرف میں ہی ایک شخص ہوں جس نے اس حکم پر عمل کیا (باقی اور کسی کو نوبت ہی نہیں آئی)۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ

کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ ف۱ نہ وہ تم میں ہیں اور نہ ان میں ہیں ف۲

تو نے نہ دیکھے؟ وہ جو رفیق ہوئے ہیں ایک لوگوں کے، جن پر غصے ہوا ہے اللہ۔ نہ وہ تم میں ہیں نہ ان میں ہیں،

ف۱ یہ لوگ منافق ہیں اور وہ قوم یہود ہے۔

ف۲ یعنی منافق نہ پوری طرح تم مسلمانوں میں شامل کیونکہ دل سے کافر ہیں، اور نہ پوری طرح ان میں شریک کیونکہ بظاہر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا

اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور ان کو خبر ہے ف۱ تیار رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب ف۲ بیشک وہ برے کام ہیں جو

اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر، اور خبر رکھتے ہیں رکھی ہے اللہ نے ان کو سخت مار بے شک وہ برے کام ہیں جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ

وہ کرتے ہیں ف۳ بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے تو ان کو ذلت کا

کرتے رہے ہیں۔ بنایا ہے اپنی قسموں کو ڈھال، پھر روکے ہیں اللہ کی راہ سے، تو ان کو ذلت کی

مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

عذاب ہے کام نہ آئیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی وہ لوگ ہیں

مار ہے۔ کام نہ آئیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے ہاتھ سے کچھ۔ وہ لوگ ہیں

النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ

دوزخ کے وہ اسی میں پڑے رہیں گے ف۴ جس دن جمع کرے گا اللہ ان سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اس کے آگے جیسے کھاتے ہیں

دوزخ کے۔ اسی میں رہ پڑے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ ان کو سارے، پھر قسمیں کھائیں گے اس کے آگے جیسے کھاتے ہیں

لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ

تمہارے آگے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں ف۵ سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے ف۶ قابو کر لیا ہے ان پر

تمہارے آگے، اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر رہیں۔ سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے۔ قابو میں کرلیا ہے ان کو

الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ

شیطان نے پھر بھلا دی ان کو اللہ کی یاد ف۷ وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا سنتا ہے جو گروہ ہے شیطان کا

شیطان نے، پھر بھلائی ان کو اللہ کی یاد، وہ لوگ ہیں جتھا شیطان کا۔ سنتا ہے جو جتھا ہے شیطان کا

ف۱ یعنی بے خبری اور غفلت سے نہیں، جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ مسلمان سے کہتے ہیں۔ "انهم لمنكم" کہ وہ تم میں سے ہیں اور تمہاری طرح سچے ایماندار ہیں۔ حالانکہ ایمان سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔

ف۲ جس کو دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾

ف۳ یعنی خواہ ابھی ان کو نظر نہ آئے لیکن نفاق کے کام کر کے وہ اپنے حق میں بہت برا بیج بو رہے ہیں۔

ف۴ یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال کو بچاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پا سکتے۔ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئے گا، اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، جن کی حفاظت کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔

ف۵ یعنی یہاں کی عادت پڑی ہوئی وہاں بھی نہ جائے گی۔ جس طرح تمہارے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں، اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جائیں گے کہ پروردگار! ہم تو ایسے نہ تھے، ویسے تھے۔ شاید وہاں یہی خیال ہو کہ اتنا کہہ =

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ

وہی خراب ہوتے ہیں ف۱ جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا، اور اس کے رسول کا، وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں اللہ لکھ چکا

وہی خراب ہوتے ہیں۔ جو لوگ مخالف ہوتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے، وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں۔ اللہ لکھ چکا

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ف۲ تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر

کہ میں زبر رہوں گا اور میرے رسول۔ بے شک اللہ زورآور ہے زبردست۔ تو نہ دیکھے گا کوئی لوگ جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر،

يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ

کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا

پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے، پڑے وہ اپنے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا اپنے بھائی یا

عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ

اپنے گھرانے کے ان کے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان ف۳ اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے ف۴ اور داخل کرے گا ان کو

اپنے گھرانے کے۔ ان کے دلوں میں لکھ دیا ہے ایمان، اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے۔ اور داخل کرے گا ان کو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ف۵ وہ لوگ ہیں

باغوں میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، سدا رہیں ان میں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ وہ ہیں

=دینے سے رہائی ہو جائے گی۔

ف۶ بیشک اصل اور ڈبل جھوٹا وہی ہے جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ کہنے سے نہ شرمائے۔

ف۷ شیطان جس پر پوری طرح قابو کرلے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ بھلا اللہ کی عظمت اور بزرگی و مرتبہ کو وہ کیا سمجھے۔ شاید محشر میں بھی جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بے حیائی اور حماقت کا اعلان کرنا ہو کہ اس ممسوخ کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ کیا چلے گا۔

ف۱ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔ نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں، نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔

ف۲ یعنی اللہ و رسول کا مقابلہ کرنے والے جو حق و صداقت کے خلاف جنگ کرتے ہیں سخت ناکام اور ذلیل ہیں۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔ اس کی تقریر پہلے کئی جگہ گزر چکی ہے۔

ف۳ یعنی ایمان ان کے دلوں میں جما دیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا۔

ف۴ یعنی قلبی نور عطا فرمایا جس سے قلب کو ایک خاص قسم کی معنوی حیات ملتی ہے یا روح القدس (جبرائیل) سے ان کی مدد فرمائی۔

ف۵ یعنی یہ لوگ اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر جس سے اللہ راضی ہو اسے اور کیا چاہیے۔

حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ㉒ ع

گروہ اللہ کا سنتا ہے جو گروہ ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے ف۱

جتھا اللہ کا۔ سنتا ہے! جو جتھا ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے۔

تنبیہ ووعید بر موالات و دوستی از قوم مغضوب علیہم و ذلت و ناکامی

حزب الشیطان وفلاح وکامیابیٔ حزب اللہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا ... الٰی ... اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں ان منافقین و یہود کا ذکر تھا جو آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا چاہتے تھے اور مختلف طریقوں سے یہی چاہتے تھے کہ رسول خدا ﷺ کی توہین و بے حرمتی کی جائے تو اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس بات پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسے گستاخوں اور مغضوب علیہم لوگوں کے ساتھ کسی طرح موالات ودوستی نہ رکھی جائے مقصود یہ کہ جو اسلام اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کے دوست ہیں ان کے واسطے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ایسے گستاخوں اور اسلام دشمن عناصر سے تعلقات ودوستی قائم کریں اسی کے ضمن میں ان کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان حربوں کو بیان کیا جارہا ہے جو وہ اختیار کیا کرتے تھے تو ارشاد مبارک ہے اے مخاطب کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دوست رکھتے ہیں۔ اس قوم کو جس پر غصہ ہوا اللہ کا، اور ان کو خدا نے مغضوب علیہم قرار دیا اور یہ گروہ منافقین ہے جنہوں نے یہود سے دوستی اور موالات قائم کی جو نہ تو تم میں سے ہیں کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں محض زبانی اسلام کا دعویٰ ہے اور نہ ان کافروں سے ہیں جو کھلم کھلا کفر وانکار کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ زبان سے کہنے والے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور قسم کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان منافقوں کے واسطے ایک سخت عذاب جو "درك الاسفل من النار" ہے بے شک بہت ہی برے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ نفاق، دھوکہ، ایذاء رسانی اور لوگوں کو راہ ہدایت سے روکنے کی پوری پوری کوشش، یقیناً یہ کام عقل اور فطرت کی رو سے بدترین کام ہیں جس کے باعث یقیناً انکے واسطے دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی شدید عذاب ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اپنے بچاؤ اور اعتراض وگرفت سے بچنے کے لیے پھر اس ڈھال اور رکاوٹ کے ساتھ روک رہے ہیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے تو یقیناً ان کے لیے ذلیل کرنے والا

ف۱ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کو یہ درجے ملتے ہیں۔" صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پرواہ نہیں کی، اسی سلسلہ میں ابوعبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ جنگ "احد" میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے، مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، علی بن ابی طالب، حمزہ، عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ، اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جو مخلص مسلمان تھے، عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ فَرَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَرَزَقَنَا اللّٰهُ حُبَّهُمْ واتباعهم واماتنا علیه آمین۔

عذاب ہے ان کو ان گمان میں نہ رہنا چاہئے کہ کوئی تدبیر اور ذریعہ ان کو عذاب خداوندی سے بچا دے گا، ان کو آگاہ ہونا چاہئے کہ ہرگز کام نہیں آئیں گے انکے مال اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ کے مطابق ذرہ برابر بھی اور یہ لوگ جہنم والے ہوں گے ہمیشہ عذاب جہنم میں ہی رہیں گے جس روز اللہ ان سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا تو دنیا کی عادت کی طرح وہاں بھی یہی کریں گے کہ پھر اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح دنیا میں اے مسلمانو! تمہارے سامنے قسمیں کھایا کرتے تھے اور کہیں گے اے پروردگار ہم تو ایسے نہیں تھے ہم تو ایمان ویقین رکھتے تھے اور گمان کریں گے کہ وہ کسی راہ پر ہیں خبر دار ہو جاؤ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہی ہیں۔ ان کی کسی بات میں صداقت کا امکان ہی نہیں اور نہ ہی ممکن ہے کہ یہ کسی صحیح راستہ پر ہوں، حقیقت تو یہ ہے شیطان ان پر مسلط ہو چکا پھر ان کو خدا کی یاد سے قطعاً غافل بنا دیا ایسے ہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں، آگاہ ہو جانا چاہئے کہ شیطان کے گروہ والے ہی وہ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں اور ناکام و ذلیل ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شیطان اور شیطان کے گروہ کے منصوبے نہ دنیا میں کامیاب ہوں گے اور نہ ہی آخرت میں ان کو نجات نصیب ہوگی اور نہ عذاب شدید و مہین سے چھٹکارے کی کوئی سبیل ہوگی۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت و دشمنی کرتے ہیں یہ سب ذلیل ہونے والوں میں شامل ہیں۔ حق وصداقت کے خلاف جنگ اور مقابلہ ذلت و ناکامی ہی کا سبب ہوگا۔

فیصلہ لکھ دیا ہے اللہ نے اس بات کا کہ یقیناً میں غالب ہوں گا اور میرے رسول کامیاب وغالب ہوں گے۔ بے شک اللہ بڑا قوت وعزت والا ہے۔ خدا کی طاقت کو نہ کوئی زیر کر سکتا ہے اور نہ کوئی باطل کی طاقت خدا کے ارادوں کو مغلوب کر سکتی ہے، حق تعالیٰ کے اس فیصلہ اور قانون کے پیش نظر اے ہمارے پیغمبر ﷺ ہم آپ ﷺ پر یہ بات واضح کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ ہرگز کسی بھی ایسی قوم کو جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے والی ہے نہیں پائیں گے کہ وہ دوستی کریں ایسی قوم سے جو اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتے ہوں اور ان کے احکام سے بغاوت کر رہے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کے بیٹے یا بھائی ہوں یا ان کے قبیلے وخاندان ہوں ایسے ہی لوگ ہیں وہ جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ایمان راسخ ہے اور تائید کی ہے ان لوگوں کی اپنی طرف سے ایک غیبی فیض سے اور روحانی برکات سے ان کو ایسا مضبوط کر دیا ہے کہ وہ ایسے احوال کا مقابلہ کرتے رہیں اور ہر مخالفت اور مانع کی دور کرنے کی ہمت اپنے میں پاتے ہیں اس تائید غیبی یا جبریل امین علیہ السلام (جن کا لقب روح الامین ہے) کی مدد سے انکو ایک خاص معنوی حیات وقوت نصیب ہوتی ہے کفر اور کافروں کے مقابلہ میں اس تائید غیبی سے مومن کامیاب وغالب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرمایا کرتے تھے کہ کفر وشرک کا رد کرو اور کفار مکہ کی ہجو میں وہ اشعار پڑھتے اور آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے اللھم ایدہ بروح القدس کہ اے اللہ تو ان کی مدد فرما روح القدس کے ذریعے۔ اور داخل کرے گا اللہ ان کو جنت کے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں دائمی ہیں ان انعامات وکرامتوں پر مزید انعام یہ ہوگا کہ راضی ہوگا اللہ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے اس کے انعامات پر خوش ہوں گے یہ اللہ کی رضا وخوشنودی اور اہل ایمان کا اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا اس بات کا ثمرہ ہوگا کہ خدا ایسے ایمان والوں سے دنیا میں بھی راضی

ہوا اور وہ مومنین بھی اس کی اطاعت وفرماں برداری پر راضی رہے تو اس کا نتیجہ آخرت میں رضائے الٰہی کی صورت میں رونما ہوا اور اہل ایمان اس کے انعامات پر خوش ہوئے جب کہ ان کو اپنے اعمال کی نسبت سے بہت زیادہ گراں قدر نعمتیں ملیں جن کا یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ یہی لوگ ہیں حزب اللہ (خدا کا گروہ) بے شک خدا کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے اور خدا کے گروہ والے ہی دنیا میں بھی غالب آتے ہیں اپنی مراد پاتے ہیں اور آخرت میں بھی ان ہی کو کامرانی وخوشی نصیب ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ جن اللہ کے برگزیدہ بندوں نے خدا کی رضا وخوشنودی کے لیے اپنے خویش واقارب کو ناراض کیا ان کی دشمنی مول لی بلاشبہ اس کا بدلہ یہی ہونا چاہئے کہ وہ خداوند عالم کی خوشنودی ورضا سے سرفراز فرمائے جائیں اور ایسی نعمتیں اور راحتیں ملیں کہ وہ خود بھی خوش ہو جائیں۔ اللھم اجعلنی منھم آمین یارب العلمین۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے روایت کیا کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے مشرک باپ کو غزوہ بدر میں قتل کیا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب مجلس شوریٰ قائم فرمائی تو ان چھ حضرات کی خاص خصوصیت میں یہ فرمایا اولئك الستة الذين رضي الله عنهم کہ یہ وہ چھ حضرات ہیں جن سے اللہ راضی ہوا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ﴾ کا مصداق ہوئے اور ﴿اَبْنَآءَهُمْ﴾ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے جب کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے عبدالرحمن جو اس وقت مشرکین مکہ کی فوج میں تھے کہ اگر سامنے آجائے قتل کردوں گا اور ﴿اِخْوَانَهُمْ﴾ کا مصداق حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو بدر میں قتل کیا اور ﴿عَشِيْرَتَهُمْ﴾ کا مصداق عمر فاروق رضی اللہ عنہ بنے جب کہ انہوں نے اپنے خاندان کے بعض افراد کو قتل کیا۔

اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ اہل ایمان کی شان اس وقت بھی ظاہر ہوئی جب کہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ فدیہ لینے میں کچھ مسلمانوں کے واسطے مدد اور تقویت کا سامان ہو جائے گا مزید یہ لوگ جب کہ خود اپنے عشیرہ وقبیلہ ہی کے ہیں تو اس طرح کے انعام واحسان سے ممکن ہے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں، مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے، میری تو رائے یہ ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ ائمة الكفر ہیں ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی طاقت وشوکت پامال ہو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں کہ اپنے فلاں رشتہ دار (بھائی) کو قتل کروں اور علی رضی اللہ عنہ کو فرمایئے کہ وہ عقیل اپنے بھائی کو قتل کرے اور فلاں کو فرمایئے کہ فلاں کو قتل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین اور خدا کے دشمنوں کی قطعاً کوئی محبت نہیں، قصہ کی تفصیل کے لیے کتب سیرت کی مراجعت فرمائی جاوے۔ (تفسیر ابن کثیر، روح المعانی)

سورة الحشر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت کو سورۃ بنی النضیر بھی کہا کرتے تھے، اس وجہ سے کہ اس سورۃ میں بنونضیر کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

حشر کے معنی لغت میں جلاوطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت وخواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافات مدینہ سے جلاوطن کئے گئے جو قدرت خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کو ان پر تسلط اور غلبہ عطا فرمایا، اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح وتقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح وتنزیہہ پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال وجلال کو بھی ذکر فرما دیا تا کہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ اور مضافات مدینہ میں بسنے والے یہود سے صلح ومعاہدہ فرمالیا تھا معاہدہ کی اصل بنیاد یہ تھی کہ نہ رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف کوئی اقدام فرمائیں گے نہ خود قتال کریں گے اور نہ کسی قتال کرنے والی قوم کی مدد کریں گے، اسی طرح یہودی نہ قتال کریں گے اور نہ قتال کرنے والی کسی قوم کی مدد کریں گے مگر یہودیوں نے فوراً نقض عہد کیا قریش مکہ سے سازباز شروع کی اور ان کو جنگ پر آمادہ کیا، ان کا ایک بڑا سردار کعب بن الاشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ کے سامنے قریش مکہ سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا معاہدہ کیا۔

غزوۂ احد کے بعد ان یہودیوں کی خباثت ورعونت میں اور اضافہ ہو گیا جب یہ دیکھا کہ احد میں مسلمانوں کو پریشانی اٹھانی پڑی اور بظاہر شکست کی صورت پیش آئی تو اپنی سازشیں اور زائد کر دیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آنحضرت ﷺ کسی خون بہا کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بنونضیر کے یہود کے یہاں تشریف لے گئے تو ان خبیثوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ ﷺ جس جگہ تشریف فرمائیں وہاں اوپر سے بڑے بڑے پتھر گرا کر آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے چند رفقاء کا خاتمہ کر دیا جائے جس پر اللہ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو مطلع کر دیا اور آپ وہاں سے اٹھ کر واپس آ گئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اب ہمارا اور تمہارا کوئی عہد باقی نہ رہا اور تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ پھر جہاد وقتال ہے ان مغروروں نے قریش سے خفیہ معاہدہ اور در پردہ منافقوں کے تعاون کے دھوکہ میں اپنے احاطوں اور قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور سمجھے کہ ان محفوظ قلعوں سے ہمیں کوئی نکال نہیں سکتا، آنحضرت ﷺ نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کا محاصرہ کر لیا جب یہودی اپنے مکانوں اور قلعوں میں محصور ہو گئے تو مرعوب وخوفزدہ ہو کر صلح کی التجا کی۔ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے یہ علاقے خالی کر دیں یہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے کسی کی جان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو کچھ مال واسباب کوئی ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے مگر اب یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتا۔

محاصرہ کے دوران ان کے باغات وکھیتوں کو کاٹا اور جلایا بھی گیا اس طرح اس قوم بنونضیر کو پہلی مرتبہ جلاوطن کیا گیا اور اریحاء وتیما شام کے علاقوں میں جا کر بسے اور کچھ یہودی جیسے ابوالحقیق اور حیی بن اخطب خیبر چلے گئے اور یہ زمین وباغات مہاجرین وانصار کو تقسیم کیے گئے، تو اس سورۃ مبارکہ میں بنونضیر کی جلاوطنی انکی ذلت وشکست کا ذکر ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح ان کو ان کی زمینوں قلعوں اور باغات سے نکالا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں کا وارث بنایا جب کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک اپنی زمینیں نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ نے انہی کا حشر اور جلاوطنی کا منظر

ان کو دکھلا دیا اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ حشر مقرر ہوا۔
(صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی)

۵۹ سُوْرَۃُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰياتها ۲۴ ركوعاتها ۳

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ف۱ وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا، وہی ہے جس نے نکال دیئے،

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا

جو منکر ہیں کتاب والوں میں ان کے گھروں سے ف۲ پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے ف۳ تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے

جو منکر ہیں کتاب والوں سے، ان کے گھروں سے پہلے ہی بھیڑ ہوتے۔ تم نہ اٹکلتے تھے کہ وہ نکلیں گے،

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ

اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کو بچا لیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے، پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا

اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا بچاؤ ہے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے، پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا،

ف۱ چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ آگے بیان کیا جاتا ہے۔

ف۲ مدینہ سے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو "بنی نضیر" کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے، اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو ناز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ کر لیا، کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہ کریں گے۔ پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ آخر چند روز بعد اللہ و رسول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس غدار کا کام تمام کر دیا۔ پھر بھی "بنی نضیر" کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی دغابازی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند رفیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بیٹھے تھے اوپر سے بھاری چکی کا پاٹ ڈال دیا۔ اگر لگے تو آدمی مرجائے۔ مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ ارادہ کیا کہ ان سے لڑیں۔ جب مسلمانوں نے نہایت سرعت و مستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ مرعوب و خوفزدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی التجا کی۔ آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کر دیں۔ ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور جو مال اسباب اٹھا کر لے جا سکتے ہیں، لے جائیں۔ باقی مکان، زمین، باغ، وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے۔ حق تعالیٰ نے وہ زمین مال غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرائی، صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر رکھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اراضی مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ اس طرح انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور مہاجرین و انصار دونوں کو فائدہ پہنچا۔ نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کا اور وارد و صادر کا سالانہ خرچ بھی اسی سے لیتے تھے اور جو بچ رہتا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ اس سورت میں یہ ہی قصہ مذکور ہے۔

ف۳ یعنی ایک ہی بلہ میں گھبرا گئے اور پہلی ہی مڈبھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر نکل بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے۔ کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی۔

(تنبیہ) "اول الحشر" سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لیے اس طرح ترک وطن کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ قبل از یں ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ یا "اول الحشر" میں اس طرف اشارہ ہوا کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہوگا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا۔ یعنی دوسرے یہود و نصاریٰ کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر بھی ہونا ہے۔ اسی لیے "شام" کو "ارض الحشر" بھی کہتے ہیں۔

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ

اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک ف۱ اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ف۲

اور ڈالی ان کے دل میں دھاک اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں،

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ

سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو ف۳ اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلا وطن ہونا تو ان کو عذاب دیتا دنیا میں

سو دہشت مانو اے آنکھ والو! اور اگر نہ ہوتا کہ لکھا تھا اللہ نے ان پر اجڑنا تو ان کو مار دیتا دنیا میں۔

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ

اور آخرت میں ہے ان کے لیے آگ کا عذاب ف۴ یہ اس لیے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے

اور آخرت میں ہے ان کو آگ کی مار۔ اس پر کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے،

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا

تو اللہ کا عذاب سخت ہے ف۵ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر

تو اللہ کی مار سخت ہے۔ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا پیڑ، رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر،

ف۱ یعنی ان کے ساز و سامان، مضبوط قلعے اور جنگجویانہ اطوار دیکھ کر تم کو اندازہ تھا کہ اس قدر جلد اتنی آسانی سے وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور نہ ان کو خیال تھا کہ مٹھی بھر بے سروسامان لوگ اس طرح قافیہ تنگ کر دیں گے۔ وہ اسی خواب خرگوش میں تھے کہ مسلمان (جن کے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے) ہمارے قلعوں تک پہنچنے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے۔ اور اس طرح گویا اللہ کے ہاتھ سے بچ نکلیں گے۔ مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت اللہ کے حکم کو نہ روک سکی۔ ان کے اوپر اللہ کا حکم وہاں سے پہنچا، جہاں سے ان کو خیال و گمان بھی نہ تھا۔ یعنی دل کے اندر سے خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور بے سروسامان مسلمانوں کی دھاک بٹھلا دی۔ ایک تو پہلے ہی اپنے سردار کعب بن اشرف کے ناگہانی قتل سے مرعوب و خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اب مسلمانوں کے اچانک حملہ نے رہے سہے حواس بھی کھو دیے۔

ف۲ یعنی حرص اور غیظ و غضب کے جوش میں مکانوں کے کڑے، تختے، کواڑ اکھاڑنے لگے تاکہ کوئی چیز جو ساتھ لے جاسکتے ہیں رہ نہ جائے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے۔ اس کام میں مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ ایک طرف سے وہ خود گراتے تھے دوسری طرف سے مسلمان۔ اور غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے جو تباہی و ویرانی عمل میں آئی وہ بھی ان ہی بدبختوں کی بدعہدیوں اور شرارتوں کا نتیجہ تھی۔

ف۳ یعنی اہل بصیرت کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ کفر، ظلم، شرارت اور بدعہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔

ف۴ یعنی ان کی قسمت میں جلاوطنی کی سزا لکھی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی۔ مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے۔ غرض سزا سے بچ نہیں سکتے۔ یہ خدا کی حکمت ہے قتل کے بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا لیکن یہ تخفیف صرف دنیاوی سزا میں ہے آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہو کر پھر شام میں جانا پڑے گا۔ چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے۔

ف۵ یعنی ایسے مخالفوں کو ایسی سخت سزا ملتی ہے۔

فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيُخۡزِيَ الۡفٰسِقِيۡنَ ⑤ وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡهُمۡ فَمَاۤ اَوۡجَفۡتُمۡ

سو اللہ کے حکم سے ف۱ اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو ف۲ اور جو مال کو لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے

سو اللہ کے حکم سے، اور تا رسوا کرے بے حکموں کو۔ اور جو ہاتھ لگایا اللہ نے اپنے رسول کو ان سے، سو تم نے نہیں دوڑائے

عَلَيۡهِ مِنۡ خَيۡلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب

اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ جتا دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور اللہ سب

شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ⑥ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِى الۡقُرۡبٰى

کچھ کر سکتا ہے ف۳ جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے ف۴ اور قرابت والے کو ف۵

چیز کر سکتا ہے۔ جو ہاتھ لگائے اللہ اپنے رسول کو بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور ناتے والے کے

ف۱ جب وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تاکہ اس کے درد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ کافروں نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں، بھیا درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعض مصالح اوپر بیان ہو چکیں۔

ف۲ یعنی تاکہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ چنانچہ جو درخت چھوڑ دیے گئے اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان ان کو برتیں گے اور نفع اٹھائیں گے اور جو کاٹے یا جلائے گئے اس میں مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ و غضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں۔ لہٰذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کہ یہ ہی فرق رکھا ہے "غنیمت" میں اور "فیٔ" میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گزر چکی ہے) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (ان کی مصالح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو۔

(تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کی طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کر لیں۔ اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہوں گے وہ بھی حکم "فیٔ" میں داخل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال "فیٔ" خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف میں ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیت حاضرہ میں "علی رسولہ" کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی آیت میں ہدایت فرما دی کہ وجوباً یا ندباً فلاں فلاں مصارف میں صرف کیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اموال امام کے اختیار و تصرف میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا، محض حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات و مصالح میں خرچ کرے گا۔ باقی اموال غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔ وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے۔ کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ﴾ لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ علیحدہ بات رہی۔ البتہ شیخ ابوبکر رازی حنفی نے "احکام القرآن" میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لیے رہنے دے۔ جیسا کہ سواد عراق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔ اسی مسلک کے موافق شیخ ابوبکر رازی نے ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ﴾ کو اموال منقولہ پر اور سورۂ "حشر" کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔ اس طرح کی پہلی آیت ﴿وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡهُمۡ﴾ حکم "فیٔ" پر اور دوسری آیت ﴿مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى﴾ حکم "غنیمت" پر محمول ہے۔ اور =

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ

اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے ف۵ اور جو

اور بن باپ کے لڑکوں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے، تا نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے۔ اور جو

اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو ف۲ اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب

دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ کی مار

الْعِقَابِ ۘ

سخت ہے ف۳

سخت ہے۔

جلاوطنی یہود از ارض حجاز وغلبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر باغات وقلعہائے بنی نضیر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ... الی... اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت کے اختتامی مضمون میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والوں پر وعید تھی اور ان کی ذلت ورسوائی کا بیان تھا اور خداوند عالم کی عزت وقدرت اور کبریائی کا ذکر تھا تو اب اس سورۃ حشر میں اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ اور دشمنی کرنے والوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے، اور یہودیوں کی ذلت ورسوائی ذکر کی جارہی ہے کہ ان کی طاقت و شوکت اور ان کے محفوظ قلعے ان کو عذاب خداوندی سے نہ بچا سکے۔ ارشاد فرمایا:

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کے لیے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہی زبردست قوت وعزت وحکمت والا ہے

=لغۃ "غنیمت" کو لفظ "فئے" سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ف۴ پہلی آیت میں صرف اموال "بنی نضیر" کا ذکر تھا۔ اب اموال "فئے" کے متعلق عام ضابطہ بتلاتے ہیں۔ یعنی "فئے" پر قبضہ رسول کا اور رسول کے بعد امام کا اسی پر یہ خرچ پڑتے ہیں۔ باقی اللہ کا ذکر تبرکا ہوا۔ وہ تو سب ہی کا مالک ہے۔ وہاں کعبہ کا خرچ اور مسجدوں کا بھی جو اللہ کے نامزد ہیں ممکن ہے اس میں درج ہو۔

ف۵ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں کے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے۔ اور ان میں فقیر کی بھی قید نہیں تھی۔ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو دولت مند تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار جو صاحب حاجت ہوں امام کو چاہیے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے۔

ف۱ یعنی یہ مصارف اس لیے بتلائے کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں۔ یہ اموال محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں پر مریں۔

ف۲ یعنی مال وجائداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اسے بخوشی ورغبت قبول کرو، جو ملے لے لو، جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو۔

ف۳ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ڈرتے رہو کہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلط نہ کردے۔

اسی کی عزت وحکمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اسی نے نکال دیا کافروں کو اہل کتاب میں سے انکے گھروں سے پہلی مرتبہ جلاوطن کرنے کے لیے کہ ان سب کو اجتماعی طور پر اپنے گھروں اور آبادی سے نکلنے کا حکم دے دیا گیا اور وہ سرمایہ دار اور بڑے بڑے جتھوں والے یہودی جو بنونضیر تھے اپنے گھروں سے جلاوطن کر کے اریحاء اور تیماء کے علاقوں میں آباد کیے گئے یہ پہلا حشر اور جلاوطنی تھی جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی دوسری جلاوطنی جس کا اشارہ لفظ ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ میں کر دیا گیا تھا فاروق اعظم ؓ کے زمانہ میں پیش آئی جب کہ یہود کے ساتھ نصاریٰ بھی خیبر سے نکال کر شام کی طرف جلاوطن کئے گئے، اور اس طرح آنحضرت ﷺ کے فرمان اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب کی تکمیل فرمائی گئی۔

اے لوگو! تم گمان نہ کرتے تھے کہ وہ لوگ نکلیں گے اور ظاہری اسباب میں اس کی توقع نہ تھی اور ان لوگوں نے یہ خیال کیا ہوا تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے اور ان کی حفاظت کرلیں گے خدا کے فیصلہ سے لیکن خدا کا فیصلہ ان پر آپہنچا ایسی صورت سے کہ وہ گمان بھی نہ کرتے تھے اور سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس طرح محصور ہو کر بے بس و مجبور ہو جائیں گے اور ذلیل ومغلوب ہو کر نکلنا پڑے گا ان کے قلعے، ہتھیار اور ساز وسامان کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اللہ نے انکے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ خود ہی اپنے گھروں کو اجاڑنے لگے اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے سردار کعب بن الاشرف کے قتل سے پہلے ہی خوفزدہ ہو چکے تھے مگر پھر ناگہانی مسلمانوں کے حملے سے بچے کھچے ہوش وحواس بھی جاتے رہے، خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے مکانوں کے دروازے کڑی تختے اکھاڑنے لگے جب کہ مسلمانوں کا لشکر بھی ان کے قلعوں کو مسمار کر رہا تھا تو یہ ایسے حقائق وواقعات ہیں کہ عبرت حاصل کروائے آنکھ والو کہ خدا کی نافرمانی کا انجام کس طرح دنیا میں ذلت ورسوائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر اللہ نے ان پر یہ جلاوطنی کا فیصلہ نہ لکھ دیا ہوتا تو پھر ان کو دنیا میں عذاب دیتا جیسا کہ پہلی امتوں قوم عاد وثمود پر دنیا میں عذاب نازل کیا گیا اور ہوسکتا تھا کہ بنوقریظہ کی طرح مارے جاتے اور آخرت میں ان کے واسطے تو ہے ہی جہنم کا عذاب، جس سے ان کو کسی صورت میں بھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوسکتا یہ سب کچھ اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو بھی کوئی مقابلہ کرے گا اللہ کا تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ بڑا سخت عذاب والا ہے جو مجرموں اور نافرمانوں پر واقع ہوتا ہے، تو بنونضیر کے یہودیوں کے محاصرہ کے دوران اے مسلمانو! جو بھی کچھ تم نے کاٹا کسی نرم کھیتی یا کھجور کے درخت کو یا تم نے رہنے دیا اس کو اپنی جڑوں پر کھڑا ہوا سو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے اور اس لیے کہ اللہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔ اس وجہ سے کافروں کے یہ طعن واعتراض لغو ہیں جو انہوں نے کرنے شروع کیے کہ دیکھو مسلمانوں نے کیسا ظلم کیا کس طرح کھیتیاں اجاڑیں اور کس طرح کھجور کے درخت کاٹ ڈالے اور اس صورت سے کیسا فساد برپا کیا حالانکہ خود یہ مسلمان فساد سے منع کرتے ہیں تو سن لینا چاہئے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ کافروں کا غرور ونخوت پامال کر دیا جائے کہ جس دولت وجائیداد پر ان کو غرور تھا وہ ان کے ہی سامنے ڈھائی جارہی ہے، یہ باغات اور کھیتیاں جن کے نشے نے ان کے دماغ خراب کر رکھے تھے ان کے سامنے جلائی جارہی ہیں تا کہ وہ دیکھ لیں یہ ہے ہماری عزت اور یہ ہے ہمارے غرور وسرکشی کا متاع باطل جو آگ کے شعلوں کی نذر ہو رہا ہے یہود کی اس شکست ومغلوبی اور مسلمانوں کی فتح وکامرانی

کی صورت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور جو کچھ مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان لوگوں سے سو وہ ایسا مال ہے کہ نہیں دوڑائے ہیں تم نے اس پر گھوڑے اور نہ ہی اونٹ ولیکن اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ دے دیتا ہے جس پر چاہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے تو یہ ہے حقیقت مال فئے کی اور اس کے مصارف واحکام یہ ہیں جو مال بھی لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان بستیوں والوں سے وہ اللہ کے واسطے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ان سب کے حصے مال فئے میں مقرر کردیئے ہیں تاکہ نہ رہے یہ چیز گردش کرنے والی ایک دولت تمہارے میں سے مالداروں کے درمیان بلکہ ان سب مصارف میں تقسیم ہوکر ان سب اقسام وانواع کے افراد کے لیے اعانت وامداد کا ذریعہ بنے اور اس لینے میں کسی شخص کو یہ نہ سوچنا چاہئے کہ یہ میرا حق ہے میں اس کو جس طرح سے چاہوں لوں بلکہ تمہیں قناعت اختیار کرنی چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے اور جو کچھ تم کو رسول خدا دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کردیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ کسی بھی مرحلہ پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی نہ ہوسکے بے شک اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی عطا ہو یا احکام ہوں اور اوامر ونواہی جو بھی کچھ دیا جائے اس کو لینا چاہئے اس پر عمل کرنا چاہئے اور جس سے روکا جائے اور منع کیا جائے سعادت یہی ہے کہ اس سے باز رہا جائے اس کی خلاف ورزی بدنصیبی اور شقاوت ہے۔

جزیرۂ عرب سے یہود کی جلاوطنی

اس سورت کی ابتداء ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ ان کے گھروں سے جلاوطنی کا مضمون ادا کررہی ہے اور لفظ ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ سے ظاہر کردیا گیا کہ اس پہلی مرتبہ کی جلاوطنی کے بعد پھر بھی کوئی اور وقت آئے گا کہ وہ اپنے گھروں سے نکالے جائیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے موقع پر باسناد عبدالرزاق، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر پر حملہ کیا اور قریظہ پر بھی تو بنونضیر کو جلاوطن کیا اور قریظہ پر احسان وکرم کرتے ہوئے ان کو رہنے دیا، لیکن جب قریظہ نے بھی بغاوت کی تو ان پر بھی حملہ کیا گیا ان کے مردوں کو قتل کیا گیا، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا البتہ جن بعض اہل کتاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دے دی اور وہ لوگ اسلام لے آئے۔ ●

پہلی مرتبہ کی جلاوطنی کا ذکر اس سورت میں وضاحت وتفصیل کے ساتھ کیا گیا اور دوسری مرتبہ کی جلاوطنی جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی صرف ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ کہہ کر اشارہ کردیا گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو اس طرح نکالا کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ چھوڑا گویا جس کام کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کی تکمیل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی جو ان کی فضیلت کی عظیم ترین دلیل ہے۔

● تفسیر ابن کثیر، صحیح بخاری وصحیح مسلم، روح المعانی۔ ۱۲

ابن عباس ؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بنونضیر کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ یہود بنونضیر مجبور و بے بس ہو گئے تو ان لوگوں نے اپنی عاجزی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر فیصلہ ہمیں منظور ہے بشرطیکہ آپ ﷺ ہماری جان بخشی کر دیں تو آپ ﷺ نے ان کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنی زمینوں، مکانوں اور وطن سے نکل جائیں اور شام کے علاقہ میں جا کر بس جائیں آپ ﷺ نے ہر تین کو ایک مشکیزہ اور ایک اونٹ کی اجازت دی تاکہ وہ اس پر سفر کر سکیں اور پینے کے لیے پانی رکھ سکیں تو یہ پہلی مرتبہ کی جلاوطنی تھی۔

غنیمت اور فئے کے درمیان فرق

بنونضیر کے اموال شریعت کے نزدیک مال فئے ہوئے اور اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں قرآن کریم نے فئے کا مفہوم متعین کر دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿وَمَآ اَفَاۤءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ کہ فئے وہ مال ہے جس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے ہوں اور نہ اونٹوں سے حملہ کیا ہو بلکہ کافر مرعوب و مغلوب ہو گئے ہوں، اور مرعوب و مغلوب ہو کر کافروں نے ہتھیار ڈال دیے ہوں تو اس قوم سے حاصل شدہ اموال خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ مال فئے کہلاتے ہیں، غنیمت تو اس مال کو کہا جائے گا جو قوت استعمال کرنے کے بعد بصورت فتح حاصل ہو، مال غنیمت کا حکم۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ میں بیان کر دیا گیا تھا کہ خمس نکالنے کے بعد بقیہ چار خمس مجاہدین کے درمیان برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے لیکن فئے میں خمس بھی نہیں نکالا جائے گا اور یہ بھی لازم نہیں کہ ہر مجاہد کو برابر دیا جائے استعداد و صلاحیت کے پیش نظر حصوں میں کمی زیادتی کی جا سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں یہی فرق رکھا ہے غنیمت اور فئے میں جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اور اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانے میں رہے جو ان ہی پر صرف کیا جائے۔

حضرات فقہاء نے بیان فرمایا ہے اگر ابتداء میں کچھ صورت جنگ کی ہوئی لیکن پھر کافروں نے مرعوب ہو کر قبل اس کے کہ جنگ کا کوئی فیصلہ ہو صلح کی طرف مسارعت کی اور مسلمانوں نے اس کو قبول کر لیا تو اس صورت میں بھی جو اموال حاصل ہوں گے وہ بھی "فئے" کے حکم میں شمار کیے جائیں گے اور بنونضیر کے واقعہ میں صورت ایسی ہی پیش آئی۔

مال فئے کے متعلق آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی حکم تھا کہ وہ خالصتاً آپ ﷺ کے اختیار و تصرف میں آ جاتے ہیں اور ان اموال پر آپ ﷺ کا تصرف بعض فقہاء کی رائے کے مطابق مالکانہ تھا جیسا کہ الفاظ آیت سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے، جو صرف آپ ﷺ کے حق میں مخصوص تھا اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق آپ ﷺ کا تصرف متولیانہ تھا، یہ احتمال و بحث صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک مخصوص و محدود تھی اس کے بعد اس امر پر اجماع ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی خلیفہ اور امام کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا بلکہ متولیانہ ہے، جو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مناسب مواقع پر مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کر سکتا ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صرف ان ہی مجاہدین پر تقسیم کیا جائے جو اس مہم میں شریک تھے جس

کے نتیجہ میں یہ فئے حاصل ہوا برخلاف غنیمت کے کہ وہ خمس نکالنے کے بعد صرف انہی مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے جو اس لشکر اور جہاد میں شامل تھے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی مجاہد خود ہی اپنا حق چھوڑ دے یا کسی اور کو ہبہ کردے۔

قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں بیان فرماتے ہیں "یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو یہ اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کردے اور مصلحت نہ سمجھے تو بجائے تقسیم کرنے کے مصالح عامہ کے لیے رہنے دے جیسا کہ سواد عراق میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض جلیل القدر صحابہ کے مشورہ سے یہی عملدرآمد رکھا اسی مسلک اور رائے کے پیش نظر قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ کو اموال منقولہ پر اور سورۃ حشر کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا، اس طرح کہ یہاں پہلی آیت ﴿وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ﴾ کا حکم فئے سے متعلق ہے اور دوسری ﴿مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ کا حکم غنیمت پر محمول ہے اور لغۃً غنیمت کو فئے سے تعبیر کرسکتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب (از فوائد عثمانی)

علامہ ابن الاثیر، جزری رحمۃ اللہ علیہ نے مال غنیمت اور فئے میں فرق کا یہی معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بغیر قتال و جہاد کافروں سے حاصل ہو وہ مال فئے ہے جیسا کہ سورۃ حشر کی ان آیات میں ہے لیکن قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ وہ جہاد و قتال سے ہو یا بغیر جہاد وقتال کے وہ ہمارے نزدیک مال فئے ہے، (احکام القرآن: ۳/ ۸۴) اس لحاظ سے مال فئے عام ہوا اور مال غنیمت خاص، حنین میں جو مال غنیمت مال تھا وہ بلاشبہ مقابلہ اور شدید مقاتلہ کے بعد حاصل ہوا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے مؤلفۃ قلوبہم پر تقسیم فرمایا جیسا کہ مال فئے تقسیم کیا جاتا ہے اور پہلے معنی کے لحاظ سے حنین کی غنیمت تھی اس پر فئے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

غزوۂ خیبر میں جو قلعہ اور زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واسطے محفوظ رکھی اور اس کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا، صحیح روایات میں اس پر بھی فئے کا اطلاق آیا ہے اور فدک اور وادی القریٰ کی جو زمینیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح سے ملی تھیں ان پر بھی فئے کا اطلاق آیا ہے تو ان نقول وروایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو مال یا زمین کسی بھی صورت سے مسلمانوں کو کافروں سے ملے اس کو فئے کہیں گے نصوص کتاب اللہ اور سنت سے یہی عموم معلوم ہوتا ہے اور بعض فقہاء مثلاً صاحب ہدایہ کے کلام سے بھی ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکر رسالت میں

آیت مذکورہ ﴿فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ میں ل، للہ پر تملیک کے لیے ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ رب العزت ان اموال کا حقیقی مالک ہے اور للرسول پر لام تولیت کا ہے کہ مالک حقیقی نے اپنی عطا اور ملک یا امانت بطور نیابت وتولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمائی اور قانون مقرر ہوگیا کہ ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ تو ولایت ونیابت کا یہ مقام اور تولیت ایک برزخی مقام ہوا جو ملک حقیقی اور ملک مستعار کے درمیان ہے اور یہ صرف رسول

اللہ ﷺ کے لیے مختص ہے اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر اخذ ہوتا ہے کہ جیسے مالک حقیقی خداوند مالک الملک کو یہ اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اسی طرح بوجہ خلافت خداوندی یہ مرتبہ متوسطہ یعنی مرتبہ تولیت رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے جس کے واسطے آیت مبارکہ ﴿مَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ناطق ہے۔

جو تولیت آنحضرت ﷺ کو خلافت الہیہ کے ضمن میں من جانب اللہ حاصل تھی اس کا ماحصل خلافت کی تقسیم ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین وہ خدمت انجام دیتے رہیں جو انکے سپرد کی جائے، حضور اکرم ﷺ کو خلافت خداوندی حاصل تھی تو خلفائے راشدین کو خلافت نبوت حاصل تھی اور اس کا اصل سبب تولیت ہے نہ کہ ملکیت، اس لیے نقل خلافت میں وراثت وقرابت کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا، پھر یہ فرما کر ﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَآءُ﴾ یہ ظاہر فرما دیا کہ ہر عطا خواہ مال فئے وغنیمت ہو یا خلافت ونیابت رسالت ہو اس میں کسی کا استحقاق ودخل نہیں بلکہ رسول خدا کا فیصلہ اور ان کی عطا اور تعیین ہی بنیاد ہے جس کو چاہیں اپنی صوابدید سے عطا فرما دیں تو اسی معیار سے آپ ﷺ نے جس ہستی کو حضرات صحابہ کرام ؓ میں خلافت نبوت کا سب سے پہلا مستحق سمجھا اسی کو خود اپنی حیات مبارکہ میں جانشین بنا دیا اور حکم دے دیا مروا ابابکر لیصل بالناس۔ کہ ابوبکر ؓ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، مگر ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ ؓ، حفصہ ؓ نے بہت کوشش کی کہ ابوبکر ؓ کے بجائے کسی اور کو اس خدمت پر مامور کر دیا جائے لیکن آپ ﷺ نے پوری قوت اور سختی سے ان کی بات رد کرتے ہوئے یہی فیصلہ برقرار رکھا کہ، مروا ابابکر لیصل بالناس، تاکہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ آپ ﷺ کا اپنے مصلے پر ابوبکر ؓ کو کھڑے ہونے کے لیے فرمانا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک طے شدہ خداوندی فیصلہ تھا کہ اب پیغمبر خدا ﷺ کی نیابت وجانشینی صدیق اکبر ؓ کے واسطے بارگاہ خداوندی سے طے ہوچکی ہے، چنانچہ خود حضرت علی ؓ اسی حقیقت کو اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر ؓ کو امامت کے لیے فرمایا یہ بات نہیں کہ ہم غائب تھے بلکہ موجود تھے ہماری موجودگی میں یہ حکم صادر ہورہا تھا اور ہم تندرست تھے بیمار نہ تھے کہ کوئی یہ گمان کرنے لگے شاید علی ؓ بیمار ہوں گے اس وجہ سے یہ بات ہوگئی ورنہ علی ؓ ہی امام بنائے جاتے (نہج البلاغہ)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل

واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل

وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ

اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی، اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے ف۱ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں

اور اس کی رضا مندی، اور مدد کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کی۔ وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور جو گھر پکڑ رہے ہیں اس گھر میں

ف۱ یعنی یوں تو اس مال سے عام مسلمانوں کی ضروریات وحوائج متعلق ہیں لیکن خصوصی طور پر ان ایثار پیشہ جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے۔ =

وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ

اور ایمان میں ان سے پہلے سے ف۱ وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس ف۲ اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو

اور ایمان میں، ان سے پہلے، محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ آئے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو

اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

مہاجرین کو دی جائے، اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ ف۳ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہی لوگ ہیں

ان کو ملا، اور اول رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک۔ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے، تو وہی لوگ ہیں

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

مراد پانے والے ف۴ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد ف۵ کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو

مراد پانے والے۔ اور واسطے ان کے جو آئے ان سے پیچھے کہتے ہوئے، اے رب بخش ہم کو، اور ہمارے بھائیوں کو

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ

جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا

جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی ہے نرمی والا

رَّحِيْمٌ ۝ ع

مہربان ف۶

مہربان۔

= جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت و اطاعت میں اپنے گھربار اور مال و دولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تا کہ اللہ و رسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کر سکیں۔

ف۱ اس گھر سے مراد ہے مدینہ طیبہ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اور ایمان و عرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔

ف۲ یعنی محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لیے تیار ہیں۔

ف۳ یعنی مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل و شرف عطا فرمائے یا اموال فئے وغیرہ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ عنایت کریں، اسے دیکھ کر انصار دل تنگ نہیں ہوتے نہ حسد کرتے ہیں۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود تکلیفیں اور فاقے اٹھا کر بھی اگر ان کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ ایسا بے مثال ایثار آج تک دنیا کی کس قوم نے کس کے لیے دکھلایا۔

ف۴ یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کی توفیق و دستگیری نے ان کے دل کے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لیے کہاں ایثار کر سکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟

ف۵ یعنی ان مہاجرین و انصار کے بعد عالم وجود میں آئے، یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے، یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ والظاہر ہو الاول۔

ف۶ یعنی سابقین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض نہیں رکھتے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ =

استحقاق مہاجرین وانصار ومحبین ومخلصین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم در مال فئے

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا ... الی ... اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں بنونضیر کی جلاوطنی کا ذکر تھا اور یہ کہ ان کے اموال جو بطور فئے حاصل ہوئے ہیں ان کا متولی و متصرف کلیۃً اللہ نے اپنے پیغمبر کو بنایا پیغمبر ہی کو ان پر تسلط وغلبہ عطا کیا گیا اب ان ہی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں کسی کو اس میں ذرہ برابر نکتہ چینی کا حق نہیں، اور اللہ نے ان اموال کے مستحق، ذوی القربی، یتامی ومساکین اور ابن السبیل بنائے ہیں ان مصارف کے ذکر کے بعد خاص طور پر اب ان آیات میں مہاجرین وانصار اور حضرات مہاجرین وانصار سے محبت رکھنے والوں کا استحقاق بیان کیا جارہا ہے ساتھ ہی مہاجرین وانصار کے ایسے عظیم فضائل اور وہ بلند پایہ قربانیاں ذکر فرمائیں جن کے سامنے ہر شخص گرویدہ ہوجائے جس کے دل میں ادنیٰ درجہ کا بھی ایمان ہو اسی ضمن میں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو بھی شخص یا گروہ مہاجرین وانصار سے العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ بغض رکھتا ہے در حقیقت وہ ایمانی جذبات اور تقاضوں سے قطعاً محروم ہے اور بے بہرہ ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے والوں اور اس کی وجہ سے اپنے وطن جائیدادوں اور خاندانوں کو چھوڑ دینے والے محبوب نہ ہوں اسی طرح وہ شخص بھی ہرگز مومن نہیں ہوسکتا جو ایمان اور پیغمبر خدا کو ٹھکانا دینے اور مدد کرنیوالوں کو محبوب نہ رکھتا ہو تو ارشاد فرمایا۔

یہ مال فئے ان فقراء ومہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے انہوں نے اپنی زندگی کی ہر محبوب چیز قربان کی صرف اللہ کا فضل اور رضامندی چاہتے ہوئے اور اس لیے کہ مدد کریں اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی بے شک یہی لوگ سچے ہیں جن کی صداقت پر انکی بے مثال قربانیاں وجانثاریاں اور اپنے جان ومال سے اللہ اور اس کے رسول کی امداد واعانت کے سورج سے زیادہ روشن دلائل وشواہد ہیں اور اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانا بنایا اس گھر کا یعنی مدینہ منورہ کہ جس میں وہ بستے تھے اور اس سرزمین میں ایمان کو بھی بسایا ان مہاجرین کی مدینہ منورہ آمد سے قبل جن کی حالت یہ ہے کہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کرکے ان کی طرف آئے ہیں نہ صرف محبت بلکہ کمال اخلاق اور بلندی حوصلہ کی نوبت یہاں تک ہے کہ اور اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد اور تنگی بھی محسوس نہیں کرتے اس شرف فضیلت سے کہ جو ان مہاجرین کو دی گئی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے او پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو فاقہ ہی ہو اور سب پاکیزہ خصلتیں اس بنیاد پر قائم ہیں کہ ان حضرات کے قلوب حرص اور حب مال سے پاک ہیں اور بے شک جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچایا گیا تو بس ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں اور یہ مال فئی ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد آئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرما ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ اور کینہ ایمان والوں کے لیے اے پروردگار اے ہمارے رب بے شک تو بہت ہی نرمی کرنیوالا مہربان ہے۔

= آیت سب مسلمانوں کے واسطے ہے جو اگلوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور ان سے بیر نہ رکھیں۔" امام مالک رحمہ اللہ نے یہیں سے فرمایا کہ جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لیے مال فئے میں کچھ حصہ نہیں۔

تو یہ ہیں مصارف اور مستحقین اموال فئے جن کے اوصاف ایمان واخلاص کے یہ ہونے چاہئیں، سب سے مقدم اوراعلیٰ مستحق مہاجرین وانصار ہیں کیونکہ وہ اصل اسلام کی عمارت ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کی اور ایمان کو اپنی بستی "مدینہ پاک" میں بسایا، پھران کے بعد جو لوگ ان کے ساتھ اخلاص ومحبت رکھنے والے ہوں ان کو دعائیں دیتے ہوں انکے قلوب ان نفوس قدسیہ سے بغض وحسد سے پاک ہوں وہ مستحق ہوں گے۔

اسی آیت مبارکہ کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا اوصی الخلیفة بعدی بالمهاجرین الاولین ان یعرف لهم حقهم ویحفظ لهم کرامتهم واوصیته بالانصار خیرا الذین تبوؤ الدار والایمان من قبل ان یقبل من محسنهم وان یعفوا عن مسیئهم۔ کہ میں وصیت کرتا ہوں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اس بات کی کہ مہاجرین اولین کے ساتھ بہتر معاملہ کرے، ان کا حق پہچانے اور ان کی عظمت وکرامت کو محفوظ رکھے اور اسی طرح اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو انصار کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں خیر اور بھلائی کے لیے، یہ لوگ وہ ہیں جو مدینہ کو پہلے سے مرکز ایمان بنا چکے ہیں اور اس بستی میں پہلے ہی انہوں نے ایمان کو بسالیا تھا اس امر کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کی بھلائیاں قبول کرے، (اور ان کو سراہے) اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ (صحیح بخاری)

﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا﴾۔ مکارم اخلاق کی بلندترین تعلیم ہے۔ اور انسان کا اصل شرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ کسی دوسرے کی فضیلت وبرتری پر حسد نہ کرے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی کہ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! ابھی ایک شخص اہل جنت میں سے تمہارے سامنے رونما ہوگا، تو ناگہاں ایک انصاری صاحب نظر آئے، سامنے سے آرہے ہیں اور ان کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہیں اور بائیں ہاتھ میں انہوں نے اپنا جوتا لٹکایا ہوا ہے، راوی بیان کرتے ہیں کہ جب آئندہ روز ہوا تو بھی آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی فرمایا، اور پھر وہی شخص اسی شان کے ساتھ رونما ہوئے، پھر تیسرا دن ہوا تو بھی آپ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا اور پھر وہی شخص اسی طرح سامنے سے آئے، آنحضرت ﷺ جب مجلس سے اٹھ کر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان صاحب کے پیچھے پیچھے چلے اور ان سے الحاح واصرار سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ تین روز رہنے کی اجازت دے دیں انہوں نے اس کو منظور کرلیا، تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ تین راتیں گزاریں تو کوئی خاص قابل حیرت عمل نہ دیکھا بجز اس کے کہ رات کو آرام کر کے کچھ حصہ عبادت میں گزارتے اور پھر صبح کے لیے اٹھ جاتے، تین راتیں گزارنے پر میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے بندۂ خدا میں نے تین روز تک رسول اللہ ﷺ سے اس طرح سنا جس کے باعث تجسس میں رہا کہ دیکھوں تمہارا خاص عمل کیا ہے لیکن میں نے تمہارا کوئی حیرت ناک عمل نہیں دیکھا، اس پر ان صاحب نے جواب دیا بس میرے پاس یہی کچھ ہے جو تم نے دیکھا، بیان کرتے ہیں کہ جب واپس ہونے لگا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا، اے بندہ خدا میرے پاس بے شک کوئی خاص عمل تو نہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں کسی شخص سے کوئی حسد اور دل میں قطعاً کوئی بغض

نہیں رکھتا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس کو سن کر فرمانے لگے بس یہی تو وہ خوبی ہے جس کی ہر شخص طاقت نہیں رکھتا۔ [1] حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔

﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ﴾ کا تو یہ مقام تھا کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ آئے تو انصار نے کہا اے ہمارے مہاجر بھائیو! آجاؤ ہم اپنا مال زمینیں نصف نصف برابر اپنے اور تمہارے درمیان تقسیم کرلیں حتی کہ کسی کے پاس دو بیویاں تھیں وہ کہنے لگا میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تا کہ تم اس سے شادی کرلو جو تم کو مناسب معلوم ہو بتاؤ اس ایثار واخوت کی دنیا میں ظاہر ہے کیا مثال مل سکتی ہے، لیکن اس کے ساتھ مہاجرین نے بھی عزت نفس اور استغناء کا وہ ثبوت پیش کیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، فرمایا خدا تعالیٰ تمہارے مال تمہیں مبارک فرمائے بس آپ لوگ ہمیں بازار بتادو یعنی تعارف کرادو ہم محنت ومشقت سے کمالیں گے۔

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ کی تفسیر میں حضرات مفسرین رحمہم اللہ نے وہ معروف روایت بیان کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فاقہ کی مشقت میں مبتلا ہوں میری مدد فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف کسی کو بھیجا شاید کچھ مل جائے لیکن کچھ نہ مل سکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص جو آج رات اس کی مہمانی کرسکے تو ایک انصاری شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا میں حاضر ہوں اور اپنی اہلیہ کی طرف گئے اور بتایا کہ یہ صورت حال ہے، اہلیہ نے کہا آج تو بس بچوں ہی کے کھانے کے بقدر ہے اس کے سوا کچھ نہیں، انصاری نے کہا جب رات ہو تو بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلادینا اور پھر جب مہمان کھانے پر بیٹھے تو چراغ بجھادینا تا کہ یہ بات مہمان کو نظر نہ آسکے کہ ہم نہیں کھارہے ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا صبح کو جب یہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اس مرد اور عورت کی یہ بات بہت ہی پسند آئی اور ان ہی کے متعلق اس نے یہ فرمایا۔ ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [2] یہ صحابی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، ایسا ہی وہ مشہور قصہ ہے جو جنگ یرموق میں پیش آیا تھا کہ چند زخمی لب دم تھے، ان میں سے جس کسی کے سامنے پانی لایا گیا اس نے یہ چاہا کہ بجائے میرے یہ پانی میرا بھائی پی لے اور اس کی جان بچ جائے تو اچھا ہے، ہر ایک دوسرے کی طرف لوٹاتا رہا کسی نے بھی نہ پیا اور سب کے سب اسی طرح پیاس میں تڑپتے ہوئے جاں بحق ہوگئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم)

ذوی القربیٰ یتامی اور ابن السبیل میں مستحقین فئے کی قسم اول فقراء ومہاجرین

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ میں عمومی طور پر ان اصناف واقسام کا مال فئے میں استحقاق بیان فرمانے کے بعد ان مستحقین میں سب سے اعلیٰ اور مقدم جو گروہ ہے اس کو ذکر فرمایا جارہا ہے کہ وہ فقراء مہاجرین کا گروہ ہے ان کے اوصاف میں سب سے پہلے تو انکی مظلومیت کو ﴿اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ سے ظاہر فرمایا گیا کہ ان کو ان کے مکانوں سے نکالا گیا اور ان

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

[2] صحیح بخاری، مسلم، نسائی۔ ۱۲

کے اموال ضائع کیے گئے، پھر یہ مظلومیت ان کی محض اللہ کی رضا کے لیے واقع ہوئی تو جس طرح ہر مظلوم کے لیے خواہ وہ کسی طرح بھی مظلوم ہو ہمدردی اور اعانت کا جذبہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے چہ جائیکہ وہ مظلوم اللہ کی راہ اور اس کی رضا تلاش کرتے ہوئے مظلوم ہوا ہو تو اس فرد پر جس کو خدا سے ذرہ برابر بھی تعلق ہے، ضروری ہے کہ وہ ان مظلومین کے ساتھ ہمدردی اور مدد کے لیے پوری طرح مستعد ہو جائے، مزید برآں یہ مظلوم باوجود مظلوم و بے سہارا ہونے کے وہ ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسول کی مدد کی اور اسی جرم میں ان کو ان کے مالوں اور گھروں سے نکالا گیا مظلومیت اخلاص اور اللہ ورسول کی نصرت کے علاوہ ان کے کردار اور مجموعہ عملی زندگی نے یہ ثابت کیا کہ وہ راست باز اور سچے ہیں اور جب وہ لوگ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ کا مصداق ہیں تو ہر ایمان وتقوی والے پر یہ حکم خداوندی عائد ہوتا ہے، ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ اس کی تعمیل میں ہر صاحب ایمان کو ان صادقین کے ساتھ ہو جانا ضروری ہے جن کے صادق ہونے کا اعلان خداوند عالم نے فرما دیا۔

مستحقین کی قسم دوئم: انصار اور ان کی خصوصیات

استحقاق مہاجرین کے بعد انصار کا استحقاق اور ان کے اوصاف میں سب سے پہلے ﴿تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ کا وصف بیان فرمایا کہ انہوں نے ایمان و اسلام کو اپنے شہر مدینہ میں ٹھکانہ دیا، دوسری صفت یہ کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، تیسری صفت یہ کہ حسد سے ان کے قلوب پاک ہیں کہ مہاجرین کو جو شرف وفضل ملا اس پر ذرہ برابر حسد یا ملال نہیں۔ چوتھی صفت ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ﴾ کہ اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں خواہ وہ فقر وفاقہ میں مبتلا ہوں اور پانچویں صفت یہ کہ وہ مال کی حرص سے منزہ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہی اوصاف رشد وفلاح کے ضامن ہیں، لہٰذا یہ گروہ مفلحین اور کامرانوں کا ہوا۔

قسم سوم: عام اہل اسلام

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ﴾ میں گروہ مہاجرین وانصار کے بعد عامۃ المسلمین کو بیان فرمایا کہ وہ مال فئے کے مستحق ہیں اور اس تیسری جماعت کو مال فئے میں حصہ ملنے کے اوصاف دو وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ سابقین اولین اور مفلحین کی توقیر وتعظیم کریں ان کے دعائے مغفرت کریں اور ان کے دل میں ان حضرات صحابہ ؓ کی طرف سے کسی قسم کی کدورت یا بغض نہ ہو، ان اوصاف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس کسی کے دل میں مہاجرین وانصار کی عظمت و محبت وخیر خواہی کا جذبہ نہ ہو بلکہ بغض ونفرت یا تکدر یا طعن وتشنیع اور تحقیر وتوہین ہو، وہ کبھی ان حقوق میں شامل نہیں ہوسکتا جو حقوق اللہ رب العزت نے اہل اسلام کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ان آیات کو تلاوت کر کے فرمایا کرتے خدا کی قسم جو شخص مہاجرین کی طرف سے کدورت رکھتا ہو وہ ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہوسکتا[1] جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا اور حق تعالیٰ شانہ نے مدح فرمائی۔

[1] ازالۃ الخفاء۔ ہدیۃ الشیعہ۔ ۱۲

چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "منہاج السنۃ" جلد اول میں ان آیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

وھذہ الایات تتضمن الثناء علی المھاجرین والانصار وعلی الذین جاء وا من بعدھم یستغفرون لھم ویسئلون اللہ عزوجل ان لایجعل فی قلوبھم غلالھم، وتتضمن ان ھؤلاء الاصناف ھم المستحقون للفئی۔ ولا ریب ان ھؤلاء الرافضۃ خارجون عن الاصناف الثلثۃ فانھم لم یستغفروا للسابقین وفی قولبھم غل علیھم۔ ففی الآیات الثناء علی الصحابۃ وعلی اھل السنۃ الذین یتولونھم واخراج الرافضۃ من ذلک، وھذا ایفتض مذھب الرافضۃ۔

اور یہ آیتیں مہاجرین وانصار کی مدح پر مشتمل ہیں اور ان لوگوں کی بھی تعریف پر مشتمل ہیں جو انصار ومہاجرین کے بعد آئیں گے اور یہ بعد میں آنیوالے، سابقین اولین کے لیے دعاء مغفرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے دلوں کو مہاجرین وانصار کے کینہ سے بالکل پاک وصاف رکھ، نیز ان آیات میں یہ مضمون بھی ہے کہ مال فئی کی مستحق یہ تین جماعتیں ہیں (ان کے سوا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان تینوں قسموں سے خارج ہیں اس لیے کہ وہ مہاجرین وانصار کے لیے دعاء مغفرت نہیں بلکہ ان کے دلوں میں تو مہاجرین وانصار کا کینہ بھرا ہوا ہے، تو ان آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ومدح ہے اور اسی طرح اہل السنۃ کی مدح ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور یہ آخری قید رافضیوں کو خارج کرنے کے لیے ہے اور یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو بالکل چاک کر دیتی ہے۔

اور ان کے اس عیب وخبث کی پردہ دری کر رہی ہے جو ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے۔ اللھم جنبنا عن کل رفض وسوء واملأ قلوبنا عن حب اصحب نبیک صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہ واصحابہ...... اجمعین۔

مستحقین ومصارف مال فئی

حق تعالیٰ شانہ نے مال فئی کے مصارف اور ان کا استحقاق بیان فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ الخ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جیسے مال غنیمت کے مصارف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ الخ وہاں بھی تین لام ہیں، لام، کلام عرب میں استحقاق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ متعلق کے فرق سے استحقاق کی صورتوں میں بھی فرق ہوگا، اللہ کے لیے مال غنیمت اور مال فئی ہونا ملکیت کے معنی ظاہر کر رہا ہے، کیونکہ اللہ ہی مالک الملک اور حقیقی مالک ہے اور للرسول میں تولیت کا مفہوم ادا کر رہا ہے، جس سے یہ بتانا مقصود ہے ان اموال کے اصل متولی رسول

اللہ ﷺ ہیں مالک حقیقی کی امانت کو بطور امانت و نیابت صرف کرنے کا حق آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ مالک حقیقی کے حکم کے مطابق خرچ فرمائیں گے اور لذی القربی" کا لام صرف محل ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ مال فئی کے یہ مستحق اور مصرف ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مال فئی اللہ اور اس کے رسول کے اور قرابت داروں یتیموں اور مسافروں کے لیے ہے، فللہ میں خدا کی مالکیت کا بیان ہوا اور للرسول کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ رسول خدا ہیں۔ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کو اتنی فرصت نہیں کہ کمائیں اور اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں تو جب وہ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں تو بمقتضائے قدر شناسی، رسول کا نان ونفقہ بھی خدا ہی کے ذمہ ہونا چاہئے اس سے بہتر اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ جو مال خاص خدا کا دیا ہوا ہے اور بغیر منت غیر حاصل ہوا اس میں سے کچھ اس پروردگار کے رسول کے لیے تجویز کیا جائے اور یتیم و مسکین اور ابن السبیل اس وجہ سے کہ ان سے اسباب رزق منقطع ہوئے ہیں مورد رحم ہیں تو ان کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو دینے کا حکم دیا گیا خواہ وہ ذوی القربیٰ ہوں یا ان کے علاوہ۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا فقراء مہاجرین وانصار اور ان کے متبعین اور ان مہاجرین سے محبت رکھنے والوں کے لیے جن کی کوئی تحدید نہیں بلکہ انکے بعد آنے والے ان مومنین کے لیے جو ان حضرات کے واسطے دعاء مغفرت کرتے ہوں اور ان کے دلوں میں مہاجرین وانصار کے لیے بے پناہ جذبات محبت و عظمت ہوں۔

مالک [1] بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آیت مبارکہ ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ... عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ آیت مصارف صدقات کو بیان کر رہی ہے اور وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو صدقات کے مستحق ہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اور فرمایا اس آیت نے ان لوگوں کو بیان کیا ہے جو مال غنیمت کے مستحق ہیں اس کے بعد سورۃ حشر کی یہ آیت تلاوت کی۔ ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى ... الی ... لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ اور فرمایا کہ یہ آیت مال فئی میں مہاجرین کا حق بیان کر رہی ہے، پھر آیت ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے مال فئی میں انصار کا حق بیان کیا ہے اور اخیر میں ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے، جس سے ثابت ہو گیا کہ بیت المال اور مال فئی میں ہر مسلمان کا حق ہے اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھ لینا کہ ایک چرواہے کا حق بھی اس کے گھر پہنچا کرے گا بغیر اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ بھی آئے ہر مسلمان کا حق اس تک پہنچ کر رہے گا خواہ وہ کسی بھی دور دراز مقام پر ہو۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر روح المعانی تفسیر ابن کثیر۔

مال فئی اور مال غنیمت میں فرق

مال فئی شریعت کی اصطلاح میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے قبضہ سے مسلمانوں کو بغیر جہاد اور قتال کے حاصل ہو جائے کفار محض رعب سے یا صلح کر کے ان اموال اور علاقوں سے دست بردار ہو جائیں تو ان اموال کو فئی کہا جائے گا۔ مال غنیمت وہ ہے جو جہاد وقتال کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہو اور مسلمانوں کی جانفشانیوں سے ملے۔ پہلا مال فئی یعنی مجاہدین کو ان کی سعی اور کوشش کے بغیر محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اللہ نے اس میں تصرف کا حق کلیۃً اپنے پیغمبر کو عطا فرما دیا کہ جس طرح چاہیں وہ بیان کردہ مصارف میں اس کو خرچ کریں برخلاف مال غنیمت کے کہ وہ مجاہدین کی محنت اور مشقت سے حاصل ہوتا ہے تو اس میں مجاہدین کا حصہ رکھا گیا اور خمس کے علاوہ وہی اس کے مستحق قرار دیئے گئے، یہی وجہ ہے کہ مال فئی کا کوئی مصرف متعین نہیں، جمیع مصالح مصلحین، مسلمین امیر وفقیر سب پر خرچ کیا جاسکتا ہے بخلاف زکوۃ خمس اور مال غنیمت کے کہ مصارف متعین اور محدود کر دیئے گئے۔

جیسا کہ قرآن کریم نے ان کی وضاحت اور تعیین کر دی۔

استحقاق کی اقسام

اصول شریعت کی رو سے استحقاق دو قسم کا ہے، ایک استحقاق قوی جس کو استحقاق فعلی اور استحقاق شخصی بھی کہا جاتا ہے اور یہی استحقاق حقیقی ہے۔ دوسرا استحقاق ضعیف ہے جس کو استحقاق انفعالی اور استحقاق نوعی بھی کہا جاسکتا ہے اور یہ استحقاق مجازی ہے، استحقاق قوی وہ ہے جس کا منشاء امر وجودی ہو جیسے مال غنیمت میں مجاہدین اور غانمین کے استحقاق کا منشاء ان کا جہاد ہے جو کہ امر وجودی ہے اسی بناء پر ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ میں غنیمت کو مجاہدین کی طرف منسوب کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ غنیمت کی تحصیل مجاہدین کی سعی اور جد و جہد کے باعث ہے۔

استحقاق ضعیف وہ ہے کہ جس کا منشاء امر عدمی ہو جیسے صدقات میں فقراء ومساکین کا استحقاق ان کی ناداری اور مفلسی کی وجہ سے ہے جو کہ امر عدمی ہے، اسی وجہ سے فقراء کو دعوی کا حق نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ کسی خاص شخص معین کو فقراء ومساکین میں سے دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ھذا من افاضات حضرۃ الوالد مولینا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی

تو نہ دیکھے وہ جو دغا باز ہیں، کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو، جو منکر ہیں کتاب والوں میں سے، اگر تم کو کوئی

اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ

نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملہ میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی

نکال دے گا، تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ، اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے حق میں کبھی، اور اگر تم سے لڑائی ہوگی

لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ

تو ہم تمہاری مدد کریں گے ف۱ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ف۲ اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ، اور اگر

تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالیں جائیں گے، یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ، اور اگر

قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَنْتُمْ

ان سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے ان کی ف۳ اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر پھر کہیں مدد نہ پائیں گے ف۴ البتہ تمہارا ڈر

ان سے لڑائی ہوگی یہ نہ مدد کریں گے ان کی۔ اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ دے کر، پھر کہیں مدد نہ پائیں گے۔ البتہ تمہارا ڈر

اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ

زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لیے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ف۵ لڑ نہ سکیں گے تم سے

زیادہ ہے ان کے دل میں اللہ سے۔ یہ اس سے کہ وہ لوگ بوجھ نہیں رکھتے۔ لڑ نہ سکیں گے تم سے

جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ

سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں ف۶ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے ف۷ تو سمجھے وہ

سب مل کر، مگر بستیوں کے کوٹ میں، یا دیواروں کی اوٹ میں۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تو جانے وہ

ف۱ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین نے یہود "بنی النضیر" کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا مت سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا۔ ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے۔ یہ ہمارا بالکل اٹل اور قطعی فیصلہ ہے۔ اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔

ف۲ یعنی دل سے نہیں کہہ رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے باتیں بنا رہے ہیں۔ اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے۔

ف۳ چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور "بنی نضیر" محصور ہوگئے۔ ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ اور آخرکار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

ف۴ یعنی اگر بفرض محال منافق ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہوگا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد تو کیا کر سکتے، خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔

ف۵ یعنی اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا، تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے ڈرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

ف۶ یعنی چونکہ ان لوگوں کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں، اس لیے کھلے میدان میں جنگ نہیں کرسکتے۔ ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ نشین ہو کر یا دیواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے، کہ یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز ہو کر قسم قسم کے آتشبار اسلحہ اور طریق جنگ ایجاد کیے ہیں۔ تاہم اب بھی اگر کسی وقت دست بدست جنگ کی نوبت آجاتی ہے تو چند ہی منٹ میں دنیا لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ کا مشاہدہ کرلیتی ہے۔ باقی اس قوم کا تو کہنا ہی کیا جس کے نزدیک چھتوں پر چڑھ کر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

ف۷ یعنی آپس میں لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے "اوس" و "خزرج" کی جنگ میں تجربہ ہو چکا، مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شیخی کرکری ہوجاتی ہے۔

جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۴ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں یہ اس لیے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے ف۱ جیسے قصہ ان لوگوں کا جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے

اکٹھے ہیں اور ان کے دل پھوٹ رہے ہیں۔ یہ اس سے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ جیسے کہاوت ان کی، جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے

قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ

قریب ہی چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے ف۲ جیسے قصہ شیطان کا جب کہے

پاس ہی چکھی سزا اپنے کام کی۔ اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ جیسے کہاوت شیطان کی، جب کہے

لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶

انسان کو تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہوگیا کہے میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا

انسان کو، تو منکر ہو۔ پھر جب وہ منکر ہوا، کہے میں الگ ہوں تجھ سے، میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۷ ع

پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں ہمیشہ رہیں اسی میں اور یہی ہے سزا گناہ گاروں کی ف۳

پھر آخر ان دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں، سدا رہیں اس میں۔ اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی۔

احوال منافقین وکاذبین بعد بیان اوصاف مخلصین وصادقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ... الی ... وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مال فئی اور اس کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے ان اہل ایمان واخلاص کا بیان فرمایا جو اپنے ایمانی اوصاف میں وہ عظمت وبلندی حاصل کرنے والے ہیں کہ ان کو قرآن کریم نے الصادقون اور المفلحون کے لقب سے یاد کیا، ان کے برعکس اب ایک گروہ منافقین وکاذبین کا بیان ہے جن کے قبائح اور بدترین خصلتوں کو ذکر کرکے ان کی

ف۱ یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے ظاہری اتفاق واتحاد سے دھوکہ مت کھاؤ۔ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر ایک اپنی غرض وخواہش کا بندہ، اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یک جہتی کہاں میسر آسکتی ہے۔ اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد اسے کہتے ہیں جو مومنین قانتین میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض وخواہشات سے یکسو ہو کر سب نے ایک اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے، اور ان سب کا مرنا جینا اسی خدائے واحد کے لیے ہے۔

ف۲ یعنی ابھی قریب زمانہ میں یہود "بنی قینقاع" اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا۔ اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے "بدر" کے دن سزا پا چکے ہیں، وہی انجام "بنی نضیر" کا دیکھو کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں سزا مل چکی اور آخرت کا دردناک عذاب جوں کا توں رہا۔

ف۳ یعنی شیطان اول انسان کو کفر ومعصیت پر ابھارتا ہے۔ جب انسان دام اغواء میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری سے ہوگا) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور "بدر" کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لوگوں کو لڑواتا تھا۔ جب فرشتے نظر آئے تو بھاگا۔ جس کا ذکر سورۂ "انفال" میں گزر چکا ہے۔ یہی مثال منافقوں کی ہے۔ وہ "بنی نضیر" کو اپنی حمایت ورفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے، آپ الگ ہو بیٹھے۔ لیکن کیا وہ اس طرح اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

ذلت وناکامی کو بیان فرمایا جارہا ہے، ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے نفاق کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ منافق کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ اگر تم کو اپنے گھروں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور بالضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں گے کبھی بھی۔ اور اس طرح ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے یہود بنی نضیر کو یہ خفیہ پیغام بھیجا تھا اور تاکید سے کہلوایا کہ ہرگز نہ گھبرانا اور اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا، اگر مسلمانوں نے تم کو نکالنا چاہا تو ہم بھی احتجاجاً تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور اگر جہاد و قتال کی نوبت آئی تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے یہ ہمارا ایسا قطعی اور یقینی فیصلہ ہے کہ اس کے خلاف ہم کسی کی بات ماننے کے واسطے ہرگز تیار نہ ہوں گے، ان کے اس طرح کے باطل دعووں پر قرآن کریم نے رد کرتے ہوئے فرمایا اور خدا گواہی دے رہا ہے کہ بے شک یہ منافق جھوٹے ہیں۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے اور ورغلانے کے لیے یہ باتیں بنارہے ہیں، آگاہ ہو جانا چاہئے اگر وہ اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ کبھی بھی ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر کچھ تھوڑی بہت دکھاوے کے طور پر مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر کہیں سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی کسی اور کی کیا مدد کرتے اس طرح پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے بعد تو یہ خود بھی ایسے بے یار و مددگار ہو جائیں گے کہ ان کی بھی کوئی مدد نہ کر سکے گا، چہ جائیکہ یہ دوسروں کی مدد کریں، ان کی اس منافقانہ روش سے معلوم ہوتا ہے کہ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کے یہ اس وجہ سے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ سمجھ نہیں رکھتے۔ کیونکہ اللہ کی عظمت و ہیبت اور قدرت و کبریائی کی کوئی حد نہیں اس سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ورنہ تو نفاق کیوں اختیار کرتے اس کے بالمقابل مسلمانوں کی قوت و شجاعت سے ڈر رہے ہیں اور ان سے مرعوب و خوفزدہ ہو کر نفاق اختیار کیا اور کھلم کھلا کفر کے اعلان کی جرأت نہیں، تو ان کے اس طرز عمل نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کا ڈر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے زیادہ ہے، ان کے مرعوب اور خوفزدہ ہونے کی تو یہ حالت ہے کہ یہ لوگ نہیں لڑ سکیں گے تم سے ایک جگہ جمع ہو کر اس طرح جیسے میدان جنگ میں کوئی فوج کسی فوج کا مقابلہ کرتی ہو مگر ایسی بستیوں میں جو احاطہ بندی کے ساتھ محفوظ ہوں اور قلعے کی شکل میں کہ اندر چھپ جانے والوں کو پناہ دے سکیں یا دیواروں کے پیچھے سے تو جو قوم اس قدر بزدل ہو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی اور نہ ہی مسلمانوں کو ایسی بزدل قوم سے خائف ہونا چاہئے، یہ لوگ اگرچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بظاہر متحد نظر آتے ہیں اور اے مخاطب! گمان کرتا ہے تو ان کو اکٹھا اور باہم متحد، لیکن ان کے دل جدا جدا ہیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی غرض اور خواہش جدا ہے اگرچہ مسلمانوں کی مخالفت میں سب متفق اور متحد ہیں مگر ہر ایک اپنی اغراض و خواہشات کے باعث مختلف اور متفرق ہے تو ایسے عناصر کے ظاہری اتحاد سے مسلمانوں کو فکر مند و پریشان نہ ہونا چاہئے اس صورت حال میں یہ دشمنان اسلام بلاشبہ کمزور ہیں اور اسلام کا مقابلہ ہرگز نہ کر سکیں گے، اگر انسان میں عقل ہو تو سمجھ سکتا ہے۔ اگر اندر سے دل پھٹے ہوئے ہوں تو ظاہری اجتماعیت کچھ کام نہیں آتی، اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض و خواہشات سے کنارہ کش ہو کر سب مل کر اللہ کی رسی

کو مضبوطی سے پکڑلیں اور اپنا مرنا جینا سب اسی خدائے وحدہ لاشریک لہ کے لیے بنالیں۔

ان منافقین کی یہ حالت تو بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسے کہ مثال ہے ان لوگوں کی جو ان سے پہلے قریب ہی وقت میں گزرے کہ مزہ چکھ لیا اپنے کام کا دنیا میں بھی ذلیل و ناکام ہو کر اور مختلف قسم کے عذاب میں ہلاک وتباہ ہو کر اور آخرت میں بھی ان کے واسطے ایک دردناک عذاب ہے۔ چنانچہ یہود بنی قینقاع نے اپنی غداری کا مزہ چکھ لیا جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر سی لڑائی کے بعد ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے "بدر" میں سزا پاچکے ہیں ایسا ہی انجام بنونضیر کا دیکھ لو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخرت کا دردناک عذاب اپنی جگہ باقی ہے۔

یہ حالت بالکل شیطان کے قصہ کی طرح ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کفر کر پھر جب انسان کفر کرتا ہے اور عذاب خداوندی اس کے سامنے ہوتا ہے اور شیطان پر وہ کافر ذمہ داری ڈالتا ہے کہ مجھ سے کفر تو اس نے کرایا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب ہے سارے جہانوں کا، پھر آخر کار انجام ان دونوں کا، کافر ہو یا کافر کو گمراہ کرنیوالا شیطان کہ وہ دونوں جہنم میں ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کسی وقت یہ نہ ہوگا کہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اور یہی سزا ہوتی ہے ظالموں کی اس لیے ان منافقوں کو اپنی ان حرکتوں سے باز آجانا چاہئے اور مسلمانوں کو ایسی باتوں سے رنجیدہ اور پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ ایسے گمراہوں کا انجام ذلت و ناکامی طے ہو چکا ہے جس سے وہ ہرگز نہیں بچ سکتے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں "یعنی شیطان اول انسان کو معصیت پر ابھارتا ہے جب انسان دام اغواء میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں اور تیرے کام سے بیزار ہوں، مجھے تو اللہ سے ڈر لگ رہا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری ہوگا) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا"۔

حضرت شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں "شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور بدر کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لڑواتا تھا جب فرشتے نظر آجاتے تو بھاگ جاتا (تفصیل سورۃ انفال میں گزر چکی) تو یہی مثال منافقوں کی ہے کہ وہ بنونضیر کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرے پر چڑھاتے رہے، آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے تو آپ الگ ہو بیٹھے، کیا وہ اس مکر و عیاری کے بعد عذاب سے بچ گئے؟ ہرگز نہیں دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ (فوائد عثمانی)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٞ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٖۖ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے ف۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کو

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہئے دیکھ لے کوئی جی کیسا بھیجا ہے کل کے واسطے؟ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ کو

ف۱ یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ فراہم کرو اور سوچو کل کے لیے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

خبر ہے جو تم کرتے ہو ف۱ اور مت ہو ان جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پھر اللہ نے بھلا دیئے ان کو ان کے جی وہ لوگ

خبر ہے جو کرتے ہو۔ اور مت ہو ویسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو، پھر اس نے بھلا دیئے ان کو ان کے جی۔ وہ لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑲ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ

وہی ہیں نافرمان ف۲ برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے، بہشت والے جو ہیں وہی ہیں

وہی ہیں بےحکم۔ برابر نہیں لوگ دوزخ کے اور بہشت کے۔ بہشت کے لوگ وہی ہیں

الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

مراد پانے والے ف۳ اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے

مراد کو پہنچے۔ اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر، تو تو دیکھتا دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے

اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ㉑ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

ڈر سے ف۴ اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں ف۵ وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں

ڈر سے۔ اور یہ کہاوتیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو، شاید وہ دھیان کریں۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں

هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ㉒ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

کسی کی جانتا ہے جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ ہے بڑا مہربان رحم والا وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی

کسی کی، جانتا ہے چھپا اور کھلا، وہ ہے بڑا مہربان رحم والا۔ وہ اللہ ہے! جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی،

ف۱ یعنی تمہارا کوئی کام اللہ سے پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔

ف۲ یعنی جنہوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیے، اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اللہ نے خود ان کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا کہ آنے والی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی۔ اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔

ف۳ یعنی چاہیے کہ آدمی جب اپنے کو بہشت کا مستحق ثابت کرے جس کا راستہ قرآن کریم کی ہدایات کے سامنے جھکنے کے سوا کچھ نہیں۔

ف۴ یعنی مقام حسرت و افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو، حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ میرے والد مرحوم نے ایک طویل نظم کے ضمن میں یہ تین شعر لکھے تھے

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفل بدعات کو ۔۔۔ کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے

آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی ۔۔۔ پارہ جس کے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے

حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو ۔۔۔ کوہ جس سے خاشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اگر پہاڑ سمجھے تو وہ بھی دب جائے۔" (تنبیہ) یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا۔ آگے متکلم کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم ف۱ امان دینے والا ف۲ پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحب عظمت، پاک ہے اللہ ان کے

وہ بادشاہ پاک ذات چنگا امان دیتا پناہ میں لیتا زبردست دباؤ والا صاحب بڑائی کا۔ پاک ہے اللہ اس سے جو

يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي

شریک بتلانے سے ف۳ وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا ف۴ صورت کھینچنے والا ف۵ اسی کے ہیں سب نام خاصے ف۶ پاکی بول رہا ہے اس کی جو کچھ ہے

شریک بتاتے ہیں۔ وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرتا صورت کھینچتا، اسی کے ہیں سب نام خاصے۔ اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

آسمانوں میں اور زمین میں ف۷ اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ف۸

آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

دعوت تقویٰ وفکر آخرت برائے اہل ایمان مع ذکر عظمت رب ذوالجلال والاکرام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ... الی ... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ سرگرمیوں کا ذکر تھا، تو اب ان آیات میں اہل ایمان کو تقویٰ اور فکر آخرت کی دعوت دی جارہی ہے اس لیے کہ ایمان وتقویٰ اور فکر آخرت ہی مسلمان قوم کے لیے ہر عزت وغلبہ اور ترقی کا باعث ہے وہ عظیم وصف ہے جس کے باعث مسلمان اپنے دشمن کی ہر سازش سے محفوظ رہتا ہے تو ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! ڈرتے رہو خدا سے اور ہر متنفس کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا بھیجا ہے کل آنے والے دن کے

ف۱ یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک، اور سب عیوب وآفات سے سالم، نہ کوئی برائی اس کی بارگاہ تک پہنچی نہ پہنچے۔

ف۲ "مومن" کا ترجمہ "امان دینے والا" کیا ہے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک "مصدق" کے معنی ہیں یعنی اپنی اور اپنے پیغمبروں کی قولاً وفعلاً تصدیق کرنے والا۔ یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔

ف۳ یعنی اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

ف۴ "خالق" و "باری" کے فرق کی طرف ہم نے سورۃ "بنی اسرائیل" کی آیت ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ الخ کے فوائد میں کچھ ارشاد کیا ہے۔

ف۵ جیسا کہ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔

ف۶ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔

ف۷ یعنی زبان حال سے یا قال سے بھی جس کو ہم نہیں سمجھتے۔

ف۸ تمام کمالات وصفات الٰہیہ کا مرجع ان دو صفتوں "عزیز" اور "حکیم" کی طرف ہے۔ کیونکہ "عزیز" کمال قدرت پر، اور "حکیم" کمال علم پر دلالت کرتا ہے۔ جتنے کمالات ہیں علم اور قدرت سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ روایات میں سورۃ "حشر" کی ان تین آیتوں (ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو سے آخر تک) کی بہت فضیلت آئی ہے۔ مومن کو چاہیے کہ صبح وشام ان آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔

تم سورۃ الحشر وللہ الحمد والمنۃ۔

واسطے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا ذخیرہ ہی روز آخرت کام آنے والا ہے اور روز آخرت بس کل آنیوالا ہی دن ہے تو اس کے واسطے تیاری کرنی چاہئے، دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ اس کے واسطے اعمال صالحہ کا کیا ذخیرہ مہیا کیا ہے اور تقوی اختیار کرو اللہ کا۔ تقوی ہی اساس ہے ایمان وعمل کی۔ بے شک اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اگر کسی متنفس کے قلب میں یہ اعتقاد راسخ ہے کہ خداوند عالم کے سامنے بندہ کا ہر کام اور اس کا ہر حال عیاں ہے تو بلاشبہ خوف وتقوی پیدا ہو جائے گا یہ اعتقاد ہی تقوی کی بنیاد ہے جس کا لازمی اثر انسانی زندگی میں احتیاط اور فکر کی صورت میں رونما ہوگا اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر ایمان اور اخلاص مرتب ہے اور نفاق کی گندگی سے پاک رہنے کا باعث ہے۔

اور نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں سے جنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور شب وروز اپنی نفسانی شہوتوں اور دنیوی لذتوں میں منہمک رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر اللہ نے بھی انکو بھلا دیا اور اس طرح اللہ کی توفیق اور خیر کے کاموں کی صلاحیت اور اس کا احساس بھی ان سے مفقود ہو گیا۔ اور آخرت کے فکر وتصور سے بھی غافل ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ کی فرماں برداری سے خارج ہیں کیونکہ ان کی اس غفلت ولاپرواہی اور انہماک فی الدنیا کی وجہ سے وہ صلاحیت اور جوہر ہی ختم ہو گیا جس کے ذریعے انسان سعادت اور انابت الی اللہ حاصل کر سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ برابر نہیں ہیں جہنم والے اور جنت والے جہنمی عذاب جہنم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ عذاب جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا، اور اہل جنت اللہ تعالیٰ کے انعامات اور جنت کی راحتوں اور نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں تو یقیناً جنت والے ہی کامیاب ہیں اور اپنی مراد پانے والے ہیں، فلاح وسعادت کے اصول اور قوت نظریہ وعملیہ کی اصلاح کے ضابطے اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی صورت میں دنیا کے انسانوں کے واسطے نازل کیے، اسی سے انسانی زندگی فلاح وسعادت سے ہم کنار ہو سکتی ہے، اس کلام الٰہی کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو اے مخاطب یقیناً تو دیکھتا اس پہاڑ کو ہیبت الٰہی سے پارہ پارہ ہو جانے والا اگر اس پہاڑ میں انسان کی طرح عقل ہوتی شعور عطا کر کے اس پر قرآن نازل کیا جاتا تو وہ سمجھتا اور عظمت وہیبت خداوندی سے ایسا متاثر ہوتا کہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن افسوس کہ یہ انسان جس پر یہ کلام الٰہی اتارا گیا ایسا سخت دل واقع ہوا ہے کہ نہ اس کا دل کانپتا ہے اور نہ خشیت وتقوی کے آثار اس میں نظر آتے ہیں انسان کو چاہئے کہ اس امانت الٰہیہ کی عظمت کو پہچانے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے آخر اس انسان کو یاد کرنا چاہئے کہ روز میثاق اس امانت کو جب اللہ نے آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تھا اور آسمان وزمین نے اس کی عظمت وہیبت سے گھبرا کر انکار کر دیا تھا تو اس حضرت انسان نے اس بوجھ کو اٹھایا تھا اور اس امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنے کا اقرار کیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾۔

اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کیلئے شاید وہ نصیحت حاصل کر لیں اور جس سعادت ابدیہ کا حصول انسان کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے اس کو حاصل کر سکیں اور فلاح وکامیابی کی منزل تک پہنچنے کی جو صلاحیتیں اس کو عطا کی گئی ہیں ان کو بروئے کار لا سکے اور قوت نظریہ درست کرنے کے بعد قوائے عملیہ کو اس کے تابع کر دے، جو صرف حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات کی معرفت اور دل ودماغ میں اس عقیدہ کو راسخ کر لینے پر موقوف ہے تو جان لینا چاہئے کہ وہی اللہ ہے جس کے سوا

کوئی معبود نہیں وہ ہی پوشیدہ [1] اور ظاہر کا جاننے والا ہے جو چیز انسانی ادراک وشعور سے ماوراء ہو اس چیز کو نہ انسانی حواس ادراک کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہاں تک عقل کی پرواز ہے، وہ صرف خدا ہی جانتا ہے اور ہر ظاہر چیز کو بھی خدا ہی جانتا ہے جب کہ انسان بہت سی چیزوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود اس کے جاننے سے عاجز رہتے ہیں۔ وہی بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے جس کی عنایات ورحمتیں انسان کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ صرف اسی رحمٰن ورحیم کی عبادت و بندگی کرے، اس کے خزائن رحمت بے پایاں ہیں۔ دنیا میں وہ اپنی رحمتوں سے مومن وکافر، انسان وحیوان، شجر وحجر سب ہی کو نوازتا ہے اس طرح کہ اس کی رحمت وعنایت رحمت ومہربانی کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی پیکر تکلیف وشدت میں اس کی یہ رحمت اس کے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان ظاہری وباطنی رحمتوں کو اس پروردگار نے اپنے مومن بندوں کے لیے آخرت میں مخصوص کر دیا۔ غرض وہ پروردگار ہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے تمام کائنات کا اسی کی سلطنت وحکمرانی کائنات پر جاری ہے بر وبحر زمین وآسمان پر بسنے والی ہر مخلوق اس کے فرمان کے تابع ہے کسی کو مجال نہیں کہ اس کے حکم سے عدول کر سکے یا بغاوت کر سکے، وہی بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں تمام خزانے ہیں جن کی کوئی حد وانتہاء نہیں اور اس کی بادشاہت دنیا وآخرت میں ایسی کامل اور مضبوط بادشاہت ہے کہ اس کے حکم سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں، جس کو نہ کسی کی بغاوت کا خطرہ ہے اور نہ کسی کی خیانت کی فکر اور نہ کسی کی معاونت وامداد کا محتاج۔ وہ پاک ہے ہر عیب سے اور ایسی ہر بری بات سے جو اس کے شایان شان نہ ہو، جو ہر نقصان وزوال سے محفوظ وسالم ہے اور اپنی مخلوق و بندوں کو سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ وہی امن و پناہ دینے والا ہے خواہ دنیا کی کوئی مصیبت و پریشانی ہو یا آخرت کی وہی محافظ ونگہبان ہے اپنی مخلوق پر کہ ہر آفت ومصیبت سے بھی وہ ہی محفوظ رکھتا ہے اور وہی بندوں کے ہر عمل کا نگران اور ان کے احوال کا رقیب ہے۔

كما قال الله تعالىٰ ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾.

وہ بڑی ہی عزت والا، غالب وقاہر اور زبردست دباؤ والا صاحب عظمت [2] ہے۔ پاکی ہے اللہ رب العالمین کی

[1] "الغیب" بڑا ہی وسیع المعنی لفظ ہے، انسان کی حس بصر سے لیکر حواس خمسہ تک ہر حس سے جو چیز غائب ہے اس کو غیب کہا جائے گا، اضافہ کردہ الفاظ میں بھی اشارہ کر دیا گیا کہ غیب کا اطلاق حواس ظاہرہ سے غائب ہی چیز پر نہیں بلکہ جو انسان ادراک اور عقل وفکر کی پرواز سے بالا وبرتر ہے وہ بھی غیب ہے چنانچہ آخرت اور احوال آخرت جیسی جملہ چیزیں غیب کا مصداق ہیں، انسان ہی کیا بلکہ ملائکہ اور جنوں کے ادراک وشعور سے بھی پوشیدہ چیزیں اس میں شامل ہیں۔
چنانچہ ملاء اعلیٰ اور ملکوت السمٰوٰت کی بہت سی چیزیں فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہیں الغرض ہر وہ چیز جو مخلوق کے ادراک وشعور سے بالا ہو یا بعد مکانی سے حواس بصریہ وغیرہ سے مستور و پوشیدہ ہو اس کا غیب کہا جائے گا، جو ایک وسیع عالم ہے، اور اس کے بیشمار مراتب ودرجات ہیں جیسا کہ حضرات عارفین وصوفیاء بیان کرتے ہیں اسی طرح عالم شہادت کے بھی بیشمار مراتب ودرجات ہیں۔ ۱۲

[2] لفظ "المتکبر" کا ترجمہ صاحب عظمت سے کیا، لفظ "کبر" بڑائی اور عظمت کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے تو باب تفعل میں استعمال ہونے سے مفہوم ہوگا علو وبلندی اور عظمت کو اختیار کرنے والا یعنی اس سے متصف، امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تکبر انسانوں کی صفات میں مذموم ہے، اور تکبر کو صفت ذم شمار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ متکبر کے معنی جب یہ ہوئے کہ وہ اپنی ذات سے کبر و بڑائی ظاہر کرنے والا ہو تو مخلوق تو سراسر عاجز ہے، ہزاراں ہزار عیب ہر انسان میں ہوتے ہیں تو ایسے نقائص اور عیوب کے ہوتے ہوئے انسان کا کبر اور بڑائی کرنا یقیناً مذموم ہوگا اور وہ اس میں جھوٹا ہوگا، اس کو تذلل وتواضع اور اظہار پستی ہی زیب دیتا ہے لیکن اس کے برعکس اللہ رب العزت کی ذات تو ہر کمال وبلندی سے متصف ہے اس لیے جب وہ اپنی بڑائی اور علو کو ظاہر کرے گا تو حقیقت کے عین مطابق ہوگا۔ اور بندوں کو یہ بات رہنمائی کرنے والی ہوگی کہ حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ کی جلالت شان اور اس کی عظمت وبرتری کو پہچانیں۔

ان تمام چیزوں سے جو وہ شرک کی کرتے ہیں اس لیے کہ جو پروردگار ان صفات کا مالک اور صاحب عظمت ہوگا اس کا کون شریک ہوگا، لہٰذا وہ ہر شرک اور شریک سے پاک ہے وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا، صورت بنانے والا جیسا کہ ایک قطرۂ آب پر انسان کی شکل وصورت اور اس کے جسم کی ساخت اور اس کے اعمال واخلاق اور کردار کی ہیئت وتصویر وہی کھینچتا ہے اسی کے واسطے ہیں سب پاکیزہ نام جس کی پاکی بیان کرتی ہیں، وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ہر چیز شجر وحجر بہائم وطیور اور وحوش ہر ایک اس کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہے، جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ﴾ ۔ وہی زبردست حکمت والا ہے۔ کیونکہ جو ذات ان جملہ اوصاف کی حامل ہوگی، وہ بلاشبہ بڑی ہی قدرت وقوت والی بھی ہوگی اور بڑی ہی حکمت والی بھی ہوگی، اس لیے کہ اس میں سے ہر صفت اس کی کمال حکمت کی دلیل ہے اور ہر صفت کا ظہور اس کی مخلوقات میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کا ثبوت وظہور عالم کے ایک ایک ذرہ سے ہو رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھ کر یہ تین آخری آیات سورۂ حشر کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو اس پر دعاء رحمت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اسی طرح اگر شام کے وقت پڑھ لے تو صبح تک یہ تعداد فرشتوں کی اس پر رحمت کی دعا کرتی رہے گی اور اگر وہ اس دن مرے گا تو اس حالت میں انتقال کرے گا کہ وہ شہید ہوگا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں آیت ﴿لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ﴾ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کی عظمت وہیبت کا جب یہ مقام ہے کہ پہاڑ اپنی سختی وغلظت اور قوت کے باوجود اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اگر ان میں وہ فہم وشعور ودیعت رکھ دیا جائے جو انسانوں کو عطا ہوا ہے تو وہ اپنی اس عظمت وسختی کے باوجود خداوند عالم کی خشیت وہیبت سے پارہ پارہ ہو جاتا تو انسان کی حالت قابل افسوس ہے کہ وہ انسانی شعور واحساس رکھتے ہوئے خدا کی خشیت سے متاثر نہ ہو حالانکہ وہ کتاب الٰہی کو سمجھتا ہے اس میں تدبر اور غور وفکر کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ [1]

میرے شیخ محترم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فوائد قرآن کریم [2] میں فرماتے ہیں کہ میرے والد مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل نظم کے ضمن میں یہ تین شعر کہے۔

سنتے سنتے نغمہائے محفل بدعات کو — کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی — پارہ جس کے لحن سے طور ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو — کوہ جس مُتَصَدِّعًا خَاشِعًا ہونے کو ہے

حضرات عارفین اور علماء ربانیین کی تحقیق یہ ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جمادات ونباتات میں بھی اللہ رب

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔
[2] فوائد قرآن کریم۔ ۱۲

العزت نے احساس وشعور کی صلاحیت رکھی ہے چنانچہ سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کی شقاوت اور قساوت قلبیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾

چنانچہ جمادات کے احساس وشعور کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے واسطے جب منبر تیار کیا گیا اور آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ اس پر خطبہ دینا شروع فرمایا وہ کھجور کے درخت کا تنا جو ستون کی طرح مسجد میں گڑا ہوا تھا اور آپ ﷺ اسی پر ٹیک وسہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو وہ ستون بیقرار ہو کر اس طرح رونے لگا کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہو یہ آواز سب نے سنی آنحضرت ﷺ منبر سے نیچے اترے اس ستون کو تھپکا تسلی دی، جیسے بچے کو تھپک کر تسلی دی جاتی ہو اور اس کو خاموش کیا جاتا ہو، حضرات صحابہ کرام ؓ فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ ستون اپنی آواز ضبط کرنے لگا، راوی حدیث اس قصہ کو ذکر کرتے ہوئے لما کان یسمع من الذکر والوحی کہ وہ ستون اس وجہ سے رویا کہ وہ جو ذکر اور وحی الٰہی سنا کرتا تھا اس سے بعد ہو گیا [1] اسی وجہ سے اس ستون کا نام ستون حنانہ رکھا گیا۔

حسن بصری ؒ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں اے مسلمانو! دیکھو جب ایک لکڑی کا تنا اور ستون رسول اللہ ﷺ کے شوق ومحبت میں بے قرار ہو کر آہ وزاری کرنے لگا تو تم انسان ذی عقل ہو تمہیں چاہئے کہ تم بھی اپنے قلب میں رسول اللہ ﷺ کا شوق اور محبت اس لکڑی کے ستون سے زائد پیدا کرو یہی وہ چیز ہے جس کو حضرت رومی ؒ نے فرمایا۔

فلسفی کو منکر حنانہ است   از حواس انبیاء بیگانہ است

اسماء حسنیٰ وصفات خداوندی

قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾۔

ارشاد مبارک ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات عُلیٰ ہیں انہی کے ذریعے خدا تعالیٰ سے دعا مانگا کرو مثلاً یا اللہ اور یا رحمن اور یا غفار کہہ کر دعا مانگو اور یا ذاتُ یا موجودُ یا شیٔ کہہ کر دعا مت مانگو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو سوال اور دعا کا ذریعہ بناؤ خود تراشیدہ ناموں سے اللہ کو مت پکارو۔

اسماء حسنیٰ سے اللہ کے نام اور اوصاف مراد ہیں جو اس کی ذات پر یا اس کی کسی صفت پر دلالت کریں لفظ "اللہ" ذات خداوندی کا اسم علم ہے اور اسم ذات ہے جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور باقی اوصاف سب اس کے تابع ہیں اور بعثت نبوی سے پہلے عرف عرب میں اللہ ذات خداوندی کے لیے بولا جاتا تھا، شریعت نے اسی نام کو بحال رکھا، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور اس کے کمالات کی کوئی حد نہیں مگر اللہ پر صرف ان اسماء کا اطلاق درست ہے جو شرع شریف سے ثابت ہیں اپنی رائے سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی چاہئے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ا۔ ابواب الخطبہ۔ ۱۲

علماء متکلمین کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع کے واقف کرانے اور بتلانے پر موقوف ہیں شرع میں جس اسم کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات پر آیا ہے اس اسم کا اطلاق کرنا تو جائز ہے۔

اور جس اسم کا اطلاق نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس میں معنی کمال کے پائے جاتے ہوں، مثلاً اللہ تعالیٰ پر جواد اور کریم کا اطلاق جائز ہے اس لئے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ''سخی'' کہنا جائز نہیں اس لیے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا لہٰذا ہم کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کو ان ناموں سے پکاریں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اپنی رائے اور قیاس سے خدا کے نام تجویز نہ کریں، حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان للہ تسعة وتسعين اسماء من احصاها دخل الجنة یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو محفوظ اور یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوا، سو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بیشمار ہیں لیکن یہ ننانوے نام، تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ کی اصل ہیں کہ دنیا میں اہل عقل کے نزدیک جس قدر صفات کمال متصور ہوسکتی ہیں وہ سب انہی ننانوے اسماء حسنیٰ کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماء حسنیٰ بیشمار صفات کمالیہ کے لئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفات کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصاء سے محض زبانی یاد کرلینا مراد نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ کے ساتھ موصوف ہے تو جس نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ رب العزت کے ننانوے اسماء حسنیٰ

۱۔ اللہ معبود برحق اور موجود مطلق، یہ نام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا نہ حقیقۃً نہ مجازاً۔

۲۔ الرحمن نہایت رحم والا۔

۳۔ الرحیم بڑا مہربان۔

٤۔ الملك بادشاہ حقیقی، اپنی تدبیر اور تصرف میں مختار مطلق۔

٥۔ القدوس تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک اور منزہ، فضائل اور محاسن کا جامع اور معائب اور مخلوقات کی صفات سے معرا اور مبرا۔

٦۔ السلام آفتوں اور عیبوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا بے عیب۔

۷۔ المومن مخلوق کو آفتوں سے امن دینے والا اور امن کے سامان پیدا کرنے والا۔

۸۔ المهيمن ہر چیز کا نگہبان اور پاسبان۔

۹۔ العزیز عزت والا اور غلبہ والا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پاسکتا ہے،

۱۰۔ الجبار جبر اور قہر والا ٹوٹے ہوئے کا جوڑنے والا اور بگڑے ہوئے کا درست کرنے والا کوئی اسے مجبور نہیں کرسکتا۔

۱۱۔ المتکبر انتہائی بلند اور برتر، یعنی بزرگ اور بے نیاز جس کے سامنے سب حقیر ہیں۔

مر اور سد کبریاء ومنی کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی

۱۲۔ الخالق مشیت اور حکمت کے مطابق ٹھیک اندازہ کرنے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے والا اس نے ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر کردی کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا، اور کسی کو انسان اور کسی کو حیوان، کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر اور کسی کو مکھی اور کسی کو مچھر، ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کردی۔

۱۳۔ الباری بلا کسی اصل کے اور بلا کسی خلل کے پیدا کرنے والا۔

۱۴۔ المصور طرح طرح کی صورتیں بنانے والا کہ ہر صورت کو دوسری سے جدا اور ممتاز بناتا ہے۔

۱۵۔ الغفار بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا چھپانے والا اور پردہ پوشی کرنے والا۔

۱۶۔ القہار بڑا قہر اور غلبہ والا کہ جس کے سامنے سب عاجز ہوں ہر موجود اس کے قدرت کے سامنے مقہور وعاجز ہے۔

۱۷۔ الوھاب بغیر غرض اور بغیر عوض کے بخشنے والا، بندہ بھی کچھ بخش دیتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور ناتمام ہوتی ہے بندہ کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دے سکتا ہے مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔

۱۸۔ الرزاق روزی دینے والا اور روزی کا پیدا کرنے والا رزق اور مرزوق سب اسی کی مخلوق ہے۔

۱۹۔ الفتاح رزق اور رحمت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔

۲۰۔ العلیم بہت جاننے والا جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر وباطن کو محیط ہے۔

۲۱۔ القابض تنگی کرنے والا۔

۲۲۔ الباسط فراخی کرنے والا، یعنی رزق حسی اور معنوی کی تنگی اور فراخی سب اس کے ہاتھ میں ہے کسی پر رزق کو فراخ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔

۲۳۔ الخافض پست کرنے والا۔

۲۴۔ الرافع بلند کرنے والا، جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔

۲۵۔ المعز عزت دینے والا۔

۲۶۔ المذل ذلت دینے والا جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کردے۔

۲۷۔ السمیع بہت سننے والا۔

۲۸۔ البصیر بہت دیکھنے والا۔

۲۹۔ الحکم حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرہ کرسکتا ہے۔

۳۰۔ العدل انصاف کرنے والا، اس کی بارگاہ میں ظلم اور جور وستم عقلاً محال ہے۔

۳۱۔ اللطیف باریک بین اور نیکی اور نرمی کرنے والا ایسی خفی اور باریک چیزوں کا ادراک کرنے والا جہاں نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

۳۲۔ الخبیر بڑا ہی آگاہ اور بالا خبر ہے، ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے ہر چیز کی اس کو خبر ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور خدا کو اس کی خبر نہ ہو۔

۳۳۔ الحلیم بڑا ہی بردبار، علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کی فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی، گناہوں کی وجہ سے وہ رزق نہیں روکتا۔

۳٤۔ العظیم بڑا ہی عظمت والا جس کے سامنے سب ہیچ ہیں اور کسی کی اس تک رسائی نہیں۔

۳۵۔ الغفور بہت بخشنے والا۔

۳٦۔ الشکور بڑا قدردان، تھوڑے عمل پر بڑا ثواب دینے والا۔

۳۷۔ العلی بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔

۳۸۔ الکبیر بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی متصور نہیں۔

۳۹۔ الحفیظ نگہبان، مخلوق کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے والا۔

٤۰۔ المقیت مخلوق کو قوت یعنی روزی اور غذا دینے والا، روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا اور بعض نسخوں میں "المغیث" ہے یعنی فریاد کو پہنچنے والا۔

٤۱۔ الحسیب ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا،

٤۲۔ الجلیل بزرگ تر، یعنی کمال استغناء اور کمال تقدس اور کمال تنزیہہ کے ساتھ موصوف ہے۔

٤۳۔ الکریم کرم اور بخشش والا بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔

٤٤۔ الرقیب نگہبان اور نگران کسی شے سے وہ غافل نہیں اور کوئی شے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

٤۵۔ المجیب دعاؤں کا قبول کرنے والا اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔

٤٦۔ الواسع فراخ علم والا، جس کا علم اور جس کی نعمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

٤۷۔ الحکیم حقائق اور اسرار کا جاننے والا جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور حکمت کے معنی کمال علم کے ساتھ فعل اور عمل کا عمدہ ہونا اور پختہ ہونا یعنی اس کی کار اور گفتار سب درست اور استوار ہے۔

٤۸۔ الودود نیک بندوں کو دوست رکھنے والا خیر اور احسان کو پسند کرنے والا۔

٤۹۔ المجید ذات اور صفات اور افعال میں بزرگ اور شریف۔

۵۰۔ الباعث: مردوں کو زندہ کرنے والا اور قبروں سے اٹھانے والا اور سوتے ہوؤں کو بستروں سے جگانے والا۔

۵۱۔ الشہید حاضر وناظر اور ظاہر وباطن پر مطلع اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہرہ کے جاننے والے کو شہید کہتے

ہیں اور امور باطنہ کے جاننے والے کو خبیر کہتے ہیں اور مطلق جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔

۵۲۔ الحق ثابت اور برحق یعنی جس کی خدائی اور شہنشاہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور ہیچ۔

۵۳۔ الوکیل کارساز جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو وہ اس کا کام بنانے والا ہے۔

۵۴۔ القوی غیر متناہی قوت والا یعنی توانا اور زور والا جس کو کبھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔

۵۵۔ المتین استوار اور شدید القوت جس میں ضعف اور اضمحلال کا امکان نہیں اور اس کی قوت میں کوئی اس کا مقابل اور شریک نہیں۔

۵۶۔ الولی مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہل ایمان کا محب اور ناصر۔

۵۷۔ الحمید سزاوار حمد و ثناء ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے ستودہ۔

۵۸۔ المحصی کائنات عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا زمین کے ذرے اور بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس سب اس کو معلوم ہیں۔

۵۹۔ المبدیء پہلی بار پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا۔

۶۰۔ المعید دوبارہ پیدا کرنے والا، پہلی بار بھی اس نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور معدومات کو دوبارہ ہستی کا لباس پہنائے گا۔

۶۱۔ المحیی زندہ کرنے والا۔

۶۲۔ الممیت مارنے والا، جسمانی اور روحانی ظاہری اور باطنی موت اور حیات کا مالک جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور مقدر کر دی۔

۶۳۔ الحیی بذات خود زندہ اور قائم بالذات جس کی حیات کو کبھی زوال نہیں۔

۶۴۔ القیوم کائنات عالم کی ذات وصفات کا قائم رکھنے والا اور تھامنے والا یعنی تمام کائنات کا وجود اور ہستی اس کے سہارے سے قائم ہے۔

۶۵۔ الواجد غنی اور بے پرواہ کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، یا یہ معنی کہ اپنی مراد کو پانیوالا جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔

۶۶۔ الماجد بڑی بزرگی والا مطلق بزرگ۔

۶۷۔ الواحد ایک، کوئی اس کا شریک نہیں۔

۶۸۔ الاحد ذات وصفات میں یکتا اور یگانہ یعنی بے مثال اور بے نظیر۔ [1]

۶۹۔ الصمد سردار کامل، سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج، یعنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایسا کامل مطلق کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔

---

[1] احد کا لفظ ترمذی کی روایت اور بیہقی کی دعوات کبیر میں نہیں آیا، البتہ ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار: ۳ر ۲۱۵۔

۷۰۔ القادر قدرت والا اسے اپنے کام میں کسی آلہ کی ضرورت نہیں عجز اور بے چارگی سے پاک اور منزہ۔

۷۱۔ المقتدر بذات خود کامل القدرت کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔

۷۲۔ المقدم دوستوں کو آگے کرنے والا۔

۷۳۔ المؤخر دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔

۷٤۔ الاول سب سے پہلا۔

۷۵۔ الآخر سب پچھلا یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو موجود ہوا اس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

۷٦۔ الظاہر آشکارا۔

۷۷۔ الباطن پوشیدہ! یعنی بلحاظ دلائل قدرت کے آشکارا ہے کہ ہر ذرہ اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اور باعتبار کنہ اور حقیقت کے پوشیدہ ہے۔

۷۸۔ الوالی کارساز اور مالک اور تمام کاموں کا متولی اور منتظم۔

۷۹۔ المتعالی عالیشان اور بہت بلند اور برتر، کہ جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے۔

۸۰۔ البر نیکی اور احسان کرنے والا نیکوکار۔

۸۱۔ التواب توبہ قبول کرنے والا، اور توجہ کرنے والا۔

۸۲۔ المنتقم سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

۸۳۔ العفو گناہوں اور تقصیروں سے بڑا درگزر کرنے والا اور گناہوں کو مٹا دینے والا۔

۸٤۔ الرءوف بڑا ہی مہربان جس کی رحمت کی غایت اور نہایت نہیں۔

۸۵۔ مالك الملك خداوند جہان وملک کا، جس طرح چاہے تصرف کرے کوئی اس کے حکم اور تصرف کو نہ روک سکے۔

٦٨۔ ذوالجلال والاکرام صاحب عظمت وجلال جس کا حکم جاری اور نافذ ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے اور اپنے فرمانبردار بندوں کی تعظیم وتکریم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا اور ان پر کرم کرنے والا جس کے پاس جو عزت اور کرامت ہے وہ اسی کا عطیہ ہے۔

۸۷۔ المقسط عادل اور منصف مظلوم کا ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔

۸۸۔ الجامع تمام متفرق چیزوں کو جمع کرنے والا جس نے اپنی قدرت وحکمت سے جسم انسانی اور حیوانی میں عناصر متضادہ کو جمع کیا۔

۸۹۔ الغنی بے پروا اسے کسی کی حاجت نہیں اور کوئی اس سے مستغنی نہیں۔

۹۰۔ المغنی مخلوق کو بے پروا کرنے والا۔ یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب

حکمت و مصلحت اس کو بے پروا کر دیتا ہے اور بقدر ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

۹۱۔ المانع روکنے والا اور باز رکھنے والا جس چیز کو وہ روک لے کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔

۹۲۔ الضآر ضرر پہنچانے والا۔

۹۳۔ النافع نفع پہنچانے والا۔ یعنی نفع اور ضرر سب اس کے ہاتھ میں ہے خیر و شر نفع و ضرر سب اسی کی طرف سے ہے۔

۹۴۔ النور وہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے، نور اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہر بنفسہ ہو اور دوسرے کے لیے مظہر ہو۔ آسمان و زمین سب ظلمت عدم میں مستور تھے اللہ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نور وجود عطا کیا جس سے سب ظاہر ہو گئے اس لئے وہ ﴿نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ہے۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر نور وجود سر شہود از تو یافتیم

۹۵۔ الهادی راہ دکھانے والا اور بتلانے والا اور چلانے والا کہ یہ راہ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے۔

۹۶۔ البدیع بے مثال اور بے نمونہ عالم کا پیدا کرنے والا۔

۹۷۔ الباقی۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا یعنی دائم الوجود جس کو کبھی فناء نہیں اور اس کے وجود کی کوئی انتہاء نہیں اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ماضی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہاں نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے اور وہ بذات خود باقی ہے اور جنت و جہنم کو جو دوام اور بقاء ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے اور بقاء اور ابقاء میں فرق ہے۔

۹۸۔ الوارث تمام موجودات کے فناء ہو جانے کے بعد سب کا وارث اور مالک جب سارا عالم فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو وہ خود ہی فرمائے گا ﴿لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ﴾ اور خود ہی جواب دے گا۔ ﴿لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ﴾۔

۹۹۔ الرشید رہنمائے عالم یعنی دینی اور دنیوی مصلحتوں میں عالم کا رہنما اور اس کا ہر تصرف عین رشد اور عین صواب اور اس کی ہر تدبیر نہایت درست ہے۔

۱۰۰۔ الصبور بڑا صبر کرنے والا، کہ نافرمانوں کے پکڑنے اور سزا دینے میں اور دشمنوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن کے ساتھ اسم اللہ مل کر سو کا عدد پورا ہو جاتا ہے۔ [1] اور جنت کے سو درجے ہیں، سو جو ان اسماء حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کے معنیٰ کو سمجھ کر دل میں یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور ان ناموں کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کرے اور ان کے ذریعہ اپنی حاجتیں مانگے یعنی جو نام اس کی حاجت اور ضرورت کے مناسب ہو اس نام کے ذریعہ اللہ سے دعا کرے مثلاً جو روزی کا حاجتمند ہو وہ یا رزاق کو کہہ کر دعا مانگے اور طالب علم دین، یا علیم، کہہ کر دعا مانگے، اور گم گشتہ راہ، یا ھادی، کہہ کر دعا مانگے وغیرہ وغیرہ جو ایسا کرے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہ ننانوے نام ترمذی وغیرہ کی روایت میں آئے ہیں جن میں اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں، اللہ

[1] الاسماء الحسنى مِنۃٌ على عدد درجة الجنة والذى يكمل مِنۃٌ "الله" دیکھو شرح کتاب الاذکار: ۳/ ۲۰۲۔

کے اسماء وصفات بیشمار ہیں مگر مشہور حدیثوں میں ان ننانوے ناموں کا ذکر آیا ہے، کیونکہ یہ نام تمام صفات کمالیہ کی اصل اور جڑ ہیں باقی ان کے علاوہ اور بھی اللہ کے کچھ نام ہیں جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، مثلاً قاھر اور شاکر اور دائم اور قدیم اور وتر اور فاطر اور علام اور ملیک اور اکرم اور مدبر اور رفیع اور ذی الطول اور ذی المعارج اور ذی الفضل اور خلاق اور سید اور حنان اور منان اور دیان وغیرہ وغیرہ۔ ❶

اس لیے ہم نے ان ننانوے ناموں کی شرح پر اکتفا کیا جو سلف صالحین میں بطور ورد معروف ومشہور ہیں، ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان اسماء الحسنی کو یاد کرے اور انکو ورد اور وظیفہ بنائے اور ان تمام اسماء حسنیٰ میں اسم اللہ، اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے دعا قبول ہوتی ہے اور اسم اللہ، ذات واجب الوجود اور معبود برحق کا نام ہے، اور یہ نام سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور پر اطلاق نہیں کیا جاتا نہ حقیقۃً اور نہ مجازاً۔

حضرات اہل علم اگر اسماء حسنیٰ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو امام بیہقی ؒ کی کتاب الاسماء والصفات از ص ۶ تا ص ۹۴ دیکھیں اور امام غزالی ؒ کی کتاب المقصد الاسنی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ اور شرح کتاب الاذکار: ۳/۱۹۹۔۲۲۶ دیکھیں۔

غرض ان آیات مبارکہ میں ابتداء میں حکم تقوی فرمایا گیا اور آخرت کی فکر اور تیاری کے لیے متوجہ کیا گیا اس مقصد کا حصول چونکہ عظمت وحی اور خداوند عالم کی ذات وصفات کی معرفت پر موقوف تھا تو قرآن کریم کی شان عظمت بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنی صفات عظیمہ کے بیان پر اس مضمون کو ختم فرمایا۔

تم تفسیر سورۃ الحشر وللہ الحمد والمنۃ۔

سورۃ الممتحنۃ

اس سورت کا شان نزول حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کا وہ واقعہ ہے کہ انہوں نے، آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے لیے فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو، آپ ﷺ کے اس ارادہ کی اطلاع قریش مکہ کو کر دی تھی اور ایک عورت کے ذریعے ایک خط روانہ کیا تھا جس پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مطلع فرمایا۔

حافظ ابن کثیر ؒ بیان فرماتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ ؓ مہاجرین میں سے تھے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان کے خاندان کے کچھ افراد اور بچے تھے قریش سے کوئی نسبی قرابت نہ تھی، حضرت عثمان غنی ؓ کے حلیف تھے، صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا قریش مکہ نے جب اس کو توڑ ڈالا تو آنحضرت ﷺ مکہ کی طرف مجاہدین کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو حاطب بن ابی بلتعہ ؓ نے یہ سوچ کر کہ ایسے ہنگامے میں اگر میرے اہل وعیال کی وہاں کوئی حفاظت کی صورت ہو جائے تو اچھا ہے قریش مکہ کو قافلہ کی روانگی کی اطلاع کر دی، حضرت علی بن ابی طالب ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اور زبیر بن العوام ؓ اور مقداد بن الاسود ؓ کو حکم فرمایا تم لوگ روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو تا آنکہ تم

❶ المقصد الاسنی شرح اسماء الحسنی للامام الغزالی ؒ۔ اسم اعظم کی تفصیل کے لیے شرح حصن حصین اور شرح کتاب الاذکار کی مراجعت فرمائیں۔

روضۂ خاخ نامی مقام تک پہنچ جاؤ تو اس جگہ تم کو ایک سوار عورت ملے گی اس کے پاس خط ہوگا اس سے وہ خط لے لینا، بیان کرتے ہیں ہم گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ روضۂ خاخ پر جب پہنچے تو ایک عورت ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال کر ہمیں دے دے، اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں، ہم نے اس پر سختی کی اور کہا یا تو خط دیدے ورنہ تجھ کو کپڑے اتار کر برہنہ کر دیں گے اور وہ خط کسی نہ کسی طرح ہم تجھ سے لے ہی لیں گے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور اس کو لینے کے ہم مامور ہیں! تو اس نے ایک خط اپنے بالوں کے جوڑے سے نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم خط لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے وہ خط، حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی مکہ کی طرف روانگی کی اطلاع تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اے حاطب رضی اللہ عنہ یہ کیا ہے، حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اظہار حقیقت کی مہلت عنایت فرمائیے، اصل حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کے خاندانوں کے ساتھ وابستہ تھا اور میری ان کے ساتھ کوئی نسبی قرابت نہ تھی جیسا کہ دوسرے مہاجرین کی ان کے ساتھ قرابتیں ہیں میں نے خیال کیا یہ ایک ظاہری سلوک انکے ساتھ کر دوں تا کہ وہ میرے بچوں کی (ایسے زمانہ میں) کچھ دیکھ بھال کر لیں (خدا گواہ ہے) میں نے یہ بات کفر اور اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے اور نہ میں اسلام کے بعد کفر سے کوئی وابستگی رکھ سکتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاطب رضی اللہ عنہ نے سچ کہا، اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس ظاہری عمل پر برافروختہ ہونے کے باعث کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ ﷺ نے فرمایا، یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں (اور بدریین کا مقام یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نفاق سے پاک فرمایا ہے تو حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اے عمر رضی اللہ عنہ یہ بات نفاق کی وجہ سے نہیں ہے البتہ رائے اور فہم کی غلطی ہے کہ یہ صورت کی) اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہیں خبر بھی ہے؟ اللہ نے تو اہل بدر کو اپنی خاص شان عنایت سے جھانک کر یہ فرمایا ہے، اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ (اے بدریو! اب تم جو کچھ چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے) یہ سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ [1] اور ایک روایت میں ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جاننے والے ہیں اور انہی کے فرماں پر میرا ایمان ہے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عش عش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا، خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے نشہ میں ایسے مخمور اور چور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ﴿أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ کا زریں تمغہ ان کو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے ان کی معافی کو صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی فقد غفرت لکم بصیغہ ماضی فرمایا اور فاغفر لکم بصیغہ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہل بدر کا مغفور الذنوب

[1] صحیح بخاری و مسلم، جامع ترمذی۔

ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ انکی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اعملوا ما شئتم کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے۔ اعملوا ماشئتم کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لیے نہ تھا، ایسا خطاب الٰہی محبین اور مخلصین کو ہو سکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے لہٰذا اگر بدر میں شرکت کرنے والے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہو جائے تو وہ ﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ﴿أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ سے باہر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ اس علیم وخبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ ان سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس ازلی اور ابدی علم کے پھر ان کو ﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو انکی اس نیکی کو محو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی، کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ یعنی تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

واذا الحبیب اتی بذنب واحد　　　جاءت محاسنه بالف شفیع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لا کر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی، بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (القران الحکیم)

مگر جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا تو خداوند ذوالجلال نے اس کی سیئات کو حسنات سے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

مرکب تو بہ عجائب مرکبست　　　برفلک تازد بیک لحظہ زپست
چوں برآرند از پشیمانی انین　　　عرش لرز دازانین المذنبین

یہ آیت عامہ مومنین کے حق میں ہے اہل بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہریلا

اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار اطاعت وعبادت بھی اس کے لیے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم باعوراء، خوارج وروافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ عبادت کریں، مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کار آمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہو جائے گی، کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ. فَزَادَهُمُ اللهُ مَرَضًا﴾۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القویٰ اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لیے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی، سرخیل اطباء روحانی فداہ روحی وجسمانی، صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ، حاطب رضی اللہ عنہ کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہو گئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی ہے صحیح المزاج کو کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لیے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمایا (ماھذا یا حاطب رضی اللہ عنہ) اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے، ان کی عارضی شکایت کے لیے یہی جوشاندہ کافی تھا جیسے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطب رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطب رضی اللہ عنہ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تا کہ جب وقت آئے تو عمر رضی اللہ عنہ تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔ ●

حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذاً باللہ نفاق نہ تھا وہ خط یہ تھا:

اما بعد یا معشر قریش فان رسول الله صلی الله علیه وسلم جاء کم بجیش کاللیل یسیر کالسیل فوالله لو جاء کم وحده لنصره الله وانجزله وعده، فانظروا لانفسکم . . . والسلام۔

اے گروہ قریش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے

● من افادات حضرت الوالد محترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہ العزیز۔

ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا، خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بلا لشکر کے خود تن تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ ضرور آپ ﷺ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا تقولوا لہ الا خیرا۔ کہ ان کے حق میں خیر کے سوا اور کچھ مت کہو، علامہ زرقانی رحمہ اللہ اور بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان و تقوی ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے یا معشر قریش ان محمداً یجیئی الیکم بجیش کاللیل ویسیر الیکم کالسیل واللہ لو جاء وحدہ لانجز اللہ وعدہ ونصر نبیہ وانظروا لانفسکم۔[1] والسلام۔

یعنی محمد علیہ السلام تمہاری جانب ایک ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جو رات کی تاریکی کی طرح پھیل جانے والا ہے اور اس طرح تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں جیسے کوئی طوفانی سیلاب ہو (میں تو یہ کہتا ہوں) خدا کی قسم اگر وہ تن تنہا بھی تمہاری طرف آ آئیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کو فاتح و کامیاب فرمائے گا۔ الغرض معاف تو فرما دیا گیا لیکن غلطی بہر کیف تھی اس وجہ سے اس واقعہ پر سورت نازل ہوئی۔

اس سورۂ مبارکہ کے مضامین خاص طور پر الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی بنیاد پر دائر اور مبنی ہیں۔ ابتداء سورت میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی بات پر عتاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ کسی بھی مسلمان کے واسطے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست بنانے کی اجازت نہیں ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ایمانی غیرت کے منافی ہے پھر یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قیامت کے روز یہ قرابتیں اور اس قسم کی دوستیاں ہرگز کام نہ آئیں گی وہاں تو صرف ایمان و عمل صالح ہی کام آ سکتا ہے اس کے بعد اس معیار ایمان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے واضح اور مؤکد کیا گیا کہ مسلمان کو چاہیے کہ ان کا طرزِ زندگی اختیار کرے کہ انہوں نے کس طرح اپنی مشرک قوم سے براءت و بیزاری کا اعلان کر دیا تھا پھر اہلِ شرک میں سے ان لوگوں کے متعلق حکم بیان فرمایا جنہوں نے مسلمانوں سے نہ تو دشمنی کی اور نہ قتال کیا اسی کے ساتھ ان اسلام لانے والی عورتوں کا ذکر کیا جو ہجرت کر کے دار الاسلام آ جائیں تو ان کی تحقیق حال اور امتحان کس طرح ہو اور پھر ان کے متعلقہ احکام کیا ہیں، ان احکام کے بعد سورت کے آخر میں پھر کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات و ہمدردی پر تنبیہ کر دی گئی جس سے مضمون سورت کا آغاز کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ سورۂ حشر میں منافقین کے خصائل ذمیمہ کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اس کے بعد سورۂ ممتحنہ میں ان باتوں سے آگاہ کیا جارہا ہے جس

[1] یہ خط یحیی بن سلام رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری، کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اسی طرح البدایہ والنہایہ ص ۳۸۴ میں اور فتح الباری جلد ۷ میں اس خط کے مضمون کو نقل کیا ہے...... واقدی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ یہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ اور عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے نام تھا اور بظاہر اس خط سے مقصد ہی یہ تھا کہ جن کو اطلاع ہو وہ اسلام قبول کر لیں، چنانچہ یہ تینوں فتح مکہ کے وقت مشرف باسلام ہوئے۔

اور واقدی رحمہ اللہ کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں۔ ان محمدا قد نضر فاما الیکم او الی غیرکم فعلیکم الحذر۔ کہ محمد ﷺ روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہرحال تم احتیاط کرو اور اپنی فکر کرو تو اس کا مطلب گویا ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لیے آمادہ کرنا تھا۔

سے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا اور ان چیزوں کی مذمت کی جا رہی ہے، جو نفاق کی خصلتوں میں شمار ہوتی ہیں۔

(۶۰ سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (ایاتہا ۱۳ رکوعاتہا ۲)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ

ف۱ اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے ف۲ اور وہ

اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے، اور وہ

كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ

منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین ف۳ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا ف۴

منکر ہوئے ہیں اس سے جو تم کو آیا سچا دین۔ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس پر، کہ تم مانو اللہ اپنے رب کو۔

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ

اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضامندی ف۵ تم ان کو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام

اگر تم نکلے ہو لڑائی کو میری راہ میں، اور چاہ کر میری رضامندی، تم ان کو چھپے پیغام بھیجتے ہو دوستی کے۔

ف۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح مکہ والوں سے ہوئی تھی جس کا ذکر "انا فتحنا" میں آ چکا۔ دو برس یہ صلح قائم رہی، پھر کافروں کی طرف سے ٹوٹی۔ تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ خبروں کی بندش کر دی گئی۔ مبادا کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع کر دیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے (جو مہاجرین بدریین میں سے تھے) مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی وغیرہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے، وہ حاصل کر کے لاؤ۔ یہ لوگ تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پا لیا۔ اس نے بہت لیت و لعل اور رد و کد کے بعد خط ان کے حوالے کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے۔ اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل و عیال کی خبر لیتے رہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں (میں نے سمجھا کہ اس سے میرا کچھ فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا) فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہیں۔ وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتے (چنانچہ نفس خط میں بھی یہ مضمون تھا کہ" خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ان کی مدد کرے گا اور جو وعدے ان سے کیے ہیں پورے کر کے چھوڑے گا" بلاشبہ حاطب رضی اللہ عنہ سے یہ بہت بڑی خطا ہوئی لیکن رحمۃ للعالمین نے فرمایا "لا تقولوا له الا خیرا" بھلائی کے سوا اس کو کچھ مت کہو۔ اور فرمایا حاطب رضی اللہ عنہ بدریین میں سے ہے تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ نے بدریین کی خطائیں معاف فرما دیں۔ سورۃ ہذا کا بڑا حصہ اسی قصہ میں نازل ہوا۔

ف۲ یعنی کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔ ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔

ف۳ اس لیے اللہ کے دشمن ہوئے۔

ف۴ یعنی پیغمبر کو اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے، کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہو گا۔ تعجب ہے، کہ ایسوں کی طرف تم دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔

ف۵ یعنی تمہارا گھر سے نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر ایسی =

وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ

اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے ف۱ اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ بھول گیا

اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو کھولا تم نے۔ اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے، وہ بھولا سیدھی

السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

سیدھی راہ ف۲ اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ ہوجائیں تمہارے دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ

راہ۔ اگر تم کو وہ پائیں دشمن ہوں تمہارے، اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ،

وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ

اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہوجاؤ ف۳ ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد

اور اپنی زبانیں برائی کو اور چاہیں کس طرح تم منکر ہوجاؤ۔ ہرگز کام نہ آئیں گے تم کو تمہارے ناتے اور نہ تمہاری اولاد،

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

قیامت کے دن وہ فیصلہ کرے گا تم میں اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے ف۴

قیامت کے دن۔ وہ فیصلہ کرے گا تم میں۔ اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔

حکم خداوندی برائے ترک محبت ودوستی از دشمنان اسلام وتکمیل اقتضاء ایمان بصورت بغض ونفرت از کفار

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ... الی ... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

ربط:...... حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ایک مخلص صحابی تھے جن کو غزوۂ بدر کی شرکت نصیب ہوئی تھی اور جملہ اہل بدر خدا کی

= دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب، کیا جنہیں ناراض کرکے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کرکے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ۔

ف۱ یعنی آدمی ایک کام تمام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپالے گا؟ دیکھو! حاطب رضی اللہ عنہ نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو۔ مگر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا اور راز قبل از وقت فاش ہوگیا۔

ف۲ یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔

ف۳ یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے۔ وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں۔ زبان سے، ہاتھ سے ہر طرح ایذاء پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں، کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر و بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

ف۴ حاطب رضی اللہ عنہ نے وہ خط اپنے اہل و عیال کی خاطر لکھا تھا۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے، اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے۔ اسی کے موافق فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، اور عزیز و اقارب ہٹا نہیں سکے گا۔ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کرلے۔ یاد رکھو! ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضامندی ہے۔ وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہوجاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

نظر میں وہ مقدس ہستیاں تھے جن کے لیے بارگاہ خداوندی سے پروانہ مغفرت جاری ہو چکا تھا مگر بہر کیف غلطی خواہ کسی سے بھی ہو اچھی بات نہیں ہے اس سے بچنا ہر ایک کے لیے لازم ہے تو حکم خداوندی نازل ہوا کہ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خدا کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے قلب میں کفر اور کافروں کی نفرت اور بغض ہو اور یہ بات تو انسانی حمیت بھی چاہتی ہے کہ جب کافر مسلمان سے دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسے دشمن سے محبت کرے، اسی حکم اور ہدایت کو اس طرح ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اے ایمان والو! ہرگز نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست کہ بھیجتے ہو تم ان کو پیغام دوستی کے ساتھ اور ایسی باتیں ان کی طرف بھیجتے ہو جن سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تم ان سے محبت و دوستی کرتے ہو۔ اور دوستی کا ہاتھ انکی طرف بڑھا رہے ہو۔ حالانکہ وہ انکار کر چکے ہیں اس حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے نہ انہوں نے اس حق کو مانا اور نہ ایمان لائے بلکہ دشمنی ہی پر کمر بستہ رہے ایسی صورت میں تو عقلاً وطبعاً یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے، ان کی دشمنی کی یہ انتہاء ہے وہ نکال رہے ہیں، رسول کو اور تم کو تمہارے گھروں سے۔ اور ہجرت پر مجبور کیا اور اب تک بھی وہ اسی روش پر قائم ہیں محض اس وجہ سے کہ تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر جو تمہارا رب ہے، حالانکہ یہ کوئی قصور نہیں بلکہ حق وہدایت کو قبول کرنا تو عقلاً مستحسن بات ہے پھر بھی وہ تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں، اے مسلمانو! اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے تو پھر دشمنوں کو دشمن سمجھو۔ اور جن کے ساتھ مقابلہ اور جہاد کے لیے نکلے ہو ان کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرو، یہ بات قابل تعجب ہے کہ پوشیدہ طور پر تم ان کو بھیجتے ہو دوستی کا پیغام کوئی تصور کرنے والا یہ نہ سوچے کہ کسی خفیہ بات کا مجھے علم نہ ہوگا۔ حالانکہ میں تو خوب جاننے والا ہوں ان باتوں کا جو تم چھپاتے ہو اور ان باتوں کا بھی جو تم ظاہر کرتے ہو چنانچہ حاطب رضی اللہ عنہ کی بات کا پتہ چل ہی گیا حالانکہ اس کو مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی، الغرض یہ بات انتہائی خطرناک اور ناپسندیدہ ہے اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے راستہ سے بھٹک جائے گا۔ انسان کی یہ فطرت ہے اور حمیت کا تقاضا ہے کہ اپنے دشمن سے نفرت کرے، پھر جب کہ یہ دشمن تو ایسے ہیں اگر یہ تم پر قابو پالیں اور ان کا کسی طرح تم پر بس چل جائے تو یہ تمہارے کھلم کھلا دشمن بن جائیں اور دراز کریں تمہاری طرف اپنے ہاتھ ظلم و تعدی کے اور زبانیں بھی برائی کے ساتھ اور یہی چاہیں کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔ اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ ایسے دشمنوں سے بھلائی کی امید رکھی جائے تو آخر پھر یہ مسلمان ایسے دشمنوں سے کیوں رواداری برت رہے ہیں یہ تو سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے، بلاشبہ ایسے خبیث اور بد باطن دشمن اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو پیغام دوستی بھیجا جائے اور کافر تو غایت دشمنی میں یہی چاہتا ہے اور اس کی کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ تم کو کافر بنا دے جو کافر تمہاری عزت وعظمت اور دین وایمان کا دشمن ہے ان سے ہمدردی یا دوستی کا معاملہ کیسے عقل وفطرت کے لحاظ سے درست ہو سکتا ہے۔

اہل وعیال کی محبت میں ایسی غلطی کر بیٹھنا جس طرح کہ حاطب رضی اللہ عنہ سے ہوئی، اے مسلمانو! ہرگز تم سے ایسی غلطی کا ارتکاب نہ ہونا چاہئے، سمجھ لینا چاہئے کہ جس اولاد وخاندان کی محبت میں تم اس قسم کی غلطی کر رہے ہو ہرگز کام نہ آئیں گی تمہاری

قرابتیں اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ رب العزت تو ہر ایک کا عمل دیکھتا ہے۔ وہ فیصلہ کریگا تمہارے درمیان اسی کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے ہر وہ کام جو تم کرتے ہو پھر سوچو اور فیصلہ کرو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل وعیال یا خاندان کی محبت میں ایسا کام کر بیٹھے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کر دینے والا ہو حالانکہ مومن کی زندگی میں تو ہر چیز سے مقدم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی ہے اس کی رضا سے وہ سب پریشانیاں بھی دور ہو جاتی ہیں، جن کے باعث بسا اوقات انسان ایسا کر گزرتا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟

تم کو چال چلنی چاہیے اچھی ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے جب انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں

تم کو چال چلنی ہے اچھی، ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے، جب کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں

مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ

تم سے اور ان سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ف۱ ہم منکر ہوئے تم سے ف۲ اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی

تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، ان سے۔ ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی

وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ اکیلے پر ف۳ مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لیے

اور بیر ہمیشہ کو، جب تک تم یقین نہ لاؤ اللہ اکیلے پر، مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو، میں مانگوں گا معافی تیری،

وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن شَىْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ

اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا ف۴ اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف

اور مالک نہیں میں تیرے بھلے کو اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا۔ اے رب ہمارے! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف

ٱلْمَصِيرُ ۝٤ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَٱغْفِرْ لَنَا رَبَّنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ

رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے سب کو پھر آنا ف۵ اے رب ہمارے مت جانچ ہم پر کافروں کو ف۶ اور ہم کو معاف کر اے رب ہمارے ف۷ تو ہی ہے زبردست

پھر آنا، اے رب ہمارے! نہ جانچ ہم پر کافروں کو، اور ہم کو معاف کر، اے رب ہمارے! تو ہی ہے زبردست

ف۱ یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوتے گئے اپنے اپنے وقت پر سب نے قولاً یا فعلاً اسی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا۔

ف۲ یعنی تم اللہ سے منکر ہو۔ اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے۔

ف۳ یعنی یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔

ف۴ یعنی صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔ کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ خدا جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں نہیں روک سکتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی پھر اپنی قوم کی طرف منہ نہیں کیا۔ تم بھی وہی کرو۔ ایک ابراہیم علیہ السلام نے دعا چاہی تھی، باپ کے واسطے۔ جب تک معلوم نہ تھا۔ تم کو معلوم ہو چکا۔ لہٰذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو۔"

(تنبیہ) باپ کے حق میں ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کا قصہ سورۃ "براۃ" میں گزر چکا۔ آیت ﴿وَمَا كَانَ ٱسْتِغْفَارُ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن=

الْحَكِيمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

حکمت والا ف۱ البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہیے ان کی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی

حکمت والا۔ البتہ تم کو بھلی چال چلنی ہے ان کی، جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی، اور پچھلے دن کی۔

وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥ ع

اور جو کوئی منہ پھیرے تو اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا ف۲

اور جو کوئی منہ پھیرے، تو اللہ وہی ہے بے پروا خوبیوں سراہا۔

ترغیب اہل اسلام برائے اسوہ حسنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ... الی ... هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾

ربط:...... سورۂ ممتحنہ کی گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی پر وعید و مذمت تھی اور اس طرح کا ایک واقعہ حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آ گیا تھا اس پر تنبیہ کر کے فرما دیا گیا تھا کہ مسلمان کو اپنے اور خدا کے دشمن کے ساتھ دوستانہ روابط و مراسم قائم کرنے کی قطعی اجازت نہیں۔

تو اب ان آیات میں دشمنان اسلام اور دشمنان خدا کے ساتھ جو بغض و نفرت کے جذبات مسلمان کے قلب میں ہونے چاہئیں ان کی ہدایت و تاکید فرمائی جا رہی ہے، فرمایا اے مسلمانو! بے شک تمہارے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کی زندگی میں اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں جب کہ انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے کہ اے لوگو ہم تم سے بیزار اور الگ ہیں اور ان سے بھی کہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ ہم نے بلاشبہ تمہارا انکار کیا اور ہم ہر چیز میں تمہارے سے نفرت و قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اور کھل گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض و نفرت ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ اور شرک چھوڑ کر خدائے وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لے آؤ اس وقت تک ہمارے اور تمہارے درمیان یہ بغض و نفرت اور عداوت قائم رہے گی، اسوۂ ابراہیمی یہی ہے اور مسلمانوں کو اسی کا اتباع کرنا

=مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ﴾ کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔

ف۵ یعنی سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر تیری ہی طرف آنا ہے۔

ف۶ یعنی ہم کو کافروں کے واسطے محل آزمائش اور تختہ مشق نہ بنا۔ اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازے کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

ف۷ یعنی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما۔ اور تقصیرات سے درگزر کر۔

ف۱ تیری زبردست قوت اور حکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنے وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور نہ ہونے دیگا۔

ف۲ یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں، ابراہیم علیہ السلام اور اس کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور تنگدل کہے، تم اس راستہ سے منہ نہ موڑ دو جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے خلاف چلو گے اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پروا ہے وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

چاہئے۔ لیکن ابراہیم کا یہ کہنا اپنے باپ کے لئے کہ اے باپ میں تیرے واسطے ضرور بالضرور استغفار کروں گا اور میں تیرے واسطے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں، خدا کے سوا وہی جو چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے میں تو صرف دعا ہی کر سکتا ہوں اصل عطا کرنے والا تو وہی رب ہے تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اس اسوۂ ابراہیمی کے خلاف نہ تھی جس کا اے مسلمانو تم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کافروں سے اعلان دشمنی اور نفرت کر دیا جائے، اس لیے کہ اول تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا استغفار اس وقت تھی کہ جب ان کو اس بات کا علم نہ تھا کہ کافر کے لیے بخشش کی دعا کرنا درست نہیں لیکن جب معلوم ہو گیا تو ہر قسم کے جذبہ محبت اور اس کے تصور یا طلب سے براءت و بیزاری ظاہر کی جیسا کہ ارشاد فرمایا دیا گیا۔ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ ثانیاً یہ بھی امکان ہے کہ یہ دعاء استغفار بمعنی طلب ایمان اور دعاء ہدایت ہو، اور کسی کافر کے واسطے ہدایت کی دعا مانگنا کفر اور کافر سے عداوت ونفرت کے منافی نہیں ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو دعا مانگی یہ اعلان بغض و براءت کے خلاف نہ تھی اس وجہ سے کسی کو ابراہیم علیہ السلام کے تو اسوۂ حسنہ میں یہ جذبات اور دعائیں بھی ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا کہ ہر چیز میں تو ہی کارساز ہے اگر ہم کافروں سے دشمنی و براءت اختیار کریں گے تو ان کی دشمنی کا اور ان سے علیحدگی کا ہمیں کوئی خوف واندیشہ نہیں اس لیے کہ ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کر لیا اور ہر پریشانی اور ضرورت کے لیے ہم نے دنیا سے اپنا رخ موڑ کر تیری ہی طرف اپنا رخ کر لیا اور کیوں نہ کریں جبکہ تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے اللہ ہم کمزور ہیں مصائب وشدائد برداشت کرنے کی طاقت نہیں تو اے پروردگار تو ہم کو کافروں کی آزمائش کا محل اور تختہ مشق نہ بنانا اور ہم کو معاف کر دینا اگر کسی وقت صبر واستقامت کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اے ہمارے رب بے شک تو بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے کہ تیری ہی عزت وقوت سے ہم کافروں کے مقابلہ میں زور آور ہو سکتے ہیں اور ہمارے ایمان ہے کہ اگر کسی وقت کافروں کے ہم تختہ مشق بنیں اور وہ اپنی ظاہری اور عارضی کامیابی پر ہمارا مذاق اڑائیں تو یہ بھی تیری حکمت سے ہماری اصلاح وتنبیہ کے لیے ہوگا۔

یقیناً اس بیان کردہ ضابطہ میں اے مسلمانو! ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے اس میں ایک عظیم سامان ہدایت واستقامت ہے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور قیامت کے روز کی تو بے شک ایسے لوگ ابراہیم علیہ السلام کی روش اختیار کریں گے اور ان کو اس بات کی ذرہ برابر پروانہ ہوگی کہ دنیا ایسے لوگوں کو متعصب اور تنگ نظر کہے وہ دنیا کے موحد اعظم ہی کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنے ایمان واعتقاد سے اسی بات پر یقین واعتماد رکھیں گے کہ مستقبل کی کامیابی اور عزت وعظمت کفر اور کافروں سے اعلان براءت و بیزاری ہی میں ہے وقتی مفاد اور عارضی منفعت کی خاطر کافروں سے دوستی گانٹھنا کوئی اچھی بات نہیں بلکہ مسلمان قوم کے لیے مہلک اور خطرناک ہے، یہ ہے وہ ضابطہ جس پر مسلمان کی فلاح وکامیابی اور عظمت وترقی موقوف ہے جو اس نعمت کو اختیار کرے گا وہ اس نعمت سے سرفراز ہوگا اور جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی کو ذلیل ونا کام بنائے گا بس اللہ تو ہر حال میں بے نیاز قابل تعریف ہے۔ اس کو نہ کسی کو اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی روگردانی سے اس کو کچھ نقصان ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ

امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں دوستی اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اللہ

امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں دوستی۔ اور اللہ سب کرسکتا ہے۔ اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ

بخشنے والامہربان ہے ف۱ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو

بخشنے والا ہے مہربان۔ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو

مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا

تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو ف۲ اللہ تو

تمہارے گھروں سے، کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک۔ اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اللہ تو

يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى

منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے

منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر، اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے، اور میل باندھا تمہارے

اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨

نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے، سو وہ لوگ وہی ہیں گناہ گار ف۳

نکالنے پر، کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار۔

ف۱ یعنی اللہ کی قدرت و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کر دے اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا، تقریباً سب مکہ والے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چند روز کے لیے ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چاہیے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترک موالات پر قائم رہو۔ اور جس سے کوئی بے اعتدالی ہو گئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ف۲ مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت و انصاف کے خلاف ہوگا۔ ضروری ہے کہ عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان اور معاند و مسالم میں ان کے حالات کے اعتبار سے فرق کیا جائے۔ جس کی قدرے تفصیل سورۂ "مائدہ" اور "آل عمران" کے فوائد میں گزر چکی۔

ف۳ یعنی ایسے ظالموں سے دوستانہ برتاؤ کرنا بیشک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ (ربط) یہاں تک کفار کے دو فریق (معاند اور مسالم) کے ساتھ معاملہ کرنے کا ذکر تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے جو "دار الحرب" سے "دار الاسلام" میں آئیں یا "دار الحرب" میں مقیم رہیں۔ قصہ یہ ہے کہ=

تسلی اہل ایمان بذکر بشارت وکامیابی مسلمین براعدائے اسلام واجازت حسن سلوک ازکافران امن پسند ومصالحین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿عَسَى اللهُ أَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ ... الى ... فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفار مشرکین کے ساتھ بغض ونفرت اور براءت وبیزاری کا ذکر تھا کہ یہی اسوۂ ابراہیمی ہے مسلمانوں کو اسی کو اختیار کریں، اب ان آیات میں مستقبل قریب میں پیش آنے والے غلبہ اور کامیابی کا ذکر ہے اور ضمناً اشارہ ہے کہ کچھ قومیں کافروں میں سے ایمان لے آئیں گی اور یہ اجازت دی جارہی ہے کہ جس کسی کافر نے اب تک مسلمانوں کے ساتھ کوئی قتال نہیں کیا اور نہ دشمنی کا کوئی معاملہ کیا اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ان کے ساتھ مسلمانوں کو رواداری اور حسن سلوک کی اجازت دی جاتی ہے، فرمایا:

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دوستی قائم کردے تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہوجائیں چنانچہ فتح مکہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ ساری عمر دشمنی کرنے والے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو بدر واحد میں کافروں کی فوجوں کی کمان کررہے تھے۔ اب وہ مجاہدین اسلام کے سپہ سالار ہوگئے اور کل گزشتہ ایک دوسرے کے خون کے دشمن اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہوگئے تو ان الفاظ میں ذہنی وطبعی طور سے تسلی دی گئی کہ قوم سے علیحدگی اور بے زاری کا ہمیشہ کے لیے تصور کر کے نہ گھبرانا چاہئے، بیزاری اور باہمی بغض کی یہ فضا بہت جلد ختم ہوکر باہمی مودت اور اخوت کی فضا قائم ہوجائے گی اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی مغفرت ومہربانی فرمانے والا ہے۔ اور ایک عرصہ کفر کے بعد جو لوگ اسلام لے آئیں، خدا کی رحمت ومغفرت سے ان کو بھی نواز دیا جاتا ہے بارگاہ خداوندی میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ماضی میں اس نے کیا کیا بلکہ اس کی بارہ گاہ سے تو یہی اعلان ہے۔ ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ ۭ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾۔

دوستی اور ہمدردی کے رشتے اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے قائم کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی، اس کے برعکس اللہ (تعالیٰ) تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے جنہوں نے تمہارے سے نہ تو قتال کیا دین کے معاملے میں اور نہ ہی تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور اس پر مجبور کیا تو اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ہے اس چیز سے کہ تم ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرو اور ان سے انصاف کا سلوک کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو صرف ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی اور اچھا سلوک کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے قتال کیا دین کے معاملہ میں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور دوسروں کی بھی مدد کی تمہارے نکالنے پر اور گھروں سے تم کو اجاڑنے پر کہ

= "صلح حدیبیہ" میں مکہ والوں نے یہ قرار دیا کہ ہمارا جو آدمی تمہارے پاس جائے اس کو واپس بھیجنا ہوگا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا تھا۔ چنانچہ کئی مرد آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا۔ پھر کئی مسلمان عورتیں آئیں۔ ان کو واپس کرتے تو کافر مرد کے گھر مسلمان عورتیں حرام میں پڑتیں۔ اس پر یہ اگلی آیتیں اتریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد عورتوں کی واپسی پر کفار نے اصرار نہیں کیا ورنہ صلح قائم نہ رہتی۔

ایسے لوگوں سے تم دوستی کرو ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں اور دشمنوں سے دوستانہ برتاؤ بہت ہی بدترین چیز اور خود اپنے اوپر سخت ظلم ہے اس بناء پر یہ اصول فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اور جو بھی ایسے ظالموں سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں۔ اور گنہگار ہیں اس لیے کہ ظالموں کے ساتھ دوستی کا انجام خود ہی اپنے اوپر ظلم اور اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے، ہر برائی کا انجام صاحب عمل ہی کی طرف لوٹا کرتا ہے،

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن صخر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے کسی علاقہ پر عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو یہ واپس لوٹے راستہ میں ذوالخمار سے مقابلہ ہوا جو مرتد ہو چکا تھا اور اس سے قتال کی نوبت آئی تو یہ مثال ہوئی ان لوگوں کی جن سے قتال ہوا۔

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جب فتح مکہ کی رات ایمان لے آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین چیزیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتا ہوں مجھے عطا کر دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اچھا مانگو وہ کیا ہیں) ان میں ایک یہ بھی درخواست تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اب اجازت دیجئے کہ میں کافروں سے اسی طرح قتال کروں جیسا کہ میں (پہلے) مسلمانوں سے قتال کرتا تھا تو یہ ہے وہ بات جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا امید ہے کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے تم سے قتال کیا اللہ تعالیٰ محبت پیدا فرما دے۔

ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ فاطمہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک دفعہ میری ماں مشرکہ میرے پاس آ گئی اس زمانہ میں جب کہ قریش مکہ سے معاہدہ ہوا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو یہ بات وہی ہے جس کو قرآن کریم کی یہ آیت اجازت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے لڑے اور نہ انہوں نے کوئی دشمنی کی یہ ممانعت صرف دشمنی اور قتال کرنے والوں سے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

اے ایمان والو ! جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر ان کو جانچ لو اللہ خوب جانتا ہے

اے ایمان والو! جب آئیں تم پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو۔ اللہ بہتر جانے

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ

ان کے ایمان کو ف۱ پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کو

ان کے ایمان۔ پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں، تو نہ پھیرو ان کو کافروں کی طرف۔ نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان مردوں کو

ف۱ یعنی دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کی جانچ کرلیا کرو۔ آیا واقعی وہ مسلمان ہیں اور محض اسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا امتحان کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی =

وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ

اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو اور دے دو ان کافروں کو جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو نکاح کر لو ان عورتوں سے جب ان کو

اور نہ وہ مرد حلال ہیں ان عورتوں کو۔ اور دے دو ان مردوں کو جو ان کا خرچ ہوا۔ اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو ان عورتوں سے جب ان کو

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا

دو ان کے مہر ف۱ اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں

دو ان کے مہر اور نہ رکھو قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے، اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا، اور وہ کافر مانگ لیں

مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَاِنْ فَاتَكُمْ

جو انہوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے تم میں فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۲ اور اگر جاتی رہیں

جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ تم میں فیصلہ کرتا ہے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور اگر جاتی رہیں

شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ

تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کیطرف پھر تم ہاتھ مارو تو دے دو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انہوں نے

تمہارے ہاتھ سے تمہاری عورتیں کافروں کی طرف، پھر تم ہاتھ مارو تو دو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہیں جتنا انہوں نے

اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے ف۳ اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں

خرچ کیا تھا۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس پر تم کو یقین ہے۔ اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں

= طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے۔ اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس بیعت لیا کرتے تھے جو آگے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں مذکور ہے۔

ف۱ یہ حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اختلاف دارین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا۔ پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر "دارالاسلام" میں آ جائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لا سکتا ہے۔

ف۲ پہلے حکم کے مقابل دوسری طرف یہ حکم ہوا کہ جس مسلمان کی عورت کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے۔ پھر جو کافر اس سے نکاح کرے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی۔ لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا۔ تب اگلی آیت نازل ہوئی۔

ف۳ یعنی جس مسلمان کی عورت گئی اور کافر اس کا خرچ کیا ہوا نہیں پھیرتے تو جس کافر کی عورت مسلمان کے ہاں آئے اس کا جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں۔ بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے ہاں اس مسلمان کا حق دے کر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے دیا جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر عدل و انصاف کی تعلیم ہے۔ لیکن اس پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔ .... =

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ

بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی

اقرار کرنے کو اس پر، کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو، اور چوری نہ کریں، اور بدکاری نہ کریں اور اپنی

اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ

اولاد کو نہ مار ڈالیں ف۱ اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں ف۲ اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی

اولاد نہ ماریں، اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں پاؤں میں، تیری بے حکمی نہ کریں کسی

مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بھلے کام میں تو ان کو بیعت کر لے ف۳ اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۴ اے ایمان والو

بھلے کام میں، تو ان سے اقرار کر اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو!

لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ

مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ ان پر ف۵ وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی منکروں نے

مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصے ہوا اللہ ان پر، وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے، جیسے آس توڑی منکروں نے

اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

قبر والوں سے ف۶

قبر والوں سے۔

= (تنبیہ) "فَعَاقَبْتُمْ" کے دو ترجمے مترجم محقق نے کیے۔ "پھر تم ہاتھ مارو" اور "پھر تمہاری باری آئے" ہم نے دوسرے ترجمے کے لحاظ سے مطلب کی تقریر کی ہے۔ پہلے ترجمہ کے موافق بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال غنیمت کا حاصل ہونا ہے۔ یعنی مال غنیمت میں سے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا لوٹایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۱ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بھی ننگ و عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکوں کو بھی قتل کر ڈالتے تھے۔

ف۲ طوفان باندھنا ہاتھ پاؤں میں، یہ کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کریں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسم کھائیں، اور ایک معنی یہ کہ بیٹا جنا ہو کسی اور سے اور منسوب کر دیں خاوند کی طرف، یا کسی دوسری عورت کی اولاد لے کر مکر و فریب سے اپنی طرف نسبت کر لیں۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی ایک کا بیٹا دوسرے کی طرف لگائے جنت اس پر حرام ہے۔

ف۳ پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کی (جو ہجرت کر کے آئیں) جانچ کی جائے۔ یہاں بتلا دیا کہ ان کا جانچنا یہی ہے کہ جو احکام اس آیت میں ہیں وہ قبول کر لیں تو ان کا ایمان ثابت رکھو۔ یہ "آیت بیعت" کہلاتی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عورتیں بیعت کرتی تھیں تو یہی اقرار لیتے تھے لیکن بیعت کے وقت کبھی کسی عورت کے ہاتھ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔

ف۴ یعنی ان امور میں جو کوتاہیاں پہلے ہو چکیں یا امتثال احکام میں آئندہ کچھ تقصیر رہ جائے اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ امید ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کی تقصیر معاف فرمائے گا۔

ف۵ شروع سورت میں جو مضمون تھا، خاتمہ پر پھر یاد دلا دیا۔ یعنی مومن کی شان نہیں کہ جس پر خدا ناراض ہو اس سے دوستی اور رفاقت کا معاملہ کرے۔ جس پر =

حکم امتحان مہاجرات مؤمنات واحکام بیعت واطاعت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ... الی ... مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات کے کچھ احکام بیان کیے گئے تھے اور یہ تلقین کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں اسوۂ ابراہیمی اختیار کرنا چاہئے اور نہایت واضح طور پر منع کر دیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح موالات ودوستی جائز نہیں اسی کے ساتھ ان کافروں سے بہتر سلوک کرنے کی اجازت دے دی گئی جو نہ تو کبھی مسلمانوں سے لڑے اور نہ کسی قسم کی دشمنی کی۔ اب ان آیات میں بعض خاص احکام ایسی عورتوں کے متعلق بیان کیے جارہے ہیں جو ہجرت کرکے دارالاسلام آجائیں، صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا اور جو شرائط معاہدہ طے ہوئی تھیں ان میں یہ تھا علی ان لا یاتیك منا رجل وان کان علی دینك الا رددته الینا۔ (ہم قریش مکہ اس پر معاہدہ کرتے ہیں کہ جو بھی مرد ہمارے پاس سے تمہارے پاس پہنچ جائے تو مسلمان اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے، اگرچہ وہ تمہارے دین پر ہو) تو آنحضرت ﷺ نے اس معاہدہ کی رو سے جو مرد مسلمان مکہ سے مدینہ نکل کر آئے ان کو واپس فرمایا جیسے ابوجندل بن سہیل کو قریش مکہ کے حوالے فرمادیا جب کہ وہ کفار کی قید سے نکل کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے تھے لیکن معاہدہ میں لفظ مرد تھا اس وجہ سے عورتوں کا واپس کرنا اس میں شامل نہ تھا چنانچہ آپ ﷺ نے ایسی مہاجر خواتین کی واپسی کا انکار فرمادیا جو کفار کی قید سے چھوٹ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچیں، جیسے قبیلہ اسلم کی سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ان کا خاوند مسافر مخزومی دوڑا ہوا مقام حدیبیہ پہنچا چنانچہ روایات میں ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہجرت کرکے آپ ﷺ کے پاس پہنچیں تو ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید مکہ سے فوراً آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور واپسی کے لیے گفتگو کی تو آپ ﷺ نے واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی ﴿فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ اور اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ حکم عورتوں کے متعلق نہیں اور یہ حکم بھی اتارا گیا کہ ان کا امتحان لے لیا کرو تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ مومنات ہیں اور احکام بیعت بھی نازل فرمائے تو ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس آجائیں ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئی تو ان کا امتحان کرلو خوب جانچ لو کہ وہ ایمان اور اخلاص کیساتھ ہجرت کرکے آئی ہیں اللہ تو خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو لیکن مسلمانوں کو اپنے درمیان احکام اسلام کسی پر جاری کرنے کے لیے یہ قانون نازل کیا جارہا ہے بہرحال اگر امتحان وتحقیق کے بعد جان لو کہ یہ ایمان والی ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت واپس کرو اب جب کہ یہ ایمان لاکر اور ہجرت کرکے دارالاسلام آگئیں تو نہ یہ عورتیں ان کافروں یعنی اپنے کافر خاوندوں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ مردان مہاجر عورتوں کے لیے حلال ہیں اور دیدو ان مردوں کو جو

= خدا کا غصہ ہو، خدا کے دشمنوں کا بھی غصہ ہونا چاہیے۔

ف ۶ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں۔

(تنبیہ) بعض مفسرین کے نزدیک "من اصحب القبور" کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح کافر جو قبر میں پہنچ چکے وہاں کا حال دیکھ کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔ تم سورۃ الممتحنۃ

کچھ انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا اور اس وجہ سے کہ اب وہ عورتیں اسلام لاکر ہجرت کرتی ہوئی دار الاسلام آ گئی ہیں ان کا نکاح پہلے کافر شوہروں سے ختم ہوگیا تو عدت فسخ گزرنے پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب کہ تم ان کے مہر، ان کو دے دو جو بھی مہر اس نکاح کے وقت مقرر کیا جائے وہ بہر حال مرد کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

اور نہ رکھو تم اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کی اور طلب کرو جو کچھ تم نے خرچ کیا اور چاہئے کہ وہ بھی طلب کرلیں جو انہوں نے خرچ کیا یہی ہے تمہارے واسطے اے لوگو! اللہ کا حکم جس حکم سے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم والا صاحب حکمت ہے۔ اس وجہ سے اس کا ہر حکم صحیح اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہے تو جب اللہ نے یہ حکم مقرر فرمادیا کہ کافر عورتوں کی ناموس و عصمت نہ روکے رکھو اور اپنے قبضہ میں تھامے نہ رکھو تو اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ کسی مسلمان کو اپنی ان بیویوں کو جو اسلام نہیں لائیں اور کفر پر قائم رہیں ان کو اپنی منکوحہ کی طرح روکے رکھنا درست نہیں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ پھر جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویاں جو مکہ میں مشرک رہ گئی تھیں چھوڑ دیں ایک کا نام قریبہ تھا جو امیۃ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے بعد میں مکہ مکرمہ میں معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا تھا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ماں تھی اس نے ابوجہم حذافہ سے نکاح کرلیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔ [1]

اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں تمہاری ازواج میں سے کافروں کی طرف پھر تمہاری نوبت آئے تو تم اے مسلمانو! دے دو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا کہ انہوں نے خرچ کیا اور اب وہ عورتیں ان کے پاس نہیں رہیں اس وجہ سے کہ وہ دار الکفر سے ہجرت کرکے مسلمانوں کے پاس نہ آسکیں اور سابق نازل کردہ حکم کی رو سے یہ درست تھا کہ مسلمان اپنی بیویوں پر خرچ کیے ہوئے خرچ کا مطالبہ کریں جیسا کہ مسلمانوں نے ان کافر خاوندوں کو ان کا کیا ہوا خرچ واپس کیا جن کی عورتیں مسلمان ہوکر مدینہ آ گئی تھیں [2] اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

[1] تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔

[2] اصل حکم یہ نازل ہوا تھا کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک مسلمان ہوکر ہجرت کرکے دار الاسلام میں آجائے اور دوسرا شرک وکفر پر قائم رہتے ہوئے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کرے تو اختلاف دارین کے بعد نکاح قائم نہ رہے گا ایسی صورت میں اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہوکر دار الاسلام میں آجائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ یہ کیا گیا تھا کہ اس مسلمان عورت کے پہلے خاوند کافر نے جو مہر طے پایا وہ اپنی جگہ ادا کرے اس کے بالمقابل، صورت میں کہ اگر کسی مسلمان مرد کی عورت کافرہ گئی اور وہ ہجرت کرکے دار السلام میں نہیں آئی اور یہی معنی ہیں ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ کے کہ اگر تم سے تمہاری بیویوں میں سے جاتی رہیں کافروں کی طرف یعنی تم سے ضائع ہوگئیں اور کافروں کے پاس رہ گئیں نہ یہ کہ دار الاسلام سے العیاذ باللہ کسی مسلمان کی بیوی کافروں کی طرف چلی گئی کیونکہ نہ ایسا ممکن تھا اور نہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا، جس پر تاریخی شواہد موجود ہیں، اگرچہ بعض مفسرین نے محض لفظی وسعت کے باعث اس معنی کو بیان کیا کہ کوئی مسلمان عورت العیاذ باللہ مرتد ہوکر چلی جائے لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک اس کی یہی تفسیر ہے کہ وہ عورتیں بحالت کفر وہیں رہ جائیں اور یہی مفہوم "جاتی رہنے کا" بلاشبہ ہے تو اس صورت میں یہ حکم تھا کہ وہ کافر جو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کے پہلے خاوند کو اس کا ادا کردہ مہر واپس کردے، اس حکم کے نازل ہونے پر مسلمان تو تیار ہوگئے کہ اسلام لانے والی مہاجر عورتوں کا مہر ادا کردیں، مگر =

حکم بیعت مہاجرات مومنات

اے ہمارے نبی ﷺ جب آئیں آپ ﷺ کے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئیں تو وہ بیعت کریں آپ سے اس بات پر کہ نہ تو وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور نہ کسی پر وہ ایسا بہتان لگائیں جس کا افتراء والزام وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں اور نہ وہ کسی بھی بھلے کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی کریں تو آپ ﷺ ان کو بیعت کر لیجئے اور طلب مغفرت کیجئے ان کے لیے اللہ سے۔ ان کی ہر قسم کی اس کوتاہی اور غلطی پر جو ان سے سرزد ہو چکی یا بیعت کے بعد کوئی خطاو غلطی نادانستہ طور پر ہو جائے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اللہ رب العزت آپ ﷺ کے استغفار و دعا کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے گا اور اپنی عنایات و رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا، یہ جملہ احکام جن میں مردوں اور عورتوں کے احکام تفصیل و تحقیق سے ذکر کیے گئے ان ہی میں سعادت و فلاح مضمر ہے ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ ان احکام پر عمل کریں۔ اگر وہ روگردانی کریں گے تو ان کو اپنے انجام کی تباہی و بربادی سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

اللہ کے احکام کی فرماں برداری اور ان کے دین پر استقامت اور ایمان کے تقاضوں کی تکمیل اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے اجتناب و پرہیز کیا جائے ان سے دوستی اور روابط قائم کرنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے اس لیے سن لینا چاہئے کہ اے ایمان والو! ہرگز دوست نہ بناؤ ایسی قوم کو جن پر خدا غضب ہے جو مایوس ہو چکے ہیں آخرت سے اور آخرت کا تصور ہی دل سے نکال دیا۔ جیسا کہ کافر قبر والوں سے ناامید ہو چکے ہیں۔ اور ان کو کوئی توقع نہیں کہ قبر

= کافر تیار نہ ہوئے اور اس صورت میں کہ دارالکفر میں رہ جانے والے اس عورت سے نکاح کریں جس کا خاوند اسلام لا کر دارالاسلام میں آچکا ہے اس مسلمان کو اس کا دیا ہوا مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر آیت نازل ہوئی ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ ان الفاظ میں ایسی ہی صورت کا ذکر کرتے ہوئے گویا سابق حکم منسوخ کر دیا گیا، اب وہ مسلمان جن کی بیویاں دارالکفر میں رہ گئی ہیں ان کا اپنا ادا کردہ مہر کافروں سے وصول نہیں ہو رہا ہے، تو اب مسلمانوں کو چاہئے کہ دارالکفر سے ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کے ان خاوندوں کو کچھ نہ دیں جو دارالکفر میں رہ گئے ہیں (بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا دیا ہوا خرچ واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے ادا کر دیا جائے، سبحان اللہ کیسا عدل و انصاف ہے) الغرض ﴿فَعَاقَبْتُمْ﴾ کا مفہوم یہی راجح ہے کہ پھر تمہاری نوبت آئے یعنی مہر لینے کی، دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ کفار سے جہاد کرو اور مال غنیمت حاصل ہو تو اس مال غنیمت سے ان مسلمان مردوں کو وہ خرچ اور مہر ادا کر دو جو انہوں نے اپنی بیویوں پر کیا تھا جو اسلام نہیں لائیں اور دارالکفر میں رہ گئیں کیونکہ کافر تو یہ خرچ واپس نہیں کر رہے ہیں تو اب یہی صورت ہو سکے گی کہ مال غنیمت سے یا بیت المال اس کی تلافی کر دے۔

یہ آیت یعنی ﴿وَاسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا﴾ منسوخ ہے یا اپنے حکم پر باقی ہے؟ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم چونکہ دو طرفہ ذمہ داریوں پر مشتمل تھا جو صلح حدیبیہ میں طے کردہ معاہدہ کی رو سے تسلیم کیا گیا تھا، مسلمانوں نے تو بلا کسی تردد اور تامل اس پر عمل کیا لیکن کفار مکہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی اس پر عمل نہ کیا اس وجہ سے یہ حکم خود بخود منسوخ ہو گیا اور برقرار نہ رہا یا یہ کہہ لیجئے کہ یہ حکم ابتداء ہی سے محدود اور مؤقت تھا کفار مکہ کے لیے بموجب عہد نامہ حدیبیہ، کفار عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا اور وہ عورت کو پہلے ہی دے دیا جاتا تھا، اولاً تو کفار کی طرف سے اس حکم کی پابندی نہیں ہوئی پھر فتح مکہ کے بعد اس حکم کی ضرورت ہی نہ رہی، قبائل عرب کی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، اور دارالاسلام میں بسنے والے مسلمانوں سے ان کے نکاح ہوئے۔ ۱۲۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ملحض من احکام القرآن للجصاص رحمہ اللہ، وتفسیر روح المعانی، تفسیر حقانی ابن کثیر وما افادنی شیخی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ وحضرت الوالد المحترم محمد ادریس الکاندھلوی رحمہ اللہ ۱۲

والے اپنی قبروں سے پھر اٹھیں گے بلکہ وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بعث بعد الموت کا بھی ان کو کوئی تصور نہیں۔

قصہ بیعت نساء مومنات

عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کا نساء ومؤمنات سے بیعت لینے کا ذکر اس طرح فرمایا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت مبارکہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ﴾ الخ نازل ہوگئی تو آنحضرت ﷺ ایسی عورتوں کا امتحان لیتے اور پھر ان باتوں پر ان سے عہد لیتے جن کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے کہ یہ شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا وبدکاری اور نہ افتراء وبہتان اور کسی بھی حکم شرعی میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو جو عورت اس بات کا عہد واقرار کر لیتی آپ ﷺ اس کو بیعت فرما لیتے اور صرف زبان مبارک سے فرما دیتے "اچھا میں نے تمہیں بیعت کر لیا" فرمایا کرتی تھیں آپ ﷺ کے دست مبارک نے خدا کی قسم کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں عید الفطر کی نماز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی دیکھا ہے یہ سب حضرات خطبہ سے قبل نماز عید پڑھا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے اور اس کے بعد منبر سے اترتے ایک دفعہ کا ذکر ہے گویا یہ منظر آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، مجمع میں سے جو لوگ اٹھ کر منتشر ہو رہے تھے آپ ﷺ ان کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے پھر آپ ﷺ مردوں کے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگے اور اس جگہ تک پہنچے جہاں عورتوں نے نماز پڑھی تھی آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے آپ ﷺ وہاں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تلاوت کے بعد ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس پر قائم ہو اور اس کا عہد کرتی ہو مجمع میں سے ایک عورت نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ جو گویا سب کی طرف سے یہ کہہ رہی تھیں اور بظاہر اسی وجہ سے کسی اور نے جواب نہ دیا سب خاموش رہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کے سوا کسی اور نے جواب نہ دیا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو فرمایا یہ اعلان کر دیں اے مسلمان عورتو! رسول اللہ ﷺ تم سے بیعت لینا چاہتے ہیں اس بات پر کہ تم نہ شرک کرو گی نہ چوری نہ زنا وبدکاری اور نہ بہتان طرازی اور نہ رسول خدا کی نافرمانی کرو گی، تو ان عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بھی تھی جس نے غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے شکم مبارک کو چاک کر کے جگر کا ٹکڑا چبانا چاہا تھا اگرچہ اب اسلام لا چکی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ سے ڈرتے ہوئے چھپی ہوئی تھیں، اور کسی کونہ میں بیٹھی تھیں، جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ عہد کرو چوری بھی نہ کرو گی، تو کہنے لگی میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں کیونکہ وہ مال کے حریص اور بخیل انسان ہیں (تو گھر کے مصارف وغیرہ کے لیے ان سے چھپا کر کچھ لینا پڑتا ہے) ابوسفیان رضی اللہ عنہ ان کے خاوند بھی وہاں موجود تھے فوراً بولے اے ہندہ تو نے آج تک جو کچھ لیا یا آئندہ لے گی وہ سب تیرے واسطے حلال ہے، جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی تو کہنے لگی ہم نے تو ان کو پالا تھا مگر تم نے انہیں بدر میں قتل کر دیا، اس جملہ پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو

بہت ہنسی آئی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ کچھ عورتوں نے کہا کہ ہم تو اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتے ان کے باپ قتل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ﴿وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ﴾ میں یہ چیز بھی داخل ہے، کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف ایسے بچہ کی نسبت کرے جو درحقیقت اس شوہر سے نہیں جیسا کہ یہ فعل جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا، منیٰ کی گھاٹی میں قبل از ہجرت آپ ﷺ نے انصار مدینہ سے بیعت لی تو یہی وہ امور تھے جن پر ان سے عہد لیا اور فرمایا یایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ الخ۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، ان وفیتم فلکم الجنۃ اگر تم ان باتوں کو پورا کرو گے تو تمہارے واسطے جنت ہے۔ (باسناد ابن ابی حاتم) [1]

(تم بحمداللہ تفسیر سورۃ الممتحنہ)

سورۃ الصف

اس سورۂ مبارکہ کے فضائل میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت باسناد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نقل کی ہے بیان کیا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں موجود تھا کہ ہم باہم یہ گفتگو کرنے لگے کاش اگر ہماری حاضری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہو تو یہ دریافت کریں کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ خود حاضر ہو کر یہ پوچھیں، آنحضرت ﷺ نے اس مجمع کے ایک ایک شخص کو بلایا اور جب سب جمع ہو گئے تو ہمارے سامنے یہ سورۃ صف تلاوت فرمائی اور گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اس سورت کی تلاوت اللہ کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے۔

سورت کا آغاز اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح و پاکی وحمد وثناء سے کیا پھر اس بات پر وعید فرمائی گئی کہ انسان کے لیے یہ بات نہایت ہی نازیبا ہے کہ وہ جس بات کا عہد کرے اس کو پورا نہ کرے اور اس کے قول وفعل میں تضاد ہو اس کے بعد مسلمانوں کو دشمنان اسلام سے جہاد وقتال کی ترغیب دی گئی اور ان کو اس کے لئے ہمت دلائی گئی کہ پوری طاقت اور بہادری کے ساتھ کافروں کے مقابلہ کے لیے متحد ومتفق ہو کر ڈٹ جائیں اور اتحاد واخوت میں ان کو چاہئے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار کے مانند ہو جائیں، ساتھ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا دعوۃ الی اللہ میں اسوہ ونمونہ بھی بیان کیا گیا اور یہ کہ انہوں نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں اٹھائیں اور اہل ایمان کو اس امر کے متعلق اطمینان دلایا گیا کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور دین کے مددگاروں کو غالب وکامیاب فرماتا ہے اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی ہر سازش اور کوشش ناکام ہوتی ہے، ان مضامین کو ذکر کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں اہل ایمان کو ایک کامیاب اور نفع بخش تجارت کی دعوت دی گئی اور اس کی وضاحت کی گئی کہ وہ نفع بخش تجارت کون سی ہے جس سے انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت کی سعادت وفلاح بھی اس کو نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

٦١ سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ١٠٩ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰياتها ١٤ رکوعاتها ٢

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا، اے ایمان والو

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ اے ایمان والو!

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ

کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو اللہ

کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے؟ بڑی بیزاری ہے اللہ کے ہاں، کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ اللہ

يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

چاہتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی ف۱

چاہتا ہے ان کو، جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر، جیسے وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی۔

تسبیح وتحمید خداوندی مع ترغیب اہل ایمان برائے جہاد فی سبیل اللہ

قَالَ تَعَالٰى: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ... الى... كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں کافروں سے موالات ودوستی پر تنبیہ ووعید تھی اور واضح طور پر یہ فرمادیا گیا تھا ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ کہ اے مسلمانو! ہرگز ایسی قوم کو اپنا دوست نہ بناؤ جن پر خدا کا غضب ہے، اب اس سورت میں حق تعالیٰ شانہ اپنی پاکی اور بے نیازی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد ہوکر کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوگا جب مسلمان اپنے قول وفعل میں مطابقت اور یکسانیت پیدا کرلے، اس زمانہ میں عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ ہو رہا تھا اور

ف۱ بندہ کو لاف زنی اور دعوے کی بات سے ڈرنا چاہیے کہ پیچھے مشکل پڑتی ہے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے، لیکن اس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے۔ بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک جگہ مسلمان جمع تھے، کہنے لگے ہم کو اگر معلوم ہوجائے کہ کون سا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو وہی اختیار کریں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یعنی دیکھو! سنبھل کر کہو، لو ہم بتلائے دیتے ہیں، کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے، اور جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اب اس معیار پر اپنے کو پرکھ لو۔ بیشک تم میں بہت ایسے ہیں جو اس معیار پر کامل واکمل اتر چکے ہیں مگر بعض مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں بعضوں کے زبانی دعووں کی ان کے عمل نے تکذیب کی ہے آخر جنگ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں قائم رہی۔ اور جس وقت حکم قتال اترا تو یقیناً بعض نے یہ بھی کہا۔ ﴿رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ بہرحال زبان سے زیادہ دعوے مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو جس سے اعلیٰ کامیابی نصیب ہو۔ موسیٰ کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ زبان سے تعلّی وتفاخر کی باتیں بہت بڑھ چڑھ کر بناتے تھے لیکن عمل کے میدان میں صفر تھا۔ جہاں کوئی موقع کام کا آیا فوراً پھسل گئے اور نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے۔ نتیجہ جو کچھ ہوا اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

مسلمان باوجود اپنی قلت اور ضعف کے ہمت وجوانمردی سے کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے تو اس سورت میں بالخصوص جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے، ارشاد فرمایا:

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کائنات آسمان وزمین کی ہر چیز کا اس کی پاکی اور تسبیح میں مشغول ہونا اس کی عظمت وکبریائی کی واضح دلیل ہے بے شک وہی زبردست عزت وحکمت والا ہے ایسی ذات سراپا عزت وعظمت کے حامی یقیناً نہ دنیا کی طاقت سے مغلوب ومرعوب ہو سکتے ہیں اور نہ ناکام، لیکن انسانوں کی عزت اور کامیابی ایمانی اوصاف وکمالات پر ہی موقوف ہے جس کے لیے قول وفعل کی مطابقت ویکسانیت چاہئے قول وفعل میں تضاد نفاق کی علامت ہے اس لیے اے مسلمانو! اے ایمان والو کیوں کہتے ہو اپنے منہ سے وہ بات جو تم نہیں کرتے ہو بڑی ہی ناراضگی کی بات ہے اللہ کے نزدیک کہ تم وہ چیز کہو جو نہیں کرتے ہو اس طرح کے دعوے اور لاف زنی جھوٹوں اور منافقوں کا کام ہوتا ہے اور نفاق انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی کمزوری کے بعد دشمن کا کیا خاک مقابلہ کرے گا اور فتح وکامرانی کی کیونکر توقع ہو سکتی ہے ایمان والوں کو تو چاہئے کہ صداقت اور عزم وہمت کے حامل بن کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور بڑی قوت وہمت سے ایک آہنی دیوار بن کر دشمن کے مقابلہ کے لیے میدان جہاد میں نکل آئیں ان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے اپنے بندوں کو جو قتال وجہاد کرتے ہیں اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح کہ گویا وہ ایک دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔ یہی صفت اور حالت ان کے اخلاص وسعادت کی دلیل ہوگی، محض دعوؤں کے بعد میدان جہاد سے بھاگنا منافقوں کا وہ شیوہ ہے جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ جہاد کا مطالبہ کرتے رہے لیکن جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگے ﴿رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ یہی حال قوم موسیٰ علیہ السلام کا تھا جب جہاد کا حکم ہوا نہایت ہی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہہ دیا کہ اے موسیٰ اس بستی میں بڑی طاقت والی قوم ہے اور ہم اس بستی میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، البتہ اگر وہ لوگ اس بستی کو خالی کر کے وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور اس میں داخل ہو جائیں گے اور ٹکا سا جواب دے دیا ﴿اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ کہ اے موسیٰ "بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ اور تم دونوں جا کر کافروں سے لڑلو ہم یہاں بیٹھے ہیں" تو حق تعالیٰ نے جہاد کے لیے اہل ایمان کو ترغیب دی اور یہی وہ اخلاص باطن کا رنگ ہے جو اس طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نمودار ہوا جب سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ جواب تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کا حکم دیجئے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی دائیں اور بائیں بھی اور ہم اس قوم کی طرح نہ ہوں گے جنہوں نے اپنے پیغمبر کو یہ جواب دے دیا تھا کہ ﴿اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾۔

جہاد فی سبیل بارگاہ خداوندی میں محبوب ترین عمل

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ﴾ آیت مبارکہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا محبوب ترین عمل بیان کر رہی

ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ عمل اللہ کو محبوب ہے تو مجاہدین بھی یقیناً اس کی نظروں میں محبوب ترین بندے ہوں گے اسی کو یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں، آنحضرت ﷺ ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو بڑی ہی محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے ایک وہ جو رات کو بیدار ہو کر نماز میں مشغول ہو جائے، دوسری وہ قوم جو جماعت میں نماز کے لیے صف بستہ ہیں، تیسری وہ جماعت مجاہدین جو میدان جہاد میں کافروں سے قتال کے لیے صف بستہ ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت خود اپنے پیغمبر محمد ﷺ کی شان اس طرح بیان فرماتا ہے محمد ﷺ میرے بندہ متوکل ہیں، پسندیدہ و برگزیدہ جو نہ سخت دل ہیں نہ بدمزاج، اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگزر اور معاف کرتے ہیں جن کا مولد (جائے پیدائش) مکہ ہے اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہے اور ان کا ملک سلطنت شام ہوگا، ان کی امت حماد ہوگی جو ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ کی حمد وثنا کرتی ہوگی، ان کی سحر کے وقت خشیت خداوندی سے فضا میں ایک آواز ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو جو اپنے اطراف اعضاء دھوتے ہوں گے (یعنی وضو) اور نصف پنڈلیوں پر اپنی ازار باندھتے ہوں گے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا﴾ الخ [1] اس عمل کی محبوبیت کا تو یہ مقام ہے کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرمایا کرتے۔ وددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم ثم اقتل۔ [2]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس ف۱

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، اے قوم میری! کیوں ستاتے ہو مجھ کو؟ اور جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دیے اللہ نے ان کے دل اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ف۲

اور جب وہ پھر گئے، پھیر دیئے اللہ نے ان کے دل۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔

ف۱ یعنی روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں۔ پھر سخت نازیبا اور رنجیدہ حرکتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان گستاخانہ حرکات سے دکھ نہیں پہنچتا کہ کبھی بے جان بچھڑا بنا کر پوجنے لگے اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانے لگے۔ کبھی "عمالقہ" پر جہاد کرنے کا حکم ہوا تو کہنے لگے ہم تو کبھی نہیں جائیں گے۔ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑ لو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ وغیر ذلك من الخرافات۔ چنانچہ اسی سے تنگ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ﴿رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾

ف۲ بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ کی یہی عادت ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر۔

[2] رواہ البخاری ومسلم واصحاب سنن۔

شکوہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام از ایذاء رسانی قوم والتجاء بہ بارگاہ خداوند ذوالجلال والاکرام

قال تعالیٰ: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ... الى... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی تسبیح و پاکی کے بیان کے ساتھ اس مجرمانہ کردار کی مذمت کی گئی تھی کہ انسان کے قول وعمل میں تضاد ہو اور یہ کہ ایمان کا تقاضا اللہ کی راہ میں جہاد ہے جو اللہ کے بندے ہیں وہ پورے اتحاد اور یک جہتی سے دشمنوں کے مقابلہ میں صف آراء رہتے ہیں، اب بنی اسرائیل کی اس موذیانہ روش کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو انہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختیار کی فرمایا اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم آخر تم لوگ مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور ظاہر ہے اللہ کے رسول کو ستانا نہایت ہی عظیم جرم ہے اور پھر جب کہ یہ علم ویقین بھی ہو کہ یہ اللہ کا رسول ہے اس علم ویقین کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ باز آ جاتے مگر شقاوت وبدبختی کی انتہاء تھی کہ نہ باز آئے بلکہ اور کج روی ہی پر تلے رہے تو جب وہ اس درجہ پھر گئے اور راہ حق سے بھٹک گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اور اللہ راہ نہیں دیتا ہے نافرمان قوم کو اور وہ اپنی نافرمانی اور بدبختی کے باعث ہمیشہ کے لیے راہ حق سے بھٹکتے ہی رہتے ہیں، یقیناً اس طرح کی نافرمانی کی دلائل وبینات آ گئے ہوں، حق کو پہچان لیا ہو، اللہ کے پیغمبر نے معجزات ظاہر کر دیئے ہوں پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آنا اللہ کے پیغمبر کے لیے انتہائی ایذا رسانی کا فعل ہے، ناصح وخیرخواہ کب تک ایسی روش پر صبر کرے، کسی نے بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی، کبھی عمالقہ قوم سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تو نہایت ہی بے باکی سے موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے، ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنگ آ کر بارگاہ خداوندی میں التجاء کرنے لگے، ﴿رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾۔

اس واقعہ کو ذکر کر کے حق تعالیٰ شانہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور کفار مکہ کے گستاخانہ رویہ پر صبر کی تلقین فرمائی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا اس پر جو

اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے، اے بنی اسرائیل! میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف، سچا کرتا اس کو جو

يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

مجھ سے آگے ہے تورات ف۱ اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد ف۲ پھر جب آیا ان کے پاس

مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی، جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔ پھر جب آیا ان کے پاس

ف۱ یعنی اصل تورات کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام واخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت ان ہی اصول کے ماتحت ہے جو تورات میں بتائے گئے تھے۔

(تنبیہ) ابن کثیر وغیرہ نے "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ میں ان چیزوں کا مصداق بن کر آیا ہوں جن کی خبر تورات شریف میں دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ .... =

بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ

کھلی نشانیاں لے کر کہنے لگے یہ جادو ہے صریح ف۱ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو

کھلے نشان لے کر، بولے یہ جادو ہے صریح اور اس سے بے انصاف کون ہے جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو

يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو ف۲ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ف۳ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی

بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔ چاہتے ہیں کہ بجھائیں اللہ کی روشنی

بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر ف۴ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر

اپنے منہ سے۔ اور اللہ کو پوری کرنی اپنی روشنی، اور پڑے برا مانیں منکر۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ لے کر،

= ف۲ یعنی پچھلے کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے کی بشارت سناتا ہوں۔ یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت و وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قریب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہوگی۔ کیونکہ ان کے بعد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور معتمدانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیائے سابقین خصوصاً مسیح علی نبینا وعلیہ السلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی۔ اور اسی لیے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف و صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ تاہم یہ بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشین گوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسیوں مواضع ہیں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل و انصاف والوں کے لیے اس میں تاویل و انکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اور انجیل یوحنا میں تو فارقلیط (یا پیر کلوطوس) والی بشارت اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود و ستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض علمائے اہل کتاب کو بھی ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشین گوئی کا انطباق پوری طرح نہ روح القدس پر اور نہ بجز سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور پر ہو سکتا ہے۔ علمائے اسلام نے بحمد اللہ بشارات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور تفسیر حقانی کے مولف فاضل نے "فارقلیط" والی بشارت اور تحریف بائبل پر سورۃ "صف" کی تفسیر میں نہایت مشبع بحث کی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے۔

ف۱ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر آئے یا جن کی بشارت دی تھی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھلے نشان لے کر آئے تو لوگ اسے جادو بتلانے لگے۔

ف۲ یعنی جب مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق کو چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو ایک طرف رہا، کتب سماویہ میں تحریف کر کے جو چیزیں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں تھیں ان کو درج کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا۔

ف۳ یعنی ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے اور ممکن ہے "لا یھدی" میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور تحریف و تاویل کریں، خدا ان کو کامیابی کی راہ نہ دے گا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن خبروں کو وہ چھپانا یا مٹانا چاہتے ہیں، چھپ یا مٹ نہ سکیں گی۔ چنانچہ باوجود ہزاروں طرح کی قطع و برید کے آج بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

ف۴ یعنی منکر پڑے برا مانا کریں اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ مشیت الٰہی کے خلاف کوئی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ یہی حال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کا اور ان کی کوششوں کا ہے۔

(تنبیہ) شاید "بِاَفْوَاهِهِمْ" کے لفظ سے یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ہو کہ بشارات کے انکار و اخفاء کے لیے جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں وہ =

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨

اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے ف۱

اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے دینوں سے سب سے، اور پڑے برا مانیں شریک والے۔

بشارت حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام بہ بعثت نبی کریم ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... الی ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شکوہ کا ذکر تھا جو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں اپنی قوم کی ایذاء رسانیوں پر کیا اس ضمن میں قوم بنی اسرائیل کی بدبختی ومحرومی کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اب یہ مضمون بیان کیا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کی اس محرومی اور بدنصیبی کے بعد اللہ رب العزت نے اس قوم کے لیے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور وہ اس لیے مبعوث فرمائے گئے کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت سنائیں اور بنی اسرائیل کو تاکید کریں کہ ان آنے والی ہدایت اور حق کی پوری طرح اتباع وپیروی کریں کیونکہ اب اس کے بعد اللہ نے قیامت تک کے لیے حق وہدایت کا داعی خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو بنایا ہے اور وہ عنقریب مبعوث ہوں گے ان کی بشارت کے ساتھ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے نبی خاتم الانبیاء ﷺ کی علامات اور نشانیاں بھی بتائیں اور ان پر ایمان لانے کا بھی حکم دیا، فرمایا اور جب کہا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اللہ کی کتاب توراۃ کی جو مجھ سے پہلے ہے اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہے۔ اس طرح ان یہودیوں کو مجھ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے، جو توراۃ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ میں ان کی تصدیق کرنے والا ہوں جب میں انہی اصول وہدایات کی دعوت دے رہا ہوں تو پھر یہودیوں کو مجھ پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے؟ ساتھ ہی میں ایک آنے والے پیغمبر کی بشارت سنا رہا ہوں جن کا نام احمد ہوگا ان پر اے عیسائیو! تم ایمان لانا اگر تم ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو بس تمہارا حال ان یہودیوں جیسا ہوگا جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے، اس ہدایت وتاکید اور علامات ونشانیوں سے نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت ورسالت متعین کر دینے کا تقاضا تو یہی تھا کہ عیسائی قوم اپنے ہادی وپیغمبر روح اللہ مسیح بن مریم علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نبی آخر الزمان محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لاتے، لیکن جب وہ رسول مبشر ان کے پاس آ گئے کھلی نشانیاں لے کر اور واضح معجزات ودلائل کے ساتھ تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ کس قدر بے حیائی اور گستاخی کی کہ اللہ کی ہدایت اور اس کے دلائل ومعجزات و دلائل ومعجزات کو جادو کہا اور اس کے رسول کا انکار کیا یہ بات اسی حد تک نہیں کہ نافرمانی اور گستاخی ہو بلکہ خود اپنے اوپر بڑا ہی ظلم ہے اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور حال یہ کہ وہ اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو۔ مگر وہ

= کامیاب ہونے والی نہیں۔ ہزار کوشش کریں کہ "فارقلیط" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں لیکن اللہ منوا کر چھوڑے گا کہ اس کا مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

ف۱ اس آیت پر سورۂ "براۃ" کے فوائد میں کلام ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

بجائے اس کے کہ حق وہدایت قبول کرے خدا ہی پر بہتان باندھنے لگتا ہے اور اس کی تکذیب وتردید کرنے لگتا ہے، جیسا کہ نصاریٰ نے کیا کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات کو جادو کہا اور جب ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو حق اور ان بشارتوں کا انکار کیا جو مسیح بن مریم علیہ السلام نے سنائیں۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ہے ظالم لوگوں کو۔ کس قدر ظلم کیا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت ورسالت میں شرک کے عقیدہ کو جزو ایمان بنالیا بشر کو خدا اور خدا کو بشر قرار دیا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾۔ پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کیا جس پر ایمان لانے کا حضرت مسیح علیہ السلام نے حکم دیا تھا اسی پر بس نہ کی بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور بجھادیں اپنے مونہوں سے اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ مشیت الٰہی سے بس یہی طے ہو چکا ہے اس کے خلاف کرنا کا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی آفتاب کی شعاعوں کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرے اللہ کا یہ نور جس سے تمام عالم جہالت وگمراہی کی تاریکی سے نکل کر روشن ہوا وہ نور ہدایت ہے جو حضور اکرم خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ذریعے عطا کیا گیا تو اسی غرض سے۔ وہی پروردگار ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت کے ساتھ اور دین حق دے کر تا کہ اس کو غالب کرے دنیا کے ہر ہر دین پر اگرچہ برا مانیں شرک کرنے والے۔ لیکن اللہ کو کافروں کی ناگواری اور مشرکین کے برا ماننے کی کوئی پرواہ نہیں اس نے جو ارادہ کرلیا وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ لایبقی علی ظهر الارض بيت مدر ولا دبر الا ادخله الله كلمة الاسلام بعز عزيز اوذل ذليل، کہ روئے زمین پر کوئی گھر بھی باقی نہ رہے گا خواہ وہ آبادی میں ہو یا جنگل وبیابان میں کوئی خیمہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ پہنچا کر رہے گا، عزت والے کی عزت کے ساتھ (بایں طور کہ وہ مشرف ہو جائے) یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ (بایں صورت کہ وہ اگر اسلام نہ لائیں تو ذلت کے ساتھ سرنگوں ہوتے ہوئے جزیہ ادا کرنا قبول کریں)

راوی حدیث بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شاید یہ بات وہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے، چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب فتح ہوا، قیصر وکسریٰ، کی سلطنتیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں، مراکش وجزائر، افریقہ، چین، بخارا، سمرقند غرض مشرق ومغرب پر اسلام کی حکمرانی اور غلبہ وظہور کا منظر دنیا نے دیکھ لیا۔ اور ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ میں جو وعدۂ الٰہی کا بیان تھا وہ مکمل ہو کر رہا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی اسی کا ذکر بائیبل کی کتاب یسعیاہ کے باب ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اگرچہ عیسائیوں اور اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں بیشمار تحریفات کیں لیکن آج تک بھی وہ اس پر قادر نہ ہوسکے کہ آنحضرت ﷺ اور غلبہ دین اسلام کی بشارتوں کو نکال سکیں یا ان میں ایسی کوئی تاویل کرلیں کہ ان کا انطباق خاتم الانبیاء محمد ﷺ اور دین اسلام پر نہ ہو سکے۔

نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے عیسائیوں کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام اور انجیل مقدس کا صریح حکم

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت ونبوت کا مژدہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام سناتے

رہے اور آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی بھی پیغمبر سے منقول نہیں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور کوئی پیغمبر سوائے نبی آخر الزمان ﷺ کے مبعوث ہونے والا نہ تھا اور زمانہ بھی آپ ﷺ کی نبوت کا مسیح علیہ السلام سے قریب تھا تو اس خصوصیت اور قرب زمانہ کے باعث زائد سے زائد وضاحت واہتمام انجیل مقدس نے فرمایا اور بڑی تاکید اور اصرار کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آنے والے فارقلیط (پیغمبر) پر ایمان لانے اور ان کے احکام کی پیروی کرنے کے لیے فرمایا اور اس نبی مبشر بہ کے دین کی جامعیت وکاملیت اور غلبہ وظہور کو بخوبی بیان کر دیا۔

اگرچہ یہود ونصاریٰ کی غفلتوں کی بدولت تورات وانجیل میں تحریفات اور تغیر وتبدل کی کوئی حد باقی نہ رہی اور ان بیشمار تحریفات کے باعث یہ دعویٰ ناممکن ہے کہ آج روئے زمین پر تورات وانجیل کا کوئی صحیح نسخہ باقی ہے اس وجہ سے اگر موجودہ نسخوں میں صریح نام لکھا ہوا نظر نہ آئے تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کے اس صریح اعلان میں جو سورۃ صف کی اس آیت میں مذکور ہے کسی قسم کا تردد کرے۔

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾۔

اور جب کہا عیسیٰ مریم علیہا السلام کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا، درآں حالیکہ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جن کا نام ہے احمد (ﷺ)

قرآن کریم کے اس صاف کریم کے اس صاف اور صریح اعلان کو تحریف شدہ بائبل میں جھٹلانا قیاس اور عقل کے خلاف ہے لیکن یہ بات خاتم الانبیاء کے معجزات میں سے ہے کہ اہل کتاب کے معاندانہ طریق اور اس جذبہ کے ماتحت ہر طرح کی تحریف وتبدیلی کے بعد بھی بہت سی بشارتیں ایسی باقی رہ گئی ہیں جن میں تقریباً صاف اور صریح طور پر آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا ہی ذکر ہے، اور ان الفاظ کا انطباق آنحضرت ﷺ کی ذات کے سوا کسی اور پر ممکن نہیں جس میں کوئی صاحب فہم ذرہ برابر بھی تامل نہیں کرسکتا منجملہ ان بشارات کے انجیل یوحنا میں فارقلیط والی بشارت اس قدر صاف ہے کہ بلاتکلف اس کا مصداق بجز احمد مجتبیٰ ﷺ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

بشارت انجیل یوحنا

حضرت مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے انجیل یوحنا باب ۱۴ کی یہ مشہور بشارت انجیل یوحنا کے اس عربی نسخہ سے نقل کی ہے جو لندن میں ۱۸۳۱ء اور ۱۸۴۳ء میں طبع ہوا۔

باب نمبر ۱۴ از آیت نمبر ۱۵: اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ (۱۶) اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی) (۲۶) لیکن وہ فارقلیط جو روح حق ہے، جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو میں

نے تم سے کہیں وہ یاد دلائے گا۔ (۲۹) اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پہلے کہا تا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ۔ (۳۰) بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔''

اور باب نمبر ۱۵ آیت ۲۷ میں ہے، جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی سچائی کی روح) تو وہ میری گواہی دے گا۔

اور باب نمبر ۱۶، آیت نمبر ۷ میں ہے، لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لیے میرا جانا، ہی فائدہ مند ہو گا کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (مددگار) تمہارے پاس نہ آوے لیکن اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۸) وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا۔ (۹) گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم پھر مجھے نہ دیکھو گے۔ (۱۱) اور عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ (۱۲) میری اور بہت سی باتیں ہیں جن کو تم سے (اب) کہوں پر تم انکو اب برداشت نہ کر سکو گے۔ (۱۳) لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں اور میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔''

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے جو آپ علیہ السلام کا حواری یوحنا نقل کر رہا ہے جو آپ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے حواریوں کو تسلی دینے کے لیے فرمایا جب کہ یہود انتہائی بدسلوکی پر اترے ہوئے تھے اور قتل کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے کہ اے میرے حواریو! تم یہود کی ان سازشوں اور تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ وغمگین نہ ہو، عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کسی کی رسائی نہ ہوگی یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا اور ایک آنے والے فارقیط سے تسلی دی کہ وہ میرے جانے کے بعد آ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھ کو نہیں مانا ان کو سزا دے گا (یعنی یہودیوں کو) اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں، تو حق تعالیٰ شانہ نے سورۂ صف کی آیت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾۔

اس بشارت میں لفظ ''احمد'' موجود تھا جیسا کہ انجیل برناباس میں اب بھی موجود ہے لیکن جس وقت انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کے مطابق (کہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے تھے) آنحضرت ﷺ کے نام مبارک ''احمد'' کا ترجمہ بھی ''پیر کلوطوس'' سے کر دیا جس کے معنی ہیں بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا جو لفظ ''احمد'' کا عربیت کے اعتبار سے مفہوم ہے پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان سے کیا گیا تو ''پیر کلوطوس'' کا معرب ''فارقلیط'' کر لیا گیا ایک عرصہ تک عربی فارسی اور اردو نسخوں میں بھی ''فارقلیط'' کا لفظ لکھا جاتا رہا، لیکن محض اس بناء پر کہ یہ بات یقینی طور سے واضح اور متعین ہو چکی تھی کہ ''فارقلیط'' ''احمد'' کا ترجمہ ہے اور اس طرح یہ عبارت ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ کی قطعی مراد اور یقینی ترجمہ تھی ''فارقلیط'' کے بعد بین القوسین بطور ترجمہ روح القدس

لکھا جانے لگا اور مسیحی حضرات لفظ ''روح القدس'' کو خطوط وحدانی میں لکھتے رہے رفتہ رفتہ ان حضرات نے انجیل کے نسخوں میں سے لفظ ''فارقلیط'' کو حذف کر کے اس کی جگہ صرف ''روح القدس'' یا کسی نے ''روح حق'' یا کسی نے ''مددگار'' اور ''تسلی دینے والا'' کا لفظ لکھنا شروع کر دیا اور ''فارقلیط'' کے لفظ کو اس طرح سے انجیل کے نسخوں سے بالکل نکال ڈالا تا کہ علمائے اسلام کسی طرح اس بشارت کو آنحضرت ﷺ پر منطبق نہ کر سکیں۔ لیکن اہل کتاب اور مسیحی حضرات کی کوشش کسی درجہ میں بھی سودمند ثابت نہ ہوئی خواہ کچھ بھی تغیر وتبدل کر لیا لیکن انجیل کی اس بشارت اور اس تعبیر نے بشارت کا مدلول اور مصداق اس

طرح متعین کر رکھا ہے کہ مجموعی کلام سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتا۔

اس موقع پر مناسب ہے کہ ناظرین کی خدمت میں لفظ ''فارقلیط'' کی کچھ تحقیق پیش کر دی جائے اس کے بعد باقی تمام آیات اور عبارت کے الفاظ سے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا مصداق ہونا ظاہر کیا جائے گا۔

لفظ ''فارقلیط'' کی تحقیق ❶

لفظ ''فارقلیط'' اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنوں میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبی محمد مصطفے ﷺ پر صادق آتے ہیں علماء نصاریٰ نے ''فارقلیط'' کے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔

۱- کسی نے کہا ''فارقلیط'' کے معنی ''تسلی دینے والے'' کے ہیں جس کا عربی ترجمہ معزی ہے۔

۲- کسی نے کہا اس کے معنی ''معین ومددگار'' کے ہیں۔

۳- کسی نے کہا اس کے معنی ''شافع'' یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں۔

۴- کسی نے کہا اس کے معنی ''وکیل'' کے ہیں۔

۵- کسی نے کہا اس کے معنی ''بڑا سراہنے والا'' جس کا فارسی ترجمہ ''ستائندہ'' اور عربی ترجمہ ''حماد'' اور ''احمد'' بصیغہ اسم تفضیل بمعنی ''فاعل'' ہے۔

۶- کسی نے کہا اس کے معنی بڑا سراہا گیا۔ یعنی بڑا ستودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمد ﷺ ہے اور ''احمد'' اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ لفظ ''احمد'' صیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی فاعل کے معنی میں آتا ہے کبھی مفعول کے پس اگر ''احمد'' اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا ''بڑی حمد وثنا کرنے والا'' یعنی ''خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا'' اور اگر ''احمد'' اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا ''بڑا ستودہ'' یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

۷- اور بعضوں نے ''فارقلیط'' کا ترجمہ ''امیدگاہ عوام'' سے کیا ہے۔

۸- اور بعضوں نسخوں میں ''رسول'' کا لفظ ہے۔

۹- اور بعضوں نے کہا کہ اس کے معنی ''روح حق'' کے ہیں۔

---

❶ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر انجیل یوحنا کی اس بشارت کے انطباق وتفصیل میں والد محترم حضرت مولانا محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام ایک مثالی تحقیق ہے جس کو ہم حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بشائر النبیین سے بعینہ نقل کر کے قارئین کے سامنے معارف وحقائق کا ایک خزانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

۱۰- اور بعضوں نے کہا اس کے معنی ''ثقہ اور معتبر'' کے ہیں۔

بہرکیف اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں ''پاراکلی طوس'' قرار دی جائے تو اس کے معنی ''معین و مددگار'' اور ''وکیل'' کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل ''پیرکلوطوس'' ہے تو اس کے معنی ''محمد'' یا ''احمد'' یا ''حماد'' کے قریب ہیں اول تو یہ کوئی خاص تفاوت نہیں تلفظ اور رسم الخط کے فرق سے اس قدر فرق واقع ہو جانا ممکن ہے اور اگر اس کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ناموں میں آپ کا لقب ''معین'' اور ''وکیل'' بھی ہے تو اس معنی کی صورت میں بھی یہ لفظ آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آتا ہے۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کی بجائے زیادہ تر مددگار اور روح حق کا لفظ پایا جاتا ہے مگر باوجود ان تحریفات و تغیرات اور تبدیلات کے پھر مدعا حاصل ہے اس لیے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر علی وجہ الکمال والتمام صادق اور منطبق ہیں۔ فارقلیط کے جو معنی بھی لیے جائیں وہ سب آپ پر صادق ہیں آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روح حق اور روح صدق اور روح راستی بھی ہیں اور امت کے شافع بھی ہیں اور بشیر اور نذیر بھی ہیں اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد و ثناء کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ ﷺ کے اسماء ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین و مددگار اور روح الحق اور کوئی اسم علم ہے جیسے احمد ﷺ اور محمد ﷺ اور محمود اور حماد اور آپ ﷺ کے ناموں میں ایک نام آپ کا ''حمد'' بھی ہے ''حمد'' اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن [1] مگر مبالغۃً آپ ﷺ پر اطلاق کر دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کی مجسم حمد و ثناء ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ ''احمد'' ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ ''احمد'' آیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ یہ آیت قرآن مجید کی ہے، اور قرآن مجید جس میں نازل ہوا اس وقت اس ملک میں بیشمار علماء یہود و نصاریٰ موجود تھے، اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزارہا علماء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود و نصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور و غل مچائے خاموش نہ بیٹھتے، آنحضرت ﷺ کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اس وقت کے تمام علماء یہود و نصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں

[1] یعنی تعریف کرنا۔

لائے بلکہ ان کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے ہیں کہ توراۃ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے تو اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہونا قبول نہ کیا، حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے جیسے ہرقل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے جیسے نجاشی رحمۃ اللہ علیہ شاہ حبشہ اور ضغاطر رحمۃ اللہ علیہ رومی اور ابن الناطور رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علماء نصاریٰ نے دیدہ ودانستہ علماء یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توراۃ وانجیل میں کوئی بشادت نہیں، غرض علماء نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماء یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتوں سے منکر اور مکذب ہیں علماء نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حوارئین پر نازل ہونا مراد ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد جب حوارئین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزول سے حوارئین تھوڑی دیر کے لیے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال سراسر خیال خام ہے، یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی ہوگا اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتے سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں بلاشبہ فارقلیط کی آمد سے ایک رسول عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کرلیں کہ فارقلیط کے کیا معنی ہیں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس بشارت میں آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کیے گئے جو بہ تمام وکمال سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں۔

اول۔ یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں وہ نہ آئے گا۔

دوم۔ یہ کہ میری گواہی دے گا۔

سوم۔ یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا۔

چہارم۔ یہ کہ مجھ پر ایمان نہ لانے والوں کو سزا دے گا۔

پنجم۔ یہ کہ وہ سچائی کی راہ دکھلائے گا۔

ششم۔ یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔

ہفتم۔ یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سنے گا وہی کہے گا۔

ہشتم۔ یہ کہ وہ جہاں کا سردار ہوگا۔

نہم۔ یہ کہ وہ میری تمام باتوں کو یاد دلائے گا۔

دہم۔ یہ کہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے وہ نبی اس وقت تم کو آ کر بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان

کے تکمیل کرے گا اور یہ تمام باتیں آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں جس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱- آپ ﷺ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر اس لیے موقوف تھا کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہوسکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا، شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لیے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی مبعوث ہوسکتا ہے۔

پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لیے جب ہی شرط ہوسکتا ہے کہ جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر النبیین ہیں۔

اور حضرت مسیح علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی کے کس لیے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا روح کا نزول تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

۲- اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی دی۔

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

اور انہوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سولی دی لیکن اشتباہ میں ڈال دیئے گئے اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا وہی غالب اور حکیم ہے۔

۳- اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا۔

۴- اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا اور کسی کو جلاوطن کیا، جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنونضیر اور یہود بنوقینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا، اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہوکر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حوارئین کا منصب یہ تھا، حوارئین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے رہے جس میں حکومت کا زور نہ تھا، غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اور آیت دھم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمایا "اس لیے مجھ پر ایمان نہیں لاتے" اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہوگا بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین و عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے۔

۵- اور آنحضرت ﷺ نے تصدیق اور راستی کی وہ راہیں دکھائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھیں اور نہ سنیں آپ کی شریعت غراء اور ملت بیضاء اس کی شاہد ہیں۔

۶- اور واقعات کے متعلق آپ ﷺ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دی کہ جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی۔

۷- اس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾۔

۸- اور بایں ہمہ جہاں کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہاں اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت تمام عالم کے لیے ہوگی کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔

۹- اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھا انکو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے، اس کو خوب یاد دلایا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

آپ علیہ السلام فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسے امر کی طرف آ ؤ جو ہم میں اور تم میں مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔

﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے تحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

۱۰- آپ ﷺ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات و صفات، شریعت و طریقت، حشر و نشر، جنت و جہنم کے متعلق وہ علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام و نشان نہیں اور جو علوم غیر تکمیل شدہ تھے آپ ﷺ کی شریعت

کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی۔ کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔

اور قیامت تک کے لیے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق اور دقائق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ سے معلوم ہو سکتا ہے علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علماء امت اور فقہائے ملت کی طرح فتوے دے سکیں اس وقت کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں ہے کہ جس کی رو سے وہ دنیا میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہل فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔

علماء مسیحیین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع السماء کے ۴ یوم بعد حواریین پر ہوا لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

۱- اس لیے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہتی تھی۔

۲- اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آنحضرت ﷺ نے مشرکین اور کفار سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لیے کہ اہل دنیا کو الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے بھی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

۳- نیز حضرت مسیح علیہ السلام کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے اس لیے کہ حواریین پیشتر ہی سے روح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ "جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

اگر فارقیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لیے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح کہ روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی

نبوت کا یقین آجاتا ہے پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل آجاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی، انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

۴- نیز اس عبارت کا مصداق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مغایر ہے جیسا کہ سولہویں آیت کا یہ لفظ ''دوسرا مددگار بخشے گا'' صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح مغایر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حواریین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

۵- نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''جو کچھ میں نے تمہیں کہا، یاد دلائے گا'' حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں کہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات فراموش کر چکے تھے اور روح القدس نے ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلائے ہوں۔

۶- نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے ''کہ وہ میرے لیے گواہی دے گا''، سو یہ وصف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے آکر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیح علیہ السلام کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے منکر یا بے خبر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول جانتے تھے ان کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے ہوتی ہے نہ کہ مومنین کے سامنے بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل و صلب کی تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔

۷- نیز حضرت مسیح علیہ السلام اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں، ''سو یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

۸- نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ اس روح نے کون سی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

۹- نیز اس بشارت کا تمام سیاق و سباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مددگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بشری لباس میں دعوت حق اور لوگوں کی تسلی کے لیے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہوا اور ان میں حلول کرے بالکل غلط ہے۔

۱۰- نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۂ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا چنانچہ منتش عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی

حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں طبع ہوئی معلوم ہوا کہ علماء یہود و نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد ﷺ سے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشی رحمہ اللہ شاہ حبشہ، جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا بلا شک یہی وہ نبی ہیں جن کی حضرت مسیح علیہ السلام نے انجیل میں خبر دی حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اس کو خوف وخطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت ﷺ کے والا نامہ کے جواب میں لکھا۔

سلام علیکم۔ اما بعد فقد قرات کتابك وفهمت ماذکرت فيه وما تدعوا اليه وقد علمت ان نبی اقد يقی وقد کنت اظن انه يخرج بالشام وقد اکرمت رسولك۔

سلام ہو آپ ﷺ پر اما بعد۔ میں نے آپ ﷺ کے والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ ﷺ نے اس میں ذکر فرمایا اور جس کی طرف دعوت دی اس کو سمجھا، مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ ﷺ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا ضرور اقرار کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے اور جارود بن علاء رضی اللہ عنہ جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا:

والله لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق لقد وجدت وصفك فی الانجيل وبشربك ابن البتول فطول التحية لك والشکر لمن اکرمك لا اثر بعد عين ولا شك بعد يقين مديدك اشهد ان لا اله الا الله وانك محمد رسول الله۔

خدا کی قسم آپ ﷺ حق لیکر آئے ہیں اور آپ ﷺ نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ ﷺ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح علیہ السلام بن مریم علیہ السلام نے آپ ﷺ کی بشارت دی ہے آپ ﷺ کے لیے طویل و عریض تحیہ تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لیے جو آپ ﷺ کا اکرام کرے، ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اپنا دست مبارک بڑھائیے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ۔

اور علی ھذا ہرقل شاہ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء تورات و انجیل نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت اور آپ ﷺ کا نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی آمد سے پہلے وہ آپ ﷺ کے منتظر تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کسی

دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾

۱۱- اور سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ نہ رہا، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کیلئے ناسخ ہو۔

۱۲- اور باب چہاردہم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔

غرض انجیل یوحنا کی یہ آیات اپنے مجموعی مضمون اور تمام الفاظ وکلمات سے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ونبوت کی بشارت سنا رہی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریین کو نہایت وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تاکہ جب وہ واقع ہو تو ایمان لاؤ۔

اس بنا پر اس شخص پر جو انجیل مقدس کو مانتا ہو اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو، لازم ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس فرمان کی تعمیل کرے۔

کیا کسی کا یہ دعوت قابل قبول ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے اور حال یہ کہ وہ ان کے صریح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہی مبشر محمد ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دے ایسی صورت میں عقلاً یہ کہا جائے گا یہ شخص خود حضرت مسیح علیہ السلام کا منکر اور کافر ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی نصاریٰ میں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان قائم رکھے اس کے واسطے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے ورنہ اس یہودی کو جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے عیسائی سے کوئی امتیاز نہ ہوگا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دے۔

انجیل برنابا ● میں تو یہ بشارت اس سے بھی زائد وضاحت اہتمام سے آپ ﷺ کے اسم مبارک محمد ﷺ اور احمد ﷺ کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے۔

نصاریٰ کی طرف سے فارقلیط کی عجیب وغریب تفسیر

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جن آنے والے فارقلیط کی خبر دی ہے اس سے روح القدس (جبرائیل امین علیہ

● برنابا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری ہیں جس طرح ان کے حواری یوحنا، متی، لوقا، اور مرقس اپنی اپنی انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام اور ان کے احوال نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح برنابا نے بھی اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو جمع کیا ہے عیسائیوں کا اس انجیل کے الہامی ہونے سے انکار کرنا ایک بے معنی چیز ہے اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ۱۲

السلام) کا نازل ہونا مراد ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے چند حواریوں پر نازل ہوئے جبکہ وہ ایک مکان میں جمع تھے جس کی وجہ سے وہ حواری مختلف قسم کی زبانیں بولنے لگے اور یہ کہتے ہیں کہ روح القدس کسی خاص شکل وصورت میں نہیں آئے بلکہ ان کا یہ باطنی طور پر تصرف تھا جس کی وجہ سے یہ تغیر ہوا اور ان مختلف اقسام زبانوں میں وہ لوگ بولنے لگے۔

سابق تفصیل سے یہ بات بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام الفاظ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی دنیا میں ممکن نہیں ہے وہ تمام اوصاف اور احوال جو بشارت انجیل میں پوری پوری وضاحت سے ذکر کیے گئے ہیں ان کے پیش نظر جبرائیل علیہ السلام کو اس کا مصداق ٹھہرانا ایک بالکل ہی بے معنی بات ہے جو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتی کیا یہ بات کہ وہ حواری محض کچھ قسم کی زبانوں میں بولنے لگے جو سمجھی بھی نہ جاتی تھیں عقلاً اس عظیم الشان بشارت کا مصداق بن سکتی ہے اور کیا عقل سلیم اس امر کو باور کر سکتی ہے، محض اتنی سی بات کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے روبرو یہ نصیحت وتسلی آمیز مژدہ سنا رہے ہیں کہ مختلف ناقابل فہم زبانوں میں کچھ بولنے لگیں تو بس یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سدو یا کوئی جن سوار ہو جائے اور وہ بولتا ہوا اور پھر عجیب تر بات یہ کہ خود عیسائیوں کو یہ تسلیم ہے کہ یہ حالت ان حواریوں کی صرف تھوڑی دیر تک رہی تو کیا جو حالت چند لمحوں کے لیے رہی ہے وہ ایسا فارقلیط ہو سکتا ہے جو ابد تک ساتھ رہے۔

انجیل برنابا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ بشارت

پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن عظیم کے مقدمہ میں انجیل برنابا سے نقل کیا ہے اور یہ انجیل ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو حذف کر دیا گیا اور وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ "اے برنابا گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی جزاء دیتے ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ گناہ سے راضی نہیں میری امت اور میرے شاگردوں نے جب دنیا کے لیے گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اور باقتضاء عدل وانصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بناء پر سزا دے تاکہ عذاب جہنم سے نجات پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو اور میں اگرچہ اس عقیدہ فاسدہ سے بالکل بری ہوں لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور ابن اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ناگوار ہوا اور اس کی مشیت اس کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں پس اللہ نے اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ یہودا کی وجہ سے یہ ہنسی دنیا ہی میں ہو اور ہر شخص یہ گمان کرتا رہا ہے کہ میں سولی دے دیا گیا لیکن یہ اہانت واستہزاء فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک رہے گا پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے اور یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو جائے گا"۔ (ترجمہ بلفظہا ختم ہوا)

اظہار الحق میں ہے کہ اگر لوگ یہ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دو سو سال قبل لکھی گئی ہے اور جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے (دوسری بشارت) فاضل حیدر علی قریشی نے اپنی کتاب "خلاصہ سیف المسلمین" میں جو اردو زبان

میں ہے لکھا ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا اس میں صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے "اللہ کی تسبیح پڑھو اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا" انتھی۔ اور یہ ترجمہ آرمینیوں کے پاس موجود ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔

ان کے علاوہ انجیل مقدس کی اور بھی بشارتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کا مژدہ و خوشخبری ❶ ہیں۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ

اے ایمان والو میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے ایمان لاؤ

اے ایمان والو! میں بتاؤں تم کو ایک سوداگری، کہ بچائے تم کو ایک دکھ کی مار سے۔ ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر

اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

تم سمجھ رکھتے ہو بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ف۱

تم سمجھ رکھتے ہو۔ بخشے وہ تمہارے گناہ، اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں،

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ

اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر ف۲ یہ ہے بڑی مراد ملنی اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو مدد

اور ستھرے گھروں میں، بسنے کے باغوں میں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو، مدد

اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا

اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی ف۳ اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو ف۴ اے ایمان والو تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے ف۵ جیسے

اللہ کی طرف سے اور فتح شتاب اور خوشی سنا ایمان والوں کو۔ اے ایمان والو! تم ہو مددگار اللہ کے، جیسے

ف۱ یعنی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں، دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اس میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ اس سے منافع حاصل ہوں گے اور اس طرح راس المال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائے گا۔ پھر وہ بذات خود اور اس کے اہل و عیال تنگدستی و افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مومنین اپنے جان و مال کا سرمایہ اس اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو صرف چند روز افلاس سے نہیں، بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان سمجھے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے۔ جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا۔ جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ف۲ یعنی وہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مومنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے۔ =

❶ ملاحظہ فرمائیں بشائر النبیین مصنفہ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہ العزیز۔ ۱۲

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ

کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اپنے یاروں کو کون ہے کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں بولے یار ہم ہیں

کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے یاروں کو، کون ہے کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں؟ بولے یار، ہم ہیں

أَنصَارُ اللَّهِ ۖ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا

مددگار اللہ کے ف۱ پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک فرقہ پھر قوت دی ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے

مددگار اللہ کے، پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں، اور منکر ہوا ایک فرقہ۔ پھر زور دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے

عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ⑭ ع ۲

ان کے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب ف۲

ان کے دشمنوں پر، پھر ہو رہے غالب۔

دعوت اہل ایمان برائے تجارت رابحہ وترغیب برحصول فلاح وسعادت دنیا وآخرت

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... الی ... فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات کا حاصل مضمون یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے دنیا کی ہدایت کا ارادہ فرمایا تا کہ انسان حق وہدایت کے ذریعہ دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی حاصل کر سکیں، اور اسی بشارت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لیکن ان کی بدنصیب قوم نے ان کی بات کو ٹھکرایا حق سے منہ موڑا اور جو کچھ نبی آخر الزمان ﷺ کی نشانیاں تھیں ان میں تحریف کی اب ان آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ جس

= ف۳ یعنی اصل اور بڑی کامیابی تو وہ ہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی ایک چیز جسے تم طبعاً محبوب رکھتے ہو، دی جائے گی وہ کیا ہے ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونے والی فتح وظفر، جن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ دامن کا تعلق رکھتی ہے) دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنی میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہی کامیابی ان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہے۔

ف۴ کیونکہ یہ خوشخبری سنانا ایک مستقل انعام ہے۔

ف۵ یعنی اس کے دین اور اس کے پیغمبر کے مددگار بن جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل وتوفیق سے مسلمانوں نے ایسی کی کہ ان میں سے ایک جماعت کا تو نام ہی "انصار" پڑ گیا۔

ف۱ "حواریین" (یاران مسیح) تھوڑے سے گنے چنے آدمی تھے جو اپنے نسب وحسب کے اعتبار سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح کو قبول کیا اور ان کی دعوت کو بڑی قربانیاں کر کے دیار وامصار میں پھیلایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کی ہیں ان کا دین نشر ہوا۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی خلفاء نے اس سے زیادہ کیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

ف۲ یعنی "بنی اسرائیل" میں دو فرقے ہو گئے۔ ایک ایمان پر قائم ہوا۔ دوسرے نے انکار کیا۔ پھر حضرت مسیح کے بعد آپس میں دست وگریبان رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس بحث ومناظرہ اور خانہ جنگیوں میں مومنین کو منکرین پر غالب کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام لیوا (نصاریٰ) یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ میں سے ان کی عام گمراہی کے بعد جو بچے کچھ افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت وبرہان کے اعتبار سے بھی اور قوت وسلطنت کی حیثیت سے بھی۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ تم سورۃ الصف وللہ الحمد والمنۃ

تجارت رابحہ کو اہل کتاب نے چھوڑا اور اس سے محروم ہوئے اے ایمان والو! اب تم اس کامیاب تجارت کی طرف رخ کرلو جس سے دنیا کی عافیت اور آخرت کی نعمتیں حاصل ہوں گی، فرمایا:

اے ایمان والو! کیا میں راہنمائی کروں تم کو ایک ایسی تجارت کی طرف جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچادے وہ تجارت یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بس یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم جان لو اس حقیقت کو اور اس تجارت کی عظمت واہمیت اور نافعیت کو، اس تجارت سے حاصل ہونے والے عظیم تر فوائد یہ ہیں کہ بخش دے گا تمہارا پروردگار تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور نہایت ہی صاف ستھرے پاکیزہ مکانات ہوں گے آباد ہونے کے باغوں میں جن میں اہل ایمان ٹھہریں اور ان ہی میں بسیں گے یہی ہے سب سے بڑی کامیابی اور ایک دوسری چیز بھی وہ پروردگار تمہیں دے گا جس کو تم چاہتے ہو وہ اللہ کی طرف سے مدد اور جلد ہی حاصل ہونے والی فتح۔ اگرچہ اصل کامیابی اور عظیم انعام تو آخرت ہی کی کامیابی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی کوئی حقیقت نہیں لیکن ایک اور نعمت بھی اللہ تم کو جلد عطا کرنے والا ہے جس کو اے اہل ایمان! تم طبعاً چاہتے ہو اور وہ تمہیں محبوب ہے وہ ہے ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ اور اے ہمارے پیغمبر اس کی خوشخبری سنادو ایمان والوں کو تاکہ وہ موجودہ تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں پورے ایمانی جذبات سے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کریں یہی جہاد ان کی کامیاب اور نفع بخش تجارت ہے جو دنیا وآخرت میں کام آئے گی اس کے واسطے مسلمانوں کو متحد ہوجانے کی ضرورت ہے لہٰذا اے ایمان والو ہوجاؤ تم اللہ کے مددگار اس کے دین اور پیغمبر کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو تم سمجھو کہ یہ ایک مطالبہ ہے اور تمہارے پیغمبر کی دعوت ہے جس کی طرف تم کو بلایا جارہا ہے اس پر تمہیں لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو دوستوں اور مددگاروں کو پکارتے ہوئے کہا کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں تو ان کے مخلص دوستوں نے کہا ہم ہیں مددگار اللہ کے اس کے دین کی حمایت ونصرت اور اس کے پیغمبر کی اعانت کے لیے، اس وعدۂ حمایت ونصرت پر چاہئے تو یہ تھا سب حواری قائم رہتے لیکن پھر ایسا ہوا ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا اس پر قائم رہا اور ایمان واخلاص سے اس وعدہ کو پورا کرنے لگا اور دوسرے ایک گروہ نے کفر کیا، تو ہم نے قوت دی ایمان لانے والوں کو اور عہد پر قائم رہنے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں چنانچہ وہ ایمان لانے والے غالب آئے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اور اللہ کا یہی قانون اور دستور ہے کہ وہ اپنے پیغمبر اور اس کے اعوان وانصار اور دین کے مددگاروں کو دین کے دشمنوں میں غالب وکامیاب کرے۔

استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

"حوارئین (یاران مسیح علیہ السلام) تھوڑے سے تو گنے چنے آدمی تھے جو اپنے حسب ونسب کے لحاظ سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر بڑی قربانیاں دے کر دیار وامصار میں پھیلا دیا۔"

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کیں تب ان کا دین نشر ہوا ہمارے حضرت ﷺ کے پیچھے ان کے خلفاء نے اس سے زیادہ کیا" والحمد للہ علی ذلك۔ اور اتنا کیا کہ تاریخ عالم اس پر حیران ہے ان کی مدد۔ ان کا اخلاص اور اللہ کی راہ میں قربانیاں تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتیں"۔

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے صرف چند نام ہی ملتے ہیں اور ان کی قربانیوں یا اخلاص وہمدردی کا کوئی خاص کارنامہ بھی دنیا نے نہیں دیکھا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالیے جانے کے بعد ان کے متبعین دو فرقوں میں بٹ گئے ایک ایمان پر قائم رہا اور دوسرے نے انکار کردیا اور جو ایمان پر قائم رہے وہ بھی آپس میں دست وگریبان ہوتے رہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے مخلص نام لیوا انصاری ہود پر غالب رہے اور نصاریٰ کی عام گمراہی کے بعد بچے کچھے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کے ذریعے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا، حجت وبرہان کے اعتبار سے بھی اور قوت وسلطنت کی حیثیت سے بھی۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر فوائد عثمانی)

حوارئین مسیح علیہ السلام کے بالمقابل حوارئین محمد رسول اللہ ﷺ اور انصار اللہ کی عظمت ومنقبت

حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے حواری کا ذکر آیت کما قال ﴿عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ میں فرمایا گیا لیکن حق تعالیٰ شانہ نے جو عظمت وبرتری حضور اکرم ﷺ کے حوارئین یعنی انصار اسلام کو عطا فرمائی اس کے سامنے مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی کوئی حقیقت نہیں جس طرح کہ ذرہ کو آفتاب سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی اور اس تفاوت کو تاریخ نے خود ثابت کردیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء: ار ۲۴ میں فرماتے ہیں، اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا سو یہ بات علی وجہ الاکمل والاتم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پائی گئی اس کی تکمیل آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کرام رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں ہوئی کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے جہاد کیے اور فتوحات حاصل کیں۔ یہی صورت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارئین کے ساتھ ہوئی کہ انہیں بھی غلبہ بعد میں ہی حاصل ہوا"۔

قتادۃ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی یہ واقعہ بھی ہوا، مدینہ کے ۷۰ ستر اشخاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور جمرۂ عقبہ کے نزدیک آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ ﷺ کی نصرت واعانت کا عہد کیا چنانچہ انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور اللہ کے پیغمبر کی جان ومال سے مدد کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا کیا اور یہ گروہ انصار کے نام سے پکارا گیا، دنیا میں ان کے سوا کسی قبیلہ اور گروہ کا نام آسمان سے انصار تجویز ہوکر نہیں اترا سوائے ان حضرات انصار کے۔

سیرت کی روایات میں ہے کہ اس بیعت عقبہ کے موقع پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم اللہ کی عبادت کریں اور آپ ﷺ کی اطاعت ونصرت کریں تو ہمیں کیا ملے گا فرمایا دنیا میں فتح وظفر اور آخرت میں جنت، راوی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کر دکھایا اور بے شک اللہ نے ان کو اس کی یہی جزاء دی۔

الغرض خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کے حواری یہ لوگ تھے اور کل قریش تھے بالخصوص عشرہ مبشرہ۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حوارییں رسول انصار ومہاجرین سرخیل مقتدیٰ وپیشوا تھے، جن کی مساعی نے ایک تاریخ بن کر اللہ رب العزت کے اس وعدہ غلبہ اسلام کو پیش کر کے دنیا کو دکھا دیا۔ وللہ الحمد حمدا کثیرا"۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ کفر کی تمام طاغوتی طاقتیں اللہ کا نور نہ بجھا سکیں

﴿یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ﴾
یہ مضمون سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے، جو یہاں بھی قدرے تغیر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی بعثت ورسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا مسیحیت کا ابطال کرتے ہوئے یہاں یہ ظاہر کیا گیا کہ نصاریٰ نے خصوصاً اور دیگر مذاہب نے عموماً حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات میں جو لغو اور خلاف عقل عقائد اختیار کئے ہیں اور دین حق کی عداوت پر کمر بستہ ہیں ان کی ایسی بے ہودہ باتوں سے قہر وغضب خداوندی جوش میں آ گیا اور بارگاہ رب العزت سے یہ طے ہو چکا کہ ان فرقوں کو سرنگوں اور درہم برہم کر دیا جائے گا اور اس کی صورت بارگاہ خداوندی اور ملاء غیب سے اس طرح تجویز ہوئی ہے کہ ایک رسول کو جو خاتم الانبیاء ہو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا جائے تاکہ وہ دین حق تمام ادیان پر غالب آنے کا ذریعہ بنے اور غلبہ کے معنی یہ ہیں کہ تمام ادیان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے ان کے عقائد باطلہ اور اوہام کی جڑیں کھد جائیں اور ان کے حمایتی درہم برہم ہو جائیں اور کوئی شخص اس دین کی طرف (دلائل کی روشنی میں) دعوت دینے والا باقی نہ رہے اور ان ادیان کو جو دنیاوی اور مادی شوکت وعزت حاصل ہے اس کا خاتمہ ہو جائے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا دو عظیم طاقتوں میں منقسم تھی ایک کسریٰ اور دوسری قیصر اور یہ دونوں بادشاہ دوسرے مذاہب پر غالب تھے اور یہ اپنے اپنے مذہب کے حامی اور عظیم داعی تھے ان کی حکومت وبادشاہت اپنے مذاہب کی ترویج واشاعت کا باعث بنی ہوئی تھی۔

روم، فارس، جرمن، افریقہ، شام، مصر اور بعض بلاد مغرب وحبش قیصر کی موافقت میں نصرانیت پر تھے فارس، خراسان، توران، اور ترکستان وغیرہ کسریٰ کی تبعیت میں مجوسیت کو اختیار کیے ہوئے تھے ان کے علاوہ باقی مذاہب جیسے مذہب یہود، ہنود، مشرکین اور صائبین کی ان دو مذہبوں کے مقابلہ میں کوئی قوت وشوکت نہ تھی بلکہ ان کے معتقد درہم برہم ہو چکے تھے۔

بارگاہ خداوندی سے جب مذاہب باطلہ کو مغلوب کرنے اور دین حق کو غالب کرنے کا ارادہ ہوا تو سرزمین حجاز میں ایک نبی پیدا فرمایا، کیونکہ سرزمین حجاز نہ تو کسریٰ کے تصرف میں تھی اور نہ ہی قیصر کے تصرف میں، اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے اس سرزمین کو دین حق کی بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا تاکہ اس علاقہ سے ظاہر ہونیوالا دین کسی سابق بادشاہت اور مادی

طاقت سے مغلوب ومرعوب نہ ہو۔ اور اسی سرزمین سے حق کی بادشاہت ہو کر دنیا کی دو عظیم طاقتوں قیصر و کسریٰ کو نشانہ بنایا جائے اور جب یہ دو سلطنتیں پامال ہو جائیں گی دوسرے باطل مذاہب خود بخود پامال ہو جائیں گے۔

بعثت نبوی کا یہی مقصد تھا اللہ رب العزت نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے دین حق کی بنیادیں مضبوط کیں اور جزیرۂ عرب میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب نہ رہا قیصر ہدایت کی بنیادیں مضبوط اور مکمل ہو گئیں اور کچھ عمارت بھی بن گئی کہ اسی حالت میں حضور پرنور ﷺ کو ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے لحوق واتصال کی دعوت آ پہنچی اور اللھم الرفیق الاعلیٰ فرماتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے تو پھر اس دین حق کے غلبہ کی تکمیل آپ کے جانشینوں کے ہاتھوں پر ہوئی تاکہ جو ارادۂ الٰہیہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ضمن میں لپٹا ہوا تھا وہ آپ ﷺ کے خلفاء کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہو۔ سو الحمد للہ خلفائے راشدین کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں درہم برہم ہوئیں، اور عیسائیت و مجوسیت مغلوب ہو کر مقہور ہوئی، اور اس طرح دین حق ظاہر و غالب اور روشن ہوا۔ وللہ الحمد حمدا کثیرا۔ تم بحمد للہ تفسیر سورۃ الصف۔

سورۃ الجمعۃ

(۶۲ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (ایاتہا ۱۱ رکوعاتہا ۲)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں، بادشاہ پاک ذات، زبردست حکمت والا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے

وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول ان ہی میں کا پڑھتا ان پاس اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور سکھاتا

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

ان کو کتاب اور عقل مندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں ف۱ اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے

کتاب اور عقلمندی۔ اور اس سے پہلے تھے وہ صریح بھلاوے میں۔ اور ایک اوروں کے واسطے انہی میں سے

ف۱ "اُمّیّین" (ان پڑھ) اہل عرب کو کہا۔ جن میں علم و ہنر کچھ نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب تھی۔ معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے۔ ان کی جہالت و وحشت ضرب المثل تھی خدا کو بالکل بھولے ہوئے تھے، بت پرستی، اوہام پرستی، اور فسق و فجور کا نام "ملت ابراہیمی" رکھ چھوڑا تھا اور تقریباً ساری قوم صریح گمراہی میں پڑی بھٹک رہی تھی۔ ناگہاں اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں سے ایک رسول کو اٹھایا جس کا امتیازی لقب "نبی امی" ہے۔ لیکن باوجود امی ہونے کے اپنی قوم کو اللہ کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب پڑھ کر سناتا اور عجیب و غریب علوم و معارف اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھلا کر ایسا حکیم و شائستہ بناتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکیم و دانا اور عالم و عارف اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں۔

(تنبیہ) اس طرح کی آیت سورۂ "بقرہ" اور "آل عمران" میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لیے جائیں۔

يَلْحَقُوا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو

جو ابھی نہیں ملے ان میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ف۱ ف۲ یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ کا

جو ابھی نہیں ملے ان میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے، دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ کا

الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

فضل بڑا ہے ف۳ مثال ان لوگوں کی جن پر لادی تورات پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال گدھے کی

فضل بڑا ہے۔ کہاوت ان کی جن پر لادی تورات، پھر نہ اٹھائی انہوں نے، جیسے کہاوت گدھے کی،

يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں ف۴ بری مثال ہے ان لوگوں کی ف۵ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو ف۶ اور اللہ راہ نہیں دیتا

پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں۔ بری کہاوت ہے ان لوگوں کی، جنہوں نے جھٹلائیں اللہ کی باتیں۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا

الظّٰلِمِينَ ۝ قُلْ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوٓا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ

بے انصاف لوگوں کو ف۷ تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوا

بے انصاف لوگوں کو۔ تو کہہ، اے یہود ہونے والو! اگر تم دعوے کرتے ہو کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوا،

ف۱ یعنی یہ ہی رسول دوسرے آنے والے لوگوں کے واسطے بھی ہے جن کو مبدأ و معاد اور شرائع سماویہ کا پورا اور صحیح علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پڑھ ہی کہنا چاہیے۔ مثلاً فارس، روم، چین اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد کو امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان ہی میں سے ہو گئیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے اوّل عرب پیدا کیے اس دین کے تھامنے والے، پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے۔" حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿وَاٰخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ کی نسبت سوال کیا گیا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر علم یا دین ثریا پر جا پہنچے گا تو (اس کی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئے گا) شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ف۲ جس کی زبردست قوت و حکمت نے اس جلیل القدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قیامت تک کے لیے عرب و عجم کی تعلیم و تزکیہ کا انتظام فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۳ یعنی رسول کو یہ بڑائی دی اور اس امت کو اتنے بڑے مرتبہ والا رسول دیا۔ فللہ الحمد والمنۃ علی ما انعم۔ چاہیے کہ مسلمان اس انعام و اکرام کی قدر پہچانیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تعلیم و تزکیہ سے مستفید و منتفع ہونے میں کوتاہی نہ کریں۔ آگے عبرت کے لیے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔

ف۴ یعنی یہود پر "تورات" کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پروا نہ کی، نہ اس کو محفوظ رکھا نہ دل میں جگہ دی، نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے لوگ حامل بنائے گئے تھے حکمت و ہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہ یہ مثال ہوگئی۔ ؎ نہ محقق شدی نہ دانشمند چار پائے برو کتابے چند ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو، اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف و سنگریزے۔ اگر شخص اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو! میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔

ف۵ یعنی بری قوم ہے وہ، جس کی مثال یہ ہے۔ اللہ ہم کو پناہ میں رکھے۔

ف۶ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات وغیرہ میں جو بشارات نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دی تھیں اور جو دلائل و براہین آپ کی رسالت پر قائم کیں، ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ

تو مناؤ اپنے مرنے کو اگر تم سچے ہو اور وہ کبھی نہ منائیں گے اپنا مرنا ان کاموں کی وجہ سے جن کو آگے بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ اور اللہ کو

تو مناؤ مرنے کو، اگر تم سچے ہو۔ اور کبھی نہ مناویں گے مرنا، جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ۔ اور اللہ کو

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

خوب معلوم ہیں سب گناہ گار ف۱ تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے پھر تم پھیرے جاؤ گے اس

خوب معلوم ہیں گناہگار۔ تو کہہ، موت وہ ہے جس سے تم بھاگتے ہو، سو وہ تم سے ملنی ہے، پھر پھیرے جاؤ گے اس

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ ع

چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس پھر جتلا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے ف۲

چھپا اور کھلا جاننے والے پاس، پھر جتائے گا تم کو جو کرتے تھے۔

= ف۱ یعنی ایسے معاند، ہٹ دھرم و بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

ف۱ یعنی اس گدھے پن اور جہل وحماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ بلا شرکت غیرے ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی، اور تنہا جنت کے حق دار ہیں بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ لیکن اگر واقعی دل میں یہی یقین ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ضروری تھا کہ دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے۔ جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں۔ وہ بیشک مرنے سے خوش ہوگا اور موت کو ایک پل سمجھے گا جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے اس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہوں گے۔ غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّةَ، مُحَمَّدًا وَحِزْبَهٗ، اور يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طيبة وبارد شرابها اور حبيب جاء على فاقة اور يا بني لا يبالي ابوك سقط على الموت ام سقط عليه الموت وغير ذلك۔ یہ ان اولیاء اللہ کے کلمات ہیں جو دنیا کی کسی سختی یا مصیبت سے گھبرا کر نہیں، خالص لقاء اللہ اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا رکھتے تھے، اور ان کے افعال وحرکات خود شہادت دیتے تھے کہ موت ان کو دنیا کی تمام لذائذ سے زیادہ لذیذ ہے۔ قالَ النبي صلى الله عليه وسلم "لَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ" اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈالو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں، اس لیے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ محض اس لیے کہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت کیے ہیں، یہاں سے چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ غرض ان کے تمام افعال واطوار سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے موت کی آرزو نہیں کر سکتے۔ اور ممکن تھا کہ اس زمانہ کے یہود قرآن کے اس دعویٰ کو جھٹلانے کے لیے جھوٹ موٹ زبان سے موت کی تمنا کرنے لگتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بھی ان کو نہ دی۔ روایات میں ہے کہ اگر (ان میں سے) کوئی یہودی موت کی تمنا کر گزرتا تو اسی وقت گلے میں اچھولگ کر ہلاک ہو جاتا۔

(تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورۃ "بقرۃ" میں گزر چکی ہے، اس کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔ بعض سلف کے نزدیک "تمنی موت" کا مطلب مباہلہ تھا۔ یعنی معاند یہود سے کہا گیا کہ اگر وہ واقعی اپنے اولیاء ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو باطل پر سمجھتے ہیں تو تمنا کریں کہ فریقین میں جو جھوٹا ہو، مر جائے۔ لیکن وہ کبھی ایسا نہ کریں گے کیونکہ ان کو اپنے کذب وظلم کا یقین حاصل ہے۔ ابن کثیر اور ابن قیم وغیرہ نے یہی توجیہ اختیار کی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو۔ ہزار کوشش کرو، مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو، وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ اور موت کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو (ربط) یہود کی بڑی خرابی یہ تھی کہ کتابیں پیٹھ پر لدی ہوئی ہیں لیکن ان سے منتفع نہیں ہوتے دین کی بہت سی باتیں سمجھتے بوجھتے، پر دنیا کے واسطے چھوڑ بیٹھتے۔ دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر اللہ کی یاد اور آخرت کے تصور کو فراموش کر دیتے۔ ایسی روش سے ہم کو منع کیا گیا۔ جمعہ کا قصہ بھی ایسا ہی ہے کہ اس وقت دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ "جو کوئی خطبہ کے وقت بات کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔" یعنی اس کی مثال یہود کی سی ہوئی۔ العیاذ باللہ۔

تکمیل بشارت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بہ بعثت نبی اکرم ﷺ

وتنبیہ بر شقاوت اہل کتاب بوجہ انحراف از ایمان واتباع نبی آخر الزمان ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ... الی... بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:......گزشتہ سورت میں خاص طور پر حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی بعثت کا اہم مقصد یہ بیان کیا گیا تھا آنے والے پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ونبوت کی بشارت سنانا تھا اور بنی اسرائیل کو اس بات پر مامور کرنا تھا کہ جب وہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوں تو ان پر وہ لوگ ایمان لائیں تو اب اس سورت میں اللہ کی پاکی اور حمد وثناء بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی بعثت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے:

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے کہ وہی ہے بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا جس کی پاکی وعظمت اور بادشاہت پر کائنات کی ہر چیز گواہ ہے وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا جو سناتا ہے ان کو اپنے پروردگار کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے ہر عیب وگندگی سے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت اگرچہ یہ اہل عرب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

وہ قوم جس میں نہ کوئی علم وہنر تھا اور نہ ان میں کوئی آسمانی کتاب تھی معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت ہی کم لوگ جانتے تھے جن کی وحشت وجہالت تاریخ میں ضرب المثل تھی، بت پرستی عام تھی، مخلوق کا اپنے خالق سے کوئی رشتہ اور رابطہ باقی نہ رہا تھا، ایسی حالت میں اللہ رب العزت کا ایسی قوم میں اپنا ایک رسول مبعوث فرما دینا جو ان کو اللہ کی آیات سنائے، کتاب وحکمت کی تعلیم دے، ایسی دانائی کی باتیں بتائے، جن پر دنیا کے حکماء حیران ہوں وہ علوم ومعارف سکھائے کہ دنیا کے ارباب حکمت اور اصحاب معرفت کی اس کے سامنے کوئی حقیقت باقی نہ رہے بلاشبہ پروردگار عالم کا بڑا ہی عظیم انعام ہے اور اس پروردگار نے اس رسول کو بھیجا ہے۔ کچھ اور دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہیں میں سے جو ابھی تک ان کے ساتھ ملے نہیں کہ وہ بھی اہل عرب کی طرح امی (ان پڑھ) ہیں اس لحاظ سے کہ وہ بھی ان کی طرح مبدأ ومعاد سے بے خبر ہیں نہ ان کو آسمانی شریعت کا کوئی علم ہے، یہ فارس وروم چین اور ہندوستان کی قومیں جو بعد میں امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر انہی میں سے ہو گئے اور اس وقت جب کہ قرآن نازل ہوتا تھا اہل عرب کے ساتھ یہ ملے نہیں تھے، اور نہ فتوحات اسلام کا دائرہ ان تک وسیع ہوا تھا۔

حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے ﴿وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ﴾ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شانہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اگر علم دین ثریا پر بھی پہنچے تو اس کی قوم فارس کا ایک مرد وہاں سے دین لے آئے گا شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور آئمہ حدیث وتفسیر نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے اعلی اور اکمل مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح بخاری میں تخریج کی ہے فرمایا ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں

بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی، (آپ ﷺ نے جب یہ سورت تلاوت کی اور اس میں یہ پڑھا ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ جب تین مرتبہ سوال کیا جا چکا اور اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رکھا اور پھر یہ فرمایا، لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال او رجل من هؤلاء کہ اگر ایمان ثریا تک بھی پہنچ جائے تو انکی نسل کے لوگ یا یہ فرمایا ان کی نسل کا کوئی شخص ایمان لا کر وہاں سے بھی لے آئے گا۔ بے شک یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہے عطا کردے اور اللہ بڑا ہی عظیم فضل والا ہے۔ اسی نے اپنے رسول آخر الزمان ﷺ کو یہ بڑائی عطا فرمائی کہ خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور ان کو ایسی حکمت سے نوازا کہ دنیا کے حکماء ان اسرار و حکم کے سامنے حیران ہیں اور علم و ہدایت کا وہ نور روشن ہوا کہ دنیا سے شرک و گمراہی کی تاریکی دور کردی اس لیے دنیا کو چاہئے کہ اس انعام و اکرام کو پہچانے اور حضور اکرم ﷺ کے علوم وہدایات سے مستفید ہو علوم وہدایاتِ سے مستفیض ہونا انسانی کمال ہے، اس کے برعکس اگر کسی قوم کے پاس سامان اور ذخیرۂ علم وہدایت تو موجود ہو لیکن وہ اس سے استفادہ نہ کرے جیسے یہود تو ان کو بس اس طرح سمجھ لینا چاہئے۔ مثال ان لوگوں کی جن پر تورات لادی گئی لیکن پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا تو ایک گدھے کی طرح ہے جو پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لادے ہوئے چل رہا ہو۔ جس کو ظاہر ہے کہ کوئی احساس نہیں کہ اس پر بوجھ کس چیز کا ہے یہ علوم وحکمت کے گرانقدر ذخائر ہیں اور اسفار ہیں یا اینٹ پتھر ہیں بالکل یہود نے یہی صورت کی ان پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، اس کے ذمے دار بنائے گئے مگر انہوں نے ان علوم وہدایات کی کوئی پرواہ نہ کی نہ اس کو دل میں کوئی جگہ دی نہ اس کو پڑھا نہ اس پر عمل کیا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان علوم وہدایات کے ذخیروں اور آسمانی صحیفوں کا ان پر بوجھ یقیناً ایسا ہی ہے کہ یہ کتابوں کا انبار کسی گدھے پر لدا ہوا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانش مند
چار پائے بر و کتابے چند

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

''ایک گدھے پر پچاس کتابیں علم وحکمت کی لاد دو، اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے اس بات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف وسنگریزے، اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بہت بڑا عالم اور معزز ہوں تو اور زیادہ گدھا پن ہے''۔

اس مثال سے یہود کی اخلاقی اور عملی بے ہودگی ظاہر فرمانے کے بعد فرمایا۔

بہت ہی بری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور جو بشارتیں ونشانیاں نبی آخر الزمان ﷺ کی کتب سماویہ میں تھیں ان کا انکار کیا اور تحریفات سے ان تمام حقائق کو مسخ کیا جو اللہ نے ان کو عطا کئے تھے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ہے ایسے ناانصاف ظالم لوگوں کو اس لیے اب یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایسے بدبخت راہ

حق پر آسکیں گے، شقاوت و بدبختی کی یہ انتہا ہے کہ یہودی ایک طرف اللہ اور اس کے احکام کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر رہے ہیں، انکار آیات، تحریف کتاب، اپنے رسول کی نافرمانی انکا طرز زندگی بنا ہوا ہو، اسی کے ساتھ دوسری طرف دعویٰ ہو خدا کی محبت کا اور اس کے محبوب بندے ہونے کا تو اس پر حق تعالیٰ اپنے پیغمبر کو خطاب فرما رہے ہیں۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر ﷺ اے لوگو! جو یہودی ہو گئے ہو اگر تم کو دعوے ہے کہ تم اللہ کے محبوب اور اس کے دوست ہو دوسرے تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو تمنا کرو تم موت کی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اس لیے کہ اللہ کی ملاقات کا ذریعہ تو بس یہی ہے کہ انسان دنیا سے گزر جائے تو ایسی صورت میں کہ کسی کو خدا سے محبت ہو وہ یقیناً خدا سے ملاقات کا مشتاق ہوگا اور جب اس شوق کی تکمیل حیات دنیوی کا رشتہ منقطع ہونے کی صورت میں ہے تو لامحالہ یہ بھی محبوب ہوگی لیکن یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں اور ہرگز کبھی بھی یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو پہلے کر چکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور وہ ظالم اپنے ظلم کی سزا سے کبھی نہیں بچ سکتے۔

بلاشبہ جن لوگوں کو اللہ سے محبت تھی انہوں نے موت کی تمنا کر کے دکھائی بلکہ موت کی طرف بڑھے اور جس طرح کسی مرغوب و محبوب شے کی طرف انسان دوڑتا ہو وہ دوڑے کسی کی زبان سے غیر اختیاری طور پر یہ الفاظ جاری ہوئے واھا انی لاجد ریح الجنۃ دون احد۔ سبحان اللہ مجھے تو احد پہاڑ کے اس طرف جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔

یہ ہستیاں نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب و رفقاء تھے کسی کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے، غدا نلقی الاحبۃ محمدا وحزبہ یا حبذا الجنۃ واقترابھا، طیبۃ وبارد شرابھا۔ ان اولیاء اللہ کے یہ کلمات کسی دنیوی سختی اور تکلیف سے گھبرا کر نہیں بلکہ خالص اللہ کی ملاقات اور جنت کے اشتیاق میں تھے اور اسی کے لیے موت کی تمنا تھی، ان کی زندگی اور زندگی کے جملہ احوال اس بات کے گواہ تھے کہ موت سے زیادہ ان کو دنیا کی کوئی چیز لذیذ اور مرغوب نہیں خود حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان انی لودوت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل اسی جذبہ کا پیکر تھا اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال و حرکات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ ان سے زیادہ کوئی شخص دنیا کی زندگی کا حریص اور موت سے ڈرنے والا نہیں ہے مگر زندگی کی حرص اور موت کے ڈر سے کیا انسان موت سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو کہہ دیجئے اے یہودیو! بے شک وہ موت جس سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تم سے ملاقات کرے گی اور پھر لوٹائے جاؤ گے ایسے رب کی طرف جو ہر چھپے ہوئے اور ظاہر کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو خوب جتلا دے گا وہ کام جو تم کیا کرتے تھے اور اس کا امکان نہ رہے گا کہ تم اس سے انکار یا اس میں حجت بازی کر سکو۔

ائمہ مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ان یہودیوں کے کاذب ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس اعلان کے بعد اگر ان میں ذرہ برابر بھی صداقت ہوتی تو ضرور وہ موت کی تمنا کر کے دکھاتے لیکن ایسا نہ ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ (مکی زندگی کے زمانہ میں) ابوجہل نے (ایک دفعہ) کہا تھا اگر اب میں محمد ﷺ کو دیکھوں کہ وہ کعبہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو

(العیاذ باللہ) میں ان کی گردن روند ڈالوں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرتا تو (خدا کی قسم) فرشتے اس کو اچک لیتے اور ٹکڑے کر ڈالتے، اور اگر یہود (اس اعلان خداوندی کو سن کر) موت کی تمنا کر بیٹھتے تو اسی وقت سب کے سب لقمہ اجل بن جاتے اور جہنم میں ان کے جو ٹھکانے ہیں وہ دیکھ لیتے اور فرمایا اگر وہ نصاریٰ جن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر مباہلہ کے لیے نکل آتے تو ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔ (رواہ البخاری والترمذی والنسائی، بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴)

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں، "جمعہ کی فضیلت کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے فیہ ولد ادم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ ھبط الارض۔ اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ھبوط الی الارض میں کون سی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھائی اگر آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نکلتا کیونکہ جو ممانعت ان کو ہوئی تھی وہی ممانعت ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بہت لوگ کرتے نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خود آباد ہوتی وہاں اس کے ماں باپ، بھائی بیٹے بیوی سبھی ہوتے ان سب سے علیحدہ کرکے اس کو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ ہو جاتی، اس لیے اللہ میاں نے حضرت آدم علیہ السلام کو وہاں سے زمین پر اتارا تاکہ یہ اولاد زمین پر پیدا ہو۔ یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے بچا لیا، باقی حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لیے بہت بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی، معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے آثار کا علم ہو جائے اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جائے تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا مثلاً "تواب" کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے تو جنت سے علیحدہ کر کے خدا تعالیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تکمیل عرفان مقصود تھی، پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی بلکہ تکمیل تھی اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی۔ ارشاد ہوا کہو "الحمد للہ" اور فرشتوں کو حکم ہوا کہو "یرحمک اللہ" تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی۔ اور اس کمال معرفت کی صحت سے حضور ﷺ کو جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے چونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور ﷺ کو علی وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ (النور ص ۲۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا

اے ایمان والو جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو۔ اور چھوڑ دو

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی دن جمعہ کے تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو

الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

خرید و فروخت ف۱ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے ف۲ پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو

بیچنا۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔ پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا

زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تاکہ تمہارا بھلا ہو ف۳ اور جب دیکھیں

زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا، اور یاد کرو اللہ کو بہت سا، شاید تمہارا بھلا ہو۔ اور جب دیکھیں

تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

سودا بکتا کچھ تماشہ متفرق ہو جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشہ سے اور

سودا بکتا یا تماشا، کھنڈ جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا۔ تو کہہ، جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے تماشے سے، اور

التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪

سوداگری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا ف۴

سودے سے۔ اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ہر اذان کا یہ حکم نہیں، کیونکہ جماعت پھر بھی ملے گی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا۔ پھر کہاں ملے گا۔" اور اللہ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے۔ اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ اور "دوڑنے" سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔ (تنبیہ) "نودی" سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے۔ لیکن حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے۔ البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی رہے گا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہو گئے۔ نیز واضح رہے کہ "یا ایھا الذین اٰمنوا" یہاں "عام مخصوص منہ البعض" ہے۔ کیونکہ بالاجماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر و مریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔

ف۲ ظاہر ہے کہ منافع آخرت کے سامنے دنیاوی فوائد کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا، سارا دن سودا منع تھا اس لیے فرما دیا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو، اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو۔"

ف۴ ایک مرتبہ جمعہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے، اسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آ پہنچا۔ اس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی۔ لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں (خیال کیا ہوگا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے جن میں سے ضرورت کے لیے اٹھ سکتے ہیں۔ نماز پھر آ کر پڑھ لیں گے۔ یا نماز ہو چکی ہوگی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہر حال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا) =

ترغیب اہل ایمان برائے اقامۂ جمعہ وتاکید سعی الی ذکر اللہ وترک بیع وشراء براذان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ... الی ... وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾

ربط:...... ماقبل آیات میں یہود پر تین طرح زجر وتوبیخ کی گئی تھی۔ اول جب انہوں نے اپنے علم وفضل پر فخر کیا عرب اور آنحضرت ﷺ کو قوم جاہل کہا تو اس کے بالمقابل یہ ثابت کیا گیا کہ خود یہ لوگ گدھے ہیں اور جس علم وفضل پر یہ اترا رہے ہیں اس کا بوجھ ان پر صرف بالکل ایسا ہی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا انبار لدا ہوا ہو۔ دوم جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس وجہ سے ہم خدا تعالیٰ سے زیادہ قریب ہیں بلکہ اس کے دوست اور محبوب ہیں اور یہ کہ دار آخرت کی ساری نعمتیں بس ہمارے واسطے مخصوص ہیں، تو ان کے اس لغو اور خلاف حقیقت دعوے کا رد اس طرح کیا گیا کہ اچھا اگر تم اللہ کے دوست ہو اور آخرت کی نعمتیں بس تمہارے ہی واسطے مخصوص ہیں تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ اگر سچے ہو گے تو بلا جھجک موت کی تمنا کرو گے، مگر ایسا نہ ہوا۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہ فخر کرتے تھے کہ ہمارے دین میں یوم السبت (ہفتہ کا دن) ہے، جس کی تعظیم وحرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑی برکات ہیں مسلمانوں کے پاس یہ نعمت نہیں تو اس تفاخر کے مقابلہ میں یوم جمعہ کی فضیلت اور اس کی عظمت واہمیت کے لیے یہ آیات واحکام نازل فرمائے گئے اور یہ بتایا کہ جمعہ کا دن اہل کتاب کے سنیچر اور اتوار کے دن سے زیادہ عظمت وبرکت والا ہے تو ارشاد فرمایا، اے ایمان والو، جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید وفروخت یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم اس بات کو سمجھو! کیونکہ دنیوی منافع کی آخرت کے اجر وثواب کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں تو اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور پھر اس کے بعد عملاً اس امر کی ضرورت ہے کہ ادنیٰ کے مقابلہ میں اعلیٰ کو اختیار کرے پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو پھیل پڑو زمین میں اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہوئے اور اس کے واسطے چلو پھرو۔ اور تلاش کرو اللہ کا فضل اور اس کا رزق اور یاد کرو اللہ کو کثرت سے امید ہے تم کامیاب ہو گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس کے برعکس اگر دنیا کی محبت اور کاروبار کی منفعت کی امید میں تم اللہ کے ذکر اور جمعہ کے خطبہ وحاضری کو چھوڑ دو گے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں دنیا وآخرت کا خسارہ ہے، ابتداءً جن افراد سے اس طرح کی چوک اور غلطی ہوئی کہ اور جب انہوں نے دیکھا تجارت کو کہ ایک تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا ہے یا کچھ تماشا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ ﷺ کو چھوڑ دیا کھڑا ہوا خطبہ کی حالت میں اس وقت میں غلہ کی کمی تھی اور یہ حکم معلوم نہ تھا یا نازل نہیں ہوا تھا کہ خطبہ سننا لازم ہے لوگ نقارہ کی آواز سن کر دوڑ پڑے اور آپ ﷺ کو خطبہ کی حالت میں کھڑا چھوڑ گئے، تو یہ ایک قسم کی چوک اور غلطی تھی تو آپ ﷺ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تماشے سے اور

= اکثر لوگ چلے گئے حضرت کے ساتھ بارہ آدمی (جن میں خلفائے راشدین بھی تھے) باقی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشا کیا چیز ہے، وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر وعبادت میں ملتی ہے۔ باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر تم اٹھ کر چلے گئے، سو یاد رکھو روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے اس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس تنبیہ وتادیب کے بعد صحابہ کی شان وہ تھی جو سورۃ "نور" میں ہے۔ ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ﴾۔

(تنبیہ) "لھو" کہتے ہیں ہر اس چیز کو اللہ کی یاد سے مشغول (غافل) کر دے جیسے کھیل تماشا۔ شاید اس نقارہ کی آواز کو لھو سے تعبیر فرمایا ہو۔

تم سورة الجمعة فلله الحمد والمنة۔

تجارت سے اور اللہ تو بہت ہی بہتر ہے روزی دینے والا۔ جب رزق اسی کے ہاتھ میں ہے تو تلاش رزق کے ظاہری اسباب میں اس طرح مشغول ہو جانا کہ خدا سے اور اس کی یاد سے اور اس کی عبادت و بندگی سے انسان غافل ہو جائے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

روایات میں ہے ایک روز آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی وقت باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آ پہنچا اس زمانہ کے دستور کے مطابق بازار کے لوگوں نے نقارہ بجادیا اس زمانہ میں اتفاق یہ کہ شہر میں غلہ کی کمی تھی اور خطبہ کے احکام بھی معلوم نہ تھے یہ خیال کیا کہ جیسے کسی وعظ و نصیحت کے دوران کسی ضرورت سے اٹھ کر چلے جانے کی گنجائش ہے اسی طرح اس وقت بھی ہم کو اس کی گنجائش ہوگی بعض اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں خطبہ بعد نماز کے ہوتا تھا جیسے کہ عیدین کا خطبہ تو اکثر لوگ مسجد سے باہر نکل گئے اور صرف چند لوگ رہ گئے اور آنحضرت ﷺ کھڑے خطبہ دیتے رہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ آدمی رہ گئے جن میں خلفائے راشدین ؓ تھے اس پر آیت نازل ہوئی جس میں اس امر کی طرف راہنمائی فرمائی گئی کہ انسان اسباب رزق میں یا کھیل تماشا میں ایسا منہمک نہ ہو کہ خدا کو بھلا دے اس کو سمجھنا چاہئے کہ اصل رزق کے خزانے تو اللہ کے قبضے میں ہیں اسی کی رضاء سے سب کچھ ملتا ہے اس لیے قحط یا عارضی مشقت کے خیال سے ایسی غفلت اور غلطی نہ اختیار کرنی چاہئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بالفرض اگر اس وقت دکانیں بند کرنے اور تجارتی لین دین روک دینے سے کچھ نقصان ہو رہا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کے بالمقابل اللہ کے یہاں کی جو نعمتیں حاصل ہونگی وہ اس عارضی اور قلیل و حقیر منفعت سے بہت زائد اور بڑھ کر ہے۔

اسی چیز کے باعث اللہ رب العزت نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کی تعریف فرمائی جن کو تجارتی کاروبار اللہ کی یاد سے کسی بھی مرحلہ پر غافل نہیں بناتے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے، ﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ﴾:

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ عمر فاروق ؓ بازار میں گشت لگا رہے تھے کہ مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی، جوں ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی دیکھا کہ دکاندار اور تاجر اپنی دکانوں اور تجارتی دھندوں کو چھوڑ کو مسجد کی طرف جلدی جلدی جانے لگے، فاروق اعظم ؓ نے ان کو ایک نظر سے دیکھا اور فرمایا سچ ہے اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ ﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ﴾.

تخلیق کائنات میں یوم جمعہ کی عظمت و خصوصیت اور امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت

یوم جمعہ قدیم تاریخ قبل از اسلام میں یوم العروبہ کہلاتا تھا، اسلام نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا، یہ لفظ جمع سے مشتق ہے اس دن میں متعدد وجوہ سے جمعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ میں آنحضرت ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا فرمایا کہ ان فیہ جمعت طینۃ ابیکم آدم یعنی اس روز تمہارے باپ آدم ؑ کی مٹی روئے زمین کے مختلف طبقوں کی جمع کی گئی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے، کائنات کی تخلیق جو چھ روز میں ہوئی اسی پر مکمل ہوئی، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سلمان ؓ سے پوچھا یاسلمان مایوم الجمعۃ کے اے سلمان یوم جمعہ کیا ہے کہ انہوں نے کہا اللہ و رسولہ اعلم، آپ ﷺ نے فرمایا

یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے تمہارے ماں باپ (آدم وحوا) کو جمع فرمایا۔ (جبکہ ان کو زمین پر اتار دیا گیا تھا)

ایک حدیث میں ہے وفیہ خلق ادم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اخرج منہا وفیہ تقوم الساعۃ، وفیہ ساعۃ لا یوافقہا عبد مومن یسال اللہ خیرا الا اعطاہ ایاہ، کہ اسی دن ان کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تا کہ خلافۃ اللہ فی الارض کا عظیم منصب عطا ہو اور اس ارادۂ الٰہیہ کی تکمیل ہو جس کا اظہار ملائکہ کے سامنے فرمایا گیا تھا ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾ اور اسی منصب کی عظمت و منزلت کے ظاہر کرنے کیلیے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم دیا گیا الغرض اس طرح جنت سے زمین پر اترنا بھی ایک بڑی عظمت و منقبت کی تکمیل تھی جو جمعہ کے روز ہوئی اور فرمایا اسی روز قیامت قائم ہوگی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں مومن بندہ جو کچھ بھی اللہ سے مانگے اللہ اس کو ضرور عطا کرتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> نحن الاخرون السابقون یوم القیمۃ بید انہم اوتو الکتب من قبلنا ثم ہذا یومہم الذی فرض اللہ علیہم فاختلفوا فیہ فہدانا اللہ لہ فالناس لنا فیہ تبع الیہود غدا والنصاری بعد غد۔ ❶
>
> کہ ہم لوگ دنیا میں آنے والوں میں آخر ہیں لیکن قیامت کے روز ہم ہی سابقین ہیں بس فرق یہی ہے کہ انکو کتاب ہم سے پہلے دی گئی تو اس سبقت کی وجہ سے یہ نہیں ہوگا وہ قیامت کے روز بھی ہم سے سابق ہوں قیامت میں سبقت حاصل کرنے والے ہم ہی ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جمعہ کا دن وہ تھا کہ اللہ نے ان پر بھی فرض کیا تھا (کہ اس کو خاص عظمت اور عبادت کے لیے مخصوص کرلو) لیکن وہ اس بارے میں مختلف رہے (اور بھٹکتے رہے) تو اب اور لوگ (اہل کتاب میں سے) ہمارے پیچھے ہیں، یہودیوں کا دن کل ہے یعنی سنیچر اور نصاریٰ کا دن آئندہ کل کے بعد یعنی اتوار کہ ان دونوں کو یہود و نصاریٰ نے تعظیم اور خاص عبادت کے لئے مقرر کیا۔

یہود و نصاریٰ کے اختلاف کی مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے انکے واسطے بھی یہ دن مقرر کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کے حکم سے اختلاف کرتے ہوئے کسی نے یوم السبت متعین کیا کسی نے یوم الاحد یعنی اتوار یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس نے یہ توفیق بخشی کہ ہم نے اس کے حکم کے مطابق جمعہ مقرر کیا۔

یا بقول بعض شارحین مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں میں ایک دن خاص عبادت و تعظیم کے لیے اللہ نے اپنے علم میں رکھا تھا جب اہل کتاب کو حکم ہوا کہ ایک دن متعین کرو تو یہود و نصاریٰ بھٹکتے ہی رہے اور مبارک دن نہ طے کر سکے لیکن اللہ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ توفیق دی کہ انہوں نے خود اپنے باطنی تقاضوں اور قلبی داعیہ سے جو دن خاص اجتماع اور عبادت کا تجویز کیا وہ جمعہ کا دن تھا تو ان کا انتخاب اللہ کے ارادہ اور مشیت کے مطابق ہو گیا اور یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا برکت کی بدولت ہوا۔

❶ صحیح بخاری، وفی روایۃ المسلم فاضل اللہ عن الجمعۃ من کان قبلنا۔ الخ۔ ۱۲

مصنف عبدالرزاق میں اسناد صحیح کے ساتھ محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا، فرمایا (بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد جب مدینہ میں اسلام پھیل چکا تو) انصار نے آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے قبل اور جمعہ کے نازل ہونے سے پہلے ایک دفعہ جمع ہو کر مشورہ کیا اس مشورہ میں یہ بات رکھی گئی۔ یہودیوں نے ایک دن خاص اجتماع کا مقرر کیا ہوا ہے وہ اس میں جمع ہو کر اپنی عبادت کرتے ہیں، نصاریٰ نے بھی اسی طرح ہفتہ میں ایک دن اپنی عبادت و تعظیم کا مقرر کیا ہوا ہے تو ہمیں بھی چاہئے کہ ایک دن ہم بھی متعین کر لیں جس میں جمع ہوا کریں، اللہ کا ذکر کریں، اس کی حمد و ثناء کریں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور نماز پڑھیں تو اس کے واسطے سب نے یوم العروبہ یعنی جمعہ مقرر کیا اور سب انصار جمع ہو کر اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے انہوں نے جمعہ کے روز سب انصار کو نماز پڑھائی اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾ الخ۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ و دیگر ائمہ محدثین نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل سب سے پہلے جس نے ہمیں جمعہ پڑھایا وہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

یوم جمعہ کی خصوصیات میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اس دن آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی اور ان کو پیدا کیا گیا پھر یہ فرمانا کہ اسی دن قیامت قائم ہوگی، اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یوم جمعہ درحقیقت انسان کو اس کا مبدأ و معاد یاد دلانے والا دن ہے اس دن اس کو چاہئے کہ اپنے مبدأ پر غور کرے اور پھر یہ کہ قیامت میں پھر مبعوث ہونا ہے اور اس طرح اس کی فکر اور تیاری کا قلب میں تقاضا پیدا کرے اور یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ رب العزت نے روئے زمین کے اجزاء بدنیہ خواہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں ہوں ہر حالت سے ان کو یکجا جمع کرے گا اور جملہ ارواح اپنے ابدان کے ساتھ جمع ہو جائیں گی، پھر ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال و افعال جمع ہوں گے غرض اجتماعیت کی یہ تکوینی نوعیت یوم جمعہ کے ساتھ وابستہ کر دی گئی پھر یہ کہ اس دن ایک شہر کے سب مسلمان بھی یک جا جمع ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں تو ان جملہ وجوہ سے اجتماعیت اس دن کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ [1] بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے یہ ہر سات روز میں ایک دن (یوم جمعہ) غسل کرے اپنے بدن اور سر کو خوب دھوئے جمعہ کی عظمت و فضیلت میں حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جمعہ کی نماز ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے جس شخص نے جمعہ کے روز غسل خوب نظافت و صفائی سے کیا اور صبح جلدی ہی مسجد کے لیے روانہ ہوا اور اول وقت ہی پہنچ گیا اور پیدل چلا کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلا اور امام کے قریب بیٹھا اور اس کا خطبہ توجہ سے سنا کوئی لغو کام نہیں کیا تو اس شخص کے لیے ہر قدم پر جو اس نے اٹھایا ہے ایک سال کے روزوں اور قیام اللیل کا اجر [2] ہے۔ اسی طرح دیگر احادیث میں فضائل جمعہ متعدد وجوہ

[1] صحیح مسلم جلد ۱۔

[2] ائمہ محدثین نے سنن میں اس روایت کو بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا، واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

سے ذکر فرمائے گئے، (کتب احادیث کی مراجعت فرمالی جائے)

﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ کی تفسیر میں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعہ کے روز پہلی اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی، جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا یہی دستور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رہا جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بہت زائد ہوگئی تھی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ فرمایا (جو خطبہ کی اذان سے پہلے ہوتی ہے) تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حرمت بیع کا جو حکم اذان جمعہ پر نازل ہوا تھا اب وہ اسی اذان پر ہوگا جو قبل از خطبہ ہوتی ہے اور اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اضافہ فرمایا کیونکہ ﴿اِذَا نُوْدِیَ﴾ کا عموم اور اطلاق چاہتا ہے کہ نفس نداء جمعہ پر حرمت بیع کا حکم مرتب ہو، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ابتداء میں خود ہی اس قدر جلد مسجد میں آجاتے تھے کہ اذان خطبہ ان کی موجودگی میں ہوتی، لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور تجارتی کاروبار کی وسعت ہوگئی تو اندیشہ تھا کہ اذان خطبہ سن کر لوگ گھروں سے نکلیں گے یا دکانیں بند کریں گے تو خطبہ فوت ہو جائے گا جس کا سننا ضروری ہے اس وجہ سے ایک اذان کا اضافہ کیا گیا تا کہ خطبہ شروع ہونے سے قبل لوگ مسجد میں پہنچ جائیں اور ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ میں لفظ الی (جو غایت کے معنی پر دلالت کرتا ہے) خود اس مفہوم کی تعیین کر رہا ہے کہ سعی اور جمعہ کی تیاری ذکر اللہ تک پوری ہونی چاہئے اور وہ ظاہر ہے اس صورت میں ممکن ہے کہ خطبہ سے قبل ایک اذان کے ذریعے لوگوں کو بلایا جائے، گویا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اس اذان کا اضافہ کرنا قرآن کریم کے الفاظ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے پھر یہ کہ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم اور سنت شریعت کا قانون ہے علاوہ ازیں جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس عمل کو درست قرار دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی قانون شریعت ہے، نص قرآنی سے جس اذان جمعہ پر بیع وشراء ترک کرنے کا حکم ہے یہی اذان ہوگی جو شروع میں اضافہ کی گئی، اس بناء پر تمام ائمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی اذان جمعہ کے بعد ہر قسم کا کاروبار بیع وشراء حرام ہے اور جس اہمیت وتاکید اور نصیحت کے انداز میں قرآن کریم نے دکانیں بند کر دینے کو اور خرید وفروخت روک دینے کو فرمایا ہے اس کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ اذان جمعہ کے بعد کسب معاش میں مشغولی کو حلال رزق شمار کیا جائے اس وجہ سے اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ دمشقی نے عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوتے اور یہ کہتے اے اللہ میں نے تیری نداء پر حاضری دے دی اور تیرا فرض ادا کر چکا اور اب میں رزق کی تلاش کے لیے زمین میں چلنا پھرنا چاہتا ہوں جیسے کہ تو نے حکم دیا پس اپنے فضل سے رزق عطا فرما۔ تو خیر الرازقین ہے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے گا (یعنی جبکہ جمعہ کے لیے اس نے اپنا کاروبار بند کر دیا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس کو ستر گنا نفع عطا فرمائے گا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الجمعۃ۔

سورۃ المنافقون

یہ سورت بھی دیگر مدنی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی احکام اور شریعت کے اہم فیصلوں پر مشتمل ہے، سورت کے مضامین نفاق کی گندگی اور منافقین کی بدترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل ہیں ابتداء میں منافقین کی اخلاقی برائیاں ذکر فرمائی گئیں اور یہ کہ دھوکہ فریب اور جھوٹ ان کی زندگی کا حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ذلیل کردار کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی ان کے بے ہودہ اقوال اور لغو عقائد وخیالات کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ کہ آخرت میں ان منافقوں کے واسطے نہایت شدید عذاب اور دنیا میں ذلت ورسوائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

سورت کے آخر میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ دنیا کی زیب وزینت میں مشغول ہو کر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ بنیں اگر ایسا ہوا تو یہ بہت بڑی بدنصیبی ہوگی اس پر سورت ختم فرمائی گئی۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ

جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا ف۱ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے

جب آویں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ف۲ انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر ف۳ پھر روکتے ہیں اللہ کی

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ رکھی ہیں اپنی قسمیں ڈھال بنا کر، پھر روکے ہیں اللہ کی

اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى

راہ سے یہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں ف۴ یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہوگئے، پھر مہر لگ گئی ان کے

راہ سے۔ یہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔ یہ اس پر کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہوگئے، پھر مہر ہوگئی ان کے

ف۱ یعنی ہم دل سے اعتقاد رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر۔

ف۲ یعنی جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے اعتقاد ہے۔ واقع میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ پھر اسی ایک بات پر کیا منحصر ہے، جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔ بات بات میں کذب و دروغ سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی سورت میں ایک واقعہ کا ذکر آیا چاہتا ہے جس میں انہوں نے صریح جھوٹ بولا، اور اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

ف۳ یعنی جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان ومال محفوظ رکھنے کے لیے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا، فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہوگئے۔

ف۴ یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن وتشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں، تو ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر وفساد ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا۔ (لیکن ایک شخص جب تک بظاہر ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو، اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا)۔

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ

دل پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے ف۱ اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے

دل پر، اب وہ نہیں بوجھتے۔ اور جب تو دیکھے ان کو، خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل۔ اور اگر بات کہیں، سنے

لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ

تو ان کی بات ف۲ کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے ف۳ جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی ف۴ وہی ہیں دشمن

تو ان کی بات۔ کیسے ہیں جیسے لکڑی لگا دی دیوار سے۔ جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی۔ وہی ہیں دشمن،

فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ

ان سے بچتا رہ ف۵ گردن مارے ان کی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ف۶ اور جب کہیے ان کو آؤ معاف کرا دے تم کو

ان سے بچتا رہ۔ گردن مارے ان کی اللہ۔ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جب کہیے ان کو، آؤ! معاف کروا دے تم کو

رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٥﴾ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ

رسول اللہ کا مٹکاتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھے کہ وہ رکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں ف۷ برابر ہے ان پر تو

رسول اللہ کا، مٹکاتے ہیں اپنے سر، اور تو دیکھے کہ وہ رکتے ہیں اور غرور کرتے ہیں۔ برابر ہے ان پر، تو

ف۱ یعنی زبان سے ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کیے اس بے ایمانی اور انتہائی فریب و دغا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ جن میں ایمان و خیر اور حق وصداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ اب اس حالت پر پہنچ کر ان سے سمجھنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے پھر نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت کہاں باقی رہے گی۔

ف۲ یعنی دل تو مسخ ہو چکے ہیں، لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کیے، چکنے چپڑے، بات کریں تو بہت فصاحت اور چرب زبانی سے، نہایت پھبے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ اور کلام کی ظاہری سطح دیکھ کر قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

از بروں چوں گور کافر پُر حلل   از بروں طعنہ زنی بر بایزید

واندروں قہر خدائے عزوجل   و از دورنت ننگ میدارد یزید

ف۳ خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے محض بے جان اور لا یعقل، دیکھنے میں کتنی موٹی، مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آسکتی ہے۔ یہ ہی حال ان لوگوں کا ہے۔ ان کے موٹے فربہ جسم، اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں، اندر سے خالی اور بے جان، محض دوزخ کا ایندھن بننے کے لائق۔

ف۴ یعنی بزدل، نامرد، ڈرپوک، ذرا کہیں شور و غل ہو تو دل دہل جائے۔ سمجھیں ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ دیکھیے کہیں ہماری دغابازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔

ف۵ یعنی بڑے خطرناک دشمن یہ ہیں ان کی چالوں سے ہوشیار رہو۔

ف۶ یعنی ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی، اور حق وصداقت کی روشنی آچکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی کس قدر عجیب ہے۔

ف۷ بعض دفعہ جب ان منافقوں کی کوئی شرارت صاف طور پر کھل جاتی اور کذب و خیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ (اب بھی وقت نہیں گیا) آؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنا قصور معاف کرا لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی برکت سے حق تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرما دے گا۔ تو غرور و تکبر سے اس پر آمادہ نہ ہوتے اور بے پروائی سے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے۔ بلکہ بعض بدبخت صاف کہہ دیتے کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔

اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ

معافی چاہے ان کی یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف کرے گا ان کو اللہ بیشک راہ نہیں دیتا

معافی چاہے ان کی یا نہ معافی چاہے۔ ہرگز نہ معاف کریگا ان کو اللہ۔ مقرر اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم

الۡفٰسِقِیۡنَ ۞ هُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا ؕ

نافرمان لوگوں کو ف۱ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہوجائیں ف۲

لوگوں کو۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے جب تک کھنڈ جاویں۔

وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَفۡقَهُوۡنَ ۞ یَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ

اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافق نہیں سمجھتے ف۳ کہتے ہیں البتہ

اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے، لیکن منافق نہیں بوجھتے۔ کہتے ہیں، البتہ

رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَةِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَ لِرَسُوۡلِهٖ

اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا

ہم پھر گئے مدینہ کو، تو نکال دیگا جس کا زور ہے بےقدر لوگوں کو۔ اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا،

وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۞ ع ۸/۱۴

اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں جانتے ف۴

اور ایمان والوں کا، لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

ف۱ یعنی ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غایت رحمت وشفقت سے ان کے لیے بحالت موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں، اور نہ ایسے نافرمانوں کو اس کے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔ اس طرح کی آیت سورۃ "براءت" میں آ چکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔

ف۲ ایک سفر میں دو شخص لڑ پڑے ایک مہاجرین کا اور ایک انصار کا۔ دونوں نے اپنی حمایت کے لیے اپنی جماعت کو پکارا جس پر خاصا ہنگامہ ہوگیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پہنچی کہنے لگا اگر ہم ان (مہاجرین) کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے تم ہی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع رہتے ہیں، خبر گیری چھوڑ دو، ابھی خرچ سے تنگ آ کر متفرق ہو جائیں، اور سب مجمع بکھر جائے۔ یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور واقتدار ہے چاہیے کہ ذلیل بے قدروں کو نکال دے (یعنی ہم لوگ جو معزز لوگ ہیں ذلیل مسلمانوں کو نکال دیں گے) ایک صحابی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سن کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نقل کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ زید پر آوازیں کسنے لگے وہ بیچارے سخت محجوب اور نادم تھے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کیا۔

ف۳ یعنی احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے کیا جو لوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لیے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو بھوکوں مار دے گا، اور لوگ اگر ان کی امداد بند کرلیں گے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے بند کر لے گا؟ سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کر سکے۔

ف۴ یعنی منافق یہ نہیں جانتے کہ زور آور اور عزت والا کون ہے۔ یاد رکھو اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے۔ اس کے بعد اسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ =

مذمت نفاق ومنافقین وتحقیق بیہودہ خصال منافقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ... الی ... وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط:...... سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ میں اسلام کی عظمت وغلبہ اور اہل ایمان کے خصوصی احوال کا بیان تھا اور یہ کہ دین کے دشمن خواہ کتنی بھی سازشیں اسلام کے خلاف کریں لیکن اسلام کے غلبہ اور ظہور کو کافروں کی طاقتیں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، اب اس سورت میں منافقین کی مذموم خصلتیں ذکر کی جارہی ہیں کہ وہ اسلام کے لبادہ میں کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ مقصد بیان یہ ہے کہ ان کی یہ کوششیں اسلام کو ان شاءاللہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گی، ساتھ ہی منافقین کے ذلیل اور گندے کردار کو واضح کر دیا گیا تا کہ مسلمان سمجھ لیں کہ نفاق کی علامات اور خصلتیں کیا ہوتی ہیں اور منافقین کا کردار کیسا ہوتا اور اس طرح یہ حقیقت سمجھی جاسکے کہ ایسی خصلتیں کیا ہوتی ہیں اور منافقین کا کردار کیسا ہوتا ہے اور اس طرح یہ حقیقت سمجھی جاسکے کہ ایسی خصلتوں کا حامل شخص منافق ہی ہوسکتا ہے خواہ اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہو، فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر! جب آپ ﷺ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں گواہی تو نام ہے اس اقرار واعلان کا جو دل کے اعتقاد کے مطابق ہو اور منافق جب دل سے رسول خدا کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کا یہ کہنا کہ ہم گواہی دیتے ہیں جھوٹ اور دھوکہ ہوا، اس لیے ارشاد ہوا اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ جب وہ واقع میں آپ ﷺ کی رسالت کے قائل ہی نہیں تو پھر اس طرح کا اظہار محض دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے اس زبانی اقرار کو بہانہ بنایا ہوا ہے، حالانکہ خود بھی ان کو اس امر کا احساس ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان منافقین نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ جب بھی کوئی گرفت ہو تو قسمیں کھا کر اپنی جان بچالیں، مسلمانوں کے حملوں سے تحفظ حاصل ہوجائے کہ جس طرح دوسرے کافروں اور مشرکوں کے خلاف غزوات وجہاد کی صورت ہوتی ہے یہ ایسے حملوں بچے رہیں، اسی کے ساتھ پھر یہ بھی مذموم حرکت کہ روکتے ہیں، دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے یقیناً بہت ہی برا ہے یہ کام جو منافقین کررہے ہیں کیونکہ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر صرف انہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں کو دھوکہ لگتا ہے اور اس کے علاوہ بھی دوسرے حربے اور طریقے استعمال کرتے ہیں تا کہ کوئی اسلام کے قریب نہ آئے تو ظاہر ہے اس سے زیادہ برا کردار کیا ہوسکتا ہے یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے پہلے ایمان کا دعویٰ کیا پھر کفر کیا تو مہر لگادی گئی ان کے دلوں پر اس کا نتیجہ ہے کہ وہ اب کچھ نہیں سمجھتے جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اندر کے کفر اور گندگی کے نکلنے اور دور ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی باہر سے اب کوئی ہدایت ونصیحت ان

= بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی۔ روایات میں ہے کہ عبداللہ بن ابی کے وہ الفاظ (کہ عزت والا ذلیل کو نکال دے گا) جب اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے (جو مخلص مسلمان تھے) تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہوگئے۔ بولے جب تک اقرار نہ کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے، زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا۔ آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔ رضی اللہ عنہ۔ منافقین کی توبیخ وتقبیح کے بعد آگے مومنین کو چند ہدایات کی گئی ہیں۔ یعنی تم دنیا میں پھنس کر اللہ کی اطاعت اور آخرت کی یاد سے غافل نہ ہوجانا جس طرح یہ لوگ ہوگئے ہیں۔

کے دلوں تک سرایت کر سکتی ہے، دل مسخ ہیں کفر ونفاق جھوٹ اور دھوکہ کی گندگیاں اندر بھری ہیں مگر ظاہری حال انہوں نے ایسا بنا رکھا ہے کہ اے مخاطب جب تو ان کو دیکھے تو تجھ کو اچھے لگیں گے ان کے اجسام ڈیل ڈول میں بہت اچھے لگتے ہوں گے، چکنے چپڑے، اپنی وضع اور ہیئت ایسی بنائیں گے کہ ظاہری نظر سے دیکھنے والا ان کو بڑا ہی شریف اور بھلا مانس سمجھے اور اگر وہ بات کریں تو ایسی لچھے دار میٹھی باتیں کریں کہ فصاحت وبلاغت اور ان کی چرب لسانی کی بناء پر توجہ کے ساتھ تو ان کی بات سننے لگے۔ اس ظاہری بناؤ سنوار، چکنی چپڑی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ لکڑیاں ہیں جن کو سہارا دے کر کھڑا کر دیا گیا ہے جو دیکھنے میں موٹے تازے شہتیر نظر آتے ہیں لیکن وہ صرف دیکھنے ہی کی حد تک ہیں دیوار کے ساتھ کھڑے ہیں انکے اندر کچھ نہیں ایسے کھوکھلے ہیں کہ ایک لحہ بھی وہ سہارا نہ رہے تو گر پڑیں اسی طرح منافقین اپنے نفاق کی گندگیوں اور ایمان وصداقت کے جوہر سے عاری ہونے کے باعث محض سہارے پر کھڑے ہیں، نہ ان کی کوئی بنیاد ہے اور نہ ان میں کوئی قوت [1] ہے مضبوطی اور قوت تو ایمان وصداقت سے ہوتی ہے یہ تو اپنی کمزوری اور بزدلی میں ایسے ہی ہیں کہ ہر چیخ کو اپنے اوپر ایک بلا سمجھتے ہیں۔ بزدلی اور نامردی کا یہ عالم ہے کہ ذرا بھی کہیں شور وغل سن لیں تو دل دہل جائیں اور سمجھنے لگیں کہ اب ہم پر کوئی آفت آئی اور ہمہ وقت اس ڈر سے ان کے دل لرزتے رہتے ہیں کہ ہماری منافقانہ حرکتوں اور دغابازیوں کا پردہ چاک نہ ہو اور ایسا تو نہیں ہماری ان حرکتوں کی پاداش میں ہم پر کوئی افتاد پڑ جائے خواہ وہ کتنے ہی کمزور ہوں بہرکیف اے مخاطب یا ہمارے پیغمبر ان سے بچتے رہو۔ دغابازوں سے احتیاط عقل وفطرت کا تقاضا ہے۔ خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹک رہے ہیں۔

منافقین اگرچہ اپنی بیہودہ خصلتوں اور دلوں کے روگ سے ایمان کی دولت اور اس کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے مگر پھر بھی بعض مرتبہ جب ان کی منافقانہ سازشیں کھل جاتیں اور کذب وخیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو کچھ لوگ ان کو سمجھانے کا ارادہ کرتے تو ایسی صورت میں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آجاؤ راہ راست پر اور اپنی گندگیوں سے تائب ہو کر رسول ﷺ خدا کے پاس معافی کے لیے حاضر ہو جاؤ انسان جب تک دنیا میں زندہ ہے قبول حق اور توبہ کا دروازہ اس کے واسطے کھلا ہے تم اگر تائب ہو کر ایمان لاتے ہوئے۔ رسول خدا ﷺ کے پاس پہنچ جاؤ گے تو استغفار کریں گے اور معافی طلب کریں گے تمہارے واسطے اللہ کے رسول تو اپنے سر ہلاتے ہیں تمسخر اور استہزاء کی شکل اختیار کرتے ہوئے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے ہیں۔ اور حال یہ کہ وہ غرور وتکبر کرتے ہوئے ہیں اور انتہائی بیہودگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں تو ظاہر ہے کہ جو قوم خدا کی رحمت اور معافی سے اس قدر بے رخی برتتے اس کے واسطے یہی ہے کہ اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان پر برابر ہے کہ آپ ﷺ ان کے واسطے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے نافرمان لوگوں کو ایسے نافرمان جن کا حق کی طرف کوئی رخ اور ادنیٰ توجہ ہی نہ ہو بلکہ ہر مرحلہ پر وہ دین کا مذاق ہی اڑاتے ہوں۔

---

[1] شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں یہاں ایک لطیف بات فرما گئے، فرمایا "خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے محض بے جان اور لایعقل دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آ سکتی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے ان کے موٹے فربہ جسم اور تن وتوش سب ظاہری خول ہیں اندر سے خالی بے جان محض جہنم کا ایندھن بننے کے لائق۔ ۱۲

ان باطنی گندگیوں کے علاوہ اخلاقی معیار سے اس قدر ذلیل ہیں کہ دنیا میں اس طبقہ سے زیادہ بداخلاق اور ذلیل کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ منافقین جو یہ کہتے ہیں مت خرچ کرو ان لوگوں پر جو رسول اللہ کے قریب ہیں یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ سے دور اور متفرق ہوجائیں اور آپ ﷺ کا تعلق اور مجلس میں آمدورفت ترک کردیں، اس وقت تک کسی کی کوئی امداد واعانت نہ کرو، ایسے ذلیل اور بداخلاق منافقوں سے کہہ دینا چاہئے اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے زمینوں اور آسمانوں کے لیکن منافقین سمجھتے نہیں کہ جس مالک کے قبضہ میں ساری کائنات اور آسمان وزمین کے خزائن ہیں کیا وہ مالک اپنے رسول کے پاس رہنے والوں کی مدد نہیں کرے گا، اور کیا ان کو رزق نہیں دے گا؟ رزق تو اصل میں اللہ ہی دیتا ہے اگر کوئی صاحب مال واستطاعت شخص کسی کی دو چار مرتبہ کچھ مدد کرے گا تو یہ اس کی بے وقوفی ہوگی کہ وہ اپنے کو رازق سمجھنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ میں فلاں کی مدد نہ کروں گا تو وہ بھوکا مرجائے گا تو یہ ہے وہ بدعقلی اور حماقت جس میں اس قسم کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں اسی پر بس نہیں بلکہ کہتے ہیں البتہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچ گئے تو ضرور بالضرور ہم میں سے عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا یہ بھی ایک احمقانہ تخیل اور آرزو ہے اور اس شعور وفہم سے بعید ہونے کی دلیل ہے کہ انہیں نہ عزت وذلت کی حقیقت معلوم ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ عزت وذلت کس کے قبضہ میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت وقوت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اور ایمان والوں کے واسطے لیکن منافقین جانتے نہیں ہیں۔ اصل عزت کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے تعلق سے یہ عزت پہنچتی ہے اس کے رسول کے پاس اور چونکہ رسول خدا ﷺ اللہ کے احکام و پیغام اس کی مخلوق کو پہنچاتے ہیں تو پھر اس رسول پر ایمان لانے والوں اور اطاعت کرنے والوں کے لیے عزت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبریٰ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت میں بیان کیا ہم لوگ ایک سفر جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ دوران سفر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری کے لات ماری (اور اس کی وجہ سے اس کو چوٹ آئی) تو انصاری نے باواز بلند پکارا یا للانصار (اے انصار آجاؤ میری مدد کرو) اس پر مہاجر نے آواز دی یاللمھاجرین، اے مہاجرو آؤ میری مدد کرو، آنحضرت ﷺ نے جب یہ آوازیں سنیں تو فرمایا یہ کیسے جاہلیت کے نعرے ہیں ایک روایت میں ہے، ماھذا الدعوی المنتنة کہ یہ کیسا بدبودار نعرہ ہے۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگا اچھا یہ بات ہوگئی ہے یعنی اس پر خوش ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسی فضا باہمی منافرت اور عصبیت کی پیدا ہوئی اور کہنے لگا ہم مدینہ پہنچ گئے تو ہم میں سے عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا اور اس سے ارادہ یہ تھا کہ مدینہ کے انصار اب مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے عبداللہ بن ابی کو زیادہ تر غیظ وغضب اس پر بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل مدینہ کے لوگ اسی کو اپنا سردار بنانے والے تھے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے یہ سارا منصوبہ خاک میں مل گیا، جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں انصار کی تعداد زیادہ تھی، (اگرچہ بعد میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن ابی منافق کی بات سن کر بہت غصہ آیا اور کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں آپ علیہ السلام نے فرمایا چھوڑو اس کو (اگر تم نے ایسا کیا تو) لوگ کہیں گے محمد ﷺ اپنے

ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں، اسی نے یہ بھی کہا ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جب یہ بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو یہ منافق فوراً آ کر قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا، بیان کرتے ہیں تو جب ابن ابی قسمیں کھانے لگا اور میرے پاس کوئی ثبوت اس بات کا نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات رد فرمائی اور فرمادیا کہ بس ٹھیک ہے جب یہ شخص قسمیں کھا رہا ہے، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے اس پر انتہائی غم اور صدمہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں یہ تصور پیدا ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی ہے میرے چچا نے بھی مجھے ملامت کی تجھے کیا ضرورت تھی تو نے یہ بات جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی، بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غم اور بے چینی میں تھا کہ حق تعالیٰ نے یہ سورۃ منافقون نازل فرمائی، فوراً ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف ایک آدمی بلانے کے لیے بھیجا میں حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورت پڑھ کر سنائی اور فرمایا اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ امام المغازی نے اس سلسلہ میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ اس منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے "عبداللہ" جو سچے مسلمان اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے نے اپنے باپ کی یہ بیہودہ بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ کی اس بیہودہ بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قتل کر دینا چاہتے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اجازت دیجئے میں اس خبیث کا سر قلم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر پیش کرتا ہوں اور خدا کی قسم قوم خزرج یہ بھی جانتی ہے کہ اس قوم میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے اچھا سلوک کرنے والا کوئی نہیں لیکن اس کے باوجود اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت چاہتا ہوں کہ اس کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دوں مجھے ڈر لگ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کے واسطے میرے علاوہ کسی اور کو مامور فرمادیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، ہم تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اس منزل سے روانہ ہوئے مدینہ منورہ کی طرف لوٹتے ہوئے تو عبداللہ بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے دروازے (شہر پناہ) پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے جب ان کا باپ عبداللہ بن ابی منافق آیا تو (بآواز بلند) فرمایا پیچھے ہٹ، خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں جب تک وہ اجازت نہ دیں گے تو ہرگز مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ کو اپنے باپ کی اس بیہودہ بات پر اس قدر غصہ تھا کہ جب قافلہ سفر کے لیے روانہ ہونے لگا تو تلوار نکال کر باپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا جب تک تو اقرار نہ کرے گا کہ میں ذلیل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں ہرگز تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے منافق باپ کی گردن زمین پر رگڑنے لگے اور کہا اقرار کر کہ تو ذلیل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

اے ایمان والو غافل نہ کردیں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی یہ کام

اے ایمان والو! نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے۔ اور جو کوئی یہ کام

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ

کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں۔ ف۱ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں

کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں آتے۔ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا، اس سے پہلے کہ پہنچے کسی کو تم میں

الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ

کسی کو موت تب کہے اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہوجاتا

موت، تب کہے، اے رب! کیوں نہ ڈھیل دی مجھ کو ایک تھوڑی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہوتا

الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱ ع۲

نیک لوگوں میں اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو جب آپہنچا اس کا وعدہ ف۲ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ف۳

نیک لوگوں میں۔ اور ہرگز نہ ڈھیل دیگا اللہ کسی جی کو، جب پہنچا اس کا وعدہ، اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔

تنبیہ وتحذیر اہل ایمان از غفلت ذکر اللہ وتاکید انفاق فی سبیل اللہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الی ... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے جملہ آیات منافقین کے کردار اور ان کی مذموم ترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل تھیں اب ان آیات میں ایسے اسباب غفلت سے مسلمانوں کو چوکنا فرمایا گیا جو انسان کو ایمان وتقوی کی حقیقت سے دور کردیں اور غفلت ہی دراصل نفاق کا پیش خیمہ ہے نفاق کی اصل حقیقت جب یہ معلوم ہوگئی کہ دل میں ایمان نہ ہو اور زبان سے ایمان کا دعوی اور اعلان ہو تو مال واولاد کے فتنوں میں بھی مبتلا ہونے سے یہی نوعیت قلب کی ہوجاتی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الایمان میں ایک باب باندھا ہے، جس میں ایمان کے مہلکات اور مضرات میں غفلت، نفاق اور اصرار علی المعاصی کو شمار فرمایا، اس لیے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

ف۱ یعنی آدمی کے لیے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے۔ مال واولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ کرے۔ اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہوگیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں قلبی سکون و اطمینان نصیب نہ ہوا۔ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾

ف۲ یہ شاید منافقوں کے قول ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾ کا جواب ہوا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو، ورنہ موت سر پر آپہنچے گی تو پچھتاؤ گے کہ ہم نے کیوں خدا کے راستہ میں خرچ نہ کیا۔ اس وقت (موت کے قریب) بخیل تمنا کرے گا کہ اے پروردگار! چند روز اور میری موت کو ملتوی کردیتے کہ میں خوب صدقہ خیرات کرکے اور نیک بن کر حاضر ہوتا لیکن وہاں التواء کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھ دی اور جو میعاد مقرر کردی ہے، اس کے پورا ہوجانے پر ایک لمحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہوسکتی۔

(تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس تمنا کو قیامت کے دن پر حمل کرتے ہیں۔ یعنی محشر میں یہ آرزو کرے گا کہ کاش مجھے پھر دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لیے لوٹا دیا جائے تو خوب صدقہ کرکے اور نیک بن کر آؤں۔

ف۳ اس کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری موت ملتوی کردی جائے یا محشر سے پھر دنیا کی طرف واپس کریں تب تم کیسے عمل کروگے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کے ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبردار ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

اے ایمان والو! غافل نہ بنا دیں تم کو تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے تو یقیناً ایسے لوگ ناکام وذلیل ہوں گے دنیا کی ہر نعمت اور زیب وزینت محض نظر کا فریب ہے اگر اس فریب دنیا میں پھنس کر خدا کو بھلا دیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت وخسارہ ہو سکتا ہے آخرت کا توشہ تو ذکر الٰہی اور کی یاد ہے اس کی تیاری میں لگ جانا چاہئے لہٰذا اے ایمان والو سوچو اور فکر آخرت کرتے ہوئے خرچ کرو اللہ کی راہ میں اس مال سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اس سے قبل کہ آ جائے تم میں سے کسی کے سامنے موت، پھر وہ یہ کہے اے میرے پروردگار کیوں نہ مہلت دے دی تو نے مجھ کو ایک قریب مدت کے لیے کہ میں صدقہ کر لوں اور صالحین (نیکوکاروں) میں سے ہو جاؤں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں موت سامنے آ چکی ہو اس قسم کی تمنا وآرزو ہرگز نہیں ہو سکتی اور کبھی بھی اللہ نفس کو مہلت نہیں دے گا جب کہ اس کی موت آ چکی ہو کیونکہ خدا کا قانون ہے کہ جس انسان کے لیے موت کا جو وقت طے کر دیا نہ اس کی موت اس وقت سے مقدم ہو سکتی ہے، اور نہ مؤخر ہو سکتی ہے۔ اور اے انسانو! خوب جان لو اللہ تو بہت ہی خبر رکھنے والا ہے ان اعمال کی جو تم کرتے ہو۔ ہر ایک پر آخرت میں اسی کے اعمال کے مطابق جزاء وسزا ہوگی، اس وجہ سے انسان کو جو بھی موقع میسر آئے اس کو ضائع نہ کرے بلکہ اپنی زندگی اور زندگی کے لمحات کو آخرت کی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔

حافظ ابن کثیر ؒ نے عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے یہ فرمایا جس کسی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکتا ہے یا اتنا مال ہے کہ اس پر زکوٰۃ لازم ہے مگر پھر نہ اس نے حج کیا اور نہ زکوٰۃ ادا کی تو موت کے وقت اس کی یہی حالت ہوگی کہ ﴿لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اے پروردگار کیوں نہیں مجھ کو تو اتنی مہلت دے دیتا کہ میں صدقہ کر لوں اور صالحین میں سے ہو جاؤں، ایک شخص حاضرین مجلس میں سے کہنے لگا اے ابن عباس ؓ موت کے وقت مہلت کا فرمانگنا ہے تم خدا سے ڈرو کہ اس کو اہل اسلام میں سے ان لوگوں پر محمول کر رہے ہو جو مالی حقوق اور فرائض ادا نہ کریں، عبداللہ بن عباس ؓ فرمانے لگے ابھی میں تم کو آیت قرآن پڑھ کر سناتا ہوں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی، ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ﴾ الخ مطلب یہ تھا کہ یہ آیت اہل ایمان کو خطاب ہے اور اسی میں سے اس فرد کا یہ حال ذکر کیا جا رہا ہے، ﴿لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ﴾ الخ کہ وہ اس طرح تمنا کرے گا کہ کاش مجھے کچھ وقت مل جائے یا دوبارہ مجھ کو دنیا میں لوٹا دیا جائے، غرض حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس جواب سے مخاطب کو بتا دیا سکرات موت آنے پر موت کے ٹلنے کی تمنا یا مرنے کے بعد دنیا کی طرف واپسی کی درخواست کافروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں یہ تمنا وہ بدعمل لوگ بھی کریں گے جنہوں نے فرائض دین ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اللہ کی نافرمانی کی روش اختیار کی۔

فتنہ مال اور فتنہ جاہ انسان کے لیے سعادت سے محرومی کا باعث ہے

سورۂ منافقون کی ان آیات ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ اور ﴿لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ دو عظیم فتنوں کی نشاندہی فرمائی گئی، ایک مال ودولت کا اور دوسرا عزت وجاہ کا تو حق تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں تو یہ دونوں چیزیں اگرچہ فی ذاتہٖ بری نہیں لیکن ان کا غلط استعمال مذموم ہے، ان کو اگر غلط

استعمال کیا گیا تو ہلاکت و بدنصیبی ہے اور اگر صحیح استعمال کیا گیا تو اللہ کا تقرب اور کامیابی ہے، چنانچہ اس مال کو دین اور مرکز ہدایت سے لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے خرچ کرو گے اور عزت وجاہ کو اس کام کے لیے صرف کرو گے کہ مسلمانوں کو ان کی جگہ سے نکالو تو اس مال اور عزت و وجاہت سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔

لہٰذا ﴿لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ﴾ میں اس سے بچنے کی تعلیم دی گئی اور اس کے بالمقابل صحیح مصرف بتایا گیا ﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے شریعت نے حصول مال کے طریقے، بیع وشراء کے احکام نازل کر کے متعین کر دیئے، عزت وجاہ کو اگر تخریب دین کے بجائے اس غرض سے حاصل کیا جائے کہ اس سے دین کی تعمیر اور مخلوق خدا کی راحت رسانی کی سعادت حاصل کی جاسکے تو پھر مذموم نہیں۔

جاہ ومنصب اور طلب عہدہ اور اس کے واسطے کوشش اور درخواست وغیرہ شریعت نے اسی لیے ناجائز قرار دی کہ انسان نفس کی گمراہیوں میں پڑ کر اس کو کبر اور خلق خدا پر جور واستبداد کا ذریعہ نہ بنا لے ہاں اگر اخلاص نیت اور صدق قلب سے کسی عہدہ ومنصب سے دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ چاہتا ہے تو جائز ہے۔

جیسے کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزیز مصر سے فرمایا ﴿اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ لیکن ایسی طلب پر اقدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس شخص کا حضرت یوسف علیہ السلام جیسا تقویٰ اور دیانت اور اخلاص ہو کہ حاصل شدہ منصب کو صرف اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر استعمال کرے۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ المنافقون۔

سورۃ التغابن

سورۃ التغابن بھی مدنی سورت ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

اگرچہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کا موضوع بیان مکی سورتوں کی طرح توحید والوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کی تحقیق وتثبیت ہے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ سے یہی منقول ہے۔

سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وجلال اور اس کی تقدیس وتسبیح کا بیان ہے ساتھ ہی انسان کو دو قسموں میں منقسم کر کے بتادیا گیا کہ تمام دنیا کے انسان ان دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں ﴿فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ﴾ کہ اللہ کی نظر میں یہ دو قومیں اس طرح تقسیم کر دی گئی ہیں ایک قوم اہل ایمان کی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں بھی بستے ہوں وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں دوسری قوم کافروں کی ہے جو اہل ایمان سے بالکل جدا ہیں کسی ایک خطہ یا وطن میں بسنے والے مومن و کافر ہرگز ایک قوم نہیں ہو سکتے اور نہ ہی برادری کی تقسیم اور امتیاز وطن اور نسل کے لحاظ سے ہے بلکہ عقیدہ اور ایمان کی بنیاد پر دائر ہے اسی وجہ سے شریعت نے مسلم وکافر کے درمیان وراثت کا رشتہ بھی کالعدم کر دیا اور فیصلہ کر دیا گیا لا یرث الکافر المسلم، کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ وہ باپ بیٹے ہوں۔

پھر ان گزشتہ اقوام وامم کی مثالیں پیش کی گئیں جو اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی تھیں کہ ان پر خدا کا کیسا عذاب

نازل ہوا، اسی کے ساتھ اس سورۃ میں بعث بعد الموت کو ثابت کیا اللہ کی عبادت و بندگی کا حکم دیا گیا اور اس پر بھی آگاہ کیا گیا کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے برگشتہ کرنے والی کیا کیا چیزیں ہیں اور اختتام سورت پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ایثار و قربانی پر آمادہ کیا گیا۔

٦٤ سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٨ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰياتها ١٨ رکوعاتها ٢

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اسی کا راج ہے اور اسی کو تعریف ہے ف۱ اور وہی ہر چیز

پاکی بولتا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اسی کا راج ہے اور اسی کو تعریف ہے۔ اور وہ ہر چیز

قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

کر سکتا ہے وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایمان دار ف۲ اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے

کر سکتا ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو بنایا، پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایماندار۔ اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری پھر اچھی بنائی تمہاری صورت ف۳ اور اس کی طرف سب کو پھر جانا ہے

بنائے آسمان اور زمین تدبیر سے، اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت، اور اسی کی طرف پھر جانا ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے

جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اور اللہ کو معلوم ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ

جیوں کی بات کیا پہنچی نہیں تم کو خبر ان لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے، پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی

جیوں کی بات۔ کیا پہنچا نہیں تم کو احوال ان لوگوں کا، جو منکر ہو چکے ہیں پہلے۔ پھر چکھی سزا اپنے کام کی،

ف۱ اور جس کسی کا راج دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا اور جس کی تعریف کی جاتی ہے وہ حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔

ف۲ یعنی اسی نے سب آدمیوں کو بنایا۔ چاہیے تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ بعض منکر بن گئے اور بعض ایماندار۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمی میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی۔ مگر اولاً سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی اور ان دونوں کا علم اللہ کو ہمیشہ سے تھا کہ کون اپنے ارادہ اور اختیار سے کس طرف جائے گا۔ اور پھر اسی کے موافق سزا یا انعام و اکرام کا مستحق ہوگا۔ یہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہو گا۔ اللہ کا علم محیط اس کو مستلزم نہیں کہ دنیا میں ارادہ و اختیار کی قوت باقی نہ رہے۔ یہ مسئلہ دقیق ہے اور ہم اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

ف۳ سب جانوروں سے انسان کی خلقت اچھی ہے۔ دیکھنے میں بھی خوبصورت، اور ملکات و قویٰ میں بھی تمام عالم سے ممتاز، بلکہ سب کا مجموعہ اور خلاصہ، اسی لیے =

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ

اور ان کو عذاب دردناک ہے ف۱ یہ اس لیے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو

اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ یہ اس پر کہ لاتے تھے ان پاس ان کے رسول نشانیاں، پھر کہتے، کیا آدمی

يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا

راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا ف۲ اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا ف۳ دعویٰ کرتے ہیں منکر

ہم کو راہ سوجھائیں گے؟ پھر منکر ہوئے اور منہ موڑا اور اللہ نے بے پروائی کی۔ اور اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا۔ دعویٰ کرتے ہیں منکر

أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ

کہ ہرگز ان کو کوئی نہ اٹھائے گا ف۴ تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بیشک اٹھانا ہے پھر تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر

کہ ہرگز ان کو اٹھانا نہیں۔ تو کہو، کیوں نہیں! قسم ہے میرے رب کی! تم کو بے شک اٹھانا ہے، پھر تم کو جتانا ہے جو تم نے کیا، اور یہ اللہ پر

يَسِيرٌ ⑦ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑧

آسان ہے ف۵ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ف۶ اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے ف۷

آسان ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔ اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔

تقسیم اولاد آدم در قسم مومن و کافر و انکار وحدت قومیہ بلحاظ وطن

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ... الی ... وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورۃ منافقون میں منافقین کے احوال اور ان کی مذموم خصلتوں کا بیان تھا، اس کے ضمن میں ابن ابی منافق کی وہ بات بھی ذکر کر دی گئی تھی کہ ﴿لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ جس کے ذریعے اس منافق نے وطنی عصبیت کو ہوا دینی

=صوفیہ اسے "عالم صغیر" کہتے ہیں۔

ف۱ یعنی تم سے پہلے بہت قومیں "عاد" "ثمود" وغیرہ ہلاک کی گئیں اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ یہ خطاب اہل مکہ کو ہے۔

ف۲ یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتے گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لیے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

(تنبیہ) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل والحاد ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں، تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہوگا۔

ف۳ یعنی اللہ کو کیا پرواہ تھی۔ انہوں نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے ادھر سے نظر رحمت اٹھالی۔

ف۴ رسالت کی طرح بعث بعد الموت کا بھی انکار ہے۔

ف۵ یعنی دوبارہ اٹھانا اور سب کا حساب کر دینا اللہ کو کیا مشکل ہے پوری طرح یقین رکھو کہ یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ کسی کے انکار کرنے سے وہ آنے والی گھڑی ٹل نہیں سکتی۔ لہٰذا مناسب ہے کہ انکار چھوڑ کر اس وقت کی فکر کرو۔

ف۶ یعنی قرآن کریم پر۔

ف۷ یعنی ایمان کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے۔

چاہی تھی اور ایمانی اخوت ووحدت جو انصار و مہاجرین میں قائم ہو چکی تھی، اس کو پارہ پارہ کرنا چاہا تھا تو اس سورت میں نہایت واضح طور سے یہ ہدایت کی جارہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولاد آدم اور تمام انسانوں کو صرف دو قسم میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ تقسیم وطن اور جغرافیہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ عقیدہ کے لحاظ سے ہے ایک قسم برادری اہل ایمان کی ہے وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں خواہ کہیں رہتے ہوں اور کسی بھی خطہ میں بستے ہوں دوسری قسم اور برادری کافروں کی ہے، اسی، اس لیے اب یہ امتیاز و فرق مسلمانوں کو اپنے دلوں سے نکال دینا چاہئے کہ کون عرب ہے کون عجم کون ایرانی اور کون رومی وترکستانی، تو فرمایا:

پاکی بیان کرتی ہیں اللہ ہی کی وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں، اسی کی بادشاہی ہے ہر عالم میں اور اسی کے لیے تعریف ہے اور ہر قسم کی حمد وثناء اور وہی ہر چیز پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے تو جو پروردگار آسمانوں اور زمین کا خالق اور کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور اسی کی ہر عالم میں بادشاہت ہے بلاشبہ اسی لائق ہے کہ ہر چیز اس کی پاکی بیان کرے اور اسی کی حمد وثناء میں مشغول رہے۔ وہی ہے پروردگار اے انسانو! جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی تم میں سے مومن ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔ لہٰذا ایمان لانے والوں کو ان کے ایمان کی جزاء دے گا اور منکر و کافر کو اس کے کفر و نافرمانی پر عذاب دے گا، اصل میں تو ہر انسان کو اپنی عقل سے کائنات کو پہچان کر ایمان لانا چاہئے تھا جب کہ رب العزت نے اس میں یہ جوہر بھی رکھ دیا ہے جس کو اس کی زبان میں "فطرت" کہا جاتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ اس فطرت اور قبول حق کی صلاحیت کو چاہئے تھا کہ قائم رکھتا۔ حالات گرد و پیش سے متاثر نہ ہوتا، یا اغراض ونفس کی خواہشات سے حق تعالیٰ کی حقانیت پہچان کر اپنے کسب واختیار سے گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرتا لیکن جب اس گمراہ انسان نے اپنے ارادہ اور اختیار سے حق کو ٹھکرایا تو سزا کا مستحق بنا جو آخرت میں ضرور اس پر واقع ہو کر رہے گی اور مومن نے حالات کا مقابلہ کیا نفس وشیطان کے گمراہ کن اسباب کو پامال کر کے حق پر استقامت اختیار کی تو بلاشبہ اس کا مستحق ہوا کہ آخرت کی نعمتوں اور راحتوں سے نوازا جائے۔ پیدا کیا ہے اس پروردگار نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک کہ ہر ایک مخلوق اپنی حالت سے اس کی صناعی اور کاریگری کو گواہی دے رہی ہے پھر اس کی تدبیر بھی ایسی صحیح کہ آج تک کسی چیز میں کوئی خلل نہیں اور اے انسانو! تمہاری صورت بنائی پھر اچھا بنایا تمہاری صورتوں کو حتیٰ کہ احسن تقویم میں انسان کو پیدا کیا کہ تمام جانوروں سے اس کی خلقت اچھی ہے دیکھنے میں بھی خوبصورت اور عقلی، اور فکری صلاحیتوں سے نوازا اور اس امتیاز وشرف سے اس کو تمام کائنات پر برتری اور فضیلت عطا کر دی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ﴾ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اس لیے انسان کو اسی کی فکر کرنی چاہئے جو ایمان اور عمل صالح ہے۔ وہ پروردگار جانتا ہے۔ اے انسانو! وہ تمام جو تم چھپاتے ہو اور وہ بھی جو تم ظاہر کرتے ہو اور ظاہر وپوشیدہ کیا؟ اللہ تو جاننے والا ہے دل والی چیزوں کا کہ انسان کے دل میں کس قسم کے عقائد ہیں، کیا خیالات ہیں کیا سوچتا ہے اور کن چیزوں کی طرف میلان ورغبت ہے اور کن چیزوں سے نفرت تو جو

ذات دل کی کیفیات اور احوال سے باخبر ہو وہ انسانوں کے اعمال وافعال سے کیسے بے خبر رہ سکتی ہے اور یہی اعتقاد اصلاح زندگی اور آخرت کی طرف اس کا رخ کرنے کا معیار ہے۔

اور یہ بات محض اعتقادی اور ذہنی ہی نہیں ہے بلکہ تاریخی حقائق وشواہد اس کے گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اور ہر عمل کا بدلہ انسان کے سامنے آکر رہتا ہے، خیر وشر اور ہدایت وگمراہی کے ثمرات تاریخ عالم سے ثابت ہیں کہ ضرور انسان سے مرتب ہوتے ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور ہر عمل پر اس کا ثمرہ ضرور مرتب ہوتا تو اے لوگو! کیا تم کو نہیں پہنچیں خبریں ان لوگوں کی جنہوں نے پہلے کفر کیا۔ جیسے قوم عاد وثمود وغیرہ۔ چنانچہ انہوں نے چکھی سزا اپنے عمل کی اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے جس سے کوئی منکر اور کافر نہیں بچ سکتا۔ یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ ان پہلی امتوں کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں اور معجزات لے کر آئے جس پر انہوں نے کہا کیا ایک بشر ہم کو ہدایت دے رہا ہے اور اللہ کا راستہ دکھانے اور سمجھانے کے لیے ہمارے پاس آیا ہے تو اللہ کے رسول کے بشر ہونے کی وجہ سے انکار کیا اور منہ موڑ لیا ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بشر کی جنس سے کوئی فرد بشر رسول خدا نہیں ہوسکتا اور رسالت وبشریت میں انہوں نے تضاد سمجھا جس سے وہ گمراہی کا شکار بنے اور اللہ ان سے بے نیاز ہوا جب کہ وہ اللہ سے اپنا رخ موڑ چکے تھے اور اللہ تو ہر حال میں بڑا ہی بے نیاز قابل تعریف [1] ہے۔ جس کی کائنات میں مخلوق حمد وثناء کرتی ہے تو اس کو کیا پروا اگر کچھ انسان اپنے اس لغو تخیل کے باعث خدا کے رسول پر ایمان نہ لائیں۔

کافروں نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے اور رسالت کی طرح بعث بعد الموت کے بھی منکر ہیں اے ہمارے پیغمبر ﷺ کہہ دو کیوں نہیں ضرور بالضرور تم کو دوبارہ اٹھایا جائیگا، پھر تم کو بتایا جائے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اللہ پر نہایت ہی آسان ہے تو اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے وہ قرآن کریم ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾۔ اور اللہ خوب جانتا ہے وہ تمام کام جو تم کرتے ہو۔ تو تمہارے ایمان لانے کے بعد جیسے بھی اعمال ہوں گے اسی کے مطابق قیامت کے روز جزا وسزا کا معاملہ ہوگا۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا

جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا ف۱ اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا

جس دن تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو کوئی یقین لاوے اللہ پر اور کرے کام بھلا،

ف۱ یعنی اس دن دوزخی ہاریں گے اور جنتی جیتیں گے۔ ہارنا یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے راس المال بھی کھو بیٹھے اور جیتنا یہ کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے۔

[1] حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں (کسی کا) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل اور الحاد ہے اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم ؑ کے بشر ہونے کا انکار کریں تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہوگا۔ سبحان اللہ تعبیر میں کیسی لطافت اور کس قدر نرمی ہے۔ ان ھذا العلم۔ ۱۲

يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ

اتار دے گا اس پر اس کی برائیاں ف۱ اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی

اتارے اس سے اس کی برائیاں، اور داخل کرے اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں، رہا کریں اس میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ

مراد ملنی ف۲ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں

مراد ملنی۔ اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری آیتیں، وہ ہیں، دوزخ والے، رہا کریں

فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

اسی میں اور بری جگہ جا پہنچے نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بدون حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر

اس میں۔ اور بری جگہ پہنچے۔ نہیں پڑتی کوئی تکلیف بن حکم اللہ کے، اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر،

يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

وہ راہ بتلائے اس کے دل کو ف۳ اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے ف۴ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر

راہ بتادے اس کے دل کو۔ اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر ف۵ اللہ اس کے سوائے کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہئے بھروسہ کریں

تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا کام یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ اللہ! اس بن کسی کی بندگی نہیں۔ اور اللہ پر چاہئے بھروسا کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

ایمان والے ف۶ اے ایمان والو تمہاری بعض جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے ف۷

ایمان والے۔ اے ایمان والو! بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے،

ف۱ یعنی جو تقصیرات ہوئی ہیں ایمان اور نیک کاموں کی برکت سے معاف کر دی جائیں گی۔

ف۲ جو جنت میں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ اللہ کی رضا اور دیدار کا مقام بھی وہی ہے۔

ف۳ دنیا میں کوئی مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں پہنچتی۔ مومن کو جب اس بات کا یقین ہے تو اس پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہرصورت مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے۔ نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی اس طرح اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو صبر و تسلیم کی راہ بتلا دیتا ہے۔ جس کے بعد عرفان و ایقان کی عجیب و غریب راہیں کھلتی ہیں۔ اور باطنی ترقیات اور قلبی کیفیات کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔

ف۴ یعنی جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم و حکمت سے بھیجی، اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلا۔ اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔

ف۵ یعنی نرمی و سختی اور تکلیف و راحت، غرض ہر حالت میں اللہ و رسول کا حکم مانو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود تمہارا نقصان ہے۔ رسول سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض =

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ

سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۱ تمہارے

سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر معاف کرو اور درگذر کرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ تمہارے

اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے ثواب بڑا ف۲ سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے

مال اور اولاد یہی ہیں جانچنے کو۔ اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے نیگ بڑا۔ سو ڈرو اللہ سے جہاں تک سکو۔

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

اور سنو اور مانو ف۳ اور خرچ کرو اپنے بھلے کو ف۴ اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی

اور سنو اور مانو، اور خرچ کرو اپنے بھلے کو۔ اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے، سو وہ لوگ۔ وہی

الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ

مراد کو پہنچے ف۵ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشے ف۶ اور اللہ قدردان ہے

مراد کو پہنچے۔ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا، وہ دونا کر دیگا تم کو، اور تم کو بخشے۔ اور اللہ قدردان ہے

=ادا کر چکا۔ اللہ کو تمہاری اطاعت ومعصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

ف۱ یعنی معبود اور مستعان تنہا اسی کی ذات ہے۔ نہ کسی اور کی بندگی نہ کوئی دوسرا بھروسہ کے لائق۔

ف بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں۔ وہ حقیقۃً اس کے دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہے، بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں، اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لیے باقیات صالحات بنتی ہے۔ "جعلنا اللہ منھم بفضلہ ومنّہ۔"

ف۱ یعنی اگر انہوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو دینی یا دنیاوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہیے کہ تم انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اور ان پر نامناسب سختی شروع کر دو۔ ایسا کرنے سے دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک عقلاً وشرعاً گنجائش ہو ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو ودرگزر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ مال واولاد دے کر تم کو جانچتا ہے کہ کون ان فانی اور زائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی ودائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور وہاں کے اجر عظیم کو یہاں کے حظوظ وملوفات پر ترجیح دی ہے۔

ف۳ یعنی اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہو سکے اس جانچ میں ثابت قدم رہو اور اس کی بات سنو اور مانو۔

ف۴ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔

ف۵ یعنی مراد کو وہی شخص پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچا دے۔ اور حرص وبخل سے محفوظ رکھے۔

ف۶ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دے گا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا۔ اس طرح کا =

حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

تحمل والا ف۱ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا ف۲

تحمل والا۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا، زبردست حکمت والا۔

تنبیہ برفکر آخرت وترغیب ایمان وعمل صالح

ونصیحت برائے صبر واستقامت واطاعت خداوندی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ... الی ... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں ان نافرمانوں پر وعید تھی جو اللہ کے پیغمبر پر ایمان لانے کی بجائے نافرمانی وبغاوت کرتے رہے اور اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے قیامت اور جزاء وسزا کے امور سے جب آگاہ کیا تو ایسے نافرمان اور گستاخ ان باتوں کا انکار وتمسخر کرنے لگے۔ ان مضامین کے بعد اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے قیامت کے احوال بیان فرمائے اور یہ کہ منکرین کا روز قیامت کیا حشر ہوگا اور اہل ایمان کیسی کیسی نعمتوں اور اللہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوں گے، تو ارشاد فرمایا:

جس روز کہ وہ پروردگار تم کو جمع کرے گا۔ سب انسانوں کے جمع ہونے کا دن میدان حشر میں تو وہ دن ہوگا ہارجیت ❶ کا۔ کوئی ذلیل ونا کام اور کوئی کامیاب وسربلند پوری زندگی کی ہارجیت کا منظر انسان بس اسی روز دیکھے گا۔ اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغوں اور محلات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں جو ہمیشہ ان باغوں میں رہنے والے ہوں گے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں تو یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

تو ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسانوں کو چاہئے کہ ہارجیت کے اس دن کی فکر کریں اور وہ کام کریں جس پر کامیابی اور جیت ہو، اور ان کاموں سے بچیں جس سے ذلت ونا کامی اور ہار ہو۔

فيارب وفقنا لما تحب وترضى من القول والعمل والنية وثبتنا على ملة الاسلام توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غير خزايا ولا ندامى ولا مفتونين، امين يا رب العلمين۔

= مضمون پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ وہیں ہم نے پوری تقریر کی ہے۔

ف۱ قدردانی کی بات یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بہت سا ثواب دیتا ہے، اور تحمل یہ کہ گناہ دیکھ کر فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ پھر بہت سے مجرموں کو بالکل معاف اور بہتیروں کی سزا میں تخفیف کرتا ہے۔

ف۲ یعنی اسی کو ظاہری اعمال اور باطنی نیتوں کی خبر ہے اپنی زبردست قوت اور حکمت سے اس کے مناسب بدلہ دے گا۔ تم سورۃ التغابن وللہ الحمد والمنۃ

❶ یہ ترجمہ لفظ تغابن کا کیا گیا، تغابن جو غبن سے مشتق ہے، باب تفاعل کی خاصیت سے اسی معنی کو ادا کر رہا ہے، کیونکہ ہر ایک کو قیامت میں یہی تمنا ہوگی کہ میں دوسرے سے بازی لے جاؤں اور اس کے مقابلہ میں میری جیت ہو جائے، مقاتل بن حیان ؒ سے منقول ہے فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا ہارجیت ہوگی کہ ایک گروہ جنت کی طرف چلا جائے اور دوسرے گروہ کو جہنم میں جھونک دیا جائے۔

ابن عباس ؓ فرماتے تھے کہ یوم التغابن قیامت کا نام ہے اور قیامت کا دن یوم الجمعہ بھی ہے کہ اس روز اولین وآخرین ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ایمان کی حقیقت اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ مومن اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہ بھی یقین رکھے کہ نہیں پہنچتی ہے کوئی مصیبت مگر اللہ ہی کے حکم سے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے قلب کو سیدھا[1] راستہ بتاتا ہے اور اللہ ہر چیز خوب جاننے والا ہے۔ تو جو لوگ تکلیف و راحت اور نرمی و سختی غرض ہر حالت کو اللہ کی ہی طرف سے جانتے ہوئے اسی کے حکم سے فرماں بردار و مطیع رہیں گے، خدا تعالیٰ ان کے اعتقاد و عمل ہر حالت کا خوب علم رکھنے والا ہے اور اس پر بدلہ بھی دینے والا ہے، اے ایمان والو اسی پر قائم رہو اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمیں کوئی نقصان نہ ہوگا اس کا نقصان تو ہر اس شخص پر ہوگا جو روگردانی کرنے والا ہے بس ہمارے رسول پر تو واضح طور سے اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے جب اللہ کے رسول نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تو اس کے بعد عملی ذمہ داری مخاطبین پر عائد رہے گی سو جیسا کچھ بھی عمل کریں گے اس کا ثمرہ سامنے آ جائے گا عمل خیر اور سعادت کی راہ سے بھٹکانیوالی باتوں سے انسان کو بے خبر اور بے فکر نہ ہونا چاہئے اس لیے اے ایمان والو! سن لو یقیناً تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن بھی ہوتے ہیں۔ سو ان سے احتیاط رکھو اگر وہ تم کو راہ راست خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بھٹکانا چاہیں یا ان کی محبت و دلجوئی میں اللہ کے احکام فراموش کر دو، بے شک اس طرح کا طرز اولاد اور بیویوں کا اہل ایمان کے واسطے باعث اذیت و تکلیف ہے لیکن بجائے اس کے کہ تم ان سے قطع تعلق کر لو یا ان کو کوئی تکلیف پہنچاؤ مناسب یہ ہے کہ درگزر کرو اور اگر تم ان ایذاؤں کو دل سے مٹا دو اور درگزر کرو اور معاف کر دو تو بہتر ہے کیونکہ اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے اس بناء پر اگر اولاد و بیویوں میں سے ایسی کوئی بات پیش آئے جس میں تمہاری حق تلفی ہے تو اس پر بجائے برافروختہ ہونے کے درگزر اور عفو ہی بہتر ہے مگر پھر بھی یہ بات نہ بھلانا بے شک تمہارے مال اور اولاد تمہارے واسطے ایک آزمائش ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے تو جو لوگ اس آزمائش میں کامیاب ہوں تو بس اللہ تو ایسا رحیم و کریم ہے کہ اس کے یہاں بڑا ہی عظیم ثواب ہے۔ خدا کی آزمائش میں کامیابی اور اجر عظیم کا استحقاق اسی میں مضمر ہے کہ بس اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور اس کے احکام سنتے رہو اور اطاعت و فرماں برداری کرتے رہو اور بدنی عبادات و حقوق کی تکمیل کے ساتھ کچھ خرچ بھی کرو اللہ کی راہ میں اپنے ہی فائدہ کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ سے روکنے والی خصلت مال کی محبت و لالچ ہے جو انسان کو ایسی سعادت سے محروم کر دینے والی بدترین خصلت ہے اس لیے ہر انسان کو چاہئے کہ اس مذموم خصلت

[1] ﴿وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ﴾ کی تفسیر میں اعمش رحمہ اللہ ابو ظبیان رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم علقمہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے جب یہ آیت پڑھی، تو ان سے اس کے معنی دریافت کیے گئے، فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو یقین کرے کہ یہ تقدیر خداوندی سے ہے۔ اور اس پر راضی ہو صبر و سکون اختیار کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں یہ یقین کرے کہ قضا الٰہی کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہدایت قلب کے معنی یہ ہیں کہ اس پر ثواب کی امید رکھے اور بعض ائمہ فرماتے کہ ﴿يَهْدِ قَلْبَهُۥ﴾ ہر نقصان اور مصیبت پر ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ﴾ پڑھنا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا عجیب حال ہے مومن کا جو بھی قضا و قدر سے اس پر پیش آتا ہے اس کو اس چیز میں اجر و ثواب ہی ملتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو اس پر بھی اجر و ثواب ہے اور اگر کوئی راحت و نعمت حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے غرض مومن ہر طرح سے خیر ہی خیر کماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ صحیحین)

سے اپنے آپ کو پاک رکھے اور حقیقت یہی ہے جو لوگ اپنے آپ کو نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچالیں تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ہرگز کسی کو یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ اس کے مال میں کمی آجائے گی بلکہ یہ تو اللہ کو قرضہ حسنہ دینا ہے اگر تم اللہ کو دو گے اچھی قرض دینا خوش دلی اور اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے گا تمہارے واسطے اور مغفرت کرے گا۔ تمہارے لیے تمہاری ان کوتاہیوں کی جو عبادات اور فرائض کی ادائیگی میں تم سے ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ تو بڑا ہی قدردان ہے حلم و درگزر والا کہ معمولی چیز کو بھی نظر کرم سے قبول فرمالے اور اس قلیل مقدار پر اجر عظیم عطا فرمادے کہ ایک نیکی کو دس گنا سے سات سو تک پہنچادے اور کبھی صدقہ کی ایک کھجور پہاڑ کے برابر بنادے جیسے کہ حدیث میں ارشاد ہے اگر بندہ حلال اور پاک کمائی سے صدق دل سے ایک کھجور بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر اس کی نشوونما فرماتا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالے یہاں تک یہ وہ ایک کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے کس کی کھجور پہاڑ کے برابر ہو سکتی ہے اور کس کی اس مقام سے کم رہتی ہے، یہ سب کچھ اللہ رب العزت کے حوالہ ہے وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ظاہری اعمال اور باطنی احوال کی اس کو خبر ہے، اس کے مطابق ثمرات اعمال اور جزائیں بندوں کو عطا کی جاتی ہیں اور ہر ایک کو جو کچھ دنیوی اور اخروی جزا دی جاتی ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتی ہے لہٰذا اس تصور کی گنجائش نہیں کہ کسی کو کیا بدلہ ملا اور کسی کو کیا نہیں ملا جس کو جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اس کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے۔

دنیاوی زندگی میں مصائب کا راز اور ان پر صبر کی تلقین

آیت مبارکہ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے ایک وعظ رفع الموانع میں عجیب حقائق اور لطائف بیان فرمائے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی ایک یادداشت سے ناچیز نقل کرتے ہوئے حضرات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے، فرماتے ہیں:

ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے موانع طریق کو بیان فرمایا ہے یعنی جو چیزیں خدا کے راستہ سے روکنے والی اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں ان کی اجمالی فہرست اس رکوع میں بیان فرمائی اور فقط موانع کے بیان پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ساتھ ساتھ ان کا علاج بھی مذکور ہے اور قرآن کریم میں یہ خاص بات ہے کہ جہاں امراض کا ذکر ہے وہاں اس کا علاج اور اس کی دوا بھی مذکور ہے موانع کی جزئیات تو بیشمار ہیں لیکن وہ موانع باوجود تعدد اور تکثر جزئیات، دو امر کلی میں منحصر ہیں۔

اول "ضرا" یعنی جو حالت انسان کو ناگوار ہے دوسرے "سرا" یعنی جو حالت انسان کو گوارا اور باعث مسرت ہے لیکن یہ دونوں حالتیں بھی مطلقاً مانع نہیں بلکہ قید افراط کے ساتھ مانع ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس پر سرا یا ضراء میں کم وبیش ایک نہ ایک حالت کا عروض علی سبیل التعاقب والتناوب نہ رہتا ہو لیکن بعض مرتبہ قلب اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے اور بعض مرتبہ جب سراء اور ضراء کی حالت زیادہ ہوتی ہے تو قلب کو اپنی طرف مشغول

کر لیتی ہے بس یہی دوسری حالت مانع طریق ہے اس لیے کہ جو شے کم ناگوار ہو یا کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی البتہ جو حالت زیادہ گوارا ہو یا زیادہ ناگوار ہو وہ مانع ہوتی ہے جو حالت زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے اور جو حالت زیادہ ناگوار ہو اس کا نام مصیبت ہے پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں اور انکی ذات مانع نہیں بلکہ مصیبت اور نعمت کا درجہ مانع ہے جس سے قلب متاثر ہو یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا وہ یہ کہ جب مصیبت اور نعمت مانع ہیں تو انبیاء اور اولیاء کے حق میں بھی مصائب اور نعم مانع ہونے چاہئیں، اس لیے کہ انبیاء اور اولیاء پر مصائب بھی بہت آئے جیسا کہ حدیث میں ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔ اور اسی طرح حضرات انبیاء پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائض ہوتی ہیں، کما قال تعالیٰ ﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ لہٰذا اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لیے بھی شاغل ہوں گی جواب یہ ہے کہ مصیبت اور نعمت کی ذات شاغل نہیں بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو مصائب اور نعم سے ایسا تاثر نہیں ہوتا کہ ان کو خدا سے غافل کر دے۔ الحاصل دو چیزیں حضرت حق کے مانع ثابت ہوئیں ایک مصیبت اور ایک نعمت ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾ میں مصیبت کا مانع ہونا اور اس کا علاج مذکور ہے وہ یہ کہ تم اعتقاد رکھو کہ ہر چیز اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے وہ مالک علی الاطلاق ہے ہم کو کسی چوں و چرا اور اعتراض کا حق نہیں جب یہ اعتقاد قلب میں راسخ ہو جاوے تو مصیبت کی شدت قلب کو ہرگز از جارفتہ نہ کرے گی آگے ارشاد ہے ﴿وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ﴾ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو علاج کی ہدایت فرما دیتے ہیں یعنی یہی نسخہ کیمیا اثر استعمال کر کے دیکھو تو کیسا فائدہ ہوتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا﴾ آگے ارشاد ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيۡمٌ﴾ یعنی ہر شئے کو جانتا ہے پس یہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں سعی کرتا ہے اور کون نہیں یہاں تک تو حق تعالیٰ نے خاص مرض مصیبت کے مانع طریق ہونے کا ایک خاص نسخہ تجویز فرمایا وہ یہ کہ مراقبہ کیا کرو کہ ہر مصیبت اللہ کی ہی طرف سے ہے آگے ایک عام نسخہ کا ذکر ہے، جس میں مریض اور تندرست سب شریک ہیں یعنی ﴿وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ اور ﴿اَطِيۡعُوۡا﴾ کا کوئی متعلق ذکر نہیں فرمایا جس سے بقاعدۂ بلاغت عموم مستفاد ہوتا ہے یعنی تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور امر کو بجالاؤ اور معاصی سے پرہیز کرو۔ ﴿فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ﴾ یعنی ہم نے جو تمہارے مرض کا علاج اپنے رسول ﷺ کی معرفت تجویز کیا ہے اگر کسی نے اس خاص یا عام نسخہ کے استعمال سے اعراض کیا تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ تم کو دوا اور پرہیز بتلادیں، نسخہ کا استعمال اور پھر شفاء اور صحت طبیب کے ذمہ نہیں طبیب کا یہی بہت بڑا احسان ہے کہ وہ تم کو دوا بتلا دے یہ ان لوگوں کا بیان تھا کہ جنہوں نے ابھی تک نسخہ کا استعمال نہیں کیا، آگے ان لوگوں کا بیان ہے کہ جو نسخہ استعمال کر رہے ہیں، ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ یعنی ان لوگوں کو اپنے علاج پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اللہ پر نظر رکھنی چاہئے اور نہ علاج کے ثمرات کا منتظر رہنا چاہئے بعض مرتبہ مجاہدہ اور ریاضت سے عجب اور ناز پیدا ہو جاتا ہے اس آیت میں اس کے دفعیہ کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں تک مصیبت کے متعلق بیان تھا آگے نعمت کے متعلق ارشاد ہے، ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ یعنی اے ایمان والو! تمہاری بیبیوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، پس تم ان سے احتیاط رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو اپنے اندر مشغول کر کے راہ حق سے ہٹا دیں، نعمتیں اگرچہ بہت ہیں، لیکن دنیا میں انسان کو اولاد اور ازواج بہت محبوب ہوتی ہیں اس لیے بالتخصیص ان کا ذکر فرمایا اور ان کا مانع ہونا دو طریق سے ہے اول تو یہ کہ اولاد اور ازواج ایسی فرمائشیں کریں جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہو اور یہ مغلوب ہو کر ان کا ارتکاب کرے، دوم یہ کہ وہ خود ان کی محبت میں اس قدر مغلوب ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے رک جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کبوتر کے پیچھے بھاگا جاتا تھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، الشیطان یتبع الشیطانۃ یعنی ایک شیطان ایک شیطان کے پیچھے جا رہا ہے اس کو شیطانہ اس لیے فرمایا کہ اس کے حق میں تو اس نے شیطان ہی کا کام دیا کہ اس کو ذکر اللہ سے غافل کر دیا پس ایسے ہی وہ اولاد اور ازواج اس محبت کے حق میں بلا قصد عدو بن گئے کہ وہ ان کی محبت میں ایسا منہمک ہوا کہ اپنے اصلی کام کو بھول گیا پس مانع انہماک فی المحبت ہوا اور بعض مرتبہ غیر اللہ کی محبت میں انہماک شرک کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ اور چونکہ ایمان لانا احبیت کے اقرار کو مستلزم ہے اس لیے آگے ارشاد ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ یعنی جو ایمان لے آیا وہ تو رجسٹری شدہ محب اور عاشق ہے پھر غیر اللہ پر نظر ڈالنا سراسر غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ اور چونکہ مال بھی نعمت کا ایک فرد ہے اس لیے حب مال کے متعلق آئندہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ اور چونکہ اولاد کا فتنہ زیادہ سخت ہے اس لیے اولاد کو مال کے ساتھ مکرر فرمایا نیز یہ کہ مال کی محبت کا منشاء بھی اکثر اولاد ہی ہوتی ہے اس لیے مال اور اولاد دونوں کو ملا کر ذکر فرمایا اور محبت کے دو درجے ہیں ایک محبت لاداء الحقوق یہ مستحسن ہے، دوسری محبت لتحصیل الحظوظ اگر حدود شرعیہ کے اندر ہو تو پھر ممنوع اور مذموم نہیں اور فتنہ کے معنی یہاں وہ نہیں جس کو عام لوگ فتنہ اور فساد کہتے ہیں، بلکہ فتنہ کے معنی امتحان کے ہیں، یعنی مال اور اولاد تمہارے لیے امتحان کی چیز ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ مشغول ہوتے ہو یا ہمارے ساتھ اور جو امتحان میں کامیاب ہوا تو اس کے واسطے اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

یہاں تک موانع کی فہرست مکمل ہو گئی وہ کل تین چیزیں ہوئیں ایک مصیبت اور نعمت کے دو فرد ایک اولاد و ازواج اور ایک مال اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان کی مانعیت افراط فی المحبت اور تاثر قلبی کی وجہ سے ہے اور یہ امر اختیاری نہیں تو اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ الآیۃ، یعنی جتنا بچنا تمہاری استطاعت اور قدرت میں ہے اس میں کمی نہ کرو یعنی جو حکم تم کو دیا جائے اس کو گوش ہوش سے سنو اور اس پر عمل کرو اور شریعت نے جو دستور العمل تمہارے لیے تجویز کیا ہے اس کے پابند رہو اور چونکہ مال انسان کو بالطبع محبوب ہے، اس لیے تقویٰ کے افراد میں سے انفاق فی سبیل اللہ کو اہتمام شان کے لیے مستقلاً علیحدہ ذکر فرمایا ﴿وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ﴾ یعنی اپنے نفسوں کے لیے مال خرچ کرو اور ﴿لِّاَنْفُسِكُمْ﴾ اس لیے فرمایا کہ اس انفاق کا نفع تمہاری ہی طرف عائد ہوگا اور اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے۔

﴿وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ یعنی جو شخص نفس کی حرص سے بچا لیا جائے یعنی اس کے نفس

میں ایسی ساحت پیدا ہو جائے کہ مال کی محبت اور غیر اللہ کا تعلق اس میں باقی نہ رہے تو سمجھ لو کہ ان لوگوں کو فلاح اور کامیابی حاصل ہوگئی اور یوق، بصیغہ مجہول میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وقایت یعنی نگہداشت تمہارا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے بچانے والے ہم ہیں تم اپنے اس مجاہدہ پر ناز نہ کرنا، مقصود تک پہنچانا ہمارا کام ہے نفس میں جب تک شح اور حرص باقی نہ رہے مجاہدہ میں لگے رہو ایک لحہ کے لیے مطمئن نہ ہو اور چونکہ نفس بالطبع حریص واقع ہوا اس لیے کسی چیز کے چھوڑنے پر اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک اس کو کسی بڑی چیز کی حرص نہ دلائی جائے، اس لیے آئندہ آیت میں اخروی نعمتوں کی حرص دلاتے ہیں تاکہ دنیا کی حرص چھوڑ دے۔ ﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ﴾ اور دوسرے مقام پر ﴿اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ آیا ہے اور حدیث میں سات سو تک مضاعفت آئی ہے، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں، غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے اور انعامات خداوندی کی حرص محمود ہے، ﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے قدر دان ہیں اور بہت حلم والے ہیں اور وہ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ہیں اخلاص اور ریاء اور اپنے عمل پر ناز کو خوب جانتے ہیں اس لیے وہ عزیز یعنی زبردست ہیں، یعنی ناز کرنے والوں کا ناز توڑ دیتے ہیں اور بعض مرتبہ ریاء اور عجب کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے وہ حکمت پر بھی مبنی ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اس تاخیر میں بھی حکمت ہے۔

(ملخص از رفع الموانع وعظ نمبر ۲ سلسلہ تبلیغ)

(از افاضات والد محترم قدس اللہ سرہٗ)

سورۃ الطلاق

اس سورت میں احکام طلاق اہمیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں اس وجہ سے اسی نام سے اس کو بارگاہ رسالت سے موسوم فرمایا گیا۔

ابتداء سورت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ شریعت نے طلاق واقع کرنے کا طریقہ کس طرح متعین فرمایا ہے جس کے ضمن میں فقہاء طلاق بدعی اور طلاق سنی کی قسموں کا ذکر فرمایا کرتے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ طلاق دینے کی نوعیت ایسی ہو کہ خود اس سے ظاہر ہو جائے کہ مجبوراً اس کے لیے قدم اٹھایا گیا ہے وقتی جوش یا جذبات یا محض مغلوب الغضب ہو کر طلاق نہیں دی گئی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق ایک طہر میں دی جائے اور ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک جذبات اور غیظ وغضب اگر عارضی ہیں تو شدت باقی نہیں رہا کرتی جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آ جائے گی۔

اسی کے ساتھ احکام عدت اور نفقہ وسکنیٰ کا بھی بیان ہے، طلاق وعدت اور نفقہ وسکنیٰ کے مسائل کے درمیان بار بار اللہ کے تقویٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے کبھی ترغیب کے رنگ میں اور کبھی ترہیب کی صورت میں تاکہ کسی طرح بھی ظلم اور حق تلفی کا ارتکاب نہ ہو اور اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ اللہ کی حدود سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ معاشرت کو ہر خرابی سے بچانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر ف۱ اور گنتے رہو عدت کو ف۲ اور ڈرو اللہ سے

اے نبی! جب تم طلاق دو عورتوں کو، تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر، اور گنتے رہو عدت۔ اور ڈرو اللہ سے

رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ

جو رب ہے تمہارا مت نکالو ان کو ان کے گھروں سے ف۳ اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بےحیائی ف۴

جو رب ہے تمہارا۔ مت نکالو اُن کو ان کے گھروں سے، اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو کریں صریح بےحیائی۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ

اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا ف۵ اس کو خبر نہیں ف۶ شاید اللہ

اور یہ حدیں ہیں باندھیں اللہ کی۔ اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا۔ اس کو خبر نہیں شاید اللہ

يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ

پیدا کر دے اس طلاق کے بعد نئی صورت ف۷ پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو دستور کے موافق یا چھوڑ دو ان کو

نیا نکالے اس پیچھے کچھ کام۔ پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو دستور سے یا چھوڑ دو ان کو

ف۱ نبی کو مخاطب بنا کر یہ ساری امت سے خطاب ہے۔ یعنی جب کوئی شخص (کسی ضرورت اور مجبوری سے) اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ عدت پر طلاق دے۔ سورۃ "بقرہ" میں آچکا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں (کما ھو مذھب الحنفیہ) لہٰذا حیض سے پہلے حالت طہر میں طلاق دینا چاہیے تاکہ سارا حیض گنتی میں آئے اگر فرض کیجیے حالت حیض میں طلاق دے گا تو دو حال سے خالی نہیں۔ جس حیض میں طلاق دی ہے اس کو عدت میں شمار کریں گے یا نہ کریں گے۔ پہلی صورت میں ایقاع طلاق سے پہلے جس قدر وقت حیض کا گزر چکا وہ عدت میں سے کم ہو جائے گا۔ اور پورے تین حیض عدت کے باقی رہیں گے۔ اور دوسری صورت میں جب موجودہ حیض کے علاوہ تین حیض لیں گے تو یہ حیض تین سے زائد ہوگا۔ اس لیے مشروع طریقہ یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے اور حدیث سے یہ قید بھی ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔

ف۲ یعنی مرد و عورت دونوں کو چاہیے کہ عدت کو یاد رکھیں۔ کہیں غفلت و سہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑبڑ نہ ہو جائے۔ نیز طلاق ایسی طرح دیں کہ ایام عدت کی گنتی میں کمی بیشی لازم نہ آئے۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں بتلایا جا چکا ہے۔

ف۳ یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شریعت کی پابندی رکھنی چاہیے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے اور تین طلاقیں ایک دم نہ ڈالی جائیں اور مطلقہ عورت کو اس کے رہنے کے گھر سے نہ نکالا جائے۔ وغیر ذلک۔

ف۴ یعنی عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں۔ کیونکہ یہ سکنیٰ محض حق العبد نہیں کہ اس کی رضا سے ساقط ہو جائے بلکہ حق الشرع ہے، ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں یا بقول بعض علماء زبان درازی کریں اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو نکالنا جائز ہے اور اگر بے وجہ نکلیں گی تو یہ خود صریح بے حیائی کا کام ہوگا۔

ف۵ یعنی گنہگار ہو کر اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہوا۔

ف۶ "لاتدری" کا ترجمہ "اس کو خبر نہیں" بصیغہ غائب کیا ہے تا معلوم ہو جائے کہ خطاب اسی طلاق دینے والے کو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں۔

ف۷ یعنی شاید پھر دونوں میں صلح ہو جائے اور طلاق پر ندامت ہو۔

بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ

دستور کے موافق ف۱ اور گواہ کرلو دو معتبر اپنے میں کے ف۲ اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے ف۳ یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائے گا جو

دستور سے، اور گواہ کرلو دو معتبر اپنے میں کے اور سیدھی کہو گواہی اللہ کے واسطے۔ یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائے گا جو

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ

کوئی یقین رکھتا ہوگا اللہ پر اور پچھلے دن پر ف۴ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کا گزارہ ف۵ اور روزی دے اس کو

کوئی یقین رکھتا ہوگا اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے، وہ کر دے اس کا گزارہ اور روزی دے اس کو

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ

جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو ف۶ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو کافی ہے تحقیق اللہ پورا کرلیتا ہے اپنا کام اللہ نے

جہاں سے اس کو خیال نہ ہو۔ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر، تو وہ اس کو بس ہے۔ اللہ مقرر پورا کرلیتا ہے اپنا کام۔ اللہ نے

اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۳

رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ ف۷

رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔

ف۱ یعنی طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو تم کو دو باتوں میں ایک کا اختیار ہے۔ یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دو یا عدت منقضی ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کردو۔ مطلب یہ ہے کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب، ہر حالت میں آدمیت اور شریعت کا برتاؤ کرو۔ یہ بات مت کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواہ مخواہ تطویل عدت کے لیے رجعت کرلیا کرو۔ یا رکھنے کی صورت میں اسے ایذاء پہنچاؤ اور طعن و تشنیع کرو۔

ف۲ یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرے تا کہ لوگوں میں متہم نہ ہو۔

ف۳ یہ گواہوں کو ہدایت ہے کہ شہادت کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں، سچی اور سیدھی بات کہنی چاہیے۔

ف۴ زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ قرآن نے جابجا وحشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اور نکاح و طلاق کے حقوق و حدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی۔ بالخصوص اس سورت میں منجملہ دوسری حکیمانہ ہدایات و نصائح کے ایک نہایت ہی جامع مانع اور ہمہ گیر اصول ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کو رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو۔ اور چھوڑ دو تب بھی معقول طریقہ سے چھوڑ دو لیکن ان زریں نصیحتوں سے منتفع وہ ہی شخص ہو سکتا ہے جس کو خدا اور یوم آخرت پر یقین ہو۔ کیونکہ یہ ہی یقین انسان کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ اور اسی ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک کمزور عورت بخت و اتفاق سے ہمارے قبضہ و اقتدار میں آئی ہے، ہم سب کسی قہار ہستی کے قبضہ و اقتدار میں ہیں۔ یہ ہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ہر حالت میں ظلم و تعدی سے روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ابھارتا ہے۔ اسی لیے سورۃ ہذا میں خصوصی طور پر اتقاء (پرہیزگاری اور خدا کے خوف) پر بہت زور دیا گیا ہے۔

ف۵ یعنی اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی بہرحال تعمیل کرو۔ خواہ کتنی ہی مشکلات و شدائد کا سامنا کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔ اور سختیوں میں بھی گزارہ کا سامان کر دے گا۔

ف۶ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بے قیاس و گمان روزی ملتی ہے گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت ہاتھ آتی ہے اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی سختی سختی نہیں رہتی، اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہوجاتی ہیں ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑلیں تو ان کو کافی ہوجائے۔

ف۷ یعنی اللہ پر بھروسہ رکھو، محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں۔ جو کام اسے کرنا ہو، وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی =

احکام طلاق وعدت نفقہ وسکنیٰ وتاکید تقویٰ وتنبیہ برتجاوز از حدود خداوندی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ... الی... لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ چند سورتوں میں عقائد وایمانیات کا ذکر تھا، اللہ رب العزت کی عظمت وپاکی بیان کی گئی اور اس کی ذات وصفات کا مختلف اسلوبوں سے تعارف کرایا گیا جس کے ساتھ کچھ احکام عبادات سے بھی متعلق بیان کیئے گئے تو اب اس سورت میں معاملات ومعاشرت کے بعض اہم اصول واحکام ذکر فرمائے جارہے ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ خاندانی منازعت اور جھگڑے بسا اوقات طلاق کی نوبت تک پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح کی خصومت اور جھگڑے انسان کے دین اور ایمان کو تباہ وبرباد کردینے والی چیز ہیں اس بناء پر بالخصوص اس سورۃ مبارکہ میں احکام طلاق وعدت اہمیت سے بیان کئے گئے تاکہ معاشرہ ان برائیوں سے پاک رہے فرمایا۔

اے ہمارے نبی ﷺ! جب تم اور تمہاری امت کے لوگ طلاق دو اپنی عورتوں کو تو طلاق دیا کرو ان کو ● ان کی عدت پر اور اس وقت پر جو طلاق دینے کا وقت متعین کیا گیا ہے اور احاطہ کرو عدت کا۔ اس کی حفاظت کرتے ہوئے اور اس کو مکمل طور پر گنتی میں پورا کرتے ہوئے۔

=مشیت کے تابع ہیں۔ ہاں ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے۔ اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

● عدت طلاق کا عنوان دو معنی پر مشتمل ہے ایک طلاق دینے کا وقت یعنی جس وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے طلاق دینے کی اجازت دی ہے نہ کہ ایسا وقت کہ اس میں طلاق دینے سے منع کیا گیا اور وہ زمانہ حیض ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے، ایام حیض میں طلاق دینا خلاف سنت اور معصیت ہے (جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے) ایام طہر میں طلاق دینے کا زمانہ اس وجہ سے متعین کیا گیا کہ یہ ظاہر ہوجائے کہ واقعۃً طلاق مجبوری ہی کی بناء پر دی گئی یہ نہیں کہ کوئی وقتی جذبہ مثلاً ایام حیض کا ہونا اس میں دخیل ومؤثر ہے، یہ تو عدت کا مفہوم ہوا طلاق دینے کے لحاظ سے دوسرا مفہوم عدت کا وہ زمانہ عدت ہے جس کو سورۃ بقرہ میں بیان فرمایا گیا۔ ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ وہ عدت طلاق حضرات حنفیہ کے نزدیک تین حیض ہیں تو اس صورت میں ان تین حیضوں یعنی عدت طلاق کا احصاء (احاطہ وتحفظ) اسی صورت سے ہوسکتا ہے کہ حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے تب ہی تو وہ پورا شمار ہوسکتا ہے ورنہ اگر حیض میں طلاق دی گئی تو تین حیض کی تحدید واحصاء ممکن نہ ہوسکے گا، کیونکہ اگر اس حیض کو بھی شمار کیا گیا تو لامحالہ تین مکمل حیض سے کم زمانہ رہ جائے گا اور اگر اس کے علاوہ تین حیض مزید شمار کیے گئے تو یقیناً عدت تین حیض سے زیادہ ہوجائیگی تو اس طرح عدت کی حفاظت صرف اسی صورت سے ہوگی کہ طلاق طہر میں دی جائے اور یہی طلاق سنی ہے تو ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں اگر لام کو ظرفیت پر محمول کرو تو ترجمہ یہ ہوگا "طلاق دو ان عورتوں کو طلاق دینے کے وقت اور اگر لام کو اجلیہ یعنی بیان وجہ کے معنی پر محمول کرو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا طلاق دو ان عورتوں کو (طہر میں) عدت میں احاطہ اور اس کے شمار کی وجہ سے (تاکہ وہ پورے تین حیض ہوسکیں)

شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے اس وجہ سے اس پر حدود اور قیود ایسی نازل کی گئیں کہ حتی الامکان اس کی نوبت نہ آسکے۔

احادیث میں ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنی ذریت کو دنیا کے گمراہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے، جب اس کی ذریت دنیا کو مختلف طریقوں سے گمراہ کرکے واپس آتی ہے اور ہر ایک ابلیس اعظم کو اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے تو ہر ایک کی کاروائی سن کر ابلیس کوئی خاص خوشی کا اظہار نہیں کرتا، اخیر میں ایک شطونگڑا جو اپنے بارے میں یہ سمجھ کر ایک کنارہ پر تھا کہ میں نے کوئی خاص کام انجام نہیں دیا نہ چوری کرائی نہ قتل وبدکاری جب اس نے اخیر میں یہ کہا کہ میں ایک عورت اور مرد کے درمیان پر گیا ان میں لڑائی کرائی حتی کہ طلاق تک نوبت پہنچادی تو اس سے فارغ ہوکر اب آیا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابلیس اعظم اس شیطان کو فرط مسرت سے اپنے ساتھ چمٹالے گا اور کہے گا "نعم انت" کہ تو بہت اچھا ہے یا اگر اس لفظ کو نعم انت پڑھیں تو معنی یہ کہ ہاں بس شیطان تو ہی ہے۔ ۱۲

اور اے مسلمانو! ڈرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے طلاق دینے میں اور عدت کے معاملہ میں اس لیے نہ تو حیض میں طلاق دو اور نہ تین طلاقیں بیک وقت دو اللہ سے ڈرتے ہوئے احکام شریعت کی پابندی کرو اور نہ نکالو تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنے گھروں سے کہ ان پر زیادتی کرو یا ان کے نان ونفقہ کی تکمیل نہ کرو جس کے باعث وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوں اور ظاہر ہے کہ ان کے گھر خاوند ہی کے گھر ہیں اور عدت چونکہ احکام نکاح سے متعلق ایک حکم ہے اسی وجہ سے زمانہ عدت میں عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی اور نہیں نکلیں گی یہ عورتیں اپنے گھروں سے مگر یہ کہ یہ ارتکاب کریں گی ایک کھلی بے حیائی کا۔ کیونکہ ایام عدت میں عورت پر لازم ہے کہ گھر ہی میں رہے لہٰذا اس کا باہر نکلنا خدا کے صریح حکم کی نافرمانی کرنا ہوگا، جو ایک کھلی ہوئی بے حیائی ہے، اور یہ بھی ہے کہ سکنیٰ محض حق العبد نہیں کہ جس طرح انسان اپنی مرضی سے اپنے حقوق ساقط کرسکتا ہے قرضہ معاف کرسکتا ہے اسی طرح کوئی عورت اپنی مرضی سے یہ سمجھے کہ میرے واسطے گنجائش ہے کہ میں اپنا حق ساقط کردوں نہیں بلکہ یہ حق اللہ ہی کا ہے اور اس کو نظر انداز کردینا بلاشبہ اللہ کی معصیت ونافرمانی بھی ● ہے اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں جن کی پابندی لازم ہے اور جو شخص اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے بڑھا تو بے شک اس نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا وہ نہیں ❷ جانتا جبکہ وہ کسی داعیہ اور تقاضہ کے باعث اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ رہا ہے۔ شاید اللہ اس کے واسطے اس طلاق

● یہ ترجمہ اور توضیح قاضی ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کی تحقیق کی مطابق ہے بعض مفسرین اس لفظ فاحشہ کو بدکاری وغیرہ جیسے معنی پر محمول کرکے یہ تاویل کرتے ہیں کہ باعتبار امکان یہ کہا گیا کہ ممکن ہے کہ باہر کی آمد ورفت اگر آزاد ہو اور ادھر یہ کہ خاوند موجود نہیں مطلقہ ہو چکی ہے تو اس امر کا امکان ہے تو یاتین کا ذکر محض امکان واحتمال کی تقدیر پر ہے لیکن اس معنی پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں اسی وجہ سے پہلے ہی مفہوم کو ترجمہ کے توضیحی کلمات میں متعین کردیا گیا بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ﴿إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ کا استثناء "ولا یخرجن" کے مضمون سے ہے اور فاحشہ سے عرفی فاحشہ مراد نہیں بلکہ بدزبانی، مزاج کی تیزی اور لڑائی جھگڑا مراد ہے جیسا کہ بعض عورتوں کا مزاج ہوتا ہے تو اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے وہ عورتیں گھروں سے باہر نکلیں بلکہ ان کا یہ استحقاق ہوگا اور ان کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے خاوند ہی کے گھر میں عدت گزاریں ہاں البتہ اگر وہ بدکلامی اور بدمزاجی کا ارتکاب کریں اور لڑائی جھگڑا کرنے لگیں تو پھر ان کے واسطے سکنیٰ اور ایام عدت میں رہائش کا مسئلہ زوج کے ذمہ ضروری نہ رہے گا یہ تو اس صورت میں ہے کہ مطلقہ عورت کوئی لڑائی جھگڑا یا بدکلامی اور بداخلاقی کی مرتکب نہ ہوں تو اب، اتیان بفاحشۃ کی ہی صورت ہوگی۔ ۱۲

❷ لا تدری کو صیغہ مخاطب پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ لا تدری کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی بھی ظالم نفس نہیں جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے واسطے کیا صورت ظاہر ہونے والی ہے یہ تو قضاء وقدرت کا طے کردہ نظام ہے، تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن میں لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا کی تفسیر میں یہ بیان کیا۔ ای لو وقع فی قلب الزوج مراجعتها بعد الطلقة والطلقتین وهذا یدل علی ان المستحب ان یفرق الطلاق الثلث ولا یوقع الثلث دفعة واحدة حتی اذا ندم امکنه المراجعة یعنی اس کے بعد اللہ کی طرف سے کسی امر کے پیدا ہونے کی توقع کی صورت یہ ہے کہ اللہ اس کے دل میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کا خیال ڈال دے جب کہ وہ ایک یا دو طلاق دے چکا ہے اور یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ مستحب یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک دفعہ نہ دی جائیں بلکہ ان کو متفرق اوقات میں ایک ایک کرکے دیا جائے، تاکہ وقتی جذبات کے دور ہونے پر اگر وہ نادم ہو تو رجوع کرنا ممکن رہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ کی اس تفسیر سے اور قرآن کریم کے الفاظ کی صریح دلالت سے یہ ظاہر ہوا کہ تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہوتی ہیں۔ اگر تین طلاقیں دینے سے ایک ہی واقع ہوتی تو طلاق رجعی کی طرح اس سے بھی رجوع ہوجاتا اور اس صورت میں ندامت اور پچھتانے کا کوئی مسئلہ نہ پیدا ہوتا بہر کیف تین طلاقوں کے بعد کا قطعی طور پر شوہر پر حرام ہوجانا ایک اجماعی مسئلہ ہے جس پر کل صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ تابعین کا اتفاق ہے اور یہ کہ جب تک کسی اور سے نکاح کرکے مطلقہ نہ ہوجائے یا ایسی صورت ہو کہ اس مطلقہ ثلثہ نے جب شخص سے نکاح کیا اس کی وفات ہوجائے تو پھر عدت کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے اور اس کی کی تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی۔ ۱۲

دے دینے کے بعد کوئی اور صورت پیدا کردے اس لیے یہ بات درست نہیں کہ حدود خداوندی کی خلاف ورزی کرے بلکہ اس کو چاہئے کہ احکام شریعت کی اتباع کرے خواہ اس میں کسی بھی قسم کی تکلیف کا وقتی طور پر سامنا کرنا پڑے اور اس کے ساتھ انتظار کرے اللہ کی طرف سے پیدا ہونے والی کسی اور صورت کا پھر جب وہ عورتیں پہنچ جائیں اپنی مدت کو ایام عدت پورے ہو جانے کی وجہ سے تو رکھ لو ان کو بھلے طریقہ سے اگر طلاق رجعی ہونے کی صورت میں ان سے رجوع کرنا چاہتے ہو۔ یا ان کو چھوڑ دو بہتر طریقہ سے کہ نہ روکنے میں ستانے کی صورت ہو اور نہ چھوڑنے میں ظلم وتعدی ہو اور گواہ بنا لیا کر دو عادل شخصوں کو اپنے میں سے تاکہ کسی قسم کی تہمت یا زیادتی کا امکان نہ رہے، رجوع کرنا ہو تو اس پر گواہ بنالو جس کے بعد اس مطلقہ رجعیہ کو رکھنے پر کوئی شخص معترض نہ ہو اور اگر بائنہ کر دیا تو اس پر گواہ بنالو تاکہ عورت عدت کے بعد جب دوسرا نکاح کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے۔

اور صحیح قائم رکھو شہادت کو اللہ کے واسطے اس لیے گواہ جب واقعہ کی گواہی دیں تو صداقت اور صفائی سے اصل واقعہ پیش کریں اے مسلمانو! یہ ہے وہ بات جس کے ذریعے نصیحت کی جارہی ہے ہر اس شخص کو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ پیدا کردے گا اس کے واسطے مشکلات وشدائد سے نکلنے کا راستہ اور رزق دے گا اس کو ایسے طریقہ سے کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ اب اس کے سامنے نہ شدائد ومشکلات باقی رہیں گی بلکہ ہر مشقت ودشواری دور ہوتی چلی جائے گی اور اس کے علاوہ انعامات خداوندی کا یہ مقام ہوگا کہ روزی کے دروازے اس پر کھل جائیں گے اور ایسے راستوں سے اس کو رزق ملے گا کہ اس کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اور جو بھی کوئی اللہ پر بھروسہ کرے بس اللہ اس کو کافی ہے بے شک اللہ اپنے کام کی انتہاء کو پہنچنے والا ہے اس کا کوئی کام ادھورا اور ناقص نہیں رہ سکتا، جس کام کا وہ ارادہ کرے گا اس کو پورا ہی کر کے چھوڑے گا۔ اللہ نے ہر کام کے واسطے ایک اندازہ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اسی کے مطابق ہوا کرتا ہے، اس کی حکمت وتقدیر نے اگر کسی کام کی تاخیر مقدر کردی تو وہ اسی تاخیر سے ہوگا اور اگر ناگہاں اور فوری طور پر کس چیز کو اللہ نے مقدر فرمادیا تو وہ ناگہاں رونما ہو جائے گی، یہ اللہ کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں بہرکیف جس طرح اس نے فیصلہ کیا، اسی طرح ہر کام کا ہونا ضروری ہے اس لیے یہ روش ٹھیک نہیں کہ ہم اللہ کے فیصلوں میں تاخیر وتعجیل کا شکوہ کرتے رہیں، ایمان وتفویض کا تقاضا ہے کہ اللہ کی تقدیر پر رضا وتسلیم کا مقام حاصل ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ائمہ محدثین نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ کو غصہ آیا اور فرمایا اس کو کہو کہ اس طلاق سے رجوع کرے پھر روکے رکھے یہاں تک کہ طہر کا زمانہ آجائے پھر ایام حیض آجائیں اور پھر طہر آئے تو اس وقت اگر وہ ضرورت سمجھے تو طلاق دے طہر کی حالت میں قبل اس کے کہ اس سے قربت کرے آپ ﷺ نے فرمایا یہی تو وہ وقت ہے جس پر اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ طلاق دی جائے (اگر طلاق دینا ضروری ہی ہے) ایک سند سے اس روایت کے مضمون میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے فرمایا عدت پر طلاق دینے کا مطلب یہی ہے کہ حالت طہر میں

طلاق دی جائے حضرات فقہاء نے اسی آیت سے طلاق بدعی اور طلاق سنی کے احکام مستنبط فرمائے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں عورت کی بے بسی اور اسلام وقرآن کے اس کے حقوق کا محافظ ہونا

زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے جاتے تھے ان کو جانوروں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل بلکہ قیدیوں کی طرح مجبور و بے بس رکھا جاتا تھا بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دے دیتے تھے پھر بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا اسلام اور حضور اکرم ﷺ نے ان وحشیانہ مظالم کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا، قرآن کریم نے ان کے حقوق متعین کر دیئے اور احکام نکاح وطلاق وخلع نازل کر کے ان کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا اور حدود متعین کر دی گئیں اور ان کی خلاف ورزی پر وعید وتنبیہ فرمائی گئی، جہاں اور حکیمانہ ہدایات ونصیحتیں فرمائیں ان میں ایک جامع راہنما اصول یہ بھی فرمادیا گیا ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ کہ اگر رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو اور اگر چھوڑنا ہی ہے تو معقول طریقہ اور حسن اسلوب سے چھوڑو، گویا کسی بھی حالت میں ظلم وتعدی ہرگز نہ ہو خدا پر ایمان اور آخرت کا یقین ہی انسان کو ظلم وعدوان سے بچا سکتا ہے اس لیے فرمادیا کہ یہ زریں نصیحتیں ان لوگوں کے لئے کارآمد ہیں جو خوف خدا اور آخرت کا یقین رکھتے ہوں پھر ساتھ تقویٰ کے بہترین ثمرات اور برکتوں سے آگاہ فرمادیا۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ کہ اللہ کا ڈر دارین کی سعادت اور خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بے قیاس و بے گمان روزی بھی ملتی ہے اور ایک عجیب قلبی سکون نصیب ہوتی ہے جس کے بعد نہ تنگی، تنگی رہتی ہے اور نہ پریشانی، پریشانی رہتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک آیت معلوم ہے جو سارے عالم (یعنی سارے عالم کی مشکلات) کے لئے کافی ہے دریافت کیا گیا اے عبداللہ وہ کون سی آیت ہے تو آپ نے یہی تلاوت فرمائی ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے جارہے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> يا غلام انى معلمك كلمات احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سالت فاسال الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الأمة لو اجتمعوا على ان ينفعوك لم ينفعوك الا بشىء كتبه الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك لم يضروك الا بشىء قد كتبه الله عليك۔ رفعت الاقلام وجفت الصحف۔
>
> اے بچے میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں (وہ یہ ہیں) تو اللہ کی (حدود کی) حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا اللہ کا لحاظ کر تو اللہ کو (اور اس کی رحمتوں اور عنایتوں کو) اپنے سامنے پائے گا اور جب تجھے کوئی چیز مانگنی ہو تو اللہ سے مانگ اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور

یہ بات خوب سمجھ لے کہ اگر ساری دنیا جمع ہو جائے اس چیز پر کہ تجھے کچھ نفع پہنچائے تو دنیا کے تمام انسان تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے مگر صرف وہی جو اللہ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے سب لوگ جمع ہو جائیں اس پر کہ تجھے کچھ نقصان پہنچا دیں تو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تجھ پر لکھ دیا ہے (اے لڑکے) تقدیر کے قلم (انسان کی تقادیر لکھ کر) فارغ ہو گئے اور صحیفے قضاء وقدر کے جو طے کر دیئے گئے ہیں وہ خشک ہو چکے اس لیے جو بھی کچھ ہوگا وہ اللہ کی تقدیر اور اسی کی مشیت کے مطابق ہوگا۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ

اور جو عورتیں ناامید ہو گئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی

اور جو عورتیں ناامید ہوئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں، اگر تم کو شبہ رہ گیا، تو ان کی عدت ہے تین مہینے، اور ایسے ہی

یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ

جن کو حیض نہیں آیا ف۱ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ جن لیں پیٹ کا بچہ ف۲ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کر دے وہ اس کے

جن کو حیض نہیں آیا۔ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے، ان کی عدت یہ کہ جن لیں پیٹ کا بچہ۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، کر دے اس کو اس کے

اَمْرِهٖ یُسْرًا ④ ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْکُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ

کام میں آسانی یہ حکم ہے اللہ کا جو اتارا تمہاری طرف اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اتار دے اس پر سے اس کی برائیاں اور بڑھا دے

کام میں آسانی۔ یہ حکم ہے اللہ کا، جو اتارا تمہاری طرف۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، اتارے اس سے اس کی برائیاں، اور بڑا دے

لَهٗۤ اَجْرًا ⑤ اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا

اس کو ثواب ف۳ ان کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق ف۴ اور ایذا دینا نہ چاہو ان کو تاکہ تنگ پکڑو

اس کو نیگ۔ گھر دو ان کو رہنے کو، جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق اور ایذاء نہ چاہو ان کی، تا تنگ پکڑو

ف۱ یعنی مطلقہ کی مدت قرآن نے تین حیض بتلائی (کمافی سورۃ البقرۃ) اگر شبہ رہا ہو کہ جس کو حیض نہیں آیا یا بڑی عمر کے سبب موقوف ہوا، اس کی عدت کیا ہوگی تو بتلا دیا کہ تین مہینے ہیں۔

ف۲ جمہور کے نزدیک حامل کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ ایک منٹ کے بعد ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو اس میں مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا دونوں کا ایک حکم ہے کما ھو مصرح فی الاحادیث۔

ف۳ جملہ کے بعد اتقاء اور اللہ کے ڈر کا مضمون مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو کہ عورتوں کے معاملات میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ف۴ مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لیے مکان دے (اس کو سکنیٰ کہتے ہیں) اور جب سکنیٰ واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید ومحبوس رہے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ ﴿اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ اس کو اپنے مقدور اور حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھو۔ ظاہر ہے کہ مقدور کے موافق رکھنا اس کو بھی متضمن ہے کہ اس کے کھانے کپڑے کا مناسب بندوبست کرے۔ چنانچہ مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ آیت اس طرح تھی۔

عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ

ان کو ف۱ اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو ان پر خرچ کرو جب تک جنیں پیٹ کا بچہ ف۲ پھر اگر وہ دودھ پلائیں

ان کو۔ اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو ان پر خرچ کرو، جب تک جنیں پیٹ کا بچہ۔ پھر اگر دودھ پلاویں

لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ

تمہاری خاطر، تو دو ان کو ان کا بدلہ اور سکھاؤ آپس میں نیکی ف۳ اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اس کی خاطر اور کوئی

تمہاری خاطر تو دو ان کو ان کے نیگ۔ اور سکھاؤ آپس میں نیکی۔ اور اگر آپس میں ضد کرو، تو دودھ دے رہے گی اس کی خاطر اور کوئی

أُخْرَىٰ ۞ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ

عورت ف۴ چاہیے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق اور جس کو نپی تلی ملتی ہے اس کی روزی تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اس کو اللہ نے

عورت۔ چاہئے خرچ کرے کشائش والا اپنی کشائش سے۔ اور جس کو نپی ملتی ہے اس کی روزی، تو خرچ کرے جیسا دیا اس کو اللہ نے۔

= ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنیٰ اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے۔ رجعیہ کی قید نہیں کیونکہ پہلے سے جو بیان چلا آتا ہے مثلاً آئسہ، صغیرہ، اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر اس میں بلا وجہ کیوں تخصیص کی جائے۔ رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔ اول تو اس حدیث میں فاروق اعظم، عائشہ صدیقہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین نے انکار فرمایا۔ بلکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کتاب اللہ سے یہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لیے نفقہ وسکنیٰ واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اور دارقطنی میں جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بھی اس بارے میں صریح ہے۔ گو اس کے بعد رواۃ میں اور رفع ووقف میں کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لیے سکنیٰ اس لیے تجویز نہ کیا ہو کہ یہ اپنے سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے پھر جب سکنیٰ نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا۔ جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، تاوقتیکہ گھر واپس نہ آئے (نبہ علیہ ابوبکر الرازی فی احکام القرآن) نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لیے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زائد کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی، طبرانی، اور مسند احمد کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو۔ ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

ف۱ یعنی ستاؤ نہیں کہ وہ تنگ آ کر نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔

ف۲ حمل کی مدت کبھی بہت طویل ہو جاتی ہے۔ اس کو خصوصیت سے بتلا دیا کہ خواہ کتنی ہی طویل ہو وضع حمل تک اس کو نفقہ دینا ہوگا یہ نہیں کہ مثلاً تین مہینے نفقہ دے کر بند کر لو۔

ف۳ یعنی وضع حمل کے بعد اگر عورت تمہاری خاطر بچہ کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری انا کو دیتے وہ اس کو دی جائے۔ اور معقول طریقہ سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے قرارداد کر لیں خواہ مخواہ ضد اور کج روی اختیار نہ کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھیں نہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے نہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔

ف۴ یعنی اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی مل جائے گی۔ اس کو اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہرحال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو بھی کچھ =

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾

اللہ کسی پر تکلیف نہیں رکھتا، مگر اسی قدر جو اس کو دیا اب کر دے گا اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی ف۱

اللہ کسی پر ذمہ نہیں رکھتا مگر اتنا جو اس کو دیا۔ اب کر دے گا اللہ کچھ تنگی کے پیچھے آسانی۔

ذکر احکام بعض مطلقات مع بیان حق سکنیٰ ونفقہ ومسئلہ رضاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ ... الى ... سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں طلاق کی عدت اور طلاق واقع کرنے کے بعض احکام بیان فرمائے گئے تھے اور ان امور میں اللہ کے تقویٰ اور حدود شریعت کی پابندی کے لئے تاکید فرمائی گئی تھی اب ان آیات میں بعض مطلقہ عورتوں کے خصوصی احکام اور ان کے حقوق کا بیان ہے بالخصوص وہ مطلقہ عورتیں جن کو حیض نہ آتا ہو یا وہ حاملہ ہوں ان کی عدت اور متعلقہ احکام اہمیت کے ساتھ بیان کیے گئے۔ فرمایا۔

اور جو عورتیں ناامید ہو چکی ہوں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے اگر تم کسی قسم کا شبہ کرو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح وہ عورتیں بھی جن کو حیض نہیں آیا۔ خواہ بچپن کی وجہ سے یا کسی اور علت کے باعث تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے اور وہ عورتیں جو حاملہ ہیں تو ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں اور جو بچہ پیٹ میں ہے وہ جن لیں اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے واسطے اس کے کام میں سہولت پیش کر دیتا ہے اور وہ خود مشاہدہ کر لیتا ہے کہ کس طرح قدرت کی طرف سے اس کے کاموں میں سہولت پیدا ہوتی ہے، اور کس طرح اس کے مسائل ومشکلات کا حل نکلتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے اور جو شخص بھی اللہ سے ڈرتا ہے تو اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے اجر وثواب کو بہت بڑا کرتا ہے۔ اس لئے ایمان والوں کو چاہئے کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اللہ کا تقویٰ اختیار کریں انسان کو بے شک اپنے خانگی معاملات اور زندگی کے معاملات میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں بہت کچھ تکالیف اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان سب احوال میں اللہ کا تقویٰ ہی اس کو مصائب سے نکالنے پریشانیوں کو دور کرنے، مشکلات کو آسان کرنے کا ذریعہ ہے اور پھر اس وصف تقویٰ سے متصف شخص کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی انعام ہے کہ اس کی جو برائیاں اور کوتاہیاں ہیں ان کو نور تقویٰ دور کر دیتا ہے اور اجر وثواب بھی خوب ملتا ہے بہرکیف عورتوں کے معاملات بالخصوص وہ عورتیں جو طلاق دے دی گئیں ضروری ہے کہ ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے خداوند عالم کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور ڈرنا چاہئے کہ کسی طرح بھی ان پر کوئی ظلم وتعدی نہ ہو اسی سلسلہ میں یہ بھی حکم ہے۔ ان مطلقہ اور معتدہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کے ٹھکانا مہیا کرو۔ جہاں تم سکونت اختیار کرتے ہو اپنی قدرت وطاقت کے موافق کہ حق سکنیٰ کی وجہ سے وہ مستحق ہیں کہ تمہارے گھروں میں رہیں اور

= دینا پڑے گا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔

ف۱ یعنی بچہ کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو، وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کیا کرے۔ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے، وہ تنگی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا۔

ظاہر ہے کہ رہائش کی ضروریات میں نفقہ بھی ان کا مہیا کرنا چاہئے اور تم ان کو مشقت میں مت ڈالو اس طرح کہ تم ان پر تنگی کر دو اور ان کی زندگی ان پر تنگ ہو جائے۔

عام حالات میں تو عدت کا زمانہ تین حیض یا تین ماہ میں پورا ہو جائے گا اور اگر وہ حاملہ ہوں تو پھر یہ نہیں کہ تم وضع حمل کی مدت کا انتظار نہ کرو بسا اوقات اس کے طویل ہو جانے کی وجہ سے بلکہ تم ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں۔ وضع حمل پر مطلقہ عورت کی عدت تو ختم ہو جائے گی اور عدت کے بعد وہ چونکہ احکام زوجیت باقی نہیں رہے تو اولاد کو دودھ پلانا اب عورت کے ذمے باقی نہیں رہا تو ایسی صورت میں اگر وہ عورتیں دودھ پلائیں تو ان کو اس کا بدلہ ادا کرو اور طے کر لو آپس میں اپنے معاملات بھلے طریقہ سے اس طرح کہ نہ تو کوئی جھگڑا ہو اور نہ ہی کوئی کسی کی حق تلفی کرے اور اگر آپس میں تم دشواری محسوس کرو اور کسی چیز پر دونوں متفق نہ ہو سکو تو پھر بہتر ہے کہ کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی دودھ پلائے تاکہ باہمی منازعت اور خصومت کی نوبت نہ آئے بچہ کی تربیت پر بہرکیف خرچ کرنا باپ کے ذمہ ہے تو چاہئے کہ وسعت والا اپنی واسعت و فراخی کے مطابق خرچ کرے اور جس کسی پر رزق کی تنگی ہو تو خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اللہ کسی کو بھی پابند نہیں بناتا مگر اسی مقدار کا جو اللہ نے اس کو عطا کیا ہے اس سے زائد کا مکلف نہیں بنایا جاتا اور اگر کسی کو تنگی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیے۔ عنقریب اللہ پیدا کر دے گا دشواری اور تنگی کے بعد آسانی اور سہولت اس وجہ سے وقتی تنگی سے انسان کو حقوق ادا کرنے میں رکاوٹ نہ کرنی چاہئے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہی رحمت اور فراخی کے دروازے کھولنے والا ہے۔

مطلقہ عورتوں کی عدت کے بعض احکام

سورۂ بقرہ میں آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ میں واضح طور پر بیان کیا گیا تھا کہ جن عورتوں کے خاوند انتقال کر جائیں تو ان عورتوں کی عدت شوہر کی موت کے بعد چار ماہ اور دس دن ہے یہ حکم مطلق تھا اس میں قید نہ تھی کہ وہ کون سی عورتوں کا حکم ہے، حاملہ ہوں یا غیر حاملہ تو اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ وہ حکم غیر حاملہ عورتوں کا تھا اور حاملہ عورتوں کا حکم ہر قسم کی عدت میں یہ ہے کہ وضع حمل تک ان کی عدت باقی رہے گی تو اس صورت میں کسی بھی آیت کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ہر نوع کا حکم علیحدہ ہر ایک آیت نے بیان کر دیا پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے یہ آیت جو سورۃ طلاق میں نازل ہوئی سورۃ بقرہ کی آیت سے بعد میں نازل ہوئی، ابتداء میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ عدت وفات کی صورت میں عورت اگر حاملہ ہو تو عدت کا زمانہ وہ قرار دیا جائے گا جو زائد ہو، وضع حمل یا چار ماہ دس دن یعنی اگر وضع حمل خاوند کے انتقال کے بعد جلد ہی ہو جائے تو پھر چار ماہ دس دن کا انتظار کیا جائے گا اور اگر چار ماہ دس دن گزر جائیں اور وضع حمل نہ ہو تو پھر وضع حمل کی عدت کو انتہا قرار دیا جائے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا۔

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ خاوند کے انتقال کے بعد اگرچہ چند لمحے ہی گزرنے پر بچہ جنم دے تو پاک ہونے پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی، چنانچہ صحیح بخاری میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

کے پاس آیا اور اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے تھے اور اس نے کہا کہ اے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں ایک عورت کے بارے میں آپ سے فتوی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایک حاملہ عورت ہے اس نے اپنے شوہر کے انتقال کے چالیس روز بعد بچہ جنا ہے (تو اب وہ عورت کس طرح شمار کرے) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ دونوں مدتوں میں سے جو طویل مدت ہے وہی عدت ہوتی ہے یعنی اب اس صورت میں چار ماہ دس دن عدت کے گزارنے ہوں گے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (آیت قرآنیہ ہے جس سے تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ بس وضع حمل پر عدت پوری ہوجائے) اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تو اپنے بھتیجے یعنی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں (اور ان کی موافقت کرتا ہوں) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا غلام حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ اس مسئلہ کی ان سے تحقیق کرکے آئے تو اس پر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر قتل کردیئے گئے تھے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں سبیعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی موت کے چالیس دن بعد بچہ جنا جب وہ پاک ہوئیں تو ان کے واسطے پیغام نکاح آیا (بعض اقرباء کے اعتراض وانکار پر) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کی اجازت دیدی۔ (امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ و دیگر ائمہ محدثین نے اس قصہ کو اجمال و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اس بات کی تردید فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت کے لئے ابعد الاجلین کو عدت قرار دیا جائے گا، اور سورۃ طلاق کی اس آیت کو فرمایا کرتے تھے کہ اس کے بعد تو کوئی آیت ہی اس مسئلہ میں نازل نہیں ہوئی حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابعد الاجلین کے قائل ہیں تو بڑی سختی سے ان کا رد فرمایا اور فرمایا میں اس پر ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہ آیت سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ● بعض روایت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ﴾ مطلقہ ثلث کے بارہ میں ہے یا اس عورت کے حق میں جس کے خاوند کا انتقال ہوگیا ہو فرمایا یہ دونوں کے بارہ میں ہے یہ روایت اگرچہ سند ضعیف سے مروی ہے لیکن یہی مضمون متعدد سندوں سے مروی ہونے کے باعث اصول حدیث کی رو سے قابل اعتماد اور حجت ہے مگر سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس کو بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے تخریج کیا وہ متفق علیہ ہے اور حجت کے لیے کافی ہے۔

معتدہ عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ

عدت احکام نکاح اور متعلقات حقوق نکاح سے ہے شریعت کے اس بنیادی ضابطہ کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ مطلقہ عورت کے لیے عدت کا زمانہ گزارنے کے واسطے مرد کے ذمہ یہ ضروری ہو کہ مکان دے جس کو شریعت کی اصطلاح میں "سکنیٰ" کہا جاتا ہے اور جب عورت از روئے حکم شرع حالت عدت میں مکان سے باہر نہیں نکل سکتی تو لامحالہ نفقہ بھی مرد کے ذمہ لازم ہوگا، قرآن کریم کے یہ الفاظ ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ﴾ اسی بات پر دلالت کر رہے ہیں

● رواہ ابو داؤد وابن ماجہ من حدیث ابی معاویۃ عن الاعمش۔ ۱۲

کہ عورت کے لیے حتی المقدور یہ انتظام کرنا ضروری ہوگا اور حتی المقدور رہائش کا بندوبست مکان نفقہ اور کپڑوں پر دلالت کررہا ہے بعض محدثین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف سے بیان کیا کہ وہ اس موقع پر لفظ وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ بھی پڑھا کرتے تھے۔ (جس کو ان کے تلامیذ نے ان کے مصحف میں بطور حاشیہ یا کلمات بین السطور لکھ بھی دیا تھا)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفقہ کا حکم عام ہے ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کے متعلق ہے جیسا کہ آئسہ، صغیرہ اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں اسی طرح نفقہ کے حکم میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جن کو تین طلاقیں دی گئی تھی ان کی روایت میں یہ ذکر کیا جانا ان ہی الفاظ وکلمات میں کہ "رسول اللہ ﷺ نے میرے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم نہیں فرمایا" نفقہ کے وجوب کی دلیل نہیں بن سکتا، فقہاء اور ائمہ محدثین کی تحقیق اور روایات کے تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ عورت چونکہ بدزبان تھیں اور جھگڑتی تھیں تو خاوند کے گھران کے خاندان کے لوگوں سے ان کا نباہ مشکل ہو رہا تھا اس وجہ سے یہ صورت ہوئی کہ ان کو سکنیٰ نہیں دیا گیا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ اپنے مزاج کے لحاظ سے شوہر کے گھر جب نہ رہ سکیں تو ان کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا چنانچہ سنن کی روایات میں اس کی تصریح ملتی [1] ہے۔ اور جب سکنیٰ کا مسئلہ نہ رہا تو نفقہ بھی نہ رہا، جیسے کہ ناشزہ عورت کے بارے میں حکم ہے، جو عورت نافرمانی کر کے شوہر کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ [2] نیز جامع ترمذی ودیگر سنن کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نفقہ دیا گیا تھا ان کے خاوند نے وکیل کے ذریعے وہ نفقہ بھیجا تھا مگر اس عورت نے زائد کا مطالبہ کیا جو آنحضرت ﷺ نے منظور نہ فرمایا اور یہ فرمایا بس تیرے واسطے اتنا ہی نفقہ کافی ہے "الا ان کونی حاملا"۔ ہاں البتہ اگر تو حاملہ ہوتی اور مدت حمل طویل ہوتی تو ایسی صورت میں بے شک تیرا نفقہ زائد کیا جا سکتا تھا تو دراصل اسی مقدار زائد کے انکار کو یہ عورت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھی کہ اس کے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا فیصلہ نہیں فرمایا مگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان اور اس قسم کے اظہار کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حتی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ پسند نہیں فرمایا کرتے تھے حضرت عائشہ فرماتی تھی کہ ما الفاطمة لا تتقی اللہ، تقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یجعل لها نفقة ولا سکنی کہ کیا ہو گیا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ اللہ سے نہیں ڈرتی یہ کہتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا فیصلہ نہیں فرمایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ:

والله لا ندع كتاب ربنا ولا سنة نبينا القول امرأة جهلت أو نسيت۔

خدا کی قسم ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے محض ایک عورت کے قول پر معلوم نہیں اس نے صحیح بات سمجھی یا نہیں یا کوئی چیز بھلادی۔

جس سے صاف واضح ہوا کہ مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کتاب اللہ کا حکم تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی طحاوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا سنت رسول اللہ ہونا ثابت ہے اور اسی طرح دارقطنی میں حضرت

---

[1] سنن ابوداود رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] احکام القرآن للجصاص رحمۃ اللہ علیہ۔

جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی اس کی تصریح ہے، حضرات اہل علم مراجعت فرمالیں۔

طلاق ثلٰث باجماع امت تین طلاق ہیں

نص قرآنی نے یہ فیصلہ کردیا کہ تین طلاق کے بعد حرمت قطعیہ واقع ہوجاتی ہے، اور رجوع کا امکان باقی نہیں رہتا جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی ﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ﴾ میں گزر چکی، خواہ تین طلاقیں متفرقاً اور علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا بیک وقت، اس اجماعی فیصلہ میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ ظاہر یہ اور بعض حنابلہ سے اختلاف نقل کیا گیا، مگر خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی فتویٰ ہے اور امت کے کل فقہاء محدثین ومفسرین اسی کے قائل ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس پر ایک باب باندھا ہے فرمایا، باب من اجاز الطلاق الثلث بقولہ تعالیٰ الطلاق مرتن۔

امام [1] قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک دفعہ ایک ہی زبان سے تین طلاق کہہ دینے سے تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں، البتہ طاؤس رحمہ اللہ اور بعض ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کلمہ سے تین طلاق دینے سے ایک شمار کی جائے گی، اس کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ نے تمام شکوک واوہام کا جواب دیا۔ (اصل کی مراجعت فرمائی جائے)

روایات سے ثابت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کے مشورہ سے یہ فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص تین طلاق دے گا اس کو تین ہی شمار کیا جائے گا، اور کسی نے اگر اس کی خلاف ورزی کی تو اس کے درے لگائے جائیں گے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

محلی ابن حزم، زاد المعاد، اغاثۃ اللہفان لابن القیم اور سنن بیہقی میں حضرت عمر وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا یہ فتویٰ باسانید صحیحہ نقل کیا گیا ہے شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے خلفائے ثلٰثہ اور عبادلہ رضی اللہ عنہم سے صراحۃً اسی بات کو نقل کیا کہ بیک وقت بھی تین طلاق دینے سے عورت مغلظہ بائنہ ہوجاتی ہے علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے شرح مؤطا میں حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابوبکر جصاص رحمہ اللہ۔ امام طحاوی رحمہ اللہ اور حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے اس اجماعی فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی مخالفت ناقابل التفات اور ناقابل اعتبار ہے۔ [2]

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اگرچہ اس میں اختلاف کیا مگر ان کے خاص رفیق اور زندگی بھر ساتھ دینے والے امام حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے بڑی شدت سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا رد فرمایا۔ [3]

مسئلہ طلاق ثلٰث میں حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تحقیق

اس اجماعی مسئلہ میں اختلاف کرنے والے اس روایت کا سہارا لیتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت

[1] تفسیر قرطبی: ۳/۱۲۹۔

[2] فتح الباری: ۹/۳۱۹۔

[3] ملاحظہ فرمائیں معارف القرآن: ۱/۳۳۴۔۳۴۱

میں دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں مگر پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں جاری کر دیں تو بعض ظاہر یہ نے اس سے استدلال کیا کہ اصل تو تین طلاقیں بیک وقت ایک ہی شمار ہوتی ہیں، ان کو تین کی حیثیت سے جاری و نافذ کرنا یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کسی حکمت اور مصلحت کے باعث عمل اور فیصلہ تھا تو اس سلسلہ میں اولاً تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ جصاص رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ائمہ محدثین اس کی تضعیف کرتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی صہیب ابوالصہباء بکری واقع ہے جس کو ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ بتایا ہے لیکن امام نسائی اس کو ضعیف فرماتے ہیں، بہرکیف راوی متکلم فیہ ہے اسی وجہ سے بخاری نے اس کی روایت نہیں تخریج کی، حافظ ماردینی رحمۃ اللہ علیہ الجوہر النقی: ۳۳۷/۲ میں لکھتے ہیں:

وابو الصهباء ممن روی عنهم مسلم دون البخاری وتكلموا فیه قال الذهبی فی الکاشف قال النسائی ضعیف فعلی هذا یحتمل ان البخاری ترك هذا الحدیث لاجل ابی الصهباء اس کے برعکس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں اجاز الطلاق الثلاث لقول الله عز وجل الطلاق مرتن فامساك بمعروف او تصریح باحسان۔ منعقد کر کے طلاق ثلث کے جواز کو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت کیا کہ عہد رسالت میں تین طلاقیں لازم اور نافذ تھیں۔

اس کے علاوہ سند اور متن میں اضطراب ہے، فی اسنادٍ عن عبدالله بن طاؤس عن طاؤس وفی اسناد آخر عن طاؤس عن عبدالله بن عباس اور متن کا اضطراب یہ ہے کہ کسی روایت کے متن میں یہ ہے کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما عام طور پر یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق تھی، الخ اور کسی روایت میں ہے کہ ابوالصہباء نے اس ایک طلاق کو غیر مدخولہ کے حق میں سمجھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب آدمی اپنی عورت کو صحبت سے پہلے طلاقیں دے دیتا ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں اس کو ایک ہی جانا جاتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کو غیر مدخولہ کے حق میں سمجھ کر یہی فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے جب آدمی اپنی عورت کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں لوگ اس کو ایک ہی جانا کرتے تھے تو اس حقیقت کے پیش نظر مسئلہ کی نوعیت قطعاً ہی بدل گئی۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اغاثۃ اللہفان میں اس اضطراب کو تسلیم کیا ہے، دیکھو عمدۃ الابحاث ص ۷۷، مزید برآں یہ حدیث شاذ ہے جیسا کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا راوی صرف طاؤس رحمۃ اللہ علیہ ہے اور طاؤس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کبار تلامذہ و اصحاب مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم یہ نہیں بیان کرتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ تمام کتب سنن میں مذکور ہے، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس بناء پر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما رد کرتے ہیں تو احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عذر کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگرد طاؤس کے خلاف ان سے روایت کرتے ہیں۔

وقال الاثرم سالت ابا عبدالله احمد بن حنبل عن حديث ابن عباس كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر واحدة فباى شيء تدفعه فقال برواية الناس عن ابن عباس انها ثلث كذا في المغنى (اعلاء السنن: ۵۲۶/۱۱)

قال الجوزجانى هو حديث شاذ وقد عنيت بهذا الحديث فى قديم الدهر فلم اجد له اصلا وقال القاضى اسماعيل فى احكام القرآن طاوس مع فضله وصلاحه يروى اشياء منكرة فمنها هذا الحديث وقال ابن رجب كان علماء مكة ينكرون على طاؤس ماينفرد به من شواذ الاقاويل۔ (اعلاء السنن: ۵۳۲/۱۱)

قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، وبه قال المارديني فى الجوهرة وذكر صاحب الاستذكار عن ابن عبدالبر ان هذه الرواية وهم وغلط لم يعرج عليها احد من العلماء۔

بہرکیف اس تمام تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ یہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے قابل اعتبار اور حجت نہیں اس وجہ سے اجماع امت اور نص کتاب اللہ کے خلاف اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیا جاسکتا ان اقوال ونقول کے بعد اس کے جواب کی کوئی ضرورت تو نہیں رہتی تاہم اگر چاہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے اس کی تین طلاقیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں ایک سمجھی جاتی تھیں چنانچہ صحیح مسلم کی گزشتہ روایت سنن ابی داؤد میں بایں الفاظ مروی ہے (عمدۃ الابحاث ص ۱۰)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں باب الطلاق الثلث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة منعقد کر کے اس حدیث کو غیر مدخولہ عورت کے حق میں شمار کیا ہے بہرکیف اس تفصیل وتحقیق کے بعد اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو بعض علماء سے منقول ہے۔

ابتدائی زمانہ میں کوئی شخص، انت طالق، انت طالق، انت طالق، کہتا تو اس کی نیت صرف تاکید ہوتی تھی نہ کہ استیناف لیکن لوگ جب کثرت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ صیغہ استعمال کرنے لگے اور قرائن کی دلالت سے یہ معلوم ہوگیا کہ لوگ استیناف کا ارادہ رکھتے ہیں تو غالب اور متعارف کو ملحوظ رکھتے ہوئے تین طلاقیں شمار کی گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خیر القرون تھا تو لوگ اس تکرار سے تاکید کا ارادہ کرتے تھے اور جو دل میں نیت کرتے تھے وہ صاف صاف زبان سے ظاہر کردیتے تھے، اس وقت تک طبائع میں مکر وفریب اور حیلہ ودجل نہیں تھا لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین کو نافذ کرفرمادیا اور یہ گنجائش نہ رکھی کہ کسی وقت بھی کوئی شخص ایسا اقدام کرنے کے بعد پھر یہ حیلہ کرنے لگے کہ میں نے تو تین نہیں بلکہ ایک ہی کا تکرار بطور تاکید کیا تھا، مگر سند کی تحقیق بالخصوص امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت کے بعد "باب الطلاق الثلاث المتفرقة قبل

الدخول بالزوجة "اس طرح کی کسی تاویل یا جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی، واللہ اعلم بالصواب۔ ●

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا

اور کتنی بستیاں کہ نکل چکیں حکم سے اپنے رب کے اور اس کے رسولوں کے پھر ہم نے حساب میں پکڑا ان کو سخت حساب میں اور آفت ڈالی ان پر

اور کتنی بستیاں اچھل چلیں اپنے رب کے حکم سے، اور اس کے رسولوں کے، پھر ہم نے حساب میں پکڑا ان کو سخت حساب میں، اور آفت ڈالی ان پر

عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

بن دیکھی آفت ف۱ پھر چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو ان کے کام میں ٹوٹا آ گیا ف۲ تیار رکھا ہے اللہ نے واسطے

ان دیکھی آفت۔ پھر چکھی سزا اپنے کام کی، اور آخر اس کے کام میں ٹوٹا آیا۔ رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے

عَذَابًا شَدِيدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ۛ الَّذِينَ آمَنُوا ۛ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ

ان کے سخت عذاب ف۳ سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جن کو یقین ہے ف۴ بیشک اللہ نے اتاری ہے تم پر

سخت مار، سو ڈرتے رہو اللہ سے، اے عقل والو! جن کو یقین ہے۔ اللہ نے اتاری ہے تم پر

ذِكْرًا ⑩ رَّسُولًا يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

نصیحت ف۵ رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو اللہ کی آیتیں کھول کر سنانے والی ف۶ تاکہ نکالے ان لوگوں کو جو کہ یقین لائے اور کیے بھلے

سمجھوتی۔ رسول ہے، جو پڑھتا ہے تم پاس آیتیں اللہ کی کھلی سنانے والی، کہ نکالے ان کو جو یقین لائے، اور کئے بھلے

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

کام اندھیروں سے اجالے میں ف۷ اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی اس کو داخل کرے باغوں میں

کام، اندھیروں سے اجالے میں۔ اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی اس کو داخل کرے باغوں میں،

ف۱ یعنی احکام شریعت کی (خصوصاً عورتوں کے بارے میں) پوری پابندی رکھو۔ اگر نافرمانی کرو گے تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ و رسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں جس وقت لوگ تکبر کر کے حد سے نکل گئے ہم نے ان کا جائزہ لیا اور سختی سے لیا کہ ایک عمل کو بھی معاف نہیں کیا۔ پھر ان کو ایسی نرالی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ف۲ یعنی عمر بھر جو سودا کیا تھا آخر اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔

ف۳ پہلے دنیاوی عذاب کا ذکر تھا اب اخروی عذاب بیان کیا۔

ف۴ یعنی یہ عبرتناک واقعات سن کر ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہیں ہم سے ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں۔ العیاذ باللہ۔

ف۵ یعنی قرآن، یا "ذکر" بمعنی "ذاکر" ہو تو خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں گے۔

ف۶ یعنی صاف آیتیں جن میں اللہ کے احکام کھول کھول کر سنائے گئے ہیں۔

ف۷ یعنی کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں لے آئے۔

● اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل حضرت والد محترم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے حصہ تفسیر میں سورۃ بقرہ کی ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ﴾ کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ

نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں سدا رہیں ان میں ہمیشہ البتہ خوب دی اللہ نے اس کو روزی ف۱ اللہ وہ ہے جس نے بنائے

نیچے بہتی جن کے نہریں، سدا رہیں ان میں ہمیشہ۔ البتہ خوب دی اللہ نے اس کو روزی۔ اللہ وہ ہے جس نے بنائے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ

سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی ف۲ اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر ف۳ تاکہ تم جانو کہ اللہ

سات آسمان اور زمینیں بھی اتنی، اترتا ہے حکم ان کے بیچ، تا تم جانو کہ اللہ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫ ع ۱۸

ہر چیز کرسکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی ف۴

ہر چیز کرسکتا ہے، اور اللہ کی خبر میں سمائی ہے ہر چیز کی۔

تنبیہ وتحذیر بر نافرمانی رب العالمین ودرس عبرت بہ بیان ہلاکت قریہ ہائے مجرمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ ... الی ... بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں معاشرت اور معاملات کے احکام ذکر فرمائے جارہے تھے جن میں عدل وانصاف کا حکم تھا اور عدل وانصاف قائم کرنے کی بنیاد خوف خدا ہے اس وجہ سے درمیان میں تین بار ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ﴾ ذکر فرمایا گیا کہ اللہ کا تقویٰ مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کرتا ہے اللہ کے تقویٰ سے دشواریاں آسانیوں سے بدل جاتی ہیں، اور اللہ کے تقوی سے انسان اپنی برائیوں سے پاک ہوکر مستحق اجر عظیم ہوتا ہے تو اب ان آیات میں اللہ کی نافرمانی پر وعید اور تنبیہ فرمائی جارہی ہے اور یہ کہ تاریخ عالم میں اس بات کی گواہ ہے کہ مجرمین پر خدا کا کس طرح عذاب نازل ہوا اور یہ کہ اللہ رب العزت کا یہ عظیم انعام وکرم ہے کہ اس نے اپنا رسول بھیجا تاکہ لوگ کفر کی ظلمتوں سے نیچ کر ایمان وہدایت کا نور حاصل کریں، ارشاد فرمایا:

ف۱ جنت سے زیادہ، بہتر روزی کہاں ملے گی

ف۲ یعنی زمینیں بھی سات پیدا کی جیساکہ ترمذی وغیرہ کی احادیث میں ہے ان میں احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں اور ان میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہیں جیساکہ مریخ وغیرہ کی نسبت آج کل حکمائے یورپ کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ دریا اور آبادیاں ہیں۔ باقی حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ شاید باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق ہوجاتی ہیں رہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ اثر جس میں "ادمهم کادمکم" آیا ہے اس کی شرح کا یہ موقع نہیں۔ روح المعانی میں اس پر بقدر کفایت کلام کیا ہے اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے بعض رسائل اس کے بعض اطراف وجوانب کو بہت خوبی سے صاف کردیا گیا ہے۔

ف۳ یعنی عالم کے انتظام وتدبیر کے لیے اللہ کے احکام تکوینیہ وتشریعیہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر اترتے رہتے ہیں۔

ف۴ یعنی آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات وعلم وقدرت کا اظہار ہو (نبه علیه ابن قیم فی بدائع الفوائد) بقیہ صفات ان ہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیا کے ہاں جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ "كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ" گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ مگر اس کا مضمون شاید ان آیت کے مضمون سے ماخوذ ومستفاد ہو واللہ اعلم۔ تم سورۃ الطلاق وللہ الحمد والمنة۔

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے سرکشی کی اور بغاوت کا طریقہ اختیار کیا تو ہم نے ان کو حساب میں پکڑ لیا بڑا ہی سخت حساب لیا اور عذاب میں ڈال دیا ان کو نہایت ہی ناگوار اور ناقابل برداشت عذاب میں پھر چکھ لیا ان بستیوں نے اپنے عمل کی سزا کو اور انجام کار ان کے عمل کا خسارہ ہی تھا دنیا میں تو تباہ وبرباد کیے ہی گئے مزید برآں اللہ نے تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے سخت عذاب ظاہر ہے کہ ایسے دردناک عذاب کے واقعات سن کر ہی عقل والوں کو ایسی برائیوں بداعمالیوں اور خدا کی نافرمانی سے باز آجانا چاہئے کہ کہیں اس طرح کی کوئی بےاعتدالی کر کے خدا کی پکڑ میں نہ آجائیں۔

لہٰذا ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جو کہ اللہ پر ایمان لائے کیونکہ عقل انسانی اللہ کی معرفت کا باعث ہے اور اس کی قدرت خالقیت ووحدانیت پر ایمان لانے پر آمادہ کرتی ہے اس وجہ سے عقل والے کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے۔ بے شک اللہ نے اے لوگو اتارا ہے تمہاری طرف ایک نصیحت کا پیغام یعنی وہ رسول جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے جو کھول دینے والی ہیں حق اور باطل کو۔ تاکہ وہ نکال لے ایمان والوں اور نیکی کے کام کرنے والوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف۔ کہ کفر اور جہالت کی ظلمتوں سے بچ کر وہ نور ہدایت قبول کر لیتا ہے اور یقیناً جو شخص بھی اپنی عقلی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ کی ہدایت کو قبول کرتا ہے اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے وہ جزاء اور اکرام کا مستحق ہے اس بناء پر خداوند عالم نے یہ قانون طے کر دیا ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یقیناً خوب ہی روزی اللہ نے ایسے شخص کے واسطے عطا کی ہے کہ جنت کے رزق سے بڑھ کر اور کون سا رزق ہوگا تو یہ رزق بھی بہترین ہے اور اعمال کا بدلہ بھی بہترین اور اعمال صالحہ کی توفیق بھی ایک بہترین رزق تھا جو اللہ نے ایسے لوگوں کو دنیا میں عطا فرمایا۔ وہ اللہ ہی ہے کیسی عظیم قدرت والا جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی اسی طرح سات زمینیں پیدا کیں اور تخلیق کائنات عالم ملکوت السمٰوٰت اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق کا ایسا عجیب اور محکم نظام مقرر فرمایا کہ دنیا کے عقلاء اور حکماء حیران ہیں پھر نظام تکوینی جیسا کہ محکم منظم اور مرتب ہے اسی طرح اس کا تشریعی نظام بھی نہایت محکم ہے۔ چنانچہ اترتا ہے اس کا حکم انکے اندر خواہ وہ آسمان ہوں یا زمین آسمان پر رہنے والے فرشتے ہوں شمس وقمر ہوں یا زمین پر بسنے والے انسان سب کے واسطے تکوینی احکام اور تشریعی ہدایات ہیں تاکہ اے لوگو! تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، اور جب کوئی بھی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں تو یقیناً وہ ایمان اور عمل صالح والوں کو جزاء وانعام سے نوازے گا اور مجرمین ونافرمانوں کو عذاب اور سزا دے گا اور اس کے حساب کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور چنانچہ قہر وعذاب سے بہت سی بستیاں تباہ کر دی گئیں جیسے عاد وثمود کی بستیاں تو ان بستیوں کی ہلاکت کے تاریخی واقعات سے موجودہ دور کے انسانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

سات آسمانوں اور سات زمینوں کے متعلق عبداللہ بن عباس ﷠ کی روایت اور اس کی تحقیق

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سات آسمان پیدا کیے اسی

طرح اس نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں گو کہ اکثر مواقع میں ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ کے ساتھ خلق ارض میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا جس سے متبادر یہی ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمین ایک ہی طبقہ ہے لیکن اس آیت میں یہ تصریح واقع ہوئی کہ جس طرح سات آسمان ہیں زمینیں بھی سات ہیں جیسا کہ جامع ترمذی اور بعض سنن کی روایات میں ہے تو یہ ممکن ہے کہ یہ سات زمینیں آسمانوں کی طرح تہہ برتہہ نہ ہوں بلکہ احتمال ہے کہ باعتبار بعض حالات کے ہوں اور بعض حالات میں ممکن ہے کہ وہ اس کرہ ارضی سے اوپر ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ جن کی نسبت آج کل یورپ کے حکماء کا خیال ہے کہ اس میں پہاڑ اور دریا اور آبادیاں ہیں تو اس طرح سات زمینوں کا عدد پورا ہوسکتا ہے باقی یہ مسئلہ نہ تو اصول دین سے ہے کہ اس کو پوری طرح سمجھے اور اس کی تحقیق کے بغیر ایمان ہی کامل نہ ہو تو ضروری نہیں کہ ہم اس کی ایسی ہی تحقیق اور تشریح کے پابند ہوں جیسا کہ اسلام کے دیگر بنیادی اصولوں کے اجمالاً اس طرح کا تصور جس کی طرف اشارہ کیا گیا ﴿وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ کا مفہوم، سمجھنے کے لئے کافی ہے رہی وہ روایت جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً منقول ہے جس میں یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جس میں سے ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم علیہ السلام کی طرح اور نوح ہیں حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اور ابراہیم علیہ السلام ہیں ابراہیم علیہ السلام کی طرح اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو محدثین کے اصول سے یہ روایت شاذ ہے قابل اعتبار اور صحیح نہیں شمار کی گئی اس بنا پر اس کی تحقیق و تدقیق میں پڑنے کے بجائے بہتر یہی ہے کہ خدا کے علم کے حوالہ کر دیا جائے ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ اثر کے پیش نظر کچھ شکوک واوہام میں لوگوں کو مبتلا کرنے کی کوشش کرے یا یہ کوشش کرے کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ العیاذ باللہ کسی اور نبوت کا بھی امکان ہے اس وجہ سے مناسب ہے کہ اس کی قدرے تحقیق کر دی جائے تا کہ اس قسم کے اوہام باطلہ کا کوئی امکان نہ رہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے راویوں کے معتبر ہونے کے باعث اسناد کو قابل اعتبار تو کہا مگر محدثین واصولیین کے ایک مسلمہ قانون کے پیش نظر کہ یہ حدیث دیگر احادیث معروفہ کے خلاف ہے اس وجہ سے شاذ اور معلول ہے اور احادیث شاذہ کو محدثین نے حجت نہیں سمجھا اس موقع پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نادر تحقیق قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں یہ تحقیق الحمدللہ ایمان واستقامت کی ضامن وکفیل ہے فرماتے ہیں:

اسلام کی دعوت اس زمین کے سوا دیگر طبقات ارض میں کتاب وسنت سے کہیں ثابت نہیں، اگر ہوتی تو ضرور اس بارے میں کوئی نص وارد ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو بیان فرماتے اس بناء پر علماء نے اس اثر کو باوجود صحیح الاسناد ہونے کے شاذ بتلایا ہے اور اگر صحیح مانا بھی جائے تو اس کی مختلف تاویلیں کی جاسکتی ہیں۔

تاویل اول:...... ممکن ہے مراد یہ ہو کہ زمین کے ہر طبقہ میں ایک ہادی ہے جو اس طبقہ کے نبی کے ہم نام ہو پس ان طبقات تحتانیہ میں آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام ہادی ہوتے ہیں جو حقیقت میں انبیاء نہ تھے بلکہ محض ہادی تھے اور اس طبقہ کے انبیاء کے ہم نام تھے اور کسی اعتبار سے اس طبقہ کے انبیاء ورسل کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے، علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اور مشابہت سے مماثلت اور مساوات لازم نہیں آتی اس لیے کہ کلام عرب میں کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے اور تشبیہ کے لیے یہ لازم نہیں کہ مشبہ، مشبہ بہ کے مماثل اور برابر ہو، لہٰذا اس

سے یہ بات ثابت کرنا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا بھی کوئی نظیر اور ہمسر ہے کسی طرح صحیح نہیں نیز حق تعالیٰ شانہ کے اس قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اولاد آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ جنات میں سے رسول نہیں آئے تحتانی طبقات کے باشندے اسی طبقہ زمین کے پیغمبروں کے تابع رہے ہیں۔ (دیکھو کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۲۶۱)

تاویل دوم:...... یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ کی مراد یہ ہو کہ جس طرح اس طبقہ زمین میں نبوت کا سلسلہ جاری رہا اسی طرح زمین کے تحتانی طبقات میں بھی ہدایت کے لیے نبوت وبعثت کا سلسلہ جاری رہا، اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ سلسلہ کا غیر متناہی ہونا باطل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ہر طبقہ میں ایک مبدأ سلسلہ ہوگا جو ہمارے آدم علیہ السلام کے مشابہ ہوگا اور ایک آخر سلسلہ ہو جو ہمارے خاتم النبیین کے مشابہ ہوگا پس بناء علیہ طبقات تحتانیہ کے اواخر انبیاء پر خواتم کا اطلاق درست ہوگا مگر اسکی خاتمیت اس طبقہ کے ساتھ مخصوص ہوگی عام نہ ہوگی بلکہ اضافی ہوگی اور ہمارے خاتم الانبیاء کی خاتمیت عام اور تمام اور مطلق اور دائم ہوگی کیونکہ آپ ﷺ کی دعوت اور بعثت عام ہے کوئی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا مطابق عقائد اہل سنت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت عام ہے اور قیامت تک تمام جن وانس پر آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی فرض اور لازم ہے پس اگر بالفرض والتقدیر آپ ﷺ کے زمانہ میں کسی طبقہ زمین میں کوئی نبی ہوا بھی تو آپ ﷺ ہی کے شریعت کا متبع ہوگا اور وہ صرف اپنے ہی طبقہ کا خاتم ہوگا، اور اس کی خاتمیت اضافی ہوگی اور حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت عام اور تام اور دائم ہے، حضور پرنور ﷺ جس طبقہ زمین پر مبعوث ہوئے اس طبقہ زمین پر جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ مسیلمہ کذاب کی طرح بلاشبہ دجال اور کذاب ہوگا، مسیلمہ کذاب خواہ یمن کا ہو یا پنجاب کا سب کا ایک ہی حکم ہے۔

اور طبقات تحتانیہ کے خواتم میں عقلاً تین احتمال ہیں اور یہ کہ وہ خواتم آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت کے بعد ہوں یہ احتمال قطعاً باطل ہے اس لیے کہ حدیث لا نبی بعدی اس بارہ میں نص صریح ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ دوسرے خواتم آپ ﷺ سے مقدم ہوں اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ہم عصر ہوں اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ ضرور بالضرور شریعت محمدیہ کے متبع ہوں گے اور ان کی خاتمیت اضافی ہوگی اور ہمارے خاتم الانبیاء ﷺ کی خاتمیت اور دعوت عام اور تام ہوگی بہرحال خاتمیت حقیقی ہو یا اضافی ظہور خاتم کے بعد ہر طبقہ زمین میں نبوت کا دعویٰ کفر اور دجل ہوگا اور ہر طبقہ کا مدعی نبوت کذاب اور دجال اور مسیلمہ اور اسود عنسی کی طرح واجب القتل ہوگا اور علی ہذا جو شخص آنحضرت ﷺ کی نبوت اور دعوت کو اسی طبقہ زمین کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہو اور ہر طبقہ کے خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر اور دجال ہے۔

تاویل سوم:...... یہ بھی کہا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ابن عباس ؓ کا یہ قول عالم مثال پر محمول ہے کہ ہر طبقہ زمین میں اس طبقہ زمین کے صور مثالیہ اور اشباہ اور امثال موجود ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس ؓ کی ایک روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے، وہ یہ کہ ابن عباس ؓ سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان زمینوں میں مجھ جیسا ابن عباس ؓ بھی ہے اور ہر زمین میں اور ہر آسمان میں ایک خانہ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین وآسمان میں ایک خانہ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین د

آسمان میں چودہ خانے کعبے موجود ہیں، حضرات اہل کشف کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اور عالم مثال یعنی رؤیت مثالیہ پر محمول ہے اور فتوحات مکیہ میں اس قسم کی چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جدید فلاسفہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں ہیں، فلاسفہ عصر آسمان کے وجود کے تو سرے سے قائل ہی نہیں اور زمین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک زمین ہے اور باقی چھ زمینوں کے قائل نہیں، فلاسفہ عصر کہتے ہیں کہ فضا میں جو نیلگوں رنگ نظر آتا ہے یہ فضاء کا یا ایتھر کا رنگ ہے اس لیے کہ بڑی بڑی نزدیک کن خوردبینوں سے سوائے کواکب کے فضاء میں کوئی اور جسم نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا ہے، ممکن ہے بعد مسافت کی وجہ سے آسمان نظر نہ آتا ہو اس لیے یہ انکار قابل التفات نہیں نیز فلاسفہ عصر کا مذہب یہ ہے کہ اس فضا اور خلا کی کوئی انتہاء نہیں اور ظاہر ہے کہ خوردبین کی رسائی غیر محدود نہیں، پس ممکن ہے کہ آسمان اس غیر محدود فضا اور غیر متناہی خلا کے اندر اتنے دور فاصلہ پر واقع ہو کہ بعد مسافت کی وجہ سے دوربین کی رسائی نہ ہوسکتی ہو اور یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو، دیکھنے والے کو اصل عمارت تو نظر نہیں آتی بلکہ اس کا پلستر دکھائی دیتا ہے اور علی ہذا فلاسفہ عصر کا سات زمینوں کے وجود کا انکار بھی بالکل بے دلیل ہے جس طرح ایک زمین موجود ہوسکتی ہے اسی طرح سات زمینیں بھی موجود ہوسکتی ہیں، سات زمینوں کا وجود عقلاً محال اور ممتنع نہیں اور چونکہ مخبر صادق نے ہم کو ان کے وجود کی خبر دی ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور فلاسفہ عصر کی بے دلیل باتوں سے قرآن وحدیث اور اللہ و رسول کی باتوں میں شکوک واوہام پیدا کرنا زیب نہیں دیتا اس تحقیق عمیق سے اہل علم کے قلوب کو یقیناً طمانیت وسکون نصیب ہوگا اور دین اسلام کے کسی عقیدہ پر کسی طرح کا بھی شبہ پیدا نہ ہوسکے گا۔ وللہ الحمد والمنۃ تم بحمد اللہ تعالیٰ وبتوفیق اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ الطلاق۔

سورۃ التحریم

اس سورت کا مضمون اپنی عظمت واہمیت کے لحاظ سے اس بات کی راہنمائی کر رہا ہے کہ مسلمان کو اپنی گھریلو زندگی کس اعتدال واحتیاط کے ساتھ گزارنی چاہئے اور اس میں اہل بیت کے حقوق وجذبات کی رعایت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت کو بھی پوری طرح برقرار رکھا جائے، اور اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ازواج میں سے کسی کی دلجوئی کی خاطر کسی دوسرے کی حق تلفی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

ابتداء سورت میں آنحضرت ﷺ نے جو مباح چیز یعنی شہد اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کا ذکر ہے پھر ایسے جذبات جو اس امر کا داعی بنے ان کا بھی بیان ہے ساتھ ہی اس پر بھی تنبیہ ہے کہ گھریلو زندگی کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی راز ہو تو اس کو راز ہی رکھا جائے اور یہ بھی کہ اگر ازواج کسی قسم کی بے اعتدالی اختیار کریں تو یہ بھی نوبت آسکتی ہے کہ ان کو طلاق دے دی جائے اس ضمن میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر عورتیں اپنی مزاجی کیفیات سے کسی قسم کی بدعنوانی یا زیادتی اختیار

کریں گی تو پھر ان صالح اور نیک اطوار خاوندوں کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی، اختتام سورت پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مرد صالح کی زوجیت میں کوئی شقی اور بدنصیب عورت آ جائے، اور یہ بھی ممکن ہے صالح اور پاکباز خاتون کا شوہر عاصی و نافرمان ہو تو ایسے احوال میں عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ہدایت اور حق پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔

(۶۶ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (ایاتها ۱۲ رکوعاتها ۲)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

ف۱ اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی ف۲ اور اللہ بخشنے والا ہے

اے نبی! تو کیوں حرام کرے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر؟ چاہتا ہے رضامندی اپنی عورتوں کی۔ اور اللہ بخشنے والا ہے

ف۱ سورۂ "احزاب" کے فوائد میں گزر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہو گئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی خیال آیا کہ ہم کیوں آسودہ نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ شروع کیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے۔ "وھن حولی یطلبننی النفقة۔" اور بخاری کے ابواب المناقب میں ہے "وحوله نسوة یکلمنه ویستکثرنه" اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ بتلائی۔ آخر ازواج رضی اللہ عنہن نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہے۔ پھر بھی رفتار واقعات کی ایسی رہی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ماہ کے لیے ازواج سے "ایلاء" کرنا پڑا۔ تا آنکہ آیہ تخییر نے جو "احزاب" میں ہے نازل ہو کر اس قصہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس درمیان میں کچھ واقعات اور بھی پیش آئے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک پر گرانی ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جو محبت اور تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس نے قدرتی طور پر آپس میں ایک طرح کی کشمکش پیدا کر دی تھی۔ ہر ایک زوجہ کی تمنا اور کوشش تھی کہ وہ زائد از زائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات و فیوض سے متمتع ہو۔ مرد کے لیے یہ موقع تحمل اور تدبر اور خوش اخلاقی کے امتحان کا نازک ترین موقع ہوتا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی ویسی ہی غیر متزلزل ثابت ہوئی جس کی توقع سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت سے ہو سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج رضی اللہ عنہن کے ہاں تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا تھا اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مل کر تدبیر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع ہو گی تو خواہ مخواہ دل گیر ہوں گی۔ حفصہ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق (جو آپ کے حرم سے تھی جن کے بطن سے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ تولد ہوئے) پیش آیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی خاطر قسم کھالی کہ ماریہ کے پاس نہ جاؤں گا۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی حالانکہ منع کر دیا تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس نے کہا۔ شاید عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خیال گیا ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ" یعنی حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی۔ ان ہی واقعات کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

ف۲ حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال و مباح سمجھتے ہوئے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کروں گا۔ ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لیے اس طرح کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو۔ اس لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے۔ مگر اس حد تک ضرورت نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔

رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ

مہربان ف۱ مقرر کر دیا اللہ نے تمہارے لیے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا

مہربان۔ ٹھہرا دیا اللہ نے تم کو کھول ڈالنا اپنی قسموں کا۔ اور اللہ صاحب ہے تمہارا، اور وہی سب جانتا

الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ

حکمت والا ف۲ اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی اور اللہ نے جتلا دی

حکمت والا۔ اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات، پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی، اور اللہ نے جتا دیا

عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ

نبی کو وہ بات تو جتلائی نبی نے اس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب وہ جتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ

نبی کو یہ، جتائی نبی نے اس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ۔ پھر جب وہ جتلایا عورت کو، بولی تجھ کو کس نے بتایا یہ؟

قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا

کہا مجھ کو بتایا اس خبر والے واقف نے ف۳ اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے ف۴ اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گی

کہا مجھ کو بتایا اس خبر والے واقف نے۔ اگر تم دونوں توبہ کرتیاں ہو، تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے۔ اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گیاں

عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

اس پر تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبرائیل اور نیک بخت ایمان والے اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں ف۵

اس پر تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک ایمان والے، اور فرشتے اس پیچھے مددگار۔

ف۱ کہ گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا۔ محض اپنے درجہ میں ایک خلاف اولیٰ بات ہوئی۔

ف۲ یعنی اس مالک نے اپنے علم و حکمت سے تمہارے لیے مناسب احکام و ہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نامناسب چیز پر قسم کھالے تو کفارہ دے کر (جس کا ذکر سورۃ "مائدہ" میں آ چکا۔) اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" اب جو کوئی اپنے مال کو کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو قسم ہوگئی۔ کفارہ دے، تو اس کو کام میں لائے کھانا ہو یا کپڑا یا لونڈی۔"

ف۳ شروع سورت میں ہم شہد کا اور ماریہ قبطیہ کا قصہ لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ بندے ایک بات کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کریں، اللہ جب ظاہر کرنا چاہے تو ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تساہل اور اغماض برتتے اور کس طرح ازراہ عفو و کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے تھے۔ گویا شکایت کے موقع پر بھی پورا الزام نہ دیتے تھے۔" موضح القرآن" میں ہے کہ "بعض کہتے ہیں۔" اس حرم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا موقوف کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا اور کسی کو خبر کرنے سے منع کیا۔ اور اس کے ساتھ کچھ اور بات بھی کہی تھی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب خبر کر دی۔ کیونکہ دونوں باتوں میں دونوں کا مطلب تھا۔ پھر وحی سے معلوم کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کو حرم کی بات کا الزام دیا اور دوسری بات ذکر میں نہ لائے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ شاید یہ تھی کہ تیرا باپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ الغیب عند اللہ۔ جو بات اللہ اور رسول نے ٹلا دی ہم کیا جانیں۔ اسی واسطے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہو تا کہ اور لوگ برا نہ مانیں۔" یہ مضمون خلافت کا بعض ضعیف روایات میں آیا ہے جسے بعض علماء شیعہ نے بھی تسلیم کیا۔

ف۴ یہ عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کو خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو بیشک توبہ کا موقع ہے کیونکہ تمہارے دل جادۂ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں۔ =

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ

اور اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اس کا رب بدلے میں دے دے اس کو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی

ابھی اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو، اس کا رب بدلے میں دے اس کو عورتیں تم سے بہتر۔ حکم بردار یقین رکھتیاں نماز میں کھڑی

تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ

ہونے والیاں توبہ کرنے والیاں بندگی بجا لانے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں ف۱ اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو

توبہ کرتی، بندگی بجا لاتیں روزہ دار، بیاہیاں اور کنواریاں۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو

وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ

اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر ف۲ اس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست ف۳ نافرمانی نہیں کرتے

اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے، جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر، اس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست، بے حکمی نہیں کرتے

اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝۶ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ

اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو ف۴ اے منکر ہونے والو مت بہانے بتلاؤ آج کے دن

اللہ کی جو بات ان کو فرمائی، اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو۔ اے منکر ہونے والو! مت بہانے بناؤ آج کے دن۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ ع ۱۲

وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے ف۵

وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے۔

=لہٰذا آئندہ ایسی بے اعتدالیوں سے پرہیز رکھا جائے۔

ف۵ زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداءً بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخرکار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے۔ اس لیے متنبہ فرما دیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ان سے پیغمبر کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے۔

(تنبیہ) بعض سلف نے "صالح المومنین" کی تفسیر میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا ہے۔ شاید یہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کی مناسبت سے ہوگا واللہ اعلم۔

ف۱ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لیے ناگزیر ہماری سب باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو! اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر بیبیاں اپنے نبی کے لیے پیدا کر دے۔ اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے۔

(تنبیہ) ثیبات (بیواؤں) کا ذکر شاید اسی لیے کیا کہ بعض حیثیات سے آدمی ان کو ابکار پر ترجیح دیتا ہے۔

ف۲ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر لائے سمجھا کر، ڈرا کر، پیار سے، مار سے جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کم بختی، یہ بے قصور ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ کی تفسیر پارہ "الٓمّ" کے شروع میں گزر چکی۔

ف۳ یعنی مجرموں کو نہ رحم کھا کر چھوڑیں نہ ان کی زبردست گرفت سے کوئی چھوٹ کر بھاگ سکے۔

ف۴ یعنی نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس کے احکام بجا لانے میں سستی اور دیر ہوتی ہے نہ امتثال حکم سے عاجز ہیں۔ .... =

تعلیم صبر واستقامت وعدل وانصاف درحقوق وامور معاشرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ ... الی ... اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں طلاق وعدت کے بعض اہم احکام کا بیان تھا اب اس سورت میں بعض ایسے جذبات طبعیہ کا بیان ہے جن کے باعث خانگی زندگی کا اعتدال وتوازن ختم ہوسکتا ہے اور اس سے تفریق وجدائی کی بھی نوبت آسکتی ہے، اور ایک خاص واقعہ بھی حضور اکرم ﷺ کی ازواج کی طرف سے پیش آیا تھا تو اس کی مناسبت سے بعض خصوصی احکام وہدایات بھی بیان فرمائی جارہی ہیں۔

صحیحین ودیگر کتب حدیث میں اس سورت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے، حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں آنحضرت ﷺ کچھ دیر حضرت زینب بنت جحش ؓ کے پاس ٹھیر جایا کرتے تھے (جبکہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج کے حجروں میں تشریف لے جاتے تاکہ ان کے احوال کا علم ہو، اور ازواج مطہرات کے لیے آپ ﷺ کی زیارت وتشریف آوری موجب برکت وراحت ہو) اس وقت حضرت زینب ؓ کے پاس شہد آیا ہوا تھا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پلایا تو دو چار روز اس کے نوش فرمانے میں دیر لگی اور حضرت عائشہ ؓ اور حفصہ ؓ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو ہم یہ کہیں کہ یارسول اللہ آپ ﷺ کے منہ سے تو مغافیر (ایک قسم کے گوند کو کہا جاتا ہے) کی بدبو آرہی ہے تاکہ آپ ﷺ اس چیز کو ترک کردیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا بیان کرتی ہیں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا میں تو آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بدبو محسوس کررہی ہوں آپ ﷺ نے مغافیر کھایا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ حفصہ ؓ کے یہاں گئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے تو شہد پیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے طبعی ناگواری کے ساتھ فرمایا خدا کی قسم میں اب شہد نہیں پیوں گا تو اس طرح آپ ﷺ نے اپنی قسم کے ذریعے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیا، اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی اور اس سلسلہ میں جو بعض باتیں پیش آئیں ان کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا یہی شان نزول صحیح ہے اگرچہ مفسرین نے ایک دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا ہے، ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ہے اگرچہ مصلحتاً کسی حلال چیز سے عملاً پرہیز کرنا کوئی ممنوع فعل نہیں جب کہ عقیدۃً انسان حلال چیز کو حلال ہی سمجھتا رہے مگر پھر بھی وہ آنحضرت ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ تھی تو فرمایا چاہتے ہیں آپ ﷺ اپنی بعض ازواج کی خوشنودی۔ خوش خلقی اور ازواج کی خوشنودی بے اچھی چیز ہے، لیکن جس حد تک اس کی ضرورت نہ ہو یا کسی کی خوشنودی دوسری کے لیے دل شکنی اور رنج کا ذریعہ بنے یہ آپ ﷺ کے مقام عالی کے مناسب نہیں تو اس پر درگزر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے وہ اس قسم کی غیر مناسب یا خلاف اولی باتوں کو درگزر فرماتا ہے اور اپنی رحمت ومہربانی سے نوازتا ہے بے شک اللہ نے مقرر کردیا ہے تمہارے واسطے تمہاری قسموں کا حلال کرنا کہ کسی حلال چیز سے رکے رہنے کے بجائے قسم کا کفارہ دے کر اس حلال کو اختیار کرو نہ یہ کہ عملاً اس سے اس طرح

=ف۵ یعنی قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہوگا، اس وقت منکروں سے کہا جائے گا کہ حیلے بہانے مت بتلاؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے کوئی ظلم زیادتی نہیں۔ تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔

پرہیز کرتے ہو، جیسا کہ حرام چیز سے پرہیز کیا جاتا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے وہی سب کچھ جاننے والا صاحب حکمت ہے چنانچہ ایسا ہی مقدر ہوا اور نبی کریم ﷺ نے محض اس وجہ سے دیگر ازواج کے لیے کسی قسم کی رنجیدگی کا باعث نہ ہو قسم کھالی کہ میں اب آئندہ شہد نہ پیوں گا اور جب چھپا کر کہی پیغمبر نے ایک بات اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اور ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ کسی اور سے مت بتانا تا کہ کسی کو رنج نہ پہنچے لیکن پھر جب اس نے خبر کر دی اس بات کی ازواج میں کسی اور کو بھی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتادی کہ دیکھو حضور ﷺ نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اب آپ ﷺ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں زیادہ دیر نہ کرسکیں گے اور اللہ نے اس پر اپنے پیغمبر کو مطلع کر دیا تو اللہ کے پیغمبر نے کچھ بات بتلا دی اور کچھ سے اعراض کیا اس مصلحت سے کہ اس بیوی کو کسی قسم کا رنج یا بدگمانی نہ ہو تو جب پیغمبر نے یہ بات ظاہر کی اس بیوی سے تو اس نے پوچھا کس نے خبر دی ہے آپ ﷺ کو اس بات کی کہ میں نے یہ راز کسی کو بتایا ہے۔ جواب دیا۔ بتادیا مجھ کو اس بڑے علم رکھنے والے خبردار نے کہ جس پروردگار کے علم میں ہر چھوٹی بڑی چیز ہے، اللہ رب العزت جب کسی بات کو ظاہر کرنا چاہے تو اسے کوئی نہیں چھپا سکتا تو آنحضرت ﷺ نے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کے بارے میں چاہا کہ یہ شہد پینے کے معاملہ کو بھی ترک کر دوں تا کہ وہ ازواج جو حضور ﷺ کے غایت تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ کی تشریف آوری اور زیارت کے لیے بے چین رہتیں اور اگر ذرا چند لمحوں کی بھی ہوئی تو وہ دیر انکو دوبھر گزری ادھر یہ بھی چاہا کہ جو بیوی اس تعلق اور جذبہ سے آپ ﷺ کی ایک مرغوب چیز (شہد) سے تواضع کرتی تھیں ان کو اس کا علم نہ ہو کیونکہ ان کو معلوم ہونے سے یقیناً رنج پہنچے گا اس وجہ سے یہ صورت کی کہ شہد حرام کر لیا اور اس کی قسم کھانے کے بارے میں یہ بھی تاکید کر دی کہ کسی کی خبر نہ کی جائے لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا بہر کیف عورت تھیں اور عورت کے مزاج میں ضعف ہوتا ہے تو اس کو چھپا نہ سکیں اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر کر دی ظاہر ہے کہ اس صورت حال کے پیش آنے پر ان دونوں کا قصور ظاہر ہوا تو حق تعالیٰ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم دونوں اللہ کی طرف تائب ہو جاؤ تو اچھا ہے کیونکہ تمہارے دل جھک پڑے تھے ان میں میلان اور ٹیڑھا پن آ گیا تھا اور جادۂ اعتدال سے جھک کر ایک طرف مائل ہو چکے تھے اور اے عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا اگر تم دونوں پیغمبر خدا پر کوئی غلبہ حاصل کرنے کا ارادہ کرو گی تو پھر سمجھ لو کہ اللہ بھی ان کا مولیٰ ہوگا اور جبریل بھی اور صالحین مومنین بھی یہ سب خدا کے پیغمبر کی مدد کے لیے ہوں گے اور یہ ہی نہیں بلکہ فرشتے بھی اس کے بعد مددگار ہوں گے۔ تو خدا اس طرح اپنے پیغمبر کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اور ایسی صورت میں کہ خدا اس کے فرشتے جبریل امین علیہ السلام اور صالحین ❶ مومنین مددگار ہوں تو کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا پیغمبر خدا ﷺ کی ازواج کو پیغمبر کی تکلیف اور رنج سے ڈرنا چاہئے خدا اپنے پیغمبر کو ہر قسم کی ذہنی الجھن سے پاک اور محفوظ فرمانے پر بڑا ہی قادر ہے اس وجہ سے اے ازواج رسول اللہ ﷺ سن لو بہت قریب ہے یہ بات کہ اگر یہ نبی تم کو طلاق دے دیں تو پھر ان کا رب ان کو دوسری بیویاں دے دے تمہارے بجائے جو تم سے بہتر ہوں فرمانبردار ہوں ایمان

❶ بعض مفسرین نے صالح المومنین کی تفسیر میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام بیان کیا ہے اور ان ناموں کا ذکر کرنا حضرت عائشہ وحضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پیش نظر نہایت ہی لطیف اور مناسب ہے۔ ۱۲

ویقین رکھنے والیاں خدا کی مطیع توبہ کرنے والی عبادت گزار روزہ دار ہوں، بیوہ ہوں اور دوشیزہ لہٰذا کسی کو یہ دھوکہ نہ لگے اور نہ ہی یہ تصور پیدا ہو کہ ہم سے بہتر پیغمبر کو اور کوئی نہیں مل سکتا، پیغمبر کے لیے اللہ جب کی بھی زوجیت مقرر فرمادے گا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگی اور اس میں ایمان ویقین اور باطنی کمالات وخوبیوں کے ساتھ جسمانی محاسن بھی پیغمبر کا رب ان میں جمع کردیگا۔

انسان کی زندگی میں ایسے گھریلو واقعات اور ناگوار خاطر امور پیش آہی جایا کرتے ہیں اس وجہ سے اے ایمان والو تمہیں خاص تاکید کے ساتھ یہ ہدایت ہے کہ بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی ایسی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس کے عذاب اور گرفت سے نہ کوئی بچ سکتا ہے اور نہ نکل سکتا ہے جس پر فرشتے سخت مزاج نہایت مضبوط نگران ہیں جو نافرمانی نہیں کرتے اللہ کے حکم کی جو بھی اللہ ان کو حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے تو جس جہنم پر ایسے فرشتے نگران ہوں گے کہ ان کو مجرموں پر نہ ترس آئے گا اور نہ وہ نرم دل ہوں گے یقیناً اس کے عذاب سے کوئی مجرم نہیں بچ سکتا اور انسان کو چاہئے کہ اپنی ذمہ داری کے ساتھ افراد خانہ اور اہل وعیال کی بھی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور یہ سب کام انسان دنیا کی زندگی ہی میں کرسکتا ہے یہ زندگی دار العمل ہے اور روز آخرت دار العمل نہیں رہے گا بلکہ وہ روز جزاء ہوگا جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، یایھا الناس انکم الیوم فی دار العمل ولا حساب وانتم غدا فی دار اجزاء والا عمل کہ اے لوگو! تم آج دار العمل میں ہو جہاں حساب وکتاب نہیں مگر کل آنے والے دن اس جگہ ہوگے۔ جہاں حساب ہی حساب ہوگا نہ کہ عمل تو ایسے ہیبت ناک دن اعلان ہوگا اے کافرو! مت عذر پیش کرو آج کے دن اب تو بس تمہیں بدلہ دیا جائے گا ان اعمال کا جو تم کرتے تھے تو جب روز قیامت جہنم سامنے ہوگی اور اس کا دہکتا ہوا عذاب نظر آرہا ہوگا اور مجرموں پر یہ تنبیہ ہوگی کہ اب عذر اور بہانوں کی گنجائش نہیں تو بلاشبہ ایسے دن سے پہلے انسان اپنی اور اپنے گھروں کی اصلاح کرلے تو بہتر ہے اور بعض دفعہ معمولی جھگڑے بھی بڑی مصیبت کا سبب بن جاتے ہیں تو اس وجہ سے گھریلو منازعات اور باہمی رنجش کی باتوں سے بڑا ہی محتاط رہنا چاہئے اور ان سب باتوں کے لیے بنیادی چیز اپنے طبعی جذبات کو قابو میں رکھنا ہے ساتھ حلم اور درگزر بھی چاہئے جیسا کہ بیان کردہ واقعہ میں پیغمبر خدا ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے معلوم ہوا۔

خطاب خاص برائے ازواج مطہرات

﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا کہ میں ایک عرصہ دراز تک اس فکر میں رہا اور یہ چاہتا تھا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ معلوم کروں کہ یہ دونوں کون ہیں آنحضرت ﷺ کی ازواج علیہن الرضوان میں سے جن کو یہ خطاب فرمایا گیا کہ اگر تم دونوں اللہ کی طرف تائب ہوجاؤ تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دلوں میں ٹیڑھا پن پیدا ہوگیا ہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ (اور ہمت نہ ہوتی تھی کہ دریافت کروں) ایک دن جب وہ کسی منزل پر ٹھیرے ہوئے تھے اور ایک جانب کسی ضرورت کو گئے اور جب واپس فارغ ہوکر آئے اور میں وضو کرانے لگا تو عرض کیا اے امیر المؤمنین یہ دو عورتیں کون ہیں

جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ﴿اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ﴾۔ فرماتے ہیں میں نے یہ لفظ منہ سے نکالا ہی تھا کہ فرمایا تعجب کی بات ہے اے بھتیجے (کہ تم کو اب تک اس کا علم نہیں) یہ تو عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں، یہ کہہ کر پھر تفصیل سے یہ قصہ سنانا شروع کر دیا کہ ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے جب مدینہ منورہ آئے تو یہاں کے لوگوں کو پایا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں، تو ہماری عورتیں بھی مدینہ آ کر ان کی باتیں سیکھنے اور اختیار کرنے لگیں، اور فرمایا میرا مکان عوالی مدینہ میں دار امیہ بن زید میں تھا ایک روز میں اپنی اہلیہ پر کچھ ناراض ہوا اور غصہ میں کچھ کہا تو ناگہاں میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے الٹ کر جواب دے رہی ہے مجھے حیرت ہوئی اور میں نے اس کو کہا کہ اچھا تو مجھے جواب دے رہی ہے اس پر وہ کہنے لگی اے عمر رضی اللہ عنہ تمہیں اس بارے میں کیوں تعجب ہو رہا ہے کہ میں تمہیں جواب دے رہی ہوں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کر رہی ہیں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو کر صبح سے شام تک علیحدہ بیٹھے ہوئے ہیں یہ سن کر میں فوراً حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرتی ہو، انہوں نے کہا ہاں اس قسم کی بات ہے میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ناراض صبح و شام تم سے علیحدہ رہتے ہیں جواب دیا جی ہاں! ایسا ہی ہے میں نے کہا یقیناً تم میں سے ہو ہلاک و تباہ ہوئی جس نے ایسا کیا، کیا تم اس بات سے مطمئن ہو کہ خدا ناراض نہ ہوگا تم سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے۔

تو پوری تفصیل سے قصہ نقل کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور گفتگو کا واقعہ بیان کیا، اہل علم صحیح بخاری و مسلم کی مراجعت فرمائیں۔

روایات میں ہے کہ مسروق رحمہ اللہ نے شعبی رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواج مطہرات نے جب نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا تو ایک ماہ کے لیے ایلاء فرمالیا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارہ کا حکم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

وہ ایک واقعہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے نفقہ کی زیادتی کی فرمائش پر تھا وہ ایک قسم تھی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک ملاقات نہ کرنے کہ اسی کے ساتھ یہ دوسرا واقعہ تھا جس میں شہد نہ پینے کے لیے قسم تھی مطالبہ نفقہ پر آیت تخییر سورۃ احزاب کی نازل ہوئی، اور شہد کی حرمت پر یہ سورۃ تحریم نازل ہوئی۔

(تفصیل کیلئے کتب سیرت و تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس وقت ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملہ میں جب باہم جمع ہو گئیں حمیت و غیرت کے جذبہ میں آ کر تو میں نے ان سے کہا ﴿عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ يُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَيۡرًا مِّنۡكُنَّ﴾ تو (کچھ ہی دیر بعد) یہی الفاظ قرآن کریم میں نازل ہو گئے تو یہ آیت بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقات میں سے ہے جس طرح ﴿وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ اور آیت حجاب ان کی موافقات میں سے ہے سبحان اللہ کیا مقام ہے قرآن کریم کی آیات لوح محفوظ سے اترنے سے پہلے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قلب و دماغ میں القاء کی جارہی ہیں اور ان کی زبان قبل از نزول ہی ان کا تلفظ کر رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ

اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ ف۱ امید ہے تمہارا رب اتار دے تم سے

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ۔ شاید تمہارا رب اتارے تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ

تمہاری برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو

تمہاری برائیاں، اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی نہریں۔ جس دن اللہ ذلیل نہ کریگا نبی کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا

اور ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ ف۲ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے ف۳ کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو

اور جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ۔ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے! پوری کر دے ہم کو

نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے ف۴ اے نبی لڑائی کر منکروں سے دغابازوں سے

ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو۔ تو ہر چیز کرسکتا ہے۔ اے نبی لڑائی کر منکروں سے اور دغا بازوں سے

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨

اور سختی کر ان پر ف۵ اور ان کا گھر دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے ف۶

اور سختی کر ان پر، اور ان کا گھر دوزخ ہے۔ اور بری جگہ پہنچے۔

حکم توبہ وانابت الی اللہ باخلاص قلب ووعدۂ معافی خطایا وبشارت حصول نعمت ہائے جنت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الی ... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں انسانی زندگی کے لیے ایسی ہدایات تھیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان اس قسم کی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو مزاجی عدم اعتدال یا گھریلو منازعات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اب ان آیات میں اللہ کی طرف رجوع اور

ف۱ صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ "رزقنا اللہ منہا حظا وافرا بفضلہ وعونہ وھو علی کل شئی قدیر۔"

ف۲ یعنی نبی کا تو کہنا کیا اس کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہ کرے گا بلکہ نہایت اعزاز واکرام سے فضل وشرف کی بلند مناصب پر سرفراز فرمائے گا۔

ف۳ اس کا بیان سورۃ "حدید" میں ہو چکا۔

ف۴ یعنی سورۃ حدید میں بیان ہو چکا کہ روشنی بجھ جائے گی اور اندھیرے میں کھڑے رہ جائیں گے مفسرین نے عموماً یہ ہی لکھا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب اتمم لنا نورنا کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "روشنی ایمان کی دل میں ہے، دل سے بڑھے تو سارے بدن میں پھر گوشت پوست میں" (سرایت کرے)

ف۵ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق اور نرم خوئی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے تحمل کرو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔

ف۶ پہلے مومنین کا ٹھکانا بتلایا تھا۔ یہاں اس کے بالمقابل کفار ومنافقین کا گھر بتلا دیا۔

توبہ کا حکم ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ اپنی کوتاہی پر نادم وشرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور توبہ واستغفار صدق دل سے کرے اسی سے اس کی نجات وکامیابی ہے، ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو رجوع کرو اللہ کی طرف سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہوتے ہوئے اور اخلاص دل سے یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ پھر آئندہ ایسی غلطی نہ کروں گا اور اس عقیدہ کے ساتھ کہ اللہ بڑا ہی غفور رحیم ہے اور وہ قادر مطلق ہے گناہ پر گرفت فرما سکتا ہے اور چاہے تو معاف بھی فرمانے والا ہے۔ امید ہے تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں مٹا دے گا اپنے فضل وکرم سے اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغوں میں جن کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہر قسم کی راحت اور ہر نوع کی نعمت موجود ہوگی۔ جس دن کہ اللہ شرمندہ نہیں کرے گا اپنے پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس پیغمبر کے ساتھ ایمان لائے بلکہ بڑے ہی اعزاز واکرام بلند سے بلند تر مناصب اور مقام عطا فرمائے گا۔ ان اہل ایمان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کی داہنی جانبوں میں کہتے ہوں گے۔ غایت فرحت وسرور سے اور اللہ کے انعامات کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ اے ہمارے پروردگار پوری کردے ہمارے واسطے ہماری روشنی اور معاف کردے ہماری وہ تمام کوتاہیاں اور غلطیاں جو ہم نے تیرا حق ادا کرنے میں کیں بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔

جہاں ایک طرف ان گزشتہ واقعات میں صبر وحلم اور عفو ودرگزر کی تعلیم دی گئی اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ضرورت ہے کہ سختی اور قوت کا استعمال کیا جائے ان کا مجرمانہ کردار اسی کا متقاضی ہے کہ سزا اور سرکوبی کا عمل ان کے ساتھ کیا جائے، برخلاف گھریلو زندگی کے کہ اس میں نرمی اخلاق اور صبر وحلم ہی زیب دیتا ہے تو فرمایا اے نبی ﷺ جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجئے۔ اور وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان پر نرمی کی جائے کیونکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے تو جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمن ہیں اور مجرم ہیں، خدا نے انکے واسطے شدت وسختی اور عذاب جہنم طے کر دیا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ نرمی برتنے کا کوئی مطلب نہیں وہ بلاشبہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر سختی کی جائے اور جہاد کے ذریعے سرکوبی ہو، کیونکہ ان کے کفر ونافرمانی سے عالم کا امن تباہ ہوگا اور ایسے مفسدوں اور فتنہ انگیزوں کی سرکوبی ہی عالم کے لئے امن وعافیت کا موجب ہے تو پیغمبر ﷺ خدا کی ایسے مجرموں کے ساتھ یہ سختی بھی دنیا میں بسنے والے انسانوں کے واسطے رحمت ومہربانی ہوگی۔

توبۃ نصوحا کی تفسیر

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا فرما رہے تھے ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ کرلے تو اس سے تائب ہو اور اس طرح کہ پھر وہ گناہ دوبارہ نہ کرے، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عزم اور ارادہ کے ساتھ توبہ کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا اس طرح کبار تابعین وائمہ سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عزم وارادہ پختہ ارادہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کو کئے ہوئے گناہ پر ندامت ہو اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے، ﴿اَلتَّوْبَةُ﴾ الندم کہ

توبہ ندامت کا نام ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے توبۃ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہ خداوندی میں استغفار کرو۔ احادیث صحیحہ میں ہے توبہ انسان کے گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہے جس طرح کہ اسلام اس سے قبل کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتا ہے، احادیث میں سید الاستغفار کے کلمات اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں، بندہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے ایک طرف اس کے انعامات کا تصور کرے دوسری طرف اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو دیکھے یقیناً اس پر ایک ندامت وشرمندگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوگی، اس ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور آئندہ کے لیے اپنے رب سے عہد کرنا کہ پھر آئندہ میں حتی الامکان اس طرح کی غلطی نہ کروں گا اور اس پر خدا سے مدد مانگے اور اپنی ہمت وکوشش اسی پر صرف کرے تو ان شاء اللہ یہ توبہ نصوح ہوگی اور امید ہے اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں گے جن کا وعدہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾۔

میدان حشر میں اہل ایمان کا نور

﴿نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾: یہ اہل ایمان کے نور کا بیان ہے جو قیامت کے روز پل صراط پر بھی ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب یہ نور دراصل اسی نور کا ثمرہ ہوگا، جو روز عہد الست اولاد آدم جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالی گئی تو ان پر اللہ نے اپنا نور ڈالا جس کسی کو وہاں وہ نور پہنچ گیا دنیا میں اس کو نور ہدایت حاصل ہوا، اسی نور کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا۔ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا۔ ﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾۔ یہی نور مومن کی قبر میں ہوگا اور پھر یہی نور میدان حشر میں اس کے ساتھ ہوگا جس کو اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا گویا بدءِ تخلیق سے لے کر عالم حشر تک نور ہدایت کا سلسلہ اس طرح مربوط ہے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا اول من يؤذن له بالسجود يوم القيمة واول من يوزن له برفع راسه فانظر بين يدى فاعرف امتى بين الامم وانظر عن يمينى فاعرف امتى بين الامم، وانظر عن شمالى فاعرف امتى من بين الامم فقال رجل يا رسول الله كيف تعرف امتك من بين الامم قال غر محجلون من أثار الوضوء ولا يكون احد من الامم كذلك غيرهم واعرفهم يوتون كتبهم بايمانهم واعرفهم سيماهم فى وجوههم من اثر السجود واعرفهم بنورهم يسعى بين ايديهم۔

اللهم اجعلنا منهم بفضلك وكرمك يا اكرم الاكرمين وارزقنا شفاعة

حبیبک ونبیک سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولینا محمد والیہ واصحابہ اجمعین۔

کہ قیامت کے روز میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس کو سجدہ کی اجازت دی جائیگی اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر میں دیکھوں گا اپنے سامنے تو اپنی امت کو پہچانوں گا دوسری تمام امتوں کے دمیان، پھر دائیں طرف دیکھوں گا تو بھی تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا پھر اپنے بائیں جانب دیکھوں گا تب بھی اپنی امت کو دوسری تمام امتوں کے درمیان پہچان لوں گا تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کس طرح تمام امتوں کے درمیان پہچانیں گے آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے لوگ روشن پیشانیوں اور سفید قدم والے ہوں گے وضو کے آثار سے، اس قسم کی شان کسی بھی قوم کی نہ ہوگی تمام امتوں میں سے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے نامہ ہائے اعمال دیئے جائیں گے اور اسطرح بھی پہچانوں گا کہ انکی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہونگے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ

اللہ نے بتلائی ایک مثل منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے

اللہ نے بتائی ایک کہاوت منکروں کے واسطے، عورت نوح کی اور عورت لوط کی۔ گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے

عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ

ہمارے نیک بندوں میں سے پھر انہوں نے ان سے چوری کی پھر وہ کام نہ آئے ان کے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ دوزخ میں

ہمارے بندوں میں سے، پھر ان سے چوری کی، پھر وہ کام نہ آئے ان کو اللہ کے ہاتھ سے کچھ، اور حکم ہوا کہ جاؤ دوزخ میں ساتھ

الدّٰخِلِیْنَ ⑩ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ

جانے والوں کے ساتھ اور اللہ نے بتلائی ایک مثل ایمان والوں کے لیے عورت فرعون کی ف۱ جب بولی اے رب بنا میرے واسطے

جانے والوں کے۔ اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایمان والوں کو عورت فرعون کی، جب بولی اے رب! بنا میرے واسطے

ف۱ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کیسے نیک بندے، مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا لیکن دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا؟ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ، زوجیت ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ علیہا السلام بنت مزاحم، پکی ایماندار، ولی کامل، اور اس کا شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی۔ وہ نیک بیوی میاں کو خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی۔ نہ میاں کی شرارت و بغاوت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ پہنچی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اپنا ایمان درست کرو، نہ خاوند بچا سکے نہ جورو، یہ (قانون عام طور پر) سب کو سنا دیا ہے۔ یہ وہم نہ کیا جائے کہ (معاذ اللہ) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں پر کہا۔ ان کے لیے تو وہ کہا ہے (جو سورۃ "نور" میں ہے) "الطیبات لطیبین" اور اگر بفرض محال ایسا وہم کیا جائے تو امرأۃ فرعون کی مثال کس پر چسپاں کرو گے۔ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

اپنے پاس ایک گھر بہشت میں ف۱ اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے ف۲

اپنے پاس ایک گھر بہشت میں اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے، اور اس کے کام سے، اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ

اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو ف۳ پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک اپنی طرف سے جان ف۴ اور سچا جانا

اور مریم بیٹی عمران کی، جس نے روکی اپنی شہوت کی جگہ، پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک اپنی طرف کی جان اور سچ جانی

ع بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو ف۵ اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں ف۶

اپنے رب کی باتیں اور اس کی کتابیں اور تھی بندگی کرنے والوں میں۔

نمونۂ ایمان وکفر وہدایت وشقاوت برائے خواتین عالم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ... الی ... وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں توبہ کا حکم اور قلب کی تطہیر و پاکی کا بیان تھا اور یہ کہ اللہ رب العزت اپنے پیغمبر اور ان کے ساتھ

ف۱ یعنی اپنا قرب عنایت فرما۔ اور بہشت میں میرے لیے مکان تیار کر۔

ف۲ یعنی فرعون کے پنجہ سے چھڑا اور اس کے ظلم سے نجات دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے پرورش کیا تھا اور ان کی مددگار تھیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون کو جب حال کھلا تو ان کو چومیخا کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا۔ اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا۔ جس سے سب سختیاں آسان ہو جاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاستاً قتل کر دیا۔ اور جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئیں۔ حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اس پاک روح پر۔

ف۳ یعنی حلال وحرام سب سے محفوظ رکھا۔

ف۴ یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی۔ حضرت جبرائیل نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا، اور حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(تنبیہ) نفخ کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی کہ فاعل حقیقی اور موثر علی الاطلاق وہی ہے۔ آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے۔ بعض محققین نے یہاں "فرج" کے معنی چاک گریبان کے لیے ہیں۔ اس وقت "اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا" کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا۔ اور یہ نہایت بلیغ کنایہ ان کی عصمت وعفت سے ہوگا۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بہت پاک دامن ہے اور عرب میں کہا جاتا ہے "نقی الجیب طاهر الذیل" اس سے عفیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے۔ کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا۔ اس تقدیر پر "فنفخنا فیه" میں ضمیر لفظ "فرج" کی طرف اس کے لغوی معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ف۵ رب کی باتیں وہ ہوں گی جو فرشتوں کی زبانی سورۂ آل عمران میں بیان ہوئی ہیں۔ ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور کتابوں سے عام کتب سماویہ مراد لی جائیں۔ تخصیص کی ضرورت نہیں۔

ف۶ یعنی کامل مردوں کی طرح بندگی وطاعت پر ثابت قدم تھی۔ یا یوں کہو کہ قانتین کے خاندان سے تھی۔ تم سورة التحريم ولله الحمد والمنة وبه التوفيق والعصمة۔

ہوجانے والوں کو قیامت کے روز ذلت اور شرمندگی سے بچائے گا، اب ان آیات میں یہ ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ پیغمبر خدا کے ساتھ وہ نسبت جو آخرت میں کام آتی ہے وہ اس کے ساتھ ایمانی رشتہ ہے، اسی رشتہ پر نجات آخرت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے اگر اللہ کے پیغمبر پر ایمان نہ ہو تو کوئی بھی قرابت اور رشتہ کام نہیں آتا، اس مضمون کو ثابت کرنے کے لئے ایک طرف حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا ذکر ہے دوسری طرف امراۃ فرعون اور ساتھ ہی حضرت مریم علیہا السلام کا بھی ذکر ہے اصل تقابل تو امراۃ نوح ولوط کے ساتھ فرعون کی بیوی کا تھا لیکن ایمانی معرفت اور استقامت وتقویٰ کے وصف میں شریک ہونے کے باعث مریم بنت عمران کا ایمانی شرف اور فضل وکمال بھی بیان کردیا اور ان دونوں کو بحیثیت نمونہ ایمان وہدایت ہونے کے پیش کیا گیا، اور ان دونوں نمونوں کو بیان کرکے اسی حقیقت پر آگاہ کرنا ہے فرمایا:

مقرر کردیا ہے اللہ نے مثال اور نمونہ کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو جو زوجیت میں تھیں دو بندوں کی ہمارے نیک بندوں میں سے بجائے اس کے کہ وہ دونوں اللہ کے ان نیک بندوں اور صالح بندوں اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ انہوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو یہ دونوں ان عورتوں کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا ان کو داخل ہوجاؤ تم آگ میں انہیں لوگوں کے ساتھ جو جہنم میں داخل ہونے والے ہیں حالانکہ یہ دونوں بیویاں تھیں مگر چونکہ ایمان کے رشتہ اور تعلق سے محروم تھیں تو یہ نسبی [1] رشتہ اور علاقہ کچھ کام نہ آیا اور اس نفاق کی بدولت عام کفار کے ساتھ جہنم میں دھکیل دی گئیں۔

اور اس کے بالمقابل ایک نمونہ ایمان والی عورتوں کا ہے جس کو اللہ نے مثال بنادیا ہے ایمان والوں کے واسطے فرعون کی بیوی [2] کو جب کہ اس نے اپنے پرورگار سے التجا کرتے ہوئے کہا اے میرے پروردگار بنادے میرے واسطے ایک گھر اپنے پاس بہشت میں اور نجات دیدے مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل کفر سے اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے جس وقت کہ فرعون کو ان کے ایمان کا علم ہوا تو سخت ترین عذاب دینا شروع کیا چاروں ہاتھوں پاؤں میں میخیں ٹھونک کر ایذائیں دیں اس حالت کرب میں کمال استقامت پر ایمان پر قائم رہتے ہوئے اپنے رب سے آخرت کی نعمتیں مانگتی رہیں۔ اور مثال بنادیا ہے اللہ نے مریم عمران کی بیٹی کو جس نے پاک رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو بغیر اس کے کہ کوئی بشر اس کو چھوئے۔ پھر ہم نے فرشتہ کے ذریعے پھونکا اس میں اپنی روح میں سے ایک روح کو اور سچائی تسلیم کی اس نے اپنے رب کے کلمات کی

[1] مقصد یہ کہ پیغمبروں کے ساتھ یہ رشتہ بھی ایمان کے بغیر بیکار رہا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں یعنی "اپنا ایمان درست کرو نہ خاوند بچا سکے نہ جورو یہ قانون سب کو سنا دیا"۔ بہرحال حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کو جو منافق تھیں جہنم میں دھکیل دیا گیا ان کے برعکس فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم علیہا السلام پکی ایماندار عورت اور ولی کامل تھی اور اس کا شوہر فرعون تھا مگر ایمان کی بدولت جنت کی بشارت دنیا ہی میں انکو مل گئی۔ ۱۲

[2] روایات سے یہ ثابت ہے کہ فرعون کی یہ بیوی وہ تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی جب کہ ان کو دریا میں بہتے ہوئے تابوت سے نکالا گیا جس کی تفصیل سورۃ قصص میں گزر چکی، فرعون کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ایمان لے آئیں تو طرح طرح سے ستانا شروع کیا، ایسی ایذائیں دیں کہ انسان تصور بھی نہیں کرسکتا، مثلاً چومیخا کردینا، آخر فرعون نے ان کو قتل کرڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل الایمان ہونے کی شہادت دی،

نیز حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں گزر چکا انکی عفت وپاکدامنی اور ایمان وتقویٰ پر مشتمل آیات کی تفسیر گزر چکی ہے۔ ۱۲

اور اس کی کتابوں کی اور وہ بھی عبادت گزار بندیوں میں سے تو اس طرح یہ دو عورتیں دنیا میں ایماندار عورتوں کے واسطے نمونہ ہیں، ان کے ایمان وتقویٰ کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے اور دنیا کی عورتوں کو دعوت دی جاسکتی ہے کہ تم مریم بنت عمران اور آسیہ امرأۃ فرعون جیسا ایمان وتقویٰ اور پختگی اختیار کرو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرعون کی بیوی اگرچہ ظاہری رشتہ میں اس کی بیوی تھی لیکن جب وہ ایمان لے آئی تو اب اس کا کوئی تعلق فرعون سے نہ رہا اور فرعون کے کفر وسرکشی کے آثار ونتائج سے اس پر کوئی ثمرہ عذاب کا تو کیا مرتب ہوتا اس کو بحالت زندگی ہی جنت کی بشارت دی گئی اور جنت کا وہ محل دکھا دیا گیا جو اس کے واسطے اللہ نے مخصوص فرمایا تھا تا کہ اس محل کو اور آخرت کی راحتوں کو دیکھ کر سب سختیاں آسان ہو جائیں۔

آسیہ علیہا السلام امرأۃ فرعون کے ایمان کا واقعہ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرعون کی بیوی کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بیان کی ہے بیان کیا کہ اس کا ایمان لانا اس کے محل کی ایک نگران یا خازن کی عورت کی وجہ سے ہوا کہ وہ ایک روز بیٹھی فرعون کی ایک بیٹی کے سر میں کنگھا کر رہی کہ ہاتھ سے کنگھا گر گیا تو وہ بولی تعس من کفر باللہ یعنی ہلاک ہو وہ جو اللہ کا کفر کرے، فرعون کی بیٹی یہ سن کر بولی اور کیا کوئی رب ہے، میرے باپ کے علاوہ؟ اس نے جواب دیا، ہاں، وہ میرا رب ہے، اور تیرے باپ کا بھی رب ہے اور کائنات کی ہر چیز کا رب ہے، اور میں تو صرف اسی کی عبادت کرتی ہوں اس پر فرعون کی بیٹی نے اس باندی کے منہ پر چپت مارا اور اپنے باپ فرعون کو اس کی خبر کی، فرعون نے اس کو بلایا اور کہا کیا تو میرے سوا کسی کی عبادت کرتی ہے جواب دیا ہاں! میں عبادت کرتی ہوں اپنے رب کی اور تیرے بھی رب کی اور ہر چیز کے رب کی اور میں تو صرف اسی کی عبادت کروں گی فرعون نے اس کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کئے حتی کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونکیں اس پر سانپ بھی چھوڑے، غرض طرح طرح سے ستایا اسی طرح ایذاؤں کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ فرعون نے ایک روز آ کر اس کو دھمکی دی اور کہا کیا تو باز نہیں آئے گی اس نے جواب دیا، ربی وربك ورب كل شيء الله۔ (کہ میرا رب اور تیرا رب اور ہر چیز کا رب صرف اللہ ہی ہے) فرعون نے کہا میں تیرا بچہ تیرے منہ میں ذبح کروں گا اگر تو باز نہ آئی اس پر باندی نے جواب دیا ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ کہ کر گزر جو کچھ بھی تو کر سکتا ہے۔ فرعون نے اس کا بیٹا اس کے منہ میں ذبح کر ڈالا حتی کہ خود خازن کی بیوی کو بھی شہید کر دیا۔

اسی طرح فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور فرعون جس قدر ستاتا، ایذائیں پہنچاتا ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا اس حالت میں جب کہ فرعون کی ایذائیں حد سے بڑھ چکی تھیں تو آسیہ علیہا السلام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے ﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت فرعون ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں پیوست کر رہا تھا اللہ رب العزت نے آسیہ علیہا السلام کا وہ محل جو جنت میں ان کے لئے تھا، ظاہر کر دیا جس کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے ہنسنے لگیں اس پر کمبخت فرعون کہنے لگا! دیکھو یہ کیسی دیوانی عورت ہے میں اس کو عذاب دے رہا ہوں اور یہ ہنس رہی ہے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں اللہ نے انکی روح اس طرح قبض کی کہ وہ

جنت میں تھیں رضی اللہ عنہا۔

مُرّۃ الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا اسیة امراۃ فرعون ومریم ابنة عمران وخدیجة بنت خویلد۔

کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ باکمال ہوئے لیکن عورتوں میں کمال اور ایمانی عظمت حاصل کرنے والی صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہم اجمعین، ہیں۔

وللہ الحمد والمنة قد تم تفسیر سورۃ التحریم۔

الحمد للہ اٹھائیسواں پارہ مکمل ہوا۔

❁❁❁

سورۃ الملک

احادیث سے اس سورت کے متعدد نام ثابت ہیں سورۃ تبارک، مانعہ، دافعہ، واقیہ، اور منجیہ، تبارک تو اس وجہ سے کہ اسکی ابتدا اسی لفظ سے ہوئی، مانعہ، دافعہ اور منجیہ اس وجہ سے کہ یہ عذاب آخرت کو دفع کرنے والی ہے اور اس سے نجات کا ذریعہ ہے دنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں عذاب آخرت سے بچانے والی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں یہ تیس آیات ہیں، کہ انہوں نے اپنے تلاوت کرنے والے کی شفاعت کی اور اس وجہ سے وہ بخشا گیا فرمایا وہ تیس آیات ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ ہے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں کسی قبر پر خیمہ لگالیا اس نے سنا کہ کسی شخص نے سورۃ تبارک الذی کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ ختم سورت تک اس نے پڑھ ڈالا انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت مانعہ ہے منجیہ ہے اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔ ❷

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الٓمٓ تنزیل سجدہ اور سورۃ تبارک الذی اول سے لے کر آخرت تک پڑھ کر ختم نہ فرمالیتے۔ ❸

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، امام قرطبی ؒ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے ابن عباس ؓ فرماتے تھے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کے بعد سورۃ حاقہ اور معارج نازل ہوئیں اگرچہ حسن بصری ؒ سے اس کا مدنی ہونا منقول ہے لیکن ان کے سوا کسی سے یہ منقول نہیں ہے نیز طرز کلام اور انداز مضامین سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مکی ہے اسی وجہ سے قرطبی ؒ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ سورت رحمانیات میں سے ہے کیونکہ لفظ رحمان نہایت ہی عظمت کے ساتھ اول وآخر سورت میں استعمال کیا گیا دیگر وہ سورتیں جن میں لفظ رب استعمال کیا ان کو ربانیات کہا گیا۔

مضامین قرآن کریم از اول تا آخر حق تعالیٰ شانہ کی خالقیت وقدرت اور توحید اثبات حشر ونشر اور مسئلہ رسالت پر مشتمل ہیں بالخصوص مکی سورتوں میں اصلاح عقائد کے اصول بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے جب کہ مدنی سورتوں میں

❶ ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد ونسائی۔

❷ جامع ترمذی۔

❸ لیث بن سعد ؒ طاؤس ؒ سے نقل کرتے ہیں کہ سورۃ الم تنزیل اور سورۃ تبارک الملک قرآن کریم کی ہر سورت سے ستر درجہ بڑھ کر ہیں۔
عکرمہ ؓ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورت میری امت کے ہر شخص کے سینے میں محفوظ ہو (وقال ھذا حدیث غریب) اور عکرمہ ؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس ؓ نے ایک شخص سے کہا کہ میں تجھے ایک حدیث کا ایسا تحفہ نہ دیدوں جس سے تو خوش ہو جائے اس نے کہا بے شک آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھ کر اور اپنے گھر والوں اور سب بچوں کو سکھا اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اس لئے کہ یہ سورت منجیہ (نجات دلانے والی) ہے یہ سورت تو قیامت کے روز خدا کے یہاں اپنے پڑھنے والے کیلئے جھگڑے گی اور اس کو عذاب نار سے نجات دلائے گی (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

معاملات اور اصلاح معاشرت سے متعلق مسائل کو زیادہ وضاحت سے ذکر فرمایا گیا تو اس سورت میں بھی پہلے حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وخالقیت کو بیان فرمایا گیا اور یہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کا نظام ہے وہی موت وحیات کا مالک ہے پھر تخلیق سماوات اور اس کو ستاروں سے مزین کرنے کا بیان ہے اسی کے ساتھ اثبات رسالت کے بھی مضامین ہیں پھر ان مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں، عظمت وقدرت خداوندی کے دلائل بیان کرتے ہوئے اختتام سورت پر رسول خدا ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے والے مجرمین کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی گئی اور یہ کہ خدا کے عذاب کو کوئی ٹلانے والا نہیں اختتام سورت پر وعید کا انداز اس قدر ہیبت ناک ہے کہ اس پر غور کرنے والے کا دل لرز جائے۔

(٦٧ سُوْرَةُ المُلْكِ مَكِّيَّةٌ ٧٧) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰياتها ٣٠ ركوعاتها ٢)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ہے راج اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے ف۱ جس نے بنایا مرنا اور جینا

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ہے راج اور وہ سب چیز کرسکتا ہے۔ جس نے بنایا مرنا اور جینا

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ۝٢ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام ف۲ اور وہ زبردست ہے بخشنے والا ف۳ جس نے بنائے سات آسمان

کہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام۔ اور وہ زبردست ہے بخشنے والا۔ جس نے بنائے سات آسمان

طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ

تہہ پر تہہ ف۴ کیا دیکھتا ہے تو رحمان کے بنانے میں کچھ فرق ف۵ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو

تہہ بر تہہ۔ کیا دیکھتا ہے رحمٰن کے بنائے میں کچھ فرق؟ پھر دہرا کر نگاہ کر کہیں دیکھتا ہے

ف۱ یعنی سب ملک اس کا ہے اور تنہا اسی کا اختیار ساری سلطنت میں چلتا ہے۔

ف۲ یعنی مرنے جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا، ہم پہلے کچھ نہ تھے (اسے موت ہی سمجھو) پھر پیدا کیا، اس کے بعد موت بھیجی، پھر مرے پیچھے زندہ کردیا۔ کما قال ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ موت وحیات کا یہ سارا سلسلہ اس لیے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے کون اچھے، اور کون اچھے سے اچھے۔ پہلی زندگی میں یہ امتحان ہوا اور دوسری زندگی میں اس کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا گیا۔ فرض کرو اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا، اور موت نہ آتی تو لوگ مبدأ ومنتہیٰ سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کیے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔

ف۳ یعنی زبردست ہے جس کی پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا اور بخشنے والا بھی بہت بڑا ہے۔

ف۴ حدیث میں آیا کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان، دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ نصوص میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ اوپر جو نیلگونی چیز ہم کو نظر آتی ہے وہ ہی آسمان ہے ہوسکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو۔

ف۵ یعنی قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرام علویہ، سبع سماوات اور نیرات =

فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدۡ

دراڑ ف۱ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر ف۲ اور ہم نے

دراڑ، پھر دہرا کر نگاہ کر، دو دو بار الٹی آئے تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر۔ اور ہم نے

زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَجَعَلۡنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَاَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابَ

رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے ف۳ اور ان سے کر رکھی ہے ہم نے پھینک مار شیطانوں کے واسطے ف۴ اور رکھا ہے ان کے واسطے عذاب

رونق دی ورلے آسمان کو چراغوں سے اور ان سے رکھی پھینک مار شیطانوں کی، اور رکھی ہے ان کو مار دہکتی

السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾

دہکتی آگ کا ف۵

آگ کی۔

شانِ عظمت وقدرت خداوندی مع بیان جزائے اہل سعادت وتنبیہ وتہدید بر اہل شقاوت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ... الی ... عَذَابَ السَّعِیۡرِ﴾

ربط:...... سورۂ تحریم کا اختتام اس امر پر تھا کہ دین کی حفاظت کے لئے جہاد مع الکفار ضروری ہے اور ایمان وتقویٰ ہی انسان کی سعادت وکامیابی کی روح ہے تو اب اس مناسبت سے سورۃ تبارک الذی کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وقدرت کے بیان سے ہورہی ہے اور یہ کہ اہل ایمان اور اہل سعادت کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا جائے گا اور منکرین واشقیاء کیسے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور یہ بھی اشارۃً ظاہر کیا جارہا ہے کہ اگر ایک گھر کا سرپرست اپنے اہل خانہ کی کسی بے اعتدالی سے

=تک یکساں کاریگری دکھلائی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت وبصیرت سے اور بعض کو یونہی کیف ما اتفق، بے تکا یا بیکار وفضول بنادیا ہو (العیاذ باللہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گزرے سمجھو اس کی عقل ونظر کا قصور ہے۔

ف۱ یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں درز یا دراڑ نہیں۔ نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا اختلال پایا جاتا ہے۔ ہر چیز ویسی ہے جیسا اسے ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ آیتیں صرف آسمان سے متعلق ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب! اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائے گا۔ بلکہ ایک صاف ہموار، متصل، مربوط اور منظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود مرور دہور اور تطاول ازمان کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔

ف۲ یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے، اس لیے پوری کوشش سے بار بار دیکھ کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا خوب غور وفکر اور نظر ثانی کرکے قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔ یاد رکھ! تیری نگاہ تھک جائے گی اور ذلیل ودرماندہ ہو کر واپس آجائے گی۔ لیکن خدائی مصنوعات وانتظامات میں کوئی عیب وقصور نہ نکال سکے گی۔

ف۳ یعنی آسمان کی طرف دیکھو! رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق وشان معلوم ہوتی ہے۔ یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔

ف۴ یہ مضمون سورۂ "حجر" وغیرہ میں کئی جگہ بہت تفصیل سے گزر چکا ہے۔

ف۵ یعنی دنیا میں تو شہاب پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے۔

اس قسم کی اذیت محسوس کرسکتا ہے اور قلب پر گرانی واقع ہوتی ہے تو کائنات کے رب کو اپنی مخلوق کی بے راہ روی اور خلاف ورزی سے کس قدر اذیت ہوتی ہوگی اس بنیاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر صاحب فہم انسان سعادت وشقاوت کا راز اور اس کا انجام بخوبی سمجھ سکتا ہے ارشاد فرمایا بڑی ہی عظمت و برکت والا ہے وہ پروردگار جس کے ہاتھ میں ہے سلطنت و حکمرانی تمام کائنات کی اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے نہ اس کے ملک سے کوئی نکل سکتا ہے اور نہ قدرت وگرفت سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے علم سے دور ہوسکتی ہے وہی پروردگار ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون ہے بہتر اپنے عمل کے لحاظ سے موت وحیات کا یہ تمام سلسلہ اسی لئے ہے کہ انسان کی پہلی زندگی میں پتہ چل جائے کہ کس کے عمل اچھے ہیں اور کس کے برے اور پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں مکمل طور پر دکھلا دیا جائے حیات نہ ہوتی تو اچھے برے کا علم نہ ہوتا اور موت نہ ہوتی تو نیکی اور بدی کا نتیجہ ظاہر نہ ہوتا اور وہی بڑی عزت والا بخشش کرنے والا ہے کہ وہ اپنی عزت وغلبہ کی وجہ سے قادر ہے کہ بندوں پر جزاء وسزا جاری کرے اور وہ اسی کے ساتھ بڑی مغفرت بھی فرمانے والا ہے کہ بہت سے برے کاموں کی مغفرت بھی فرماتا رہتا ہے جس پروردگار نے سات آسمان پیدا کیے تہہ برتہہ ① بتا اے مخاطب کیا دیکھتا ہے تو رحمن کے بنانے میں کوئی فرق کہ ایک چیز اچھی بن گئی اور دوسری چیز کی تخلیق وتکوین میں کچھ کمی رہ گئی نہیں بلکہ جو بھی اس رحمن نے بنایا وہ اس کی عظیم شان خلاقی کا پیکر اور ثبوت ہے اگر ایک مرتبہ کے دیکھنے سے یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سرسری نظر سے دیکھا تھا تو کچھ عیب نظر نہیں آیا تو پھر دوبارہ نگاہ کو لوٹا۔ اور خوب غور کر پھر بتا کہ کیا نظر آتی ہے تجھ کو کوئی دراڑ اور پھٹن ان آسمانوں میں اگر اس پر بھی ایمان ویقین کی کیفیت قلب ودماغ میں نہ رچے تو پھر دو دو بار لوٹا نگاہ کو کسی نہ کسی طرح اللہ کی مخلوق اور اس کے بنائے ہوئے ان آسمانوں میں اور ان میں جو کواکب وسیارات ہیں ان میں کوئی عیب نظر آجائے تو اس تلاش وتجسس کی بار بار نگاہ کو کچھ بھی کمی نظر نہ آسکے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نگاہ واپس لوٹے گی تیری طرف اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوگی اور تھکی ہوئی ہوگی ② دنیا کے مفکرین وفلاسفہ اور محققین ایک بار نہیں کئی کئی مرتبہ مدتوں بھی غور کرتے رہیں، دیکھتے رہیں لیکن اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق آسمانوں، چاند، سورج اور ستاروں میں باوجود مرور مدت طویلہ کوئی بھی رخنہ اور کمی نہیں پائیں گے اور بے شک ہم نے مزین کردیا ہے آسمان دنیا کو اور نزدیک والے آسمان کو جو انسانوں کی نظروں کے سامنے ہے روشن چراغوں سے کہ نظر آنے والے ستاروں کی جگمگاہٹ کیسی حسین اور شاندار معلوم ہوتی ہے یہ قدرتی چراغ ہیں اور انکو بنایا ہے ہم نے پھینک مارنے کا ذریعہ شیاطین کے واسطے کہ بسا اوقات کوئی ستارہ ٹوٹ کر کسی شیطان کو جلا کر خاک کردیتا ہے جیسے کہ فرمایا الا من استرق السمع فاتبعه شهاب ثاقب۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے

① جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر بفاصلہ دراز دوسرا آسمان ہے پھر اس سے اوپر، اس طرح اس سے اوپر اور آسمان یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سات آسمان بیان فرمائے حدیث معراج میں ساتوں آسمان کا ذکر ہے اور اس تفصیل کے ساتھ کہ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام کو پایا چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔

② حضرت والد محترم قدس اللہ سرہ کے ایک قصیدہ کا شعر اسی آیت کا ترجمہ ہے فرمایا

لقد سافرت فیك العقول فما ربحت الا العنا والتحسرا

کہ اے پروردگار تیرے بارے میں انسانی عقول نے بہت ہی سفر کیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا سوائے تکان وعاجزی اور حسرت کے۔ ۱۲

انکے واسطے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ اس لیے مجرمین کو عذاب خداوندی سے بے فکر نہ ہونا چاہئے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے عذاب سے نہ شیاطین بچ سکتے ہیں اور نہ وہ لوگ جن کو شیاطین گمراہ کرتے ہیں۔

توحید ذات وصفات خداوندی ایمان کی اساس ہے

اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وکبریائی اس کی قدرت وخالقیت کے ضمن میں اس کی وحدانیت والوہیت کو ثابت کیا گیا اور یہ کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور اس کی قدرت قدرت کاملہ ہے وہی ہر چیز کا خالق ہے اسی کی بادشاہت وحکمرانی ساری کائنات میں چل رہی ہے قرآن کریم اور جملہ کتب سماویہ نے اسی مضمون کو بڑی ہی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہی تمام انبیاء ﷺ کی اپنی قوموں کو دعوت رہی ہے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اسی کے ساتھ آخرت کا مسئلہ بھی بیان کر دیا گیا اور یہ کہ جزاء وسزا کا مرحلہ ہر انسان کو بلاشبہ پیش آنا ہے قرآن حکیم نے یہ مضامین از اول تا آخر بیان کئے لیکن یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ ہر مرتبہ ایک نئے اسلوب سے ان مضامین کو بیان کیا جاتا ہے واضح مثالوں عام محاورات اور مسلمہ واقعات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق ان حقائق کو ذہن نشین کر سکے جو مقصود بیان ہے اس موقع پر عالم موجودات ومحسوسات کا تذکرہ کرتے ہوئے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جو عالم انسانوں کے ادراک واحساس میں ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے بیشمار عالم پیدا فرما سکتا ہے۔

لفظ ﴿شَیْءٍ﴾ کی بحث شروع میں گزر چکی، از روئے لغت ہر اس چیز کو ﴿شَیْءٍ﴾ کہا جائے گا جس کے وجود کا ارادہ کیا جائے گا لہٰذا اس سے حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات خارج رہیں گی اسی طرح اس کا اطلاق محالات پر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت نہیں لہٰذا جملہ ممکنات ﴿شَیْءٍ﴾ کا مصداق ہیں اور اس لحاظ سے یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ کیا ذات خداوندی اس کی صفات اور محالات بھی تحت القدرت آ سکتے ہیں تو واجب وممتنع دونوں ﴿شَیْءٍ﴾ کا مصداق ہونے سے خارج ہیں۔

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ﴾ یعنی اس نے موت جو عالم عدم اور حیوٰۃ جو عالم موجود ہے کو پیدا کیا گویا اس صفت کو ذکر کر کے تبارك الذی کی دلیل بیان فرمادی پہلی دلیل تو یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں تمام کائنات کی بادشاہت ہے اسی کا حکم اور تصرف کائنات پر جاری ہے دوسری دلیل ہر شئ پر کمال قدرت کو بیان کر کے پیش کر دی گئی تیسری دلیل اس کی عظمت وکبریائی کی۔ ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ﴾ سے ظاہر فرمائی گئی اس میں عالم آخرت کی نعمتوں کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کی حیات ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے جملہ میں دنیا کی بادشاہت کا بیان تھا اب اس جملہ میں آخرت کی بادشاہت بھی بیان فرمادی تو جو ذات دونوں جہان کو بادشاہ ہو اس سے بڑھ کر برکت اور عظمت والی ذات کون ہو سکتی ہے لہٰذا ہر حالت میں انسان کو اللہ کی طرف ملتجی ہونا چاہیے اس

تفسیر کی رو سے ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ میں لفظ موت کو مقدم کرنے کی حکمت ظاہر ہوتی کہ موت دنیوی حیات اخروی، سے مقدم ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ برکات الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنا کر علم وادراک سے مزین بنایا خلافت الٰہیہ کا شرف اس کو بخشا اور اس عظمت وبرکت کی تکمیل اس طرح مقدر کی گئی کہ عالم باقی کے لئے وہ نیک کام کرے اور برے کاموں سے پرہیز کرے اس وجہ سے ضروری تھا کہ نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی باتیں اور برے کاموں سے بچانے والی چیزیں نازل کی جائیں اور اسی کے لیے موت وزندگی بنائی اور اگر حیات سے دنیوی حیات مراد لی جائے تو پھر موت کی تقدیم اس غرض سے ہوسکتی ہے کہ اس کی فکر اور تیاری سے انسان غافل نہ ہو اور اس کی طرف پوری توجہ رکھے نیز اس وجہ سے بھی کہ حیات عارضی اور چند روزہ ہے اور موت ذاتی ہے تو انسان کو چاہئے کہ چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھے تو اس وجہ سے بھی موت کو حیات پر مقدم ہی کرنا چاہئے تھا کیونکہ ذاتی کو امر عارضی پر تقدم ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موت سے وہ حالت مراد لی جائے جو قبل از وجود ہے وہ حالت نطفہ ہے یہی وہ چیز ہے جو سورۃ بقرہ کی آیت میں فرمائی گئی، ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ . ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ تو حالت موت کے بعد عطاء حیات کا ذکر کیا اور پھر اس حیات کے بعد موت کا اور پھر موت کے بعد حیات کا جو ظاہر ہے کہ آخری حیات حشر کی حیات ہے نیز اس لیے بھی یہاں موت کو مقدم اور حیات کو مؤخر فرمایا گیا یہاں مقصد کلام ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ہے اور اس آزمائش کا ثمرہ اور نتیجہ موت کے بعد اسی حیات میں ظاہر ہوگا جو حشر کی حیات ہے۔

آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ اور حکماء یونان وفلاسفہ کے خیالات

متعدد آیات قرآنیہ اور تمام آسمانی کتابوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہے اور یہ ستارے جو آسمان کی زینت بنائے گئے ان ہی کو مصابیح فرمایا گیا اور جو کام اللہ رب العزت ان سے لیتا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنات وشیاطین پر ان کو پھینک کر انہیں جلایا جاتا ہے جیسے کہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں گزر چکا، ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ تو اس آیت میں ستاروں سے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا گیا کہ آسمانوں کی زینت اور جو جنات وشیاطین ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگائیں ان کے واسطے شہاب ثاقب اور جلا کر خاک کردینے والے تیسری بات جو ستاروں سے متعلق ہے وہ آیت مبارکہ ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ میں فرما دی گئی۔

یہاں "جعلناها" کی ضمیر جنس مصابیح کی طرف راجع ہے نہ کہ عین مصابیح کی طرف حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ شیاطین پر یہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں تو اصل یہ ہے کہ لفظ مصابیح یا کوکب ونجوم ان ستاروں پر بھی بولا جاتا ہے جو آسمان پر ہیں اور ان ادخنہ اور شعاعوں کو بھی کہا جاتا ہے جو ستاروں کے ساتھ ہیں یہی ادخنہ اور شعاعیں

ٹوٹتی ہیں اور ان ہی کو پھینکا جاتا ہے زمین سے جو دخانی مادے اٹھ کر فضا میں اوپر چڑھ جاتے ہیں تو کرۂ نار کے قریب پہنچ کر ان میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ جلتا ہوا کوئی شعلہ پھینکا جا رہا ہے یہ ادخنہ ستاروں ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اس وجہ سے انکو بھی کواکب ونجوم کی جنس سے شمار کیا گیا مگر بہرکیف یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے جس مادۂ دخانی کو اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اس طرح چلنے اور بکھرنے کا حکم دے گا وہی ایسا ہوگا ورنہ نہیں یعنی ان کا یہ ٹوٹنا اور بکھرنا خود ان کا کوئی طبعی تقاضا نہیں اور چونکہ یہ بھی ستاروں کی ایک قسم ہو گئے اس وجہ سے پھٹنے کے بعد زمین پر نہیں گرتے حالانکہ ان کا میل طبعی زمین کی طرف ہونا چاہئے تھا بلکہ ایک جانب سے دوسری جانب اس طرح بکھر جاتے ہیں جیسا کسی نے پھینک مارا اس قسم کے مشاہدوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ اور فرمایا ﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾۔ الغرض قرآن کریم میں جگہ جگہ آسمانوں کے بنانے کا ذکر ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اسی طرح فرمایا ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ﴾ کہ ہم نے پہلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ کیا نہیں دیکھا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو کس طرح بنایا ہم نے اس کو اور کیسی زینت دی اور ان میں کوئی درز بھی نہیں ﴿الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴾ اس نے سات آسمانوں کو اوپر تلے بنایا اسے دیکھنے والے تجھ کو خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہ معلوم ہوگا دوبارہ نظر آسمانوں کی طرف پھرا تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر رہ جائے گی وغیرھا من الآیات پس اس سے وہی اخیر معنے مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے اور جس کو تمام عرب وعجم ہند وروم اہل یورپ قدیم زمانہ سے اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں کو بنایا ہے ہم ان کو دیکھتے ہیں ان میں کوئی شگاف نہیں کہ جو خدا کی صنعت میں قصور ثابت کرے اور یہ ستارے آسمان پر لگے ہوئے ہیں اگر کسی پڑھے ہوئے سے پوچھے گا تو وہ بھی یہی کہے گا اور ان پڑھ بلکہ جنگل کے رہنے والے وحشیوں سے دریافت فرمائے گا تو وہ بھی یونہی کہیں گے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جس کا علم انسان کی فطرت اور جبلت میں یکساں رکھا گیا ہے اور اسی فطری علم پر خدائے تعالیٰ اپنے کلام میں انسان کو مخاطب کر کے اپنے عجائبات قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی نہج پر کلام کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ تورات اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے ”ابتداء میں خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا“ پھر اسی کتاب کے باب ۷ میں طوفان نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور ۸ باب میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا انجیل متی کے باب ۲ میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو انکے

لئے آسمان کھل گیا اور مکاشفات یوحنا کے باب ۸ اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور انکے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اس طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں الغرض ہزار ہا برس سے الہامی اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن یونان کے فلسفیوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو ان کو قلمبند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا جس کی شاخیں ہیئت اور طبیعیات اور الہیات وغیرہا علوم ہیں کہ جن پر بہت سے کوتاہ بینوں کو ناز ہے مگر آسمانوں کی تحقیق میں انکے دو فریق ہو گئے ایک گروہ کے پیشوا کا نام ہے "فیثاغورث" وہ کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذات خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں پھر خود اس فریق کے بھی دو قول ہیں بعض کہتے ہیں ستارے اور ثوابت متحرک نہیں صرف زمین حرکت کرتی ہے اس کی وجہ سے یہ چیزیں حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جس طرح کہ ریل گاڑی میں درخت اور پتھر حرکت کرتے معلوم ہوتے ہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور ستارے بھی، آفتاب کو مدار ٹھہرا کر اس کے گرد حرکت کرتے ہیں ہاں چھوٹے چھوٹے ستارے کہ جن کو ثوابت کہتے ہیں وہ حرکت نہیں کرتے انکی حرکت زمین کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے اور جس طرح ستارے آفتاب کے ایک فاصلہ معین پر حرکت دوری کرتے ہیں اسی طرح زمین بھی اپنے بعد معین پر اس کے اردگرد پھرتی ہے اور ستارے صرف یہ زحل، مشتری، مریخ، عطارد، زہرہ، شمس، قمر ہی نہیں انکے سوا اور بھی رصد سے ثابت ہوتے ہیں یہ مذہب فیثاغورث ایک مدت تک تو حکماء کے نزدیک اس کے دیگر اقوال کی طرح مردود اور بے قدر رہا مگر اس صدی میں اس نے یورپ میں بڑا رواج پایا اور یورپ کے بڑے بڑے محقق اسی کے مقلد ہو کر ان ہی باتوں کو الہامی اور لوح محفوظ کی باتیں سمجھنے لگے بلکہ اپنی تحقیقات سے اس پر اور کچھ بڑھایا اور چاند اور سیاروں میں پہاڑ اور دیگر اجرام عنصری بلکہ حیوانات کے وجود کے بھی بعض لوگ قائل ہو گئے۔

دوسرے گروہ کے سر دفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کُرَوی ہے کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کی وجہ سے اوپر اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں پانی کے اردگرد کرۂ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے یہ چار کرے عناصر کے ہوتے اب یہ جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں ان چاروں کروں کے چوطرف پہلا آسمان ہے جس کو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید گول نشان ہو جاتا ہے اس کے اوپر فلک العطارد ہے اس کے اوپر فلک زہرہ اس کے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان جہاں آفتاب ہے اس کے اوپر فلک مریخ کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اس کے اوپر فلک مشتری کہ جہاں مشتری ستارہ ہے اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں اس کے اوپر فلک الافلاک ہے کہ جس کو فلک اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن

رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آ گیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا وہاں رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مغرب سے مشرق کی طرف کر کے دورہ تمام کرتے ہیں چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلہ میں آتا ہے اور اس قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقۃ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سموت کہا ہے اور دو وہ کہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی فلک الثوابت عرش، فلک الافلاک ہے اس صورت [1] پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائی نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہیں تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزاء شفاف میں اجزائے غباری جو کہ سیاہ ہیں انکے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہو گئی یا یہ کہ ہوا کے اجزاء شفاف میں جب انکو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس کی جماعت کے ہیں اور چونکہ یہ مسائل کسی قدر الہامی کتابوں کے موافق ہیں اس لئے اس حکمت کا جس طرح حکماء یونان میں رواج ہوا اسی طرح جب حکمت یونانیہ عربی میں ترجمہ ہو کر آئی تو اہل اسلام نے بھی اس کو پسند کیا چنانچہ اب

[1]
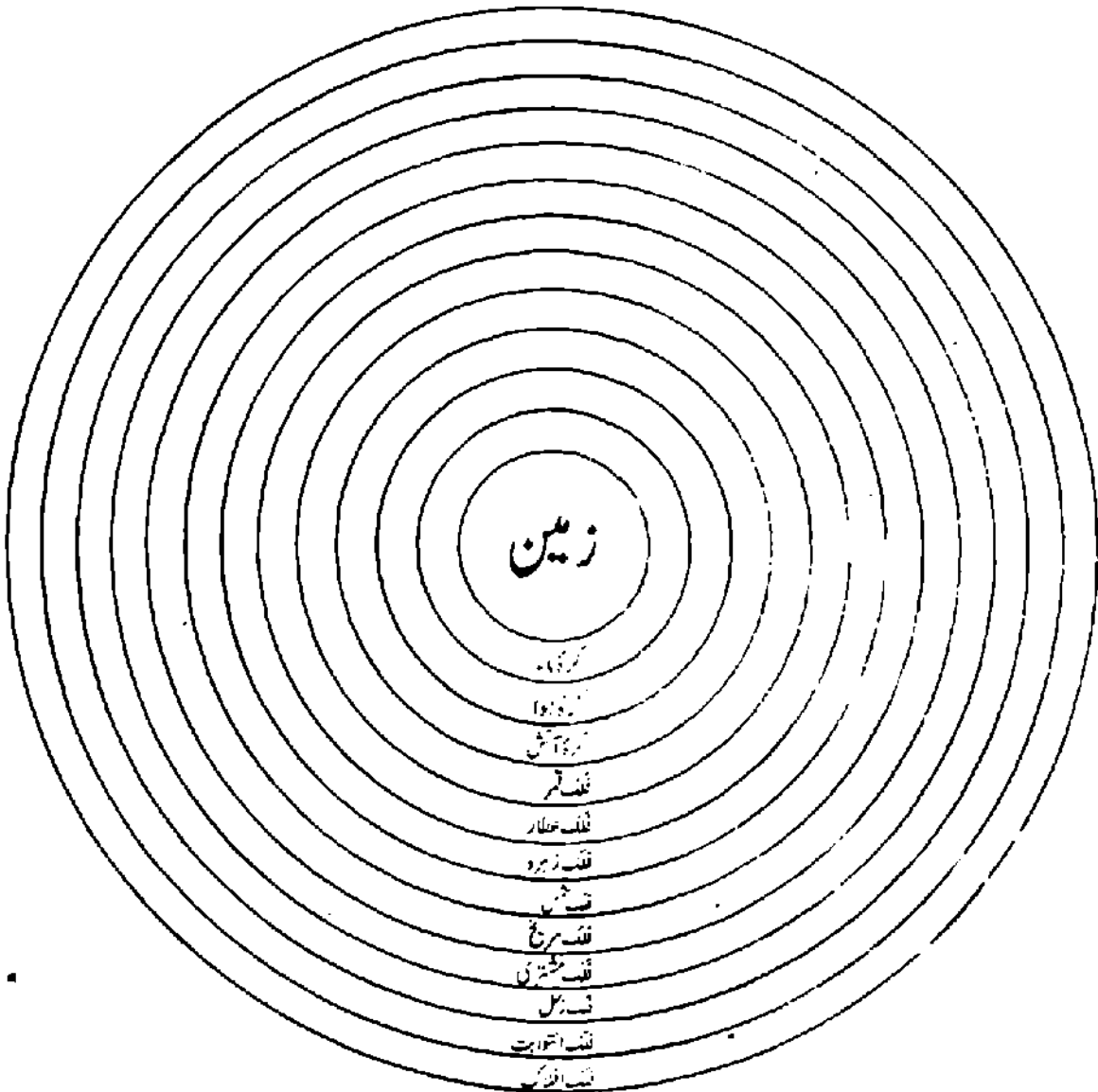
تک شرح چغمینی اور تذکرہ وغیرہما اسی حکمت کی کتابیں درس میں داخل ہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں ہندو اور ایرانی وغیرہما سب لوگ اور قدیم عیسائی اور یہودی بھی انہی مسائل کے معتقد ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اس سے کہ اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علم فطری ہے جب بطلیموس اور فیثاغورث نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے بہرکیف الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو قال اللہ تعالیٰ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ وقال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ﴾ وقال تعالیٰ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ وقال تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ الآیۃ اگر آسمان فضا یا بعد موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہوتا اس کا پھٹنا اور اس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اس کی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جس کا کہ تورات میں ذکر ہے اس کو سقف محفوظ کہنا چہ معنی دارد البتہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمان کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر پھر اس پر اعتراض محض بیجا ہے۔

(کذا فی تفسیر الحقانی ج ۲ للعلامہ ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ)

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶ اِذَاۤ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا

اور جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے واسطے ہے عذاب دوزخ کا اور بری جگہ جا پہنچے ف ۱ جب اس میں ڈالے جائیں گے سنیں گے اس کا

اور جو منکر ہوئے اپنے رب سے، ان کو ہے مار دوزخ کی۔ اور بری جگہ پہنچے۔ جب اس میں ڈالے جائیں سنیں اس کا

شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ

دھاڑنا اور وہ اچھل رہی ہوگی ف ۲ ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑے گی جوش سے جس وقت پڑے اس میں ایک گروہ پوچھیں ان سے دوزخ کے داروغہ

دھاڑنا، اور وہ اچھلتی ہے، ابھی لگتا ہے کہ پھٹ پڑے جوش سے۔ جس بار پڑا اس میں ایک دل پوچھا ان سے اس کے داروغوں نے،

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ

کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا ف ۳ اور وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا ڈر سنانے والا پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے

کیا نہ پہنچا تم کو کوئی ڈر سنانے والا۔ وہ بولے کیوں نہیں ہم پاس پہنچا تھا ڈر سنانے والا۔ پھر ہم نے جھٹلایا، اور کہا کوئی نہیں اتاری اللہ نے

ف ۱ یعنی کافروں کا ٹھکانا بھی شیاطین کے ساتھ اسی دوزخ میں ہے۔

ف ۲ یعنی اس وقت دوزخ کی آواز سخت کریہہ اور خوفناک ہوگی اور بے انتہا جوش و اشتعال سے ایسا معلوم ہوگا گویا غصہ میں آ کر پھٹی پڑتی ہے اعاذنا اللہ منہا بلطفہ وکرمہ۔

ف ۳ یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل و محجوب کرنے کے لیے ہوگا یعنی تم جو اس مصیبت میں آ کر پھنسے ہو، کیا کسی نے تم کو متنبہ نہ کیا تھا؟ اور ڈرایا نہ تھا کہ اس راستے سے مت چلو ورنہ سیدھے دوزخ میں گر وگے جہاں ایسے ایسے عذاب ہوں گے۔

شَیْءٍ ۚ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي

کوئی چیز تم تو پڑے ہوئے ہو بڑے بہکاوے میں ف۱ اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے

کچھ چیز۔ تم پڑے ہو بڑے بہکاوے میں۔ اور بولے، اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے، نہ ہوتے

أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

دوزخ والوں میں ف۲ سو قائل ہوگئے اپنے گناہ کے اب دفع ہوجائیں دوزخ والے ف۳

دوزخ والوں میں۔ سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے۔ اب دفع ہوں دوزخ والے۔

عقوبت وتنبیہ برانکار توحید رب العالمین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ... الی ... فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں خداوند کریم کی عظمت وکبریائی کا بیان تھا اور اس کی قدرت وخالقیت دلائل وشواہد سے ظاہر فرمائی گئی تو اب ان آیات میں ان لوگوں پر وعید ہے جو اسکی الوہیت سے انکار کرتے ہیں اور اسکی وحدانیت پر ایمان نہیں لائے فرمایا۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا اپنے رب کا انکے واسطے عذاب جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے جس کی شدت وہیبت اس سے معلوم ہوسکتی ہے کہ جب بھی یہ لوگ اس میں ڈالیں جائیں گے سنیں گے اس کے دھاڑنے کی آواز جونہایت ہی ہولناک ہوگی اور وہ جہنم سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح تھپیڑے مارتی ہوئی ہوگی قریب ہوگا کہ وہ جہنم اپنی لپٹوں اور بھاپ کی شدت سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور پھٹ پڑے اس کے جوش اور شدت اشتعال کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوگا کہ اب پھٹ پڑے گی جب بھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا تو اس کے داروغہ پوچھیں گے ان سے کہ کیا تمہارے پاس نہیں آیا تھا کوئی عذاب خداوندی سے ڈرانے والا کہ تم کو اس عذاب جہنم سے ڈراتا اور تم اب اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور بجائے اس کے کہ ان کی تصدیق کرتے ان پر ایمان لاتے ہم تو اپنی بدبختی سے یہ کہنے لگے تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور وہ جہنمی یہ بھی کہیں گے نہایت ہی حسرت اور ملال کے ساتھ اے کاش اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوئے اللہ کے پیغمبر کی باتوں اور ان کی نصیحتوں کو تو ہم نہ ہوتے جہنمیوں میں سے مگر نہ تو ہم نے کبھی کان لگا کر ان کی بات سنی اور نہ عقل سے سوچا

ف۱ یعنی کھسیانے ہو کر حسرت وندامت سے جواب دیں گے کہ بیشک ڈرانے والے آئے تھے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی برابر جھٹلایا کہ تم سب غلط کہتے ہو۔ نہ اللہ نے تم کو بھیجا نہ تم پر وحی اتاری بلکہ تم عقل وفہم کے راستہ سے بہک کر بڑی سخت گمراہی میں جا پڑے ہو۔

ف۲ یعنی کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانے والے ہی سچے نکلیں گے۔ اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لے کر معاملہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقع کیوں ملتا۔

ف۳ یعنی خود اقرار کرلیا کہ بیشک ہم مجرم ہیں یوں ہی بے قصور ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جارہا لیکن اس ناوقت کے اقرار واعتراف سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ارشاد ہوگا ﴿فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (اب دفع ہوجائیں دوزخ والے) ان کے لیے جوار رحمت میں کہیں ٹھکانہ نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہم جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تو اس طرح وہ اعتراف کریں گے اپنے جرم کا۔ لیکن اس وقت حسرت وافسوس اور اعتراف گناہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اس لیے اعلان، ہوگا بس دھکے دو جہنم والوں کو اس طرح ملائکہ ان کو دھکیل کر اور گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیں گے سورۃ زمر میں ان مضامین کی تفصیل گزر چکی۔

اہل جہنم کے ساتھ اس طرح کی گفتگو صرف ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگی اور یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہ خداوند عالم کسی کو بغیر جرم کے عذاب نہیں دیتا اور جرم ایسا کہ خود مجرم بھی اس کا اعتراف کرلیں ابو البختری الطائی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

لن یهلك الناس حتی یعذروا من انفسهم وفی حدیث اخر لا یدخل النار احدا الا وهو یعلم ان النار اولی به من الجنة۔ [1]

ہرگز لوگ ہلاک نہیں ہوں گے جب تک ان کی طرف سے ان کا عذر ختم نہ کردیا جائے گا اور ایک روایت میں ہے ہرگز کوئی شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا مگر اس طرح کہ وہ جان لے گا کہ واقعی جہنم ہی اس کے واسطے درست ہے۔

﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ کے الفاظ جہنم کا منظر سمندر کی موجوں کی شکل میں پیش کررہے ہیں کہ جس طرح دیکھنے والا سمندر میں پانی کی موجیں اور تھپیڑے دیکھتا ہے بس یہی جہنم میں آگ کے تھپیڑوں کا ہوگا۔

﴿اِنْ اَنْتُمْ﴾ الخ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ کلمہ ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ﴾ جہنم کے داروغہ اور فرشتوں کا ہوگا جو اہل جہنم کو توبیخ اور دھمکی کے طور پر کہتے ہوں گے۔

﴿فَكَذَّبْنَا﴾ کی تفسیر وہی ہے جو سورۃ یٰسین میں آیت ﴿یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾ کی گزر چکی اور تکذیب کو صرف رسول ہی کی تکذیب تک محدود رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں ان ہادیان امت کی تکذیب بھی شامل ہے جو امت کی جزاء وسزاء کی باتیں سنائیں اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچائیں لیکن ان کی بات ماننے کی بجائے کفر و نافرمانیوں پر قائم رہنا بدکاریوں کفر وشرک جیسے کاموں میں مبتلا رہنا عملاً تکذیب ہے اس طرح قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق اور زمانہ کے انقلابات سے عبرت حاصل نہ کرنا بھی تکذیب ہے عالم جاودانی سے غفلت ولاپرواہی اور عالم محسوس یعنی دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشات پر مفتون ہوجانا روح کے تقاضوں کو فراموش کردینا غرض یہ سب شعبے تکذیب ہی کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ایسے افراد زبان سے تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اور ان کا عمل اس کی تردید وتکذیب کرتا ہے گویا ان لوگوں کی عملی زندگی بنی اسرائیل اور یہود کی طرز زندگی کا پیکر ہوتی ہے ﴿سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا﴾ کہ سن لیا ہے ہم نے مگر ہم نافرمانی ہی کریں گے۔

﴿قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ﴾ میں موت کے مناظر بھی دیکھنا ہے کہ مرنے والوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر بھی ہمیں آخرت کی فکر نہ ہوتی تھی اور اسی طرح دنیا میں منہمک رہتے تھے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ

جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ف۱ ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا

جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا۔ اور تم چھپی کہو اپنی بات یا

اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ

کھول کر وہ خوب جانتا ہے جیوں کے بھید ف۲ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا

کھول کر۔ وہ جانتا ہے جیوں کے بھید۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا؟ اور وہی ہے بھید جانتا

الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ

خبردار ف۳ وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اس کی دی ہوئی روزی اور اسی کی

خبردار۔ وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست، اب پھرو اس کے کندھوں پر، اور کھاؤ کچھ روزی دی اس کی۔

وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾

طرف جی اٹھنا ہے ف۴ کیا تم نڈر ہوگئے اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں پھر بھی وہ لرزنے لگے ف۵

اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے۔ کیا نڈر ہوئے اس سے، جو آسمان میں ہے؟ کہ دھنسا دے تم کو زمین میں، پھر دیکھو وہ لرزتی ہے؟

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾

یا نڈر ہوگئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینہ پتھروں کا ف۶ سو جان لو گے کیسا ہے میرا ڈرانا ف۷

یا نڈر ہوئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے؟ کہ چھوڑ دے تم پر پتھراؤ باؤ کا۔ سو اب جانو گے، کیسا ہے میرا ڈرکا

ف۱ یعنی اللہ کو دیکھا نہیں، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھرتھراتے ہیں۔ یا "بالغیب" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع سے الگ ہو کر خلوت و عزلت میں اپنے رب کو یاد کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

ف۲ یعنی گو تم اس کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گزرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں۔

ف۳ یعنی تمہارا اور تمہارے افعال و اقوال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے اور خالق و مختار جس چیز کو پیدا کرے ضروری ہے کہ اس کا پورا علم اسے حاصل ہو، ورنہ پیدا کرنا ممکن نہیں۔ پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ جس نے بنایا وہ ہی نہ جانے۔

ف۴ یعنی زمین کو تمہارے سامنے کیسا پست و ذلیل و مسخر و منقاد کر دیا کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو تو چاہیے کہ اس پر اور اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو اور روزی کماؤ۔ مگر اتنا یاد رکھو کہ جس نے روزی دی ہے اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔

ف۵ پہلے انعامات یاد دلائے تھے۔ اب شان قہر و انتقام یاد دلا کر ڈرانا مقصود ہے یعنی زمین بیشک تمہارے لیے مسخر کر دی گئی۔ مگر یاد رہے اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے وہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے۔ اس وقت زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لہٰذا آدمی کو جائز نہیں کہ اس مالک مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں شروع کر دے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔

ف۶ یعنی بیشک زمین پر چلو پھرو اور روزی کماؤ۔ لیکن خدا کو نہ بھولو ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے۔ یا پتھروں کا مینہ برسا دے۔ پھر تم کیا کرو گے ساری دوڑ دھوپ یوں ہی رکھی رہ جائے گی۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ =

وَلَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ۝١٨ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ فَوۡقَهُمۡ

اور جھٹلا چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے پھر کیسا ہوا میرا انکار ف۱ اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر

اور جھٹلا چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر کیسا ہوا میرا بگاڑ ؟ اور کیا نہیں دیکھے اڑتے جانور اپنے اوپر

صٰٓفّٰتٍ وَّيَقۡبِضۡنَ ؔ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍۢ بَصِيۡرٌ ۝١٩ اَمَّنۡ هٰذَا

پر کھولے ہوئے اور پر جھپکتے ہوئے ان کو کوئی نہیں تھام رہا رحمان کے سوا اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز ف۲ بھلا وہ

پر کھولے اور جھپکتے۔ ان کو کوئی نہیں تھام رہا، رحمٰن کے سوا۔ اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز۔ بھلا وہ

الَّذِىۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّـكُمۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ الۡكٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِىۡ غُرُوۡرٍ ۝٢٠ اَمَّنۡ

کون ہے جو فوج ہے تمہاری مدد کرے تمہاری رحمان کے سوائے منکر پڑے ہیں بہکائے میں ف۳ بھلا

کون ہے؟ جو فوج ہے تمہاری مدد کرے گی تمہاری رحمٰن کے سوا۔ منکر پڑے ہیں نرے بہکاوے میں۔ بھلا

هٰذَا الَّذِىۡ يَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِىۡ عُتُوٍّ وَّنُفُوۡرٍ ۝٢١ اَفَمَنۡ يَّمۡشِىۡ مُكِبًّا

وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی ف۴ کوئی نہیں پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر ف۵ بھلا ایک جو چلے اوندھا

وہ کون ہے؟ جو روزی دیگا تم کو، اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی۔ کوئی نہیں! پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر، بھلا ایک جو چلے اوندھا

عَلٰى وَجۡهِهٖۤ اَهۡدٰٓى اَمَّنۡ يَّمۡشِىۡ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝٢٢

اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر ف۶

اپنے منہ پر، وہ سیدھی راہ پاوے یا وہ جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر

= ف۷ یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا وہ کیسا تباہ کن اور ہولناک ہے۔

ف۱ یعنی "عاد" "ثمود" وغیرہ کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے اس سے عبرت پکڑو۔ دیکھ لو! ان کی حرکات پر ہم نے انکار کیا تھا تو وہ انکار کیسے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو کر رہا۔

ف۲ پہلے آسمان وزمین کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں درمیانی چیز کا ذکر ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو پرندے زمین و آسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں۔ اور باوجود جسم ثقیل مائل الی المرکز ہونے کے نیچے نہیں گر پڑتے نہ زمین کی قوت جاذبہ اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بتلاؤ رحمان کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے۔ بیشک رحمان نے اپنی رحمت وحکمت سے ان کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ وہی ہر چیز کی استعداد کو جانتا اور تمام مخلوق کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے۔ شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر وشرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں۔ لیکن جس طرح رحمان کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے، عذاب بھی اسی کی رحمت سے رکا ہوا ہے۔

ف۳ یعنی منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب اور آنے والی آفت سے بچالے گی؟ خوب سمجھ لو! رحمان سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔

ف۴ یعنی اللہ اگر روزی کے سامان بند کر لے تو کس کی طاقت ہے جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے؟

ف۵ یعنی دل میں یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید واسلام کی =

بیان انعام براہل تقویٰ واحاطہ علم خداوندی با حوال فریقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ... الی ... صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منکرین ومجرمین پر عذاب خداوندی کا بیان تھا اور یہ کہ روز قیامت جب کفار، عذاب خداوندی کا مشاہدہ کریں گے تو ان پر کس طرح حسرت وملال ہوگا اب ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور رب العالمین سے خشیت رکھنے والوں کی جزاء اور انعام کا بیان ہے ارشاد فرمایا۔

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں غیب کی حالت میں ان کے واسطے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے کہ جنہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے جب کہ وہ عالم آخرت سے دور تھے جنت وجہنم بھی نظروں سے اوجھل تھی پھر بھی ایمان وتقویٰ اختیار کیا بلاشبہ وہ انعامات اور اعزازات کے مستحق ہیں یہی ''خشیت بحالت غیب'' کام آنے والی چیز ہے ورنہ خدا کی بارگاہ میں حاضری پر اور جنت وجہنم کا جب انسان مشاہدہ کرنے لگے تو ہر ایک ہی ڈرے گا اور عذاب جہنم سے کانپے گا لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت کا ڈر اور خشیت کسی صورت میں بھی کام نہ آئے گی اس وقت یہ فرمان خداوندی جاری ہوگا اور اے لوگو! تم خواہ بات چھپاؤ یا اس کو پکار کر رکھو اور ظاہر کرو خداوند عالم کی بارگاہ میں کوئی فرق نہیں وہ تو دلوں والی بات کو جاننے والا ہے اور سوچنا چاہئے کیا وہ پروردگار نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا وہ تو بہت ہی لطیف باریک بین اور مخلوقات کے احوال سے پورا باخبر ہے اس لیے کہ وہ مخلوقات کا خالق ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو دلی خیالات بھی مخلوق ہیں گو وہ دل میں چھپے ہوئے ہیں مگر وہ تو چونکہ لطیف ہے اور لطافت دلیل ہے علم وانکشاف کی لہٰذا وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے حکماء نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے اور یہ بات غور کرنے پر سمجھ میں بھی آتی ہے کہ جسمانیت ایک حجاب ہے بہت سی چیزوں کے علم وادراک سے یہی جسمانیت وکثافت مانع بنتی ہے اسی لیے ملائکہ چونکہ اجسام نوریہ اور لطیف ہیں اور ان میں روحانیت ولطافت ہے انکے بعد جنات جو مخلوق ناری ہیں اور نار میں بھی لطافت ہے گو نور سے کم ہو اس وجہ سے ملائکہ اور جن ان چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو ہمارے علم اور حواس سے بعید ہوتی ہیں اسی پر خواب کو بھی محمول کر لیا جائے کہ اس میں انسان بسا اوقات وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے جو بیداری میں نہیں دیکھ سکتا اسی بناء پر حضرات متکلمین نے بحالت خواب جنت وجہنم کو دیکھنا اور دیدار خداوندی کو تسلیم کیا ہے کیونکہ بحالت خواب جسمانی حجابات کمزور ہو جاتے ہیں اور مدرکات حسیہ کے بجائے قلب کے مدرکات کام کرنے لگتے ہیں تو جب نفس خواب میں انسان کو ان باتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے جن کا بحالت بیداری مشاہدہ نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے روز جب عالم مادیت سے بالکل ہی منقطع ہو چکا ہوگا اور مادی حجابات مرتفع ہو چکے ہوں گے نہ معلوم وہ کیا کچھ دیکھے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تو انسان جب تک دنیا میں ہے گویا وہ عالم غیب میں ہے اور احوال آخرت میں سے اس کے حواس بے خبر ہیں تو اس عالم میں خدا سے خوف وخشیت ایمان ہے ورنہ آخرت میں تو سب کچھ نظر

=طرف آتے ہوئے بڑھ سکتے ہیں۔

ف ۶ یعنی ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی مقصد اصلی تک پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا ہو کر چلے۔ جو شخص ناہموار راستہ پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ یہ مثال ایک موحد اور ایک مشرک کی ہوئی محشر میں بھی دونوں کی چال میں ایسا ہی فرق ہوگا۔

آنے لگے گا اور ہر ایک ہی خدا کی عظمت و کبریائی سے کانپتا ہوگا۔

وہی پروردگار ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو مسخر بنا دیا کہ اس پر جس طرح چاہو تصرف کرو چلو پھرو مکانات کارخانے تعمیر کرو یا نرم بنا دیا جس پر تم بیٹھ سکتے ہو اس کو کھود سکتے ہو ایسا سخت سنگ خارا نہیں کہ انسان سے نہ بیٹھا جائے نہ اس پر چلا جائے اور نہ کھودا جاسکے پھر عجیب قدرت ہے کہ اس نرمی کے باوجود ناخن سے کریدلو اس قدر مضبوط اور قوی کہ بڑے سے بڑے وزن سے نہ دبے اور نہ پھٹے تو چلوائے لوگو! تم اس کے کاندھوں یعنی راستوں ● میں اور کھاؤ خدا کے رزق سے جو اس نے زمین سے پیدا کیا اور یہ رزق اور جملہ نعمتوں کو کھا پی کر خدا کا شکر بھی ادا کرو اور یہ یاد رکھو کہ اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر لوٹنا اور جمع ہونا ہے میدان حشر میں۔ خدا کی پیدا کی ہوئی روزی اور نعمتوں سے مغرور نہ بنو اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے تم اسی حشر و نشر اور بعث بعد الموت کو زمین سے اگنے والی کھیتیوں کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہو کہ کس طرح یہ تخم اور بیج زمین میں دبانے کے بعد پھر زمین سے ابھر رہے ہیں جب کہ یہ مٹی میں مل کر خاک بن گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد اسی شکل و صورت میں رونما ہو رہے ہیں جیسے کہ پہلے تھی تو حشر اور بعث بعد الموت کا یہ نمونہ دنیا کی نظروں کے سامنے ہے جس طرح کہ انسان کو حشر و نشر اور آخرت سے بے خوف نہ ہونا چاہئے اسی طرح اس بات سے بھی بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ انسان کی بداعمالیوں اور نافرمانیوں پر کسی وقت بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تو اس کے لئے فرمایا۔

کیا تم نڈر ہو گئے ہو اس ذات سے کہ جو آسمان میں ہے اس چیز سے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جب کہ وہ زلزلہ سے لرزنے لگے تو وہی زمین جو تمہارے واسطے مسخر تھی تم اس سے منافع حاصل کرتے تھے اسی سے تم کو رزق ملتا تھا وہی زمین تمہارے واسطے عذاب وقہر بن جائے گی اور تم اس میں دھنسا دیئے جاؤ گے پھر کیا تم بے خوف ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ وہ ایک سخت آندھی تم پر چھوڑ دے جو پتھر برسانے والی ہو غرض اس طرح زمین و آسمان سے عذاب خداوندی واقع ہوگا۔ پھر تو تم جان لوگے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا اور دنیا کی نعمتوں اور نفس کی لذتوں نے تم کو فکر آخرت اور خوف خدا سے جو دور کر دیا ہے یہ سب ختم ہو جائے گا اور چاہو گے تو اس وقت ایمان لے آؤ لیکن ظاہر ہے عذاب خداوندی نازل ہونے پر ایمان لانا معتبر نہیں انسان کو اس امر سے کسی بھی وقت غافل نہ ہونا چاہئے کہ خدا اور اس کے رسول کی بات جھٹلانے کا کیسا انجام ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے اور بہت سی قوموں نے ان سے پہلے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو تو پھر کیسا ہوا میرا انکار کرنا اور اس پر کیسا ہولناک عذاب نازل ہوا جیسے کہ قوم عاد و ثمود کی تاریخ اہل عرب کے سامنے موجود ہے خداوند عالم کی شان کبریائی اور اس کی قدرت آسمان و زمین میں ظاہر ہونے کے ساتھ فضا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی اس کی قدرت و عظمت کی گواہی دے رہے ہیں تو کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو کہ ان کے اوپر کس طرح پر کھولے ہوتے ہیں اور پر

● "مناکب" کا ترجمہ راستوں سے کیا چلنے کی مناسبت سے مقصود تو یہ ہے کہ زمین کو اللہ نے انسانوں کے لئے مسخر کر دیا ہے صاحب کشاف کہتے ہیں یہ ایک تمثیل اور محاورہ ہے جو مسخر کیے جانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین کے کاندھے پہاڑ اور ٹیلے ہیں ان کی بلندی کی وجہ سے انکو "مناکب الارض" کہا جاتا ہے۔ ۱۲

جھپکتے بھی ہیں کوئی نہیں ہے ان کو روکے ہوئے بجز رحمٰن کے وہی پروردگار رحمٰن ورحیم اپنی قدرت سے انکو فضا میں معلق روکے ہوئے ہے پرندوں کی یہ حالت خداوند عالم کی کبریائی بڑی ہی عظیم دلیل ہے۔

بے شک وہ پروردگار جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے ● بھلا وہ کون ہے جو لشکر مددگار ہو کر آجائے تمہارے واسطے رحمٰن کے سوا مدد کرے اور کسی بھی عذاب ومصیبت سے تم کو بچالے ہرگز ایسا ممکن نہیں کافر تو بس دھوکہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں ان کو یہ دھوکہ لگا ہوا ہے کہ اگر کوئی عذاب نازل ہوا جس سے ڈرایا جارہا ہے تو ان کے یہ معبود عذاب سے بچالیں گے یہ ان کا کھلا ہوا دھوکہ ہے سوچنا چاہئے۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے اگر وہ پروردگار اپنا رزق روک لے۔ دنیا کی طاقت مل کر بھی ایک دانہ زمین سے پیدا نہیں کرسکتی یہ سب باتیں ہر صاحب فہم انسان بڑی سہولت سے سمجھ سکتا ہے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو اور زیادہ مضبوطی سے چمٹے رہے اپنی سرکشی پر اور خدا کی اطاعت سے بدکنے پر یقیناً اس گمراہی اور سرکشی کا انجام ہلاکت وتباہی کے سوا کیا ہوسکتا ہے بھلا کیا وہ شخص جو چل رہا ہو اوندھا منہ اپنے سر کے بل راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو چل رہا ہے ٹھیک ٹھیک ایک ایسے راستہ پر جو نہایت ہی سیدھا ہے ظاہر ہے کہ صراط مستقیم پر سیدھا چلنے والا انسان ہی کامیاب ہے اور حق پر ہے اور جو اوندھے منہ سر کے بل گھسٹ رہا ہو وہ کیونکر فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچ سکتا ہے اسی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جو شخص قانون الٰہی اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرے گا وہی منزل مقصود کو پہنچے گا اور وہی مومن صالح ہے اور جو شخص ہوائے نفس میں پھنس کر اللہ اور اس کے رسول سے باغی ہوجائے وہ ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور ایک خار دار راستہ پر چلتے ہوئے ایسے عمیق اور گہرے گڑھے میں گرے گا کہ اس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا

تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا

تو کہہ، وہی ہے جس نے تم کو نکال کھڑا کیا، اور بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل۔ تم تھوڑا

تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

حق مانتے ہو ف۱ تو کہہ وہی ہے جس نے کھنڈا دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ف۲ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ

حق مانتے ہو۔ تو کہہ وہی ہے جس نے کھنڈایا تم کو زمین میں، اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ

ف۱ یعنی اللہ نے سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں، اور سمجھنے کے لیے دل دیئے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے، اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ کافروں کو دیکھ لو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔

● استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد قرآن میں فرماتے ہیں شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر وشرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے عذاب بھی اس کی رحمت سے رکا ہوا ہے" کوئی بعید نہیں اسی لطیف اشارہ کے باعث اس موقع پر اللہ کی صفت رحمٰن ذکر فرمائی گئی ہو حالانکہ یہ امر قدرت سے متعلق ہے تو ظاہر کا تقاضا ہوسکتا تھا کہ صفت قدرت وعظمت کا ذکر ہوتا۔

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا

اگر تم سچے ہو ف۱ تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر ف۲ پھر جب

اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، خبر تو ہے اللہ ہی پاس۔ اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر۔ پھر جب

رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ

دیکھیں گے کہ وہ پاس آلگا تو بگڑ جائیں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے ف۳ تو کہہ

دیکھیں گے وہ پاس آ لگا، برے بن جاویں گے منہ منکروں کے، اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے۔ تو کہہ،

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے منکروں کو عذاب

بھلا دیکھو تو! اگر کھپا دے مجھ کو اللہ، اور میرے ساتھ والوں کو، یا ہم پر مہر کرے، پھر کون ہے جو بچائے منکروں کو دکھ کی

اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ

دردناک سے ف۴ تو کہہ وہی رحمان ہے ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا ف۵ سو اب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح

مار سے تو کہہ وہی رحمٰن ہے، ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا۔ سو اب جان لو گے، کون پڑا ہے صریح

مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

بہکائے میں ف۶ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا ف۷

بہکاوے میں تو کہہ، بھلا دیکھو تو! اگر ہو رہے صبح کو پانی تمہارا خشک، پھر کون ہے جو لاوے تم کو پانی نتھرا؟

= ف۲ یعنی ابتداء بھی اس سے ہوئی انتہاء بھی اسی پر ہوگی، جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے۔ چاہیے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں۔

ف۱ یعنی اکٹھے کب کیے جائیں گے؟ اور قیامت کب آئے گی اسے جلدی بلالو۔

ف۲ یعنی وقت کی تعیین میں نہیں کر سکتا۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ البتہ جو چیز یقیناً آنے والی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرا دینا میرا فرض تھا وہ میں ادا کر چکا۔

ف۳ یعنی اب تو جلدی مچا رہے لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آلگے گا، بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

ف۴ کفار تمنا کرتے تھے کہ کہیں جلد مر مرا کر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ) اس کا جواب دیا کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیے جائیں یا ہمارے عقیدے کے موافق مجھ کو اور میرے رفقاء کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو، بہر حال آخرت میں بہتری ہے کہ اس کے راستہ میں جدوجہد کر رہے ہیں لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے، اس سے کون بچائے گا۔ ہمارا اندیشہ چھوڑ دو اپنی فکر کرو، کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

ف۵ یعنی جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنی میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے۔ ﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ تم میں دونوں چیزیں نہیں، نہ ایمان نہ توکل، پھر تم کیسے بے فکر ہو؟

ف۶ یعنی ہم جیسا کہ تمہارا گمان ہے یا تم جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے۔

ف۷ یعنی زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو، جس سے ہر چیز کی زندگی ہے، اگر فرض کرو! چشموں اور کنوؤں کا =

دلائل قدرت رب العلمین وتنبیہ وتہدید بر مجرمین ومنکرین

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ ... الی ... فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل ایمان وتقوی پر انعامات خداوندی کا بیان تھا اور یہ کہ مومنین مطیعین اور کفار ومجرمین ہر دو فریق کا خداوند عالم کو پورا پورا علم ہے انکا کوئی قول وعمل اللہ سے مخفی نہیں کوئی بھی اس کے احاطہ علم وقدرت سے باہر نہیں ہوسکتا تو اب ان آیات میں مزید دلائل قدرت بیان کیے جارہے ہیں اور یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور عطا کیا آنکھیں دیکھنے کے لئے دیں اور کان سننے کے واسطے تو پھر یہ بات فطرت سے بعید ہے کہ انسان نہ عقل وفکر سے کام لے نہ آنکھوں سے دلائل قدرت کا مشاہدہ کرے اور نہ کانوں سے حق وہدایت کی بات سنے، ارشاد فرمایا:

کہہ دیجئے وہی ہے خداوند عالم وحدہ لاشریک کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور اس کی خالقیت کی بیشمار دلیلیں خود انسانی وجود میں ودیعت رکھی ہوتی ہیں اور تمہارے واسطے کان بنائے اور آنکھیں تا کہ آنکھوں سے دیکھو اور کانوں سے رشد وہدایت کی باتوں کو سنو اور دل تا کہ عقل وفطرت کے تقاضے دلوں میں سمانے والی باتوں کو قبول کرو لیکن اے انسانو! افسوس کہ تم میں سے بہت سوں نے ان چیزوں سے کام نہ لیا تو بہت ہی کم ہو کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو اگر اس پر بھی یہ منکرین توجہ نہیں کرتے اور قبول حق کی طرف مائل نہیں ہوتے پھر کہہ دیجئے کہ وہی تو ہے جس نے زمین میں بکھیرا اور اپنی قدرت سے کس طرح تم کو زمین کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد کیا اور کس طرح اسباب معیشت اور سامان راحت پیدا کیا اور یہ سب چیزیں اپنے تغیر وانقلاب اور وجود وفنا اور بقاء وزوال سے اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ تم سب اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔ ان حقائق ودلائل اور مشاہدات کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ خدا پر ایمان لاتے مگر ذرہ برابر بھی ان پر اثر نہیں اور بلکہ یہ کہتے ہیں یہ وعدۂ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو کب ہم زندہ ہوں گے اور کب قیامت آئے گی تو آپ ﷺ کہہ دیں اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف ڈرانے ہی والا ہوں کھلم کھلا خدا کے عذاب سے اور روز قیامت کے واقع ہونے سے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو کوئی بھی ٹلانے والا نہیں چنانچہ جب وہ لوگ دیکھیں گے اس کو قریب کہ عذاب خداوندی سامنے ہے قیامت برپا ہورہی ہے تو بگڑ جائیں گے کافروں کے چہرے شدت غم اور بدحواسی کی وجہ سے اور کہا جائے گا یہی تو ہے وہ جس کو تم طلب کرتے تھے اور اللہ کے پیغمبر اور اہل ایمان سے کہا کرتے تھے کہ اچھا اگر کافروں پر خدا کا عذاب آنے والا ہے تو لے آؤ کہاں ہے وہ عذاب تو اس طرح یہ منکر اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وہ بطور استہزاء مطالبہ اور جلدی کرتے تھے اور جوں ہی وہ عذاب قریب آئے گا بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں

= پانی خشک ہوکر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو اسی کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کردے جو تمہاری زندگی اور بقاء کے لیے کافی ہو۔ لہٰذا ایک مومن متوکل کو اسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سبب چشمے خشک ہوچکے، اس وقت ہدایت ومعرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جاری کردینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہوسکتا ہے۔ جس نے اپنے فضل وانعام سے تمام جانداروں کی ظاہری وباطنی زندگی کے سامان پیدا کیے ہیں اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہوجائے، جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے، تو کون ہے جو مخلوق کے لیے ایسا پاک وصاف ستھرا پانی مہیا کرسکے۔ تم سورۃ الملک وللہ الحمد والمنۃ۔

اڑنے لگیں گی۔

خداوند عالم کے عذاب کو کون ٹلا سکتا ہے اس کے قہر و جلال کا تو یہ عالم ہے کہ اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان کو کہہ دیجئے بھلا دیکھو تو اور مجھے یہ بتاؤ اگر بالفرض خدا مجھے ہلاک کرے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں یا ہم پر رحم کرے جیسا کہ وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے تو پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچالے؟ یقیناً کسی میں جرأت نہیں کہ خدا کی کسی بھی بات کو ٹلا سکے اس لئے اس کا وہ عذاب جو کافروں اور منکروں پر واقع ہونے والا ہے اس کو کوئی دفع نہیں کرسکتا اور اسکی وہ عنایات ورحمتیں جو اس کے رسول ﷺ پر اور رسول ﷺ کے ساتھیوں پر ہونے والی ہیں انکو کوئی نہیں روک سکتا اس شان عظمت و کبریائی کا ادراک و مشاہدہ کرنے والوں کو کہہ دیجئے کہ وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر بھروسہ ہی ہدایت و کامیابی ہے اور اے کافرو! تم ان دونوں سے محروم ہو نہ ایمان ہے نہ توکل اس وجہ سے بس عنقریب تم جان لوگے کہ کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے ہم یا تم! آخر اے منکرو! کہاں تک تم خدا کی قدرت وخالقیت کا انکار کرتے رہوگے تو کہہ دو بھلا بتاؤ اگر تمہارا یہ پانی خشک ہوجائے تو کون لائے گا تمہارے پاس چشموں سے بہتا ہوا صاف ستھرا پانی۔ وہ پانی جس پر ہر جاندار کی زندگی اور ہر چیز کا بقاء موقوف ہے چشموں کنوؤں اور نہروں سے خشک ہوجائے تو یہ موتی کی طرف صاف ستھرے قطرے لے آنے کی کسی میں قدرت نہیں۔ ●

تم بحمد اللہ سورۃ الملك۔

سورۃ القلم

اس سورت کا اصل موضوع آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور منکرین و کفار کے شبہات و اعتراضات کا رد اور جواب ہے سورت کی ابتداء آنحضرت ﷺ کی شان نبوت اور اسکی عظمت و رفعت سے کی گئی اور جو لغو قسم کی باتیں کفار مکہ کہا کرتے تھے انکار ہے ساتھ ہی ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں کرنے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور ان کی وہ بے ہودہ اور ذلیل خصلتیں ذکر کی گئیں جن میں وہ مبتلا تھے اور یہ کہ ایسے منکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا عذاب ہے اور کس قسم کی ذلت و رسوائی انکے مقدمہ میں لکھی ہوئی ہے پھر اس موضوع کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے ان باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا جو اللہ کی نافرمانی کے باعث ان تمام نعمتوں سے محروم ہوگئے جو انکو حاصل تھیں اور قدرت خداوندی نے انکے جرم کا کیسا انتقام لیا تو یہ سب کچھ عبرت کا سامان ہے اہل مکہ اور وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے

● شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی (بعثت کی) صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہوسکتا ہے جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظاہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کیے۔

اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہوجائے جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے تو کون ہے جو مخلوق کے لئے ایسا پاک و صاف ستھرا پانی مہیا کرسکے" حضرات مفسرین نے بیان کیا کہ اس آیت کو بعض متکبرین نے سنا تو بڑی ہی گستاخی سے کہا" ہم زمین سے کھود کر نکال لیں گے" اسی وقت خدا نے انکی آنکھوں کی رطوبت اور پانی جذب کرلیا اور غیب سے ندا سنائی دی اے گستاخ تو زمین کی تہوں سے پانی کیا نکال کرلائے گا تو اپنی آنکھ ہی کا پانی لے آ العیاذ باللہ شان خداوندی میں گستاخی سے اللہ رب العزت محفوظ رکھے، آمین یارب العالمین۔

اور نافرمانی وسرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنالیا ہے ان کو ایسے عبرتناک واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ساتھ ہی قیامت کا بھی ذکر آگیا اور یہ کہ روز قیامت نہایت ہی شدید دن ہوگا مجرمین اللہ کے سامنے جب پیش ہوں گے تو انکی ذلت وبدحالی کی کوئی حد نہ ہوگی اختتام سورت پر آنحضرت ﷺ کو کفار قریش کی اذیتوں پر صبر وتحمل کی تلقین فرمائی گئی۔

(۶۸ سُوۡرَةُ الۡقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲) بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (ایاتها ۵۲ رکوعاتها ۲)

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَۙ ① مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍۚ ② وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ ف۱ اور تیرے واسطے بدلہ ہے

قسم ہے قلم کی، اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ، اور تجھ کو نیگ ہے بے

مَمۡنُوۡنٍۚ ③ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ④ فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَۙ ⑤ بِاَيِّكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ⑥

بے انتہا ف۲ اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ف۳ سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے ف۴

انتہا، اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر۔ سو اب تو بھی دیکھ لے گا، اور وہ بھی دیکھ لیں گے، کون ہے کہ بچل رہا ہے

ف۱ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا۔ حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی۔ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل وانعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت ودانائی کی باتیں۔ مخالف وموافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں، اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے کہ جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء ودوام کی مہر ثبت کی، اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال کارناموں اور علوم ومعارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت ودانائی کی داد دے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت وبرتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔

ف۲ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت۔ بنی نوع انسان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہاء اجر وثواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً ملنے والا ہے کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل ایسا پائیدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہیے۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق وملکات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق وملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایک دیوانے کے اقوال وافعال میں قطعاً نظم وترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے برخلاف اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان قرآن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں فطرۃً موجود، اور جس بدی وزشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور وبیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی =

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۞ فَلَا تُطِعِ

بیشک تیرا رب وہی خوب جانے اس کو جو بہکا اس کی راہ سے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو ف۱ سو تو کہنا مت مان

تیرا رب وہی بہتر جانے جو بہکا اس کی راہ سے، اور وہی جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔ سو تو کہا نہ مان

الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۞ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۞ هَمَّازٍ

جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں ف۲ اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا ف۳ طعنے دے

جھٹلانے والوں کا۔ وہ چاہتے ہیں، کسی طرح تو ڈھیلا ہو، تو وہ بھی ڈھیلے ہوں اور کہا نہ مان کسی قسم کھانے والے کا، بےقدر، طعنے دیتا،

مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۞ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۞ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۞ اَنْ كَانَ ذَا

چغلی کھاتا پھرے، بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار اجڈ ان سب کے پیچھے بدنام ف۴ اس واسطے کہ رکھتا ہے

چغلی لئے پھرتا، بھلے کام سے روکتا، حد سے بڑھتا گنہگار، اجڈ، اس سب کے پیچھے بدنام، اس سے کہ رکھتا ہے

=کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے نہیں پاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں۔ جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو، بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور دردمندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ کا خطاب سننے کی نوبت آتی تھی۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل و ذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہے گی تمام معاملات عدل و اخلاق کی میزان میں پورے اتریں گے۔ کیا خوب فرمایا شیخ جنید بغدادی نے "سمی خلقه عظیما اذلم تکن له همة سوی الله تعالیٰ عاشر الخلق بخُلُقِهٖ وزایلهم بقلبه فکان ظاهره مع الخلق وباطنه مع الحق" وفی وصیته بعض الحکماء "عَلَيْكَ بِالْخُلُقِ مَعَ الْخَلْقِ وَبِالصِّدْقِ مَعَ الْحَقِّ۔"

ف۳ یعنی دل میں تو پہلے سمجھتے ہیں، لیکن عنقریب فریقین کو آنکھوں سے نظر آ جائے گا دونوں میں سے کون ہوشیار اور عاقبت اندیش تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی جس کی وجہ سے پاگلوں کی طرح بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔

ف۱ یعنی پوری طرح علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ پر آنے والے ہیں اور کون بھٹکنے والے لیکن نتائج جب سامنے آئیں گے تو سب کو نظر آ جائے گا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی رہزنی کی بدولت ناکام و نامراد رہا۔

ف۲ یعنی راہ پر آنے والے نہ آنے والے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں۔ لہٰذا دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رو و رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو راہ پر آنا ہوگا آ رہے گا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ و مروت سے ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق اور مسلک و مشرب سے متعارض نہ ہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو "خلق عظیم" پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیک نیتی سے یہ خیال آ جائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چند نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے۔ ان کی غرض محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھیلا کرنا ہے۔ ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا مقصود نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ کسی کو منوا دینے اور راہ پر لے آنے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ دار نہیں۔

(تنبیہ) "مداہنت" اور "مدارات" میں بہت باریک فرق ہے۔ اول الذکر مذموم ہے۔ اور آخر الذکر محمود۔ فلا تغفل

ف۳ یعنی جس کے دل میں خدا کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسم کھا لینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور چونکہ لوگ اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس لیے یقین دلانے کے لیے بار بار قسمیں کھا کر بے قدر اور ذلیل ہوتا ہے۔

ف۴ یعنی ان خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے عالم بھی ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کہ یہ سب کافر کے وصف ہیں آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے۔=

مَالٍ وَّبَنِيْنَ ⑭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑮ سَنَسِمُهٗ عَلَى

مال اور بیٹے ف۱ جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی ف۲ اب داغ دیں گے ہم اس کو

مال اور بیٹے۔ جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہے، یہ نقلیں ہیں پہلوں کی۔ اب داغ دیں گے ہم اس کو

الْخُرْطُوْمِ ⑯

سونڈ پر ف۳

سونڈ پر۔

بیان عظمت رسول اکرم ﷺ وتلقین صبر واستقامت

قال تعالیٰ: ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ... الى ... سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں خداوند عالم کی خالقیت کے دلائل ذکر کئے گئے اور یہ کہ اس کی قدرت کائنات کو محیط ہے اس کے احاطہ علم وقدرت سے کوئی مجرم نہیں نکل سکتا تو اب اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت کو ثابت فرمایا گیا اور یہ کہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے مجرمین خدا کے عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے اور جو کچھ وہ آپ ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں وہ سب لغو اور بے ہودہ باتیں ہیں کوئی صحیح العقل انسان ایسی بے ہودہ باتیں تصور بھی نہیں کرسکتا ارشاد فرمایا۔

﴿نٓ﴾ خدا تعالیٰ ہی اس کی مراد ❶ بخوبی جانتا ہے قسم ہے قلم کی اور قسم ہے ان کی جو لکھتے ہیں آپ ﷺ نہیں ہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ بلکہ دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم وحکمت اور عقل ودانائی کے مالک ہیں جس توحید اور مکارم اخلاق کی دنیا کو تعلیم دی وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ دنیا کے سارے حکماء اور فلاسفہ کو حکمت ودانائی آپ ﷺ کے چشم فیض سے ملی ہے آپ ﷺ کی حکمت ودانائی اہل مکہ کے نزدیک کوئی عجب چیز نہیں قریش اور ان کے علاوہ اطراف و اکناف عرب میں اس کا چرچا تھا یہ بات تو کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ دیوانہ ہوں بلکہ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے واسطے تو ایسا اجر عظیم ہے کہ جو کبھی بھی منقطع ہونے والا نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ذات سے دنیا میں توحید ومکارم اخلاق رواج

= (تنبیہ) "زنیم" کے معنی بعض سلف کے نزدیک ولد الزنا اور حرام زادے کے ہیں۔ جس کافر کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ایسا ہی تھا۔

ف۱ یعنی ایک شخص اگر دنیا میں طالع مند اور خوش قسمت نظر آتا ہے، مثلاً مال و اولاد وغیرہ رکھتا ہے تو محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے اخلاق وعادات ہیں، جس شخص میں شرافت اور خوش اخلاقی نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

ف۲ یعنی اللہ کی باتوں کو یہ کہہ کر جھٹلاتا ہے۔

ف۳ کہتے ہیں قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا اس میں یہ سب اوصاف مجتمع تھے اور ناک پر داغ دینے سے مراد اس کی رسوائی اور روسیاہی ہے۔ شاید دنیا میں حسی طور پر بھی کوئی داغ پڑا ہو یا آخرت میں پڑے گا۔

❶ یہی مسلک اہل حق اور محققین کا ہے اگرچہ بعض عارفین اس حرف نون کو "ناصر" یا "نصر" کا مخفف قرار دیکر یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ تسلی ہے آنحضرت ﷺ کو کہ ہم آپ ﷺ کے مددگار ہیں یا ہم آپ ﷺ کی مدد کریں گے بعض مفسرین نے اور بھی معانی بیان کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

پائیں گے خدا پرستی جب مشرق ومغرب میں پھیلے گی تو بلاشبہ اس سب کا اجر وثواب آپ ﷺ ہی کو ملتا رہے گا اور بے شک آپ ﷺ تو بڑے ہی اچھے اور بلند پایہ خلق پر ہیں [1] ایسے اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ اخلاق کہ دنیا میں ان اخلاق واعمال نے مسلمانوں کو عزت وحکومت اور سربلندی عطا کی۔

تو عنقریب آپ ﷺ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون تم میں سے وہ ہے جو بھٹک رہا ہے اور کون وہ ہے جو پیکر علم وحکمت اور عقل وفراست ہے کون عاقبت اندیش ہے اور کس کی عقل ماری گئی ہے جس کی وجہ سے وہ پاگلوں جیسی باتیں اور حرکتیں کرتا ہے بلاشبہ آئندہ کی تاریخ اس کا فیصلہ کردے گی بے شک آپ ﷺ کا رب ہی خوب جانتا ہے اس کو کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کے راستہ سے اور وہی خوب جانتا ہے ان کو بھی جو راہ راست پر ہیں اس کا علم ہر عمل اور ہر عامل کو محیط ہے اس وجہ سے ہدایت اور نیکی پر چلنے والوں کا انجام فلاح وکامیابی اور عزت وغلبہ ہوگا اور گمراہوں کا انجام ہلاکت وتباہی ہے کفار ومشرکین تو اسی کوشش میں لگے رہیں گے کہ آپ ﷺ دعوت وتبلیغ کے معاملے میں ان کی کچھ رعایت کریں اور کفر وگمراہی اور معبودان باطلہ کے رد میں سخت رویہ کو ترک کردیں، جس کا نتیجہ ظاہر ہے یہی ہوسکتا ہے کہ حق وباطل اور توحید وشرک میں امتیاز ہی ختم ہوجائے گا اس لیے آپ ﷺ کو تاکید ہے ہرگز ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانئے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ نرمی اختیار کرلیں تو پھر وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ نرمی برتیں ہرگز آپ ﷺ ایسا نہ کریں، انکو نرمی اور خوش خلقی کی طمع میں احقاق حق اور تردید باطل میں کسی طرح کی نرمی اور کمزوری مقام رسالت کے ساتھ زیب نہیں دیتی ایمان وحق پرستی کا تقاضا یہی ہے یہ کہ حق کی آواز بلا جھجک کے بلند کی جائے دشمن خواہ سختی اختیار کریں یا برا بھلا کہیں ہے اور آپ ﷺ ہرگز بات نہ مانیں کسی ایسے شخص کی جو خوب قسمیں کھانے والا حقیر وذلیل انسان ہو۔ طعن وتشنیع کرنے والا ہو چغل خوری کرتا پھرتا ہو ہر بھلے کام سے لوگوں کو روکتا ہو حد سے زیادہ سرکش بڑا ہی گناہگار ہو نہایت ہی بدخود بے ہودہ ان سب باتوں کے بعد بدنام [2] رسوائے زمانہ بھی ہو یہ (اس شخص کا غرور وتکبر اور سرکشی اور ہر خیر سے لوگوں کو روکنا) اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت مالدار اور بیٹوں

[1] خلق خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ عادت کو کہا جاتا ہے اچھی عادت کو خلق حسن اور بری عادت کو خلق سوء یعنی بداخلاقی سے تعبیر کریں گے تو خلق حسن یا خلق عظیم انسان میں اس طبعی ملکہ کو کہا جاتا ہے جس کے باعث انسان پسندیدہ کام سہولت سے کرسکتا ہے، بہرکیف عملی اور اخلاقی ہیئت عملیہ کو خلق کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً حیاء کرم، سخاوت، شجاعت، ہمدردی واعانت، وصلہ رحمی، صبر وحلم، اور ہر بری بات اور بے ہودہ خصلت سے پرہیز اور نفرت کرنا تو اس طرح کا وصف انسان کی فطرت میں رچا ہوا ہو کہ یہ تمام باتیں بے تکلف اس سے واقع ہوتی رہی تو آنحضرت ﷺ ان جملہ حسنہ اور پسندیدہ خصلتوں سے نہ صرف یہ کہ متصف ہیں بلکہ دنیا نے ان باتوں کو صرف آپ ﷺ سے ہی سیکھا۔

ابوالدرداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کا خلق کیا تھا جواب دیا آپ ﷺ کا خلق قرآن کریم تھا ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سے زیادہ دنیا میں کوئی خوش خلق نہ تھا جب بھی کسی نے کام کے لیے بلایا آپ ﷺ نے اس کا کام کردیا عمر بھر آپ ﷺ نے کسی کو گالی نہ دی نہ برا بھلا کہا انس بن مالک ؓ فرمایا کبھی مجھے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا" کہ کیوں نہیں کیا اور اگر کوئی کام غلط کرلیا تو یہ نہیں فرمایا کہ "یہ کیوں کیا"۔ ۱۲

[2] رسوائے زمانہ اور "بدنام" لفظ "زنیم" کا ترجمہ ہے جس کو حضرت شیخ الہند ؒ نے اپنے ترجمہ میں اختیار فرمایا بعض حضرات سلف اور اہل لغت ۔ نے زنیم کے معنی ولد الزنا اور "حرام زادے" کے کئے ہیں اور جس کافر کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں وہ اہل مکہ میں اسی حیثیت کے ساتھ معروف تھا اور وہ ولید بن مغیرہ تھا۔ ۱۲

والا تھا وہ اپنی سرکشی اور غرور میں اس حد تک پہنچا کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جائیں تو کہے یہ تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کہانیاں ہیں اس مغرور ومتکبر کو اس بات کا احساس تک نہ رہا کہ دنیا میں کسی شخص کا دولت مند یا صاحب اولاد ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسکی بات حق ہے اور وہی کامیاب بھی ہے اصل عزت وکامیابی تو انسان کے اخلاق وعادات اور کردار کی خوبی اور شرافت وخوش اسلوبی پر موقوف ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے ابلہ فریب انسان کی باتوں کی طرف نہ کوئی التفات کو کرنا چاہئے اور نہ ہی اس سے متاثر ہونا چاہئے۔

ایسے نالائق اور بدبخت انسان کے لیے تو ہم نے یہ طے کرلیا ہے اور ہم داغ دیں گے اس کی سونڈ پر اس کی وہ ناک جو سونڈ کی طرح ہے نہایت ہی بے ڈول اور چوڑی بڑی بھدی نظر آتی ہے یہ شخص قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا جس میں یہ تمام اوصاف بتمام وکمال موجود تھے اور ناک پر داغ میں ذلت ورسوائی کا داغ تھا جو اس پر لگ کر رہا علاوہ ازیں حسی طور پر بھی دنیا میں یہ داغ لگ کر رہا جسکی صورت یہ ہوئی کہ بدر کی لڑائی میں ایک انصاری کی تلوار کا اس کی ناک پر چرکا لگا اور اس سے وہ زخمی ہوئی مکہ مکرمہ آ کر اس کی مرہم پٹی کی مگر یہ زخم کسی طرح اچھا نہ ہوا بلکہ ایک نمایاں داغ پڑ گیا اور اس زخم کی سختی اور تلخی سے نجات نہ پا سکا حتی کہ اسی حالت میں جہنم رسید ہو گیا۔

ناک ہی انسان کے غرور وتکبر کا نشان ہے عرف میں ناک عزت وآبرو کو کہتے ہیں اور ذلت ورسوائی کو محاورات میں ناک کٹ جانا کہتے ہیں تو اس لحاظ سے غرور وخود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا تکبر اور سرتابی کی مناسب سزا ہوئی اس میں ایک لطیف رمز اور اشارہ یہ بھی ہے اللہ کے گھر کی بے حرمتی کرنے والے ہاتھیوں کے لشکر کا انجام قریش مکہ نے دیکھ بھی لیا تھا اب یہ ہاتھی جیسی ناک والا بھی اپنی ذلت وہلاکت کا انجام دیکھ لے گا۔

قلم اور تحریر قلم تاریخ عالم میں حضور اکرم ﷺ کی عظمت وحقانیت کا ثبوت اعظم

دنیا میں علوم کے نقل اور اشاعت کا ذریعہ قلم ہے، اور قلم کے ذریعہ علم ومعرفت کے خزانے ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک قلب سے دوسرے قلب تک منتقل کیئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آغاز وحی پر جب آنحضرت ﷺ کو ﴿اقْرَأْ﴾ کا خطاب ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا ما انا بقارئ کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھا ہوا ہوں تو قراءت اور علم وحکمت کے حصول کے اس واسطہ اور ذریعہ کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔ ﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ کہ قلم کے ذریعے انسان تک وہ علوم پہنچتے ہیں جن کو وہ پہلے نہیں جانتا ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ قلم سے تقدیر الٰہی کا قلم مراد ہو جیسے کہ عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے فرمایا اللہ رب العزت نے سب سے اول قلم پیدا فرمایا اور پھر اس کو فرمایا "اکتب" یعنی لکھ اے قلم، قلم نے کہا اے پروردگار کیا لکھوں جواب ملا لکھ لے ہر وہ چیز جو موجود ہے اور وہ بھی جو قیامت تک ہونے والا ہے بہر کیف قلم کی عظمت ظاہر ہے اور اسی عظمت کے پیش نظر قلم اور قلم سے لکھے جانے والے علوم ومعارف کی قسم کھائی گئی چونکہ قسم اور جواب قسم میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہوتی ہے تو ﴿مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ یعنی اس اعلان" کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کے فضل وانعام کی وجہ سے مجنون یا دیوانہ نہیں ہیں" کے ثابت کرنے کے لئے قلم اور قلم سے

تحریر کئے جانے والے علوم کی قسم کھائی کیونکہ علوم اور حکمتیں لکھی جاتی ہیں اور ایسی حکمتیں کہ دنیا کے حکماء ان پر حیران ہوں ان اسرار وحکم سے لوگوں کو فہم وشعور کا ایک حصہ ملے تو بلاشبہ اس قسم پر یہ مضمون مرتب کرنا اور کفار مکہ کے اس بے ہودہ ولغو اعتراض کا جواب نہایت ہی لطیف ہوا جیسے کہ کسی تاریکی اور ظلمت کے الزام کو رد کرنے کے لئے سورج اور سورج کی تابناک شعاعوں کی قسم کھائی جائے اسی وجہ سے اس اعتراض کے بالمقابل آنحضرت ﷺ کا وصف خلق عظیم کا ذکر فرمایا جو دنیا کی تمام حکمتوں اور دانائی کے رموز کے لئے ایک جامع اساس ہے کہ کہاں ان بے ہودہ لوگوں کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ مجنون ہیں اور کہاں آپ ﷺ کا یہ مقام کہ ﴿لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ کہ جملہ کمالات عقلیہ وعملیہ کا سرچشمہ ہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ بہترین اخلاق والے تھے (فرمایا) اور میں نے کبھی کوئی ریشم ودیباج آنحضرت ﷺ کے کف مبارک (ہتھیلی) سے زائد خوشبودار نہیں پایا[1] ایک روایت میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا آنحضرت ﷺ احسن وجھا واحسن الناس خلقا تھے یعنی جس طرح آپ ﷺ ظاہر جسم چہرے کے لحاظ سے پیکر حسن وجمال تھے باطنی اخلاق کے لحاظ سے حسن خلق کا پیکر اعظم تھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ریشم اور مشک وعنبر کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے آپ ﷺ کے اخلاق کی نرمی ولطافت کے سامنے ریشم کی نرمی ہیچ تھی اور آپ ﷺ کے اخلاق مبارکہ کی مہک اور خوشبو کے سامنے ہر عطر اور مشک وعنبر شرماتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں ”دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں ابتداء قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ بابانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین وآسمان کا تفاوت ہے آج آپ ﷺ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء ودوام کی مہر ثبت کردی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم ومعارف کو، ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گے اور آپ ﷺ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ ﷺ کی حکمت ودانائی کی داد دے گی اور آپ ﷺ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرلے گی۔

بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت وبرتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کرچکا کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے جو ایسا خیال رکھتا ہو وہ پرلے درجے کے مجنون یا جاہل ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔

[2] فوائد عثمانی رحمہ اللہ۔

حضور اکرم ﷺ کی یہ شان علم و حکمت اور محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہونے کے بیان کے لئے ﴿لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ لفظ علی کے ساتھ اختیار فرمایا گیا عربی زبان میں لفظ علی استعلاء اور غلبہ کے بیان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اشارہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ صرف یہی نہیں کہ صاحب خلق عظیم ہوں بلکہ آپ ﷺ تو ان اخلاق حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی وسعت پیدا کر دی۔

اہل مکہ یا ولید بن مغیرہ جیسے بدبختوں کی اس بے ہودہ بات "کہ آپ ﷺ مجنون ہیں" رد کرنے کے لیے یہاں حق تعالیٰ شانہ نے تین باتیں ذکر فرمائیں یا یہ کہ تین طرح اس کی تردید کی ایک تو یہ فرمایا ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ جس میں اشارہ ہوا کہ جس ہستی پر خدا کی نعمت بے پایاں ہو وہ کیسے دیوانہ و مجنون ہو سکتا ہے دوسری بات یہ فرمائی ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا﴾ یعنی دیوانگی تو درکنار آپ ﷺ کو مقام عظمت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اجر و ثواب کبھی منقطع ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ ﷺ کے علوم و معارف اور ہدایات سے تو دنیا قیامت تک مستفید ہوتی رہے گی تو جو ہستی اس مقام و مرتبہ کی ہو کہ اس کی ہدایات وعلوم سے دنیا قیامت تک مستفید ہو اور اس طرح اس کا اجر کبھی بھی منقطع نہ ہو سکتا ہو تو بھلا کیا کوئی عقل والا انسان ایسے کو مجنون و دیوانہ کہہ سکتا ہے پھر تیسری بات یہ فرمائی کہ ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ تو خلق عظیم سے متصف ہونا تو کمال عقل و دانائی ہے تو پھر کون وہ پاگل ہے جو ایسی ہستی کو مجنون و دیوانہ کہہ رہا ہے یا یہ کہہ لیجئے کہ کفار مکہ کے بے ہودہ اور نہایت ہی بھونڈی بات کی تردید مسلسل اور پے در پے تین دلیلوں اور اس کے برعکس تین عظیم کمالات (جو علم و حکمت اور عقل و دانائی کا پیکر ہیں) کے بیان سے کی گئی۔

فائدہ: ...... حضرات مفسرین اگرچہ ان آیات کو ولید بن مغیرہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں لیکن قرآن کریم کے مضامین خواہ وہ کسی بھی جزوی واقعہ یا شخصی مسئلہ کے لئے نازل ہوں مگر ان کا مفہوم ایک قانون کلی اور عمومی مفہوم کے درجہ میں ہوتا ہے کہ جو بھی ان احوال سے متصف ہو یہ آیات اسی پر منطبق ہیں۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ وَلَا

ہم نے ان کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو ف۱ جب ان سب نے قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے اور

ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے، جیسے جانچا اس باغ والوں کو، جب سب نے قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح کو، اور

يَسْتَثْنُوْنَ ⑱ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲ فَاَصْبَحَتْ

ان شاء اللہ نہ کہا ف۲ پھر پھیرا کر گیا اس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے پھر صبح تک ہو رہا

ان شاء اللہ نہ کہا۔ پھر پھیرا کر گیا اس پر کوئی پھیرنے والا تیرے رب کی طرف سے، اور وہ سوتے رہے۔ پھر صبح تک ہو رہا

ف۱ یعنی مال و اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اس کی کچھ قدر و قیمت ہے لہٰذا کفار مکہ اس چیز پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش اور جانچ ہے جیسے پہلے بعض لوگوں کی جانچ کی گئی۔

ف۲ کئی بھائی جن کے باپ نے ترکہ میں میوے کا ایک باغ چھوڑا تھا، اس میں کھیتی بھی ہوتی ہوگی۔ سارا گھر اس کی پیداوار سے آسودہ تھا، باپ کے زمانہ میں عادت تھی کہ جس دن میوہ توڑا جاتا یا کھیتی کٹتی تو شہر کے سب فقیر محتاج جمع ہو جاتے۔ یہ سب کو تھوڑا بہت دے دیتا اسی سے برکت تھی، اس کے انتقال کے بعد بیٹوں کو خیال ہوا کہ فقیر جو اتنا مال لے جاتے ہیں، وہ اپنے ہی کام آئے تو خوب ہو۔ کیونکہ ہم ایسی تدبیر نہ کریں کہ فقیروں کو کچھ دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار=

كَالصَّرِيْمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿٢٢﴾

جیسے ٹوٹ چکا ف۱ پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے

جیسے ٹوٹ چکا پھر آپس میں پکارے صبح ہوتے، کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر، اگر تم کو توڑنا ہے۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾ وَّغَدَوْا

پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے کہ اندر نہ آنے پائے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج اور سویرے

پھر چلے، اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے، کہ اندر نہ آنے پاوے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج۔ اور سویرے

عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ

چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ ف۲ پھر جب اس کو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی ف۳ بولا

چلے لپکے زور پر۔ پھر جب اس کو دیکھا، بولے ہم راہ بھولے۔ نہیں! ہماری قسمت نہ ہوئی۔ بولا

اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

بھلا ان کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی ف۴ بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر وار تھے

ان میں بیچ کا، میں نے تم کو نہ کہا تھا، کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی۔ بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی، ہم ہی تقصیر وار تھے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ

پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے الاہنا دینے ف۵ بولے ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے شاید ہمارا رب

پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے اولاہنا دینے۔ بولے، اے خرابی ہماری! ہم تھے حد سے بڑھنے والے، شاید ہمارا رب

اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

بدل دے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں ف۶ یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو

بدل دے ہم کو اس سے بہتر، ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں۔ یوں آتی ہے آفت۔ اور آخرت کی آفت سو

=گھر میں آ جائے۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ صبح سویرے ہی توڑ کر گھر لے آئیں۔ فقیر جائیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے۔ اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین جمایا کہ "ان شاء اللہ" بھی نہ کہا۔

ف۱ یعنی رات کو بگولا اٹھا آگ لگی یا اور کوئی آفت پڑی، سب کھیت اور باغ صاف ہو رہا۔

ف۲ یعنی یہ یقین کرتے ہوئے کہ اب جا کر سب پیداوار اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔ مر

ف۳ وہ زمین کھیتی اور درختوں سے ایسی صاف ہو چکی تھی کہ وہاں پہنچ کر پہچان نہ سکے، سمجھے کہ ہم راہ بھول کر کہیں اور نکل آئے۔ پھر جب غور کیا تو سمجھے کہ نہیں، جگہ تو وہی ہے۔ مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے ہم محروم کیے گئے۔

ف۴ منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہشیار تھا۔ اس نے مشورہ کے وقت متنبہ کیا ہوگا کہ اللہ کو مت بھولو۔ یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقیر محتاج کی خدمت سے دریغ نہ کرو۔ جب کسی نے اس کی بات پر کان نہ دھرا، چپ ہو رہا اور ان ہی کا شریک حال ہوگیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر اس نے وہ پہلی بات یاد دلائی۔

ف۵ اب اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے رب کی طرف رجوع ہوئے اور جیسا کہ عام مصیبت کے وقت قاعدہ ہے ایک دوسرے کو الزام دینے لگے، ہر ایک =

ع۲

اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

سب سے بڑی ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی ف۱

سب سے بڑی، اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

عبرتناک انجام غرور وتکبر بر دولت دنیا و محرومی از سعادت آخرت

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ... الی... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل مکہ کے ان مغرور ومتکبر انسانوں کا ذکر تھا جنہوں نے محض اپنے مال و دولت اور اولاد و خاندان کے نشہ میں رسول خدا ﷺ کی توہین کی۔ انکار و کفر کے مرتکب ہوئے تو اب ان آیات میں ایک باغ والوں کا قصہ بیان کر کے بتایا جارہا ہے کہ انسان کو دنیا کے مال ومنال پر بھروسہ کر کے مغرور ومتکبر نہ ہونا چاہئے دنیا کی حقیقت بس اتنی ہی ہے اور غرور کا انجام ایسا ہی ہے جیسے کہ اس باغ کی تباہی اور باغ والوں کی بربادی سے ظاہر ہو رہا ہے یہ باغ والے چند بھائی تھے جنہوں نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ اس باغ کی آمدنی اور پیداوار کو صدقہ وخیرات کر کے ضائع نہیں کرنا چاہئے اور باپ کی یہ روش کہ وہ غریبوں اور یتیموں کو خوب صدقہ کرتا تھا ہم باقی نہیں رکھیں گے تو یہ باغ کس طرح قہر خداوندی سے جل خاک ہو گیا اور یہ لوگ حسرت وافسوس ہی کرتے رہ گئے تو ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے انکو آزمایا ہے، جیسا کہ آزمایا تھا ہم نے باغ والوں کو جب کہ انہوں نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد مال کی محبت میں صدقہ وخیرات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کیا اور اس کی یہ عادت کہ باغ کا پھل توڑنے پر غریبوں پر پہلے صدقہ کرتا ان لوگوں کو ناگوار گزری اور اس وجہ سے یہ طے کیا اور سب نے قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور بالضرور اس باغ کا پھل توڑیں گے صبح ہوتے وقت اور انشاء اللہ نہیں کہہ رہے تھے حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ یہ کہتے "اگر اللہ نے چاہا" کیونکہ خدا کے ارادہ کے بغیر انسان کوئی کام نہیں کر سکتا تو گھوم گئی اس باغ پر ایک گھوم جانے والی چیز آپ (ﷺ) کے رب کی طرف سے جو آگ کے شعلے برسانے والی ہوا تھی اور وہ سوئے ہوئے تھے تو وہ باغ صبح تک ایک چورا کی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا رات کے بگولوں نے باغ اور کھیت سب صاف کر ڈالا پھر ایک دوسرے کو پکارنے لگے جب کہ وہ صبح کے وقت اٹھے تاکہ علی الصباح جیسا کہ طے کیا تھا کہ اندھیرے اندھیرے باغ میں جا کر پھل توڑ لیں اور اس وقت تک فقیروں اور مسکینوں کے آنے کی نوبت نہ آئے کہ سویرے ہی چلے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کھیتی کاٹنا چاہتے ہو اور پھل توڑنا چاہئے ہو چنانچہ یہ لوگ روانہ ہوئے اور حال یہ کہ ڈر رہے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے ایسا نہ ہو کہ آج کوئی مسکین تم پر داخل ہو جائے اور تدبیر یہ ہونی چاہئے کہ ہرگز کوئی مسکین آ ہی نہ سکے اور یہ باتیں آہستہ کر رہے تھے کہ

= دوسرے کو اس مصیبت اور تباہی کا سبب گردانتا تھا۔

ف۶ آخر میں سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ ہم نے فقیروں محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص وطمع میں آ کر اصل بھی کھو بیٹھے۔ یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں، مگر اب بھی ہم اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔

ف۱ یعنی یہ تو دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا۔ بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو تو کون ٹال سکتا ہے۔ کچھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

کہیں کوئی مسکین سن ہی نہ لے اور صبح ہی صبح چلے لپکتے ہوئے اس یقین کے ساتھ اب سب کچھ اپنے قبضہ میں کر لینے والے ہوں گے اور قادر ہوں گے اس پر کہ سارا پھل اور کھیتی اپنے قبضہ میں لے لیں اور کسی مسکین کو باغ کے قریب بھی نہ آنے دیں لیکن جب وہاں پہنچے اور اس باغ کو دیکھا تو یہ سوچ کر کہ ہمارا باغ تو نہایت ہی سرسبز و شاداب تھا یہ تو ہمارا باغ نہیں ہو سکتا ہم راستہ بھٹک کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں تو کہنے لگے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں مگر کچھ قرائن اور محل وقوع اسی طرح دوسری نشانیوں کو دیکھ کر یہ یقین کر لیا کہ نہیں یہ تو ہمارا ہی باغ ہے جو جل کر خاک ہو گیا تو بولے نہیں بلکہ ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی اور ہم اپنی بدنصیبی کی وجہ سے محروم ہو گئے ہیں ان میں سے درمیانہ ● اور معتدل درجہ کا بھائی بولا کیا میں نے نہیں کہا تھا تم سے کیوں نہیں تم اللہ کی پاکی بیان کرتے اور اسکی حمد وثناء اور تسبیح زبان وعمل سے کیوں نہیں ادا کرتے یعنی میں تم کو پہلے ہی کہتا تھا کہ اپنے رب سے غافل نہ ہو اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اس کے ساتھ اپنی زندگی کا رابطہ اس کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہوئے باقی رکھو لیکن افسوس کہ تم نے میری بات نہ مانی اس پر وہ شرمندہ ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے پاکی ہے ہمارے پروردگار کی بے شک ہم بڑے ہی ظالم ہیں پھر ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے ملامت کرنے لگے اور کہتے تھے ہائے ہماری بربادی، بے شک ہم تو بہت ہی سرکشی اور تعدی کرنے والے ہو گئے کہ اسکی کوئی حد ہی نہ رہی ہم نے اپنے آپ کو بھی فراموش کیا اور خدا کے احکامات کو بھی نہیں پہچانا اب ہم ندامت و شرمندگی کے ساتھ تائب ہوئے اور اپنے خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس باغ کے بدلے اس سے بہتر کوئی نعمت عطا کر دے بس ہم تو اپنے رب کی طرف رغبت و آرزو قائم کر چکے ہیں وہی ہماری آرزوؤں کا ماویٰ وملجاء اور اسی کی طرف ہماری آس ہے اے سننے والو! سن لو بس اسی طرح ہے خدا کا عذاب جب آتا ہے تو دنیا میں بھی انسان کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے اور یقیناً عذاب آخرت تو اس سے بھی بڑھ کر ہے جس کا دنیا میں کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا کاش کہ یہ نافرمان لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ یہ دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جس کو کوئی طاقت اور تدبیر ٹلا نہ سکی تو عذاب آخرت کو کون ٹلا سکتا ہے جس کی ہیبت وعظمت سے آسمان وزمین کانپتے ہیں۔

غرور وتکبر سے سرسبز وشاداب باغ کی تباہی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ قرطبی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ باغ والے جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اہل یمن میں سے تھے سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ صنعاء میں یمن سے تقریباً چھ میل دوری کی مسافت پر ایک قصبہ خروان تھا یہاں کے باشندے اصل میں حبشہ کے تھے وہاں ایک شخص نہایت ہی کریم النفس اور سخی تھا جس کا یہ باغ تھا مذہبا یہ اہل کتاب تھا نہایتہ ہی خدا ترس، اس شخص نے اپنے باغ اور کھیت کی آمدنی سے غرباء ومساکین یتیموں اور بیواؤں

● یہ لفظ بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بھائی صرف باعتبار عمر ہی کے درمیانہ نہ تھا اور نہ اس معنیٰ کو قطعی سمجھنا چاہئے بلکہ بہت ممکن ہے کہ اس کو اوسط اس کے اعتدال اور میانہ روی کے باعث کہا گیا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔

اور درمیانہ درجہ اس وجہ سے کہ نہ تو یہ ان بھائیوں کی طرح مسکینوں پر صدقہ وخیرات سے بچ رہا تھا اور نہ ہی اس میں اس قدر ہمت وقدرت تھی کہ اپنے بھائیوں کی غلط روش کا مقابلہ کرتا اس لئے یہ درمیانہ درجہ کا ہوا۔

کے حصے اور وظیفے مقرر کر رکھے تھے یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا تھا اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں نے ان تمام باتوں کو قطعاً ترک کر ڈالا ان کے دل میں نفس اور شیطان نے یہ ڈالا کہ ہم تو عیال دار ہیں اخراجات اور مصارف ہی پورے نہیں ہوتے ہم نے اگر باپ کی طرح غرباء و مساکین کو دینا شروع کر دیا تو ہم کہاں سے کھائیں گے اور جب فصل کٹنے یا پھلوں کے توڑنے کا وقت آیا تو ان سب نے باہم مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ پھلوں کو توڑنے کے لئے ہم صبح سے پہلے اندھیرے اندھیرے پہنچ جائیں اور ان مسکینوں کے آنے سے پہلے جو باپ کے زمانہ میں پھل توڑنے کے وقت آتے تھے سارے پھل گھر لے آئیں تا کہ انکو کچھ دینا نہ پڑے ان میں سے ایک بھائی تو جس کو قرآن کریم نے ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ﴾ فرمایا ہے انکو سمجھاتا رہا اور منع کرنے لگا کہ ایسا نہ کرو بلکہ مساکین پر خرچ کرنے اور اللہ کی راہ میں صدقہ سے تو اور برکت ہوتی ہے اسکی مزید رحمتیں اور عنایات واقع ہوتی ہیں مگر اس کی کسی نے نہ سنی اور نہ مانی اور جس طرح طے کیا تھا صبح سے پہلے اندھیرے وقت باغ کی طرف چلے وہاں جا کر دیکھا تو خدا کے قہر و عذاب نے اس کو جلا کر خاک کر ڈالا تھا جس پر حسرت وملال سے ہاتھ ملتے رہ گئے اس حسرت وملال کی کیفیت کو قرآن کریم نے تفصیل سے بیان کیا۔

یہ قصہ چونکہ اہل عرب میں مشہور ہو چکا تھا حتی کہ عوام وخواص میں قرناً بعد قرنٍ اس کو بیان کیا جاتا تھا اس وجہ سے قرآن کریم نے کفار مکہ کی عبرت وتنبیہ کیلئے ذکر فرمایا اور یہ کہ انسان کو دنیا کے مال و دولت پر ہرگز غرور نہ کرنا چاہئے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص رات میں اپنی کھیتی کاٹے یا باغ کے پھل توڑے بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی قصہ کے پیش نظر ہے کیونکہ مجرمین کی مشابہت سے بھی انسان کو بچنا چاہئے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بیان کرتے ہیں فرمایا، ایاکم والمعاصی ان العبد لیذنب ذنبا فیحرم به رزقا قد کان هیئاله۔ یعنی اے لوگو! تم معاصی اور گناہوں سے بچو بے شک بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک بندہ کوئی گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ﴾ حق تعالیٰ شانہ اپنی نعمتوں کا حق اور شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ناشکری کی نحوست سے بچائے۔

رب اوزعنا ان نشکر نعمتك التی انعمت علینا وان نعمل صالحا ترضاه وادخلنا برحمتك فی عبادك الصالحین امین یا رب العلمین۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا

البتہ ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے ف۱ کیا ہم کر دیں گے حکم برداروں کو برابر گناہ گاروں کے کیا ہو گیا

البتہ ڈر والوں کو اپنے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے۔ کیا ہم کریں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے؟ کیا ہوا؟

ف۱ یعنی دنیا کے باغ و بہار کو کیا لیے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ وہ خاص متقین کے لیے ہیں۔

لَكُمْ ٚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۞ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۞ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا

تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات ف۱ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو اس میں ملتا ہے تم کو جو

تم کو کیسی بات ٹھہراتے ہو؟ کیا تم پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو۔ اس میں ملتا ہے تم کو جو

تَخَيَّرُوْنَ ۞ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۞

تم پسند کرلو کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے

پسند کرو۔ کیا تم نے ہم سے کوئی قسمیں لی ہیں پوری؟ قیامت کے دن تک پہنچتی۔ کہ تم کو ملے گا جو ٹھہراؤ گے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۞ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا

پوچھ ان سے کون سا ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے ف۲ کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہیے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ

پوچھ ان سے، کونسا ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے۔ کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہئے لے آئیں اپنے شریک، اگر وہ

صٰدِقِيْنَ ۞ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۞

سچے ہیں ف۳ جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو، پھر نہ کرسکیں ف۴

سچے ہیں۔ جس دن کھولی جائے پنڈلی، اور بلائے جائیں سجدہ کو پھر نہ کرسکیں،

ف۱ کفار مکہ نے غرور وتکبر سے اپنے دل میں یہ ٹھہرا رکھا تھا کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہوگی۔ اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و رفاہیت میں رکھا ہے وہاں بھی یہ ہی معاملہ رہے گا۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکم برداری کے لیے تیار رہتا ہے، اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہوجائے، بلکہ مجرم اور باغی، وفاداروں سے اچھے رہیں یہ وہ بات ہے جس کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ رد کرتی ہے۔

ف۲ یعنی یہ بات کہ مسلم اور مجرم دونوں برابر کردیے جائیں ظاہر ہے عقل وفطرت کے خلاف ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی دلیل اس کی تائید میں تمہارے پاس ہے؟ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لیے پسند کرلو گے وہ ہی ملے گا؟ اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی۔ یا اللہ نے قیامت تک کے لیے کوئی قسم کھالی ہے کہ تم جو کچھ اپنے دل سے ٹھہرالو گے وہ ہی دیا جائے گا؟ اور جس طرح آج عیش و رفاہیت میں ہو۔ قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان میں سے ایسا دعویٰ کرے اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، لاؤ، اسے سامنے کرو۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے۔

ف۳ یعنی اگر عقلی و نقلی دلیل کوئی نہیں محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کیے جارہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کردیں گے اور یوں مرتبے دلادیں گے، کیونکہ وہ خود خدائی کے شریک اور حصہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلالائیں اور اپنی من مانی کارروائی کرادیں۔ لیکن یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔ وہ تمہاری کیا مدد کریں گے، خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔

ف۴ اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنی ساق ظاہر فرمائے گا" ساق" (پنڈلی) کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات وحقائق الٰہیہ میں سے جس کو کسی خاص مناسبت سے" ساق" فرمایا۔ جیسے قرآن میں" ید" (ہاتھ)" وجہ" (چہرہ) کا لفظ آیا ہے۔ یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ ان پر اسی طرح بلاکیف ایمان رکھنا چاہیے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات اور سمع وبصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین ومومنات سجدہ میں گر پڑیں گے۔ مگر جو شخص ریا سے سجدہ کرتا تھا، اس کی کمر نہیں مڑے گی۔ تختہ سی ہو کر رہ جائے گی، اور جب اہل ریاء ونفاق سجدہ پر قادر نہ ہوں گے تو کفار کا اس پر قادر نہ ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہوگیا۔ یہ سب کچھ محشر میں اس لیے کیا جائے گا کہ مومن وکافر اور مخلص ومنافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی طور پر مشاہد ہوجائے۔ ....

=

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝۴۳

جھکی پڑتی ہوں گی ان کی آنکھیں ف۱ چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت اور پہلے ان کو بلاتے رہے سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے ف۲

نویں ہیں ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہے ان پر ذلت۔ اور پہلے ان کو بلاتے تھے سجدہ کو اور وہ چنگے تھے،

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۴ وَاُمْلِيْ

اب چھوڑ دے مجھ کو اور ان کو جو کہ جھٹلائیں اس بات کو اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے ان کو جہاں سے ان کو پتہ بھی نہیں ف۳ اور ان کو ڈھیل

اب چھوڑ دے مجھ کو، اور جھٹلانے والوں کو اس بات کے۔ کہ ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے ان کو، جہاں سے یہ نہ جانیں گے۔ اور ان کو ڈھیل

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝۴۵ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝۴۶ اَمْ

دیے جاتا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے ف۴ کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ حق سو ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے کیا

دیتا ہوں۔ بے شک میرا داؤ پکا ہے۔ کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ نیگ ؟ سو ان پر چٹی بوجھ پڑتی ہے۔ کیا

عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝۴۷ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ

ان کے پاس خبر ہے غیب کی، سو وہ لکھ لاتے ہیں ف۵ اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا ف۶

ان کے پاس خبر ہے غیب کی؟ سو وہ لکھ لاتے ہیں اب تو ٹھہرا راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسے مچھلی والا

اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝۴۸ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝۴۹

جب پکارا اس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا ف۷ اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر ف۸

جب پکارا اور وہ غصہ میں بھرا تھا، اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان تیرے رب کا، تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر۔

= (تنبیہ) "متشابہات" پر پہلے کلام کیا جا چکا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس آیت "کشف ساق" کی تفسیر میں نہایت عالی اور عجیب تبصرہ متشابہات پر کیا ہے۔ فلیراجع۔

ف۱ یعنی ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھ اوپر نہ اٹھ سکے گی۔

ف۲ یعنی دنیا میں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا جس وقت اچھے خاصے تندرست تھے اور باختیار خود سجدہ کر سکتے تھے وہاں بھی اخلاص سے سجدہ نہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی باطل ہوگئی۔ اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔

ف۳ یعنی ان کو عذاب ہونا تو یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے رنج نہ کیجیے اور ان کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیجیے۔ میں خود ان سے نبٹ لوں گا اور اس طرح بتدریج آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہیں گے اور اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جائیں گی۔

ف۴ یعنی میری لطیف اور خفیہ تدبیر ایسی پکی ہے، جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

ف۵ یعنی افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جا رہے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے۔ آخر نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کچھ معاوضہ (تنخواہ یا کمیشن وغیرہ) طلب کرتے ہیں؟ جس کے بوجھ میں وہ دبے جا رہے ہیں۔ یا خود ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے؟ جسے وہ حفاظت کے لیے قرآن کی طرح لکھ لیتے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ آخر کچھ سبب تو ہونا چاہیے۔ جب ان پر کچھ بار بھی ڈالا نہیں جاتا اس چیز سے استغنا بھی ایسی نہیں تو نہ ماننے کا سبب بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

ف۶ یعنی مچھلی کے پیٹ میں جانے والے پیغمبر (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح مکذبین کے معاملہ میں تنگ دلی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجیے۔ ان کا قصہ =

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝۵۰ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ

پھر نوازا اس کے رب نے پھر کردیا اس کو نیکوں میں ف۱ اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو

پھر نوازا اس کو اس کے رب نے، پھر کردیا اس کو نیکوں میں، اور منکر تو لگے ہیں کہ ڈگا دیں تجھ کو

بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۝۵۱ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۝۵۲ ع

اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو باؤلا ہے ف۲ اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہان والوں کو ف۳

اپنی نگاہوں سے، جب سنتے ہیں سمجھوتی اور کہتے ہیں، وہ باؤلا ہے۔ اور یہ تو یہی سمجھوتی ہے سارے جہان والوں کو۔

بشارت اہل ایمان وتقوی بنعماء جنت وتذلیل وتوہین کفار ومشرکین درروز آخرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ... الی... اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں ان منکرین ومکذبین کا ذکر تھا جو دولت کے نشہ میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانی پر کمربستہ ہوئے رسول خدا ﷺ کی توہین وتذلیل کی تو انکی نافرمانی اور غرور کا انجام ہلاکت ایک تاریخی واقعہ کی شکل میں بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اہل تقوی وایمان کا اعزاز واکرام اور جنت میں حق تعالیٰ شانہ ان کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازے گا بیان فرمایا جارہا

= پہلے کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گزر چکا ہے۔

ف۷ یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے جھنجھلا کر شاہی عذاب کی دعا بلکہ پیشین گوئی کر بیٹھے۔

(تنبیہ) "مکظوم" کے معنی بعض مفسرین نے یہ کیے ہیں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا۔ قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اذن صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔ اس وقت اللہ کو پکارا اور یہ دعا کی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اس پر اللہ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔

ف۸ یعنی اگر قبول توبہ کے بعد اللہ کا مزید فضل واحسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات وکرامات باقی نہ رہنے دیے جاتے جو محض خدا کی مہربانی سے اس ابتلاء کے وقت بھی باقی رہے۔

ف۱ یعنی پھر ان کا اور زیادہ رتبہ بڑھایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک وشائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ کہے کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

ف۲ یعنی قرآن سن کر غیظ وغضب میں بھر جاتے ہیں اور اس قدر تیز نظروں سے تیری طرف گھورتے ہیں جانے تجھ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے۔ زبان سے بھی آوازے کستے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہوگیا ہے۔ اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبرا کر مقام صبر و استقلال سے ڈگا دیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنے مسلک پر جمے رہیے۔ اور تنگدل ہو کر کسی معاملہ میں گھبراہٹ یا جلدی یا مداہنت اختیار نہ کیجیے۔

(تنبیہ) بعض نے "لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ" سے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائیں۔ چنانچہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن تلاوت فرما رہے تھے، ان میں سے ایک آیا اور پوری ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھا اور وہ ناکام ونامراد واپس چلا گیا۔ باقی نظر لگنے یا لگانے سے مسئلہ پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اور آجکل جبکہ "مسمریزم" ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے، اس میں مزید رد وکد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔

ف۳ یعنی قرآن میں جنون اور باؤلے پن کی بات کون سی ہے، جس کو تم جنون کہہ رہے ہو، وہ تو تمام عالم کے لیے اعلیٰ ترین پند ونصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اسی سے بنی نوع انسان کی اصلاح اور دنیا کی کایا پلٹ ہوگی۔ اور وہ ہی لوگ دیوانے قرار پائیں گے جو اس کلام کے دیوانے نہیں ہیں۔ تم سورۃ القلم وللہ الحمد والمنۃ۔

ہے پھراسی کے ساتھ تنبیہ کے طور پر مجرمین ومنکرین کا قیامت کے روز کیسا برا انجام ہوگا ذکر فرمایا گیا اور اس ذلت وخواری کا منظر پیش کیا گیا جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔

فرمایا بے شک تقویٰ والوں کے لئے ان کے پروردگار کے یہاں باغات ہوں گے نعمتوں کے یہ دنیا والے کیا اپنے باغ وبہار پر غرور وتکبر کرتے ہیں متقیوں کو آخرت میں جو باغات اور نعمتیں دی جائیں گی وہ تو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی کسی کے قلب ودماغ میں اس کا تصور گزرا ظاہر ہے کہ ان نعمتوں سے یہ کفار ومجرمین محروم ہوں گے اور کیوں نہ ہوں تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرمین کے برابر کردیں گے ؟ نہیں ہرگز نہیں اور یہی بات عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے مطابق ہے اور یہ کہ مسلم وفرماں بردار اور مجرم ونافرمان برابر ہوں عقل وفطرت کے خلاف ہے اگر اے کافرو! تم اس قسم کا فیصلہ کرتے ہو تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے کیا ہو گیا تم کو تم یہ کیسے فیصلے کرتے ہو کیا تمہارے پاس اس دعوے پر کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جس کو تم بطور دلیل سنا سکو اور پڑھتے ہو یا ایسی کوئی قابل اعتبار کتاب ہے کہ جس کو بطور سند پیش کیا جا سکے کیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے یقینی کہ تم اس کو اپنے واسطے پسند کرلو کہ تمہیں وہی ملے گا جو چاہو اور تمہاری من مانی خواہشات پوری ہوں اچھا تو کیا تمہارے واسطے ہم پر قسمیں ہیں اور تم نے ہم سے قسموں کے ساتھ کوئی عہد وپیمان لے رکھے ہیں جو قیامت تک پہنچنے والے ہوں اور ان قسموں کی وجہ سے ہم قیامت کے روز مجبور ہوں کہ وہ چیزیں تم کو دیں اور مطیعین وفرمانبرداروں کی طرح تم مجرمین کو بھی اپنے انعامات سے نوازیں اور اس کی رو سے تم کو وہی کچھ ملے جو تم فیصلہ کرو اور جس طرح تم دنیا میں عیش وعشرت میں ہو قیامت تک اسی حال میں رہو گے جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان سے پوچھئے کون ہے ان میں سے ایسا جو اس کا ذمہ دار بنے ذرا ہم دیکھیں تو سہی وہ کون ہے اور کیسا ذمہ لیتا ہے ان لوگوں کے پاس دلیل تو کیا ہوتی نہ عقلی اور نہ نقلی محض جھوٹے معبودوں پر بھروسہ کر رکھا ہے! تو ان کے واسطے کچھ شریک ہیں تو پھر انکو چاہئے کہ وہ اپنے شرکاء لیکر آئیں اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں ظاہر ہے جو معبود خود عاجز ہیں اور انکا وجود ہی ان کے عابدوں کی عنایت پر قائم ہے تو وہ کیا خاک اپنے عابدوں کی مدد کریں گے قیامت کے روز فریب کا یہ پردہ چاک ہو جائے گا اور مشرکین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ زندگی بھر جن معبودوں کی پرستش کی وہ بیکار اور عاجز محض ہیں اس دن کی عظمت وہیبت سے تو لوگوں کے ہوش وحواس اڑے ہوں گے۔

یہ دن وہ ہوگا جب کہ کشف ساق فرمایا جائے گا اور اس طرح اللہ رب العزت اپنی ایک خاص تجلی ظاہر فرماتا ہوگا اور انکو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا تو یہ طاقت نہ رکھیں گے کہ سجدہ کر سکیں ہزار کوشش کریں گے کہ جھکیں اور تجلی الٰہی کے ظہور پر اس کے سامنے سربسجود ہو جائیں لیکن انکی کمریں ایک تختہ کی طرح ہونگی اور کسی طرح بھی سجدہ نہ کرسکیں گے اس حالت میں ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت وخواری انکو ڈھانکے ہوئے ہوگی حالانکہ ان کو سجدہ کی طرف بلایا جاتا رہا جب کہ وہ صحیح وسالم تھے دنیا کی زندگی میں اور قدرت رکھتے تھے کہ سجدہ کرلیں لیکن عناد وبغاوت میں اس طرح بدمست رہے کہ کبھی خدا کو سجدہ نہ کیا اب روز قیامت جب کہ انکی پشت لکڑی کا تختہ ہوگی اور دل سے چاہیں گے کوشش کریں گے کہ سجدہ کرلیں مگر کر نہ سکیں گے۔ یہی ایک بات عبرت وہدایت کے لئے کافی ہے کہ وہ پیغمبر خدا پر ایمان لے آئیں لیکن اس پر اگر وہ بدنصیب ایمان نہیں لاتے تو پھر اے ہمارے پیغمبر ﷺ چھوڑ دو مجھ کو اور اس کو جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے میں خود ایسے بدبختوں سے نمٹ

لوں گا اور انکی نافرمانی کی سزا پوری طرح ان کو مل کر رہے گی ابھی تو ہم انکو مہلت دے رہے ہیں اس طرح کہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ محض حکمت خداوندی سے انکو ڈھیل دی جا رہی ہے اور میں انکو مہلت دے رہا ہوں اور یہ مہلت اس وجہ سے نہیں کہ ابھی انکو عذاب دینے کا سامان میرے پاس فراہم نہیں بلکہ یہ محض ایک حکمت ہے اور یہ قانون حکمت خداوند عالم نے پہلی قوموں میں جاری رکھا مگر جب بھی میں مجرموں کو پکڑوں گا اس سے کوئی مجرم بچ نہیں سکے گا بے شک میری پکڑ بڑی ہی سخت ہے یہ تمام باتیں ایک صحیح الفطرت انسان کے سمجھنے اور پیغمبر خدا ﷺ پر ایمان لانے کے واسطے کافی ہیں مگر پھر بھی ان لوگوں کا ایمان نہ لانا قابل حیرت اور باعث افسوس ہے تو کیا آپ ﷺ ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہیں کہ وہ اس تاوان سے بوجھ محسوس کر رہے ہیں اور اس وجہ سے ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوتے نہیں ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر کیا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ وہ اس کو لکھتے ہیں اور وحی الٰہی کی طرح اس کو محفوظ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ایمان لانے کی ضرورت نہیں اور اللہ کے پیغمبر پر نازل ہونے والی اس وحی اور کلام الٰہی سے مستغنی اور بے نیاز ہیں آخر اس ہٹ دھرمی اور انکار کا کوئی اور سبب اور وجہ ہونی چاہئے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی ممکن نہیں (ایسی حالت میں اللہ کے پیغمبر پر بے چینی اور گھبراہٹ کا واقع ہونا امر طبعی تھا تو فرمایا جا رہا ہے) تو بس آپ ﷺ تو صبر کیجئے اپنے رب کے فیصلے کے وقت کا اور استقلال و ہمت سے صبر کرتے ہوئے انتظار کیجئے کہ ایسے مجرموں کے واسطے خدا کا کیا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی طرح بے چینی اور گھبراہٹ میں یا عجلت و جلد بازی میں یعنی حضرت یونس ﷺ ذوالنون کی طرح جب کہ وہ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی پر غم و غصہ کی حالت میں برداشت نہ کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور قوم کے حق میں عذاب کی دعا بلکہ پیش گوئی بھی کر بیٹھے تو قدرت خداوندی سے ایک مچھلی نے انکو نگل لیا تھا جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہتے ہوئے درآنحالیکہ وہ گھٹے ہوئے تھے غم و غصہ اور پریشانیوں کے ایک غم و غصہ تو قوم کی نافرمانی اور ان کی سرکشی اور ایمان نہ لانے کا ایک ایسے مجرموں سے عذاب ٹل جانے کا پھر بغیر خداوند عالم کی صریح اجازت اور وحی شہر چھوڑ دینے کا ان سب باتوں کے علاوہ مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہو جانے کا تو مجموعی طور پر یہ کتنے غم اور کس قدر انواع و اقسام کی گھٹن تنگی اور ظلمتیں تھیں لیکن خداوند علام کس قدر کریم اور مہربان ہے کہ ان سب بے چینیوں اور گھبراہٹوں سے نجات دی یہ بلاشبہ اللہ کا عظیم انعام تھا تو اگر انکے رب کی طرف سے یہ نعمت و مہربانی انکو نہ سنبھالتی تو وہ پھینکے ہوئے ایک چٹیل میدان میں اس طرح کہ بہت ہی بدحال ہوتے یہ اللہ کا کس قدر انعام عظیم ہے کہ قبول توبہ کے اپنی گراں قدر نعمتوں سے نوازا ورنہ تو مچھلی کے پیٹ سے نکل کر بڑی ہی بری حالت میں ایک چٹیل میدان میں پڑے ہوتے نہ کوئی کرامت ہوتی اور نہ کوئی فضل و کمال باقی رہتا لیکن ان کے رب نے انکو پھر نوازا اور انکو پھر بنا دیا نیک اور برگزیدہ لوگوں میں سے اور اس ابتلاء یا آزمائش یا ان مشقتوں کو برداشت کرنے کی وجہ سے انکے مراتب و درجات مزید بلند کر دیئے [1] تو اسی طرح آپ ﷺ بھی صبر و برداشت کریں اور اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کریں اس کے فیصلہ سے قبل کوئی بے چینی اور

[1] اس واقعہ کی تفصیل مختلف اور متعدد موقعوں پر گزر چکی اور واقعہ کے اجزاء کچھ نہ کچھ تفصیل کے ساتھ حضرات قارئین کے سامنے آ چکے۔

غالباً یہی وہ اجتباء اور کرامت کا مقام ہے جس کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے لاتقولوا انا خیر من یونس بن متی کہ مت کہا=

گھبراہٹ مقام نبوت کی عظمت و بلندی سے گری ہوئی چیز ہے رہا منکرین و معاندین کا انکار و مقابلہ اور دشمنی تو ظاہر ہے کہ اس کا سلسلہ تو کبھی منقطع نہیں ہو سکتا اور ان کافروں کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہے کہ قریب تھا کہ یہ کافر آپ ﷺ کو پھسلا دیں اپنی نگاہوں سے جب کہ انہوں نے قرآن اور ذکر الٰہی کو سنا اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن تو ایک پیغام نصیحت ہی ہے تمام جہانوں کے لئے جس کی ایک ایک آیت حکمتوں اور خوبیوں سے لبریز ہے بھلا ایسے کلام کو پیش کرنے والا دیوانہ ہو سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں یقیناً وہی سب سے بڑا پاگل اور دیوانہ ہے جو ایسا کہتا ہے۔ ❶

کشف ساق اور تجلی خداوندی کے ظہور کا مفہوم

صحیح بخاری اور مسلم کی روایات میں ہے حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنی ساق (پنڈلی) ظاہر فرمائے گا اور اس وقت تمام لوگوں کو دعوت دی جائے گی کہ پروردگار کے سامنے سربسجود ہو جاؤ تو اس وقت صرف وہی سجدہ کر سکیں گے جو دنیا میں ایمان لا کر اللہ کو سجدہ کیا کرتے تھے لیکن کافر اور منافق کہ انکی پشت لکڑی کے تختہ کی طرح کر دی جائے گی اور وہ چاہیں گے کہ سجدہ کریں لیکن نہ کر سکیں گے (بعض حدیث میں صرف منافق کا لفظ آیا ہے اور بعض سندوں سے کافر اور منافق دونوں منقول ہیں) یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ میدان حشر میں اہل ایمان واخلاص کا ایمان واخلاص ظاہر ہو جائے اور منافق وریا کار کا ریاء کھل کر تمام انسانوں کے سامنے آجائے۔

لفظ ساق عربی میں پنڈلی کو کہا جاتا ہے اس مقام پر کشف ساق کا مفہوم اور اسکی حقیقت کیا ہے یہ حقیقت پر محمول ہے یا مجاز اور کنایہ ہے یہ عنوان اور صفت بھی صفات متشابہات میں سے ہے بعض لوگ جن کو فرقہ مشبہہ کہا جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کے واسطے جسم جیسے احوال کو ثابت مانتے ہیں وہ اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں مگر جمہور ائمہ متکلمین اشاعرہ اور ماتریدیہ اس پر متفق ہیں کہ اللہ رب العزت ہر اس چیز اور حالت وصفت سے منزہ اور پاک ہے جو مخلوق اور اجسام کی صفات میں سے ہو تو اس کو بھی اور ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ اور ایسی ہی دیگر صفات کو ظاہر پر محمول کرنے کے بجائے استعارہ پر محمول کرتے ہیں اور پھر اس میں متقدمین ظاہر پر ایمان ویقین کے ساتھ تشبیہ وتمثیل سے پرہیز کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کما ھو

= کروکہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ ۱۲

❶ لغت عربیہ میں زلق کے معنی پھسلا دینے کے ہیں۔

اکثر مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ اور منکرین کو قرآن کریم سے اس قدر عداوت تھی کہ سن کر غیظ وغضب سے مشتعل ہو جائے اور زہر آلود نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھتے اور یہ امر طبعی ہے کہ ایسی غضب آلود نگاہوں کو دیکھ کر انسان متاثر یا خوف زدہ ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں امر رسالت کی تبلیغ اور احکام خداوندی کے اظہار و بیان میں قدم ڈگمگا دیں اور پھسلا دیں تو اس پر فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم استقامت کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہئے اور تنگ دل ہو کر کسی معاملہ میں عجلت وجلد بازی نہ کیجئے۔

بعض روایات مفسرین سے یہ بھی مفہوم ہوا جیسا کہ بیان کیا گیا کفار مکہ نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو نظر لگائیں چنانچہ ان میں سے ایک آیا جس وقت کہ آپ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے اور پوری قوت وہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی آپ ﷺ نے فوراً لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور وہ ناکام وذلیل ہو کر واپس ہو گیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں نظر لگنے یا لگانے کے مسئلہ پر بحث کا یہ موقع نہیں اور آج جب کہ مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے تو اس میں مزید رد وکد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔

یلیق بشانه کہ جس طرح اس کی شان کبریاء کے لائق ومناسب ہو اسی طرح لفظ ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) کا مفہوم مانتے ہیں اور بعض ائمہ ان شئون واحوال کی تاویل کرلیا کرتے ہیں جیسا کہ بیان کیا جاچکا کہ استواء کا مفہوم غلبہ اور حکومت ہے تو یہاں بھی اسی طرح بلا کیف وتشبیہ ایمان ویقین کے ساتھ یہ معنی بیان کیے گئے کہ کشف ساق اللہ رب العزت کی ایک خاص تجلی کا ظہور ہے جس کو دیکھ کر تمام مومنین سربسجود ہوجائیں گے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں فرمایا کشف ساق قیامت کے روز کا کرب اور وہ شدت وبے چینی ہے جو ہر ایک پر طاری ہوگی ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کشف ساق کے معنی امر عظیم اور ہیبت ناک حالت بیان کرتے تھے بعض دیگر روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے دوسرے معنیٰ یہ منقول ہیں جس وقت حقائق کھل جائیں گے اور ہر ایک انسان کا عمل روشن وظاہر ہوگا۔

حافظ [1] عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے قال یوم یکشف عن ساق" یعنی عن نود عظیم۔

بعض روایات میں ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنیٰ دریافت کئے تو آپ رضی اللہ عنہما نے شدت اور کرب کی تفسیر کی اور فرمایا جب تم کو کسی لفظ قرآنی کے معنی واضح نہ ہوسکیں تو شعراء عرب کے اشعار اور اہل عرب کے محاورات کو دیکھ لیا کرو اور یہ ایک شعر پڑھا۔

سن لنا قومك ضرب الاعناق   وقامت الحرب بنا على ساق

اسی طرح مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس معنیٰ کے ثبوت کے لئے ابو عبید اور جریر کے چند اشعار پڑھے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی کام پر ہمت باندھ کر محنت صرف کرنا چاہتا ہے تو پائنچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھول دیتا ہے اسی وجہ سے شدت کے موقع پر کہا جاتا ہے، فلان کشف عن ساقه۔ [2]

ائمہ متکلمین اور حضرات مفسرین کے کلام سے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ذات واحد ہے وہ تو صرف ایک ہی ذات ہے جس میں تعدد اور کثرت کا امکان ہی نہیں اس کا ادراک ممکن نہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں ذات خداوندی کے ساتھ صفات خداوندی ہیں جو صفات کمال ہیں وہ صفات کمال منفرد اور تنہا نہیں ہوتیں، بلکہ عالم میں انکا ظہور ایک دوسرے کے ساتھ مقرون اور مجتمع ہونے کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً صفت علم قدرت کے بغیر اور قدرت بغیر علم کے اور یہ دونوں بغیر حیات کے ظاہر نہیں ہوسکتیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صفات تابع ذات ہیں ذات کے بغیر کسی صفت کا استقلال نہیں۔

ان دو چیزوں کے بعد جہات کمال کا درجہ ہے جن کو حقائق الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے وہ بین بین ہیں نہ صفات کی طرح تابع ذات اور محض غیر مستقل اور نہ ذات کی طرح محض مستقل، تو جہات کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ مشابہت اور

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ تفسیر قرطبی۔

[2] قرطبی، روح المعانی۔

ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء اس کے ہاتھ پاؤں منہ پنڈلی وغیرہ نہ تو اس کے صفات کی طرح غیر مستقل محض ہیں اور نہ ذات انسان کی طرح مستقل محض بلکہ انسان کے کمالات کے مظہر ہیں کہ انسانی کمالات ان مظاہر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں چنانچہ شریعت نے کمالات الٰہیہ کو ظاہر و بیان کرنے کے لیے ان مظاہر کو متعدد نصوص میں ظاہر فرمایا آیات قرآنیہ اور احادیث میں وہ مظاہر وجہ، عین، ید، یمین، اصابع، حقو، ساق، قدم کے الفاظ بیان کئے گئے ہیں تو درحقیقت ان کلمات میں بطور استعارہ حقائق وکمالات الٰہیہ کو بیان کیا جا رہا ہے باقی یہ سمجھ لینا کہ اللہ کے لئے چہرہ ہے اسکی آنکھ ہے اس کے واسطے انگلیاں، کمر، پنڈلی، اور قدم ہے غلطی ہے اور محض کم عقلی ہے جس ارتکاب مشبہہ اور ظاہر یہ نے کیا اور انکا انکار کر دینا یا ایسی تاویل کرنا جو انکار ہی کے درجہ میں ہو جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ نے کیا محض غلطی ہے اہل سنت اور علماء متکلمین نے افراط وتفریط سے بعید رہتے ہوئے ان حقائق وشئون کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی متعین کر دیا کہ ذات خداوندی مخلوق کے احوال واوصاف سے منزہ اور پاک ہے چنانچہ کہا گیا کہ خداوند عالم سمیع ہے لیکن وہ ہماری قوت سامعہ کی طرح کسی آلہ کے ذریعہ سمیع نہیں وہ بصیر ہے لیکن وہ ہماری طرح بصیر ہونے میں آنکھ اور آنکھ کی پتلی اور شعاع بصریہ کا محتاج نہیں تو جس قدر بھی نصوص قرآن وحدیث میں ایسے عنوانات سے وارد ہوئیں اہل حق اور علماء متکلمین نے انکا یہی مفہوم اختیار کیا الغرض محشر میں اللہ رب العزت کی ایک خاص قسم کی تجلی ظاہر ہوگی جس کی حقیقت کے ادراک سے انسانی افکار وعقول عاجز ہیں جس کو ''کشف ساق'' سے تعبیر کیا گیا اور اس وقت ہر ایک کو سجدہ کے لئے پکارا جائے گا تو جب بندہ دنیاوی حیات میں ایمان واخلاص سے سجدہ کرتا تھا اس کو وہاں سجدہ نصیب ہو جائے گا اور جو دنیا میں نفاق وریاء کے ساتھ سجدہ کرتا تھا اس کو ممکن نہ ہوگا کہ وہ سجدہ کر سکے خواہ ہزار کوشش کر لے کیونکہ دنیا میں تو ظاہر و باطن کا اختلاف ہو سکتا ہے مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں وہاں تو جو حقیقت ہوگی وہی ظاہر ہو سکے گی۔ [1]

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ القلم۔

سورۃ الحاقۃ

اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کے مضامین کی طرح عقیدۂ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم ونافرمان قوموں جیسے عاد وثمود اور قوم لوط وفرعون کی ہلاکت وتباہی کا ذکر ہے اور ان سب مضامین کو قرآن حکیم نے اپنی صداقت وحقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا اور یہ واضح فرمایا کہ اہل سعادت وشقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے ساتھ ہی ان لغو اور بے ہودہ الزامات واعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر لگاتے تھے۔

سورت کی ابتداء قیامت کے ہولناک منظر کے بیان سے کی گئی اور یہ کہ خداوند عالم کس طرح اہل کفر پر اپنا قہر و عذاب مسلط فرماتا ہے نفخ صور اور اس پر جو حالت ہوگی اس کا بیان ہے اور یہ کہ جس وقت قیامت برپا ہوگی تو زمین شق

[1] مقتبس من تحقیقات الائمة المفسرین والمتکلمین من الاشاعرة والماتریدیة وکذا ایفہم من کلام امام الحرمین رحمہ اللہ وعبدالکریم رحمہ اللہ شہرستانی۔ ۱۲

ہو جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

اخیر میں قرآن کریم کی صداقت وحقانیت پر برہان قائم کر کے آنحضرت ﷺ کی صداقت وامانت کو واضح فرمایا اور اس کا انکار کرنے والے پر وعید وتنبیہ فرمائی گئی۔

(۶۹ سُوْرَةُ الْحَاۗقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (ایاتہا ۵۲ رکوعاتہا ۲)

اَلْحَاۗقَّةُ ① مَا الْحَاۗقَّةُ ② وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ③ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④ فَاَمَّا

وہ ثابت ہو چکنے والی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی، اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی ف۱ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کوٹ ڈالنے والی کو ف۲ سو وہ

وہ ثابت ہو چکی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکی؟ اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے وہ ثابت ہو چکی۔ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی کو۔ سو وہ جو

ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ

جو ثمود تھے سو غارت کر دیئے گئے اچھال کر ف۳ اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے نکلی جائے ہاتھوں سے ف۴ مقرر کر دیا اس کو ان پر

ثمود تھے سو کھپائے گئے اوچھال سے۔ اور وہ جو عاد تھے سو کھپائے گئے ٹھنڈی سناٹے کی باؤ سے، ہاتھوں سے نکلی جاتی۔ تعین کی ان پر

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ

سات رات اور آٹھ دن تک لگاتار پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اس میں بچھڑ گئے گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے

سات رات اور آٹھ دن، جڑ کاٹنے والے، پھر تو دیکھے لوگ ان پر بچھڑ گئے، جیسے وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے

خَاوِيَةٍ ⑦ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَاۗءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ

کھوکھلے ف۵ پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان میں کا بچا ف۶ اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹ جانے والی بستیاں

کھوکھرے۔ پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان کا بچ رہا؟ اور آیا فرعون، اور جو اس سے پہلے تھے، اور الٹی بستیاں،

ف۱ یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے جبکہ حق باطل سے بالکل واشگاف طور پر بدون کسی طرح کے اشتباہ والتباس کے جدا ہو جائے گا اور تمام حقائق اپنے پورے کمال وسبوغ کے ساتھ نمایاں ہوں گی۔ اور اس کے وجود میں جھگڑا کرنے والے سب اس وقت مغلوب ومقہور ہو کر رہیں گے۔ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال وکیفیات اپنے اندر رکھتی ہے۔

ف۲ یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کے زہرہ گداز اور ہولناک مناظر کو پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا ہاں تقریب الی الفہم کے لیے بطور تمثیل وتنظیر چند واقعات آگے بیان کیے جاتے ہیں جو دنیا میں اس قیامت کبریٰ کا نشان دینے میں بالکل ہی حقیر اور ناتمام نمونہ کا کام دے سکتے ہیں گویا ان چھوٹے حاقوں کا ذکر اس بڑے حاقہ کے بیان کے لیے تو لبطیہ وتمہید ہے۔

ف۳ یعنی قوم "ثمود" و "عاد" نے اس آنے والی گھڑی کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین، آسمان، چاند سورج، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی۔ اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر ڈالے گی۔ پھر دیکھ لو! دونوں کا انجام کیا ہوا۔

ف۴ یعنی سخت بھونچال سے جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا سب تہہ وبالا کر دیے گئے۔

ف۵ یعنی وہ ہوا اس قدر تیز وتند تھی جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔

ف۶ یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی۔ "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً" (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جن کا سر اوپر سے کٹ گیا ہو۔ ......

بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ

خطائیں کرتے ہوئے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکڑا ان کو پکڑنا سخت ف۱ ہم نے جس وقت پانی ابلا

تقصیر کرتے۔ پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا، پھر پکڑی ان کو پکڑ دم چڑھتی۔ ہم نے جس وقت پانی ابلا

حَمَلْنَٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي

لادلیا تم کو چلتی کشتی میں تاکہ رکھیں اس کو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سینت کر رکھے اس کو کان سینت کر رکھنے والا ف۲ پھر جب پھونکا جائے

لادلیا تم کو بہتی ناؤ میں، تا رکھیں اس کو تمہاری یادگاری کو، اور سینتے (سنبھالے) اس کو کان سینتے (سنبھالنے) والا۔ پھر جب پھونکیے

الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ

صور میں ایک بار پھونکنا اور اٹھائی جائے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیئے جائیں ایک بار پھر اس دن ہو

نرسنگے میں ایک پھونک، اور اٹھائیے زمین اور پہاڑ، پھر پٹکے جاویں ایک چوٹ، پھر اس دن ہو

وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ

پڑے وہ ہو پڑنے والی ف۳ اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے اور فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر ف۴

پڑے ہو پڑنے والی اور پھٹ جائے آسمان، پھر وہ اس دن بکس (بودا ہو) رہا ہے۔ اور فرشتے ہیں اس کے کناروں پر

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ

اور اٹھائیں گے تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص ف۵ اس دن سامنے کیے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی

اٹھا رہے ہیں تخت تیرے رب کا اپنے اوپر، اس دن آٹھ شخص اس دن سامنے جاؤ گے، چھپ نہ رہے گا تم میں کوئی

= ف۶ یعنی ان قوموں کا بیج بھی باقی رہا؟ اس طرح صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔

ف۱ یعنی "عاد" "ثمود" کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں گناہ سمیٹتی ہوئی آئیں (مثلاً قوم نوح، قوم شعیب، اور قوم لوط، جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں) ان سبھوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی، اور خدا سے مقابلے باندھے۔ آخر سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا، اس کے آگے کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔

ف۲ یعنی نوح کے زمانہ میں جب پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا۔ یہ ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوح کو مع اس کے ساتھیوں کے بچالیا۔ بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن ہم نے اپنے قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا۔ تاکہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے، اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کے ہنگامہ دار و گیر میں فرمانبرداروں کو نافرمان مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے، یہی حال قیامت کے ہولناک حاقہ میں ہوگا۔ آگے اسی کی طرف کلام منتقل کرتے ہیں۔

ف۳ یعنی صور پھنکنے کے ساتھ زمین اور پہاڑ اپنے حیز کو چھوڑ دیں گے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ بس وہی وقت ہے قیامت کے ہو پڑنے کا۔

ف۴ یعنی آج جو آسمان اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائیں گے۔

ف۵ اب عرش عظیم کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں جن کی بزرگی اور کلانی کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس دن ان چار کے ساتھ چار اور لگیں گے۔ تفسیر عزیزی میں اس عدد کی =

خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي

چھپی بات ف۱ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیؤ پڑھیو میرا لکھا ف۲ میں نے

چھپنے والا۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں، وہ کہتا ہے لیجئے! پڑھو میرا لکھا۔ میں نے

ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا

خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب ف۳ سو وہ ہیں من مانتے گزران میں اونچے باغ میں جس کے میوے

خیال رکھا کہ مجھ کو ملنا ہے میرا حساب، سو وہ ہے گزران میں من مانتی اونچے باغ میں، جس کے میوے

دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ

جھکے پڑے ہیں ف۴ کھاؤ اور پیو رچ کر بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں ف۵ اور جس کو ملا اس کا

جھک رہے ہیں۔ کھاؤ اور پیو رچ سے، بدلہ اس کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں۔ اور جس کو ملا اس کا

كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَا لَيْتَهَا

لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا کسی طرح

لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کسی طرح مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا۔ اور مجھ کو خبر نہ ہوتی، کیا ہے حساب میرا؟ کسی طرح

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ

وہی موت ختم کر جاتی کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری ف۶ اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر

وہی موت نبڑ جاتی! کچھ کام نہ آیا مجھ کو مال میرا۔ کھپ گئی مجھ سے حکومت میری۔ اس کو پکڑو، پھر طوق ڈالو، پھر

=حکمتوں اور ان فرشتوں کے حقائق پر بہت دقیق و بسیط بحث کی گئی ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

ف۱ یعنی اس دن اللہ کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہے گی۔ سب منظر عام پر آ جائے گی۔

ف۲ یعنی اس دن جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا جو ناجی و مقبول ہونے کی علامت ہے وہ خوشی کے مارے ہر کسی کو دکھاتا پھرتا ہے کہ لو آؤ! یہ میرا اعمالنامہ پڑھو۔

ف۳ یعنی میں نے دنیا میں خیال رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہونا ہے اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔

ف۴ جو کھڑے بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں نہایت سہولت سے چنے جا سکتے ہیں۔

ف۵ یعنی دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوب رچ پچ کر کھاؤ پیو، نہ طبیعت منغص ہو گی نہ بدہضمی نہ بیماری نہ زوال کا کھٹکا۔

ف۶ یعنی پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں جس کا اعمالنامہ دیا جائے گا، سمجھ لے گا کہ کم بختی آئی، اس وقت نہایت حسرت سے تمنا کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمالنامہ نہ دیا جاتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی کہ حساب کتاب کیا چیز ہے کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لیے تمام کر دیتی۔ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یا اٹھا تو اب موت آ کر میرا لقمہ کر لیتی۔ افسوس وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت کچھ کام نہ آئی۔ آج ان میں سے کسی چیز کا پتہ نہیں۔ نہ میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے نہ معذرت کی گنجائش ہے۔

الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا

آگ کے ڈھیر میں اس کو ڈالو پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو ف۱ وہ تھا کہ یقین نہ

آگ کے ڈھیر میں اس کو پیٹھاؤ (پہنچا دو)، پھر ایک زنجیر میں جس کا ماپ ستر گز ہے اس کو پرو دو۔ وہ تھا یقین

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا

لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر ف۲ سو کوئی نہیں آج اس کا یہاں دوستدار ف۳

نہ لاتا اللہ پر، جو سب سے بڑا، اور تاکید نہ کرتا فقیر کے کھانے پر۔ سو کوئی نہیں اس کا آج یہاں دوستدار

حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾

اور نہ کچھ ملے کھانا مگر زخموں کا دھوون کوئی نہ کھائے اس کو مگر وہی گناہ گار ف۴

اور نہ کچھ کھانا مگر زخموں کا دھوون، کوئی نہ کھائے اس کو، مگر وہی گنہگار۔

ذکر احوال قیامت وبیان انجام مکذبین ومنکرین

قال تعالیٰ: ﴿الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ ... الی ... إِلَّا الْخَاطِئُونَ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت کا موضوع بیان آنحضرت ﷺ کی رسالت کی عظمت وحقانیت کو ثابت کرتے ہوئے غرور وتکبر اور نافرمانی کا عبرتناک انجام تاریخی واقعات کی روشنی میں بیان فرمایا گیا تھا اب اس سورت میں قیامت کے احوال اور میدان حشر کی بے چینی تفصیل سے بیان کی جارہی ہے اور ساتھ ہی یہ کہ جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور نافرمانی کی وہ کس طرح ہلاک وتباہ ہوئے۔

ارشاد فرمایا وہ چمٹ جانے والی چیز کیا ہے وہ چمٹ جانے والی چیز اور اے مخاطب تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ مسلط ہوجانے والی؟ کسی کی سوچ اور فکر نہیں اندازہ کرسکتی کہ وہ مسلط ہوجانے والی چیز یعنی قیامت کی گھڑی جس کا وقوع علم الٰہی ازلی سے طے ہوچکا اس قدر ہیبت ناک اور عظیم ہے اور وہ بے شک واقع ہوکر رہنے والی ہے اور جب واقع ہوگی تو کوئی اس کو ٹلا نہیں سکتا اس وقت حق و باطل بالکل جدا جدا نظر آئیں گے اور ہر اشتباہ اور شک وشبہ دور ہوجائے گا اور ہر حق ایسا ثابت وراسخ

ف۱ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑو، طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اس زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو، تاکہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کرسکے، کہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے۔

(تنبیہ) گز سے وہاں کا گز مراد ہے جس کی مقدار اللہ ہی جانے۔

ف۲ یعنی اس نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جانا نہ بندوں کے حقوق پہچانے، فقیر محتاج کی خود تو کیا خدمت کرتا دوسروں کو بھی ادھر ترغیب نہ دی۔ پھر جب اللہ پر جس طرح چاہیے ایمان نہ لایا تو نجات کہاں؟ اور جب کوئی بھلائی کا چھوٹا بڑا کام بن نہ پڑا تو عذاب میں تخفیف کی بھی کوئی صورت نہیں۔

ف۳ یعنی جب اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کرکے عذاب سے بچادے یا مصیبت کے وقت کچھ تسلی کی بات کرے۔

ف۴ کھانے سے بھی انسان کو قوت پہنچتی ہے مگر دوزخیوں کو کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ ملے گا جو راحت وقوت کا سبب ہو ہاں دوزخیوں کے زخموں کی پیپ دی جائے گی جسے ان گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاسکتا اور وہ بھی بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا۔ بعد کو ظاہر ہوگا کہ اس کا کھانا بھوک کے عذاب سے بڑا عذاب ہے (اعاذنا اللہ من سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرۃ)

ہوجائے گا کہ اس میں خصومت و جھگڑا کرنے والے مقہور و مغلوب ہو جائیں گے۔ ❶

ظاہر ہے کہ ایسی برحق اور ثابت حقیقت کو ماننا چاہئے اس سے انکار اور اس میں کسی قسم کا بھی شک وشبہ نہ کرنا چاہئے اور اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہئے اس انکار و تکذیب کا انجام کوئی اچھا نہیں چنانچہ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے اور کوٹ ڈالنے والی چیز کو تو پھر اسے سننے والو! سنو اس کا انجام کیا ہوا بہر حال ثمود تو ہلاک کر دیئے گئے ایک اچھال کر رکھ دینے والی ہلاکت سے اور وہ جو عاد کے لوگ تھے سو وہ ہلاک کئے گئے ایک تیز وتند آندھی سے جو ہاتھوں سے نکل جانے والی تھی جو اس قدر شدید اور سخت تیز وتند تھی کہ کسی مخلوق کا اس پر قابو نہ تھا حتی کہ جو فرشتے ہوا کے نظام پر مسلط تھے اور ہواؤں کو قابو میں رکھنے پر مامور تھے گویا انکے ہاتھوں سے بھی نکلی جارہی تھی، جس کو مقرر اور مسلط کر دیا تھا ان پر سات راتوں اور آٹھ دن تک لگاتار جس پر تباہی اور بربادی کا یہ عالم تھا کہ اے مخاطب اگر تو اس منظر کو دیکھے تو دیکھے گا قوم کو اس حال میں پچھڑے پڑے ہیں گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے جب کہ یہ قوم اپنی توانائی اور ڈیل ڈول میں تنومند ہونے کی وجہ بڑے ہی غرور اور نخوت سے کہا کرتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کہ ہم سے زیادہ کون ہے طاقت ور جو اپنی تمام قوتوں کے باوجود اس طرح ہلاک کر دیئے گئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تو اے مخاطب بتا؟ کیا تو دیکھ رہا ہے ان میں سے کوئی بچا ہوا نشان۔

اور فرعون آیا اور اس سے پہلے والے بھی اور وہ الٹی ہوئی بستیوں والے بھی خطا و نافرمانی کے ساتھ پھر انہوں نے جب اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو پکڑ لیا ان کو ان کے رب نے بڑی ہی سخت پکڑ سے جس نے ان کو ریزہ ریزہ کر ڈالا اور دنیا کی کوئی طاقت اور انکے پہاڑوں کے تراشے ہوئے محفوظ قلعے بھی انکو خدا کی گرفت سے نہ بچا سکے یعنی عاد و ثمود کے بعد فرعون نے خوب سرکشی کی اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا رہا تو وہ اور اسی طرح قوم شعیب اور قوم لوط تباہ کر دی گئی اور قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں کیونکہ ان سب قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تھی اور خدا کے ساتھ مقابلہ کیا تو سب ہی کو خدا نے اپنی سخت پکڑ سے پکڑا اور ہلاک کر ڈالا اور قوم نوح کو بھی ایسے طوفان سے تباہ کر ڈالا کہ ظاہر اسباب میں کسی کے بھی بچ جانے کا امکان نہ تھا حتی کہ وہ نافرمان بیٹا جو یہ کہنے لگا کہ ﴿سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾ کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا مجھے سفینہ نوح علیہ السلام میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں وہ بھی ہلاک ہوا اور کسی کو بھی اس طوفان نے باقی نہ چھوڑا خواہ وہ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ گیا ہو۔ تو بے شک ہم نے ایسے طوفان کے وقت جب کہ پانی ابل رہا تھا کہ زمین کے چشمے پھوٹ پڑے تھے اور آسمان کے دروازے کھلے ہوئے تھے تو اے باقی رہنے والے انسانو! ہم نے ایک چلنے والی کشتی میں تم کو سوار کر لیا جو ان طوفانی تھپیڑوں میں تمہیں لئے جارہی تھی تا کہ بنا دیں ہم اس کو تمہارے واسطے یادگار اور عبرت کا نمونہ اور محفوظ رکھیں اس کو وہ کان جو واقعات کو سننے اور محفوظ رکھنے والے ہیں تو یہ واقعہ خداوند عالم کی قدرت اور حکمت کا کیسا عظیم نمونہ ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس طوفان سے بچا لیا اور نافرمان قوم کو غرق کر ڈالا تا کہ رہتی دنیا تک یہ عبرت ناک نمونہ قائم رہے اور لوگ اس واقعہ سے خدا کے احسان و کرم کو بھی سمجھیں اور نافرمان و مجرموں کے

❶ ان الفاظ میں لفظ الحاقہ کے لغوی معانی کے تنوع اور کثرت کے پیش نظر وہ متعدد معانی ظاہر کر دیئے گئے ہیں جو اس مقام پر مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ۱۲

واسطے اس کے قہر وعذاب کو بھی جان لیں تو دنیا میں پیش آنے والے یہ واقعات اور ہلاکت وتباہی کے نمونے ہر انسان کو اس پر متوجہ کرتے ہیں کہ وہ قیامت کی شدت اور اس پر عالم کی تباہی وہلاکت کا بھی تصور کرے اور اس پر ایمان بھی لائے چنانچہ جب صور پھونکا جائے گا ایک بار پھونکا جانا اور اٹھالی جائے گی زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیا جائے گا انکو ایک ہی دفعہ اور زمین باوجود اپنی قوت ومضبوطی اور پہاڑ باوجود اپنی عظمت وپختگی کے ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو بس اسی دن واقع ہوجائے گی وہ واقع ہونے والی گھڑی جو روز قیامت ہے اور پھٹ جائے گا آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہوگا نہایت ہی ہلکی بکھرنے والی چیز کی طرح اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتا ہوگا، اور جس وقت کہ آسمان درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر اور اٹھاتے ہوئے ہوں گے۔ اے مخاطب تیرے رب کا عرش اس دن اپنے اوپر آٹھ فرشتے۔ عرش عظیم کی یہ عظمت وشان ہوگی، جس کو ایسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے جو پہاڑوں کو اٹھائے رکھتے ہیں ہواؤں کو قابو کرتے ہیں سمندروں اور سمندر کے طوفانی تھپیڑوں کو روکتے ہیں وہ آٹھ فرشتے عرش الٰہی اٹھائے ہوئے ہوں گے تو ایسے دن اے انسانو! تم پیش کئے جاؤ گے اپنے رب کے سامنے حال یہ ہوگا کہ کوئی چھپی چیز چھپی نہ رہے گی اس پروردگار علیم وخبیر سے پھر ایسی صورت میں رب العالمین اپنے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور میدان حشر میں اولین وآخرین جمع ہوں گے اور اس علیم وخبیر اور قادر مطلق کی عدالت میں پیشی ہورہی ہوگی اور میزان عدل وانصاف قائم کرنے والے رب کی عدالت میں لوگوں کے نامہ اعمال پیش ہورہے ہوں گے تو جس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا جو اس کی کامیابی اور نجات کی علامت ہوگی تو وہ فرط مسرت اور کمال خوشی سے کہتا ہوگا اے لوگو! آ جاؤ میرا نامہ اعمال یعنی نتیجہ کامیابی پڑھ لو میرے رب نے مجھ پر کیسا عظیم انعام واحسان فرمادیا میں تو پہلے ہی سے گمان کرتا تھا کہ میں اپنے حساب کے وقت پر پہنچنے والا ہوں اور میرے اعمال کا حساب ہوگا اور خدا کی رحمت پر مجھے بھروسہ تھا کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے نوازے گا مجھے حیات جاودانی اور ابدی نعمتیں ملیں گی اور جب مجھے یہ خیال تھا تو میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ میں خدا کا یہ انعام واکرام دیکھ رہا ہوں اور اسی کے فضل وکرم سے میرا حساب پاک وصاف ہے تو وہ نہایت ہی خوشی اور عیش وعشرت والی زندگی میں ہوگا اور من مانی ہر نعمت وراحت اس کو ملتی ہوگی نہایت بلند وعظیم المرتبہ باغ میں ہوگا جس کے خوشے اور میوے اس پر جھکے ہوئے ہوں گے اس حالت میں اہل جنت کو کہا جارہا ہوگا کھاؤ پیو خوب رج کر جتنا چاہو خوشگواری کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی وجہ سے جو تم کرتے تھے گزرے ہوئے دنوں اور دنیوی زندگی میں تم نے اللہ کی خوشنودی کے لیے نفس کی خواہشات کو روکا بھوک وپیاس کی تکلیف برداشت کی صبر وقناعت کو اختیار کیا تو یہ اسی کا بدلہ ہے کہ بےروک ٹوک اللہ نے تم پر یہ ساری نعمتیں پھیلادی ہیں۔

یہ تو حال ہے ان لوگوں کا جن کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا اور جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بڑی حسرت اور پشیمانی کے عالم میں کہے گا کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نوشتہ اعمال ہی نہ ملتا اور میں نہ ہی جانتا کہ میرا حساب کیا ہے اے کاش وہی موت میرا کام تمام کردینے والی ہوتی اور میرا نام ونشان ہی مٹ جاتا اور یہ عذاب وہلاکت کی نوبت دیکھنی نہ پڑتی افسوس میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا جس پر مجھے بڑا ہی بھروسہ اور گھمنڈ تھا اور میں سمجھتا تھا کہ خواہ کوئی بھی مصیبت سامنے آئے میں اپنی دولت کے ذریعہ اس سے بچ جاؤں گا مجھے اپنی قوت پر زعم تھا افسوس کہ میری قوت وحکومت

بھی برباد ہوئی اب نہ میری دولت کام آرہی ہے اور نہ قوت وحکومت اور نہ حجت بازی جو دنیا میں کیا کرتا تھا اسی پشیمانی اور حسرت کے عالم میں ہوگا کہ ہر ایسے مجرم کے لیے فرمان خداوندی جاری ہوگا پکڑو اس کو پھر طوق ڈال دو اس کی گردن میں پھر گھسیٹو اس کو آگ میں جو جہنم میں دہک رہی ہو پھر ایک زنجیر میں کہ جس کا طول ستر گز ❶ یا ستر ہاتھ ہو اس کو جکڑ دو تا کہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے کیونکہ آگ میں جلنے والا انسان کبھی ادھر ادھر حرکت کر کے آگ کی سوزش سے بچنے یا اس کو کم کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے تو اس کی بھی کوئی گنجائش نہ رہے یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ یہ شخص دنیا میں رہتے ہوئے ایمان نہیں رکھتا تھا خدائے برتر پر جب نہ خدا پر ایمان ویقین تھا تو خدا کے احکامات سے بھی نافرمانی کرتا تھا نہ خدا تعالیٰ کے حق ادا کرتا تھا اور نہ ہی بندوں کے حقوق پہچانتا تھا چنانچہ نہ ترغیب دیتا تھا محتاج ومسکین کے کھانے پر خود تو کیا کھلاتا اور مدد کرتا زبان سے بھی کسی دوسرے کو اس پر آمادہ کرنے اور ترغیب دلانے کی توفیق نہ ہوتی تھی سو ایسے نافرمان کے لیے آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کے واسطے کوئی چیز کھانے کی ہے، بجز زخموں کے دھوون کے اور ان میں سے بہتے ہوئے راد پیپ کے جس کو کوئی نہیں کھا سکتا بجز ان خطا کاروں اور مجرموں کے اور وہ بھی بھوک اور پیاس کی شدت میں مجبور ہو کر یا اس دھوکہ میں کہ شاید یہ بھی کوئی کھانے اور پینے کی چیز ہے۔

اعاذنا اللہ ربنا من سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرۃ۔

فرشتوں کا عرش الٰہی اٹھانا

اس آیت مبارکہ میں عرش الٰہی کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں کا بیان ہے۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر البحر المحیط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی جن کی تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں بعض روایات میں حاملین عرش کے بیان میں چار کا عدد آیا ہے، تفسیر مظہری میں بیان کیا کہ روز محشر سے قبل حاملین عرش چار فرشتے ہوں گے مگر نفخ صور اور محشر کے وقت اس کی عظمت کی وجہ سے ان پہلے حاملین کو مزید چار حاملین کے ذریعہ قوی کر دیا جائے گا تا کہ عرش الٰہی کو سنبھال سکیں، بظاہر اس وجہ سے اس وقت حق تعالیٰ شانہ کے جلال وہیبت سے عرش الٰہی زیادہ وزنی اور اس کا اٹھانا گراں ہوگا۔

اس آیت مبارکہ جس میں عرش الٰہی کے اٹھانے کا ذکر ہے اسی طرح ایسے مضمون کی دیگر آیات کی فلاسفہ، معتزلہ اور صوفیہ حقیقت پر محمول کرنے کے بجائے تاویل کرتے ہیں چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ عرش وکرسی کے معنی بطور مجاز واستعارہ تسلط اور غلبہ کے ہیں اور خداوند عالم کی شان حاکمیت کو بیان کرنا ہے اور فرشتوں کے اٹھانے سے مراد انکے ذریعہ اسکا ظہور ہے قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ بعض مواقع پر فلاسفہ اور معتزلہ کی رائے اور خیال سے متاثر ہوئے ہیں یہاں بھی انہوں نے کچھ اسی طرح فرمایا کہ یہ تمثیل ہے کیونکہ خدا تعالیٰ تو نہ جسم ہے اور نہ اجسام وحوادث کی صفات واحوال میں سے کسی چیز سے متصف ہوسکتا ہے اور نہ وہ مخلوق کی طرح کسی مکان اور جہت میں سمانے والا ہے کہ کسی تخت پر بیٹھا ہو اور اس تخت کو حقیقی طور پر کوئی اٹھائے ہوئے ہو یہ چیزیں تو مخلوق اور حادث کی صفات میں سے ہیں اس بناء پر محض تمثیل کے طور پر اس کے غلبہ اور شان

❶ گز سے عالم آخرت کا گز یا ہاتھ مراد ہے جس کی حد اور مقدار کا اندازہ عالم دنیا میں نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

حکمرانی اور عدل وانصاف اور مخلوقات کے فیصلوں کے نفاذ کو اس تعبیر سے بیان فرمایا گیا۔

اسی طرح حضرات صوفیاء بھی تاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں بعض کہتے ہیں عرش مجید حق تعالیٰ شانہ کی صورت جہانداری اور بادشاہت ہے اور قیامت میں یہ بصورت عرش یعنی تخت شاہی ظاہر ہوگی اور اس کی جہانداری اور شان حاکمیت دنیا میں چار صفات کے ساتھ قائم ہے کہ موجودات کا کوئی ذرہ بھی اس سے خالی نہیں اور وہ سب کو محیط ہے وہ چار صفات یہ ہیں اول علم، دوم قدرت، سوم ارادہ، چہارم حکمت آخرت میں یہ چار صفات مزید چار صفات کے ساتھ جمع ہوکر آٹھ ہوجائیں گی۔

تاکہ دنیا وآخرت دونوں جہانوں کی جہانداری اور حاکمیت میں امتیاز ہوجائے وہ چار صفات جو آخرت میں زائد ہوں گی ان میں اول انکشاف تام کہ اس عالم میں کوئی چیز بھی مخفی، مبہم، پوشیدہ اور ملتبس نہ رہے گی بلکہ ہر چیز کی اصل حقیقت ظاہر ہوجائے گی تاکہ کسی قسم کا دھوکہ شبہ اور مغالطہ باقی نہ رہے اسی وجہ سے اس عالم میں جاہل وعالم اور کافر ومومن سب پر حقائق خفیہ برابر ظاہر ہوجائیں گے، ہر ایک کو ہر بات کی حقیقت کا انکشاف ہوجائے گا اور معرفت تامہ حاصل ہوجائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا﴾ کہ کس قدر سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن کہ وہ ہمارے سامنے آئیں گے اور فرمان خداوندی ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾ اے انسان آج ہم نے تیری آنکھ کا پردہ ہٹادیا ہے تو آج کے دن تیری نگاہ بڑی ہی تیز ہے الغرض پہلی صفت انکشاف تام کی ہوگی۔ دوسری صفت کمال بلوغ کہ ہر چیز مرتبہ نقصان سے اپنے حد کمال کو پہنچ جائے گی، استعداد وقابلیت علم وفہم احساس وشعور حتیٰ کہ جو لوگ دنیا میں بے وقوف وکم عقل ہوں گے وہ نہایت ہی فہیم وذکی اور کامل العقل ہوں گے اور جو لوگ ضعیف وناقص حتیٰ کہ لنگڑے لولے ہوں گے وہ توانا وتندرست اور صحیح وسالم اٹھیں گے یہی حال قوائے باطنیہ کا بھی ہوگا یہی وجہ ہے کہ دار آخرت میں ہر چیز کے لیے خلود وبقاء ہوگا، کیونکہ فناء وصف ایمان ہے اس کو اس عالم میں وصف کمال سے بدل کر دوام اور خلود عطا کردیا جائے گا جیسے کہ آیت مبارکہ ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾۔

تیسری صفت تقدیس کہ کسی شے میں کسی قسم کی کدورت وملاوٹ باقی نہ رہے گی ہر چیز خالص ہوگی اگر نعمت وراحت ہے تو اس میں نقمت وکلفت کی قطعاً آمیزش نہ ہوگی اور عذاب وکلفت ہے تو اس میں ادنیٰ سکون وآرام یا خفت کا امکان نہ ہوگا کیونکہ عالم دنیا میں تو حقائق پر مجاز کے پردے اور چھلکے چڑھے ہوتے ہوسکتے ہیں جو آخرت میں سب کے سب اتر کر اصل حقائق واضح اور نمایاں ہوں گے اور غلاف وچھلکوں سے اصل جوہر ومغز نکل کر صاف نظر آتا ہوگا۔

چوتھی صفت عدل اور ابقاء حق کہ پورا پورا انصاف ہوگا اور ہر ایک کو عدل وانصاف کے پیمانے سے تول کر اس کا حق ادا ہوتا ہوگا خواہ نیکی ہو یا بدی خیر ہو یا شر ایمان ہو یا کفر عمل صالح ہو یا معصیت غرض ہر چیز کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

تو حق تعالیٰ کی شان حاکمیت اور جہانداری کی ان صفات کے ساتھ جو پہلے سے تھیں یہ مزید چار صفات مل جائیں گی تو ظاہر ہے کہ عرش الٰہی کی عظمت اور اس کا ثقل بھی زائد ہوجائے گا تو جو عرش [illegible] دنیا میں چار فرشتوں پر تھا وہ آخرت میں آٹھ فرشتوں پر ہوجائے گا اس طرح چار صفات الٰہیہ کے ساتھ آخرت میں مزید چار صفات کا ظہور آٹھ فرشتوں کا عرش الٰہی کو اٹھانا ہوا۔

بہرکیف صوفیاء اور فلاسفہ نے اس طرح کی تاویلات بیان کی ہیں مگر اکثر ائمہ متکلمین اور اہل سنت کا موقف اس قسم کی آیات میں یہی ہے کہ حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اور اس کی کیفیات اور جملہ احوال کو خداوند عالم کے علم کے حوالہ کر دینا جیسے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان بہ لازم والسوال عنہ بدعۃ۔ کہ خدا کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے جیسے کہ نص قرآنی نے بتادیا مگر کیفیت مجہول اور غیر معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور سوال وتحقیق کہ کیسے اور کس طرح عرش پر متمکن ہے بدعت ہے کیونکہ نہ رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی اس کی تحقیق کی گویا انکا یہی رنگ رہا جو حق تعالیٰ نے اس طرح کے متشابہات میں فرمایا ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾۔

اکنون کراد ماغ کہ پرسد ز باغبان ‏ ‏ ‏ بلبل چہ گفت صبا چہ کرد و گل چہ شنید

واللہ اعلم بالصواب ولا یعلم تاویلہ الا اللہ وامنا بما امرنا اللہ فیارب اکتبنا مع الشھدین امین یا رب العلمین ھذا ما فھمت من تفسیر الکبیر والبحر المحیط وتفسیر العلامۃ الوسی و تفسیر العزیزی و تفسیر الحقانی والکلمات التی سمتعھا من شیخی واستاذی شیخ الاسلام العلامۃ شبیر احمد عثمانی وما ضبطت وحفظت من کلمات حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی متعنا اللہ تعالیٰ من فیوضھم وبرکاتھم امین یا رب العالمین۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا

سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا ف۱ اور نہیں ہے

سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی، جو دیکھتے ہو، اور جو چیزیں نہیں دیکھتے۔ یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا، اور نہیں

ف۱ یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا، یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا، جو آسمان سے لایا وہ، اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا، دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔

(تنبیہ) عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے جو اس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو۔ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے۔ جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے، ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لیے یہاں ﴿بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کی قسم کھائی۔ یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں، اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرہ حس وعقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے۔ جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو ف۱ اور نہیں ہے کہا پریوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو ف۲

یہ کہا کسی شاعر کا۔ تم تھوڑا یقین کرتے ہو۔ اور نہ کہا پریوں والے کا تم تھوڑا دھیان کرتے ہو،

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

یہ اتارا ہوا ہے جہان کے رب کا ف۳ اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا

یہ اتارا ہے جہان کے رب کا۔ اور اگر بنا لاتا ہم پر کوئی بات، تو ہم پکڑتے اس کا

بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ

داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچا لے ف۴ اور یہ

داہنا ہاتھ، پھر کاٹ ڈالتے اس کی ناڑ پھر تم میں کوئی نہیں اس سے روکنے والا۔ اور یہ

ف۱ یعنی قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نسبت کبھی کبھی یقین کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آتی ہے، مگر بہت کم جو نجات کے لیے کافی نہیں آخر اس کو شاعری وغیرہ کہہ کر اڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہو سکتا ہے اور شعر کی قسم سے ہے۔ شعر میں وزن و بحر وغیرہ ہونا لازم ہے۔ قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ف۲ یعنی پوری طرح دھیان کرو تو معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کاہن کا کلام نہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو بھوت پریت، جنوں اور چڑیلوں سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ وہ ان کو غیب کی بعض جزئی باتیں ایک مقفٰی و مسجع کلام کے ذریعہ سے بتلاتے تھے۔ لیکن جنوں کا کلام معجز نہیں ہوتا کہ ویسا دوسرا نہ کر سکے، بلکہ ایک جن کسی کاہن کو ایک بات کہلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسی بات دوسرے کاہن کو کہلا سکتا ہے اور یہ کلام یعنی قرآن ایسا معجز ہے کہ سب جن وانس مل کر بھی اس کے مشابہ کلام نہیں بنا سکتے۔ دوسرے کاہنوں کے کلام میں محض قافیہ اور سجع کی رعایت کے لیے بہت الفاظ بھرتی کے بالکل بیکار اور بے فائدہ ہوتے ہیں، اور اس کلام معجز نظام میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم، جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ لیکن علوم و حقائق پر مطلع ہونا اور ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش معاد کے دستور و آئین کا معلوم کر لینا اور فرشتوں کے اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں پر سے آگاہی پانا ان سے نہیں ہو سکتا۔ بخلاف قرآن کریم کے وہ ان ہی مضامین سے پر ہے۔

ف۳ اسی لیے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

ف۴ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اگر جھوٹ بنا تا اللہ پر تو اول اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑنا یہ دستور ہے گردن مارنے کا کہ جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر پکڑ رکھتا ہے تاکہ سرک نہ جائے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں" کہ "تقول" کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر یہ عذاب کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے۔ اب اگر اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو دین الٰہی سے امن اٹھ جائے گا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ جو حکمت تشریع کے منافی ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے قرائن و دلائل علانیہ اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بھی بیہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو در خور اعتناء نہ سمجھے گا ورنہ بحمد اللہ دین الٰہی میں کوئی التباس و اشتباہ واقع ہوگا۔ ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لیے ایسے امور بروئے کار لائے جو اس کے دعوئے رسالت کے مخالف ہوں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کر کے اور سند و فرمان وغیرہ دے کر کسی طرف روانہ کرتے ہیں۔ اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کچھ خیانت ہوئی یا بادشاہ پر کچھ جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں لیکن اگر سرک کو ٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی =

لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى

نصیحت ہے ڈرنے والوں کو اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں اور وہ جو ہے پچتاوا ہے

سمجھوتی ہے ڈر والوں کو، اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں، اور وہ جو ہے، پچھتاوا ہے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع ۱۵

منکروں پر ف۱ اور وہ جو ہے یقین کرنے کے قابل ہے اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا ف۲

منکروں پر، اور وہ جو ہے، قابل یقین کرنے کے ہے۔ اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا۔

بیان عظمت کلام الٰہی وحقانیت وصداقت قرآن کریم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ... الی ... فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل سعادت وشقاوت اور انکے احوال کا ذکر تھا اور بالخصوص مجرمین کی سزا اور قیامت کی شدت اور عرش الٰہی سے تمام فیصلوں کے نفاذ کا بیان تھا تو ممکن تھا کہ کوئی ملحد اور منکر ان باتوں کو سن کر یہ کہنے لگے کہ یہ تو شاعرانہ مبالغہ آرائی یا کاہنوں کی باتیں ہیں تو اس کے ازالہ اور رد کے لیے اب ان آیات میں قرآنی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ جو کچھ وحی الٰہی سے کہا گیا وہ رسول کریم ﷺ کا قول اور اللہ کا پیغام ہے اس میں ذرہ برابر مبالغہ یا استعارہ ومجاز کا احتمال نہیں اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کی صداقت وحقانیت پر یقین کرنا چاہئے تو ارشاد فرمایا۔

سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ بے شک یہ پیغام وقول ہے اس رسول عظیم کا جو بڑی ہی کرامت وعظمت والا ہے اور یہ کوئی شاعر کی بات نہیں ہے کہ تم جنت وجہنم کے احوال کو شاعرانہ مبالغہ آرائی سمجھنے لگو یا کاہنوں والی اٹکل وتخمین کی باتیں گمان کرنے لگو بلکہ یہ تو اللہ کا پیغام ہے جو اس کے رسول کریم ﷺ نے اس کے بندوں کو پہنچایا، چاہئے کہ اس پر ایمان لایا جائے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بہت ہی کم ہے کہ تم یقین کرو اور ایمان لاؤ اور نہ ہی یہ

= بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لیے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعہ سے یہ احکام دیے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعووں سے تعرض کرتا ہے۔ بہرحال آیت ہذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا، بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے۔ جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے۔ اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اس نے نہ کہی ہو۔ تورات سفر استثناء کے اٹھارویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے "لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسکے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔" خلاصہ یہ ہے کہ جو نبی ہوگا اس سے ایسا ممکن نہیں

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾

ف۱ یعنی خدا سے ڈرنے والے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کریں گے اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ جھٹلائیں گے لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ ہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہوگا۔ اس وقت پچھتائیں گے کہ افسوس کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی۔

ف۲ یعنی یہ کتاب تو ایسی چیز ہے جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سرتاپا سچ اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ لازم ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو۔

تم سورة الحاقة ولله الحمد۔

کاہن کی بات ہے مگر بہت ہی کم ہے کہ اے لوگو! تم غور وفکر کرو اور نصیحت قبول کرو بلکہ یہ سب کچھ اتارا ہوا کلام ہے رب العالمین کی طرف سے خدا کا پیغمبر صرف اللہ کی وحی اور اس کا پیغام ہی لوگوں تک پہنچایا کرتا ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی اللہ کا پیغمبر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر سنا دے بالفرض اگر وہ رسول ہم پر کوئی بات گھڑ کر لے آتا ایسی من گھڑت باتوں میں سے تو ہم پکڑ لیتے اس کو دائیں ہاتھ سے اور اس کو اپنی سخت گرفت میں لے لیتے کیونکہ انسان بالعموم کسی گرفت اور پکڑنے کے وقت مدافعت کے لیے زور دائیں ہاتھ سے زائد لگایا کرتا ہے تو جب ہم دائیں ہاتھ سے اس کو پکڑلیں گے تو اس کے بعد وہ کیا طاقت آزمائی کرے گا ہم سے بچنے کے لئے پھر ہم کاٹ ڈالتے، اسکی رگ گردن ❶ پھر کوئی بھی نہیں ہوسکتا اس چیز سے اس کو بچانے والوں میں سے کیونکہ احکم الحاکمین پر جھوٹ بات لگانا کوئی معمولی جرم نہیں بلاشبہ ایسا مجرم اس پروردگار کی گرفت اور اس کی سزا سے کسی حال میں بھی نہیں بچ سکتا اور بے شک یہ باتیں نصیحت ہیں تقوی والوں کے واسطے کہ جس کسی میں ادنی درجہ بھی خوف خدا ہوگا وہ ان باتوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے گا اور چونکہ دنیا میں تقوی والے بہت کم ہوتے ہیں اس لئے ہم بے شک جانتے ہیں کہ تم میں سے بہت سے وہ ہیں جو جھٹلانے والے ہیں ہماری یہ باتیں مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مکذبین ومنکرین خدا کے عذاب اور گرفت سے بچ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں بلکہ بے شک یہ تو حسرت ہے کافروں پر اور افسوس کا مقام ہے کہ منکر وکافر ان باتوں کا انکار کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں اور اپنی عاقبت تباہ و برباد کر رہے ہیں اور بے شک یہ جو کہا جا رہا ہے قطعی اور یقینی امر ہے جس پر ایمان ویقین ہر اہل عقل وفکر کو لازم ہے اے ہمارے پیغمبر اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان ویقین نہیں رکھتا تو آپ ﷺ غمگین نہ ہوں بلکہ بس ایسی صورت میں پاکی بیان کرتے رہئے اپنے رب عظیم کے نام کی اس کی تحمید وتسبیح ہی سے سارے غم بھی دور ہوں گے اور قلب ودماغ کو سکون وتقویت بھی نصیب ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ تو اس طرح آپ ﷺ کو تسلی دی گئی اور سکون قلب کیلئے علاج بھی بیان فرما دیا۔

روایت میں ہے آپ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا اجعلوھا فی رکوعکم کہ اس کو اپنے رکوع میں مقرر کرلو اور جب آیت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اجعلوھا فی سجودکم۔ اس وجہ سے رکوع میں تسبیح سبحان ربی العظیم، مقرر ہوئی اور سجدہ میں، سبحان ربی الاعلی۔ میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں " عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک جن کو آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری وہ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی عقل وغیرہ سے انکے تسلیم کرنے پر مجبور ہے مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں وہ چلتی ہوئی نظر نہیں آئے گی، لیکن جب حکماء اپنے دلائل و براہین پیش کریں گے تو ہم عاجز ہو کر اپنی آنکھ کی غلطی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے اور اپنی عقل یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے جو اس کی ان غلطیوں کی تصحیح واصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو؟ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ اور

❶ یہ وتین کا ترجمہ کیا گیا، اصل تو یہ رگ انسان کے قلب سے نکلتی ہے جس سے سارے جسم میں روح پھیلتی ہے اور یہی رگ حیوان یا انسان کے حلقوم اور گردن تک پہنچتی ہے اس وجہ سے گردن کی رگ ترجمہ کیا گیا۔ ۱۲

معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح وتکمیل کرسکتی ہے جس طرح کہ حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوجاتے ہیں وہاں عقل کام کرتی ہے ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کراتی ہے شاید اسی لئے یہاں ﴿مَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کی قسم کھائی۔

یعنی جو حقائق جنت ودوزخ کے پہلے بینا ہوئے اگر دائرہ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرہ حس وعقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے جب کہ ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

الغرض عالم کائنات میں مرئی وغیر مرئی یعنی مبصرات وغیر مبصرات پر اجمالی نظر اور ابتدائی غور وفکر اس بات کی گواہی دے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات حق ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے منکرین ومکذبین کا ایسی باتوں میں تردد یا ان پر تمسخر خود انکی بے عقلی کی دلیل ہے۔

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ﴾ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اول اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑتا یہ دستور ہے گردن مارنے کا جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تاکہ حرکت نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَقَوَّلَ﴾ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کردے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملادے جو اللہ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر یہ معاملہ عذاب کا کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل وبراہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جاچکی ہے اب اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو وحی الٰہی سے امن اٹھ جائے گا اور ایسا التباس واشتباہ پڑ جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہوجائے گی جو حکمت تشریع کے منافی ہے بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات وبراہین سے ثابت نہیں ہوا بلکہ کھلے ہوئے قرائن ودلائل علانیہ اس کی رسالت کی نفی کرچکے ہیں تو اس کی بات بھی بے ہودہ خرافات ہے کوئی عاقل اس کو درخور اعتنا نہ سمجھے گا اور نہ دین الٰہی میں بحمد اللہ کوئی التباس واشتباہ واقع ہوگا ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لیے ایسے امور بروئے کار لائے جو اس کے دعوائے رسالت کے مخالف ہوں (اور اس کو جھوٹا ثابت کردیں) اسکی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کرے اور سند فرمان دیکر کسی طرف روانہ کرے اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کوئی خیانت ہوئی یا بادشاہ پر جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلاتوقف اس کا تدارک کرتے ہیں لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لئے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعہ سے یہ احکام دیئے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعوؤں سے تعرض کرتا ہے (سبحان اللہ یہ الہامی کلمات پوری طرح مرزا غلام احمد کذاب پر منطبق ہوئے) بہرحال آیت ھذا میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ

قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم ﷺ بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ ﷺ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اللہ نے نہ کہی ہو۔

توراۃ سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں بیسواں نقرہ یہ ہے۔

"لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کو کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔

خلاصہ یہ کہ جو نبی ہوگا اس سے یہ ممکن نہیں کہ ایسا کرے یہ بات تقریباً وہی ہے جو سورۃ بقرہ میں فرمائی گئی ولئن اتبعت اھوآءھم بعد الذی جاءك من العلم مالك من اللہ من ولی ولا نصیر [1] الحمد للہ کہ اس تحقیق و تشریح سے مرزا غلام احمد کی طرف سے ایک عظیم دھوکہ میں ڈالنے والے بے ہودہ استدلال کا رد ہو گیا۔ وللہ الحمد والمنۃ

تم تفسیر سورۃ الحاقۃ ولہ الحمد والشکر۔

سورۃ المعارج

ربط:...... گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت سے قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا بیان ہے اور یہ کہ آخرت کی سعادت و شقاوت کا اصل مدار و معیار کیا ہے اور وہاں کی راحتیں اور کلفتیں کس امر پر مرتب ہوتی ہیں اسی کے ساتھ مومنین و مجرمین کے احوال اور انکے درمیان تقابل بھی بیان فرمایا تا کہ ایک نظر میں نور و ظلمت اور حرارت و برودت کی طرح مومن و کافر کا فرق واضح ہو جائے بالخصوص اس سورت میں جو چیز زائد اہمیت اور توجہ کے ساتھ ذکر کی گئی وہ کفار مکہ کی مخالفت اور ان کے تمسخر و استہزاء کا رد ہے جو وہ رسول خدا ﷺ اور کلام رب العالمین کے ساتھ کرتے تھے۔

سورت کی ابتداء کفار مکہ کی سرکشی اور لغو قسم کے سوالات کے ذکر سے فرمائی گئی اور یہ کہ وہ کس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انحراف و روگردانی کرتے تھے اس پر ان کے انجام ہلاکت کا بھی بیان ہے۔

اخیر میں مجرمین و کفار قیامت کے روز کیسی شدت و بے چینی میں مبتلا ہوں گے اس کو بھی بیان فرمایا گیا اور اہل ایمان پر انعامات اور انکی راحتوں کو اس کے بالمقابل پیش کر دیا گیا ساتھ ہی انسانی فطرت کی کمزوری کا بھی ذکر ہے تا کہ انسان اس عیب اور کمزوری کے مہلک نتائج سے اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکے۔

(۷۰ سورۃ المعارج مکیۃ ۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ایاتھا ٤٤ رکوعاتھا ۲)

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ② مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ③

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکروں کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا ف۱ آئے اللہ کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے ف۲

مانگا ایک مانگنے والے نے، عذاب پڑنے والا، منکر کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا۔ اللہ کی طرف کا، جو چڑھتے درجوں کا صاحب۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی پیغمبر نے تم پر عذاب مانگا ہے وہ کسی سے نہ ہٹایا جائے گا"۔ یا عذاب مانگنے والے کفار ہوں جو کہا کرتے تھے کہ آخر جس =

[1] فوائد عثمانی ملخصاً سورۃ الحاقہ۔ ۱۲

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ④ فَاصْبِرْ

چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح ف۱ اس دن میں جس کا لنباؤ پچاس ہزار برس ہے ف۲ سو تو صبر کر

چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح، اس دن میں جس کا لنباؤ پچاس ہزار برس ہے۔ سو تو صبر کر،

صَبْرًا جَمِيْلًا ⑤ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ⑥ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ⑦ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ⑧

بھلی طرح کا صبر کرنا ف۳ وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک ف۴ جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا ف۵

بھلی طرح کا صبر کرنا۔ وہ دیکھتے ہیں اس کو دور، اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک۔ جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا،

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ

اور ہوں گے پہاڑ جیسے اون رنگی ہوئی ف۶ اور نہ پوچھے گا دوست دار دوست دار کو سب نظر آ جائیں گے ان کو ف۷ چاہے گا گناہگار کسی طرح

اور ہوں گے پہاڑ جیسے اون رنگی۔ اور نہ پوچھے دوستدار دوستدار کو۔ سب نظر آ جائیں گے ان کو۔ منائے گا گنہگار کسی طرح

= عذاب کا وعدہ ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتا، اے اللہ! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔ یہ باتیں انکار و تمسخر کی راہ سے کہتے تھے اس پر فرمایا کہ عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے رک نہیں سکتی۔ کفار کی انتہائی حماقت یا شوخ چشمی ہے جو ایسی چیز کا اپنی طرف سے مطالبہ کرتے ہیں۔

ف۲ یعنی فرشتے اور مومنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کر کے اس کی بارگاہ قرب تک چڑھتی ہیں، یا اس کے بندے اس کے حکموں کی تابعداری میں جان و دل سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے روحانی مرتبوں اور درجوں سے ترقی کرتے ہوئے اس کی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجے مسافت کی دوری اور نزدیکی میں مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک پلک مارنے میں ان کے سبب سے ترقی ہو سکتی ہے جیسے اسلام کا کلمہ زبان سے کہنا، اور بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت میں ان سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے نماز ادا کرنا، اور بعض سے پورے ایک دن میں، جیسے روزہ، یا ایک مہینہ میں، جیسے پورے رمضان کے روزے، یا ایک سال میں جیسے حج ادا کرنا وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج جو کسی کام پر مقرر ہیں اس کام سے فراغت پانے کے بعد مختلف و متفاوت ہے اور اس خداوند قدوس کی تدبیر و انتظام کا اتار چڑھاؤ بیشمار درجے رکھتا ہے۔

ف۱ یعنی فرشتے اور لوگوں کی روحیں پیشی کے لیے حاضر ہوں گی۔

ف۲ پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہے۔ یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے لے کر بہشتیوں کے بہشت میں، اور دوزخیوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی اور کل فرشتے اور تمام قسم کی مخلوقات کی روحیں اس تدبیر میں بطور خدمت گار کے شریک ہونگی۔ پھر اس بڑے کام کے سرانجام کی مدت گزرنے پر ان کو عروج ہوگا۔

(تنبیہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ (اتنا لمبا) دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کر لیتا ہے۔"

ف۳ یعنی یہ کافر اگر از راہ انکار و تمسخر عذاب کے لیے جلدی مچائیں، تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نہ کریں بلکہ صبر و استقلال سے رہیں، نہ تنگدل ہوں، نہ حرف شکایت زبان پر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اور ان کا تمسخر ضرور رنگ لائے گا۔

ف۴ یعنی ان کے خیال میں قیامت کا آنا بعید از مکان اور دور از عقل ہے۔ اور ہم کو اس قدر قریب نظر آ رہی ہے گویا آئی رکھی ہے۔

ف۵ بعض نے "مہل" کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ سے کیا ہے۔

ف۶ اون مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور پہاڑوں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (القارعہ) یعنی پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے۔

ف۷ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "سب نظر آ جائیں گے یعنی دوستی ان کی نگی تھی۔" ایک دوسرے کا حال دیکھے گا مگر کچھ مدد و حمایت نہ کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ⑫ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ⑬

چھڑوائی میں دے کر اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے گھرانے کو جس میں رہتا تھا

چھڑوائی میں دے اس دن کی مار سے اپنے بیٹے، اور ساتھ والی اور بھائی، اور اپنا گھرانا جس میں رہتا تھا

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ⑭ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ⑮ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ⑯ تَدْعُوا

اور جتنے زمین پر ہیں سب کو پھر اپنے آپ کو بچا لے ہرگز نہیں ف۱ وہ تپتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ ف۲ پکارتی ہے

اور جتنے زمین پر ہیں سارے، پھر آپ کو بچاوے۔ کوئی نہیں! وہ تپتی آگ ہے، کھینچ لینے والی کلیجہ، پکارتی ہے

مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ⑰ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ⑱ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ⑲ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اس کو جس نے پیٹھ پھیرلی اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور سینت کر رکھا ف۳ بیشک آدمی بنا ہے جی کا کچا جب پہنچے اس کو برائی تو

اس کو جس نے پیٹھ دی اور پھر گیا، اور اکٹھا کیا اور سینتا (سنبھالا) بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا جب لگے اس کو برائی تو

جَزُوعًا ⑳ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ㉑ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ㉒ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

بے صبرا اور جب پہنچے اس کو بھلائی تو بے توفیقا ف۴ مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر

گھبرا اور جب لگے اس کو بھلائی، تو ان دیوا (نہ دینے والا) مگر وہ نمازی، جو اپنی نماز پر

دَائِمُونَ ㉓ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ㉔ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ㉕ وَالَّذِينَ

قائم ہیں ف۵ اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا ف۶ اور جو

قائم ہیں، اور جن کے مال میں حصہ ٹھہر رہا مانگتے کا اور ہارے کا، اور جو

يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ㉖ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ㉗ إِنَّ عَذَابَ

یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر ف۷ اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں ف۸ بیشک ان کے رب کے

یقین کرتے ہیں انصاف کے دن کو، اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک ان کے رب کے

ف۱ یعنی چاہے گا کہ بس چلے تو سارے کنبہ بلکہ ساری دنیا کو فدیہ میں دے کر اپنی جان بچالے۔ مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔

ف۲ یعنی وہ آگ مجرم کو کہاں چھوڑتی ہے۔ وہ تو کھال اتار کر اندر سے کلیجہ نکال لیتی ہے۔

ف۳ یعنی دوزخ کی طرف سے ایک کشش اور پکار ہوگی۔ بس جتنے لوگ دنیا میں حق کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چل دیے تھے اور عمل صالح کی طرف سے اعراض کرتے اور مال سمیٹنے اور سینت کر رکھنے میں مشغول رہے تھے۔ وہ سب دوزخ کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ بعض آثار میں ہے کہ دوزخ اول زبان قال سے پکارے گی "اِلَیَّ یَا کَافِرُ، اِلَیَّ یَا مُنَافِقُ، اِلَیَّ یَا جَامِعَ الْمَالِ" (یعنی او کافر! او منافق! او مال سمیٹ کر رکھنے والے! ادھر آ) لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے۔ اس کے بعد ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح اٹھالے گی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھالیتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف۴ یعنی کسی طرف پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا۔ فقر فاقہ، بیماری اور سختی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے، بلکہ مایوس ہو جائے گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی اور مال و دولت تندرستی اور فراخی ملے تو نیکی کے لیے ہاتھ نہ اٹھے، اور مالک کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہ ہو۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ﴿۲۹﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا

عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہیے ف۱ اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی جوروؤں سے یا

عذاب سے نڈر نہ ہوا جائے، اور جو اپنی شہوت کی جگہ تھامتے مگر اپنی جوروؤں سے، یا

مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ

اپنے ہاتھ کے مال سے سو ان پر نہیں کچھ الاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے

اپنے ہاتھ کے مال سے، سو ان پر نہیں اولاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈھے اس کے سوائے وہی ہیں حد سے

الْعٰدُونَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ

بڑھنے والے ف۲ اور جو لوگ کہ اپنی اماتوں اور اپنے قول کو نباہتے ہیں ف۳ اور جو اپنی گواہیوں پر

بڑھتے۔ جو اپنی دھڑدھریں (امانتیں) اور اپنا قول نباہتے ہیں، اور جو اپنی گواہی پر

قَائِمُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾ أُولٰٓئِكَ فِي جَنّٰتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿۳۵﴾ ع

سیدھے ہیں ف۴ اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں ف۵ وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے۔ ف۶

سیدھے ہیں، اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں۔ وہ ہیں باغوں میں عزت سے۔

مجازات عناد وسرکشی کفار وشدت کرب واضطراب درروز قیامت

قَالَ تَعَالىٰ: ﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ... الى ... فِي جَنّٰتٍ مُّكْرَمُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کا مضمون اہل جہنم کے احوال پر مشتمل تھا اور یہ کہ مجرموں کو کس ذلت کے ساتھ خدا کے عذاب اور قہر کی گرفت میں لیا جائے گا اب اس سورت میں ایسے مجرمین کی معاندانہ روش بیان کر کے اس پر مذمت اور سزا کا ذکر فرمایا جارہا

= ف۵ یعنی گنڈے دار نہیں بلکہ مداومت والتزام سے نماز پڑھتے ہیں اور نماز کی حالت میں نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

ف۶ سورۃ "المومنون" میں اس کی تفسیر گزر چکی۔

ف۷ یعنی اس یقین کی بناء پر اچھے کام کرتے ہیں جو اس دن کام آئیں۔

ف۸ یعنی اس سے ڈر کر برائیوں کو چھوڑتے ہیں۔

ف۱ یعنی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔

ف۲ یعنی بیوی اور باندی کے سوا جو اور کوئی جگہ قضائے شہوت کے لیے ڈھونڈے وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے۔

ف۳ اس میں اللہ کے اور بندوں کے سب حقوق آ گئے۔ کیونکہ آدمی کے پاس جس قدر قوتیں ہیں سب اللہ کی امانت ہیں۔ ان کو اسی کی بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہیے۔ اور جو قول وقرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہیے۔

ف۴ یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم وکاست اور بے رو رعایت گواہی دیتے ہیں۔ حق پوشی نہیں کرتے۔

ف۵ یعنی نمازوں کے اوقات اور شروط وآداب کی خبر رکھتے ہیں اور اس کی صورت وحقیقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔

ف۶ جنتیوں کی یہ آٹھ صفتیں ہوئیں جن کو نماز سے شروع ہی پر ختم کیا گیا ہے۔ تا معلوم ہو کہ نماز اللہ کے ہاں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے۔ جس میں یہ صفات ہوں گی وہ "ھلوع" (کچے دل کا) نہ ہوگا بلکہ عزم وہمت والا ہوگا۔

ہے اور یہ کہ روز قیامت ایسے سرکشوں کی بے بسی کا کیا عالم ہوگا جو دنیا میں غرور ونخوت کا پیکر بنے ہوتے تھے ارشاد فرمایا:

مانگا ہے ایک مانگنے والے نے ایسا عذاب جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے واسطے جس کو کوئی ٹلانے والا نہیں وہ عذاب ہر حال میں منکروں پر واقع ہو کر رہے گا مانگا ہے [1] یہ عذاب اس اللہ سے جو بڑے اونچے درجوں والا ہے جس کی عظمت وبرتری اور درجات کی بلندی کا یہ عالم ہے چڑھیں گے اسکی طرف فرشتے اور روح اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے کہ فرشتے اور مومنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کرتے ہوئے اسکی بارگاہ قرب تک چڑھتی ہیں یا اس کے بندے اس کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے جان ودل سے کوشش کر کے اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے مدارج روحانیہ طے کرتے ہیں اور ترقی کر کے اسکی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجات مسافت کے قرب اور بعد میں مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں بعض ایسے کہ ایک پلک جھپکنے میں ایک منزل سے ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتے ہیں جیسے کلمۂ اسلام کا اقرار کرلینا کہ ایک ہی لحہ میں کفر کی ذلیل ترین منزل سے ایمان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتا ہے بعضے ایک ساعت میں جیسے نماز بعضے پورے ایک دن میں جیسے روزہ بعضے پورے ایک مہینہ میں جیسے پورے ماہ رمضان کے انوار وبرکات سے اعلیٰ ترین درجات حاصل کرلینا بعضے ایک سال میں جیسے زکوٰۃ اور حج بیت اللہ وعلی ھذ القیاس اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج ہے اور خود اس خداوند قدوس کی تربیت اور اتار چڑھاؤ بھی بیشمار درجے رکھتا ہے۔ [2]

---

[1] یہ الفاظ اس تحقیق کے پیش نظر اضافہ کیے گئے جو بعض ائمہ مفسرین آیت کے اعراب میں فرماتے ہیں کہ ﴿مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ میں یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ مستانفہ ماقبل سے منقطع ہو اور بجائے دافع سے متعلق کرنے کے ایک عامل مقدر کے متعلق اس کو کہا جائے وہ لفظ سائل ہے یعنی ﴿مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾۔

[2] از فوائد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں انہوں نے معارج کی تفسیر میں درجات کا مفہوم ذکر کیا کہ پروردگار عالم فضائل اور بلندیوں والا ہے مجاہد رحمہ اللہ نے معارج سے آسمانوں کے مدارج مراد لیے ہیں روح سے جنس روح اور مراد مومنین کی روحیں ہیں جیسا کہ ابوداؤد و نسائی کی ایک روایت میں ہے براء بن عازب رضی اللہ عنہ مومن کی قبض روح کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں فلا یزال یصعد بھا من السماء الی السماء حتی ینتھی بہ الی السماء السابعۃ۔ یعنی جب مومن کی روح قبض کرلی جائے گی تو اس کو چڑھایا جائے گا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جائے گا اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ روح الامین یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ کی مراد میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے چار اقوال نقل کیے ایک یہ کہ اس سے مراد اسفل سافلین سے لے کر عرش تک کی مسافت ہے جو ساتوں زمینوں کا مستقر ہے چنانچہ اس قسم کا مضمون ابن ابی شیبہ نے کتاب "صفۃ العرش" میں بیان کیا ہے دوسرا قول یہ کہ یہ مدت بقاء دنیا ہے کہ جب سے اللہ نے دنیا کو پیدا کیا اس وقت سے قیامت تک کی یہ مدت ہے چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے عمرھا خمسون الف سنۃ۔ تیسرا قول یہ کہ وہ وقت فاصل ہے دنیا وآخرت کے درمیان مگر اس قول کو مفسرین نے غریب وشاذ کہا ہے چوتھا قول یہ ہے کہ یہ روز قیامت کی مدت ہے جو دنیا کے ایام کے لحاظ سے پچاس ہزار برس کے بقدر ہوگی چنانچہ عکرمہ رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باسناد صحیح نقل کرتے ہیں ھو لیوم القیامۃ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے اس دن کو کافروں کے واسطے پچاس ہزار سال کے برابر بنایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی جب کہ سننے والوں نے کہا اللہ اکبر یہ کس قدر طویل دن ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کافر کے لئے ہوگا لیکن مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا آسان فرمادے گا جتنا وقت کہ وہ فرض نماز میں لگاتا ہے بلکہ اس سے بھی کم۔ مال کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی وعید میں جو حدیث ہے کہ وہ مال اس شخص پر جہنم کی آگ بنا کر داغ دیا جاتا رہے گا اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس پچاس ہزار برس ہے اسکی تائید کرتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

بعض ائمہ مفسرین کی رائے ہے کہ پچاس ہزار برس کی مدت ظاہری اور حقیقی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ وہ غم اور کرب ہے جس کے باعث یہ =

تمسخر اور استہزاء کرنے والوں کا رویہ بے شک دلخراش ہے اور اس پر رنج وغم طبعی تقاضا ہے مگر اے ہمارے پیغمبر ﷺ صبر کیجئے بھلے طور پر صبر کرنا یہ منکرین اور کفار مکہ اگر چہ آپ ﷺ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اچھا اگر یہ دین برحق ہے اور ہم اس کو قبول نہیں کرتے تو آپ ﷺ آسمان سے پتھروں کی بارش ہم پر کروا دیجئے یا آپ ﷺ ہم کو جس قیامت سے ڈرا رہے ہیں وہ کہاں ہے اور کب آئیگی اس کو لے کر آیئے تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان منکرین کی ایسی لغو باتوں سے آپ ﷺ مغموم نہ ہوں۔

بے شک یہ لوگ تو اس کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں نہ عذاب خداوندی آنے میں کوئی دیر ہے نہ ہی روز قیامت آنے میں وہ قیامت کا دن تو ایسا دن ہوگا کہ آسمان ہو جائے گا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور پہاڑ ہو جائیں گے روئی کے گالوں کی طرح جو مختلف رنگوں کے ہوں ہوا میں اڑ رہے ہوں اور پریشانی وبدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست نہیں پوچھے گا کسی دوست کو حالانکہ سب ایک دوسرے کو نظر آتے ہوں گے لیکن اس کے باوجود ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا کوئی کسی کی مدد تو درکنار حال بھی نہ پوچھ سکے گا ایسے وقت گناہ گار تمنا کرے گا کاش آج کے دن کے عذاب سے وہ فدیہ دے دیتا اپنے بیٹوں کا اور بطور فدیہ دیدیتا اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے اس کنبہ کو جس کا ٹھکانہ وہ حاصل کرتا تھا اور حتیٰ کہ اگر اس کے امکان میں ہوتا ہر اس شخص اور کل اس مال و دولت کا جو روئے زمین میں بستا ہے اور پھر وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچالیتا تو وہ ضرور وہ ہر چیز کو فدیہ کے طور پر دینے کے لئے تیار ہو جاتا مگر نہیں ہرگز نہیں وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو کھال اتار دینے والی ہے اور اس طرح کہ وہ اندر سے جگر کو بھی جلا کر رکھ دے گی پکارتی ہوگی یہ آگ ہر اس شخص کو جس نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری سے اور مال و دولت کی محبت اس قدر غالب آئی خوب جمع کیا اور سمیٹ کر رکھا کہ اس میں سے نہ اللہ کا حق ادا کیا نہ کسی مسکین ومحتاج کی کوئی مدد کی بے شک انسان بہت ہی کمزور طبیعت پیدا کیا گیا اس کا حوصلہ اور دل نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے جب اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو بے قرار ہو جائے اور جب اس کو بھلائی پہنچے اور اللہ رب العزت اپنی نعمتوں سے نوازے تو روکنے والا ہو جاتا ہے اور خیر کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہی ختم ہو جاتی ہے یہ بری خصلت ہر انسان میں ہوتی ہے جو اللہ کے تعلق سے دور ہو مگر وہ نمازی بندے جو اپنی نماز پر پابندی کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے سائل کے لئے اور محتاج

= دن اس قدر طویل ہوگا اسی وجہ سے مومنین کے لیے نماز کے وقت کے بقدر ہلکا فرمایا گیا اور اس تقدیر پر سورۃ سجدہ کی آیت ﴿مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ جس میں ایک ہزار برس مقدار بیان کی گئی کوئی تعارض نہ رہے گا۔ (قرطبی)

بعض ائمہ مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں پچاس مواقف ہوں گے اور ہر موقف اور حاضری کا مقام ایک ہزار برس کے بقدر ہوگا تو اس لحاظ سے ایک ہزار برس نفس مجموعہ دن کی مدت ہوئی اور اس کے پچاس مواطن کے اعتبار سے پچاس ہزار ہو گئے جس کو بیان فرمایا گیا (روح البیان)

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ﴾ کی تفسیر میں بعض حضرات نے نضر بن حارث کا نام بیان کیا ہے مگر اس لئے کہ یہ ذلیل اس قابل نہ تھا کہ قرآن کریم میں اس کا نام لیا جائے تو مبہم رکھا نیز تعیین نہ کرنے میں یہ خوبی ہے کہ اس سائل کے بعد جو بھی اس قسم کا سوال کرے گا اس پر آیت منطبق ہوگی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سائل سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں یہ اشارہ ہے اس دعا اور درخواست کی طرف جو آنحضرت ﷺ نے کفار مکہ کی سرکشی اور انکے تمسخر سے رنجیدہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں فرمائی تھی کہ ان پر کوئی عذاب مسلط کیا جائے چنانچہ ان پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط برسا کہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی بہرکیف ان متعدد معانی پر ائمہ مفسرین نے ان کلمات کو محمول کیا ہے ہم نے اسی وجہ سے ترجمہ میں لفظ "مانگا ہے مانگنے والے نے" اختیار کیا تاکہ ہر دو معنی پر منطبق ہو سکے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

و مسکین کے لئے اور وہ لوگ جو ایمان و یقین رکھتے ہیں بدلہ اور انصاف کے دن یعنی قیامت پر اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اس لیے کہ بے شک انکے رب کا عذاب ایسا ہے کہ کسی کو اس سے مطمئن نہ ہونا چاہئے اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں کے جن کے وہ مالک ہیں کیونکہ ان پر تو کوئی گرفت نہیں اس لیے کہ وہ نفس کا تقاضا صحیح محل میں اور حلال طریقہ پر پورا کر رہے ہیں لیکن جو شخص اس کے علاوہ کوئی راستہ اپنے نفس کا تقاضا پورا کرنے کا تلاش کرے گا تو بلاشبہ ایسے لوگ تعدی اور سرکشی کرنے والے ہوں گے اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت رکھنے والے ہیں کہ امانت میں کوئی خیانت نہیں کرتے اور جو عہد و پیمان کیا اس کو پورا کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں کہ گواہی بھی سچی دیں اور کسی لالچ و طمع سے اس گواہی سے انحراف بھی نہیں کرتے بلکہ اسی پر قائم رہتے ہیں اور جو لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں کہ اس میں کسی طرح خلل نہیں آنے دیتے وقت کی پابندی جماعت کی بھی پابندی پاکی کی احتیاط خشوع و خضوع اور اسی حالت کے ساتھ اس پر دوام تو بے شک ایسے ہی لوگ جو ان پاکیزہ خصلتوں اور پسندیدہ افعال سے متصف ہیں بہشت کے باغوں میں ہوں گے جن کا بڑا ہی اعزاز و اکرام ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس کے بالمقابل جو شخص اللہ کی نافرمانی اور سرکشی پر تلا ہوگا اس کی ذلت و تباہی ایسی عبرتناک ہوگی کہ انسان اسکا تصور نہیں کر سکتا۔

ف:...... اس موقع پر اہل جنت کے یہ آٹھ اوصاف بیان کئے گئے جن کی تفصیل و تشریح سورۃ المومنون میں گزر چکی یہاں ان صفات کے ذکر اور ترتیب میں عجیب لطافت و خوبی اختیار کی گئی کہ ﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ﴾ کے عنوان میں ابتداء بھی وصف صلوۃ سے فرمائی اور ان اوصاف کی تکمیل بھی ﴿عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ پر کی گئی تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ان اوصاف اور خوبیوں سے اتصاف نماز ہی کی برکت سے ہو سکتا ہے اور جو مومن ان صفات سے متصف ہوگا وہی نماز کا محافظ بھی ہوگا اور وہی ھلوع جیسی مذموم صفت سے محفوظ رہ سکے گا ورنہ تو اس مہلک اور خطرناک بیماری میں بالعموم انسان مبتلا ہو کر ہی رہتا ہے۔

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ اَیَطْمَعُ

پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول کیا طمع رکھتا ہے

پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے آتے ہیں، داہنے سے اور بائیں سے جٹ کے جٹ کیا لالچ رکھتا ہے

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَاۤ

ہر ایک شخص ان میں کہ داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں ہرگز نہیں ف۱ ہم نے ان کو بنایا ہے جس سے وہ بھی جانتے ہیں ف۲ سو

ہر ایک ان میں کہ داخل کر دیئے نعمت کے باغ میں۔ کوئی نہیں! ہم نے ان کو بنایا ہے جس چیز سے جانتے ہیں۔ سو

ف۱ یعنی قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر کفار ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر تیری طرف امڈے چلے آتے ہیں۔ پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں، کیا اس کے باوجود یہ بھی طمع رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کیے جائیں گے؟ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم کو لوٹ کر خدا کی طرف جانا ہوا تو وہاں بھی ہمارے لیے بہتری ہی بہتری ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس خداوند عادل و حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔

أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا

میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی ف۱ تحقیق ہم کر سکتے ہیں کہ بدل کر لے آئیں ان سے بہتر اور

میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں مغربوں کے مالک کی، ہم سکتے ہیں کہ بدل کر لے آویں ان سے بہتر، اور

نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے ف۲ سو چھوڑ دے ان کو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہے ف۳

ہم سے چیر (بڑھ) نہ جائیں گے۔ سو چھوڑ دے ان کو، باتیں بنائیں، اور کھیلیں، جب تک بھڑیں اپنے اس دن سے، جس کا ان سے وعدہ ہے۔

یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً

جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں ف۴ جھکی ہوں گی

جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے، جیسے کسی نشانے پر دوڑتے جاتے ہیں۔ نوی ہیں

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۲

ان کی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت، یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ تھا ف۵

ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہے ان پر ذلت۔ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ ہے۔

= (تنبیہ) ابن کثیر نے ان آیات کا مطلب یہ لیا ہے کہ تیری طرف کے ان منکروں کو کیا ہوا کہ تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جاتے ہیں داہنے اور بائیں، غول کے غول، یعنی قرآن سن کر ایسے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر کیا اس وحشت و نفرت کے باوجود یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ان میں ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گھسے گا؟ ہرگز نہیں۔ وھذا کما قال تعالٰی ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ (مدثر، رکوع ۲)

ف۲ یعنی مٹی جیسی حقیر یا منی جیسی گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا وہ کہاں لائق ہے بہشت کے۔ مگر ہاں جب ایمان کی بدولت پاک وصاف اور معظم و مکرم ہو۔ اور ممکن ہے ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ﴾ سے اشارہ ہو۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾ کی طرف جو چند آیات پہلے اسی سورت میں آ چکی ہیں۔ یعنی وہ پیدا تو ہوا ہے ان صفات پر اور ﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ کے استثناء میں اپنے کو شامل نہ کیا۔ پھر بہشت کا مستحق کیسے ہو، اس تقدیر پر "مِمَّا یَعْلَمُوْنَ" کی ترکیب ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ کے قبیل سے ہوگی۔

ف۱ آفتاب ہر روز ایک نئے نقطہ سے طلوع ہوتا اور نئے نقطہ پر غروب ہوتا ہے۔ ان کو "مشارق" و "مغارب" کہا۔

ف۲ یعنی جب ان کی جگہ ان سے بہتر لا سکتے ہو تو خود ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں؟ "یا خَیْرًا مِّنْهُمْ" سے مراد ان ہی کا دوبارہ پیدا کرنا ہو۔ کیونکہ عذاب ہو یا ثواب، دوسری زندگی اس زندگی سے بہر حال اکمل ہوگی۔ یا یہ مطلب ہو کہ ان کفار مکہ کو نفی کھٹا کرنے دیجئے، ہم خدمت اسلام کے لیے اس سے بہتر قوم لے آئیں گے چنانچہ "قریش" کی جگہ اس نے "انصار مدینہ" کو کھڑا کر دیا۔ اور مکہ والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔ آخر اپنی شرارتوں کے مزے چکھنے پڑے۔

(تنبیہ) مشارق و مغارب کی قسم شاید اس لیے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق و مغرب کو بدلتا رہتا ہے اس کو تمہارا تبدیل کرنا کیا مشکل ہے۔

ف۳ یعنی تھوڑے دن کی ڈھیل ہے۔ پھر سزا ہونی یقینی ہے۔

ف۴ یعنی کسی خاص نشان اور علامت کی طرف جیسے تیزی سے دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا نصب سے بت مراد ہوں جو کعبہ کے گرد کھڑے کیے ہوئے تھے۔ ان کی طرف بھی بہت عقیدت اور شوق کے ساتھ لپکتے ہوئے جاتے تھے۔

ف۵ یعنی قیامت کا دن۔ تم سورۃ المعارج وللہ الحمد والمنۃ

حیرت واستعجاب برحال اہل عناد وتنبیہ وتہدید بر خود فریبی ایشاں

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا... الی... كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مجازات اعمال کا بیان تھا اور یہ کہ مجرمین قیامت کے روز کیسی شدید بے چینی اور اذیت میں مبتلا ہوں گے اب ان آیات میں ان معاندین کی حالت میں حیرت وتعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے جو اپنی مذموم اور بے ہودہ روش سے آنحضرت ﷺ کو اذیت پہنچاتے اور دین کا مذاق اڑاتے تھے اور پھر عجیب تر امر یہ ہے کہ اس دل آزار اور بے ہودہ روش کے باوجود اپنے بارے میں یہ دعوے کرتے تھے کہ وہ آخرت میں بڑے انعامات سے نوازے جائیں گے اس ضمن میں پھر اس بات کا اعادہ کیا جا رہا ہے کہ سعادت اور شقاوت انسان کے عقائد اور اعمال پر موقوف ہے محض دعوؤں اور آرزؤں سے سعادت وکامیابی نہیں ملا کرتی ہے۔

ارشاد فرمایا تو ان تمام حقائق کے واضح اور ثابت ہو چکنے کے بعد عجیب بات ہے کیا ہو گیا ان کافروں کو آپ ﷺ کی طرف آ رہے ہیں دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے غول کے غول ہو کر چاہئے تو یہ تھا کہ ان مضامین کو سن کر غور کرتے اور ان حقائق پر غور کرتے اور ان حقائق پر ایمان لاتے لیکن بجائے ایمان لانے کے بطور استہزاء ومذاق غول کے غول آپ ﷺ کی طرف چلے آ رہے ہیں اور ان باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں پھر اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ قیامت آئی تو وہ بڑی آسائش وآرام کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا تو کیا ان میں سے ہر شخص اس بات کی طمع کر رہا ہے کہ وہ نعمتوں کے باغ میں داخل کیا جائے گا خبردار ہرگز نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نافرمان جو قیامت جنت وجہنم اور جزاوسزا کا منکر ہو وہ اپنی ان تمام نافرمانیوں کے باوجود جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا بے شک ہم نے انکو پیدا کیا ہے اس چیز سے جو وہ بھی جانتے ہیں اور وہ مٹی جیسی حقیر چیز اور ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے لہٰذا صرف اس سے پیدا کیا ہوا انسان تو محض اپنے انسان ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں ہے کہ بہشت کے باغات اس کو ملیں یہ نعمتیں تو ایمان اور اعمال صالحہ ہی پر مل سکتی ہیں جس سے یہ لوگ عاری ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ بے شک ہم قادر ہیں کہ انکے بجائے ان سے بہتر لے آئیں اور ہم ایسے نہیں کہ ہم کو عاجز کیا جا سکے کسی بھی ایسی بات سے جس کو ہم کرنے کا ارادہ کریں اور جب ہم انکے بجائے ان سے بہتر پیدا کر سکتے ہیں تو کیا ہم انکو دوبارہ نہیں پیدا کر سکتے جس کا وہ انکار کرتے ہیں اور جب وہ ہمارے قابو سے نہیں نکل سکتے تو پھر اس بارے میں کیا تعجب وحیرت کی گنجائش ہے نیز یہ کہ اگر یہ لوگ پیغمبر خدا ﷺ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور انکار کر رہے ہیں تو کیا ہوا ہم ان سے بہتر اپنے پیغمبر کے واسطے اعوان وانصار پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ ہجرت مدینہ کی صورت میں اللہ نے منکرین قریش کے بجائے انصار مدینہ کا گروہ آپ ﷺ کا ناصر ومددگار اور مطیع وفرماں بردار بنا دیا تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ انکی کوئی پرواہ نہ کیجئے اور انکو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی باتوں میں منہمک رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں یہاں تک وہ ملاقات کر لیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے اس وقت خود حقیقت کھل

کر انکی نظروں کے سامنے آجائے گی یہ دن وہ ہوگا کہ نکل رہے ہوں گے اپنی قبروں سے دوڑتے ہوئے اس طرح کہ گویا کسی نشان کی طرف دوڑ لگا رہے ہوں حال یہ ہوگا کہ نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی جارہی ہوگی جیسے کہ کوئی غلاف کسی چیز کو ڈھانک رہا ہو بس یہی ہے وہ دن جس کا ان مجرموں سے وعدہ کیا جاتا تھا اور اس وقت کسی مجرم اور منکر کو عذاب خداوندی سے بچنے کا کوئی بھی امکان نہ ہوگا اور اس طرح قدرت خداوندی ان حقائق کو ان کی نگاہوں کے سامنے لے آئے گی جس کا انہوں نے دنیا میں انکار کیا اور اس کا مذاق اڑایا۔

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

تم تفسیر سورۃ المعارج والحمد للہ علی ذالك۔

سورۃ نوح

سورۃ نوح میں مکی سورت ہے جس کی اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں۔

ربط:...... اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی ترجمانی اور اثبات ہے اور شرک و بت پرستی کی تردید، بالخصوص اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے جذبہ تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں جو دن رات جدوجہد فرماتے رہے اس کا بیان ہے اور یہ کہ اس بدنصیب قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ ہادی حق اور داعی توحید سے دور بھاگتے رہے حتی کہ نفرت و بغض کی کوئی حد باقی نہ رہی کہ اللہ کے پیغمبر کا چہرہ دیکھنا بھی گوارہ نہ ہوا اور اپنے کان صدائے حق سننے سے بھی بند کر لئے پیغمبر بہر کیف اولاد آدم اور جنس بشر سے ہیں طبعی تاثرات سے کہاں تک بچ سکتے ہیں تو قوم کی اس بیزاری اور تنفر پر مغموم و رنجیدہ ہوتے ہوئے ایسے بدنصیب مجرموں کیلئے عذاب خداوندی کی طلب والتجاء کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ نو سو پچاس برس کی طویل ترین مدت جب اس طرح گزر جائے کہ قوم اللہ کے پیغمبر کی دعوت توحید کے بالمقابل نہایت ہی گستاخی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ کہ اے لوگو ہرگز اپنے معبودوں کو مت چھوڑو تو ہادی حق اور داعی توحید کی زبان سے یہی نکلنا چاہئے تھا ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ ان مضامین کو یہاں بیان فرمائے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء مغفرت پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔

۷۱ سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ ۷۱	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	ایاتها ۲۸ رکوعاتها ۲

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر عذاب دردناک ف۱

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر دکھ والی آفت

ف۱ یعنی اس سے پہلے کہ کفر و شرارت کی بدولت دنیا میں طوفان کے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہو۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌۙ ۝۲ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِۙ ۝۳ يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ

بولا اے قوم میری تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ف۱ تاکہ بخشے وہ تم کو

بولا اے قوم میری! میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر، کہ بندگی کرو اللہ کی، اور اس سے ڈرو، اور میرا کہا مانو، کہ بخشے تم کو

مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ كُنۡتُمۡ

کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقرر وعدہ تک ف۲ وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچے گا اس کو ڈھیل نہ ہوگی ف۳ اگر تم کو

کچھ گناہ تمہارے، اور ڈھیل دے تم کو ایک ٹھہرے وعدہ تک۔ وہ جو وعدہ رکھا اللہ نے، جب آپہنچے اس کو ڈھیل نہ ہوگی۔ اگر تم کو

تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِىۡ لَيۡلًا وَّنَهَارًا ۙ ۝۵ فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ دُعَآءِىۡۤ اِلَّا

سمجھ ہے ف۴ بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن پھر میرے بلانے سے اور زیادہ

سمجھ ہے۔ بولا، اے رب! میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن، پھر میرے بلانے سے اور زیادہ

فِرَارًا ۝۶ وَاِنِّىۡ كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا

بھاگنے لگے ف۵ اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو بخشے ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں ف۶ اور لپیٹنے لگے

بھاگتے ہی رہے، اور میں نے جس بار ان کو بلایا، تا ان کو تو معاف کرے، ڈالنے لگے اپنی انگلیاں کانوں میں، اور اوپر لپیٹے

ثِيَابَهُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا ۚ ۝۷ ثُمَّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا ۙ ۝۸ ثُمَّ اِنِّىۡۤ

اپنے اوپر کپڑا ف۷ اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور پھر میں نے ان کو بلایا برملا ف۸ پھر میں نے

اپنے کپڑے، اور ضد کی، اور غرور کیا بڑا غرور۔ پھر میں نے ان کو بلایا اجاگر پھر میں نے

ف۱ یعنی اللہ سے ڈر کر کفر و معصیت چھوڑ دو اور طاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرو۔

ف۲ یعنی ایمان لے آؤ گے تو اس سے پہلے اللہ کے جو حقوق تلف کیے ہیں وہ معاف کر دے گا، اور کفر و شرارت پر جو عذاب آنا مقدر ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئے گا۔ بلکہ ڈھیل دی جائے گی کہ عمر طبعی تک زندہ رہو۔ حتیٰ کہ جانداروں کی موت و حیات کے عام قانون کے موافق اپنے مقرر وقت پر موت آئے۔ کیونکہ اس سے تو بہر حال کسی نیک و بد کو چارہ نہیں۔

ف۳ یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہو کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی والظاہر ھو الاول۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ان آیات کی تقریر ایک اور طرح کرتے ہیں "یعنی بندگی کرو کہ نوع انسان دنیا میں قیامت تک رہے۔ اور قیامت کو تو دیر نہ لگے گی اور جو سب مل کر بندگی چھوڑ دو تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ" طوفان آیا تھا ایسا ہی کہ ایک آدمی نہ بچے۔ حضرت نوح کی بندگی سے ان کا بچاؤ ہو گیا۔

ف۴ یعنی اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔

ف۵ یعنی نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک ان کو سمجھاتے رہے جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ بارخدایا میں نے اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ رات کی تاریکی میں اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں تیرے طرف آنے کو کہا گیا یہ بدبخت اور زیادہ ادھر سے منہ پھیر کر بھاگے اور جس قدر میری طرف سے شفقت و دلسوزی کا اظہار ہوا، ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری بڑھتی گئی۔

ف۶ کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارا نہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے۔ ....=

أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝٩ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠

ان کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چکے سے ف۱ تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا ف۲

ان کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چکے سے۔ تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے، بے شک وہ ہے بخشنے والا۔

يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝١١ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ

چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر دھاریں اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے گا تمہارے واسطے باغ

چھوڑ دے آسمان کی تم پر دھاریں اور بڑھتی دے تم کو مال اور بیٹوں سے، اور بنا دے تم کو باغ،

وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝١٢ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝١٣ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝١٤ أَلَمْ

اور بنادے گا تمہارے لیے نہریں ف۳ کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی ف۴ اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے ف۵ کیا تم نے

اور بنا دے تم کو نہریں۔ کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی؟ اور اس نے تم کو بنایا طرح طرح سے۔ کیا تم نے

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۝١٥ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ

نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہہ پر تہہ ف۶ اور رکھا چاند کو ان میں اجالا اور رکھا

نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہہ بر تہہ؟ اور رکھا چاند ان میں اجالا، اور رکھا

= ف۷ تاکہ وہ میری اور میں ان کی صورت نہ دیکھوں۔ نیز انگلیاں اگر کسی وقت کانوں میں ڈھیلی پڑ جائیں تو کچھ کپڑوں کی روک رہے غرض کوئی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے۔ یعنی کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ میری بات کی طرف ذرا بھی کان دھریں۔

ف۸ یعنی ان کے مجمعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا۔

ف۱ یعنی مجمع کے سوا ان سے علیحدگی میں بات کی، صاف کھول کر اور اشاروں میں بھی، زور سے بھی اور آہستہ بھی، غرض نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا۔

ف۲ یعنی باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی اگر میری بات مان کر اپنے مالک کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے، پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دے گا۔

ف۳ یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائے گی اللہ تعالیٰ دھواں دار برسنے والا بادل بھیج دے گا جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہوں گے۔ غلے، پھل، میوہ کی افراط ہوگی، مواشی وغیرہ فربہ ہو جائیں گے، دودھ گھی بڑھ جائے گا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں اولاد ذکور جننے لگیں گی۔ غرض آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائے گا۔

(تنبیہ) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ استسقاء کی اصل حقیقت اور روح استغفار و انابت ہے اور نماز اس کی کامل ترین صورت ہے۔ جو سنت صحیحہ سے ثابت ہوئی۔

ف۴ یعنی اللہ کی بڑائی سے امید رکھنا چاہیے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرو گے تو تم کو بزرگی اور عزت و وقار عنایت فرمائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جلال سے ڈرتے کیوں نہیں۔

ف۵ یعنی ماں کے پیٹ میں تم نے طرح طرح کے رنگ بدلے۔ اور اصلی مادہ سے لے کر موت تک آدمی کتنی پلٹیاں کھاتا ہے اور کتنے اطوار و ادوار اور اتار چڑھاؤ ہیں جن میں کو گزرتا ہے۔

ف۶ یعنی ایک کے اوپر ایک۔

الشَّمْسَ سِرَاجًا ۞ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۞ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا

سورج کو چراغ جلتا ہوا ف۱ اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جما کر ف۲ پھر مکرر ڈالے گا تم کو اس میں

سورج چراغ جلتا۔ اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جما کر۔ پھر دہرا کر ڈالے گا تم کو اس میں،

وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۞ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۞ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا

اور نکالے گا تم کو باہر ف۳ اور اللہ نے بنادیا تمہارے لیے زمین کو بچھونا تاکہ چلو اس میں کشادہ

اور نکالے گا تم کو باہر اور اللہ نے بنادی تم کو زمین بچھونا۔ تاکہ چلو اس میں کشادہ

فِجَاجًا ۞ ع

راستے ف۴

رستے۔

بعثت رسول ہادی حق وداعی توحید نوح علیہ السلام وتمرد وسرکشی قوم ونفرت واستکبار از صداء ایمان وتوحید خالق ارض وسماء

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ... الی ... سُبُلًا فِجَاجًا﴾

ربط:...... اس سے قبل سورۂ معارج میں قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا ذکر تھا اور یہ کہ اس روز مجرمین اور نافرمانوں کی پریشانی اور بدحالی انسان کے تصور سے بھی بڑھ کر ہوگی تو اب اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جن کو حق تعالیٰ نے عالم میں سب سے پہلا وہ رسول بنا کر بھیجا جو شرک وبت پرستی کا رد کرنے والے تھے انکی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا اور بڑی ہی گستاخی کے ساتھ شرک وبت پرستی پر ڈٹے رہے ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف یہ پیغام دے کر کہ اے نوح علیہ السلام ڈراؤ اپنی قوم کو انکی بت پرستی اور نافرمانی پر قبل اس کے کہ پہنچ جائے ان پر دردناک عذاب کیونکہ خدا کی نافرمانی کا انجام یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی وہ قوم عذاب خداوندی سے تباہ وبرباد ہوجاتی ہے چنانچہ نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم میں تم کو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں

ف۱ سورج کا نور تیز اور گرم ہوتا ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کافور ہوجاتی ہے۔ شاید اس لیے اس کو جلتے چراغ سے تشبیہ دی۔ اور چاند کے نور کو اسی چراغ کی روشنی کا پھیلاؤ سمجھنا چاہیے جو جرم قمر کے توسط سے ٹھنڈی اور دھیمی ہوجاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا اول ہمارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے، پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔

ف۳ یعنی مرے پیچھے مٹی میں مل جاتے ہیں پھر قیامت کے دن اسی سے نکالے جائیں گے۔

ف۴ یعنی اس پر لیٹو، بیٹھو، چلو، پھرو ہر طرف کشادہ راستے نکال دیے ہیں۔ ایک شخص چاہے اور وسائل ہوں تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔ راستہ کی کوئی رکاوٹ نہیں۔

اللہ کے عذاب سے اور اس بات کی تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ تم صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اللہ کی عبادت و بندگی کا جو راستہ میں بتاتا ہوں تم اس پر چلو اسی ایک رب پر ایمان لاؤ اگرچہ اب تک تم شرک اور نافرمانی کرتے رہے لیکن جب تم میرے بتائے ہوئے راستہ پر چلو گے اور اس خدائے وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آؤ گے تو وہ تمہارے گناہوں میں سے کچھ معاف فرمادے گا، اور تم کو مہلت دے گا ایک معین وقت تک کہ تم اس طبعی مقرر و متعین کردہ وقت تک زندگی گزارلو گے اور سابق کفر و شرک اور بغاوت پر جو عذاب خداوندی آیا کرتا ہے اور آن کی آن میں ایسے عذاب قوموں کو تباہ کردیتے ہیں وہ تم سے ایک مدت تک کے لئے ٹل جائے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آجائے تو پھر وہ موخر نہیں ہوتا جو بھی اللہ نے کسی انسان یا جاندار کے لئے موت کا مقرر کردیا ہے یا جو وقت بھی قیامت اور جزاء سزا کا متعین کردیا گیا ہے وہ بہرکیف آکر رہے گا اور اس میں کوئی تاخیر نہ ہوگی اگر تم اس بات کو جان لو تو پھر میری باتوں پر عمل کرنے اور میرے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے میں تم کو کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہ ہوگی، نوح علیہ السلام قوم کو اس طرح سمجھاتے رہے اسی پیغام توحید کو ان لوگوں کے سامنے ہر حال میں ہر زمان و مکان میں قوم کے سامنے دہراتے رہے لیکن جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس و تنگ دل ہو کر اپنے رب سے اپنی قوم کی بے رخی و نافرمانی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا اے میرے پروردگار بے شک میں اپنی قوم کو بلاتا رہا تیری توحید و بندگی کی طرف رات اور دن اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا رات کی تاریکی ہو یا دن کا اجالا برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا لیکن یہ بدبخت و بدنصیب ایسے ہیں میرے بلانے نے ان میں کسی چیز کی بھی زیادتی نہیں کی بجز بھاگنے کے جس قدر شفقت و دلسوزی کا معاملہ کرسکتا تھا وہ کیا لیکن ان کی نفرت و بیزاری کا یہ عالم کہ اور جب کبھی بھی میں نے ان کو بلایا ایمان و توحید کی جانب تاکہ تو انکے گناہ معاف کردے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے اور اپنے چہرے چھپائے کہ وہ میری صورت بھی نہ دیکھ سکیں اور میں بھی انکو نہ دیکھ سکوں جو خدا کے پیغمبر سے نفرت و بیزاری کی آخری منزل تھی اور بڑا ہی غرور و تکبر کیا اور اپنی روش سے قطعاً نہ پھرے اگرچہ ایک طویل مدت گزر گئی کہ اے اللہ میں انکو تیری طرف بلاتا رہا اور وہ اسی طرح نفرت و بیزاری کرتے رہے۔

اے پروردگار پھر میں نے ان کو بلایا تیری توحید و بندگی کی طرف برملا کہ علی الاعلان مجمعوں میں جا کر انکو دعوت دی اور انکے جلسوں میں ان کو تیرا پیغام پہنچایا پھر میں نے ان کو واضح طور پر کھول کر بتایا کہ خدا کی توحید و بندگی ہی میں نجات ہے اور خاموشی سے خفیہ طور پر بھی ناصحانہ انداز میں یہی انکو کہا ہر طرح اور ہر حال میں خلوت و جلوت اور اجتماعی وانفرادی غرض ہر حالت میں ان کو بس میں نے یہی کہا معافی طلب کرو اپنے رب سے وہی گناہ بخشنے والا ہے جو اپنی رحمت و مغفرت سے تم پر آسمان کے دروازے رحمتوں اور برکتوں کے کھول دے گا جس کے بعد وہ تم پر بہائے گا آسمان سے رحمتیں اور برکتیں بہا دینا یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط اور خشک سالی جس میں وہ قوم برسوں سے مبتلا تھی دور ہوجائے گی اور اللہ رب العزت دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دے گا جس سے کھیت اور باغ سیراب ہوجائیں گے غلے پھلوں اور میوے کی افراط ہوگی مویشی فربہ ہونے کی وجہ سے دودھ گھی بڑھ جائے گا اور عورتیں جو قوم کی بداعمالیوں کے باعث بانجھ

ہو گئی تھیں نرینہ اولاد جننے لگیں گی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ بڑھا دے گا تم کو مختلف انواع کے مالوں اور بیٹوں سے اور بنا دے گا تمہارے واسطے باغات اور بنا دے گا تمہارے واسطے نہریں ❶ تو ایمان و استغفار کی برکت سے وہ قحط سالی بھی دور ہو جائے گی جو برسوں سے ان پر مسلط ہے اور بارش کی کثرت سے انکے کھیت سرسبز و شاداب ہو جائیں گے غلے اور پھلوں کی کثرت سے دودھ گھی بڑھ جائے گا اور شامت اعمال سے عورتیں جو بانجھ ہو چکی تھیں وہ نرینہ اولاد جننے لگیں گی غرض اسی طرح استغفار و توبہ کی برکت سے آخرت کی نجات کے ساتھ دنیا کی خوشحالی بھی نصیب ہو گی اور دنیوی عیش و بہار کا ایک وافر حصہ مل جائے گا اے پروردگار میں نے ان سے یہ بھی کہا کیا ہو گیا تم کو تم امید نہیں رکھتے اللہ سے عظمت و بڑائی کی حالانکہ اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے مختلف احوال کے ساتھ کہ اصل مادہ سے طرح طرح کے اتار چڑھاؤ طے کرتے رہے طرح طرح کے رنگ بدلے پھر ولادت تک مختلف اطوار بدلتے ہوئے دنیا میں آنا ہوا پھر اسی طرح پیدائش سے لیکر موت تک پلٹیاں کھاتے رہو گے کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ نے کس طرح سات آسمانوں کو پیدا کیا جو تہہ بر تہہ ہیں کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا ہے اور بنایا ہے ان آسمانوں میں چاند کو اجالا اور سورج کو بنایا ایک دہکتا ہوا چراغ ❷ کہ اس کی روشنی پھیل کر تمام روئے زمین کو روشن کر دیتی ہے اور اس کی شعاعوں کی تمازت گرمی فراہم کرتی ہے اور اللہ ہی نے اگایا ہے تم کو زمین سے بڑی حکمت کے ساتھ اگانا کہ اول انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جو سب بنی آدم کی اصل ہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نسل بعد نسل انسان بتوسط نطفہ کے پیدا ہوتے رہے جو غذا کا خلاصہ ہے اور ہر غذا اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ہی پیدا کی تو اس طرح نسل انسانی مٹی ہی سے اگائی جا رہی ہے وہی خدا پھر تم کو اسی میں لوٹا دے گا کہ مرنے کے بعد انسان کو قبر میں دفن ہونا ہے اور اس کا تمام جسم مٹی میں مل کر خاک ہو جانا ہے پھر اس مٹی میں مل جانے کے بعد باہر نکال لے گا بڑی ہی سہولت اور عجلت کے ساتھ نکال لینا اور تم سب قیامت کے روز میدان حشر میں جمع ہو گے جہاں تمہاری زندگی کے تمام افعال و احوال کا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

❶ ان نعمتوں کا خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا گیا کہ طبائع عامہ انکی طرف راغب ہوتی ہیں استغفار کی واقعی یہی خاصیت ہے کہ جو بھی سچے دل سے عجز و نیاز کے ساتھ اپنے پروردگار سے معافی مانگتا ہے اس کے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے بلائیں اور قحط سالی دور ہوتی ہے اور زمین کی پیداوار میں برکت ہوتی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے کہا کثرت سے استغفار کرو کسی اور نے آ کر اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا تو فرمایا استغفار کرو ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں جواب دیا استغفار کرو کوئی آیا اور اس نے کہا کہ میرا کھیت خشک ہو رہا ہے اور پیداوار نہیں تو فرمایا استغفار کرو پھر ایک اور آیا اور اس نے عرض کیا اے امام میرے کنوئیں کا پانی سوکھ چکا ہے اس میں پانی نہیں تو فرمایا استغفار کرو بعض حاضرین کو بڑا ہی تعجب ہوا کہ اس مجلس میں مختلف لوگ مختلف حاجتوں کے واسطے آئے اور حسن بصری رحمہ اللہ نے سب کو ایک ہی جواب دیا ایک ہی علاج بتایا تو سوال کیا گیا جواب میں فرمایا میں نے ان سب کو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بتائی میں نے ان کو وہی بتایا ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ استغفار صرف زبان سے لفظ استغفر اللہ کہنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے گناہوں پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ اللہ سے معافی مانگنے کا نام ہے اس عہد اور دل کے پختہ ارادہ کے ساتھ کہ میں پھر یہ گناہ نہیں کروں گا ہر صبح و شام استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھنے کی بڑی ہی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

❷ سورج کی روشنی چونکہ تیز اور گرم ہوتی ہے اس وجہ سے سورج کو سراج اور دہکتے ہوئے چراغ کے عنوان سے تعبیر کیا اور چاند کا نور ٹھنڈا اور دھیما ہوتا ہے اس بناء پر نور فرمایا گیا یہی وہ چیز ہے جو دوسری آیت ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ میں شمس کے ساتھ ضیاء اور قمر کے ساتھ نور ذکر فرمایا گیا کیونکہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں چمک اور تیزی ہو اس کے برعکس نور اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں ٹھنڈک ہو۔ ۱۲

اور بنا دیا اللہ نے تمہارے واسطے زمین کو فرش نہ زیادہ سخت کہ لیٹ بیٹھ نہ سکو اور نہ زیادہ نرم کہ اس میں دھنستے چلے جاؤ بلکہ نرم بھی بنایا اور مضبوط بھی تا کہ تم چلو اس کے کشادہ راستوں میں اور ● اس طرح وسائل زندگی کی تکمیل آسان بنا دی کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے اور اس میں وہ کوئی رکاوٹ نہیں محسوس کر سکتا۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

کہا نوح نے اے رب میرے انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو اس کے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو ٹوٹا ف ۱

کہا نوح نے، اے رب میرے! انہوں نے میرا کہا نہ مانا، اور مانا ایسے کا جس کو اس کے مال اور اولاد سے اور بڑھا ٹوٹا

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا

اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ ف ۲ اور بولے ہرگز نہ چھوڑیو اپنے معبودوں کو ف ۳ اور نہ چھوڑیو ود کو اور نہ سواع کو اور نہ

اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ۔ اور بولے، نہ چھوڑیو اپنے ٹھاکروں کو، اور نہ چھوڑیو ود کو اور نہ سواع کو اور نہ

يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا

یغوث کو اور یعوق اور نسر کو ف ۴ اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ زیادہ کرنا بے انصافوں کو مگر بھٹکنا ف ۵ کچھ وہ

یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ اور بہکا دیا بہتوں کو۔ اور نہ تو بڑھائیو بے انصافوں کو مگر بہکاوا۔ کچھ وہ

ف ۱ یعنی اپنے رئیسوں اور مالداروں کا کہا مانا جن کے مال و اولاد میں کچھ خوبی اور بہتری نہیں بلکہ وہ ان پر ٹوٹا ہے۔ ان ہی کے سبب دین سے محروم رہے اور غایت تمرد و تجبر سے اوروں کو بھی محروم رکھا۔

ف ۲ یعنی سب کو سمجھا دیا کہ اس کی بات نہ مانو اور طرح طرح کی ایذاء رسانی کے درپے رہے۔

ف ۳ یعنی اپنے معبودوں کی حمایت پر جمے رہنا، نوح کے بہکائے میں نہ آنا، کہتے ہیں کہ سینکڑوں برس تک ہر ایک اپنی اولاد اور اولاد در اولاد کو وصیت کر جاتا تھا کہ کوئی اس بڈھے "نوح" کے فریب میں نہ آئے اور اپنے آبائی دین سے قدم نہ ہٹائے۔

ف ۴ یہ ان کے بتوں کے نام ہیں۔ ہر مطلب کا ایک الگ بت بنا رکھا تھا۔ وہی بت پھر عرب میں آئے اور ہندوستان میں بھی۔ اسی قسم کے بت بشنو، برہما، اندر، شیو اور ہنومان وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ اس کی مفصل تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر عزیزی میں کی۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے زمانہ میں کچھ بزرگ لوگ تھے ان کی وفات کے بعد شیطان کے اغواء سے قوم نے ان کی تصویریں بطور یادگار بنا کر کھڑی کر لیں۔ پھر ان کی تعظیم ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ پرستش کرنے لگے۔ (العیاذ باللہ)

ف ۵ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی (بھٹکتے رہیں) کوئی تدبیر (سیدھی) بن نہ پڑے۔" اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "استدراج کے طور پر بھی ان کو اپنی معرفت سے آشنا نہ کر۔" اور عامہ مفسرین نے ظاہری معنے لیے ہیں۔ یعنی اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تا کہ جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بددعا ان کی ہدایت سے بکلی مایوس ہو کر کی۔ خواہ مایوسی ہزار سالہ تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بن چکے ہوں گے۔ ﴿أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ﴾ بہر حال ایسی مایوسی کی حالت میں تنگدل اور غضبناک ہو کر یہ دعاء کرنا کچھ مستبعد نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی اُن کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر سمجھ =

● ﴿سُبُلًا فِجَاجًا﴾ کشادہ راستوں کو کہا جاتا ہے حسی طور پر تو انسانوں کی نقل و حرکت کیلئے اللہ نے روئے زمین پر کشادہ راستے بنائے ہی ہیں ان کشادہ رستوں سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حلال و مباح اور خدا پرستی کے راستے بڑے ہی کشادہ ہیں جن کو ایک موقع پر سبل السلام کہا گیا ان پر انسان بڑی ہی سہولت اور آسانی سے چل سکتا ہے بالمقابل کفر و بدکاری کے راستے کے کہ وہ بہت تنگ اور پر خطر ہیں انسان کو چاہئے کہ تنگ اور پر خطر راستوں کو چھوڑ کر کشادہ اور روشن راستوں پر چلے۔

خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ

اپنے گناہوں سے دبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں ف۱ پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوا کوئی مددگار ف۲ اور کہا

اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے، پھر پیٹھائے (پہنچائے) گئے آگ میں، پھر نہ پائے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ اور کہا

نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا

نوح نے اے رب نہ چھوڑیو زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا مقرر اگر تو چھوڑ دے گا ان کو بہکائیں گے

نوح نے اے رب! نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا۔ مقرر اگر تو چھوڑ دے ان کو، بہکائیں

عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ

تیرے بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیٹھ حق کا منکر ف۳ اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں

تیرے بندوں کو، اور جو جنیں سو ڈھیٹھ حق نہ سمجھتا۔ اے رب! معاف کر مجھ کو، اور میرے ماں باپ کو، اور جو آوے میرے گھر میں

مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع ۲ / ۸ / ۱۰

ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو ف۴ اور گناہ گاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

ایماندار، اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو۔ اور گنہگاروں پر یہی بڑھتا رکھ برباد ہونا۔

شکوۂ نوح علیہ السلام بارگاہ خداوندی بر نافرمانی وسرکشی قوم

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ ... الی ... اِلَّا تَبَارًا﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے حضرت نوح علیہ السلام کے جذبہ تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا ذکر تھا کہ کیسے انہماک اور دل سوزی سے دن

= لے کر غیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقینا باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالے گا تو اس وقت ان کے کاٹ ڈالنے اور صفحہ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے۔ اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے ان کو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر ان کے اثر بد کو متعدی نہ ہونے دیا جائے۔ ورنہ آخری صورت یہ ہے کہ اللہ سے دعاء کی جائے کہ وہ ان کے وجود سے دنیا کو پاک کر دے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھے۔ کما قال ﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ﴾ بہر حال نوح کی دعاء اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی دعاء جو سورۃ "یونس" میں گزری، اسی قبیل سے تھی۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی طوفان آیا۔ اور بظاہر پانی میں ڈبائے گئے۔ لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

ف۲ یعنی وہ بت (ود، سواع، یغوث وغیرہ) اس آڑے وقت میں کچھ بھی مدد نہ کر سکے۔ یونہی کس مپرسی کی حالت میں مر کھپ گئے۔

ف۳ یعنی ایک کافر کو زندہ نہ چھوڑیے۔ ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے جو کوئی رہے گا میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس کے نطفہ سے بھی بے حیا ڈھیٹ منکر حق اور ناشکرے پیدا ہوں اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہے گا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسرے ایمانداروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

ف۴ یعنی میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو، اپنے فضل سے معاف کیجیے، اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے درگزر فرمائیے۔ بلکہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مومن ہوں سب کی مغفرت کیجیے۔ اللہ! نوح علیہ السلام کی دعاء کی برکت سے اس بندہ عاصی و خاطی کو بھی اپنی رحمت و کرم سے مغفور کر کے بدون تعذیب دنیاوی و اخروی اپنی رضاء و کرامت کے محل میں پہنچا دیجیے۔ "اِنَّكَ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُّجِيْبُ الدَّعَوَاتِ۔" تم سورۃ نوح وللہ الحمد والمنۃ

رات اپنی قوم کو خدا کی طرف بلاتے رہے ہدایت وسعادت کا پیغام دیتے رہے کوئی حالت اور کوئی مجلس ایسی نہ چھوڑی جس میں ایسی لگن اور ولولہ سے قوم کو راہ حق کی طرف لانے کی کوشش نہ کرتے ہوں اب ان آیات میں اس کے بالمقابل ان کی قوم کا کردار ظاہر کیا جارہا ہے کہ جس قدر نصیحت و ہمدردی بڑھتی گئی، اسی قدر قوم کی شقاوت و گستاخی بڑھتی چلی گئی حتی کہ اس پر حضرت نوح علیہ السلام آزردہ و مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں اپنی قوم کی بدنصیبی و سرکشی کا شکوہ فرمانے لگے۔ ارشاد فرمایا:

کہا نوح علیہ السلام نے اے میرے رب ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کسی طرح بھی میری بات سننے کو تیار نہ ہوئے اور پیروی کی ہے اسکی جس نے انکے مال اور اولاد میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا بجز خسارہ اور نقصان کے وہ اپنے رؤساء اور سرداروں ہی کی بات مانتے رہے جس کے نتیجہ میں خدا کی عنایات اور رحمتوں سے محروم ہو کر مال واولاد کے خسارہ ہی میں مبتلا ہوئے اور مکر کیا بہت ہی زبردست قسم کا مکر کرنا اور اپنی انتہائی خطرناک سازشوں کے ساتھ نوح علیہ السلام کے مقابلہ اور انکی ایذاء رسانی پر ڈٹے رہے اور کہنے لگے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے اے لوگو! ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور ہرگز کبھی بھی نہ چھوڑنا ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث ویعوق اور نسر کو! الغرض اس طرح سرکشی پر آمادہ رہے گمراہ کیا بہت سوں کو ممکن تھا کہ اگر ان لوگوں کی یہ سازش کارفرما نہ ہوئی تو قوم کے بہت سے لوگ ایمان لے آئے تو اسے پروردگار بس اب تیری ہی بارگاہ میں شکوہ ہے اور دعا ہے اے پروردگار تو ایسے ظالموں کے واسطے اضافہ نہ فرمانا بجز گمراہی کے اور کسی چیز کا تاکہ انکی گمراہی کے اضافہ سے عذاب خداوندی میں اضافہ ہو اور ان پر خداوند عالم کا قہر وعذاب بڑا ہی شدید ہو۔

غرض حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت ایمان دیتے رہے اور قوم کا سوائے نافرمانی اور سرکشی کے کوئی بھی ردعمل نہ ہوا حالت کی تبدیلی یا اصلاح تو درکنار اور زائد ہی سرکشی بڑھتی رہی اور اس پر سینکڑوں برس گزر گئے اور ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ کہ سوائے چند لوگوں کے اور کوئی ایمان نہ لایا اس پر بارگاہ رب العزت سے قوم پر عذاب کا فیصلہ جاری ہو گیا کہ ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ کہ اے نوح علیہ السلام اب یہ لوگ سب کے سب غرق کر دیئے جائیں گے۔

آسمان سے پانی کے دروازے کھل گئے اور زمین شق ہو کر پانی ابلنے لگا اور آسمان و زمین کا پانی ایک دوسرے میں مل گیا ﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾۔

بہر کیف انکے گناہوں ہی کی وجہ سے انکو غرق کر دیا گیا دنیا کے اس عذاب نے تباہ و برباد کیا پھر آخرت کا یہ عذاب شروع ہوا داخل کر دیئے گئے جہنم کی آگ میں بس اللہ کے سوا انہوں نے اپنے واسطے کوئی مددگار و ہمدرد نہ پائے اور عذاب خداوندی کے فیصلہ پر نوح علیہ السلام نے کہہ دیا کفر اور کافروں کے ساتھ شدت عداوت اور نفرت کے جذبہ میں اے پروردگار زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑ اس لیے کہ اگر تو نے انکو چھوڑا تو یہ تیرے اور بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور یہ نہیں جنیں گے مگر صرف نافرمان اور کافر ہی کیونکہ کفر و خباثت انکی فطرت میں داخل ہو چکی ہے لہٰذا انکی نسل اور اولاد بھی انہی کی طرح خبیث و نافرمان ہوگی اور اولاد کے علاوہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے اس لئے بس دل یہی چاہتا ہے کہ تو زمین کو ایسے ناپاک لوگوں سے پاک فرما دے۔ ❶

❶ ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا﴾ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی بھٹکتے ہی رہیں کوئی تدبیر سیدھی بن نہ پڑے اور حضرت شاہ =

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی عذاب خداوندی نافرمان قوم کی طرف متوجہ ہوا قہر الٰہی اور اس کے غضب کے شعلے بلند ہوئے تو عظمت وجلال خداوندی کا اثر نوح علیہ السلام کے قلب پر غالب آیا اور اس کی شان کبریائی سے خوف زدہ ہو کر اپنے اور اپنے والدین اور متبعین کے لیے خدا کی مغفرت اور مہربانی طلب کرنے لگے اور فرمایا اے پروردگار بخش دیجئے مجھے اگر مجھ سے کوئی غلطی بشری تقصیر کے باعث سرزد ہوئی ہو اور میرے ماں باپ کو بھی اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں میں سے اور اے اللہ ان ظالموں کے واسطے ہلاکت کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ فرما وہ اسی قابل ہیں کہ ان کو پوری طرح ہلاک و برباد کر ڈالا جائے چنانچہ طوفان نوح آیا اور اس وقت انسانی آبادی بس وہی تھی تو کل عالم اس میں غرق کر دیا گیا بجز ان چند اہل ایمان کے جو بامر خداوندی سفینہ نوح میں سوار ہو گئے جس کی تفصیل گزر چکی۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ یہ طوفان تمام دنیا پر اس وجہ سے آیا کہ اس وقت دنیا میں حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا اور کوئی نسل نہیں بستی تھی اس طوفان میں بچنے والے افراد سے ہی آئندہ دنیا میں نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

(تفصیل کے لئے سورۂ ہود میں اس مضمون کی مراجعت فرمائی جائے)

دنیا میں شرک کا آغاز کیونکر ہوا

قرآن کریم کی آیت ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ نے اس امر کی تصریح کر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ایک طویل عرصہ تک دنیا کے انسان صرف ایک ہی امت اور ایک ہی ملت رہے پھر کفر ایمان اور ہدایت و گمراہی کا اختلاف پیدا ہوا تو انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے جو مبشرین و منذرین ہوتے تھے اہل ایمان کو نجات وجنت کی بشارت سناتے اور اہل کفر کو جہنم اور عذاب خداوندی سے ڈراتے۔

مؤرخین نے اپنی کتب تاریخ میں اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دس قرن حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تک گزرے یہ تمام قرن ایمان وتوحید پر قائم تھے سب سے پہلے وہ رسول جو کفر کے مقابلہ کے لئے مبعوث فرمائے گئے

=عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ استدراج کے طور پر اے اللہ انکو اپنی مغفرت سے آشنا نہ کر عام مفسرین نے ان آیات کے ظاہری معنی مراد لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تا کہ جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں ظاہر ہے کہ یہ دعا انکی ہدایت سے قطعی طور پر مایوس ہونے کے باعث کی خواہ یہ مایوسی تقریباً ایک ہزار سال کے تجربہ سے ہوئی یا اللہ کی وحی ﴿اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ سے ہو ایسی حالت میں تنگدل و مایوس ہو کر ایسی دعا کرنا کوئی مستبعد بات نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی انکی استعداد پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلقاً گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقیناً باقی جسم کو بھی مسموم اور فاسد کر ڈالے گا تو اس وقت انکے کاٹ ڈالنے اور صفحہ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے انکو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر انکے اثر بد کو متعدی ہونے سے روک دیا جائے ورنہ پھر آخری صورت یہی ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ انکے وجود سے دنیا کو پاک کر دے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھا جائے بس یہی وہ چیز ہے جس کو دعائے نوح علیہ السلام بتا رہی ہے ﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ سورۃ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ اسی جذبہ پر مبنی ہے۔ ۱۲

وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت وبعثت اور وحی کو حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی مثلاً فرمایا گیا ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ الخ اور ارشاد ہے ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾۔

علامہ ابوالشکور سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التمہید'' میں بیان کیا کہ شرک اور کفر کی ابتداء حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ہوئی اس سے قبل کل دنیا دین واحد اور توحید پر قائم تھی جزوی طور پر معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب تو آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہی کیا تھا کہ ہابیل کو قتل کیا لیکن یہ نوعیت کفر وشرک کی نہ تھی بلکہ ارتکاب معصیت اور نافرمانی کی تھی شرک کا آغاز حضرت ادریس علیہ السلام یا اخنوخ کے بعد سے حضرت نوح علیہ السلام تک زمانہ میں ہوا حضرت نوح علیہ السلام اس وقت مبعوث ہوئے جب کہ دنیا میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ادریس اس وجہ سے ہوا کہ وہ کثرت سے کتب سماویہ کا درس دیتے تھے تو درس وتدریس کی کثرت اور شغف کی وجہ سے انکا نام یا لقب ادریس ہو گیا بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادریس علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اخنوخ یا ادریس علیہ السلام سے علوم حاصل کرنے والے انکے خاص تلامذہ میں پانچ تھے جنکے نام، ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر، تھے جب ادریس علیہ السلام دنیا سے گزر گئے یا انکو آسمان پر اٹھالیا گیا تو یہ ان کے تلامذہ اور خدام میں سے باقی پانچ رہ گئے جو اخنوخ علیہ السلام کے فراق پر انتہائی غمگین اور رنجیدہ ہوئے یہ اللہ کی عبادت کرتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے دین اور ایمان وتوحید کی تعلیم دیتے رہے اب کچھ عرصہ گزرنے پر یہ لوگ بھی دنیا سے گزر گئے تو ان سے علم اور دین حاصل کرنے والے لوگ متحیر اور پریشان ہونے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کریں اور اس امر پر انکو انتہائی بےچینی طاری ہوئی کہ اب علم اور دین کس سے حاصل کریں اسی عرصہ میں ایک گروہ کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور اس نے لوگوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم ان پانچوں حضرات کے جو ہمارے راہنما اور ہادی تھے مجسمے بنالیں تاکہ انکو دیکھ دیکھ کر انکی یاد تازہ ہوتی رہے اور ہم ان کی تعلیمات کو یاد کرتے رہیں اور اب تو ان حضرات کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بس اسی پر قناعت کی جاسکتی ہے اور اسی طرح ان حضرات کے مجسموں کو دیکھ کر ہم انکی یاد تازہ کرتے رہیں اور عبادت میں مشغول رہیں چنانچہ ان پانچوں کے مجسمے تیار کر لئے گئے اور ہر مجسمہ یا بت کا نام ان ہی ناموں پر رکھ دیا گیا یہ لوگ تو صرف اسی حد تک رہتے ہوئے اپنے دین پر قائم رہے اور اللہ کی توحید وعبادت کرتے رہے حتیٰ کہ ایمان وتوحید ہی پر یہ لوگ دنیا سے گزر گئے اب انکی اولاد اور نئی نسل کے زمانہ میں ابلیس لعین آیا بعض روایات سے معلوم ہوا کہ اس نے ان مجسموں کے ذریعہ یہ آواز لگائی انا ربکم ورب ابآء کم کہ میں تمہارا معبود اور رب ہوں اور تمہارے آباء واجداد کا رب ہوں ہر ایک مجسمہ سے یہ آواز سنائی دی کہ تمہارے بزرگ میری عبادت کرتے تھے ان لڑکوں نے اتنی بات تو دیکھی ہی کہ یہ مجسمے بڑی تعظیم وتکریم سے مخصوص جگہوں پر نصب کئے ہوئے تھے اور اپنے بزرگوں کو دیکھا بھی تھا وہ انکی تعظیم بھی کرتے تھے اس نئی نسل کو یہ فرق نہ معلوم ہوا کہ تعظیم کیا ہے اور عبادت کیا ہے اور ابلیس یہ بات انکے دماغوں میں رچانے میں کامیاب ہو گیا کہ واقعی تمہارے بزرگ انکی عبادت

کرتے تھے یا وہ جو کچھ کرتے تھے وہ عبادت ہی تھی تو اس طرح یہ نسل ان مجسموں کو معبود سمجھ کر عبادت کرنے لگی اور پھر ان کے مجسمے پیتل، سونے اور چاندی کے بنانے لگے اور یہ بات اس حد تک ترقی کرتی چلی گئی کہ شرک وبت پرستی اور ان بتوں کی سارے عالم میں خوب کثرت ہوگئی اور لوگ پوری قوت اور شدت سے انکی عبادت پر جم گئے یہاں تک کہ اب حضرت نوح علیہ السلام اس شرک کا مقابلہ کرنے اور توحید کے اعلان ودعوت کے لیے مبعوث فرمائے گئے تو جب حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو توحید وایمان کی دعوت دی اور بت پرستی سے روکنا شروع کیا اور اسی جذبہ میں دن رات ایک کرڈالا تو اس قوم نے جس کے رگ وریشہ میں شرک وبت پرستی سرایت کئے ہوئے تھی جواب دیا ﴿لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ اس حالت پر حضرت نوح علیہ السلام اس قوم میں ساڑھے نوسو سال تک توحید وایمان کی دعوت دیتے رہے اور عذاب خداوندی سے ڈراتے رہے مگر وہ ایمان نہ لائے جب ہر طرح کی کوشش کر کے تھک گئے اور قوم سے مایوس ہوگئے ادھر وحی الٰہی نے یہ بتادیا کہ اے نوح ﴿اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ تو مایوس وافسردہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں غیر اختیاری طور پر دعاوالتجاء جاری ہوگئی ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ کہ اے پروردگار بس اب تو زمین پر کوئی کافر بسنے والا باقی نہ چھوڑ چنانچہ اللہ کی وحی آئی کہ اے نوح علیہ السلام کشتی تیار کرنا شروع کردو اب خدا کا عذاب اس قوم کو غرق کرنے والا ہے تم اور تمہارے ساتھ جو ایمان لاچکے وہ اس کشتی میں سوار ہوجانا تو اللہ تعالیٰ تم کو اور تمہارے ساتھ اہل ایمان کو نجات دے دے گا عذاب خداوندی آیا اور اس کشتی میں اسی نفر سوار تھے جن کو اللہ نے نجات دی چالیس مرد اور چالیس عورتیں پھر انکے انتقال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف تین باقی رہ گئے، سام، حام، اور یافث، اور انکی بیویاں تو پھر انسانی آبادی کا سلسلہ اللہ رب العزت نے ان ہی سے جاری فرمایا اس طرح طوفان نوح کے بعد کل انسان اولاد نوح میں سے سام، حام، اور یافث کی اولاد میں ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ نوح۔

سورۃ الجن

اس میں بھی دیگر سورتوں کی طرح اصول توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے اہم موضوع بیان، جنوں کا قرآن کریم سن کر قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان لانا اور پھر اپنی قوم کی طرف ناصح اور ہادی بن کر جاتا اور انکو ایمان کی دعوت دینا۔

چنانچہ سورت کی ابتداء ہی اس امر سے فرمائی گئی کہ جنات کے گروہ نے قرآن کریم سنا اور قرآن کریم کی عظمت وحانیت کا اقرار کیا اسی ضمن میں یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں کو کس طرح محفوظ فرما رکھا ہے کہ کسی جن کی مجال نہیں ملکوت سموت کی کوئی چیز سن سکے اور یہ کہ جن بھی انسانوں کی طرح مومن وکافر کی دوقسموں میں بٹے ہوئے ہیں پھر یہ بھی بیان ہے کہ ایمان وتوحید کا انجام نجات وکامیابی اور آخرت کی نعمتیں ہیں اور کفرو نافرمانی عذاب جہنم کو دعوت دینا ہے۔

سورت کے اخیر میں اللہ رب العزت کی ذات وصفات میں وحدانیت کا بیان ہے اور یہ کہ جیسے اسکی ذات اور الوہیت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اسکی کسی صفت میں کوئی شریک نہیں آنحضرت ﷺ کی

بعثت سے قبل جنات کا بعض آسمانی خبروں کو سن کر کاہنوں تک پہنچا دینا علم غیب نہیں غیب کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

(۷۲ سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (ایاتہا ۲۸ رکوعاتہا ۲)

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے ف۱ پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ سمجھاتا ہے

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے تھے کتنے لوگ جنوں کے، پھر کہا ہم نے سنا ہے قرآن عجیب۔ سوجھاتا

الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً

نیک راہ سو ہم اس پر یقین لائے اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو ف۲ اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی اس نے جورو

نیک راہ، پھر ہم اس پر یقین لائے۔ اور ہرگز نہ شریک بتادیں گے اپنے رب کا کسی کو۔ اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی اس نے جورو

وَّلَا وَلَدًا ۙ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ

نہ بیٹا ف۳ اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا ف۴ اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے

نہ بیٹا۔ اور یہ کہ ہمارا بیوقوف کہتا ہے اللہ پر بڑھا کر باتیں، اور یہ کہ ہم کو خیال تھا، کہ نہ بولیں گے

الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ

آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ ف۵ اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی

انس اور جن اللہ پر جھوٹ۔ اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں کے پناہ پکڑتے کتنے مردوں کی

ف۱ جنوں کے وجود اور حقیقت پر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سورۂ ہذا کی تفسیر میں نہایت مبسوط و مفصل بحث کی ہے۔ اور عربی میں "آکام المرجان فی احکام الجان" اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے جس کو شوق ہو مطالعہ کرے۔ یہاں گنجائش نہیں کہ اس قسم کے مباحث درج کیے جائیں۔

ف۲ سورۂ "احقاف" میں گزر چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کئی جن ادھر کو گزرے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم سے جا کر سب ماجرا بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو (اپنی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، قوت تاثیر، شیریں بیانی، طرز موعظت اور علوم و مضامین کے اعتبار سے) عجیب وغریب ہے معرفت ربانی اور رشد و فلاح کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لیے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک و شبہ نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اس کی تعلیم و ہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اُن کے اس تمام بیان کی آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی فرمائی۔ اس کے بعد بہت مرتبہ جن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملے۔ ایمان لائے اور قرآن سیکھا۔

ف۳ یعنی جورو بیٹا رکھنا اس کی عظمت شان کے منافی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جو گمراہیاں آدمیوں میں پھیلی ہوئی تھیں وہ جنوں میں بھی تھیں (عیسائیوں کی طرح) اللہ کے جورو بیٹا بتاتے تھے۔

ف۴ یعنی ہم جو بیوقوف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی لغو باتیں اپنی طرف سے بڑھا کر کہتے تھے اور ان میں سب سے بڑا بیوقوف ابلیس ہے شاید خاص وہی اس جگہ لفظ "سفیہ" سے مراد ہو۔

ف۵ یعنی ہم کو یہ خیال تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن اور آدمی مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل اور دانا بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ یہی خیال کر کے ہم بھی بہک گئے اب قرآن سن کر آنکھیں کھلی اور اپنے پیشرووں کی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا

جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے ف۱ اور یہ کہ ان کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ اٹھائے گا اللہ کسی کو ف۲ اور یہ کہ

جنوں میں پھر ان کو بڑھا لور سر چڑھنا۔ اور یہ کہ ان کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا، کہ ہرگز نہ اٹھاوے گا اللہ کسی کو۔ اور یہ کہ

لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

ہم نے ٹٹول دیکھا آسمان کو پھر پایا اس کو بھر رہے ہیں اس میں چوکیدار سخت اور انگارے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے

ہم نے ٹٹول ڈالا آسمان کو پھر پایا اس کو بھر رہے اس میں چوکیدار سخت اور انگارے۔ اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے آسمان کے

مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ

ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سننا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں ف۳ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ برا ارادہ

ٹھکانوں میں سننے کو۔ پھر جو کوئی اب سنے پاوے، پاوے اپنے واسطے ایک انگارہ گھات میں۔ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ کچھ برا ارادہ

بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ

ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ان کے حق میں ان کے رب نے راہ پر لانا ف۴ اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اس کے سوا

ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ان کے حق میں اس کے رب نے راہ پر لانا اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں، اور کوئی اس کے سوا۔

كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲ وَّاَنَّا

ہم تھے کئی راہ پر پھٹے ہوئے ف۵ اور یہ کہ ہمارے خیال میں آ گیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے اللہ سے زمین میں اور نہ تھکا دیں گے اس کو بھاگ کر ف۶ اور یہ کہ

ہم تھے کئی راہ پر پھٹ رہے۔ اور یہ کہ ہمارے خیال میں آیا ہم جیر (بڑھ) نہ جائیں گے اللہ سے زمین میں، اور نہ تھکا دیں گے اس کو بھاگ کر، اور یہ کہ

ف۱ عرب میں یہ جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ جنوں سے غیب کی خبریں پوچھتے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے چڑھاوے چڑھاتے۔ اور جب کسی قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کرے۔ ان باتوں سے جن اور زیادہ مغرور ہو گئے اور سر چڑھنے لگے۔ دوسری طرف اس طرح کی شرکیات سے آدمیوں کے عصیان وطغیان میں بھی اضافہ ہوا جب انہوں نے خود اپنے اوپر جنوں کو مسلط کر لیا تو وہ ان کے اغوا میں کیا کمی کرتے۔ آخر قرآن نے آ کر ان خرابیوں کی جڑ کاٹی۔

ف۲ مسلمان جن یہ سب گفتگو اپنی قوم سے کر رہے ہیں۔ یعنی جیسا تمہارا خیال ہے، بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو ہرگز قبروں سے نہ اٹھائے گا۔ یا آئندہ کوئی پیغمبر مبعوث نہ کرے گا۔ جو رسول پہلے ہو چکے ہو چکے۔ اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو لوگوں کو بتلاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔

ف۳ یعنی ہم اڑ کر آسمان کے قریب تک پہنچے تو دیکھا کہ آجکل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو شیطان ایسا ارادہ کرتا ہے اس پر انگارے برستے ہیں اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبر سن کر آیا کرتے تھے۔ مگر اب اس قدر سخت ناکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے۔ اس کی بحث پہلے سورۃ "حجر" وغیرہ میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف۴ یعنی یہ جدید انتظامات اور سخت ناکہ بندی خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئیں گے اور اللہ ان پر الطاف خصوصی مبذول فرمائے گا؟ یا یہی ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ =

لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ⑬ وَّاَنَّا مِنَّا

جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اس کو مان لیا ف۱ پھر جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے ف۲ اور یہ کہ کچھ ہم میں

جب ہم نے سنی راہ کی بات، ہم نے اس کو مانا۔ پھر جو کوئی یقین لائے اپنے رب پر، سو نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے۔ اور یہ کہ کوئی ہم میں

الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ⑭ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ

حکمبردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف سو جو لوگ حکم میں آگئے سو انہوں نے اٹکل کرلیا نیک راہ کو اور جو بے انصاف ہیں

حکم بردار ہیں اور کوئی بے انصاف۔ سو جو حکم میں آئے، سو انہوں نے اٹکلی نیک راہ۔ اور جو بے انصاف ہیں،

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ⑮ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ⑯

وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن ف۳ اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے ان کو پانی بھر کر

وہ ہوئے دوزخ کا ایندھن۔ اور یہ حکم آیا، کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر، تو ہم پلاتے ان کو پانی بھر کر۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ⑰ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ

تاکہ ان کو جانچیں اس میں ف۴ اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دے گا اس کو چڑھتے عذاب میں ف۵ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی

تاکہ ان کو جانچیں اس میں۔ اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے، وہ پیٹھا دیوے اس کو چڑھتے عذاب میں۔ اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ

=لوگ قرآنی ہدایات سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کیے جائیں؟ اس کا علم اسی علام الغیوب کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ف۵ یعنی نزول قرآن سے پہلے بھی سب جن ایک راہ پر نہ تھے، کچھ نیک اور شائستہ تھے، اور بہت سے بدکار و ناہنجار، ان میں بھی فرقے اور جماعتیں ہوں گی۔ کوئی مشرک، کوئی عیسائی، کوئی یہودی وغیر ذلک۔ اور عملی طور پر ہر ایک کی راہ عمل جدا ہوگی۔ اب قرآن آیا جو اختلافات اور تفرقوں کو مٹانا چاہتا ہے لیکن لوگ ایسے کہاں ہیں کہ سب کے سب حق کو قبول کر کے ایک راستہ پر چلنے لگیں۔ لامحالہ اب بھی اختلاف رہے گا۔

ف۶ یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر، نہ ادھر ادھر بھاگ کر، یا ہوا میں اڑ کر۔

ف۱ یعنی ہمارے لیے فخر کا موقع ہے کہ جنوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلا توقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔

ف۲ یعنی سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے۔ نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیے جائیں، غرض وہ نقصان، تکلیف اور ذلت و رسوائی سب سے مامون و محفوظ ہے۔

ف۳ یعنی نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی۔ یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی تحقیق و تفحص سے نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے۔ دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی و بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندہ اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہیے۔

(تنبیہ) یہاں تک مسلمان جنوں کا کلام نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا۔ آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں گویا "وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا" الخ کا عطف "اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ" پر ہوا۔ مترجم محقق نے ترجمہ میں اور یہ "حکم آیا" کے الفاظ بڑھا کر جتلا دیا کہ یہاں سے اخیر تک "قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ" کے تحت میں داخل ہے۔

ف۴ یعنی اگر جن و انس حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو ہم ان کو ایمان و طاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجا لاتے ہیں اور طاعت میں مزید ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم و شرارت کی سزا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے کئی سال کا قحط پڑا تھا لوگ خشک سالی سے پریشان ہو رہے تھے۔ اس لیے متنبہ فرما دیا کہ اگر سب لوگ ظلم و شرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے مسلمان جنوں نے طریقہ اختیار کیا ہے تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک =

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ⑱ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ

یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو ف۱ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ ف۲ کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اس پر

پاؤں حق اللہ کا ہے، سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ اس کو پکارتا، لوگ ہونے لگتے ہیں اس پر

لِبَدًا ⑲

ٹھٹھ ف۳

ٹھٹھ۔

ع ۱۹ / ۱۱

تاثیر حقانیت قرآن بر قوم جن وقبول ایمان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ... الی... يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾

ربط:...... گزشتہ سورۃ نوح میں یہ بیان تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس قدر طویل مدت تک اپنی قوم کو ایمان وتوحید کی دعوت دیتے رہے لیکن بدنصیب قوم بجائے اس کے کہ ہدایت قبول کرتی اور شقاوت وبدبختی میں اضافہ ہی ہوتا رہا اب اس سورت میں قوم جن کا واقعہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ کس طرح ان میں سے ایک گروہ قرآن سن کر اسکی حقانیت کا گرویدہ ہوگیا کلام الٰہی کی معرفت نصیب ہوتی اور حق پہچان کر اس کھلے دل سے تیار ہوگئے صرف یہی نہیں کہ خود انہوں نے حق قبول کیا بلکہ وہ تو داعی حق بن کر دوسروں کو بھی ایمان وتوحید کی دعوت دینے لگے۔

اس سورت کے شان نزول کے بارے میں امام بخاری ومسلم امام احمد ترمذی رحمہم اللہ اور دیگر محدثین نے احادیث تخریج فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ایک عرصہ دراز تک اہل مکہ ایمان کی دعوت دیتے رہے پھر آپ ﷺ طائف بھی تشریف لے گئے لیکن وہاں کے سردار عبد یالیل مسعود وحبیب نے جو بدسلوکی اور بے تمیزی کا برتاؤ کیا اس کا آپ ﷺ کے قلب مبارک پر کافی اثر تھا آپ ﷺ واپسی پر جب مقام نخلہ پر ٹھہرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھا رہے تھے تو شہر نصیبین کے نو عدد جن وہاں سے گزرے جو اس تلاش میں نکلے ہوئے تھے کہ اب آسمان کی خبریں کیوں

=سرسبز وشاداب کر دیا جائے۔

ف۵ یعنی اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ تو ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھتا چلا آتا ہے۔

ف۱ یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔ لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خالص خدائے واحد کی طرف آؤ اور اس کا شریک کر کے کسی کو کہیں بھی مت پکارو خصوصاً مساجد میں جو اللہ کے نام پر تنہا اسی کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں۔ بعض مفسرین نے "مساجد" سے مراد وہ اعضا لیے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ خدا کے دیے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں۔ جائز نہیں کہ ان کو اس مالک وخالق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکاؤ۔

ف۲ یعنی بندہ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۳ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق ورغبت سے قرآن سننے کی خاطر اور کفار عداوت وعناد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کرنے کے لیے۔

بند ہوگئیں پہلے جن آسمانوں تک پہنچ کر وہاں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالیتے تھے اور آسمانوں میں جو تکوینی باتیں فرشتوں کی درمیان ہوتیں ان کو سن کر زمین کی طرف آئے اور کاہنوں کو بتایا کرتے تو آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ قدرت خداوندی سے بند کردیا گیا اور آسمانوں کو اس طرح کے "استراق سمع" سے محفوظ کردیا گیا تاکہ وحی الٰہی پوری حفاظت کے ساتھ اللہ کے پیغمبر تک پہنچے اب جو جن آسمان کا رخ کرتا شہاب ثاقب اس کو جلا کر خاک کردیتا اس کے بعد کوئی امکان نہ رہا کہ کوئی جن یا شیطان آسمان کی کوئی بات اچک سکے تو تو اس پر جنوں میں ایک بے چینی پھیل گئی تھی اور یہ طے پایا تھا کہ روئے زمین کا کونا کونا چھان ڈالو اور تلاش کرو کہ کیا نئی چیز ایسی پیش آئی ہے کہ اب ہم آسمان کی کوئی بات نہیں سن سکتے تو ایک جماعت شہر نصیبین کے جنوں کی بھی جو اس تلاش میں نکلی ہوئی تھی اس کا گزر اس مقام سے ہوا جہاں آنحضرت ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور اس میں قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے جیسے ہی ان کے کان میں قرآن کریم کی آواز پڑی اس پر فریفتہ ہوکر سچے دل سے ایمان لے آئے اور پھر اپنی قوم کو جاکر سب ماجرا سنایا اور بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن اسلوب قوت تاثیر شیریں بیانی طرز موعظت وحکمت میں اور علوم ومعارف کی بلندی میں عجیب وغریب اور بے مثال ہے معرفت ربانی اور رشد وفلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کو سعادت وتقویٰ کی اعلیٰ منزل تک پہنچاتا ہے اس وجہ سے ہم تو سنتے ہی بلا توقف وتردد اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم کو یقین کامل حاصل ہوگیا ہے کہ ایسا کلام اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا ہم اسکی تعلیم وہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں اپنا عقیدہ اور عمل قطعاً اسکی ہدایت کے مطابق بنائیں گے اور اپنے رب کے ساتھ جو وحدہ لاشریک لہ ہے تنہا کائنات کا خالق ومالک ہے کسی کو اس کی عبادت والوہیت میں شریک نہیں کریں گے تو ان جنوں کا یہ تمام بیان اور مضمون اللہ نے وحی کے ذریعہ جناب رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ نے اس سورت کی تفسیر میں مفصل اور مبسوط بحث فرمائی اور عربی میں اس موضوع پر جامع تر کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" تالیف فرمائی گئی ہے غرض اس طرح اس واقعہ [1] اور جنوں کے کلام الٰہی پر گردیدہ وفریفتہ ہونے کی تفصیل اس طرح فرمائی جارہی ہے ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجئے میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ کان لگا کر سن گئے ہیں جنوں میں سے کچھ جب کہ آپ ﷺ قرآن کریم کی نماز میں تلاوت کر رہے تھے اور وہ جماعت گشت کرتی ہوئی ادھر سے گزر رہی تھی جس پر انہوں نے قرآنی فصاحت وبلاغت پر فریفتہ ہوتے ہوئے کہا ہے بے شک ہم نے تو ایک عجیب قرآن سنا جو راہنمائی کرتا ہے نیکی کے راستہ کی طرف جو ہدایت وتقویٰ اور سعادت وفلاح کی منزل تک پہنچا دینے والا کلام ہے اور وہ یقیناً صرف اللہ ہی کا کلام ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اس کلام الٰہی نے جس طرح توحید خداوندی حقائق و دلائل کی روشنی میں بتاتے ہیں ہم انکو سن کر خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور ہم یہ سمجھ گئے ہیں کہ بے شک ہمارے پروردگار کی شان تو بہت ہی اونچی ہے ظاہر ہے کہ اس نے نہ تو اپنی کوئی بیوی بنائی اور نہ ہی کسی کو بیٹا بنایا اس لیے یہ خیالات نہایت ہی مہمل اور خلاف عقل ہیں خدا کا کوئی بیٹا ہے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں اور جب کسی کا بیٹا تجویز کیا جائے تو ظاہر

[1] سورۂ احقاف میں یہ مضمون گزر چکا ہے مراجعت فرمالی جائے۔ ۱۲

ہے اس کے واسطے بیوی بھی مانی جائے گی اور یہ بات قطعاً عقل اور فہم کے خلاف ہے اور محال ہے اور یہ تو ہم میں سے کوئی بیوقوف ہی تھا جو اللہ پر اس طرح کی زیادتی کی باتیں کرتا تھا اور نازیبا چیزیں منسوب کیں اور ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف لغو باتیں منسوب کرنے سے زیادہ اور کیا بے وقوفی ہوسکتی ہے اور ان میں سب سے بڑا بیوقوف ابلیس ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ جنوں نے اپنے اس قول ﴿وَّکَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا﴾ سے ابلیس ہی مراد لیا ہو اور یہ بھی نہایت ہی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ تھے انسانوں میں سے ایسے کہ جو قوم جن کے کچھ لوگوں کی پناہ حاصل کرتے تھے جب بھی انکا کسی جنگل و بیابان میں گزر ہوتا وہاں کے جنوں کے سردار کی پناہ طلب کرتے اور کہتے کہ اس وادی کے جنوں کے سردار ہم ہر موذی اور شر ہر چیز کے شر اور ایذاء سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ کھلا شرک تھا کیونکہ ہر شر اور ایذاء سے تو پناہ اللہ ہی کی حاصل کی جاسکتی ہے ❶ تو اس طرح ایسے انسانوں نے ان جنوں کو اور زیادہ سرکش بنا دیا اور یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی اور بے وقوفی کی کہ انہوں نے ایسا ہی ایک گمان کیا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ ہرگز دوبارہ کسی کو نہیں اٹھائے گا اور نہ کوئی قیامت ہوگی اور نہ ہی حشر و نشر ہوگا یا یہ کہ اللہ کسی کو مبعوث اور رسول بنا کر نہیں اٹھائے گا بس جو رسول پہلے آچکے وہ آگئے لیکن اے لوگو!

❶ تفسیر مظہری میں ہواتف الجن کے حوالہ سے باسناد سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا ہے حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ ایک رات میں کسی ریگستان میں سفر کر رہا تھا نیند کا غلبہ ہوا تو اپنی اونٹنی سے اترا اور اپنی قوم کی عادت کے مطابق سوتے وقت یہ الفاظ کہہ لئے۔ اللھم انی اعوذ بعظیم ھذا الوادی من الجن۔ اے اللہ میں اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ لیتا ہوں بیان کرتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ہتھیار لئے میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے گھبرا کر اٹھا دائیں بائیں دیکھنے پر کچھ بھی نظر نہ آیا سوچا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے سوگیا تو پھر اسی طرح دیکھ رہا ہوں اٹھ کر دیکھتا ہوں تو کوئی چیز نظر نہیں آتی اور ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے پھر سوگیا تو اسی طرح پھر دیکھتا ہوں اور اونٹنی کو اب دیکھا کہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا کہ وہی نوجوان جس کو خواب میں دیکھا تھا ہاتھ میں نیزہ لئے ناقہ پر حملہ کر رہا ہے اور ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اس کا ہاتھ پکڑے مجھے روک رہا ہے اسی حالت میں تین گورخر سامنے سے آئے اور بوڑھے شخص نے کہا ان میں سے کوئی ایک لے لے اور اس شخص کی ناقہ چھوڑ دے چنانچہ وہ نوجوان ایک گورخر لے کر روانہ ہوگیا پھر بوڑھے شخص نے میری طرف دیکھا اور مجھ کو اس بات سے منع کیا کہ میں کسی جنگل میں ٹھہروں تو یوں کہوں کہ اس وادی کے جنات کے سردار کی پناہ حاصل کروں بلکہ تجھے چاہئے کہ یہ کہا کرے۔ اعوذ باللہ رب محمد من ھول ھذا الوادی۔ بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں اس نے بتایا یہ نبی عربی ہیں پیر کے روز مبعوث ہوئے پوچھا کہ کہاں رہتے ہیں جواب دیا یثرب میں جو کھجوروں کی بستی ہے صبح ہوتے ہی میں مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا اس سے قبل کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مجھ سے یہ قصہ دریافت فرمایا اور اس کے بارہ میں بتایا مجھے اسلام کی دعوت دی اور الحمد للہ میں مشرف باسلام ہوگیا اسی قسم کی بات عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آئی جس پر وہ مشرف باسلام ہوئے صحیح بخاری میں ہے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں اپنے بتوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر بت پر ایک گائے ذبح کی تو اس بت کے پیٹ میں سے آواز سنائی دی جو بہت سے لوگوں نے سنی، یا جلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لا الہ الا اللہ یعنی اے مرد قوی ایک بات بڑی ہی کامیابی کی ظاہر ہوئی ہے وہ یہ کہ ایک شخص بآواز بلند کہہ رہا ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے میں اسی جگہ بیٹھا رہا کہ معلوم کروں یہ آواز کیا ہے دوبارہ پھر یہی آواز بلند ہوئی پھر میں نے توقف کیا حتی کہ تیسری مرتبہ بھی یہ آواز بلند ہوتی میں انتہائی حیران ہوا اسی حال میں تھا کہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے ہیں جو لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔

اسی طرح بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سواد بن اقارب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بیان کیا کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا دوست تھا مجھے آکر کچھ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا میں لوگوں کو بتاتا اور اس کے ذریعے خوب حلوا مانڈا حاصل کرتا ایک رات اس نے میرے خواب میں آکر کہا اٹھ اور ہوشیار ہوجا اگر کچھ شعور ہے ایک پیغمبر لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہوگئے ہیں اور پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا حاصل یہ تھا کہ اب جنوں میں بڑا ہی اضطراب برپا ہوچکا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے اڈوں سے واپس ہونے کے لئے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسنے شروع کردیئے ہیں۔

تم سن لو یہ سب کچھ غلط ہے اب اللہ نے ایک عظیم رسول بھیج دیا ہے اور اس رسول نے یہ بتادیا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے اور ہم نے تو آسمان کو ہر طرف سے ٹٹول کر دیکھ لیا ہے تو ہم نے آسمان کو پایا ہے کہ وہ بھر دیا گیا ہے بڑے سخت پہروں اور برسنے والے انگاروں سے کہ جو بھی جن اب آسمان کا رخ کرتا ہے ایک شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اس کو جلا کر خاک کر ڈالتا ہے اس صورت حال کے باعث کسی شیطان یا جن کو اب قدرت نہیں کہ غیب کی خبریں اور آسمان کی باتیں سن سکے یا معلوم کرلے اور بے شک ہم تو پہلے جایا کرتے تھے آسمان کے ٹھکانوں پر باتوں کے سننے اور کان لگانے کے لئے اور اس طرح کچھ نہ کچھ باتیں سن لیتے تھے لیکن اب تو جو بھی کان لگانا چاہے تو پاتا ہے ایک انگارہ جو انکی تاک میں لگا رہتا ہے اور جوں ہی وہ آسمان کا رخ کرتا ہے یا اس طرف کان لگاتا ہے وہ شہاب ثاقب اس پر لپک کر ٹوٹتا ہے اور جلا کر خاک کر ڈالتا ہے یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں معلوم نہیں کہ کس لئے کی گئی ہیں اور ان کا انجام ہمارے حق میں کیا ہونے والا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر بسنے والوں کے لیے کیا کوئی برا ارادہ کیا گیا ہے یا یہ کہ انکے رب نے انکے بارہ میں رشد وہدایت اور سیدھے راستہ پر لانے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں اور اس سے کم درجہ کے ہیں ہم تھے متفرق طریقوں پر بٹے ہوئے اگرچہ یہ بات نزول قرآن سے قبل تھی لیکن اب بھی اس بات کی توقع نہیں ہے کہ سب ایک ہی راستہ حق وہدایت کا قبول کر کے اسی کو اختیار کرلیں اب بھی خیال یہی ہے کہ لامحالہ اختلاف رہے گا اور بہت سے وہ ہوں گے جو اللہ کی ہدایت اور حق کا راستہ نہیں اختیار کریں گے خدا پر ایمان لانے کے بجائے اس کی نافرمانی کریں گے اور اس صورت حال میں کہ خدا کا راستہ اور حق ظاہر ہوگیا ہے اس پروردگار کی قدرت وخالقیت ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہے ہم نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ ہم اللہ کو اسکی زمین میں رہتے ہوئے عاجز و بے بس نہیں کر سکتے اور نہ اس کو مغلوب کر سکتے ہیں تو جب کوئی مجرم اپنے آقا سے نہ چھپ سکتا ہے نہ اسکی حدود سلطنت اور قدرت سے باہر ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے رب اور آقا کو نہ مغلوب کر سکتا ہے اور نہ اس کی گرفت سے نکل اور بچ سکتا ہے نہ زمین میں چھپ سکتے ہیں اور نہ ہوا میں اڑ کر راہ فرار اختیار کر سکتے ہیں اور جب کہ ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ایک لمحہ بھی ہم نے دیر نہیں کی اور بلاشبہ یہ بات ہماری سعادت اور فخر کی ہے بس ہم تو سمجھ چکے ہیں کہ جو بھی شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو کوئی ڈر نہ ہوگا نقصان کا اپنے رب کی طرف سے اور نہ کسی قسم کی زیادتی کا بلکہ پورے اطمینان وسکون سے اپنی زندگی گزارے گا نہ اس کو آخرت کے نقصان کا کوئی ڈر ہوگا اور نہ اس بات کا کہ اس کو وہاں کوئی تکلیف ہوگی یا اس پر کسی طرح کی ظلم وزیادتی ہو سکے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ ہم میں سے ظالم وجابر اور نافرمان ہیں تو جو بھی اللہ کے مطیع وفرماں بردار ہوں بس وہی ایسے ہیں کہ جنہوں نے نیکی کا راستہ سوچ سمجھ کر طے کرلیا ہے تو بے شک ایسے لوگ کامیاب ہیں لیکن جو لوگ ظالم اور ناانصاف ہیں پس وہ تو جہنم کا ایندھن ہو چکے کیونکہ احکام خداوندی ٹھکرا دینا اس کی فرماں برداری سے انحراف کرنا ظلم وسرکشی کا راستہ اختیار کر لینے کا یہی انجام ہو سکتا ہے اور ہمارے پیغمبر [1] یہ بھی کہہ دیجئے کہ

---

[1] ان الفاظ کے اضافہ سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس سے قبل تک تو جنات میں ان اہل ایمان کا قول اور انکے پاکیزہ خیالات اور توحید خداوندی کے =

میری طرف اللہ یہ وحی بھی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم انکو پانی بھر بھر کر خوب پلاتے اور ایمان واطاعت کی بدولت انکو ظاہری وباطنی برکات سے سیراب کردیتے اور یہ بھی اس لیے ہوتا کہ ہم انکو آزمائیں کہ وہ اللہ کے اس انعام کو دیکھ کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں یا مال و دولت کی فراوانی سے سرکشی اور طغیانی پر قائم رہتے ہیں۔

چنانچہ اہل مکہ اس زمانہ میں اپنے اعمال کی نحوست کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا تھے اور طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب کا شکار بنے ہوئے تھے کاش اگر یہ لوگ جنوں کی طرح قرآن کو سن کر اس پر ایمان لے آتے تو یقیناً ان پر رزق اور برکت کے دروازے کھول دیئے جاتے۔

اور اس حقیقت سے کسی کو بھی غافل نہ ہونا چاہئے کہ جو بھی اپنے رب کی یاد سے بے رخی اختیار کرے گا ہم اس کو ڈال دیں گے دشوار گزار چڑھتے ہوئے عذاب میں ایسے شخص کو ہرگز کبھی سکون وچین نصیب نہ ہو سکے گا بلکہ وہ عذاب و پریشانی جس میں وہ مبتلا ہوا اور زائد بڑھتی اور چڑھتی ہی چلی جائے گی اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں ❶ یہ عبادت خداوندی کی جگہیں صرف اللہ کی عبادت و بندگی کے واسطے بنائی جاتی ہیں ان سے بس اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہئے اور اس عبادت کو ہر قسم کے شرک اور شرک کے شائبہ سے بچانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ مشرکین کی طرح خدا کو پکارنے کے ساتھ غیر اللہ اور بتوں کو بھی پکارا جائے لہٰذا اے لوگو! خدا کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارو! بس یہی کہو یا اللہ یا رحمن نہ کہ مشرکین مکہ کی طرح کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی پکاریں اور یہ دعویٰ کریں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اپنے اللہ کو پکارتے ہوئے تو قریب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس پر ہجوم کر آئیں اور اژدہام کرلیں ہر طرف سے غول کے غول آ کر جمع ہو جائیں چنانچہ جب بھی آپ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت کرتے مومنین تو شوق و رغبت میں آپ ﷺ کا ہجوم کر لیتے اور کفار و مشرکین تمسخر و مذاق کے لیے یا یہ کہ جب آپ ﷺ جنوں کے واسطے تلاوت فرمائیں جن غول کے غول آپ ﷺ کے قریب آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔

وجود جن کے بارے میں فلاسفہ کا خیال

اکثر فلاسفہ جنات کے وجود کا انکار کرتے رہے ان کا قول یہ ہے کہ کائنات و موجودات کا دائرہ محسوسات تک ہی محدود ہے جو چیزیں انسانی ادراکات سے خارج ہیں وہ انکے وجود کا انکار کرتے ہیں اور انکا یہ دعویٰ ہے کہ وہ چیزیں محض وہمی تخیلات ہیں۔

= رنگ میں رچے ہوئے انکار کا ذکر تھا جو بذریعہ وحی ان جنوں کے نقل کئے گئے جو رسول اللہ ﷺ سے قرآن سن کر اسکی حقانیت کے گردیدہ اور اس پر فریفتہ ہوئے اب اس کے بعد اللہ کا فرمان ہے اور ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ﴾ کے ماتحت اسی پر عطف ہے یعنی ایک تو آپ ﷺ یہ بات اہل مکہ کو بتا دیجئے کہ مجھ پر اس واقعہ اور جنوں کے اس قصہ کی وحی کی گئی ہے اور دوسری بات کی مجھے وحی یہ کی گئی کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستہ پر چلتے، ایمان وہدایت اختیار کر لیتے تو ان پر ہر طرح کی فراخی اور سیرابی واقع کر دیتے۔ ۱۲

❶ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے مساجد سے وہ اعضاء مراد لئے ہیں جو سجدہ میں زمین پر ٹیکے جاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعضاء خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے عطا کردہ ہیں یہ بات قابل برداشت نہیں کہ انکو خالق کے سوا کسی اور کے سامنے جھکایا جائے۔ ۱۲

موجودہ زمانہ کا یورپ بھی اسی فلسفہ کا قائل ہے اور یورپ کے اس فلسفہ سے بہت سے مسلمان بھی متاثر ہو کر ایسی آیات وروایات کی تاویل یا انکار کرنے لگتے ہیں جو دائرہ محسوسات سے ماوراء اور بالا ہیں۔

طبیعین کا ایک گروہ جو خدا کا بھی قائل نہیں وہ تمام کائنات اور اس میں واقع ہونے والے جملہ احوال کو کواکب وسیارات کی تاثیر وحرکت کا نتیجہ قرار دیتا ہے آریہ سماج اسی قسم کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن قدیم فلاسفہ وحکماء اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ غیر محسوسات کا بھی وجود ہے اور عالم کی بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو حواس کے ذریعہ محسوس ومعلوم نہیں ہوتیں اسی بناء پر قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ وجود جن کا قائل تھا اسی طرح مذاہب سماویہ سے تعلق رکھنے والے تمام حکماء بھی روحانیت کے قائل رہے ارواح سفلیہ اور ارواح علویہ کی تقسیم انکی کتابوں اور اقوال سے مفہوم ہوتی ہے عیسائی یہودی بھی جنات کے وجود کے قائل رہے ہر ایک کی زبان میں اس مخلوق جن کا کوئی نہ کوئی نام اور عنوان ملتا ہے موجودہ انجیلوں میں اس قسم کے مضامین ملتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام جنوں کو مریض سے نکالا کرتے تھے۔

جو حکماء اور فلاسفہ جن کے وجود کے قائل ہیں انکے دو نظریے ہیں ایک نظریہ کا حاصل تو یہ ہے کہ جن اور ملائکہ نہ تو اجسام ہیں اور نہ اجسام میں حلول کئے ہوئے ہیں بلکہ جواہر ہیں اور موجود بالذات ہیں پھر ان کے مختلف انواع واقسام ہیں بعض نیک شریف اور پسندیدہ اخلاق سے متصف ہیں اور بعض جن ان اوصاف سے محروم اس کے برعکس رذیل اور دنی والطبع بداخلاق ہیں جیسے انسانوں میں نیک وبد اور شریف ورذیل کی تقسیم ہے اسی طرح جنوں میں بھی ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ جن اجسام ہیں مگر اجسام لطیفہ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے وہ مختلف شکلوں میں متشکل اور ظاہر ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس وجہ سے جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں اور انکی بھی انسانوں کی طرح خیر وشر کی طرف تقسیم ہے اور بعض اوقات وہ انسانوں کی مجالس میں آتے بھی ہیں۔

جنات اپنی جسمانی لطافت کے باعث فرشتوں کی طرح آسمانوں کی طرف چڑھتے تھے جس کو آنحضرت ﷺ کی بعثت پر ختم کر دیا گیا گویا جن کا وجود حیوان وملائکہ کے درمیان ایک برزخی مقام رکھتا ہے اسی لیے ان میں دونوں قسم کے احوال پائے جاتے ہیں اشکال مختلفہ میں تشکل فہم وفراست شعور حسن وقبح ملائکہ کا وصف ہے جو ان میں پایا جاتا ہے اور مثلاً کھانا پینا حیات اور غصہ ونرمی نیز توالد وتناسل وغیرہ جو حیوانی اوصاف ہیں اور انسان میں پائے جاتے ہیں اور جسم کے خواص میں سے ہیں تو اس نسبت سے یہ اوصاف بشریہ اور احوال حیوانیہ بھی جنات میں ان کے از قبیل اجسام ہونے کے پائے جاتے ہیں اس لحاظ سے حیوان وانسان اور فرشتوں کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہوئی انسانوں کی طرح ان میں بھی حصول اقتدار کی طلب پائی جاتی ہے تو مخلوق جن کا آسمانوں سے غیب کی خبریں لا کر کاہنوں کو پہنچانا یا بتوں کے منہ سے مختلف قسم کی آوازیں سنانا اسی طرح درختوں سے صدائیں دینا جیسا کہ بعض اوقات لوگوں کو سنائی دیتا ہے تو یہ سب کچھ اسی لیے ہوتا ہے کہ انسان جنوں کی عظمت کے سامنے اپنا سر جھکالیں اور ظاہر ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ ہے لیکن جس طرح انسان اپنی تدابیر سے لوگوں پر ایسا اثر قائم کر دیتے ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں نفع ونقصان انکے قبضہ میں ہے اسی طرح بعض جنات بھی اسی طرح کی باتیں کر کے انسانوں کو اپنا مسخر اور تابع کرنا چاہتے ہیں۔

الغرض قرآن کریم اور احادیث سے جنات کا وجود ثابت ہے اور ان کے احوال بیان فرمائے گئے منجملہ انکے احوال کے یہ بھی ایک قصہ ہے جس کا سورۃ جن میں ذکر فرمایا گیا تفصیل کے لیے تفسیر روح المعانی قرطبی اور تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ کی مراجعت فرمائی جائے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں جنات کا قرآن کریم سننا اور اس پر ایمان لانا

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ میں آلام ومصائب اور کفار مکہ کی مخالفت ودشمنی کی ایک طویل مدت گزرنے کے بعد طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ کیا اسی کے ساتھ یہ بات بھی واقع ہوئی تھی کہ ابوطالب کا انتقال ہو چکنے کے باعث اہل مکہ آپ ﷺ کی دشمنی پر اور زائد آمادہ ہو گئے تھے اور آنحضرت ﷺ ابوطالب کے انتقال پر طبعاً افسردہ اور ملول تھے تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ ثقیف کے لوگ شریف الطبع ہوتے ہیں تو بظاہر امید ہے کہ وہ میری بات سنیں گے اور امید ہے کہ ایمان لے آئیں ثقیف کے تین بھائی عبد یالیل حبیب اور مسعود جو طائف کے سردار تھے آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے نہایت ہی بے ہودگی کا برتاؤ کیا حتی کہ قبیلہ کے آوارہ اور شریر لوگوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو شور مچانے اور گالیاں دینے لگے آنحضرت ﷺ نے ان سے بچنے کیلئے ایک باغ میں پناہ لی جو عتبہ اور ربیعہ کا تھا جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ہے آپ ﷺ نے اس حالت میں پروردگار عالم سے اپنی مظلومیت اور بے سروسامانی کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا:

اللهم انی اشکو الیك ضعف قوتی وقلة حیلتی وهوانی علی الناس وانت ارحم الراحمین وانت رب المستضعفین الخ۔

اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنی ضعف قوت اور وسائل واسباب کی کمی کا شکوہ کرتا ہوں اور لوگوں کی نظروں میں اپنی خفت کا اے پروردگار آپ ہی ارحم الراحمین ہیں اور آپ ہی کمزوروں کے پالنے والے ہیں۔

ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو یہ حال دیکھ کر ترس آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عداس کو انگور کا ایک خوشہ پیش کرنے کو کہا جس پر اس غلام نے ایک طبق میں انگوروں کا ایک خوشہ لے جا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھا آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر جب تناول فرمانا شروع کیا تو اس نے حیرت سے دریافت کیا واللہ یہ تو عجیب کلام ہے اور یہاں کے لوگ یہ کلام نہیں پڑھتے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کون ہو کہاں کے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے عداس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا جہاں کے رہنے والے اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام بن متی تھے؟ عداس یہ سن کر کہنے لگا آپ ﷺ کو یونس علیہ السلام بن متی کی کیا خبر، آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں اور اللہ کے رسول ہیں اس لحاظ سے میرے بھائی ہوئے، اس پر عداس آپ ﷺ کے قدموں پر گر پڑا آپ ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھ پاؤں کو چوما اس کے بعد

آنحضرت ﷺ طائف سے مکہ کی طرف لوٹے واپسی میں جب کہ آپ ﷺ مقام نخلہ پر پہنچے اور آخر شب میں تہجد پڑھنے لگے تو یمن کے مقام نصیبین کے جنوں کا یہ قافلہ اس طرف سے گزر رہا تھا تلاوت کلام اللہ کی آواز سنتے ہی یہ سب رک گئے قرآن کریم سنا اسکی حقانیت کو سمجھا اور اس پر ایمان لائے اور اپنی قوم کی طرف واعظ وناصح بن کر لوٹے ● احادیث سے ثابت ہے کہ اس کے بعد جنات کے وفود آپ ﷺ کے پاس آتے رہے اور خود آپ ﷺ بھی جنات کو تبلیغ کیلئے ان کی طرف تشریف لے گئے جس کی تفصیل بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کے قصہ میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ قُلْ

تو کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو ف۱ تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا ف۲ تو کہہ

تو کہہ، میں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو، اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو۔ تو کہہ میرے ہاتھ نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا۔ تو کہہ،

اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ㉒ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ

مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوائے کہیں سرک رہنے کو جگہ ف۳ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے

مجھ کو نہ بچاوے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی، اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں سرک رہنے کو جگہ۔ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے،

وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ㉓ حَتّٰٓى اِذَا

اور اس کے پیغام لانے ف۴ اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو اس کے لیے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ ف۵ یہاں تک کہ جب

اور اس کے پیغام دینے۔ اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو اس کے لئے آگ ہے دوزخ کی، رہا کریں اس میں ہمیشہ۔ یہاں تک کہ جب

رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ㉔ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ

دیکھیں گے جو کچھ ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے ف۶ تو کہہ میں نہیں جانتا کہ

دیکھیں گے جو ان سے وعدہ ہوا، تب جان لیں گے کس کی مدد کمزور ہے، اور گنتی میں تھوڑے۔ تو کہہ، میں نہیں جانتا، کہ

ف۱ یعنی کفار سے کہہ دیجیے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کون سی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔ صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔ تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بے نیاز ہے۔

ف۲ یعنی میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو بھی راہ پر لے آؤں۔ اور نہ آ ؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں سب بھلائی برائی اور سود وزیاں اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔

ف۳ یعنی تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا، اپنا نفع وضرر میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کرسکوں۔

ف۴ یعنی اللہ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا، یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔

ف۵ یعنی تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں۔ لیکن اللہ کی اور میرے نافرمانی کرنے سے نقصان پہنچنا ضروری ہے۔

ف۶ یعنی تم جو جتھے باندھ کر ہم پر ہجوم کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی تھوڑے سے آدمی ہیں وہ بھی کمزور تو جب وعدہ کا وقت آئے گا =

● تفسیر مظہری۔

أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿٢٥﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ

نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کردے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد ف۱ جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی

نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہے، یا کردے اس کو میرا رب ایک مدت کی حد۔ جاننے والے بھید کا، سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی

أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾

کسی کو مگر جو پسند کرلیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار ف۲

کسی کو۔ مگر جو پسند کرلیا کوئی رسول، تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار،

لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾ ع ۱۲

تاکہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے ف۳ اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی ف۴

تا جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے، اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے، اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی۔

حکم اعلان توحید واعلان براءت از شرک وفیصلہ برائے عذاب مجرمین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي ... الی ... كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾

ربط:...... سورۂ جن کا مضمون شروع سے معرفت توحید خداوندی اور کلام الٰہی پر ایمان ویقین سے متعلق تھا اسی کے ضمن میں کلام الٰہی اور ایمان ومعرفت سے متاثر ہونے والے جنات کا اپنی قوم کو اللہ رب العزت کی عبادت وبندگی کی طرف دعوت دینے اور فکر آخرت کی ترغیب اور اس کے ثابت کرنے کے لئے دلائل وشواہد پر مشتمل تھا اس کے بعد اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ آپ ﷺ تمام عالم کے سامنے یہ اعلان کردیں کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کی عبادت کروں

=اس وقت پتہ لگے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں تھوڑے تھے۔

ف۱ یعنی اس کا علم مجھے نہیں دیا گیا کہ وعدہ جلد آنے والا ہے، یا ایک مدت کے بعد۔ کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ف۲ یعنی اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا۔ ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان ومنصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے۔ اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل کرنے نہ پائے۔ اور رسول کا اپنا نفس بھی غلط نہ سمجھے۔ یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو (اپنے علوم واخبار میں) عصمت حاصل ہے، اوروں کو نہیں۔ انبیاء کی معلومات میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسروں کو معلومات میں کئی طرح کے احتمال ہیں۔ اسی لیے محققین صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ولی اپنے کشف کو قرآن وسنت پر عرض کر کے دیکھے اگر ان کے مخالف نہ ہو تو غنیمت سمجھے۔ ورنہ بے تکلف رد کردے۔

(تنبیہ) اس آیت کی نظیر آل عمران میں ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ﴾ اور کئی سورتوں میں علم غیب کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہیں ہم فوائد میں اس پر مفصل کلام کرچکے ہیں۔ فلیراجع۔

ف۳ یعنی یہ زبردست انتظامات اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بلاکم وکاست پہنچادیے ہیں۔

ف۴ یعنی ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر وتبدل یا قطع وبرید کرسکے۔ اور یہ پہرے چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لیے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔ تم سورۃ الجن وللہ الحمد والمنۃ۔

گا اس کی عبادت والوہیت میں میں کسی کو شریک نہیں کرتا کیونکہ شرک ونافرمانی ایک بدترین جرم ہے اور اس جرم کا مرتکب اپنے رب کے عذاب سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا تو ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب ہی کو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا نہ اس کی ذات میں نہ اسکی صفات میں نہ اس کے حقوق میں اور نہ اس کے افعال میں غرض کسی چیز میں بھی کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا کہہ دیجئے بے شک میں مالک نہیں ہوں تمہیں نقصان پہنچانے کا اور نہ ہی مالک ہوں اور اختیار رکھتا ہوں راہ راست پر لانے کا یہ سب کچھ اسی پروردگار وحدہ لاشریک لہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے جس کا یہ ثمرہ بھی ہے کہ اگر میں فرائض رسالت انجام دینے اور اپنے ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی کروں اور اس پر میرا خدا گرفت فرمانے لگے تو مجھے کوئی اسکی گرفت سے نہیں بچا سکتا اس لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی کروں بس میرے اختیار میں تو یہی چیز ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اس لئے کہہ دیجئے کوئی بھی مجھے اللہ سے نہیں بچائے گا اور ہرگز میں نہیں پا سکتا ہوں اس کے سوا کوئی ہٹنے کی جگہ کہ ایک جگہ سے کسی دوسری ہی جگہ منتقل ہو جاؤں بس اس کے سوا میرا کوئی اختیار نہیں کہ یہ پیغام پہنچا دینا ہے، اللہ کی طرف سے اور اس کے یہ احکام ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں اور جن کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں میں اپنی ذمہ داری تو پوری کر چکا اب یہ خوب جان لو کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کے واسطے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور اس عذاب سے انکو کبھی بھی نجات نہ ملے گی یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس وقت وہ جائیں گے کہ کون کمزور ہے اپنے مددگار کے لحاظ سے اور گنتی میں کون کم ہے؟ تو اس وقت ہر ایک کو اپنی قوت ومعاونین اور تعداد کا پتہ چل جائے گا اور دنیا میں وہ دعوی کرنے والے مغرور ومتکبر جو کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو ہماری بڑی طاقت ہوگی اور بڑے مددگار ہوں گے تو وہ سب اپنے آپ کو کمزور اور بے یار ومددگار دیکھتے ہوں گے۔

کہہ دیجئے جب یہ لوگ بڑے ہی غرور وسرکشی کے انداز میں پوچھیں کہ اچھا وہ عذاب کب آئے گا جس کی آپ ﷺ ہمیں دھمکی دے رہے ہیں میں نہیں جانتا کہ قریب ہے وہ عذاب جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے یا میرا پروردگار اس کے واسطے آئندہ کوئی مدت مقرر کرے گا اور جب تک وہ مدت نہیں گزرے گی عذاب نہیں آئے گا رہا یہ امر کہ وہ کتنی مدت ہے اور کون سا وقت ہے؟ سو یہ سب باتیں غیب سے تعلق رکھنے والی ہیں غیب کا جاننے والا تو صرف وہی پروردگار ہے وہ اپنے غیب اور بھید کی کسی کو خبر نہیں دیتا اور اس پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا بجز اس کے کہ جس کو وہ پسند کر لے کسی رسول اور قاصد سے تو جس رسول کو یا فرشتوں میں سے کسی فرشتہ کو پسند کرے گا اسی کو وہ اپنا راز اور بھید بتا دے گا یا اسی کے ذریعے وہ اپنا راز اور بھید بطور وحی اپنے پیغمبر پر نازل فرما دے گا اور جب بھی وہ کوئی وحی اور ملکوت سماوات کی کوئی بات اپنے رسول پر نازل کرتا ہے تو اسکی اس قدر حفاظت ہوتی ہے اور پہرے لگا دیئے جاتے ہیں کہ اس میں کسی کو قطعاً کسی آمیزش کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی جن وانس کو قدرت نہیں رہتی کہ اس کے قریب بھی پر مار سکے تو اس کی یہ شان ہوتی ہے چلاتا ہے اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی ایک زبردست پہرہ تا کہ وحی الٰہی ہر طرح محفوظ رہے اور پھر پیغمبر خدا جب اس وحی الٰہی کو بیان کرے تو اس میں شک

وشبہ کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تا کہ وہ جان لے اور دیکھ لے۔

ان رسولوں یعنی خدا کے قاصدوں یا پیغمبروں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور پیغامات خداوندی میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور کمی وزیادتی نہیں ہوئی اور ہر چیز اسی کی نگرانی میں ہے کسی کی طاقت نہیں وہ ان چوکیوں اور پہروں کو توڑ سکے۔

اور اللہ ہی نے احاطہ کر رکھا ہے ان تمام چیزوں کا جو انکے پاس ہے اور شمار کرلیا ہے ہر ایک چیز کو گنتی کر کے اس طرح کہ کوئی علم اور کوئی چیز اللہ رب العزت کے احاطہ علمی سے باہر نہیں ہے بس وہی عالم الغیب ہے اور غیب کے خزانے بس اسی کے پاس میں جیسے ارشاد فرمادیا ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ کہ خدا ہی کے پاس غیب کے خزانے ہیں اور کنجیاں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

الغرض غیب جاننے والا صرف اللہ ہے اور عالم غیب کی جب کوئی چیز اپنے کسی پیغمبر کو بتاتا ہے اور اس کی وحی کسی فرشتے کے ذریعہ سے بھیجتا ہے تو اسکی حفاظت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پہرہ اور چوکیاں قائم ہوتی ہیں اور حفاظتی دستے اس وحی الہی اور پیغام خداوندی کے ساتھ پوری پوری حفاظت کرتے ہوئے ہوتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی تا کہ جس پیغمبر کو اطلاع دی جارہی ہو بس وہ اسی تک پہنچے۔

تمام امت کا اجماعی فیصلہ کہ عالم الغیب صرف اللہ رب العزت ہی ہے

توحید خداوندی ایمان کی اساس ہے اور توحید جس طرح ذات کے لحاظ سے ہے اسی طرح توحید صفات بھی ائمہ متکلمین نے جہاں شرک کے اقسام کی تحقیق وتفصیل فرمائی ہے اس میں شرک ذات کے علاوہ شرک فی الصفات شرک فی الافعال اور شرک فی الحقوق کو بھی صریح شرک قرار دیا ہے اور واضح طور پر بیان کردیا کہ جس طرح کوئی شخص ذات خداوندی کے ساتھ کسی اور کو شریک مان کر خدا کے ساتھ کسی اور معبود کا قائل ہو تو وہ مشرک ہے اور خارج عن الملۃ ہے اسی طرح اللہ رب العزت کی صفات اس کے افعال اور حقوق میں بھی غیر کو شریک ماننے سے شرک کا مرتکب سمجھا جائے گا مثلاً رازقیت، خالقیت صفات خداوندی میں سے اسکی صفات ہیں تو اگر غیر اللہ کو رازق وخالق سمجھا تو مشرک ہوگا اسی طرح عالم غیب ہونا بھی اللہ رب العزت کی صفت ہے تو اس صفت کو بھی غیر اللہ کیلئے ثابت کرنا شرک ہوگا۔

قرآن کریم کی متعدد آیات واضح طور پر اس امر کو بیان کررہی ہیں کہ لا یعلم الغیب الا اللہ سورۂ انعام کی تفسیر میں بھی تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کردی گئی کہ علم غیب خدا کی صفت ہے اور خدا تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں یکتا ہے وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے، امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ کا یہی مفہوم ہے۔

بالخصوص اس آیت میں اس امر کو نہایت ہی وضاحت سے ظاہر کردیا گیا ہے کہ خدا کے پیغمبر نے جن احوال کی خبر دی اور بظاہر ان سے یہ گمان کیا گیا کہ یہ غیب کی خبر ہے حقیقت میں وہ غیب کا علم نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیغمبر کو مطلع کیا گیا ہے اور اس پر یہ ظاہر کیا گیا اسی چیز کو ان کلمات میں بیان فرمایا جارہا ہے ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ

ارْتَضٰى﴾ یعنی یہ اظہار و اخبار ہر ایک کو نہیں ہوتا بلکہ جس کو اللہ پسند کرے اس پر ہوتا ہے خواہ اس نوعیت سے کہ وہ فرشتہ ہے اور اس کے ذریعے یہ وحی اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول پر اتارنی ہے یا وہ رسول ہی ہے جس کو بتایا جائے گا تو اس کو کسی طرح بھی غیب کا علم نہیں کہا جاسکتا یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے ہم نے ان باتوں کو پیغمبر خدا کے ذریعہ سے معلوم کرلیا کہ آخرت میں یہ ہوگا اس طرح جنت ہے اس طرح جہنم ہے اس طرح قیامت آئے گی دجال ظاہر ہوگا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے تو یہ امور پیغمبر خدا کے بتانے کی وجہ سے ہم جانتے ہیں اور ان چیزوں کو جان کر ہم علم غیب رکھنے والے نہیں ہو گئے تو اسی طرح ان باتوں کو انبیاء علیہم السلام اللہ رب العزت کے بتانے اور ظاہر کرنے سے جانتے تھے تو یا ایسی ہی جو چیزیں بھی غیب کی اللہ کے پیغمبر نے وحی الٰہی سے معلوم کر کے بتائیں تو وہ علم غیب نہیں بلکہ خدا نے اپنے پیغمبر پر ان کا اظہار کیا ان باتوں کی خبر دی ہے تو علم غیب تو اللہ ہی کو ہے اور اس میں سے جو چاہا اپنے پیغمبر کو بتادیا یہ اظہار غیب اور اخبار غیب ہوا الغرض اس آیت کو دور کا بھی کوئی واسطہ پیغمبر خدا ﷺ کے لیے غیب کا علم ہونے سے نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اگر بالفرض ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ کا استثناء اس امر پر دلالت کرتا ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ عالم الغیب اللہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا مگر جس رسول کو اللہ چاہے وہ عالم الغیب ہوجاتا ہے تو پھر اس فرمانے کا مطلب کیا ہوگا ﴿قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ﴾ کہہ دیجئے میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا ابھی اس کی مدت باقی ہے تو ایسے مفروضہ رکھنے والے سے (یعنی جو یہ دعویٰ کرنے والے سے ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى﴾ کے استثناء سے وہ رسول مراد ہے جو علم غیب رکھتا ہوگا) پوچھا جائے گا کہ جب وہ رسول مستثنیٰ بھی اس استثناء کے باعث صاحب علم غیب ہوگیا اور اس وجہ سے اس کو ما کان و مایکون کا علم حاصل ہوگیا تو پھر اس کا یہ اعلان کیونکر درست ہوا کہ میں نہیں جانتا الخ جس پیغمبر کو اس اعلان کا مامور فرمایا جارہا ہو کہ وہ یہ کہہ دے میں نہیں جانتا۔

اسی کو ان الفاظ کی ناقابل تصور اور بعید از قیاس تاویلات کر کے عالم الغیب ثابت کرنا مضحکہ خیز بات ہے پھر جب کہ قرآن و حدیث کی سینکڑوں نصوص اور واقعات بڑی صراحت سے یہ ثابت کررہے ہوں کہ خدا کے پیغمبر غیب کا علم رکھنے والے نہیں ہوتے بلکہ جس چیز کی انکو وحی کردی گئی وہ انہوں نے بتائی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو علم غیب نہیں کہا جاتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت سے آں حضرت ﷺ کے واسطے غیب کا علم مانا جائے۔

علم غیب کا مفہوم اور اس کی تفصیلات سورۃ انعام میں گزرچکیں حضرات قارئین مراجعت فرمائیں اور یہ تفصیل بھی گزرچکی کہ علم غیب کمالات الوہیت میں سے ہے نہ کہ کمالات نبوت سے اس لیے پیغمبر سے علم غیب کی نفی پیغمبر کی کوئی تنقیص نہیں بلکہ علم غیب ثابت کرنے سے بہت سے کمالات عبدیت و بندگی ختم ہوجاتے ہیں اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ کا وہ پیغمبر جس کی سب سے بڑی عظمت و بلندی یعنی واقعہ معراج کو بیان کرتے ہوئے عبدیت بیان کی گئی جیسے ارشاد ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ وہ عبدیت ہی کے کمالات سے محروم ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الجن والحمد للہ علی ذالك۔

سورۃ المزمل

اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور سے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا وہ عظیم پہلو بیان کیا جارہا ہے جسکو قرآن کریم کی اصطلاح میں انابت الی اللہ تبتل اور انقطاع عن الخلق کی تعبیر سے ادا کیا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طاعت و بندگی میں انسان کا ہر راحت و آرام اور طبعی تقاضوں کو قربان کر دینا اسکی یاد میں راتوں کو جاگنا تلاوت کلام اللہ کی لذت میں ایسا لطف اندوز ہونا کہ ہر جسمانی راحت سے بے نیاز ہو جائے یقیناً تعلق مع اللہ کا بلند ترین مقام ہے۔

اسی وجہ سے سورۃ کی ابتداء ہی ایک ایسی لطیف اور لذیذ نداء الٰہی پر مشتمل ہے جو اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی اور لطف و کرم اور محبت و عنایت کی پوری پوری ترجمانی کر رہی ہے اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ مزمل متعین فرمایا گیا جس کے ضمن میں قیام اللیل کی عظمت اور تاثیر و برکت بھی فرمادی گئی ساتھ ہی وحی الٰہی کی عظمت کا بھی بیان ہے اور یہ کہ اگر مشرکین مکہ اللہ کی وحی پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ اس کا غم نہ کریں انکی طرف سے جو رنج یا تکلیف پہنچے اس پر آپ ﷺ صبر کریں ایسے منکرین و مکذبین کو خدا کی قدرت بتادے گی کہ کامیابی اور غلبہ کن کو حاصل ہوتا ہے اور مجرمین عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

۷۳ سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ ۳ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتہا ۲۰ رکوعاتہا ۲

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

اے کپڑے میں لپٹنے والے ف۱ کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات ف۲ آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا یا زیادہ کر اس پر ف۳

اے جھرمٹ مارنے والے! کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات، آدھی رات یا اس سے کم کر تھوڑا سا، یا زیادہ کر اس پر،

ف۱ یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور ثقل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے فرمایا۔ " زملونی زملونی "(مجھے کپڑا اڑھاؤ کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھادیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی نام لے کر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے " دارالندوہ" میں جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے کسی نے " کاہن" کہا کسی نے " جادوگر" کسی نے " مجنون" مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ اخیر میں " ساحر" کی طرف رجحان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کرلیتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے تانیس و ملاطفت کے لیے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ " قم اباتراب" فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں" کہ اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں۔" گویا یہ سورت اس شخص کی سورت ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں " مزمل " اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لیے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے تاکہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزاریں۔

ف۲ یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک " الا قلیلا" کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کرو، تو مضائقہ نہیں۔ غالباً تھوڑے سے مراد یہاں نصف ہوگا کیونکہ رات جو آرام کے لیے تھی جب آدھی عبادت میں گزار دی تو اس کے اعتبار سے باقی نصف کو " تھوڑا" ہی کہنا موزوں تھا۔ .... = ف

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ

اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف ف۱ ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار ف۲ البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے

اور کھول کھول پڑھ قرآن کو صاف۔ ہم آگے ڈالیں گے تجھ پر ایک بھاری بات۔ البتہ اٹھان رات کا سخت روندتا ہے،

وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ

اور سیدھی نکلتی ہے بات ف۳ البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا ف۴ اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اس کی طرف

اور سیدھی نکلتی ہے بات۔ البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا۔ اور پڑھ نام اپنے رب کا، اور چھوٹ جا اس کی طرف

تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا

سب سے الگ ہو کر ف۵ مالک مشرق و مغرب کا ف۶ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ لے اس کو کام بنانے والا ف۷ اور سہتا رہ جو

سب سے الگ ہو کر۔ مالک مشرق اور مغرب کا، اس بن کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ اس کو کام سونپا۔ اور سہتا رہ جو

=ف۳ یعنی آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہنچ سکتی ہے یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔ بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾

ف۱ یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آئے۔ اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے اور ذوق و شوق بڑھتا ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی ریاضت کر تو بھاری بوجھ آسان ہو" اور وہ بوجھ ایسا ہے کہ جس کے سامنے شب بیداری کو سہل سمجھنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کریں گے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات و لوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فخذ مبارک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔

ف۳ یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شور و غل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔

ف۴ یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں۔ تاہم بلا واسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لیے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔ اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پروا نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

ف۵ یعنی علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو بظاہر مخلوق سے معاملات و علائق رکھنے پڑتے ہیں) لیکن دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھیے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں مشغول رہیے غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لیے ادھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں "بے ہمہ و با ہمہ" یا "خلوت در انجمن" سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف۶ مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے گویا اشارہ کر دیا کہ دن اور رات دونوں کو اسی مالک مشرق و مغرب کی یاد اور رضا جوئی میں لگانا چاہیے۔ =

يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ

کچھ کہتے رہیں ف۱ اور چھوڑ دے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا ف۲ اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دے ان کو

کہتے رہیں، اور چھوڑ ان کو بھلی طرح چھوڑنا۔ اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں رہے ہیں، اور ڈھیل دے ان کو

قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬ يَوْمَ تَرْجُفُ

تھوڑی سی ف۳ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک ف۴ جس دن کہ کانپے گی

تھوڑی سی۔ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں، اور آگ کا ڈھیر، اور کھانا گلے میں اٹکتا، اور دکھ کی مار۔ جس دن کانپے

الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭

زمین اور پہاڑ اور ہوجائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ف۵

زمین اور پہاڑ، اور ہوجائیں پہاڑ ریت پھسلتی۔

حکم قیام اللیل وتاکید ترتیل وتحسین در تلاوت کلام اللہ تعالیٰ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ... الی... كَثِيْبًا مَّهِيْلًا﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں جنوں کا قصہ ذکر فرمایا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم کو سن کر کیسے اس پر فریفتہ اور گرویدہ ہوئے اور اس پر ایمان لائے اور ایمان وہدایت کا رنگ ان پر اس قدر غالب آیا کہ اپنی قوم کے واسطے داعی اور ہادی وناصح بن کر لوٹے اب اس سورت میں جو کہ ابتداء نبوت کے زمانہ میں نازل ہوئی اس میں مشرکین مکہ کی بے رخی اور آپ ﷺ کی شان میں توہین و گستاخی کا ذکر کر کے آپ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اور انکی ایذاؤں وزیادتیوں پر صبر کی تلقین کی جارہی ہے۔

مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مختلف القاب سے یاد کر کے تمسخر ومذاق کرتے کوئی آپ ﷺ کو کاہن کہتا، کوئی ساحر وجادوگر تو اس کے بالمقابل اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو ایسے پیارے لقب سے پکارا کہ اسکی حلاوت نے ان تمام کلفتوں اور ذہنی کوفت کا ازالہ کرڈالا جو مشرکین کے بے ہودہ اور طعن وطنز آمیز عنوانات سے قلب پر واقع ہوئی تھی اور جیسے

=ف۷ یعنی بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہیے۔ جب وہ وکیل وکارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پروا ہے۔

ف۱ یعنی کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، کاہن اور مجنون ومسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر واستقلال سے سہتے رہیے۔

ف۲ بھلی طرح کا چھوڑنا یہ کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کرو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو، نہ انتقام لینے کے درپے ہو، نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں قصور نہ کیجیے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت وراہنمائی میں سعی کرتے رہیے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں، سلوک سے" مگر یاد رہے کہ یہ آیت مکی اور آیات قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔

ف۳ یعنی حق وصداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش وآرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ میرے سپرد کیجیے میں خود ان سے نبٹ لوں گا، مگر تھوڑی سی ڈھیل ہے۔

ف۴ عذاب دردناک سانپوں اور بچھوؤں کا اور خدا جانے کس کس قسم کا (العیاذ باللہ)

ف۵ یعنی اس عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہوجائیں گی اور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ایسے ہوجائیں گے جیسے ریت کے تودے جن پر قدم جم نہ سکے۔

بحالت رنج وغم کپڑوں میں لپٹ کر کوئی لیٹا ہو آپ ﷺ بھی مشرکین کی ان بے ہودہ باتوں پر کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو نہایت ہی انداز ملاطفت میں اس عنوان سے پکارا ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ کہ اے چادر میں لپٹنے والے جس طرح کہ حضرت علی ﷺ ایک مرتبہ گھر سے کسی بات پر، رنجیدہ ہو کر باہر چلے گئے اور مسجد کے صحن میں زمین پر لیٹ گئے آنحضرت ﷺ نے معلوم کرایا کہ علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں معلوم ہونے پر آپ ﷺ قریب تشریف لائے اور شانہ پر دیکھا کہ مٹی لگی ہوئی ہے اس کو اپنے دست مبارک سے صاف کرتے ہوئے یہ فرماتے جارہے تھے۔قم یا اباتراب۔قم یا اباتراب۔اے ابوتراب یعنی مٹی میں لتھڑے ہوئے اٹھ جا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پیار و ملاطفت کو زندگی بھر یاد کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے خدا کی قسم اس لقب سے مجھ کو پکارا جانا جس قدر محبوب ہے اتنا کسی بھی نام سے مجھ کو پکارا جانا محبوب نہیں تو اسی طرح ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ کا عنوان اللہ رب العزت کی طرف سے اس حال میں جبکہ آپ ﷺ رنج وغم کے عالم میں کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے، بارگاہ خداوندی سے ملاطفت ومحبت کا پیکر اعظم ہے تو فرمایا۔

اے چادر میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو تہجد وعبادت خداوندی میں مصروف رہتے ہوئے ① مگر کسی رات کہ اتفاقا یا کسی عذر سے نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں آدھی رات قیام کریں یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ زائد کر دیں جیسا بھی طبیعت کے نشاط اور ہمت کے لحاظ سے کر سکیں اور آہستگی وحسن صوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کریں قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اسکی عظمت وادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھیں۔

بے شک ہم آپ ﷺ پر ڈال رہے ہیں بہت ہی وزن والا قول یعنی وحی الٰہی جس کی عظمت وہیبت کا قوائے بشریہ تحمل نہیں کر سکتے یہ تو اللہ کے پیغمبر کو خدا کی طرف سے عطا کردہ قوت حاصل ہوتی ہے وہ اس کا تحمل کر لیتا ② ہے بے شک رات کی بیداری بہت ہی سخت ہے نفس کو روندنے کے لحاظ سے اور بہت ہی درست ہے بات کہنے کے لحاظ سے ③ کہ رات کی

① اس ترجمہ میں یہ اشارہ ہے کہ ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ استثناء باعتبار عدد لیل ہے یعنی ہر رات کے لیے یہ حکم ہے لیکن اگر کسی رات قیام اللیل نہ ہو سکے کسی عذر وبیماری کے باعث تو کوئی حرج نہیں بعض مفسرین کی رائے میں ﴿قَلِيلًا﴾ کا استثناء باعتبار اوقات وزمان اللیل ہے جس کا بیان اور تفسیر بعد میں اس طرح کی گئی ﴿نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ﴾۔

② حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اپنی قدر ومنزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات ولوازم کے اعتبار سے بہت ہی بھاری اور گرانبار ہے احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ ﷺ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حارث بن ہشام رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا فرماتی تھیں کہ نزول وحی کے وقت شدید سردی میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اور اگر آپ ﷺ کسی سواری پر ہوتے تو سواری برداشت نہ کر سکتی ایک مرتبہ آپ کی فخذ مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھی ہوئی تھی اس حالت میں وحی نازل ہونے لگی تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ ڈرے کہ کہیں ران بوجھ سے چورا چورا نہ ہو جائے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

③ بالعموم اہل عرب ناشئۃ اللیل رات کی ساعتوں اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والی گھڑیوں کو کہتے ہیں ناشئۃ اور ناشئی وضع لغت کی رو سے تو پیدا ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے محاورات عرب میں کہتے ہیں نشات نشاۃ اسی سے انشاء بمعنی پیدا کرنا ہے ابوعبید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ناشئۃ اللیل، رات میں رونما اور پیدا ہونے والی چیز کو کہیں گے تو انسان کا نفس بھی سونے کے بعد بیدار ہوا تو گویا کہ وہ دوبارہ پیدا ہوا ہے اس نسبت سے ناشئۃ اللیل قیام اللیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے ابن الاعرابی رحمہ اللہ کہتے ہیں اول شب سونے کے بعد بیدار ہونے کو ناشئۃ اللیل کہا جائے گا شب میں بیدار ہونے کے بعد روح پر غیبی انوار وارد ہوتے ہیں۔ .... =

بیداری نفس کو چونکہ نہایت شاق ہے اس لحاظ سے وہ نفس کو روندنا اور کچلنا ہوا اور یہ وقت چونکہ رات کی تاریکی اور خلوت کا ہے اس لحاظ سے جو بات بھی زبان سے نکلے گی وہ ذکر و تسبیح ہو یا دعا و استغفار، اخلاص اور اللہ رب العزت کی طرف خاص توجہ اور رجوع کی کیفیت سے ہی ہوگی پھر یہ وقت اللہ رب العزت کے آسمان دنیا پر نزول کا اور اپنے بندوں کی طرف خاص عنایت و رحمت کے ساتھ توجہ کا ہوتا ہے تو روحانی برکات سے اور زائد اسکی زبان اور اس کے قول میں درستگی اور اثر پیدا ہوگا۔

بے شک آپ کے واسطے دن میں تو بڑی ہی طویل مشغولی ہے تعلیم و تبلیغ دین احکام الٰہی کے بتانے کی اور انکے مطابق عمل کی تلقین و تربیت پھر کسی فرد یا جماعت کیلئے نہیں بلکہ پوری امت اور جملہ عالم کے اس نظام کو بتانے اور چلانے کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اور اس کا انجام دینا کوئی معمولی بات نہیں بلاشبہ یہ بہت بڑی مصروفیت ہے اور ان مصروفیات کی تکمیل کے ساتھ جو کہ اصل مقصد رسالت اور فرائض نبوت ہیں اپنے رب کے ساتھ تنہائی میں مناجات عبادت و دعا بس رات کے ان ہی حصوں میں ہوسکتی ہے کہ خلوت و یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرلیں اور اس طرح تہجد کے ذریعہ ریاضت اور صفاء باطن کے اعلیٰ مدارج و مراتب طے فرماتے رہیں اور یاد کیجئے اپنے رب کا نام اور تسبیح و تحمید کی صورت میں اسی کا ذکر کرتے رہئے اور تمام شواغل و علائق سے منقطع ہوکر بس اسی کی طرف متوجہ ہوجائیے۔

دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہوجانے سے انسان کو ذرہ برابر بھی یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ میں اس مادی دنیا میں پھر اپنی زندگی کیونکر بسر کروں گا وہ تو مشرق و مغرب اور کائنات کے ہر ہر گوشہ کا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بس اسی کو اپنا کارساز بنا لیجئے جو ہر مخلوق کو عالم میں پالتا ہے یقیناً وہ اپنے اس بندے کے سارے کام بھی سوار دے گا بالخصوص جو بندہ دنیا سے کٹ کر اپنے رب کی طرف رخ کر چکا ہے دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا نفس کے لیے بڑا ہی دشوار کام ہے اور اس میں بڑی رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آئی ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ کو بعثت کے بعد پیش آئیں مشرکین مکہ بڑی دل آزار حرکتیں اور باتیں کرنے لگے تو فرمان خداوندی نے ہمت دلائی کہ اور صبر کیجئے ان باتوں پر جو وہ

= "وطاء"۔ واؤ کے فتح کے ساتھ بمعنی روندنا تو اس معنی وضعتی کے لحاظ سے یہ ترجمہ کیا گیا کہ "بہت ہی زیادہ سخت ہے نفس کو روندنے کے لحاظ سے"۔ محاورات میں بولا جاتا ہے، اشتدت علی القوم وطاء السلطان، یعنی قوم پر بادشاہ کی گرفت اور تعدی بہت شدید ہوگئی ہے اس معنی کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کی ایک دعا میں یہ لفظ وارد ہوا۔ اللھم اشدد وطاتك علی مضر۔ یعنی اے اللہ تو اپنی گرفت قوم مضر پر سخت کردے تو جب انسان رات کی وہ نیند جو سب سے زیادہ مرغوب چیز ہوتی ہے قربان کرے گا تو لامحالہ نفس کو شاق ہوگا اور نفس اس طرح روندا جائے گا اس وصف کی عظمت و خوبی کا اندازہ فرمان خداوندی ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ سے بخوبی ہو رہا ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ وطاۃ کے معنی مواطاۃ یعنی موافقت بیان کرتے ہیں اور ﴿اَشَدُّ وَطْاً﴾ کے معنی کرتے ہیں، اشد مواطاۃ اللسان بالقلب کہ رات کی بیداری زیادہ سے زیادہ قلب کے ساتھ زبان کی مطابقت کا وقت ہے اخیر شب کی بیداری اور تہجد کے فضائل کتب احادیث میں کثرت سے ذکر فرمائے گئے ہیں سب سے بڑھ کر یہ نعمت اور شرف کہ تہائی رات باقی رہنے پر اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول فرما کر اپنے بندوں کو پکاریں کہ ہے کوئی گناہوں سے معافی مانگنے والے کہ میں اس کو معاف کروں ہے کوئی رزق کا طالب کہ میں اس کو رزق دوں ہے کوئی عافیت مانگنے والا کہ اسے عافیت دوں۔

حضرات عارفین فرماتے ہیں تہجد گزار کے چہرے پر عجیب قسم کا نور نمایاں ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا اس کی قبر میں کبھی اندھیرا نہ ہوگا اسکی مشکلات آسان ہونگی اور اس کو دنیا کی ہر ایک ظلمت سے نجات ملے گی خواہ وہ ظلمت مصائب و آفات کی ہو یا افکار و فتن کی ہو واللہ اعلم۔ ۱۲ (تفسیر ابن کثیر جلد رابع، تفسیر روح البیان، تفسیر روح المعانی، تفسیر فتح المنان)

کہتے ہیں اور چھوڑ دیجئے انکو مناسب طریقہ سے نہ دل میں کینہ رکھئے اور نہ ہی غیظ وغضب ہو اور نہ ہی رنج وفکر بلکہ بڑی ہی خوبی اور حوصلہ کے ساتھ ان سے صرف نظر کر لیجئے اور جھٹلانے والے مالداروں کو میں ایسے تکذیب وتردید کرنے والے متکبر مالداروں سے خود نمٹ لوں گا اور مہلت دیں انکو کچھ تھوڑی سی حق وصداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش وآرام کی زندگی گذار رہے ہیں انکی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی یہ لوگ خدا کی گرفت اور عذاب سے نہ دنیا میں بچ سکیں گے، نہ آخرت میں بے شک ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں اور دہکتی ہوئی آگ ہے اور ایسا کھانا ہے جو حلق میں پھنس جانے والا ہو اور بھی اس کے علاوہ دردناک عذاب، سانپ اور بچھو جن کے زہر سے پتھر بھی چورا چورا ہو جائے جس کی ابتداء اس دن سے ہو جائے گی جب کہ زمین کانپنے لگے گی اور پہاڑ بھی جن کی جڑیں زلزلہ سے کانپ کر ڈھیلی ہو جائیں گی اور زمین پر گر کر وہ پہاڑ ہو جائیں گے ریت کے تودے جن پر قدم نہ جمتے ہوں گے۔

بلاشبہ اس وقت کے شدید عذاب کو کسی کی طاقت اس کا قبیلہ اور مال و دولت نہیں ٹال سکے گی تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ انکی بے ہودہ باتوں پر صبر کریں اور انتظار کریں اس عذاب وذلت کا بھی جو دنیا میں کافروں کے واسطے طے ہے اور آخرت کے اس عذاب کا بھی جس کی شدت اس طرح ہوگی کہ زمین اور پہاڑ بھی لرز جائیں گے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ⑮

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا ف۱ جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول ف۲

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول، بتانے والا تمہارا، جیسے بھیجا فرعون پاس رسول،

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ⑯ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا

پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو وبال کی پکڑ ف۳ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اس دن سے

پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو پکڑ وبال کی۔ پھر کیوں کر بچو گے اگر منکر ہو گئے اس دن سے

يَجْعَلُ الْوِلْدَٰنَ شِيبًا ⑰ السَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ⑱ إِنَّ هَٰذِهِۦ

جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا ف۴ آسمان پھٹ جائے گا اس دن میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے ف۵ یہ تو نصیحت ہے

جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا۔ آسمان پھٹنا ہے اس میں۔ ہے اس کا وعدہ ہونا۔ یہ تو سمجھوتی ہے۔

ف۱ یعنی یہ پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دے گا کہ کس نے اس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔

ف۲ یعنی حضرت موسیٰ کی طرح تم کو مستقل دین اور عظیم الشان کتاب دے کر بھیجا۔ شاید یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو تورات سفر استثناء میں ہے کہ "میں ان کے لیے ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔"

ف۳ جب موسیٰ علیہ السلام کے منکر کو ایسا سخت پکڑا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کو کیوں نہ پکڑے گا۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور برتر ہیں۔

ف۴ یعنی دنیا میں اگر بچ گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی۔ خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں لیکن اس روز کی سختی اور لمبائی کا اقتضاء یہی ہوگا۔

ف۵ یعنی اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ خواہ تم اس کو کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔

تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۱۹﴾

پھر جو کوئی چاہے بنا لے اپنے رب کی طرف راہ ف۱

پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کی طرف راہ۔

اتمام حجت خداوندی بر منکرین وکفار بہ بعثت سید الابرار خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ

قَالَ تَعَالٰى: ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا ... الى ... اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا﴾

ربط: ... ابتداء سورت میں حضور اکرم ﷺ کو قیام اللیل کے امر کے ساتھ خدا کے ذکر کی تاکید فرمائی گئی تھی اور یہ کہ منکرین ومشرکین کی ایذاء رسانی پر صبر کریں اور رب العالمین کی مدد کا انتظار فرمائیں اور اس امر کا کہ خدا کا عذاب مجرمین پر دنیا اور آخرت میں آکر رہے گا اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کا ذکر فرما کر کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کو کفار مکہ بالکل ایسا ہی سمجھ لیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو اس تاریخی حقیقت سے کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہئے تو ارشاد فرمایا۔

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیج دیا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف اپنا رسول بھیجا تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک مستقل شریعت اور کتاب لیکر مبعوث ہوئے اور اسی کے ساتھ وہ اپنے وقت سے نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت بھی سناتے رہے پھر فرعون نے رسول خدا کی نافرمانی کی تو ہم نے پکڑ لیا اس کو بڑی ہی ذلت کی پکڑ کے ساتھ اور وہ باوجود اپنے لشکر، طاقت وقوت اور مال ودولت کے بھی دریا کی موجوں میں ایسی ذلت کے ساتھ غرق کر دیا گیا کہ تاریخ عالم میں اس سے زیادہ ذلت وبے بسی کی ہلاکت تصور نہیں کی جا سکتی تو جب فرعون جیسا طاقت ور رسول خدا کی نافرمانی پر ہلاک کر دیا تو بتاؤ تم کیسے بچ سکو گے اگر تو کفر کرتے رہے اس دن کے عذاب سے کہ اس کی شدت بچوں کو بوڑھا بنا دے گی اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اس دن کی شدت سے بے شک اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے خواہ تم اس کو اپنی شقاوت وبدبختی سے کتنا ہی بعید سمجھو۔

بے شک یہ ایک نعمت ہے جو تمہیں تاریخی حقیقت اور عبرت ناک انجام کے ساتھ کر دی گئی ہے اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے انسان کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اس کو نصیحت کر دی جائے نفع ونقصان سے آگاہ کر دیا جائے اب اس کے بعد وہ اپنی رائے اور سمجھ سے جس راہ کو چاہے اختیار کر لے اگر اس نے اللہ کا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ کے فضل وکرم سے نجات وفلاح پائے گا اور اگر دیدہ ودانستہ ہدایت اور حق سے انحراف ونافرمانی کرے تو سزا اور عذاب کا عقلاً مستحق ہوگا اور اللہ رب العزت اسکی نافرمانی پر جو بھی سزا دے وہ اس کا عدل وانصاف ہی ہوگا اس پر اعتراض عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔

ف۱ یعنی نصیحت کر دی گئی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیحت پر عمل کر کے اپنے رب سے مل جائے۔ راستہ کھلا پڑا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ خدا کا کچھ فائدہ ہے۔ تم سو دفعہ اپنا فائدہ سمجھو تو سیدھے چلے آؤ۔

(تنبیہ) رات کے جاگنے کا حکم جو شروع سورت میں تھا تقریباً ایک سال تک رہا۔ پھر اگلی آیت سے منسوخ ہوا۔

یہ سورۃ مبارکہ مکہ زندگی کی ابتداء میں نازل ہوئی تھی جب کہ عالم اسباب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ داعی اسلام پیغمبر ﷺ اور انکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بے سروسامانی اور تکالیف و پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ایسا اعلان کیا جاسکتا ہے کہ خدا اپنے رسول کو غالب فرمائے گا اور منکرین کو اسی طرح ہلاک و ذلیل کرے گا جس طرح کہ فرعون اور اسکی جماعت کو کیا گیا مگر تاریخ اسلام نے اللہ رب العزت کے اس فرمان وبشارت کی تصدیق وتکمیل کردی کہ وہی منکرین بدر میں ذلیل ہوئے حضور ﷺ کو فتح مکہ نصیب ہوئی اور تمام سرداران قریش آنحضرت ﷺ کے سامنے سر جھکائے ندامت اور شرمساری کے ساتھ کھڑے معافی مانگ رہے تھے قوم قریش کی یہ ذلت و پشیمانی اور مغلوبی فرعون اور اسکی جماعت کے دریا میں غرق ہونے سے کم نہ تھی۔

﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ سے متعلق فائدہ

روز قیامت کی شدت وہیبت یہاں پہلے اس عنوان سے ذکر فرمائی گئی ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ کہ زمین لرزنے لگے گی اور پہاڑ کی بلند چٹانیں ریزہ ریزہ ہوکر زمین کی سطح پر آگریں گی اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہوجائیں گے اس کے بعد دوسری تعبیر روز قیامت کی شدت کی اس طرح فرمائی گئی، ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ کہ وہ دن اپنے طول یا ہیبت وشدت کے باعث بچوں کو بوڑھا بنادے گا۔

بعض ائمہ مفسرین اس کا منشاء اس دن کا طول بیان کرتے ہیں اس بناء پر حق تعالیٰ نے اس دن کی مقدار "کالف سنۃ" ایک ہزار برس کے برابر فرمائی ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ دن قیامت کا ہوگا اور یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب کہ اللہ رب العزت میدان حشر میں آدم علیہ السلام کو فرمائے گا کہ اے آدم علیہ السلام اپنی ذریت میں سے جہنم کا ایندھن نکال لو یعنی یعنی جو جہنم میں ڈالے جائیں گے تو آدم پوچھیں گے کتنے عدد میں کتنے جہنم کے لیے نکالوں تو فرمایا جائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے تو یہ سن کر سب اہل محشر گھبرا جائیں گے کہ ایک ہزار کی تعداد سے صرف ایک آدمی نجات پائے گا باقی جہنم کا ایندھن ہونگے۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی جب یہ گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا "اے مسلمانو! تمہیں بشارت ہو کہ ہزار میں کا ایک تم میں سے ہوگا اور باقی یاجوج ماجوج سے پورے کردیئے جائیں گے"۔ اور دیگر امتوں کے کفار سے جس کا نتیجہ الحمد للہ یہ ہوگا کہ امت محمدیہ حق تعالیٰ کے فضل سے سب کی سب ہی کسی نہ کسی طرح نجات پالے گی اور جہنم کا ایندھن یاجوج وماجوج و دیگر ملتوں کے کفار سے پورا کردیا جائے گا اور اگر دیکھا جائے تو کل انسانوں کی تعداد کے لحاظ سے امت محمدیہ کا عدد شاید اتنا ہی نکلے یعنی ایک فی ہزار تو اس اعتبار سے حضور اکرم ﷺ کی یہ وضاحت ایک عظیم بشارت ہوگئی۔

فللہ الحمد حمدا کثیرا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ

تیرا رب جانتا ہے تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات اور کتنے لوگ

مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا

تیرے ساتھ کے ف۱ اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے سو تم پر معافی بھیج دی اب پڑھو جتنا

تیرے ساتھ کے۔ اور اللہ ناپتا ہے رات کو اور دن کو۔ اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے، پھر تم پر معافی بھیجی، سو پڑھو جتنا

تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي

تم کو آسان ہو قرآن سے جانا کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے لوگ پھریں گے

آسان ہو قرآن۔ جانا کہ آگے ہوں گے تم میں کتنے بیمار، اور کتنے اور پھرتے

الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا مَا

ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں سو پڑھ لیا کرو جتنا

ملک میں ڈھونڈتے اللہ کا فضل، اور کتنے اور لڑتے اللہ کی راہ میں، سو پڑھو جتنا

تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا

آسان ہو اس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ ف۲ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا ف۳ اور جو

آسان اس میں سے، اور کھڑی رکھو نماز، اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا۔ اور جو

ف۱ یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گزاری۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں راتوں کو کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے۔ بلکہ بعض تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔

ف۲ یعنی رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو اس نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی، تہائی، اور دو تہائی رات کی پوری طرح حفاظت کرنا خصوصاً جبکہ گھڑی گھنٹوں کا سامان نہ ہو، سہل کام نہیں تھا، اسی لیے بعض صحابہ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیج دی اور فرما دیا کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نباہ نہ سکو گے۔ اس لیے اب جس کو اٹھنے کی توفیق ہو، وہ جتنی نماز اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے۔ اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھریں گے اور وہ مرد مجاہد بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا۔ اس لیے تم پر تخفیف کر دی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو کہ ان ہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہو سکتی ہیں۔

(تنبیہ) اولین صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک سال تک بہت تاکید و تحتم کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ شاید اس لیے کرائی کہ وہ لوگ آئندہ تمام امت =

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ ف۱

آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی، اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع ۱۴

اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ف۲

اور معافی مانگو اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم تخفیف در قیام لیل ورخصت برائے ضعفاء ومجاہدین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں تہجد اور قیام لیل کا حکم، اسکی تاکید اور فضیلت کا بیان تھا اور اسی کے ساتھ اللہ پر توکل وبھروسہ اور دنیوی مشقتوں پر تحمل وصبر کی تلقین تھی اب ان آیات میں تہجد کے بارہ میں اللہ رب العزت نے جو تخفیف فرمائی اس کا بیان ہے اور یہ کہ فرائض اسلام تو ہر حال میں لازم ہیں سفر وحضر ہو یا صحت وتندرستی لیکن جو عبادت تطوع اور نفل ہیں ان میں اللہ رب العزت نے مریضوں مسافروں مجاہدوں اور ضعیفوں کے لیئے رخصت وسہولت رکھی ہے تو ارشاد فرمایا:

بے شک آپ ﷺ کا رب جانتا ہے کہ آپ ﷺ کھڑے رہتے ہیں تہجد اور عبادت خداوندی میں قریب رات کے دو تہائی حصہ کے اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک گروہ ان لوگوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اسی طرح آپ ﷺ کا اور آپ کے اصحاب کا شوق وجذبہ قیام اللیل اور صلوۃ تہجد کا، اللہ رب العزت دیکھ رہا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام ؓ کبھی آدھی رات کے قریب اٹھ جاتے ہیں اور کبھی اس سے بھی قبل حتی کہ دو تہائی حصہ بیداری میں گزرتا ہے اور کبھی سفر ومرض اور مصروفیت کی وجہ سے ایک تہائی حصہ اور یہ سب احوال درحقیقت ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ﴾ پر عمل کی صورت بھی کہ قیام اللیل کے حکم میں رات کے ٹکڑے جس جس مقدار میں بیان کئے گئے ہیں ان سب پر عمل ہو جائے۔

= کے ہادی ومعلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۱ پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق خرچ کرنا یہی اس کو اچھی طرح قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسن دیا جائے وہ بھی اس کے عموم میں داخل سمجھو۔ کما ثبت فضلہ فی الحدیث۔

ف۲ یعنی جو نیکی یہاں کرو گے۔ اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا تو یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں، وہ سب سامان تم سے آگے اللہ کے ہاں پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔ یعنی تمام احکام بجالا کر پھر اللہ سے معافی مانگو۔ کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیر وار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے غفور ورحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔ تم سورۃ المزمل وللہ الحمد والمنۃ۔

اور ظاہر ہے اللہ ہی ٹھیک اندازہ رکھتا ہے رات اور دن کا یا اس اندازہ کے لحاظ سے کہ وقت عبادت میں گزرا یا یہ کہ ان ٹکڑوں میں کیسے آثار و برکات ہیں اور وہ عابدین وذاکرین کو کس حد تک مل رہے ہیں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام ؓ بطور فرض اس پر عمل پیرا رہے اور اس کی پابندی میں جو بھی جسمانی مشقت ہوئی برداشت کرتے رہے تا آنکہ اللہ رب العزت نے ایک سال بعد حکم تخفیف نازل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا خدا نے جان لیا ہے کہ تم اس کا احاطہ اور عملی پابندی نہیں کر سکتے ہو اس سہولت کے ساتھ جو اللہ نے اپنے دین میں رکھنے کا ارادہ فرمالیا ہے اور کبھی نہ کبھی سابق زمانہ میں کسی سے اس حد اور مقدار کے نباہ نہ ہو سکنے کے باعث کوتاہی بھی ہوتی ہوگی تو اللہ نے تم پر مہربانی کی اور درگزر فرمالیا لہٰذا اب تمہاری راحت اور سہولت کے پیش نظر حکم ہے پڑھ لیا کرو جو کچھ تم کو قرآن میں سے آسان ہو اور یہ پابندی تم سے اس لئے ہٹادی گئی کہ خدا کو معلوم ہے تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے کیونکہ ہر انسان ہمیشہ تندرست نہیں رہتا اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل اور اسکی رحمت ورزق تلاش کرتے ہوئے تجارت کے لیے حصول علم کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کرنا ہوگا کچھ ہجرت کریں گے کچھ روحانی تربیت کے لیے اولیاء وصالحین کے پاس جائیں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور جہاد کے لیے ان کو مشرق ومغرب کا سفر کرنا ہوگا اس لیے اب حکم یہی ہے کہ پڑھ لیا کرو جس قدر بھی قرآن میں سے آسانی سے پڑھ سکو اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں اور البتہ فرض نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور قرض دیتے رہو اللہ کو قرض حسنہ اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے جس کا وہ تم کو بہترین بدلہ دے گا اور اس طرح تمہارا دیا ہوا تمہیں واپس مل جائے گا اور بڑی ہی برکت اجر وثواب اور اللہ کی خوشنودی کے ساتھ اور یہ بات خوب جان لو جو بھی کچھ تم نیکی کا کام اپنے سے [1] پہلے بھیجو گے یقیناً تم اس کو اللہ کے یہاں پاؤ گے کیونکہ وہ تو بہت ہی بہتر اور عظیم اجر وثواب عطا کرنے والے ہیں اور انسان اپنی طبعی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور غلطیاں کر لیتا ہے تو اللہ سے معافی مانگتے رہو بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اس کی بارگاہ میں اہل ایمان کے استغفار وتوبہ کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔

فرضیت تہجد اور ایک سال بعد تخفیف کا حکم

سورۂ مزمل کی ان آیات کے ذریعہ ابتداء اسلام میں تہجد کو فرض کیا گیا تھا اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ فرضیت آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ سب کے حق میں تھی ایک سال تک اسی طرح اس پر عمل ہوتا رہا تا آنکہ ایک سال گزرنے پر اس سورۃ کا آخری حصہ ﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى﴾ الخ سے فرضیت منسوخ کر کے نفل کر دیا گیا۔

[1] امام بخاری ؒ نے اعمش بن ابراہیم حارث بن سوید کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ایکم مالہ احب الیہ من مال وارثہ قالوا یا رسول اللہ ما منا احد الا مالہ احب الیہ من مال وارثہ (الخ)

بتاؤ تم سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص ایسا ہی ہے اس کو اپنا مال نسبت اپنے وارث کے مال کے زائد محبوب ہے آپ ﷺ نے ذرا سوچ کر کہنے کو فرمایا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یہی جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا سن لو ہر شخص کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا) اور وارث کا مال وہ ہے جو چھوڑ کر مر گیا آیت مبارکہ میں قرض کا عنوان اللہ کی راہ میں خرچ کی عزت وکرامت پر نہایت واضح طور پر دلالت کر رہا ہے اور یہی وہ عنوان کرامت ہے جو اس آیت میں اختیار کیا گیا ہے۔

ائمہ مفسرین میں سے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تہجد کو مکی زندگی میں سورۂ مزمل کے نازل ہونے پر فرض کر دیا گیا تھا اور وہ زمانہ پنجگانہ نمازوں کی فرضیت سے قبل تھا (جیسا کہ ظاہر ہے) پھر بعد میں فرضیت منسوخ کردی گئی البتہ بطور تطوع اور نفل کے اس کی فضیلت قائم و برقرار رہی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میں اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے بیان کرتے ہیں میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے ام المؤمنین آپ مجھے خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمائیے کہ کیا تھا؟ فرمایا کہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے ہو عرض کیا جی ہاں فرمایا کہ بس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق مبارک (یعنی اسوہ اور عادت) قرآن تھا بیان کرتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں اٹھ کر واپس چلا جاؤں (کیونکہ اس جواب کی جامعیت کے بعد مزید کچھ سوال کی گنجائش ہی نہ رہی تھی) اور یہی سوچا کہ اب آئندہ کسی سے بھی دریافت نہیں کروں گا جب تک میں زندہ رہوں لیکن پھر خیال آیا کہ (خاص طور پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام لیل کے بارے میں دریافت کرلوں تو عرض کیا اے ام المؤمنین ارشاد فرمائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کے بارہ میں تو فرمایا کہ کیا تم سورۂ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ نہیں پڑھتے عرض کیا فرمایا تو بس سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات سے قیام لیل فرض کیا تھا جس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سال تک قیام لیل کرتے رہے (پوری پابندی کے ساتھ اور اس طرح کہ لازم سمجھتے تھے) اور اللہ رب العزت نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ مہینہ تک آسمانوں میں روکے رکھا تا آنکہ سورت کے آخری حصہ یعنی ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ﴾ کو نازل کرکے تخفیف فرمادی اور پھر اس کے بعد قیام لیل نفل کر دیا گیا۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ فرضیت کا نسخ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرضیت بدستور باقی رہی غالباً انکی نظر اس آیت پر ہوگی ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ اور نافلہ کے معنی زائدہ کئے گئے اور مفہوم یہ ہوا کہ صیغہ امر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی پابندی کا خطاب اور حکم فرمایا جارہا ہے اور تہجد کی اس پابندی کو یہ فرمایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص ہے اور اس کی فرضیت مفروضہ نمازوں سے زائد کی گئی نہ کہ دوسروں کے حق میں، دوسروں کے حق میں تو یہ تطوع و نفل کردی گئی ہے لیکن یہ بات اس وجہ سے قابل تامل ہے کہ یہ حکم ناسخ جب نازل ہوا تو اس وقت پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کا حکم نہیں اترا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے جو جمہور محدثین و مفسرین کی رائے ہے بعض مفسرین کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سورت سے قیام لیل کی فرضیت ہر ایک کے حق میں نہ تھی فرضیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھی ان کا مطمح نظر بظاہر یہ ہے کہ آیت ناسخہ میں یہ جو فرمایا گیا ﴿وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ﴾۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک گروہ کا یہ معمول ہوا، اگر قیام لیل سب پر فرض ہوتا تو یہ فرمایا جاتا ﴿اَلَّذِیْنَ مَعَكَ﴾ لیکن یہ عنوان اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ممکن ہے بلکہ متوقع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قیام لیل کرتے ہوں گے باقی جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جگہوں مکانوں میں کرتے ہوں گے تو اس لحاظ سے ﴿وَطَآئِفَةٌ مِّنَ

الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾ فرمایا۔

فائدہ:.......سورۃ مزمل مکی ہے جیسا کہ معلوم ہے اورزکوٰۃ کا حکم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ۲ھ میں نازل ہوا تو اس سورت میں ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کے ساتھ حکم، ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ نازل ہوا علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ اجمالاً نفس فرضیت کا حکم تو مکہ مکرمہ میں نازل ہو گیا تھا نصاب کی تعیین اور تفصیل مدینہ میں نازل ہوتی اس لحاظ سے حکم زکوٰۃ کی فرضیت مدنی زندگی میں بیان کی جاتی ہے۔

نمازوں میں مطلق قراءۃ قرآن کی فرضیت

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تفسیر روح المعانی میں بیان کرتے ہیں آیت مزمل ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ سے حضرات حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز میں فرضیت مطلق قراءۃ کی ہے جو کچھ آسان ہو خاص طور پر سورۃ فاتحہ فرض نہیں کیونکہ نص کتاب اللہ یا حدیث متواتر سے فرضیت ورکنیت ثابت ہوتی ہے تو جس طرح ﴿ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ کے کلمات قرآن کریم کی آیات میں رکوع وسجود کی رکنیت ثابت کرر ہے ہیں اسی طرح ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ﴾ کی تعبیر نفس قراءت کی فرضیت ورکنیت ثابت کرتی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ رکنیت وفرضیت فاتحہ کے قائل ہیں حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ، لاصلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب، الخ، اور حدیث ابی ھریرہ من صلی صلوۃ لم یقرء فیھا بام القران فھی خداج۔

حضرات حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جوابات اور بیان کردہ مسئلہ کیلئے متعدد دلائل بیان کئے ہیں جن کی تفصیلات شروح فقہ میں مذکور ہیں اصولی طور پر یہ بات واضح ہے جیسا کہ قاضی ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں بیان فرمایا یا تیسر میں حکم عموم اور اطلاق کے ساتھ ہے اس کومخصوص کرنا خبر واحد کے ذریعہ سے اصولاً درست نہیں ہے اور یہ قرار دینا کہ ماتیسر میں اجمال ہے اور اسکی توضیح خبر واحد سے ہوئی صحیح نہیں ہے دلالت عربیہ سے یہ عنوان اطلاق ہی کا ہے۔

خبر واحد کو تفسیر وہاں قرار دیا جاسکتا ہے جہاں تعبیر میں ازروئے وضع لغت ابہام ہو اور اس طرح اس پر عمل ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ صورت نہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں تو حدیث لاصلوۃ کو ماتیسر کی تفسیر قرار دینے میں خود نص ماتیسر کا ابطال لازم آجائے بایں صورت کہ ایک شخص کو سورۃ فاتحہ کی سات آیات کی تلاوت دشوار ہو اور ممکن نہ ہو اس کے بالمقابل قرآن کی اور کوئی آیت آسان اور ممکن ہو تو ایسی صورت میں لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ ماتیسر سے ہم فرضیت ہونے کے قائل نہ ہوں اور ماسوئی فاتحہ کے دوسری آیات آسان اور ممکن التلاوت ہونے کے باوجود سورۃ فاتحہ کی قراءت کا اس کو مامور سمجھیں اس وجہ سے حنفیہ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفس قراءۃ ماتیسر رکن اور فرض ہے قراءت فاتحہ رکن نہیں علاوہ ازیں یہ بھی اصولی امر ہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی البتہ وجوب کی حد تک خبر واحد سے ثبوت ممکن ہے۔

تفصیل کیلئے شروح حدیث وشروح فقہ کی مراجعت فرمائی جائے نیز یہ مسئلہ اور بحث نفس قراءۃ فی الصلوۃ سے متعلق ہے نہ کہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ سے متعلق اس کے لیے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ کی تفسیر میں حضرت

والد صاحب ﷫ نے کچھ اصولی دلائل بیان فرمادیئے ہیں وہاں تفصیل ملاحظہ فرمائی جائے۔

الحمدللہ قدتم تفسیر سورۃ المزمل۔

سورۃ المدثر

اس سورت میں خاص طور پر نبی کریم ﷺ کے منصب رسالت کی عظمت و برتری کا ذکر کرتے ہوئے دعوۃ اسلام اور پیغام توحید کے لیے مستعد و کمربستہ ہونے کا حکم فرمایا گیا یہی وہ پہلی سورت یا آیات ہیں جو ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوئیں انہیں آیات کے نزول پر آپ ﷺ کے دور رسالت کا آغاز ہوا جبکہ اس سے قبل آپ ﷺ موحیٰ الیہ اور نبی کی حیثیت میں تھے۔

غار حرا میں ابتداء وحی اور بعثت کے بعد ایک مدت ایسی گزری جس میں کوئی وحی نہیں اتری آپ ﷺ منتظر و مشتاق رہتے اور کبھی کبھی شدت شوق و انتظار میں مکہ کی آبادی سے باہر بھی نکل جائے تاآنکہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے آوازیں سنیں کہ کوئی آپ ﷺ کو پکار رہا ہے آپ ﷺ نے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا پھر سر بلند فرمایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا ایک کرسی پر ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اس نے آسمان کا کنارا گھیر رکھا ہے اس کو دیکھ کر آپ ﷺ پر رعب طاری ہوا جیسے غار حرا میں نزول وحی سے ہیبت و کپکپی آپ ﷺ پر طاری ہوتی تھی اسی طرح اس مرتبہ بھی پیش آئی اور آپ ﷺ گھر واپس آکر فرمانے لگے۔ دثرونی دثرونی۔ مجھے چادر اوڑھادو مجھے چادر اوڑھادو اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ﴾۔

نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کے لئے کمربستہ ہونے کے حکم کے ساتھ چند اور بنیادی اصول بھی اس سورت مبارکہ میں بیان فرمائے صبر و استقامت اور حلم و درگزر کی ہدایت فرمائی گئی اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کے جرم پر انکو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے یقیناً ان کو اپنے اس بے ہودہ کردار اور کفر و نافرمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اہل ایمان و طاعت خدا کے انعامات سے سرفراز کئے جائیں گے غرض اسی طرح کے مضامین کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کو بھی بیان فرمایا گیا۔

جن حضرات سے یہ منقول ہے کہ سورۃ مدثر اول ما نزل فی القرآن ہے انکی نظر جابر ؓ کی اس روایت پر ہے جس میں اس طرح بیان فرمایا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جابر ؓ نے فترت وحی یعنی غار حرا میں اقراء نازل ہونے کے بعد جو ایک مدت تقریباً پونے تین سال انقطاع وحی کی گزری اس کے بعد سب سے پہلے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہونے والی آیات بیان کی ہیں چنانچہ امام بخاری نے باب بدء الوحی میں حضرت جابر ؓ کی اس مجمل روایت کی وضاحت کردی جس سے سورۃ مدثر کی اولیت نزول کا گمان کیا گیا اور یہ اس طرح واضح فرمادیا کہ وھو یحدث عن فترۃ الوحی کہ جابر ؓ فترت وحی کا قصہ بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جو آیات سب سے پہلے اتریں اور پھر نزول وحی کا سلسلہ پے در پے اور مسلسل جاری ہوا وہ آیات ہیں لہٰذا اب اس بات کی گنجائش نہ رہی کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ سب سے پہلے اقراء نازل

ہوئی یا، ﴿یٰٓاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اور یہی کہا جائے گا کہ یہ امر اجماعی اور متفق علیہ ہے سب سے پہلے وحی غار حرا میں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اور پھر فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ﴿یٰٓاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی کو روایت کررہے ہیں۔

(۷۴ سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ ٤) ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ (ایاتہا ٥٦ رکوعاتہا ٢)

یٰٓاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ③ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاہْجُرْ ⑤

اے لحاف میں لپٹنے والے ف۱ کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے ف۲ اور اپنے رب کی بڑائی بول ف۳ اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ ف۴

اے لحاف میں لپٹے! کھڑا ہو، پھر ڈر سنا اور اپنے رب کی بڑائی بول، اور اپنے کپڑے صاف رکھ، اور کھترے کو چھوڑ دے،

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ⑧ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ

اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے اور اپنے رب سے امید رکھ ف۵ پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز ف۶ پھر وہ اس دن مشکل

اور نہ کر کہ احسان کرے اور بہت چاہے، اور اپنے رب کی راہ دیکھ۔ پھر جب کھڑکھڑائے وہ کھوکھرا، پھر وہ اس دن مشکل

عَسِیْرٌ ⑨ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ⑩ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ⑪ وَّجَعَلْتُ لَہٗ مَالًا

دن ہے ف۷ منکروں پر نہیں آسان ف۸ چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جس کو میں نے بنایا اکیلا ف۹ اور دیا میں نے اس کو مال

دن ہے، منکروں پر نہیں آسان۔ چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو، جو میں نے بنایا اکا، اور دیا اس کو مال

ف۱ اس کے لیے سورۃ "مزمل" کا پہلا فائدہ ملاحظہ کرلیا جائے۔

ف۲ یعنی وحی کے ثقل اور فرشتہ کی ہیبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو یہ ہے کہ سب آرام وچین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں۔ اور کفر ومعصیت کے برے انجام سے ڈرائیں۔

ف۳ کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی وعظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال واخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔ بہرحال اس کے کمالات وانعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار واعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

ف۴ اس سورت کے نازل ہونے پر حکم ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ پھر نماز وغیرہ کا حکم ہوا۔ نماز کے لیے شرط ہے کہ کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے۔ ان چیزوں کو یہاں بیان فرمادیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کپڑوں کا حسی ومعنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لیے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعض علماء نے کپڑوں کو پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے۔ اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لیے ہیں کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیے۔ جیسے اب تک دور ہیں۔ بہرحال آیہ ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ بدون اس کے رب کی بڑائی کماحقہ دلنشین نہیں ہوسکتی۔

ف۵ یہ ہمت اور اولوالعزمی سکھلائی کہ جو کسی کو دے (روپیہ پیسہ یا علم وہدایت وغیرہ) اس سے بدلہ نہ چاہیے۔ محض اپنے رب کے دیے پر شاکر وصابر رہ اور جو شدائد دعوت وتبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر وتحمل سے برداشت کر اور اسی کے حکم کی راہ دیکھ کر یہ عظیم الشان کام بدون اعلیٰ درجہ کی حوصلہ مندی اور صبر واستقلال کے انجام نہیں پائے گا۔ ان آیتوں کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے لیکن احقر کے خیال میں یہی بے تکلف ہے۔

ف۶ یعنی صور پھونکا جائے۔

ف۷ یعنی اس دن کے واقعات میں سے صور کا پھونکا جانا گویا ایک مستقل دن ہے۔ جو سرتاپا مشکلات اور سختیوں سے بھرا ہوگا۔

ف۸ یعنی منکروں پر کسی طرح کی آسانی نہ ہوگی بلکہ اس دن کی سختی دم بدم ان پر بڑھتی جائے گی۔ بخلاف مومنین کے کہ اگر سختی بھی دیکھیں گے تو کچھ مدت کے بعد=

مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ

پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے ف۱ اور تیاری کردی اس کے لیے خوب تیاری ف۲ پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں ف۳ ہرگز نہیں

پھیلا کر، اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے، اور تیاری کردی اس کو خوب تیاری، پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں۔ کوئی نہیں

كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ

وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف ف۴ اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی ف۵ اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرالیا سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر

وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف، اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی۔ اس نے سوچ کیا اور دل میں ٹھہرایا۔ سو مارا جائیو! کیسا ٹھہرایا؟ پھر

قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ

مارا جائیو کیسا ٹھہرایا ف۶ پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا اور کچھ نہیں

مارا جائیو کیسا ٹھہرایا؟ پھر نگاہ کی، پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا، پھر پیٹھ دی، اور غرور کیا، پھر بولا، اور نہیں

= پھر آسانی کردی جائے گی۔

ف۹ ہر انسان ماں کے پیٹ سے اکیلا اور جریدہ آتا ہے۔ مال، اولاد، فوج لشکر، سامان وغیرہ کچھ ساتھ نہیں لاتا، یا "وحید" سے مراد خاص ولید بن مغیرہ ہو جس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیاوی ثروت ولیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد اور یکتا سمجھا جاتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے، نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگدل ہوں۔ بلکہ ان کا قصہ میرے سپرد کرو۔ میں سب کا بھگتان کردوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

ف۱ یعنی مال و اولاد کا پھیلاوا بہت ہوا۔ دسوں بیٹے ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتے اور محفلوں میں باپ کی توقیر بڑھاتے اور دھاک بٹھلاتے تھے۔ تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لیے نوکر چاکر بہت تھے۔ ضرورت نہیں تھی کہ بیٹے باپ کی نظر سے غائب ہوں۔

ف۲ یعنی دنیا میں جو خوب عزت، جماہت اور مسند حکومت و ریاست اچھی طرح تیار کردی۔ چنانچہ تمام قریش ہر مشکل میں کام میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اس کو اپنا حاکم جانتے تھے۔

ف۳ یعنی باوجود کثرت نعمت و ثروت کے کبھی حرف شکر زبان سے نہ نکالا۔ بلکہ ہمیشہ بت پرستی اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص میں منہمک رہتا اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا تھا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دے گا۔

ف۴ یعنی جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے بہ پے اس کے مال و اسباب میں نقصان ہونا شروع ہوا۔ آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مرگیا۔

ف۵ یعنی ابھی اس کو بہت بڑی چڑھائی چڑھنا اور سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ "صعود" دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو ہمیشہ چڑھائیں گے اور گرائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے (تنبیہ) ولید ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا۔ جس سے کسی قدر متاثر ہوا۔ مگر ابوجہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو بڑی خرابی ہوگی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے کہا شاعر ہیں کسی نے کاہن بتلایا ولید بولا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سب سنی ہیں، قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں جادو ہے۔ جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لیے اب یہ بات بنادی۔ آگے اسی گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ف۶ یعنی بدبخت نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی پھر خدا غارت کرے کہ اپنی قوم کے جذبات =

هٰذَآ اِلَّا سِحۡرٌ يُّؤۡثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنۡ هٰذَآ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا

یہ جادو ہے چلا آتا اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا ف۱ اب اس کو ڈالوں گا آگ میں ف۲ اور تو کیا سمجھا کیسی ہے

یہ جادو ہے چلا آتا۔ اور نہیں، یہ کہا ہے آدمی کا۔ اب اس کو ڈالوں گا آگ میں۔ اور تو کیا بوجھا کیسی ہے

سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبۡقِيۡ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلۡنَآ اَصۡحٰبَ

آگ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ف۳ جلا دینے والی ہے آدمیوں کو ف۴ اس پر مقرر ہیں انیس فرشتے ف۵ اور ہم نے جو رکھے ہیں

وہ آگ؟ نہ باقی رکھے، نہ چھوڑے، نظر آتی ہے پنڈے پر۔ اس پر مقرر ہیں انیس شخص، اور ہم نے جو رکھے ہیں

النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلۡنَا عِدَّتَهُمۡ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۙ لِيَسۡتَيۡقِنَ الَّذِيۡنَ

دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں ف۶ اور ان کی جو گنتی رکھی ہے سو جانچنے کو منکروں کے ف۷ تاکہ یقین کریں وہ لوگ جن کو

دوزخ پر لوگ، اور نہیں فرشتے ہیں۔ اور ان کی جو گنتی رکھی سو جانچنے کو منکروں کے، تا یقین کریں جن کو

= کے لحاظ سے کیسی برمحل تجویز نکالی جس کو سن کر سب خوش ہو جائیں۔

ف۱ یعنی مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا۔ تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے۔ پھر پیٹھ پھیر لی گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا تھا۔ اب برادری کی خوشنودی کے لیے اس سے پھر گیا۔ آخر نہایت غرور و تکبر کے انداز میں کہنے لگا۔ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔

ف۲ یعنی عنقریب اس کو آگ میں ڈال کر عناد و تکبر کا مزا چکھاؤں گا۔

ف۳ یعنی دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دے گی جو جلنے سے بچ جائے۔ پھر جلانے کے بعد اس حالت پر بھی نہ چھوڑے جائیں بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹائے جائیں گے اور جلیں گے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ (العیاذ باللہ)

(تنبیہ) اکثر سلف سے یہی معنیٰ منقول ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری طرح توجیہ کی ہے۔

ف۴ یعنی بدن کی کھال جھلس کر حیثیت بگاڑ دے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جیسے دہکتا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر وہ سرخی نظر آئے گی۔"

ف۵ یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر انیس فرشتے ہوں گے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام "مالک" ہے (تنبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لیے انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی۔ کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل کر نہیں کر سکتے۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے۔ جس میں کام کرنے کے لیے وہ مامور ہوا ہے۔ مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔ مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی۔ اگرچہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں۔ مثلاً کان ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ تھکے، آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا۔ دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لیے انیس قسم کے عذابوں کے لیے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء نے اس عدد کی حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا کلام بہت عمیق ولطیف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۶ انیس کا عدد سن کر مشرکین ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں۔ انیس ہمارا کیا کر لیں گے۔ بہت ہوا ہم میں سے دس دس ان کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں گے۔ ایک پہلوان بولا کہ سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں، دو کا تم مل کر تیاپانچا کر لینا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی وہ انیس تو ہیں مگر آدمی نہیں فرشتہ =

أُوتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ

ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جن کو ملی ہے کتاب

ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کو ایمان، اور دھوکہ نہ کھائیں جن کو ملی ہے کتاب،

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا

اور مسلمان ف۱ اور تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دل میں روگ ہے اور منکر ف۲ کیا غرض تھی اللہ کو اس

اور مسلمان، اور تا کہیں جن کے دل میں روگ ہے اور منکر، کیا غرض تھی اللہ کو اس

مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا

مثل سے ف۳ یوں بچلاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ف۴ اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو مگر

کہاوت سے؟ یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے، اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر

هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ۧ

ع ۱۵

خود ہی ف۵ وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے۔

وہی آپ۔ اور وہ تو سمجھوتی ہے لوگوں کے واسطے۔

حکم اعلان توحید و رسالت سید المرسلین ﷺ وتہدید و مذمت بر اعراض مجرمین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ... الی ... اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾

ربط: ...... سورۂ مزمل کے آخر میں بالخصوص احکام خداوندی کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا تھا اور یہ کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اہل

= ہیں۔ جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔

ف یعنی کافروں کو عذاب دینے کے لیے انیس کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے جس کی طرف "علیھا تسعۃ عشر" کے فائدہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس گنتی کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کون اس کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔

ف۱ اہل کتاب کو پہلے سے یہ عدد معلوم ہوگا جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے یا کم از کم کتب سماویہ کے ذریعہ اتنا تو جانتے تھے کہ فرشتوں میں کس قدر طاقت ہے۔ انیس بھی تھوڑے نہیں۔ اور یہ کہ انواع تعذیب کے اعتبار سے مختلف فرشتے دوزخ پر مامور ہونے چاہیں یہ کام تنہا ایک کا نہیں۔ بہرحال اس بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیقت کا یقین پیدا ہوگا۔ اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک و تردد نہیں رہے گا۔ نہ مشرکین کے استہزاء و تمسخر سے وہ کچھ دھوکا کھائیں گے۔

ف۲ "اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" سے منافقین یا ضعیف الایمان مراد ہیں اور "اَلْكَافِرُوْنَ" سے کھلے ہوئے منکر۔

ف۳ یعنی انیس کے بیان سے کیا غرض تھی۔ بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ) یعنی ایک ہی چیز سے بد استعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پا لیتا ہے جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوف خدا اور نور توفیق ہو اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے۔

ف۴ یعنی اللہ کے بیشمار لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس تو صرف کارکنان جہنم کے افسر بتلائے ہیں۔

ف۵ یعنی دوزخ کا ذکر صرف عبرت و نصیحت کے لیے ہے کہ اس کا حال سن کر لوگ غضب الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں۔

ایمان نمازیں قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور حق تعالیٰ کی راہ میں انفاق وایثار سے کبھی بھی گریز نہ کریں یہ تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ایک قرض حسن ہے جو بڑی ہی برکتوں اور زیادتیوں کے ساتھ قرض دینے والوں کو واپس ملے گا اور دار آخرت کے واسطے بہترین ذخیرہ ہے جو دنیاوی زندگی میں ہی آخرت کے لیے مہیا کیا جاتا ہے اور وہ خداوند عالم اپنے بندوں کے اعمال پر بہترین اجر وثواب عطا فرمانے والا ہے ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لئے اللہ نے اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور انکو جامع شریعت اور کامل ہدایت سے نوازا تو اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہ اپنے پیغمبر ﷺ کو منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے خطاب فرما رہے ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ﴾۔ اے چادر میں لپٹنے والے کھڑے ہو جایئے اور پوری مستعدی وسرگرمیوں کے ساتھ منصب رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے تیار ہو جایئے پھر لوگوں کو ڈرایئے عذاب آخرت سے اگر وہ خالق کائنات اور رب العالمین پر ایمان نہ لائے اور اسکی اطاعت وفرماں برداری نہیں کی۔ اور اپنے رب کی کبریائی وعظمت بیان کرتے رہیے تاکہ خداوند عالم کی عظمت وشوکت کو سن کر اور اس کو سمجھ کر منکرین ومشرکین اس کی توحید کی طرف مائل ہو سکیں اور یہ سمجھ لیں کہ شرک وبت پرستی کی وجہ سے جو عذاب خداوندی واقع ہوگا یہ ہمارے بت اس کو دفع نہ کر سکیں گے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیئے اور جب کہ کپڑوں کو بھی نجاست سے پاک رکھنے کی ضرورت ہے تو لامحالہ بدن اور اجزاء بدن کو بھی ہر طرح کی ظاہری اور معنوی عملی اور حسی گندگی سے پاک رکھنا چاہئے اور جب بدن کو بھی ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھنا لازم ہے تو بلاشبہ قلب پر بھی ادنیٰ درجہ کی گندگی عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ نیز کفر وشرک کی ہرگز نہ ہونی چاہئے اور جو حکم آپ ﷺ کو کپڑوں کی پاکی کا دیا جا رہا ہے اس حکم سے اور اس کے نتائج ولوازم سے اے ہمارے پیغمبر دوسروں کو بھی آگاہ کر دیجئے۔ ❶

اور گندگی سے دور رہئے اور سب سے بڑی گندگی شرک وبت پرستی ہے تو اس سے بھی بدستور اجتناب کیجئے جیسے کہ آپ ﷺ اب تک اس سے دور اور محفوظ ہیں۔ ❷

اور احسان نہ کیجئے اس لیے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ بدلہ زائد چاہیں کیونکہ انسان طبعی کمزوری یا مال ومنال کی حرص کے باعث بسا اوقات احسان اس توقع یا تصور پر کرتا ہے کہ مجھے اس کا بدلہ زائد ملے گا تو آپ ﷺ اس طرح کے تصور سے بھی اپنے اپنے قلب کو پاک رکھیئے اور اپنے رب ہی کے لیے اس کے دیئے ہوئے پر بس صابر رہئے صبر وشکر اور قناعت انسانی کمالات میں عظیم تر وصف ہے ان پر آپ ﷺ قائم رہئے۔

دعوت وتبلیغ کی راہ میں شدائد پیش آتی ہی ہیں تو ان چیزوں کو اللہ کے لئے صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہیں پھر جب آواز ہوگی ایک کھوکھری چیز میں اور صور پھونکا جائے گا جس پر قیامت برپا ہوگی تو یہ دن بہت ہی دشوار ہوگا کافروں پر

❶ لباس سے بطور کنایہ حالت اور طرز زندگی بھی مراد لیا جاتا ہے تو اس لحاظ سے کپڑوں اور لباس کی پاکی کا حکم گویا طرز زندگی اور اعمال واخلاق کی پاکی اختیار کرنے کا حکم ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ تو اس سے ظاہر ہوا کہ ہر عملی حالت گویا پیکر لباس ہے۔ ۱۲

❷ مراد یہ ہے کہ یہ امر کے صیغے انشاء امر کیلئے نہیں بلکہ دوام کے لیے ہیں یعنی مطلوب ان چیزوں کا دوام ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ان آیات کے ترجمہ میں اس طرح کے الفاظ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور اس کے خلاف انشاء امر کے طور پر یہ ترجمہ کپڑے پاک کیجئے سوء ادبی شمار فرماتے تھے۔

کسی طرح بھی آسان نہ ہوگا بلکہ اسکی دشواری بڑھتی ہی جائے گی چہ جائیکہ اس میں کسی طرح کی سہولت اور آسانی ہو اس لئے اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ اپنے کام میں صبر واستقامت سے لگے رہیے اور منکرین ومخالفین کی عداوت اور سازشوں کی قطعاً فکر نہ کریں۔

پس چھوڑ دیجئے مجھ کو اور اس کو جسے میں نے پیدا ❶ کیا ہے تنہا کہ جس کے ساتھ پیدائش کے وقت کوئی بھی چیز نہ تھی ہر انسان ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوتا ہے کہ مال واولاد لشکر وسامان کچھ بھی وہ ساتھ نہیں لاتا یہ جو کچھ دنیا میں انسان کو ملتا ہے وہ خدا کی عطا اور بخشش ہے اس پر مغرور ہونا اس کو زیب نہیں دیتا چنانچہ ایسے انسان کو ہم نے یہ سب کچھ نعمتیں عطا کیں اور بنا دیا اس کے واسطے پھیلا ہوا مال اور دے دیئے ہیں اس کو بیٹے جو مجلس میں حاضر رہنے والے ہوئے اور جما دی اس کے واسطے ایک مسند عزت وریاست کی خوب اچھی طرح جما دینا پھر بھی وہ اپنی طبعی حرص ولالچ کے باعث طمع کرتا ہے کہ میں اس کو اور بھی دوں گا عزت وسربلندی حتی کہ وہ یہ بھی جرأت کرنے لگا کہ آخرت میں بھی اس کو یہ سب کچھ مل جائے گا جو دنیا میں ملا ہوا ہے خبردار! ہرگز ایسا نہیں آخرت میں تو کیا وہ تو بس دنیا میں بھی دیکھ لے گا کہ کیسا ذلیل وخوار ہوتا ہے اس لئے کہ وہ تو ہماری آیتوں کا بڑا ہی مخالف ہے اور بغض وعناد رکھنے والا ہے۔

اب عنقریب میں اس کو چڑھاؤں گا بڑی ہی دشوار چڑھائی پر ذلت ومصائب اور سخت ترین دشواریاں جو پہاڑ کی طرح دشوار گزار ہوں گی اور وہ مشقتیں اور دشواریاں اس سے جھیلی نہ جائیں گی جیسے کہ کوئی انسان کسی دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکتا ❷ مگر افسوس شقاوت اور بدبختی کی حد ہوگئی اس نے کچھ سوچا پھر دل میں کچھ ٹھہرایا سو یہ بدبخت ہلاک ہو کہ اس نے کیسی بے ہودہ بات دل میں ٹھہرائی پھر ہلاک وغارت ہو کیسی بات اس نے ٹھہرائی جب کہ اہل قریش نے اس سے کہا آخر کوئی بات تو بتا کہ ہم کس طرح لوگوں کو محمد ﷺ سے بھٹکائیں تو اس نے بڑے ہی انداز تدبر وتفکر سے کچھ سوچا اور پھر دل میں کچھ طے کر کے کہا تھا کہ بس یہ کہو کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اور یہ کلام بھی جو سناتے ہیں سحر ہے تو اس نے پھر ایک نگاہ ڈالی

---

❶ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے جو اپنے اکلوتے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا مال ودولت اور دنیوی عزت وجاہ میں وحید اور یکتا شمار ہوتا تھا قریش مکہ اس کو وحید اور ریحانۃ القریش کہا کرتے دنیوی نعم کی کوئی کمی نہ تھی تجارت اور زمین وباغات کی آمدنی کی حد نہ تھی طائف میں اس کا بہت بڑا باغ تھا جس کے پھل موسم گرما اور سرما ہمیشہ رہتے تھے دس بیٹے تھے جو ہمیشہ باپ کے سامنے رہتے اور اس کی توقیر وتعظیم بڑھاتے رہتے۔

تو اس بدبخت نے اللہ کے انعامات کو ناشکری اور غرور وتکبر میں بدل ڈالا بھی شکر کی تو کیا توفیق ہوتی شرک اور بت پرستی میں منہمک رہا اور آنحضرت ﷺ کی عداوت اور دشمنی زیادہ سے زیادہ کرنے لگا آنحضرت ﷺ کسی وقت قیامت اور بہشت کا ذکر فرماتے تو یہ کہتا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو اور قیامت آئے گی تو وہاں بھی مجھے اسی طرح مال واولاد اور نعمتیں ملیں گی۔

مفسرین فرماتے ہیں قریش مکہ نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت توحید وایمان روز بروز قبولیت حاصل کرتی جارہی ہے تو انہوں نے ولید کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ بتاؤ محمد ﷺ کی بات کس طرح بے اثر کی جائے اس پر ولید نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو ساحر (جادوگر) کہو چنانچہ خود ہی مکہ کی ہر گلی کوچہ میں یہی کہتا پھرتا کہ محمد ﷺ تو ساحر (جادوگر) ہے تو اس کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں ولید کی تحقیر وتذلیل سورۃ ن میں ﴿حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ جیسے کلمات سے فرمائی ہے۔

❷ روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد فوراً یہ بدبخت یعنی ولید بن مغیرہ طرح طرح کی مصیبتوں اور دشواریوں میں مبتلا ہوگیا پے در پے مالی نقصانات پیش آتے رہے تجارت برباد ہوگئی باغات ضائع ہوگئے آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مرا۔ ۱۲ فوائد عثمانی

اپنی جماعت پر جیسا کہ عیار لوگ جب اپنی مکاری کے جال میں لوگوں کو پھانسنا چاہیں تو دیکھا کرتے ہیں اور نظریں گھمایا کرتے ہیں۔

پھر منہ بنایا تیوری چڑھائی اور ایسا منہ بنایا جیسے کسی ناگوار چیز سے انسان اظہار کراہت کے لئے منہ بناتا ہو پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا اور ایسے انداز یعنی اظہار نفرت و کراہت اور غرور و تکبر کو اختیار کرتے ہوئے پھر بولا بس یہ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایک جادو ہے جو نقل در نقل اور نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے پہلے بھی اسی طرح جادوگر تھے اور اب یہ بھی اسی قسم کا جادو اس کلام کی شکل میں پیش کر رہے ہیں یہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ایک آدمی کا کہا ہوا ہے نہ کہ وحی اور خدا کا کلام پروردگار عالم اس مکار و عیار اور بد بخت کی یہ باتیں نقل کر کے فرما رہا ہے اچھا میں عنقریب ہی اس بد بخت کو گھسیٹ کر ڈالوں گا جہنم کی آگ میں اور اس کے سارے عناد تکبر اور غرور کا مزا چکھا دوں گا اور اے مخاطب کیا تو جانتا بھی ہے کہ کیسی آگ ہے وہ؟ وہ آگ ایسی ہے نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی بلکہ دوزخیوں کی ہر چیز کو جلائے گی اور کوئی بھی حصہ جلنے سے بچ نہ سکے گا اور پھر اس حالت پر کہ وہ جل بھن گئے ہوں باقی نہ چھوڑے گی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹا دیا جائے گا تاکہ پھر جلیں اور جلنے اور جلنے کی اذیت کا مزہ چکھتے رہیں جیسے کہ سورۃ نساء میں فرمایا گیا ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾

یہ آگ جھلسنے والی ہوگی بدن کی کھال جس سے انکے حلیے ہی بگڑ جائیں گے اس جہنم پر انیس [۱] فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے احکام اور جہنمیوں کو سزا دینے کی ذمہ داری ادا کرتے ہوں گے اور نہیں بنایا ہے ہم نے جہنم کے نگران مگر فرشتوں کو کہ ان ہی کو جہنم کا داروغہ مقرر کیا گیا ہے اور نہیں بنایا ہم نے انکی اس تعداد کو مگر آزمائش کافروں کے لئے کہ وہ کس طرح اس تعداد کو سن کر مذاق اڑائیں گے انکار کریں گے قیل وقال اور حجت بازی، کہ اس عدد میں کیا مصلحت ہے لیکن اس

[۱] جہنم پر مقرر کردہ فرشتوں کی تعداد انیس بیان کرتے ہوئے یہ فرمانا ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انیس فرشتے جو داروغہ جہنم مقرر کئے گئے ہیں تو یہ بحیثیت افسران بالا ہوں گے ہر ایک افسر کے تحت کس قدر عملہ ہوگا یہ تو خدا ہی جانتا ہے یہ اس کے لشکر میں جن کو کوئی ہی نہیں جان سکتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ نے انیس کے عدد کی حکمتیں بڑی عجیب اور لطیف بیان کی ہیں حضرات اہل علم مراجعت فرمالیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کے عذاب دینے کے سلسلہ میں انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی انجام نہیں دے سکتے لیکن ہر فرشتہ کی قوت اور اسکی عملی مصروفیت اسی دائرہ میں محدود کر دی گئی جس کے لیے وہ مامور ہے مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ ملک الموت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچے کے اندر جان نہیں ڈال سکتا حضرت جبرئیل علیہ السلام چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں جسطرح انسان کی قوتوں کو قدرت خداوندی نے محدود کر رکھا ہے کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے لیکن وہ ایک چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا آنکھیں بیشمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں اسی طرح جو فرشتہ بھی عذاب پر مقرر ہوگا وہ فرشتہ صرف اسی قسم کا عذاب دے گا جس قسم کے عذاب پر وہ مامور ہے دوسری قسم کا عذاب دینے کی اس کو قطعاً قدرت نہ ہوگی تو اس طرح انیس قسم کے عذاب ہوں گے کوئی ضرب سے عذاب دیتا ہوگا کوئی جلانے سے کوئی توبیخ وملامت سے کوئی زقوم اور صدید وحمیم کے کھلانے اور پلانے پر مقرر ہوگا اس طرح یہ انیس فرشتے اپنے مقرر کردہ عذاب کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(تفصیل کے لئے تفسیر عزیزی کی مراجعت فرمائیں)

کے بالمقابل یہ تعداد اس لئے ہے کہ یقین کرلیں وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی اور ایمان والوں کے ایمان میں اور اضافہ ہوجائے اور کسی قسم کا دھوکہ نہ کھائیں وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی اور وہ جو اہل ایمان ہیں کیونکہ وہ اللہ کی ہر بات پر یقین کریں گے اور اس پر ایمان لائیں گے اور یہ تعداد اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ یہ کہیں کہ اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے اس چیز کو مثل بنانے سے اور بطور عدد اس کو بیان کرنے سے اسکی کیا غرض ہے بھلا یہ کیا بات ہے اور کون اس کو مان سکتا ہے اور نہیں جانتا ہے اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ کے رب کے لشکر مگر بس وہی پروردگار اور نہیں ہیں یہ باتیں مگر وعظ ونصیحت دنیا کے انسانوں کے لیے کہ وہ جہنم اور عذاب جہنم اور اللہ کے لشکر اور جہنم پر مقرر انیس کی تعداد میں داروغہ کا ذکر سن کر عبرت ونصیحت حاصل کریں غضب الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے بچیں۔

ف:......بعض روایات میں ہے کہ جب یہ ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ نازل ہوئی اور مشرکین نے انیس کا عدد سنا تو مذاق کرنے لگے اور ایک دوسرے سے قہقہے لگاتے ہوئے کہنے لگے یہ انیس ہمارا کیا کرلیں گے ہم تو ہزاروں ہیں اگر کچھ ہوا بھی تو زیادہ سے زیادہ ہم میں سے دس دس ایک ایک کے مقابلہ کے لیے ڈٹ جائیں گے ان میں ایک پہلوان تھا وہ کہنے لگا بھائی سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں باقی جو دو رہ جائیں گے ان سے تم نمٹ لینا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ کہ یہ انیس تم جیسے کوئی انسان نہیں بلکہ یہ تو فرشتے ہیں اور فرشتوں کی طاقت کا یہ حال ہے کہ ایک ہی فرشتہ نے قوم لوط کی پوری بستی کو ایک ہی بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔

رب سمٰوٰت وارض کے لشکر بس وہی جانتا ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی ؒ اپنی کثیر میں آیت مبارکہ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ حدیث معراج (جو صحیحین میں موجود ہے) سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ''البیت المعمور'' کی صفت وکیفیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بیت معمور ساتویں آسمان میں ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر ان کو لوٹنے کی نوبت نہیں آتی یعنی ملائکہ کا ہجوم وکثرت اس قدر ہے کہ ان ستر ہزار کے طواف کرنیکے بعد پھر انکے طواف کی نوبت ہی نہیں آتی، تو جس پروردگار کی یہ عظمت وشان ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے فرشتوں کا لشکر کسے معلوم ہوسکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل ؒ نے حضرت ابوذر غفاری ؓ کی وہ معروف حدیث تخریج فرمائی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آسمانوں میں انگشت کے برابر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ بارگاہ رب العزت میں سربسجود نہ ہو اور فرمایا اے لوگو! اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا یہ حال ہوجائے کہ تم کثرت سے رونے لگو اور ہنسنا کم کردو اور تم اپنے بستروں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے آہ وزاری کرتے ہوئے گڑگڑانے لگو۔

یہ وہی حقیقت ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں واضح کردی گئی ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا

لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت بیان فرمائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز کے لیے تشریف لائے جب کہ جماعت کھڑی ہو رہی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تین آدمی بیٹھے ہوئے ہیں جو نماز کے لیے اٹھے نہیں جن میں ایک شخص ابو جحش لیثی تھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اٹھو نماز کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھو تو ان میں سے دو آدمی تو کھڑے ہو گئے اور تیسرے یعنی ابو جحش نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھڑا ہوں گا جب تک کوئی شخص مجھ سے زیادہ طاقتور بازوؤں والا اور مجھ سے قوی گرفت والا نہ آجائے اور وہ مجھے پٹخ دے اور میرے چہرہ کو مٹی میں روند دے تو بس میں اس وقت ہی اٹھ سکتا ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خبیث کو زمین پر دے مارا اور اس کا چہرہ مٹی میں رگڑا وہ شخص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ قصہ بتایا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے روکا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غصہ بھرا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عمر رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہوا تو (خیر بہتر ہے) میں تو اے عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتا تھا کہ تم اس خبیث کا سر قلم کر کے میرے پاس لاتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ میں تم کو بتاتا ہوں خداوند عالم اس ابو جحش کی نماز سے بے نیاز ہے اللہ کے لیے تو آسمانوں میں فرشتے ہمہ وقت عبادت و بندگی میں اس طرح مصروف ہیں کہ ایک لمحہ بھی اسکی بندگی سے خالی نہیں گزرتا آسمان دنیا میں وہ فرشتے ہیں جو ہمہ وقت سر بسجود ہیں اور وہ قیامت تک سجدہ سے سر ہی نہیں اٹھائیں گے اور جب قیامت برپا ہوگی اٹھیں گے تو کہتے ہوں گے ما عبدناك حق عبادتك۔ اسی طرح آسمان پر فرشتوں کی ایک ایک عبادت رکوع و سجود اور قیام اور تسبیح و تحمید کا ذکر فرمایا کہ وہ اسی حالت میں قیامت تک رہیں گے تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيْرًا

سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب پیٹھ پھیرے، اور صبح کی جب روشن ہووے وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی ف۱ ڈرانے والی ہے

سچ کہتا ہوں، قسم ہے چاند کی! اور رات کی جب پیٹھ پھیرے! اور صبح کی جب روشن ہوئے! وہ دوزخ ایک ہے، بڑی چیزوں میں، ڈراوا ہے

لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝

لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے ف۲ ہر ایک جی اپنے کیے کاموں میں پھنسا ہوا ہے

لوگوں کو، جو کوئی چاہے تم میں کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے، ہر جی اپنے کئے میں پھنسا ہے،

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ

مگر داہنی طرف والے باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گناہ گاروں کا حال ف۳ تم کاہے سے جا پڑے

مگر داہنے والے، باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں، گنہگاروں کا احوال، تم کاہے سے پڑے

ف۱ یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونے والی ہیں دوزخ ان میں کی ایک چیز ہے۔

ف۲ آگے بڑھے نیکی یا بہشت کی طرف اور پیچھے رہے بدی میں پھنسا ہوا یا دوزخ میں پڑا ہوا۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ دوزخ سب مکلفین کے حق میں بڑے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب و نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ اس لیے قسم ایسی چیزوں کی کھائی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے۔ چنانچہ چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشو و نما اور اضمحلال و فنا کا اسی طرح اس عالم دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ حقائق کے اختفاء و انکشاف میں =

سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ

دوزخ میں ف۱ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو اور ہم تھے باتوں میں دھنستے

دوزخ میں؟ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے، اور نہ تھے کھلاتے محتاج کو، اور تھے بات میں دھنستے

مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ

دھنسنے والوں کے ساتھ اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات ف۲ پھر کام نہ آئے گی ان کے

ساتھ دھنسنے والوں کے۔ اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو، جب تک آ پہنچی ہم پر یقین آنے والی۔ پھر کام نہ آئے گی ان کو

شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾

سفارش سفارش کرنے والوں کی ف۳ پھر کیا ہوا ہے ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں ف۴ گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

سفارش، سفارش کرنے والوں کی۔ پھر کیا ہوا ہے ان کو سمجھوتی سے منہ موڑتے ہیں؟ جیسے وہ گدھے ہیں بدکے،

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا

بھاگے ہیں غل مچانے سے ف۵ بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد ان میں کا کہ ملیں اس کو ورق کھلے ہوئے ف۶ ہرگز نہیں ف۷ پر

بھاگے غل کرنے سے۔ بلکہ چاہتا ہے ہر مرد ان میں کہ اس کو ملیں ورق کھلے۔ کوئی نہیں! پر

= ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزر جانے اور اس عالم کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی جو لوگ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور موقف میں بھی عرش کے داہنی طرف جدھر بہشت ہے کھڑے ہوئے اور اسی طرف روانہ ہوئے اور ان کے نامہ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں آئے وہ لوگ البتہ قید میں پھنسے ہوئے نہیں بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہیں اور نہایت بے فکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑتے۔

ف۱ یعنی جب سنیں گے کہ گنہگاروں کو دوزخ میں داخل کیا گیا ہے، تب ان گنہگاروں کی طرف متوجہ ہو کر یہ سوال کریں گے کہ باوجود عقل و دانائی کے تم اس دوزخ کی آگ میں کیسے آپڑے۔

ف۲ یعنی نہ اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بد صحبتوں میں رہ کر شکوک و شبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کیے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

ف۳ کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کرے گا اور کرے گا تو قبول نہ ہو گی۔

ف۴ یعنی یہ مصیبتیں سامنے ہیں۔ مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے۔

ف۵ یعنی حق کا شور وغل اور شیران خدا کی آواز یں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔

ف۶ یعنی پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے بلکہ ان میں ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے لکھے ہوئے صحیفے اتریں اور پیغمبر بنایا جائے۔ ﴿حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس براہ راست ایک نوشتہ خدا کی طرف سے آئے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔ ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾

ف۷ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔

يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

وہ ڈرتے نہیں آخرت سے ف۱ کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے ف۲ پھر جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے ف۳ اور وہ یاد جبھی کریں کہ چاہے

ڈرتے نہیں آخرت سے۔ کوئی نہیں یہ تو سمجھوتی ہے، پھر جو کوئی چاہے یاد کرے، اور وہ یاد جبھی کریں، کہ چاہے

اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع ۱۶

اللہ ف۴ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق ف۵

اللہ۔ وہ ہے جس سے ڈر چاہئے اور وہ بخشنے کے لائق۔

تنبیہ بر انکار مجرمین وبیان قانون جزاء وسزا در روز قیامت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ... الی ... هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفار ومنکرین کی کچھ بے ہودہ خصلتوں اور انکی نافرمانی کا ذکر تھا اور یہ کہ وہ کس طرح پیغمبر خدا اور وحی الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے اب ان آیات میں ایسے مجرمین ومنکرین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ ایسی ذلیل حرکات سے باز آجائیں ساتھ ہی قیامت کے روز جزاء وسزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ اہل ایمان کیسی راحتوں اور نعمتوں میں ہوں گے اور کفار ومشرکین جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان پر حسرت وندامت کا کیا عالم ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس وقت حسرت اور پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو ارشاد فرمایا۔

خبردار مجرمین ومنکرین کو اسی قسم کی لغو اور بے ہودہ باتوں اور حرکتوں سے باز آجانا چاہئے یہ جو کچھ وحی الٰہی سے بتایا جارہا ہے بالکل حق ہے اور قسم ہے چاند کی اور قسم ہے رات کی جب وہ پیٹھ پھیرے اور قسم ہے صبح کی جب کہ وہ روشن ہو، بے شک وہ جہنم جس پر انیس فرشتوں کے پہرے اور انتظام کا ذکر کیا گیا ہے ایک بہت ہی چیز ہے بڑی عظیم الشان چیزوں میں

ف۱ یعنی یہ بیہودہ درخواستیں بھی کچھ اس لیے نہیں کہ ایسا کردیا جائے تو واقعی مان جائیں گے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لیے حق کی طلب نہیں، اور یہ درخواستیں محض تعنت سے ہیں۔ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری کردی جائیں تب بھی اتباع نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾

ف۲ یعنی ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے، ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک کتاب (قرآن کریم) ہی نصیحت کے لیے کافی ہے۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی (یہ کتاب) ایک پرا تری تو کیا ہوا، کام تو سب کے آتی ہے۔"

ف۴ اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا سب حکمتوں پر مبنی ہے۔ جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کرسکتا۔ وہی ہر شخص کی استعداد ولیاقت کو کماحقہ جانتا ہے اور اس کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

ف۵ یعنی آدمی کتنے ہی گناہ کرے۔ لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور اس سے ڈرے گا، وہ اس کے سب گناہ بخش دے گا، اور اس کی توبہ کو قبول کرے گا۔ انس ابن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر بطور حاشیہ معنیہ کے، ایک عبارت اس آیت کی تلاوت کے بعد نقل فرمائی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "قال ربکم عزوجل انا اھل ان اتقی فلا یشرك بی شیء فاذا اتقانی العبد فانا اھل ان اغفر لہ۔" یعنی میں اس لائق ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک نہ کرے، پھر جب بندہ مجھ سے ڈرا (اور شرک سے پاک ہوا) تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔" حق تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے ہم کو توحید ایمان پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اور اپنی مہربانی سے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔

سے جوڈرانے والی ہے انسان کو ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے چاہے آگے بڑھنا اور سعادت وفلاح کے میدان میں یا یہ کہ وہ پیچھے رہے اور ایمان وتقویٰ کی طرف رخ بھی نہ کرے بھی نہ کرے آگے بڑھنے سے نیکی اور تقوی کے عمل کرے گا اور اسکا نتیجہ بہشت اور بہشت کی نعمتیں ہوں گی، اور پیچھے ہٹنا بدی اور برائیوں میں مبتلا ہونا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایمان اعمال اور نیکی یا کفرونافرمانی اور شقاوت کے نتائج قیامت ہی کے روز سامنے آئیں گے اسی وجہ سے یہ قانون خداوندی ہے کہ ہر ایک انسان اپنے کیے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے ان کاموں میں سے جو بھی شقاوت ومعصیت اور بدی کا کام ہوا اسکی سزا سے وہ کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا۔

مگر داہنے ہاتھ والے جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ باغوں میں ہوں گے ہر طرح کی عیش و راحت اور لذتوں میں جو بطور مزاح یا حق تعالیٰ کی نعمتوں میں خوش ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے ہوں گے مجرموں کے بارہ میں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو دنیا میں اپنا فخر وغرور جتایا کرتے تھے اور ایمان واعمال صالحہ کی جزاء اور جنت کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اور یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ قیامت آئے گی اور قیامت میں مجرموں پر خدا کا عذاب ہوگا پھر خود وہ ان مجرموں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دریافت کرتے ہوں گے کس چیز نے تم کو پہنچایا ہے جہنم میں اور تم تو بڑے ہی عقل مند تھے اس دانائی وعقل کے باوجود تم اس ہلاکت وتباہی کے مقام پر کیسے پہنچ گئے بولیں گے ہم نہ ہوئے نماز پڑھنے والوں میں سے اور نہ ہی صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کی صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بلکہ ہم تو خدا اور رسول کی باتوں میں طعن وتشنیع کرنے والوں کے ساتھ اللہ کے دین میں تمسخر اور اعتراض کرنے میں منہمک رہتے تھے چہ جائیکہ ہم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور ہم جھٹلاتے رہے انصاف کے دن روز قیامت کو یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر یقین کی بات کہ قیامت ہی آگئی اور جن جن باتوں میں شک کرتے تھے اور جھٹلاتے تھے ان پر یقین بھی حاصل ہوگیا حتیٰ کہ مشاہدہ کر لیا کہ یہ ہے وہ جہنم جس سے خدا کے پیغمبر نے ڈرایا تھا تو اس طرح انجام ہوگا ان منکرین ومکذبین کا جو کسی طرح بھی عذاب خداوندی سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں گے سو ان کو سفارش کرنیوالوں کی کوئی سفارش فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ یہ سب کچھ ان منکرین کو بتایا جارہا ہے جو قریش مکہ میں سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو آخر کیا ہوگیا انکو جو ہر نصیحت سے بے رخی اختیار کر رہے ہیں بلکہ نفرت اور پیغام نصیحت سے دور بھاگنے کی صورت یہ معلوم ہورہی ہے کہ گویا یہ بدکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو کسی ہیبت ناک آواز سے بھاگے رہے ہیں تو اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے کہ نعرہ حق اعلان توحید اور دعوت ایمان کی صدا نے انکے قلوب ودماغ میں کھلبلی مچادی جو کفر وشرک کی گندگیوں سے بھرے ہوئے ہیں عقل وفطرت کے لحاظ سے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اعلان توحید اور دعوت حق سے اعراض کریں اور اس کو قبول نہ کریں اصل روگ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے ورق دے دیئے جائیں اور نام بنام ہر ایک پر آسمان سے ایک ورق اور صحیفہ آکر گرے اور اس میں لکھا ہوا ہو کہ اے فلاں بن فلاں خدا تجھ کو کہتا ہے کہ تو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے [1] آ خبردار ہرگز ایسا

[1] یہ وہی چیز ہے جس کو سورۃ انعام میں فرمایا ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہ اگر ہم آپ ﷺ پر ایک لکھی ہوئی کتاب کاغذوں میں اتار دیتے پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو تب بھی یہی کہتے یہ تو ایک کھلا ہوا۔

نہیں ہوسکتا یہ نہیں ہے کہ یہ بات وہ اپنے کسی شک اور تردد کو دور کرنے کے لئے کہتے ہیں بلکہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں جب اس پر ایمان و یقین ہی نہیں تو کیا خاک ڈریں گے خبردار اے انسان غفلت سے باز آجا یہ تو ایک نصیحت ہے جو ہمارے پیغمبر نے سب کو کردی اور یہ پیغام نصیحت سب کو پہنچا دیا اب جس کا دل چاہے اس کو قبول کرلے اور جس کا دل چاہے اس کو ٹھکرادے اور جو لوگ بھی اس کو قبول کریں گے وہ وہی ہوں گے جن کو اللہ چاہے کیونکہ حق وہدایت کا قبول کرنا پروردگار عالم کی توفیق ومشیت پر موقوف ہے اور وہ ذات خداوند عالم اپنی عظمت وکبریائی اور اپنے جلال وجمال کے باعث لائق ہے ڈرنے کے اور اہل ہے مغفرت کا کہ اپنے لطف وکرم سے بندوں کو معاف کردے اور اپنے انعامات سے نوازے یعنی آدمی کتنا ہی گنہگار ہو لیکن پھر بھی اگر خدا سے ڈر کر تائب ہوجائے گا اور معافی مانگے گا تو خدائے تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرماتے ہوئے اسکی مغفرت فرمادے گا یہی اس کی شان کریمی سے متوقع ❶ ہے۔

اللهم اغفر لنا وارحمنا وارض عنا وتقبل منا وادخلنا الجنة ونجنا من النار بالخير فانت اهل التقوى واهل المغفرة امين يارب العلمين (تم تفسير سورة المدثر)

سورة القيمة

سورۃ قیامہ بھی مکی سورتوں میں سے ہے جو مکی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اسکی چالیس آیات اور ۲ رکوع ہیں۔

اس سورت میں احوال قیامت کا ذکر ہے اور وہ دلائل قاطعہ اور واضحہ بعث ونشر کے ثابت کرنے کے لیے ذکر فرمائے گئے جن کو سن کر ہر شخص عقل وفطرت کی رو سے مجبور ہے کہ وہ قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لائے۔

ایمان بالآخرۃ دین اسلام کی بنیاد ہے تو اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال بیان کیے گئے اور یہ کہ انسان پر جب سکرات موت طاری ہونے لگتے ہیں تو اس پر کس طرح کی بے چینی اور کرب واقع ہوتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہ قیامت برپا فرمائیں گے تو نظام عالم اور آسمان وزمین اور چاند وسورج کس طرح درہم برہم کردیئے جائیں گے خدائے تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح انکی قبروں سے اٹھائے گا اور کس طرح وہ اپنی عظیم قدرت سے جسم کے اجزائے منتشرہ اور ریزہ ریزہ ہوجانے والی ہڈیوں کو جوڑے گا۔

پھر جب میدان حشر میں حاضری ہوگی تو انسان اپنے اعمال پر کیسا پچھتائے گا اور نامہ اعمال اس کے سامنے ہوں گے اس کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی کتاب اعمال خود پڑھے ان اہم مضامین کو بیان کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں پھر ایک بار

= جادو ہے مطلب یہ کہ بالفرض انکا یہ مطالبہ اور خواہش بھی پوری کردی جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔

❶ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس آیت مبارکہ کو تلاوت کرتے ہوئے بطور تشریح وتوضیح فرمایا قال ربکم انا اهل ان اتقى فلا يشرك شيء فاذا اتقاني عبد فانا اهل ان اغفر له۔ یعنی میں اس کے لائق ہوں جب میرا بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ شریک نہ کیا جائے تو میں مغفرت کردوں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں یہی ہے عربیت کی رو سے یہ ظاہر ہوا کہ اهل التقوى میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے اور اهل المغفرة نسبت فاعل کی طرف ہے اور اس روایت میں بیان کردہ کلمات اس طرف بھی اشارہ کررہے ہیں جملہ معطوف علیہا بمنزلہ شرط ہے اور جملہ معطوفہ بمنزلہ جزا ہے۔ ۱۲

انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کیا گیا۔

(۷۵ سُورَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۳۱) (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) (ایاتہا ۴۰ رکوعاتہا ۲)

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ۝۲ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ف۱ اور قسم کھاتا ہوں جی کی کہ جو ملامت کرے برائی پر ف۲ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، اور قسم کھاتا ہوں جی کی، جو اولاہنا دیتا ہے۔ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے

نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ۝۳ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ۝۴ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ

ہم اس کی ہڈیاں ف۳ کیوں نہیں ہم ٹھیک کرسکتے ہیں اس کی پوریاں ف۴ بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے

ہم اس کی ہڈیاں؟ کیوں نہیں کرسکتے ہم کہ ٹھیک کردیں اس کی پوریاں۔ بلکہ چاہتا آدمی کہ ڈھٹائی کرے

ف۱ یعنی قیامت کا دن جس کا ممکن ہونا عقل سے اور متیقن الوقوع ہونا ایسے مخبر صادق کی خبر سے ثابت ہو چکا ہے جس کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یقیناً مرے پیچھے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہوگا۔

(تنبیہ) واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں، اپنے معبود کی، کسی معظم و محترم ہستی کی، کسی مہتم بالشان چیز کی، کسی محبوب یا نادر شے کی، اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لیے، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کی قسمت کی قسم کھائیے۔ پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لیے شاہد ہی گردانا جائے۔ جیسے ذوق نے کہا ہے ؎ اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا، یہاں اپنے سر کے نہ اٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے۔ وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کو جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا رفیع و مہتم بالشان ہوں، یا مقسم علیہ کے لیے بطور شاہد و حجت کے کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے نہایت رفیع و مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف ہی یوم قیامت ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو "مطمئنہ" کہتے ہیں۔ ﴿یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً﴾ اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو نفس "امارہ" کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے۔ ﴿وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾ اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو "نفس لوامہ" کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو "امارہ بالسوء" کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا، نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا، پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) "لوامہ" کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سدھر گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بیہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس "مطمئنہ" ہو گیا۔" اھ، بتغییر یسیر۔ یہاں نفس لوامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے۔ یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ و اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔

ف۳ یعنی یہ خیال ہے کہ ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی وغیرہ کے ذرات میں جا ملے۔ بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیے جائیں گے؟ یہ چیز تو محال معلوم ہوتی ہے۔

ف۴ یعنی ہم تو انگلیوں کی پوریاں بھی درست کر سکتے ہیں اور پوریوں کی تخصیص شاید اس لیے کی کہ یہ اطراف بدن ہیں اور ہر چیز کے بننے کی تکمیل اس کے =

اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ

اس کے سامنے پوچھتا ہے کب ہوگا دن قیامت کا ف۱ پھر جب چندھیانے لگے آنکھ ف۲ اور گہہ جائے چاند ف۳ اور اکٹھے ہوں

اس کے سامنے، پوچھتا ہے کہ کب ہے دن قیامت کا؟ پھر جب چوندھ لانے لگے تیور، اور گہہ جائے چاند، اور اکٹھے ہوں

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ

سورج اور چاند ف۴ کہے گا آدمی اس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر، کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ، تیرے رب تک ہے

سورج اور چاند، کہے گا آدمی اس دن، کہاں جاؤں بھاگ کر۔ کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ۔ تیرے رب تک

يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى

اس دن جا ٹھہرنا ف۵ جتلا دیں گے انسان کو اس دن جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ف۶ بلکہ آدمی

اس دن جا ٹھہرنا۔ جتا دیں گے انسان کو اس دن جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا، بلکہ آدمی

نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝۱۶ اِنَّ عَلَيْنَا

اپنے واسطے آپ دلیل ہے اور پڑا ڈالے اپنے بہانے ف۷ نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تا کہ جلدی اس کو سیکھ لے، وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو

اپنے واسطے آپ سوجھ ہے، اور پڑا ڈالے اپنے بہانے۔ نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اس کو سیکھ لے۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے

= اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میری پور پور میں درد ہے۔ اس سے مراد تمام بدن ہوتا ہے۔ دوسرے پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ اور عادۃً یہ زیادہ دشوار اور باریک کام ہے۔ لہٰذا جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہوگا۔

ف۱ یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل و نشانات غیر واضح ہیں۔ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی ہے بالکل بے باک ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہو سکے گی۔ اس لیے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا۔ جس سے عیش منغص ہو اور لذت میں خلل پڑے۔ بلکہ استہزاء و تعنت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت کب آئے گی۔ اگر واقعی آنے والی ہے تو بقید سنہ و ماہ اس کی تاریخ تو بتلائیے۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب آ جائے گا۔

ف۳ یعنی بے نور ہو جائے۔ چاند کو شاید الگ اس لیے ذکر کیا کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا۔

ف۴ یعنی بے نور ہونے میں دونوں شریک ہوں گے۔

ف۵ یعنی اب تو کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے۔ اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں۔ ارشاد ہوگا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی، نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کرے۔

ف۶ یعنی سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد، اس کو جتلا دیے جائیں گے۔

ف۷ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اپنے احوال میں غور کرے تو رب کی وحدانیت جانے (اور یہ کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اور جو کہے میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب بہانے ہیں۔" لیکن اکثر مفسرین نے اس کا تعلق ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ سے رکھا ہے یعنی جتلانے پر بھی موقوف نہیں۔ انسان اپنی حالت پر خود مطلع ہوگا گو باقتضائے طبیعت وہاں بھی بہانے بنائے اور حیلے حوالے پیش لائے جیسے کفار کہیں گے۔ "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔" بلکہ یہاں دنیا میں بھی وہ انسان جس کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو اپنی حالت کو خوب سمجھتا ہے گو دوسروں کے سامنے حیلے بہانے بنا کر اس کے خلاف ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔

جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ

جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا ف۱

اس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھنا، پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے، پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا، کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو

الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ

کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے ف۲ کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ف۳ اور کتنے منہ

شاب ملتی، اور چھوڑتے ہو دیر آتی۔ کتنے منہ اس دن تازے ہیں، اپنے رب کی طرف دیکھتے۔ اور کتنے منہ

يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ

اس دن اداس ہیں ف۴ خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر ف۵ ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک ف۶ اور لوگ کہیں کون ہے

اس دن اداس ہیں، خیال میں ہیں کہ ان پر وہ ہوئے جس سے کمر ٹوٹے۔ کوئی نہیں جس وقت جان پہنچی ہانس تک، اور لوگ کہیں کون ہے

ف۱ شروع میں جس وقت حضرت جبرائیل اللہ کی طرف سے قرآن لاتے، ان پر پڑھنے کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلد اسے یاد کرلیں اور سیکھ لیں۔ مبادا جبرائیل علیہ السلام چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہوسکے۔ مگر اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ جب تک پہلا لفظ کہیں اگلا سننے میں نہ آتا۔ اور سمجھنے میں بھی ظاہر ہے دقت پیش آتی ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی حاجت نہیں ہمہ تن متوجہ ہوکر سننا ہی چاہیے۔ یہ فکر مت کرو کہ یاد نہیں رہے گا۔ پھر کیسے پڑھوں گا۔ اور لوگوں کو کس طرح سناؤں گا۔ اس کا تمہارے سینے میں حرف بحرف جمع کر دینا اور تمہاری زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام جس وقت ہماری طرف سے پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خاموشی سے سنتے رہیے۔ آگے اس کا یاد کرانا اور اس کے علوم و معارف کا تمہارے او پر کھولنا اور تمہاری زبان سے دوسروں تک پہنچانا، ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھنا ترک کر دیا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہوا، کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دہرایا لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بلفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زبر زیر کی تبدیلی کے فرفر سنا دی اور سمجھا دی، یہ اس دنیا میں ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا۔ ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ کا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فرد گزاشت کے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جمع کر دے، کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے پچھلے اعمال جن میں سے بعض کو کرنیوالا بھی بھول گیا ہوگا سب جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلا دے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب کو از سرنو وجود عطا فرما دے۔ بیشک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے۔

ف۲ یعنی تمہارا قیامت وغیرہ سے انکار کرنا ہرگز کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں، بلکہ دنیا میں انہماک اس کا سبب ہے۔ دنیا چونکہ نقد اور جلد ملنے والی چیز ہے اسی کو تم چاہتے ہو۔ اور آخرت کو ادھار سمجھ کر چھوڑتے ہو کہ اس کے ملنے میں ابھی دیر ہے۔ انسان کی طبیعت میں جلد بازی داخل ہے۔ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ پسندیدہ چیزوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں جس کی ایک مثال ابھی ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ میں گزری اور بدتمیز آدمی اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے خواہ آخر کار اس کا نتیجہ ہلاکت ہی کیوں نہ ہو۔

ف۳ یہ آخرت کا بیان ہوا یعنی مومنین کے چہرے اس روز تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہوں گی۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ اللھم لاتحرمنامن ھذالنعمۃ التی لیس فوقھانعمۃ۔

ف۴ یعنی پریشان اور بے رونق ہوں گے۔

ف۵ یعنی یقین رکھتے ہیں کہ اب وہ معاملہ ہونے والا ہے اور وہ عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دے گا۔

ف۶ یعنی آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت ہے جو بالکل قریب ہے۔ یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے =

عٓ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

جھاڑنے والا ف۱ اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا ف۲ اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی ف۳ تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھینچ کر چلا جانا ف۴

جھاڑنے والا؟ اور وہ اٹکلا کہ اب آیا چھوٹنا، اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی۔ تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھچ جانا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى

پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی پھر جھٹلایا اور منہ موڑا پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا ف۵ خرابی تیری

پھر نہ یقین لایا ہے، نہ نماز پڑھی، پر جھٹلایا ہے اور منہ موڑا۔ پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا۔ خرابی تیری!

لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ

خرابی پر خرابی تیری پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری ف۶ کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید ف۷ بھلا نہ تھا وہ ایک بوند

خرابی پر خرابی تیری۔ پھر خرابی تیری! خرابی پر خرابی تیری۔ کیا خیال رکھتا ہے آدمی؟ کہ چھوٹا رہے گا بے قید۔ بھلا نہ تھا ایک بوند

= پر جا پہنچو گے۔ گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ جہاں مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچی اور سانس حلق میں رکنے لگی سمجھو کہ سفر آخرت شروع ہوگیا۔

ف۱ ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے اور بعض سلف نے کہا کہ "من راقٍ" فرشتوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقدیر پر "راقی"، "رقی" سے مشتق ہوگیا، جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ "رقیہ" سے نہ ہوگا۔ جو افسوں کے معنی میں ہے۔

ف۲ یعنی مرنے والا سمجھ چکا کہ تمام عزیز و اقارب اور محبوب و مالوف چیزوں سے اب اس کو جدا ہونا ہے یا یہ مطلب کہ روح بدن سے جدا ہونے والی ہے۔

ف۳ یعنی بعض اوقات سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اس لیے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ عرب کے محاورات میں "ساق" کنایہ ہے سخت مصیبت سے۔ تو آیت کا ترجمہ یوں کیا جائے گا کہ "ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ" کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ پہلی سختی تو یہی دنیا سے جانا، مال و اسباب، اہل و عیال، جاہ و حشم، سب کو چھوڑنا دشمنوں کی خوشی و طعنہ زنی، اور دوستوں کے رنج و غم کا خیال آنا، اور دوسری اس سے بڑی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔

ف۴ یعنی سفر آخرت کی ابتداء یہاں سے ہے گویا بندہ اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوا مگر افسوس اپنی غفلت و حماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا نہ اتنے بڑے سفر کے لیے کوئی توشہ ساتھ لیا۔

ف۵ یعنی بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا، اور بجائے نماز پڑھنے اور مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا۔ نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بدبختی پر اتراتا اور اکڑتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا۔ گویا کوئی بہت بڑی بہادری اور ہنرمندی کا کام کر کے آرہا ہے۔

ف۶ یعنی او بدبخت اب تیری کم بختی آئی، ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ اب تیرے لیے خرابی پر خرابی اور تباہی پر تباہی ہے۔ تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہوگا۔ (تنبیہ) شاید اول خرابی یقین نہ لانے اور نماز نہ پڑھنے پر، دوسری اس سے بڑھ کر جھٹلانے اور منہ موڑنے، پر تیسری اور چوتھی ان دونوں امور میں سے ہر ایک کو قابل فخر سمجھنے پر ہو۔ جس کی طرف۔ "ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى" میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۷ یعنی کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اور امر و نہی کی کوئی قید اس پر نہ ہوگی؟ یا مرے پیچھے اٹھایا نہ جائے گا؟ اور سب نیک و بد کا حساب نہ لیں گے؟

نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

منی کی جو ٹپکی ف۱ پھر تھا لہو جما ہوا پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا، پھر کیا اس میں جوڑا نر

منی کی جو ٹپکے، پھر تھا لہو کی پھٹکی، پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا۔ پھر کیا اس میں جوڑا نر

وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

اور مادہ کیا یہ خدا زندہ نہیں کرسکتا مردوں کو ف۲

اور مادہ۔ کیا ایسا شخص نہیں سکتا؟ کہ جلادے مردے۔

احوال روز قیامت مع ذکر مناظر محشر وشدت کرب بوقت مرگ انسانی وحسرت وملال برمحرومی از ہدایت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ... الی ... اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾

ربط: ......گزشتہ سورت مدثر میں قیامت کے ظاہری احوال کا ذکر تھا اور یہ کہ قیامت کے قریب کیا کیا واقعات پیش آئیں گے اور قیامت کس طرح برپا ہوگی اب اس سورت میں قیامت کے باطنی احوال بیان کئے جارہے ہیں اور یہ کہ قیامت قائم ہونے پر انسان پر کیا کیفیات گزریں گی وہ کس طرح بے چین وبدحواس ہوگا نامہ اعمال کی پیشی نہایت ہی ہیبت ناک اور ہوش وحواس معطل کردینے والا مرحلہ ہوگا اور اس وقت نافرمان اور فاجر وبدکار انسان کو سوائے ملال وحسرت کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی جس کے صدق اور وقوع پر دلائل قطعیہ قائم ہوچکے اور ہر صاحب عقل انسان پر اس کا ماننا لازم ہوچکا خواہ وہ مانے یا نہ مانے اور قسم کھاتا ہوں میں ملامت کرنے والے نفس کی جس کی ملامت وحسرت کی کیفیات انسان ہر محرومی وناکامی کے مرحلہ پر محسوس کرتا ہے اور ایسے ہر مرحلہ پر یہ احساس قدرت خداوندی اور اس کے دین کی حقانیت کی اعلی اور روشن تر دلیل ہے۔

کیا گمان کرتا ہے انسان یہ کہ ہم اس کے مرنے کے بعد نہیں جمع کرسکیں گے اسکی ہڈیاں ؟ ہرگز نہیں اس کا یہ خیال باطل ہے بلکہ ہم تو قادر ہیں اس بات پر کہ اس کی انگلیوں کی پوریاں بھی برابر کردیں جو انسان کے بدن میں نازل ترین ہڈیاں اور اجزاء ہیں تو جب ہم ایسی نازک اور باریک ہڈیاں اور جوڑ بھی درست کرسکتے ہیں تو پھر تمام اجزاء اور ہڈیوں کا جوڑنا کیا مشکل ہے اصل بات یہ نہیں ہے کہ ہماری قدرت کی نشانیاں اور دلائل واضح نہیں ہوئے بلکہ یہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ

ف۱ یعنی عورت کے رحم میں۔

ف۲ یعنی نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں آیا۔ پھر اللہ نے اس کی پیدائش کے سب مراتب پورے کرکے انسان بنادیا اور تمام ظاہری اعضاء اور باطنی قوتیں ٹھیک کردیں۔ ایک نطفہ بے جان سے انسان عاقل بن گیا۔ پھر اسی نطفہ سے عورت اور مرد دو قسم کے آدمی پیدا کیے جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری و باطنی خصوصیات جداگانہ ہیں۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے اول سب کو ایسی حکمت وقدرت سے بنایا، اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کردے؟ "سبحانك اللهم فبلى۔" پاک ہے تیری ذات اے خدا! کیوں نہیں، تو بیشک قادر ہے۔

ڈھٹائی کے ساتھ فسق وفجور کرتا رہے اس سے پہلے اور قیامت کا خیال تک دل میں لانے کیلئے تیار نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قیامت اور حشر ونشر کے تصور سے بھی اس کے عیش وعشرت اور نفس کی لذتوں میں خلل پڑ جائے گا وہ بس یہی چاہتا ہے کہ اعمال کے حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے خیال سے لاپرواہ ہو کر نفس کی خواہشات اور لذتوں میں منہمک رہے اس لیے بطور استہزاء سوال کرتا ہے کب آئے گا قیامت کا دن ؟ ایسے مسخرے کو معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں وہ تو ایسی ہولناک ساعت ہوگی جب چندھیانے لگے آنکھ تجلیات کی شدت وعظمت سے اور حیرت سے نگاہیں خیرہ ہوں گی سورج سر کے قریب ہوگا اور بے نور ہو جائے چاند گہن لگنے کی طرح اور جمع کر دیا جائے سورج اور چاند کہ نفخ صور کے بعد دونوں کو بے نور کر کے اور آسمان وزمین کا تمام نظام جو شمسی وقمری نظام پر قائم ہے درہم برہم کر دیا جائے اور اس آسمان وزمین کے بجائے دوسرے آسمان وزمین بنا دیئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ تو قیامت کا دن اے سوال کرنے والے انسان! ایسا ہیبت ناک دن ہوگا جس میں بدحواسی کا یہ عالم ہوگا انسان کہتا ہوگا۔ کہاں ہے بھاگنے کی جگہ کہ میں ان پریشانیوں سے بچ نکلوں نہیں ہرگز نہیں خبردار کہیں نہیں بچنے کی کوئی جگہ کوئی طاقت ہی نہیں کہ انسان خدا کی گرفت سے بچ کر نکل سکے۔

بس اے انسان تیرے پروردگار ہی کی طرف اس دن ٹھیرنے کا مقام ہے کہ اسی رب کی عدالت کی حاضری اور پیشی سب کو بھگتنی ہے اور وہیں سب کو پیش ہونا ہے نہ کوئی امکان ہے اور نہ ہی کوئی مکان ہے کہ انسان وہاں پناہ لے سکے ہر انسان کو جتلا دیا جائے گا اس دن جو کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ اس نے بعد میں کیا یا جو کچھ اس نے پیچھے چھوڑا، نامہ اعمال پیش ہوگا اور زندگی کا ہر عمل اس کے سامنے ہوگا جس کا نہ انکار کر سکے گا اور نہ اس میں کسی قسم کی حجت بازی ممکن ہوگی اور نامہ اعمال کی پیشی کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ انسان تو اپنے نفس کو خوب سمجھتا ہوگا اور اس کے بدن کا ہر ہر جزء ہر اس عمل کی گواہی دیتا ہوگا جو اس نے کیا ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ اگرچہ وہ پیش کرنے لگے اپنے اعذار اور بہانے اور خواہ کچھ ہی بات بنائے حیل وحجت کرے لیکن کچھ کام نہ چلے گا حتیٰ کہ اس کا یہ کہنا بھی ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ کسی درجہ میں مفید نہ ہوگا۔ اے ہمارے پیغمبر مت [1] حرکت دیجئے

[1] صحیح بخاری اور دیگر روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ابتداء وحی میں آنحضرت ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جبریل امین علیہ السلام جس وقت اللہ کی وحی لیکر آتے اور وحی آپ ﷺ پر نازل ہوتی تو آپ ﷺ ساتھ ساتھ ہر ایک لفظ اپنی زبان سے پڑھنے لگتے اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ ذہن اور یاد سے نکل نہ جاوے اور اس وجہ سے آپ ﷺ اپنے اوپر کافی مشقت برداشت فرماتے تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو اس طرح کی محنت ومشقت سے روک دیا گیا اور وعدہ کر لیا گیا کہ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ اس کلام کو آپ ﷺ کے دل میں جمع اور محفوظ کر دیں اور پھر آپکی زبان سے اسکی تلاوت وقراءت کرا دیں جس کو لوگ سن کر آپ ﷺ سے یاد کر لیں اور یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ اس کلام کی توضیح وبیان اور اس سے متعلقہ احکام کی تفصیل وتشریح بھی کرا دیں اس وجہ سے آپکو چاہئے کہ جب ہم اس کو بزبان فرشتہ پڑھیں تو آپ ﷺ اسکی اتباع کریں یعنی خاموش رہیں اور کان لگا کر سنیں چنانچہ پھر آپ ﷺ ایسا ہی کرتے کہ جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے پر خاموش رہ کر سنتے اور جب جبرئیل علیہ السلام چلے جاتے تو اسی طرح بلا کسی زبر زیر کے فرق کے آپ ﷺ پڑھنے لگتے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اللہ کی قدرت کا ایک عظیم نمونہ ہے کہ ایک سینہ میں کلام محفوظ کر دیا جائے اور پھر اس کو جب چاہو اعادہ کر لو اور زبان سے اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر کر دیا جائے تو جس طرح خدا کے پیغمبر کے سینہ میں یہ کلام محفوظ ہو رہا ہے اور پھر تلاوت کیا جا رہا ہے اور پڑھا جا رہا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انسان کے اعمال محفوظ رکھے اور قیامت کے روز ان اعمال کو اسی ترتیب سے جس طرح سے کہ وہ کئے گئے ہیں انسان کے سامنے ظاہر کر دے بلکہ ہر انسان کے قلب میں =

آپ ﷺ اپنی زبان کو تا کہ جلدی سے اس کو محفوظ کر لیں آپ ﷺ کو اس محنت و مشقت کی ضرورت نہیں جو آپ ﷺ جبرئیل امین علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ اپنی زبان سے بھی وہی کلمات پڑھنے کی مشقت اٹھاتے ہیں بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا آپ ﷺ کے سینہ میں اور اس کا پڑھنا زبان سے اس لئے جب ہم اس کو پڑھیں فرشتہ کی زبان سے تو آپ ﷺ اس کے پڑھنے کی پیروی نہ کیجئے خاموشی سے سنیئے اور اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے پھر ہمارے ذمہ ہے اسکا واضح کرنا اور بتلانا اور آپ ﷺ کے ذریعہ اس کے معانی ومضامین کا دنیا تک پہنچا دینا۔

یہ مناظر اور حقائق تو اس بات کے واسطے کافی ہیں کہ انسان آخرت اور آخرت میں اعمال کی پیشی کو سمجھ لے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ انسان فکرِ آخرت سے بالکل ہی لاپرواہ ہو چکا ہے اور یہ اس بناء پر نہیں کہ آخرت اور قیامت کے دلائل واضح نہیں یا انسان کی عقل وفطرت اس کو سمجھ نہیں سکتی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اے لوگو تم پسند کرتے ہو جلدی کی چیز کو جو دنیا میں اسی زندگی میں مل جائے اسی زندگی کی لذتوں اور عیش وعشرت کے خواہاں ہو جس میں انہماک وشغف نے تم کو فکرِ آخرت سے بے پرواہ بنا دیا اور چھوڑتے ہو آخرت کو اور آخرت کی نعمتوں اور لذتوں کو کاش کہ فکرِ آخرت نصیب ہوتی اور آخرت کی نعمتوں کی قدرت ومنزلت کا شعور ہوتا جانتے بھی ہو وہاں کے احوال کیا ہوں گے؟ روز قیامت یہ ہوگا کہ کچھ چہرے اس روز تروتازہ وشاداب ہوں گے جو اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن اداس اور مرجھائے ہوئے بدحواس اور بے رونق ہوں گے جو گمان کرتے ہوں گے اب ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا جو کمر توڑ دینے والا ہو اور ایسی شدت وکرب کی کیفیت محسوس کریں جو انکی کمر ہی توڑ ڈالے۔

خبردار اے غافل انسانو! قیامت کی شدت کا کیا کہنا وہاں کا عذاب وسختی تو کیا برداشت کی جاسکے گی یہ دنیا میں موت کی گھڑی کچھ دور نہیں اور سفرِ آخرت کی یہ پہلی منزل ہی اس قدر دشوار گزار ہے کہ انسان اس کا تصور تک بھی نہیں کرسکتا چنانچہ جب انسان کی جان گلے تک پہنچنے لگے اور نزع روح کا وقت آجائے اور تدبیر وعلاج سے مایوسی کے بعد کہا جائے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور وہ سمجھے کہ اب فراق کا وقت ہے دنیا اور دنیا کی ہر محبوب چیز سے جدائی کا منظر آنکھوں سے نظر آنے لگے اور کرب وبے چینی کا یہ عالم ہو کہ پنڈلی پنڈلی کے ساتھ لپٹنے لگے تڑپنے کی کیفیت سے جیسے کہ سکراتِ موت کی سختی سے ایک پنڈلی سے دوسری پنڈلی لپٹ لپٹ جاتی ہے تو ہر انسان کو ایسے سکراتِ موت کی شدت کو سوچنا چاہیے کہ یہ کیسا کرب اور بے چینی کا عالم ہوگا۔

تو جب آخرت کی یہ پہلی منزل اس قدر شدید ہے کہ بڑے سے بڑے طاقت ور انسان برداشت نہیں کر سکتے تو ظاہر ہے کہ قیامت اور محشر کی شدت کا کیا عالم ہوگا اور انسان عجیب ہے کہ آخرت تو کیا موت جو قریب کی چیز ہے اور اس کا منظر روز اسکی نظروں کے سامنے ہے اس کو بھی بھلائے ہوئے ہے تو اے انسان آخر کیوں اس بات کو نہیں سوچتا کہ بس تیرے

= کسی چیز کا محفوظ ہونا پھر اس کا زبان سے اسی ترتیب سے بیان وظاہر کرنا قیامت کے روز اعمال کی پیشی اور گواہی کا نمونہ ہے غرض اس توضیح سے ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾ کا جو شان نزول مفسرین نے بیان کیا اور احادیث میں اس کو ذکر کیا گیا اسکا ربط سورۃ قیامہ کے اس مضمون سے اور ماقبل وما بعد آیات سے واضح ہو رہا ہے۔ ۱۲

رب ہی کی طرف گھسیٹ کر تجھے لے جاتا ہے اور ہر شخص میدان حشر کی طرف لے جایا جائے گا جیسے جانوروں کو ہنکایا جا رہا ہو۔
یہ باتیں بہت کافی ہیں کہ انسان ان پر غور کر کے عبرت و نصیحت حاصل کرے حق اور ہدایت کو تسلیم کرے لیکن افسوس بدنصیب ہے وہ انسان جس نے یقین نہ کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات پر ایمان لے آتا اور نہ نماز پڑھی اپنے رب کی اطاعت و بندگی کرتے ہوئے۔ ہاں البتہ اس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور منہ موڑا غرور و تکبر سے نافرمانی کرتے ہوئے پھر لوٹا وہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا اے مغرور و بدنصیب انسان ہلاکت و بربادی ہو تیرے واسطے پھر ہلاکت و بربادی پھر تباہی ہو تیری اور پھر تباہی ● کہ دنیا میں ذلت و نحوست اور ہلاکت ہو اور پھر آخرت میں بھی عذاب جہنم میں مبتلا ہو آخرت کے عذاب اور قیامت کی شدت سے کون بچ سکتا ہے ہر صاحب عقل کو اس کی فکر اور تیاری میں لگ جانا چاہیے اور جب تک دنیا میں ہے ان لمحات زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیے تو کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو آزاد ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ جو چاہے کرے نیک و بد اور حلال و حرام کا فرق بالائے طاق رکھ کر اپنی خواہشات اور نفس ہی کی پیروی کرتا رہے اور یہ تصور بھی نہ کرے کہ اسکی ذمہ داری کیا ہے اور کس لئے پیدا کیا گیا اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو اپنے خالق و مالک کو کیا جواب دے گا ایسا انسان آخر کیوں نہیں قیامت پر ایمان لاتا اور اللہ کی قدرت پر کیوں یقین نہیں کرتا کیا وہ نہیں تھا منی کا قطرہ ٹپکا ہوا رحم میں اور پھر یہ ناپاک قطرہ منی کس طرح نشو ونما پاتا رہا پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا پھر اس کو نشو ونما دیا اور بتدریج نہایت ہی تناسب کے ساتھ اعضاء بنائے ہاتھ پاؤں شکل وصورت بنائی اس طرح کہ نطفہ سے خون کا لوتھڑا بنا اور خون کے لوتھڑے کو شکل وصورت بخشی متناسب اعضاء بنا دیئے پھر اس سے بنائے جوڑے مذکر و مؤنث کہ کسی نطفہ کو لڑکے کی شکل دیدی اور کسی کو لڑکی بنا دیا اور ظاہر ہے کہ ایک قطرہ منی سے یہ تصرفات اور تغیرات خود بخود نہیں ہو رہے ہیں اور نہ کوئی عقل والا اس کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ ہر ایک مرحلہ اور حالت بتا رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی بڑے ہی زبردست علیم و حکیم اور قادر و خلاق کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے ورنہ یہ کون سے مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے کہ ایک قطرہ ایسے تغیرات قبول کرتا جا رہا ہے پھر اعضاء بن رہے ہیں شکل وصورت تیار ہو رہی ہے اور اس میں کوئی حمل لڑکے کی شکل اختیار کر رہا ہے تو کوئی لڑکی کی آخر یہ تفاوت کیوں ہو رہا ہے اور کون یہ صناعی کر رہا ہے اور کون اس گوشت کے لوتھڑے کو شکل وصورت دیکر آنکھ، ناک، کان اور ان میں ادراک کی صلاحیتیں پیدا کر رہا ہے تو کیا ایسا قادر مطلق اور خلاق عظیم قادر نہیں ہے اس بات پر کہ مردوں کو زندہ کر دے اور قیامت کے

● یہ کلمات ﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى﴾ کے مفہوم کی توضیح کے لیے ہیں علماء عربیہ سے منقول ہے کہ کلام عرب ہیں ﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى﴾ ہلاکت و بربادی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں موسیٰ بن ابی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى﴾ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا یہ وہ الفاظ تھے جو آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ابوجہل لعین کے انکار و تکبر اور گستاخی کے مظاہرہ پر نکلے جب کہ وہ انتہائی غرور کے ساتھ آپ ﷺ کی شان میں بدتمیزی اور گستاخی کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چلا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کی زبان سے نکلے جبریل امین علیہ السلام ان ہی لفظوں کے ساتھ یہ آیت لے کر اترے ان الفاظ کا تکرار تباہی و ذلت اور عذاب کی شدت پر دلالت کر رہا ہے اور یہ کہ ایسے مغرور و نافرمان کو یہ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاں جہنم کی شدتیں اور آگ کی لپٹیں ہر ایک جانب سے احاطہ کئے ہوئے ہوں گی۔

روز میدان حشر میں سب کو جمع کر دے؟ کیوں نہیں ضرور بالضرور اور بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور جب کہ ہر انسان کی تخلیق بلکہ ہر گھاس کا تنکا اور زمین کی تہوں میں سے ہر تخم کی روئیدگی بعث بعد الموت کا نمونہ ہے تو قیامت پر ایمان لانے میں کیا تامل ہو سکتا ہے متعدد اسانید سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سورۃ قیامہ کی یہ آخری آیت تلاوت فرماتے تو آپ ﷺ فرماتے "بلی" اور بعض روایات میں ہے "سبحانك بلی"، کہ بے شک اے پروردگار کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔

جیسا کہ سورۃ والتین کے بعد بلی وانا علی ذالك من الشاهدین۔ اور سورۃ مرسلت کے ختم ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ پر آپ ﷺ یہ فرماتے امنا بالله ان آیات کی تلاوت پر ان کلمات کا پڑھنا ایمان ویقین کی تقویت اور اضافہ کا باعث ہے اس لئے احادیث میں آنحضرت ﷺ سے ان کلمات کے پڑھنے کی ہدایت وارد ہوئی ہے۔

نفس کی حقیقت اور اس کی قسمیں

نفس کی حقیقت پر امام غزالی رحمہ اللہ نے مفصل کلام کیا ہے۔

اکثر فلاسفہ اور معتزلہ نفس اور روح کی حقیقت ایک ہی قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات فلاسفہ اجمالاً اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ نفس سے مراد جان یا روح انسانی ہے وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتساب کمالات کے لئے اس کا آلہ ہے اور، نفوس انسانیہ اپنی استعداد وفیضان کے لحاظ سے مختلف مراتب اور درجات پر ہوتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے نفوس، نفوس قدسیہ ہوتے ہیں ان کے بعد درجہ اولیاء کرام کا ہے ایسے نفوس کو حق تعالیٰ سے قرب کا مقام حاصل ہونے کے باعث طمانیت وسکون کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ تو یہ نفوس مطمئنہ کہلاتے ہیں جو عام مومنین وصالحین کے مقام سے بہت بلند تر ہوتے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اسی کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بھی تخریج فرمایا۔

ان الله تعالیٰ خلق ادم وجعل فیه نفسا وروحا فمن الروح عفافه وفهمه، وحلمه وجوده وسخاۂ ووفاۂ۔

ومن النفس شهوته وغضبه وسفهه وطیشه۔

کہ اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس میں نفس بھی رکھا اور روح بھی تو روح سے انسان کی عفت و پاکدامنی اس کا علم وفہم اور اس کا وجود کرم اور وفاء عہد ہے اور نفس سے اس کی شہوت اس کا غضب اور برافروختگی ہے۔

حدیث کا مضمون نفس اور روح مختلف ہونے دلالت کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو متضاد اور مختلف قوتیں پیدا کی ہیں ایک قوت اس کو خیر پر آمادہ کرنیوالی ہے جس کا نام روح ہے اور دوسری قوت شر پر آمادہ کرنے والی ہے اس کو نفس کہتے ہیں اسی چیز کو متکلمین نے اختیار کیا ہے اور نصوص قرآنیہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے ائمہ محدثین اور حضرات

عارفین یہی بیان فرماتے ہیں۔

استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اخلاق حمیدہ کے معدن اور سرچشمہ نفس کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کا سرچشمہ نفس ہے جسم لطیف ہونے میں اگرچہ دونوں مشترک ہیں لیکن ایک طاقت انسان زندگی کے لیے محرک خیر ہے اور دوسری طاقت محرک شر ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے روح کو "امر رب" فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۚ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ اور یہی وجہ ہے کہ اخلاق ذمیمہ اور بری خصلتوں کو روح کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔

چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ اور فرمایا ﴿وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ تو ان آیات میں شہوت حرص اور ہوا (خواہشات نفس) کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا ان مواقع میں کسی جگہ بھی لفظ "روح" یا "ارواح" نہیں بولا گیا اسی طرح ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ میں بھی سفاہت کو نفس کی طرف منسوب فرمایا علی ھذا القیاس ایک حدیث میں یہ فرمانا، اعدى عدوك نفسك التي بين جنبيك۔ کہ اے انسان سب سے بڑا تیرا دشمن وہ تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے تو اس موقع پر نفس کو انسان کا دشمن فرمایا کہیں قرآن کریم میں یہ فرمایا ﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور لقد استكبروا في انفسهم۔ جس سے حسد اور کبر کا نفس کی طرف ہونا بیان فرمادیا۔

علامہ ابن الجوزی نے "زاد المسیر" میں سورۃ زمر کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ابن آدم نفس وروح فالنفس العقل والتميز والروح نفس والتحريك فاذا نام العبد قبض الله نفسه ولم يقبض روحه۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسان مجموعہ ہے نفس اور روح کا نفس سے تو انسان ادراک و امتیاز کرتا ہے اور روح سے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے اور جب انسان سوجاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کرلیتے ہیں مگر روح کو قبض نہیں فرماتے۔

یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن کریم میں اس طرح فرمایا ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ الایۃ ابن جریج فرماتے ہیں کہ انسان میں روح اور نفس ہے اور انکے درمیان ایک پردہ حائل ہے سوتے وقت اللہ تعالیٰ نفس کو قبض کرلیتے ہیں اور بیداری کے وقت اس کو واپس کردیتے ہیں اور جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی کو سونے کی حالت میں موت دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو نفس کو واپس نہیں کرتے اور روح کو قبض کرلیتے ہیں۔

بہرکیف ان تصریحات سے یہی چیز واضح ہے کہ نفس اور روح ایک چیز نہیں اور نفس انسانی زندگی میں شر اور برائیوں پر آمادہ کرنے والی قوت کا نام ہوا اسی وجہ سے نفس کی اس اصل خصوصیت اور تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ﴾ کہ نفس امارہ بالسوء یعنی برائیوں پر خوب آمادہ کرنے والا ہے تو یہ حالت نفس کی اصل حالت ہوئی لیکن اس نفس کو جب تربیت دی جائے اور اصلاح کی جائے تو پھر اس میں یہ صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ برائی کو

برائی سمجھے اور اگر برائی سرزد ہوجائے تو اس پر انسان شرمندہ ہو اور نفس ملامت کرنے لگے تو یہ نفس لوامہ ہوا پھر جب تعلیم وتربیت اور ریاضت کے آثار سے قلب لطافت و پاکیزگی حاصل کرلے تو وہ نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے جس کو آیت مبارکہ ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ﴾ میں بیان فرمایا گیا۔

نفس کی مثال امام رازی ؒ نے کلب اور کتے کی سی بیان فرمائی اور فرمایا لیکن وہ کلب جو معلم ہو یعنی شکاری کتا تعلیم وتربیت اسکی درندگی کو ختم کرکے اس کے شکار کر حلال اور پاک بنادیتی ہے جب کہ کسی بھی جانور پر کتے کا منہ مارنا اس کو ناپاک اور مردار بنادیتا ہے تو اسی طرح نفس تعلیم وتربیت کے بعد جب مطمئنہ ہوجائے گا تو اس کے عمل اور تحرک میں بھی خیر اور پاکیزگی آجائے گی جب کہ اس کے بغیر نفس کی ہر تحریک اور عمل شر ہی شر تھا۔

روح کی بحث سورۃ اسراء کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں مراجعت فرمالی جائے۔

فائدہ:...... یوم قیامہ کی قسم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا تحقق اور وقوع قطعی اور یقینی امر ہے جو مخبر صادق کی خبر اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہوچکا ہے اگرچہ اس کے مخاطب ہو مشرکین تھے جو قیامت کا انکار کرتے تھے لیکن ان کا انکار روز قیامت کے قطعی الثبوت ہونیکے باعث ایسا ہی قرار دیا گیا جیسے کوئی احمق انسان دن کی روشنی میں سورج کا انکار کرے اقسام قرآن کی بحث پہلے گزر چکی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی ؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں" واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی لوگ قسم کھاتے ہیں اپنے معبود کی کسی معظم ومحترم ہستی کی، کسی مہتم بالشان چیز کی، کسی محبوب کی یا نادر شے کی اس کی خوبی اور ندرت جتانے کے لئے پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ مقسم علیہ کے لیے شاہد ہے جیسے کہ ذوق نے کہا ہے۔

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندہ احسان
سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کے اٹھ نہ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لئے حرام کردیا لیکن اللہ کی شان بندوں کی شان سے جدا ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع ومہتم بالشان ہوں یا مقسم علیہ کے لیے بطور حجت ودلیل کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے۔ (کذافی الفوائدالعثمانیہ)

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ القیامۃ۔

سورۃ الدھر

اس سورت کا نام سورۃ الدہر اور سورۃ الانسان حدیث کی رو سے ثابت ہے اس میں دہر کا ذکر ہے اور انسانی تخلیق کا اس وجہ سے یہ دونوں نام مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہیں۔

اس سورت میں آخرت اور احوال آخرت کا خصوصیت سے بیان ہے اور تفصیل کے ساتھ آخرت میں ابرار و متقین کو جن انعامات سے نوازا جائے گا ان کا ذکر ہے سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی قدرت عظیمہ کے بیان سے ہے، کہ کس طرح وہ اپنی قدرت سے انسان کو ایک ناپاک قطرہ (نطفہ) سے وجود عطا فرماتا ہے۔

اور اس ناپاک قطرہ پر کیا کیا تغیرات و احوال گزرتے ہیں جن کے بعد یہ انسان عدم سے ہستی میں آتا ہے اس قدرت عظیمہ کے ذکر سے مقصود انسان کو اپنے مقصد حیات کی طرف توجہ دلانی ہے اور اس مقصد کی تکمیل پر انسان کو کیا کیا نعمتیں اور راحتیں آخرت میں میسر آئیں گی ان کا بیان ہے۔

پھر سورت کے خاتمہ پر قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمانی و سرکشوں سے احتراز و اجتناب کا حکم اور یہ کہ ذکر خداوندی ہی انسان کی ہدایت اور فلاح کا ضامن ہے۔

۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۸ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — ایاتها ۳۱ رکوعاتها ۲

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا

کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی ف۱ ہم نے بنایا

کبھی ہوا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں، جو نہ تھا کچھ چیز تکرار میں آتی۔ ہم نے بنایا

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ

آدمی کو ایک دو رنگی بوند سے ف۲ ہم پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا اس کو ہم نے سننے والا دیکھنے والا ف۳ ہم نے اس کو سجھائی راہ

آدمی ایک بوند کے لچھے سے، پلٹتے رہے اس کو، پھر کر دیا سنتا دیکھتا۔ ہم نے اس کو سوجھائی راہ،

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ

یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے ف۴ ہم نے تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی ف۵ البتہ

یا حق مانتا یا ناشکر۔ ہم نے رکھی ہیں منکروں کو زنجیریں، اور طوق اور آگ دہکتی۔ البتہ

ف۱ بیشک انسان پر ایک وقت گزر چکا ہے۔ جب اس کا کچھ نام و نشان نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا۔ وہ حالت بھی اس کی موجودہ شرافت و کرامت کو دیکھتے ہوئے اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

ف۲ یعنی مرد اور عورت کے دو رنگے پانی سے پیدا کیا۔

(تنبیہ) "امشاج" کے معنی مخلوط کے ہیں۔ نطفہ جن غذاؤں کا خلاصہ ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لیے عورت کے پانی قطع نظر کر کے بھی اس کو "امشاج" کہہ سکتے ہیں۔

ف۳ یعنی نطفہ سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ اسی طرح کئی طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں

(تنبیہ) "نبتلیہ" کے معنی اکثر مفسرین نے امتحان و آزمائش کے لیے ہیں۔ یعنی آدمی کا بنانا اس غرض سے تھا کہ اس کو احکام کا مکلف اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تکمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے اسی لئے اسکو سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی وہ قوتیں دی گئی ہیں جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے۔

=

الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ

نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ جس کی ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے ف۱

نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ، جس کی ملونی ہے کافور، ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے،

يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷

چلاتے ہیں وہ اس کی نالیاں ف۲ پورا کرتے ہیں منت کو ف۳ اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی ف۴

چلاتے ہیں اس کی نالیاں، پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی،

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا

اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو ف۵ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ

اور کھلاتے ہیں کھانا اس محبت پر محتاج کو اور بن باپ کے لڑکے کو، اور قیدی کو۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہنے کو، نہ

نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰

تم سے ہم چاہیں بدلہ اور نہ چاہیں شکر گزاری ف۶ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداسی والے کی سختی سے ف۷

تم سے ہم چاہیں بدلہ، نہ چاہیں شکر گزاری۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے، ایک دن اداس سے سختی کے،

= ف۴ یعنی اولاً اصل فطرت اور پیدائشی عقل وفہم سے، پھر دلائل عقلیہ ونقلیہ سے نیکی کی راہ سمجھائی جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر چلتے لیکن گرد وپیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا، اور بعض نے ناشکری اور ناحق کوشی پر کمر باندھ لی۔ آگے دونوں کا انجام مذکور ہے۔

ف۵ یعنی جو لوگ رسم ورواج اور اوہام وظنون کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی حکومت واقتدار کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے۔ بلکہ حق وحاملین حق کے خلاف دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گزار دیں، کبھی بھول کر اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوزخ کے طوق وسلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

ف۱ یعنی جام شراب پئیں گے جس میں تھوڑا سا کافور ملایا جائے گا۔ یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مقرب ومخصوص بندوں کو ملے گا۔ شاید اس کو ٹھنڈا، خوشبودار، مفرح اور سفید رنگ ہونے کی وجہ سے کافور کہتے ہوں گے۔

ف۲ یعنی وہ چشمہ ان بندوں کے اختیار میں ہوگا جدھر اشارہ کریں گے اسی طرف کو اس کی نالی بہنے لگے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل منبع حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قصر میں ہوگا وہاں سے سب انبیاء ومؤمنین کے مکانوں تک اس کی نالیاں پہنچائی جائیں گی۔ واللہ اعلم آگے ابرار کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔

ف۳ یعنی جو منت مانی ہو اسے پورا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کریں گے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

ف۴ یعنی اس دن کی سختی اور برائی درجہ بدرجہ سب کو عام ہوگی۔ کوئی شخص بالکلیہ محفوظ نہ رہے گا۔ "الا من شاء اللہ"

ف۵ یعنی اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔

(تنبیہ) قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر۔ حدیث میں ہے کہ "بدر" کے قیدیوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی رہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ اگر لفظ "اسیرا" میں ذرا توسع کر لیا جائے تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔

ف۶ یہ کھلانے والے زبان حال سے کہتے ہیں اور کہیں مصلحت ہو تو زبان قال سے بھی کہہ سکتے ہیں۔

ف۷ یعنی کیوں نہ کھلائیں اور کھلانے کے بعد کیونکر بدلہ یا شکریہ کے امیدوار رہیں جبکہ ہم کو اپنے پروردگار کا اور اس دن کا خوف لگا ہوا ہے جو بہت سخت اداس =

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً

پھر بچا لیا ان کو اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملا دی ان کو تازگی اور خوش وقتی ف۱ اور بدلہ دیا ان کو ان کے صبر پر باغ

پھر بچایا ان کو اللہ نے برائی سے اس دن کی، اور ملائی ان کو تازگی اور خوش وقتی، اور بدلہ دیا ان کو اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے، باغ

وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً

اور پوشاک ریشمی ف۲ تکیہ لگائے بیٹھیں اس میں تختوں کے اوپر ف۳ نہیں دیکھتے وہاں دھوپ اور نہ ٹھر ف۴ اور جھک رہیں

اور پوشاک ریشمی، لگے بیٹھیں اس میں تختوں پر، نہیں دیکھتے وہاں دھوپ نہ ٹھر، اور جھک رہیں

عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ

ان پر اس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر ف۵ اور لوگ لیے پھرتے ہیں ان کے پاس برتن چاندی کے

ان پر اس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر، اور لوگ لئے پھرتے ہیں ان پاس باسن روپے کے،

وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا

اور آب خورے جو ہو رہے ہیں شیشے کے شیشے ہیں چاندی کے ف۶ ماپ رکھا ہے ان کا ماپ ف۷ اور ان کو وہاں پلاتے ہیں

اور آبخورے، جو ہو رہے ہیں شیشے۔ شیشے پر روپے کے ماپ رکھا ان کا ماپ، اور ان کو وہاں پلاتے ہیں

كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ

پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ ف۸ ایک چشمہ ہے اس میں اس کا نام کہتے ہیں سلسبیل ف۹ اور پھرتے ہیں ان کے پاس

پیالہ، جس کی ملونی ہے سونٹھ۔ ایک چشمہ ہے اس میں، اس کا نام کہتے ہیں سلسبیل، اور پھرتے ہیں ان پاس

= اور غصہ سے چیں بہ جبیں ہوگا ہم تو اخلاص کے ساتھ کھلانے پلانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں۔ مبادا اخلاص وغیرہ میں کمی رہ گئی ہو اور الٹا منہ پر مارا جائے۔

ف۱ یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔ اللہ نے اس سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا کیا۔

ف۲ یعنی از بس کہ یہ لوگ دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے معاصی سے رکے اور طاعت پر جمے رہے تھے۔ اس لیے اللہ نے ان کو عیش کرنے کے لیے جنت کے باغ اور لباس ہائے فاخرہ مرحمت فرمائے۔

ف۳ بادشاہوں کی طرح۔

ف۴ یعنی جنت کا موسم نہایت معتدل ہوگا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔

ف۵ یعنی درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول پھل وغیرہ کے ان پر جھکی پڑتی ہوں گی اور پھلوں کے خوشے ایسی طرح لٹکے ہوں گے اور ان کے قبضہ میں کر دیے جائیں گے جنتی جس حالت میں چاہے کھڑے بیٹھے، لیٹے بے تکلف چن سکے۔

(تنبیہ) شاید درختوں کی شاخوں کو یہاں ظلال سے تعبیر فرمایا ہے یا واقعی سایہ ہو۔ کیونکہ آفتاب کی دھوپ نہ سہی، کوئی دوسری قسم کا نور تو وہاں ضرور ہوگا۔ اس کے سایہ میں بہشتی تفنن تفریح کی غرض سے کبھی بیٹھنا چاہیں گے۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی آبخورے اصل میں چاندی کے بنے ہوں گے نہایت سفید، بے داغ اور فرحت بخش، لیکن صاف و شفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی طرح معلوم ہوں گے۔ ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گی۔ .... =

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَیْتَھُمْ حَسِبْتَھُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ⑲ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ

لڑکے سدا رہنے والے ف۱ جب تو ان کو دیکھے خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے ف۲ اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے

لڑکے سدا رہنے والے، جب تو ان کو دیکھے، خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے، اور جب تو دیکھے وہاں، تو دیکھے

نَعِیْمًا وَّمُلْكًا كَبِیْرًا ⑳ عٰلِیَھُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ

نعمت اور سلطنت بڑی ف۳ اوپر کی پوشاک ان کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے ف۴ اور ان کو پہنائے جائیں گے کنگن

نعمت اور سلطنت بڑی۔ اوپر کی پوشاک ان کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے، اور ان کو پہنائے ہیں کنگن

فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا ㉑ اِنَّ ھٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ

چاندی کے ف۵ اور پلائے ان کو ان کا رب شراب جو پاک کرے دل کو ف۶ یہ ہے تمہارا بدلہ اور کمائی تمہاری

روپے کے، اور پلائی ان کو ان کے رب نے شراب، جو دل کو دھو دے۔ یہ ہے تمہارا بدلہ، اور کمائی تمہاری

مَّشْكُوْرًا ㉒

ٹھکانے لگی ف۷

ٹھک لگی۔

= ف۷ یعنی جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی ٹھیک اس کے اندازے کے موافق بھرے ہوں گے کہ نہ کمی رہے نہ بچے۔ یا بہشتیوں نے اپنے دل سے جیسا اندازہ کرلیا ہوگا بلا کم و کاست اسی کے موافق آئیں گے۔

ف۸ یعنی ایک جام شراب وہ تھا جس کی ملونی کافور ہے۔ دوسرا وہ ہوگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ مگر یہ دنیا کی سونٹھ نہ سمجھے وہ ایک چشمہ ہے۔ جنت میں جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ سونٹھ کی تاثیر گرم ہے اور وہ حرارت غریزیہ میں انتعاش پیدا کرتی ہے۔ عرب کے لوگ اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہرحال کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ کو زنجبیل کا چشمہ کہتے ہیں ابرار کے پیالہ میں اس کی تھوڑی سی آمیزش کی جائے گی۔ اصل میں وہ چشمہ بڑے عالی مقام مقربین کے لیے ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۹ اس نام کے معنی ہیں پانی صاف بہتا ہوا۔ کذا فی الموضح۔

ف۱ یعنی ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں سے کبھی چھینے نہ جائیں گے۔

ف۲ یعنی اپنے حسن و جمال صفائی اور آب و تاب میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہوں گے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیے گئے۔

ف۳ یعنی جنت کا حال کیا کہا جائے، کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہوگی۔ رَزَقَنَا اللّٰہُ مِنْھَا بِمَنِّہٖ وَفَضْلِہٖ۔

ف۴ یعنی باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم کے لباس جنتیوں کو ملیں گے۔

ف۵ اس سورت میں تین جگہ چاندی کے برتنوں اور زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ دوسری جگہ سونے کے بیان کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی ہوں اور وہ بھی، کسی کو یہ ملیں کسی کو وہ۔ یا کبھی یہ کبھی وہ۔

ف۶ یعنی سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا ایک جام محبوب حقیقی کی طرف سے ملے گا، جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ سر گرانی، نہ بدبو، اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے، پینے کے بعد بدن سے پسینہ نکلے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے والی ہوگی۔

ف۷ یعنی مزید اعزاز و اکرام اور تطییب قلوب کے لیے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔ اور محنت ٹھکانے لگی۔ اس کو سن کر جنتی اور زیادہ خوش ہوں گے۔

ابتداء ہستی انسان در عالم وعطاء صلاحیت برائے فرق درمیان حق و باطل مع ذکر انعامات ابرار ومتقین وتعذیب مجرمین

قال تعالیٰ: ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ... الى... سَعْيُكُم مَّشْكُورًا﴾

ربط:...... گزشتہ سورۃ قیامہ میں احوال قیامت کا ذکر تھا اور ان منکرین کا دلائل وحقائق کے ساتھ رد تھا جو روز آخرت کے بارے میں شکوک وشبہات اور اعتراضات کرتے تھے اب اس سورت میں قدرت خداوندی کا بیان ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ایک ناپاک قطرہ کو انسانی وجود بخشتا ہے انسان کا کتم عدم سے ہستی میں آ جانا اللہ رب العزت کی عظیم تر دلیل ہے پھر یہ کہ اس انسان کے سامنے دونوں راستے ہدایت اور گمراہی کے واضح کر کے رکھ دیئے گئے اس کو ہوش وحواس شعور وادراک اور عقل کی صلاحیتیں پوری طرح عطا کر دی گئیں اب اگر وہ حق وہدایت کا راستہ اختیار کریگا تو خدا کے عظیم انعامات کا مستحق ہوگا اور اگر عقل وفطرت کے تقاضوں کو فراموش کر کے گمراہی کا راستہ اختیار کریگا تو خدا کے عذاب کا مستحق ہوگا، ابرار ومتقین کی جزائیں اور انعامات کیا ہوں گے اور فساق وفجار اور مجرمین کیسی ذلت میں مبتلا ہوں گے؟ آگے اسکی تفصیلات ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا۔

کیا نہیں گزرا ہے انسان پر ایک ایسا وقت زمانہ میں سے کہ وہ نہیں تھا ایسی چیز جو قابل ذکر ہو اس کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے ایک قطرہ منی سے جو ملی ہوئی ہے عورت کی منی سے یا وہ مخلوط ہے مختلف قسم کی غذاؤں سے اور ان کا جوہر وخلاصہ ہے جس کو ہم لوٹاتے پلٹاتے رہے پھر ہم نے اس کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے بعد اس کے کہ نطفہ سے خون کا جما ہوا ٹکڑا بنایا پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا پھر اس کی شکل وصورت اور اعضاء کی ساخت کی اور اس میں جان ڈالی حس وحیات اور ادراک وشعور کی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کی اور اس بناء پر ہر انسان میں اللہ نے فطری استعداد اور صلاحیت کے علاوہ عقل وفکر کا مادہ رکھا ہے بے شک ہم نے انسان کو دکھا دیا راستہ حق اور ہدایت کا اب اس کے بعد یا تو وہ شکر گزار ہے اپنے پروردگار کا اور اس کا فرماں بردار یا ناشکری کرنے والا ہے۔

نیکی اور تقویٰ کا راستہ بتانے اور اس کو اختیار کرنے کے لئے عقل وفہم اور ادراک وشعور عطاء کرنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری اور عطا کردہ نعمتوں کا شکر گزار ہوتا لیکن افسوس اس انسان کی بدنصیبی پر کہ ان فطری دواعی اور تقاضوں کو ٹھکرا کر خدا کا نافرمان اور ناشکر گزار رہا ظاہر ہے نافرمانوں اور مجرموں پر جرم کی سزا جاری کرنی چاہئے تو اس بناء پر بے شک ہم نے تیار کر رکھی ہیں نافرمانوں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ اور بلاشبہ ایسے نافرمان جنہوں نے رسم ورواج اور اوہام کی زنجیریں میں اپنے آپ کو جکڑے رکھا اور غیر اللہ کی پرستش کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالا اور حق نیز حق پرستوں کے خلاف عداوت ودشمنی اور بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑکاتے رہے وہ اسی کے مستحق ہیں کہ طوق وسلاسل میں جکڑے جائیں اور دہکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں مگر انکے بالمقابل مطیعین وفرماں بردار اللہ کے انعامات اور اعزاز واکرام کے مستحق ہوں گے اس وجہ سے بے شک نیکوکار لوگ پئیں گے ایسے جام سے جس کی ملاوٹ کافور

ہو گی اور جنت کا یہ کافور نہایت ہی لذیذ وخوشگوار اور خوشبو سے مہکتا ہوگا یہ ایک خاص چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص برگزیدہ بندے پیتے ہوں گے اس طرح کہ وہ اللہ کے خاص بندے بہاتے ہوں گے اس چشمہ کو بہت سی نالیوں اور نہروں کی صورت میں کہ جہاں چاہیں گے اس شراب طہور کی نالیاں اور جودل بہتے چلے جائیں گے، یہ اللہ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں جو پورا کرتے ہیں اپنی نذر کو جو بھی اللہ کے لیے وہ نذر مان لیں کسی خیر کے حاصل ہونے پر یا کسی مصیبت اور تکلیف کے ٹلنے پر اور ان کے ایمان وتقوی کا یہ عالم ہے ڈرتے ہیں اس دن سے جس کی مصیبت اور برائی پھیلنے والی ہے کہ کوئی گنہگار اس کی تکلیف وشدت سے نہیں بچ سکتا اور کوئی بھی اس کی ہیبت و پریشانی سے مستثنی نہیں ہوسکتا جو آسمان وزمین کو محیط ہوگی ان لوگوں میں ایمان وتقوی اور فکر آخرت کے ساتھ ایثار وہمدردی کا یہ جذبہ ہے کہ کھلاتے ہیں کھانا اس کے محبوب ❶ ومرغوب ہونے کے باوجود ہر مسکین ویتیم اور قیدی کو جو کسی بھی مصیبت میں گرفتار ❷ ہو انتہائی مروت اور اخلاص کے جذبہ سے یہ سب کچھ کرتے ہیں ان غرباء مساکین اور یتامی کو کہہ دیتے ہیں اے لوگو! ہم کھلاتے ہیں تم کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے کسی قسم کے بدلہ کو تم ہمیں اس کا کوئی مالی بدلہ دو یا ہماری توقیر وتعظیم کرو اور ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے شکر گزاری کہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو ہم تو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کی سختی اور ہیبت سے جو سخت اداسی اور چہروں کی گھٹن کا سبب ہوگا اس طرح کہ انسان کا چہرہ اس کلفت اور کوفت سے بگڑا ہوا نظر آنے لگے پیشانی سکڑ کر اوپر ہو جائے اور آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں تو یہ مخلصین اپنی اس ہمدردی واعانت اور انفاق پر غرور تو کیا بلکہ ڈرتے ہوں گے ایسے ہیبت وجلال کے دن سے (جو ہر ایک انسان کو اس طرح مرعوب وبدحواس بنا دینے والا ہوگا) معلوم نہیں ہمارا یہ عمل ہمارا یہ صدقہ قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ ❸

---

❶ ﴿عَلٰى حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر اکثر حضرات مفسرین کی رائے میں طعام کی طرف ہے اسی لحاظ سے یہ ترجمہ کیا گیا اور حب مصدر بمعنی محبوب بھی آتا ہے اس وجہ سے محبوب ہونے کے باوجود لفظ کی تصریح کردی اور ساتھ ہی لفظ مرغوب کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ مراد یہ ہے کہ جس وقت انسان کو اس کھانے کی رغبت وضرورت ہے یا وہ اس کا محتاج ہو اس وقت کھلانا اور زائد فضیلت اور کمال کی صفت ہے گویا یہ اس آیت کا مفہوم ہوگیا ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ حافظ ابن کثیر ؒ نے بروایت مجاہد ؒ یہ بیان کیا کہ ائمہ مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اسکی تصریح آیت مبارکہ ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ اور ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ میں ہے۔

بعض مفسرین نے حبه کی ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے یعنی علی حب اللہ تعالی جس سے اخلاص اور آخرت کے اجر وثواب کی غرض کی طرف اشارہ کیا گیا یعنی دنیا میں اسکا کوئی عوض نہیں چاہتے ہوں گے۔

❷ لفظ اسیرا کے ترجمہ میں مصیبت میں گرفتار" کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ اس اسیر وقیدی سے صرف وہی قیدی مراد نہیں جو جیل خانہ میں قید ہو بلکہ عام ہے خواہ یہ ظاہری اور حسی قیدی ہو یا معنا قیدی ہو یعنی مصائب وآلام میں گرفتار ہو۔

سعید بن جبیر ؒ اور حسن بصری ؒ سے منقول ہے قیدی سے اہل اسلام مراد ہے لیکن ابن عباس ؓ کی روایت میں ہے قیدیوں سے مراد وہ قیدی بھی ہیں جو مشرکین میں سے مسلمانوں کی قید میں ہوں چنانچہ اسکی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں حضرات صحابہ ؓ نے بدر کے قیدیوں کو بہتر سے بہتر کھانا کھلانا شروع کر دیا اور بعض تو انکو اپنے ساتھ کھلاتے حالانکہ وہ مسلمان نہ تھے اسیر کے مفہوم میں مقروض بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی ایک طرح قید ہیں۔

عکرمہ ؓ سے منقول ہے اس سے مراد غلام ہیں اور متعدد احادیث میں غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید فرمائی گئی) (تفسیر ابن کثیر)

❸ یہ تشریح گویا اس آیت مبارکہ کے مضمون کے مطابق ہوسکے گی جو ارشاد فرمایا ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾=

یقیناً ایسے لوگ خداوند عالم کی طرف سے بڑے ہی اعزاز واکرام کے مستحق ہیں جس کے باعث بس خدا نے انکو بچا دیا اس دن کی تکلیف و برائی سے اور یہ فیصلہ کردیا کہ عطا کردے گا انکو تازگی اور سرور جو انکے چہروں پر برس رہا ہوگا اور مسرت وخوشی سے انکے چہرے جگمگا رہے ہوں گے اور ان تمام نعمتوں اور کرامتوں کے علاوہ دیدار خداوندی سے شاداں وفرحاں ہوں گے اور بدلہ دے گا اللہ انکو اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا دنیا کی شدتیں برداشت کیں خواہشات نفس کو روکا اور شکر وقناعت کرتے ہوئے غرباء ومساکین پر ایثار کیا ایک وسیع باغ کا جس کے پھل اور رزق سے انکی زندگی عیش وراحت کی ہوگی اور ریشمی پوشاک کا کہ زندگی کے عیش وراحت اور ہر لذت کے ساتھ لباس کی یہ عظمت انکو اور زیادہ بلندی وتقرب کا مقام بخشنے والی ہوگی اطمینان وسکون کا یہ عالم ہوگا کہ تکیہ لگائے ہوں گے اپنی مسندوں پر جو مزین اور مرصع تخت ہوں گے وہاں آرام وراحت کی یہ شان ہوگی کہ ادنی کلفت اور تعب کا نام ونشان بھی نہ ہوگا چنانچہ نہیں دیکھتے ہوں گے وہاں دھوپ اور گرمی اور نہ ہی شدید سردی بلکہ وہاں کا موسم معتدل ہوگا نہ دھوپ کی تمازت ہوگی اور نہ ٹھنڈ جس سے انسانی بدن کو تکلیف ہوا کرتی ہے اور آرام وراحت نیز نعمتوں کی فراوانی کا یہ عالم ہوگا جھکے ہوئے ہوں گے ان پر اس کے سائے اور نیچے کردیئے گئے ہوں گے اس کے خوشے لٹکا کر تاکہ جب بھی اہل جنت کسی پھل اور خوشہ کے لینے کا ارادہ کریں بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر لے لیں اور گھمائے جاتے ہوں گے ان پر برتن چاندی کے اور آبخورے جو معلوم ہو رہے ہوں گے شیشے چمک اور لطافت میں درحقیقت ❶ وہ شیشے ہی ہوں گے چاندی کے جن کا اہل جنت اندازہ کریں گے اندازہ کرنا کہ جس قدر چاہیں گے ان آبخوروں اور جام میں شراب طہور سما جائے گی کم وزائد طبیعت کے تقاضا اور خواہش کے مطابق وہ بھر جاتے ہوں اور یہ اس لیے کہ اہل جنت کو کسی طرح بھی طبعی گرانی نہ ہو جیسا کہ انسان کو دنیا میں پیش آتی ہے مثلاً پیاس کی زیادتی پر گلاس چھوٹا ہو اور طبعی خواہش پوری نہ ہونے پر ذہنی کوفت ہوتی ہے یا کسی وقت تھوڑی مقدار کی خواہش ہے لیکن منہ کے سامنے ایک بہت بڑا لبریز پیالہ آجائے تو اس طرح کی معمولی الجھنوں سے بھی وہ بے فکر ہوں گے جیسا چاہیں گے اور جتنا چاہیں گے وہ جام شراب طہور سے بھرے ہوں گے اور پلائے جائیں گے وہ لوگ ایک اور جام ❷ جس میں ملا ہوگا زنجبیل (سونٹھ) جو ایک چشمہ ہے جنت میں جس کا نام لیا جاتا ہوگا سلسبیل اہل جنت اس نام سے اس چشمہ کا ذکر کرتے ہوں گے اور اعزاز واکرام کا یہ عالم ہوگا

= کہ بہت کم رات کا حصہ ہوتا ہے کہ اس میں وہ لیٹیں پوری رات ہی انکے پہلو بستر سے جدا رہتے ہیں اور اس انہماک فی العبادۃ کے باوجود حالت یہ ہوتی ہے کہ جب سحر کا وقت ہونے لگتا ہے تو خدا سے معافی مانگتے ہوتے ہیں۔ ۱۲

❶ ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ اس لیے کیا گیا کہ عربیت کی رو سے قواریر کے بعد دوسری دفعہ قواریر ماقبل سے بدل اور بمنزلہ بیان ہے۔ ۱۲

❷ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے یہاں دوبارہ "کاسا" نکرہ کی صورت میں استعمال کیا جانا غیر الاولی کی نوعیت سے ہے تو ایک قسم شراب طہور کی وہ ہوگی جس میں زنجبیل ہوگی اور کوئی تعجب نہیں کہ جنت کے کھانوں سے قبل جو شراب طہور دی جائے وہ کافور کی خوشبو اور تاثیر کے ساتھ کھانوں اور پھلوں کی خواہش کو پیدا کرنے والی ہوتا کہ بھوک اور اشتہاء کی حالت میں جنت کے اطعمہ کھاتے جائیں کیونکہ ہر لذیذ طعام اور پھل کی لذت خواہش اکل پر موقوف ہے۔ کھانے کی خواہش کے بغیر لذیذ کھانا بھی مرغوب نہیں ہوتا اور کھانوں سے فراغت کے بعد ضرورت ہے کہ معدہ سے غذا کا انہضام ہوتا کہ طبیعت پر گرانی واقع نہ ہو تو اس وجہ سے یہ بعد کی شراب طہور زنجبیل والی ہوگی سبحان اللہ کیسا عجیب تناسب رکھا گیا۔ اللھم اجعلنا منھم وارزقنا بفضلك وكرمك من نعماء الجنة واسقنا من كوثر وسلسبيل آمين يارب العالمين۔

کہ گشت کرتے ہوں گے انکے سامنے خدمت گزار لڑکے جو ہمیشہ اپنے حسن و جمال پر قائم رہیں گے جو حسن و جمال اور لطافت وصفائی میں ایسے خوش منظر ہوں گے کہ اے دیکھنے والے جب تو انکو دیکھے تو انکو یہ سمجھے کہ یہ تو زمین پر بکھرے ہوئے خوبصورت موتی ہیں اور جنت کا حال کیا بیان کیا جائے اللہ اکبر! بس یہ ہے کہ جب تو وہاں نظر ڈالے تو دیکھے گا تو بہت ہی عظیم نعمتیں اور بڑا ہی عظیم الشان ملک ہے کہ ان نعمتوں کی خوبی کا اندازہ ہوسکتا ہے اور نہ وہاں کی اس سلطنت کی شان وشوکت کا کوئی تصور ہوسکتا ہے اور ان اہل جنت پر ریشمی لباس ہوں گے سبز رنگ کے نہایت ہی قیمتی گاڑھے ریشمی کپڑے بھی مزید ہوں گے تاکہ باریک لطیف اور دبیز ہر قسم کے لباس استعمال کریں جو انکی عظمت ووقار کو اور بلند کرنے والے ہوں گے اور پہنائے جائیں گے انکو کنگن چاندی کے ❶ تاکہ ریشمی اور قیمتی لباس کی آرائش کے ساتھ زیور سے انکو مزین کردیا جائے اور یہ زیور جنت کی شان کے مناسب ہوگا اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت میں اس قسم کی آرائشگی وزینت سے دنیا میں پرہیز کیا تھا اب اللہ تعالیٰ اس نوع کی تمام زینتیں جنت میں حسا بھی عطا فرمادے گا اور پلائے گا انکو انکا پروردگار ایک خاص جام شراب طہور کا جو دونوں قسم کے جام کے علاوہ ہوگا جن کا ذکر پہلے ہوچکا اور ہوسکتا ہے کہ تمام نعمتوں کے بعد یہ خاص جام محبوب حقیقی کی طرف سے ایک خاص اعزاز کے ساتھ عطا کیا جائے جو خوشبو اور لطافت ولذت کے ساتھ طہوریت کا وصف بھی رکھتا ہوگا اور یہ طہوریت ایسی کامل اور موثر ہوگی جو اپنے پینے والے کو بھی ہر گندگی اور کدورت سے پاک وصاف کردے اس کا گھونٹ پیتے ہی قلب وبدن پاک وصاف ہوجائے اور پسینہ نکلے جس کی مہک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوگی اور اس جام طہور کا نوش کرنیوالا اس کی تاثیر سے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ کا مصداق اکمل ہوجائے گا اہل جنت کے سامنے شراب طہور کو پیش کرتے ہوئے کہا جاتا ہوگا اے جنتیو! بے شک یہ ہے بدلہ تمہارے ایمان واعمال صالحہ کا اور تمہاری کوشش اور عملی جدوجہد قابل قبول ہوئی اور محنت کارآمد ہوئی اور تمہارے رب کی بارگاہ میں اس کو سراہا گیا ❷ جس کو سن کر جنتی اس قدر خوش ہوں گے کہ انکی یہ خوشی جنت کی لذت سے زیادہ خوشگوار ہوگی۔

نسل انسانی کا عدم سے وجود میں آنا

﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ سے واضح طور پر یہ بیان فرمادیا گیا کہ نسل انسانی نہ اپنے مادہ کے لحاظ سے اور نہ ہی اپنی اس صورت وضعیہ کے ساتھ ہمیشہ سے تھی بلکہ اس پر ایک وقت گزرا ہے کہ اس کا کوئی وجود اور نام ونشان ہی نہ تھا اس کا سلسلہ پیدائش تخلیق آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اس کے بعد نسل انسانی بصورت توالد وتناسل بڑھتی رہی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ اور فرمادیا ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ بہرکیف اس کی پیدائش کی یہ ابتداء ہے یہی عقیدہ جملہ اہل کتاب کا ہے اور بعض دیگر مذاہب بھی اس کے قائل ہیں۔

❶ ایک آیت میں ہے کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا﴾ ممکن ہے کہ اہل جنت کے درجات کے لحاظ سے بعض کو سونے کے اور بعض کو چاندی کے دیئے جائیں۔ ۱۲

❷ یہ وہی مضمون ہے جو آیت مبارکہ ﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ میں بیان فرمایا گیا۔ ۱۲

حکماء یونان اور فلاسفہ نوع انسانی کو قدیم زمانی کہتے ہیں دہریہ بھی مادہ کے قدیم ہونے کا قول اختیار کرتے ہوئے اوضاع فلکیہ اور تاثیر نجوم سے تجردات وانقلابات کے قائل ہیں یہ تمام باتیں محض اوہام اور تخیلات ہیں جن کو فلسفیانہ رنگ دے کر بیان کیا گیا حقیقت بس وہی ہے جو خداوند عالم خالق کائنات نے بیان کردی۔

بہرکیف اس آیت شریفہ سے صاف طور پر واضح ہے کہ انسان کوئی ایسی ہستی نہیں کہ جس کی خلقت اور پیدائش کی ابتداء نہ ہو اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح چلا آیا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتداء نہیں اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آرہا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے کہ نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ پیدا ہوتا ہے اور اس سلسلہ کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہاء ہے اور نہ اس طریقہ کے خلاف پیدائش ہو سکتی ہے۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اور دیگر آیات قرآنیہ میں فلاسفہ کے اس قول کی تردید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کا نام ونشان بھی نہ تھا ہم نے اپنی قدرت سے اس سلسلہ کا اس طرح آغاز فرمایا کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں روح ڈالی اس کے بعد ان کے بائیں پہلو سے انکی بیوی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ جاری کردیا کہ ایک ناپاک اور گندے پانی یعنی قطرہ منی سے انسان کو پیدا کرتے ہیں یہ ہماری قدرت ہے ہمارے سوا کسی میں قدرت نہیں کہ پانی کے ایک ناپاک اور بدبودار قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنا سکے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کرد ست برآب صورت گری

غرض یہ کہ انسان ابتداء میں معدوم تھا اور اس کو کسی قسم کا عقلی یا حسی وجود حاصل نہ تھا پھر خدا ہی نے اس کو وجود کا خلعت پہنایا انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا جیسا کہ فلاسفہ اور دہریہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی اور صورت انسانی کا ظہور مادہ اور نیچر (فطرت) اور اس کے حرکت کا رہین منت ہے مسلمان یہ کہتا ہے کہ مادہ تو ایک بے شعور چیز ہے جو علم اور ادراک اور ارادہ واختیار سے بالکل عاری اور کورا ہے اس کی غیر شعوری اور غیر ارادی اور غیر اختیاری حرکت سے یہ ذی شعور اور ذی علم اور ذی عقل انسان کس طرح وجود میں آگیا اور ایک گونگے اور بہرے مادہ (ایتھر اور نیچر) سے سمیع وبصیر اور متکلم یعنی سننے والا اور دیکھنے والا اور بولنے والا کیسے پیدا ہو گیا جس کمال اور جمال کا وجود خود اس مادہ کی ذات میں نہیں وہ کمال وجمال دوسروں کو کیا دے سکتا ہے کیا ایک برہنہ اور نادار اور بھوکا فقیر بھی کسی کو امیر اور مالدار بنا سکتا ہے مادہ پرستوں کو بھی اس کا اقرار ہے کہ مادہ میں کسی قسم کا کمال نہیں اور کوئی فیلسوف اور کوئی حکیم آج تک اس بات کا قائل نظر نہیں آیا کہ جس نے مادہ اور عناصر میں علم اور ادراک اور ارادہ اور اختیار کو تسلیم کیا ہو بلکہ تمام مادیین اس بات کو مانتے چلے آتے ہیں کہ جو افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں وہ بے شعور اور بے اختیار صادر ہوتے ہیں۔

اب غور تو کیجئے کہ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے اور لڑکا یا لڑکی بنتا ہے تو ماں کو بھی خبر نہیں کہ میرے پیٹ میں کیا صنعت گری ہو رہی ہے اور نقاش قدرت میرے شکم میں کیا کیا نقش ونگار کر رہا ہے لڑکا بنا رہا ہے یا لڑکی اور ظاہر ہے وہ نطفہ

تو ایک قطرہ آب ہے اسے تو کچھ بھی خبر نہیں اب حیرت کہ مجھ میں کیا تغیرات اور انقلابات ہو رہے ہیں۔

معدے میں غذا ہضم ہو رہی ہے اور کیا کیا ہو رہا ہے مگر معدے کو کچھ خبر نہیں اب حیرت کا مقام ہے کہ انسان میں تو حسن و جمال بھی ہو اور فضل و کمال بھی ہو اور عقل و ادراک بھی ہو اور وہ چیز یعنی مادہ جس کو منکرین خدا اس انسان کا بلکہ سارے عالم کا خالق سمجھتے ہیں اس میں یہ تمام صفات کمال بالکلیہ نیست و نابود ہوں کیا عقل سلیم اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو ایسی چیز عطا کر دے جس کا خود اسکی ذات میں نام و نشان نہ ہو ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ کسی زبردست اور بااختیار حکیم وعلیم نے انسان کو یہ کمالات عطا کئے ہیں وہی خدا اور واجب الوجود ہے اور وہی ذات بابرکات واہب الوجود ہے جس نے انسان کو وجود عطا کیا ہے اور وہی اس کے وجود کا رب اور مربی ہے جس کی عنایت اور رحمت کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ یہ انسان محتاج ہے اسی کو ہم اللہ اور خدا کہتے ہیں۔

افسوس اور صد افسوس ہے ان محرومین عقل پر جواب بھی یہ سمجھیں کہ کوئی واجب الوجود اور واہب الوجود نہیں بلکہ اس بے شعور مادہ کے طبعی تاثیرات سے تمام کارخانہ عالم چل رہا ہے اس صورت حال پر بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح بت پرست بے جان پتھروں کے سامنے سر جھکائے ہوئے انکو معبود بنائے ہوئے ہیں اسی طرح یہ مادہ پرست ایک بے جان اور بے شعور مادہ کو اپنا صانع اور مدبر اور مربی سمجھے ہوتے ہیں کیا یہ رونے کا مقام نہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اس لحاظ سے قرآن کریم میں جتنے مضامین بت پرستوں کے حق میں نازل ہوئے ہیں وہ سب ان دہریوں اور منکرین خدا پر صادق آتے ہیں۔

ڈارون کا عجیب وغریب نظریہ

انیسویں صدی عیسوی میں سرزمین مغرب میں ایک مادی فلسفی شخص گزرا ہے جس کا نام ڈارون تھا اس نے اپنی فلسفیانہ تحقیقات میں ایک یہ انکشاف کیا کہ انسان اصل میں بندر تھا بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے بالآخر انسان بن گیا۔

مغربیت سے مرعوب اذہان نے بلا دلیل اور بغیر اس کے کہ اپنی عقل اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اس نظریہ کو قبول کر لیا اور اس کو پھیلانا شروع کر دیا حالانکہ اس پر آج تک نہ کوئی دلیل عقلی پیش کی جاسکی اور نہ ہی کوئی دلیل تجربی۔

ہر صاحب عقل ادنیٰ تعقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ صرف ایسا شخص ہی پیش کر سکتا ہے جو فاتر العقل ہو اور ایسا شخص ہی اس کو قبول بھی کر سکتا ہے، سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیشمار انواع و اقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں جانوروں میں گدھا، کتا، خنزیر، سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے چرند، پرند غرض حیوانوں میں بر و بحر اور فضاء کی یہ بیشمار مخلوقات میں ہر ایک کی طبیعت اور فطرت بالکل جدا ہے یہ کہنا کہ فلاں حیوان یعنی بندر ترقی کر کے انسان بن گیا ایسی ہی مہمل تخیل کو تھیوری کہنا اور بھی خلاف عقل بات ہے۔

کیا اس تھیوری کے قائلین اس کا جواب دیں گے کہ یہ ارتقاء صرف ایک نوع حیوان میں کیوں ہوا دیگر حیوانات اس سے کیوں محروم رہے۔

پھر یہ بھی بتائیں کہ نوع حیوان کے علاوہ نباتات و جمادات بھی ہیں ان میں یہ ارتقائی مراحل کیوں نہیں واقع ہوئے ایک نوع کا ارتقاء اسی کی حدود میں محدود رہتا ہے ایک گھاس کا تنکا ارتقاء کے بعد تناور درخت تو ہوسکتا ہے لیکن پہاڑ نہیں بن سکتا علی ھذا القیاس زمین کی سطح پر ابھرنے والا ٹیلا پہاڑ تو ہو جائے گا لیکن وہ کوئی اور نوع کی شکل اختیار کر کے اس میں تبدیل ہو جائے یہ ناممکن اور خلاف عقل ہے۔

پھر یہ نظریہ رکھنے والے یہ بتائیں بالفرض اگر بندر نے ارتقاء کر کے انسانی پیکر اور وضع اختیار کر لی تو یہ ارتقاء نوعی تھا یا ارتقاء فردی تھا ظاہر ہے کہ چند بندروں کے ارتقاء کا تو مسئلہ بھی نہیں نوع من حیث النوع کے ارتقاء کا دعوی ہے تو اصولاً یہ بات ہے کہ کوئی بھی چیز تغیر و تبدل قبول کرنے کے بعد اپنی پہلی صورت کو چھوڑ دیتی ہے تو یہ کس قسم کا ارتقاء ہوا کہ دنیا میں بندر بھی موجود اور ارتقائی شکل اختیار کرنے والے انسان بھی موجود (تفصیل کی گنجائش نہیں) بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں بہت سے مہمل اور خلاف عقل نظریات ظاہر ہوتے ہیں لیکن ایسا مہمل اور خلاف عقل اور مضحکہ خیز نظریہ کوئی بھی سننے میں نہیں آیا کہ اچھے خاصے عقل و فہم اور شعور و تدبر رکھنے والی اشرف المخلوق حسن و جمال اور کمالات و فضائل کے جوہر سے آراستہ انسانوں کو بندر کی اولاد تجویز کر دیا جائے (بریں عقل و دانش بباید گریست)

غرض عقل اور فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ اسی پر ایمان لایا جائے جو رب العالمین نے انسانی تخلیق کے بارہ میں فرما دیا کہ ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ اور ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ﴾۔

صدق اللہ العظیم ونحن علی ذالک من الشاھدین ولموقنین وعلی ذالک آمنا وعلیہ نحی ون موت ونبعث عند رب العالمین۔

عجب بات ہے کہ اس نظریہ کے قائلین ایک طرف تو بندر کے ترقی کر کے انسان بن جانے کو تسلیم کرتے ہیں دوسری طرف جب قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے واقعات میں انکے نافرمان افراد کے مسخ کے واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ انکو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تو اس کو خلاف فطرت اور خلاف عقل کہہ کر رد کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو تو سہولت سے یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو ضرور ایسا ہونا چاہئے کہ انسان تنزل کر کے بندر بن جائے بلکہ یہ شکل تو آسان ہے بہ نسبت پہلی صورت کے کیونکہ انکے قانون کے مطابق یہ صورت تو کل شیء یرجع الی اصلہ کے تحت آسکتی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ

ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سج سج اتارنا سو تو انتظار کر اپنے رب کے حکم کا ف۱ اور کہنا مت مان ان میں سے کسی گناہ گار کا یا

ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سج سج اتارنا، سو تو راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی، اور کہا نہ مان ان میں کسی گناہگار یا

ف۱ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں۔ اور معلوم کرلیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اگر اس =

كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا

ناشکر کا ف۱ اور لیتا رہ نام اپنے رب کا صبح اور شام ف۲ اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اس کو ف۳ اور پاکی بول اس کی بڑی

ناشکر کا، اور یاد کر نام اپنے رب کا صبح اور شام، اور کچھ رات میں سجدے کر اس کو، اور پاکی بول اس کی بڑی رات

طَوِيلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ

رات تک ف۴ یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو ف۵ ہم نے

تک۔ یہ لوگ چاہتے ہیں شتاب ملنے والی، اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک دن بھاری۔ ہم نے

خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ

ان کو بنایا اور مضبوط کیا ان کی جوڑ بندی کو اور جب ہم چاہیں بدل لائیں ان جیسے لوگ بدل کر ف۶ یہ تو

ان کو بنایا اور مضبوط باندھی ان کی گرہ بندی، اور جب ہم چاہیں، بدل لائیں ان کی طرح کے لوگ بدل کر۔ یہ تو

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ ف۷ اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ بیشک اللہ ہے

سمجھوتی ہے، پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ، اور تم نہ چاہو گے مگر جو چاہے اللہ۔ بے شک اللہ ہے

كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيمًا ﴿٣١﴾ ع

سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ف۸ داخل کرلے جس کو چاہے اپنی رحمت میں ف۹ اور جو گناہ گار ہیں تیار ہے ان کے واسطے عذاب دردناک

سب جانتا حکمت والا، داخل کرے جس کو چاہے اپنی مہر میں۔ اور جو گنہگار ہیں رکھی ہے ان کو دکھ کی مار۔

=طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد وعنادی پر قائم رہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہیے۔ اور آخری فیصلہ کا انتظار کیجیے۔

ف۱ عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرمادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہنا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شریروں اور بدبختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہیے۔

ف۲ یعنی ہمہ وقت اس کو یاد رکھو خصوصاً ان دو وقتوں میں سب خرخشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔

ف۳ یعنی نماز پڑھ، شاید مغرب و عشاء مراد ہو یا تہجد۔

ف۴ اگر "وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ" سے تہجد مراد لیا جائے تو یہاں تسبیح ہے اس کے معنی متبادل مراد لیں گے۔ یعنی شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیے اور اگر پہلے مغرب و عشاء مراد تھی تو یہاں تسبیح سے تہجد مراد لے سکتے ہیں۔

ف۵ یعنی یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت و ہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دنیا ہے۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنے والی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن سے غفلت میں ہیں اس کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مر کر جب گل سڑ گئے پھر کون دوبارہ ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دے گا؟ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

ف۶ یعنی اول پیدا ہم نے کیا اور سب جوڑ بند درست کیے۔ آج ہماری وہ قدرت سلب نہیں ہوگئی۔ ہم جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کرکے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑی کر دیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ نہ مانیں گے تو ہم قادر ہیں کہ جب چاہیں ان کی جگہ دوسرے ایسے ہی آدمی لے آئیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہوں گے۔ =

عظمت کلام رب العالمین وتاکید بر پابندی احکام ودوام ذکر وبندگی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ... الی... عَذَابًا اَلِیْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں انسانی تخلیق کا ذکر تھا اور یہ کہ اس کو عقل وفہم کی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے ہدایت وگمراہی کا فرق بتادیا گیا لیکن اس کے بعد اسکی بدنصیبی ہے کہ وہ عقل وشعور کو بالائے طاق رکھ کر گمراہی میں پڑ جائے اس کے بالمقابل سعادت وکامیابی ہے ان انسانوں کی جو خدا کو پہچان کر اس کی عبادت وبندگی میں مصروف ہوگئے ساتھ ہی ہر دو گروہ کے احوال بھی بیان کر دیئے گئے اب ان آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور احکام ہدایت کا کامل مجموعہ ہونا بیان کیا جارہا ہے اور یہ کہ اللہ کے احکام کی پابندی اور اس کے ذکر وتسبیح میں مصروف رہنا اور عبادت کا دوام ہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے اور آخرت کی کامیابی اور ابدی زندگی کی راحت اسی میں مضمر ہے اور یہ کہ انسان کی یہ بہت بڑی غلطی اور چوک ہے کہ دنیا کی محبت میں آخرت برباد کردے تو ارشاد فرمایا۔

بے شک ہم نے اتارا ہے آپ ﷺ قرآن نہایت ہی محفوظ طریقہ پر اتارنا کہ ہر وحی اور آیت کے نزول کے ساتھ ایک پہرہ ہوتا ہے اور فرشتوں کی مکمل حفاظت ہوتی ہے جس کے بعد ممکن نہیں ہوسکتا کہ اس میں کوئی پر بھی مارے اس کتاب الٰہی قرآن میں انسانی ہدایات کے جامع احکام نازل کیئے گئے جن کی اطاعت وپیروی انسان کو سعادت وکمال کے اعلیٰ مقام تک پہنچانے والی ہے اگر کوئی قوم اس کتاب الٰہی پر ایمان نہیں لاتی اور اس کے احکام نہیں مانتی تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ اس پر بے چین ومضطرب نہ ہوں بس آپ ﷺ انتظار کریں اپنے رب کے حکم کا اور اس کے فیصلہ کا جو اس نے حق کی فتح اور اپنے پیغمبر کی کامیابی کا کر رکھا ہے اور اس راہ میں مخالفت کرنے والے اگر مخالفت کرتے ہیں تو کرنے دیجئے آپ ﷺ کسی عارضی اور ظاہری مصلحت کے خیال سے ان میں سے کسی بھی نافرمان اور ناشکر گزار کی موافقت ہرگز نہ کیجئے۔ حق لوگوں پر خود واضح ہوجائے گا یہ مجرمین اگر آپ ﷺ سے چکنی چپڑی باتیں کریں یا دنیا کی دولت کا لالچ دیں تو ہرگز انکی طرف توجہ بھی نہ دیجئے آپ ﷺ نے جو فیصلہ کر رکھا ہے بس اسی کا انتظار کریں اور ذکر کرتے رہیں اپنے رب کے نام کا صبح وشام ❶ اور رات کے حصوں میں سے کچھ حصہ میں بھی بس اسی کے لئے سر بسجود رہیئے اور اسی کی تسبیح دپاکی بیان کرتے رہیئے رات کے طویل حصہ تک شب کی تنہائی اور سکون میں ذکر اللہ کی حلاوت اور اس کے باطن پر عجیب کیفیت محسوس ہوگی

= ف۷ یعنی جبر وزور سے منوا دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام نہیں، قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے۔ آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا راستہ بنا رکھے۔

ف۸ یعنی تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہے بدون نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے اسی کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے۔ پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے، اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب وحکمت ہے۔

ف۹ یعنی جن کی استعداد اچھی ہوگی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق دے گا۔ اور اپنی رحمت وفضل کا مستوجب بنائے گا۔

❶ صبح وشام سے مراد ہمہ وقت ہے کیونکہ یہ اوقات خصوصیت سے انسان کے غفلت یا آرام یا کاروبار یا کھیل تماشے کے ہوتے ہیں تو انکو اہمیت کے لحاظ سے ذکر کردیا گیا اور ﴿وَمِنَ الَّیْلِ﴾ سے بظاہر تہجد کی نماز مراد ہے اور تہجد کے ساتھ تسبیح اور ذکر خداوندی کی تاکید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ذاکرین کو تہجد کے علاوہ رات کا طویل حصہ ذکر وتسبیح میں گزارنا چاہئے۔ ۱۲

اور اہل اللہ اس وقت وہ لذت محسوس کریں گے کہ دنیا کی کوئی لذیذ سے لذیذ چیز بھی اس سے زیادہ محبوب وپسندیدہ [1] نہیں ہوسکتی محبوب رکھتے ہیں جلدی حاصل ہونے والی چیز کو یعنی دنیا اور دنیا کی راحت ولذت اور چھوڑ رہے ہیں اپنے پیچھے ایک بہت ہی بھاری دن کو جس کی ہیبت وگرانی کسی سے برداشت نہ ہوگی غفلت ولا پرواہی سے اس دن کو بھلا دیا اور موجودہ لذتوں میں منہمک ہوکر عذاب خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں کس ظلم کی بات ہے کہ اپنے خالق کو بھلا دیا جائے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے ہم نے ہی انکو پیدا کیا ہے اور مضبوط بنائے ہیں۔ ان کے جسم کے تمام جوڑ تو جس قدرت وحکمت سے ہم نے انکو پیدا کیا انکے جسم کی ہڈیاں اور جوڑ بڑی خوبی اور حکمت سے بنائے اسی قدرت سے ہم سب کچھ کرسکتے اور انکو فنا کرکے جب چاہیں انکے بدلے ان جیسے لوگ لے آئیں ہمیں اس ارادہ سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور یہ ظاہر ہے کہ جب ہم مجرمین ونافرمانوں کو ہلاک کرکے انکی جگہ دوسروں کو لائیں گے تو وہ ان جیسے مجرم ونافرمان نہیں ہوں گے بلکہ وہ مطیع وفرماں بردار ہوں گے، بہرحال یہ ایک پیغام نصیحت ہے جو ہم نے بڑی وضاحت سے دنیا کو پہنچا دیا اب جس کا دل چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے اس کی اطاعت وبندگی کا اور جس کا دل چاہے گمراہی اختیار کرلے اور اصل راز یہ ہے کہ ہدایت وگمراہی قدرت کی طرف سے انسانوں کے لیے طے کردی گئی ہے اس لئے تم نہیں چاہوگے کوئی چیز مگر وہی جو اللہ چاہے اللہ بے شک سب کچھ جاننے والا بڑی ہی حکمتوں والا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے وہ اپنی استعداد وصلاحیت سے بتوفیق خداوندی ہدایت کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں اور رہا ظالموں کا معاملہ؟ جو اپنی کجروی اور عقل وفطرت کے تقاضوں کو ٹھکرا کر گمراہی اختیار کرلیں اور نہ کسی ہادی کی بات کو سنیں اور نہ حق کو سمجھیں تو ان کے واسطے ایک دردناک عذاب تیار کررکھا ہے بس مرنے کی دیر ہے جسم سے روح نکلتے ہی ان مجرموں کو اپنا انجام نظر آجائے گا اور جس عذاب کا انکار کرتے تھے اسکی گرفت سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

فائدہ: ......سورت کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ نیست ونابود تھا پھر اس کو حق تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا کہ ایک قطرہ منی کو مختلف ادوار ومراحل سے نشوونما عطا کیا ہوش وحواس ادراک وشعور کی صلاحیتوں کے ساتھ اسے پیدا کیا اور اس کے سامنے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے گئے کہ یہ ہدایت کا راستہ ہے اور دوسرا گمراہی کا اب اس کے بعد جو انسان اپنی فطری صلاحیت سے ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ آخرت میں جنت اور انعامات خداوندی کا مستحق ہے اور جو دیکھتی آنکھوں ہلاکت وگمراہی کا راستہ اختیار کرلیتا ہے تو بس اس کے واسطے دردناک عذاب ہی ہونا چاہئے جو اس کے رب نے تیار کر رکھا ہے تو اس طرح سورت کا آغاز اور سورت کی انتہاء باہم نہایت ہی مربوط واقع ہوئی ہے اور یہ ربط قرآن کریم کے اعجاز اور کمال بلاغت کی دلیل ہے۔ تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الدھر۔

سورۃ المرسلت

سورۃ المرسلات مکیہ ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ بھی عقیدہ توحید آخرت اور بعث بعد الموت جیسے

[1] چنانچہ مشہور ہے اھل اللیل فی لیلھم ھم الذین اھل العیش فی عیشھم کہ راتوں کو بیدار رہنے والے عابدین وذاکرین کو ذکر اللہ سے وہ لذت محسوس ہوتی ہے جو عیش پرستوں کو اپنے عیش عشرت میں نصیب نہیں ہوسکتی۔ ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ المرسلات

سورت المرسلات مکی ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ بھی عقیدہ توحید آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہے اس کے دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔

سورت کی ابتدا ملائکہ اور چلنے والی ہواؤں کی قسم سے کی گئی اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرمایا جو مختلف انواع واقسام کے تکوینی امور پر مامور ہیں مضمون مقسوم علیہ قیامت کا وقوع ہے جس کو ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ [المرسلات: ۷] کے عنوان سے بیان فرمایا گیا اسی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ قیامت کے وقوع پر کائنات عالم کا نظام کس طرح درہم برہم کردیا جائے گا اگرچہ اس کو اجمالاً بیان فرمایا اثباتِ قیامت کے مضمون کے ساتھ توحید خداوندی اور اس کے دلائل ذکر کئے گئے اور دلائل قدرت اور توحید رب العالمین سے اعراض و بے رخی کرنے والوں پر وعید کا سلسلہ بیان اخیر سورت تک جاری رکھا گیا اور یہ کہ قیامت کے روز ان کا حال نہایت ہی برا ہوگا ان مجرمین کی ذلت کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقارت و نفرت کے ساتھ ان کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ کہتے ہوئے کہ دیکھ لو یہ ہے وہ جہنم جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ اختتام سورت پر ان اعمال اور بدترین خصلتوں کا بھی ذکر فرمادیا گیا جو کفار کی فطرت میں رچی ہوئی تھیں اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ کافروں کو دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے یہ تو خدا کی طرف سے ان کو ڈھیل دی جارہی ہے اور ایک طرح کا امتحان ہے اس لیے اہل ایمان اور حق پرست لوگوں کو کسی قسم کے شبہ میں نہ پڑنا چاہئے۔

آیاتہا ۵۰ ۷۷ سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۳۳ رکوعاتہا ۲

(سورۂ مرسلت مکی ہے اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾

قسم ہے چلتی باؤں (بادوں) کی دل کو خوش آتی پھر جھونکا دینے والیاں زور سے پھر ابھارنے والیاں اٹھاکر

فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ

پھر پھاڑنے والیاں بانٹ کر پھر فرشتے اتارنے والوں کی سمجھوتی الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو مقرر جو تم سے وعدہ ہوا

طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾

سو ہونا ہے پھر جب تارے مٹائے جاویں اور جب آسمان میں جھروکے پڑیں اور جب پہاڑ اڑائے

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ

جاویں اور جب رسولوں کا وعدہ ٹھہرے کس دن کی ان کو دیر ہے اس فیصلہ کے دن کی اور تو کیا بوجھا؟ کیا ہے فیصلہ کا دن؟

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم کھپا نہیں چکے اگلے پھر ان کے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلے

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾

ہم یہی کچھ کرتے ہیں گنہگاروں سے خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنایا

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

تم کو ایک بے قدر پانی سے؟ پھر رکھا اس کو ایک جمے ٹھہراؤ میں ایک وعدہ مقرر تک پھر ہم کر سکے سو کیا خوب سکت والے ہیں خرابی ہے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی جیتوں کو اور مردوں کو

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور رکھے اس میں بوجھ کو پہاڑ اونچے اور پلایا تم کو پانی میٹھا پیاس بجھاتا خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ

جھٹلانے والوں کی چلو دیکھو! جو چیز تم جھٹلاتے تھے چلو ایک چھاؤں میں

ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ

جس کی تین پھانکیں نہ گھن (سایہ) کی اور نہ کام آوے تپش میں وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں

كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ

جیسے محل جیسے وہ اونٹ ہیں زرد خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی یہ وہ دن ہے

لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا

کہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو حکم ہو کہ توبہ کریں خرابی ہے اس دن

يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ

یہ ہے دن فیصلے کا، جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا، تو چلا لو مجھ پر خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی جو ڈر والے ہیں وہ چھاؤں میں ہیں اور ندیوں میں اور

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

میوے جس قسم کے جی چاہے کھاؤ اور پیو رچ سے بدلہ اس کا جو تم کرتے تھے ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

والوں کو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں تم مقرر گنہگار ہو خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

جھٹلانے والوں کی اور جب کہئے ان کو نِوو (جھکو) نہیں نِوتے (جھکتے) خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

جھٹلانے والوں کی اب کس بات پر اس کے بعد یقین لاویں گے

اعلان پراگندگی نظام عالم برائے تکمیل وعدۂ قیامت وبربادیٔ مجرمین وانعام والطاف برمؤمنین

[قیامت کے متعلق وعدۂ خداوندی کی تکمیل کے لئے نظام عالم درہم برہم کرنے اور مجرموں کی تباہی وبربادی اور ایمان والوں کو انعامات وعنایات دینے کا اعلان]

قال اللہ تعالیٰ ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ...... الی ...... فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط......

گزشتہ سورت میں انسانی ہستی کا بیان تھا کہ کائنات کی تخلیق اور دنیا میں انسانوں کی آبادی اس طرح پیش آئی کہ ایک وقت تھا کہ انسان کا کوئی وجود ہی نہ تھا اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو عدم سے وجود بخشا اور اسی کے لیے یہ کارخانہ عالم قائم کیا جیسے کہ فرمان ہے ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ [البقرۃ: ۲۹] اور ظاہر ہے کہ تخلیق انسان اور نظام کائنات

قائم کرنے کی غرض ہے اللہ کی عبادت و بندگی غالباً جس پر انسانوں کے دو گروہ بٹ گئے ایک گروہ اہل ایمان و اطاعت کا ہوا دوسرا گروہ نافرمان و مجرمین کا تو اب اس سورت میں نظام عالم درہم برہم کر دینے کا ذکر ہے اور یہ کہ رب العالمین نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ کس طرح پورا ہوگا اس کے لیے ان احوال کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو قیامت کے واسطے مبادی ہوں گے اور ان کے پیش آنے پر کائنات کا یہ جملہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا ارشاد فرمایا:

قسم ہے ان خوشگوار ہواؤں کی جو جاری ہیں لطافت و نرمی کے ساتھ جن کے لطیف جھونکوں سے مخلوق کی زندگی اور ان کے منافع وابستہ ہیں ① پھر قسم ہے ان تیز و تند آندھیوں کے جھونکوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والی ہوں درختوں اور عمارتوں کو اکھاڑ پھینکنے کی شدت کے ساتھ پھر ان ہواؤں کی جو بلندی تک لے جانے والی ہوں کسی چیز کو اٹھا کر وہ بخارات ہوں یا گرد و غبار یا بادل ہوں جن کو ہوائیں بلندی تک لے جائیں اور فضا میں پھیلا دیں اور جہاں حکم خدا ہو وہاں پہنچا دیں پھر ان ہواؤں کی جو پھاڑ دینے والی ہوں نباتات یا پھل اور پھولوں کو یا بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ ان ہی جھونکوں نے زمین کی تہوں کو شق کر کے زمین میں دبے ہوئے تخم اور بیج کو سبزہ کی شکل میں رونما کیا اور ان ہی جھونکوں نے پھولوں کی کلیاں شگفتہ

① ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ عرفاً کے معنی لغوی و عرفی کے پیش نظر کیا گیا اور اس امر کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ لفظ عربیت کے لحاظ سے تیز ہے المرسلت کے لیے اور مقصد و غرض بھی ایسے نرم و لطیف اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں کے واسطے۔

اس موقع پر خداوند عالم نے جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہیں (۱) المرسلت، (۲) العاصفات، (۳) الناشرات (۴) الفارقات اور (۵) الملقیات۔

سورۂ والمرسلات میں اختیار کردہ الفاظ قسم کی تشریح

ان پانچ چیزوں کی مراد اور ان کے مصداق کے متعلق ائمہ مفسرین نے متعدد اقوال بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے نقل کئے ہیں اعمش رحمہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ ان سے ملائکہ اور فرشتے مراد ہیں لیکن اس کے بالمقابل سفیان ثوری رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب ان آیات کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان سے مراد ہوائیں ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد و قتادہ رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ایک جماعت پانچوں کو فرشتوں کے معنی پر محمول کرتی ہے دوسری جماعت سب کو ہوائں پر منطبق کرتی ہے۔

ملائکہ مصداق ہونے کی صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا "قسم ہے ان فرشتوں کی جو بھیجے جاتے ہیں (حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف) نیکی اور بھلائی کیلئے" اس لیے کہ وہ وحی الٰہی لے کر آتے ہیں اور اللہ کی وحی ہی دین و دنیا کی خیر اور فلاح کی ضامن ہے پھر ان فرشتوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والے ہیں کہ وہ عالم میں تغیر و تبدل اور ہنگامہ و تہلکہ جیسی باتوں کے لیے مامور ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلا دینے والے ہیں یعنی ایسی جماعت جو مثلاً قحط و ارزانی صحت و بیماری جیسی چیزوں کو عالم میں پھیلانے پر مامور ہے پھر ان فرشتوں کی جو فرق کر دینے والے ہیں عالم میں فرق کر دینا حق و باطل، ضعف و قوت، نور و ظلمت، حرارت و برودت اچھے برے اور نفع و نقصان جیسے امور میں اور ایک جماعت فرشتوں کی نظام عالم کی تدبیر میں اسی پر مامور ہے پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو ڈالنے والے ہیں ذکر یعنی وہ فرشتے جو تدبیر عالم میں اس پر مامور ہیں کہ تکمیل مخلوق کے بعد ان میں ذکر الٰہی ڈالتے ہیں، خواہ وہ ذکر غیر اختیاری طور پر اس مخلوق میں ڈالا ہو جیسے کہ نباتات اشجار و احجار طیور و بہائم اور حشرات سب کی فطرت اور سرشت میں ذکر ڈالا گیا چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ [الاسراء: ۴۴] اور ارشاد ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بنائیں اور انہی ہواؤں نے خوشوں کو پھاڑ کر پھل نمودار کیے اور ان ہی ہواؤں نے بادلوں کو پھاڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے
اور پھر مختلف جانبوں میں پھیلایا پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اتار کر لاتے ہیں اللہ کی وحی کو عذر ختم کرنے کے لیے یا ڈرانے
کے لیے کہ کافروں اور نافرمانوں کے لیے کوئی عذر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! ہمیں تو خبر نہ تھی یا ڈرانے
کے لیے عذاب آخرت سے کہ اگر کسی کو علم بالا حکام ہو تو ہو لیکن اس کو خوف خدا نہیں اور آخرت کے عذاب کا ڈر نہیں تو

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ حاشیہ) ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ [النور: ۴۱]

غرض ہر مخلوق ذکر الٰہی کر رہی ہے، جیسا کہ کہا گیا

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است

ولے داند دریں معنی کہ گوش است

یاد ڈالنا اس طرح ہو کہ مخلوق اپنے ارادہ اور اختیار سے اس ذکر میں مصروف ہو یہ نوعیت ذوی العقل یعنی انسانوں کے لیے ہے یا جن و ملائکہ کے لیے کہ فرشتے ان کے دل میں ذکر کا القا کرتے اور فرشتے ہی لوح محفوظ سے اللہ کے ذکر تسبیح و تحمید اور اس کی طاعت و عبادت کے احکام لے کر آتے ہیں اور پھر اللہ کے بندے (فرشتوں اور جنوں میں سے اہل ایمان) وہ ذکر کرتے ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی جو ان فرشتوں کے ذریعہ اتری اس سے انسانوں کے عذر اور حیلے بہانے ہی ختم کر دیے گئے اور عذاب آخرت سے ڈرایا بھی گیا بہر کیف یہ دونوں قسم کا ذکر فرشتوں ہی نے مخلوق میں لا کر ڈالا تو ان فرشتوں کی ان کلمات میں قسم کھائی گئی تو اس نوعیت سے ان پانچوں کلمات سے فرشتوں کی ان قسموں کا بیان ہوا جو نظام عالم اور تدبیر خلائق میں ان امور پر مقرر ہیں جن میں تکوین عالم اور عالم کی ہر موجود چیز کی ابتدائی حالت پھر اس کی قوت و کمال تک پہنچنے کی نہایت پھر ممکنات کے اکتساب خیر و شر اور اس کے بعد کی حالت پھر بقاء عالم کے اسباب اور ہر شے کی نشوونما کی کیفیت کہ عالم عدم سے عالم ظہور تک کیا کیا صورتیں اور تغیرات ظہور پذیر ہوئے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ اور غرض دار آخرت کی تیاری اور اس ضمن میں اہل عقل کے لیے اتمام حجت اور عذاب آخرت سے ڈرانا غرض یہ انواع و اقسام ہیں جو تدبیر عالم میں فرشتوں کے ذریعہ مخلوقات میں جاری ہیں۔

یہ ترجمہ تو اس تقدیر پر ہوا کہ فرشتے مراد ہوں اور اگر ہوائیں مراد ہوں تو پہلی چار قسموں کا مطلب ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا اب اس صورت میں اگر ﴿فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا﴾ بھی ہوا پر محمول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہوائیں جو ذکر اور وحی کو لوگوں کے کانوں میں ڈالنے والی ہیں کیونکہ آواز کا کانوں تک پہنچانا ہوا ہی کا کام ہے جیسے شاہ عبدالعزیز ؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا۔

تو اس دوسرے قول کے پیش نظر ہوا کی ان پانچ قسموں کو قسم کھانے کے لیے اس بنا پر مخصوص کیا گیا کہ ہوا کا عالم کی بقاء و فنا اور کاروبار میں عجب دخل ہے سننا، دیکھنا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سب کچھ ہوا پر ہی موقوف ہے آواز بھی ہوا کے ذریعے متکیف ہو کر کان پر پہنچتی ہے دیکھنے میں بھی شعاع بصریہ شئے مرئی اور مبصر تک رسائی کرتی ہے کیونکہ عنصر لطیف ہے تو جب کہ کوئی حائل نہیں تو ہوا بھی شعاع بصریہ کے نفوذ کا ذریعہ ہے علی ھذا القیاس دیگر ادراکات کا بھی یہی حال ہے نیز ہوا ہی سے ہر جاندار کی حیات وابستہ ہے تو اس عظمت کے پیش نظر ہواؤں کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نرم و لطیف اور خوشگوار جھونکوں کی صورت میں چلتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جن کے تیز و تند جھونکے درختوں اور سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اکھاڑ پھینکے اور سمندر میں طوفان برپا کر دیں گویا یہ ہوائیں تلاطم اور انقلاب برپا کرنے والی ہیں پھر فنا کا لفظ لا کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ہر چیز کے دو وصف ہوتے ہیں تو وہی ہوائیں جو ابتدا میں نرم و لطیف ہوتی ہیں وہی شدت اختیار کر کے طوفان و تلاطم بھی برپا کر دیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی قسم جو عالم میں بکھیرنے اور پھیلانے والی ہیں کہیں بادلوں کو پھیلا رہی ہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرشتوں نے اللہ کی وحی اتار کر حیلے اور معذرت کا دروازہ بھی بند کر دیا اور اس وحی الٰہی میں خوف خدا اور عذاب آخرت کا سامان بھی مہیا کر دیا اور ہر ذکر اور وحی خداوندی میں ان دونوں باتوں میں سے ضرور ایک نہ ایک چیز موجود ہے اس سے خلو ممکن نہیں البتہ یہ دونوں چیزیں بہت سی جگہ مجتمع ہو کر بھی پائی جاتی ہیں ① آگاہ ہو جاؤ اے لوگو! بے شک بس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے اور وہ قیامت ہے آخرت میں میدان حشر کی پیشی حساب و کتاب اور جزا و سزا جیسے جملہ احوال ہیں جن میں جنت و جہنم بھی ہے بلا شبہ ان میں سے ہر ایک بات واقع ہو کر رہے گی اور ان کے وقوع میں شبہ کرنے والے کو دیکھ لینا چاہئے کہ عالم میں چلتی ہوئی ہواؤں میں دن رات قیامت بعث بعد الموت اور فنا و بقا کے نمونے موجود ہیں جن کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو پھر کون ہے جو اس روز قیامت کے آنے میں شبہ کرے جان لینا چاہئے کہ قیامت کا دن ایسا ہو گا جب کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے اور پھٹ کر ان میں دریچے اور جھروکے جیسے نظر آنے لگیں گے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ② کر کے اڑا دیئے جائیں گے حتیٰ کہ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے اور جب کہ رسولوں کو ایک وقت مقرر کر کے ساتھ متعین و مقرر کر دیا جائے گا جو یکے بعد دیگرے اپنی اپنی امتوں کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں پیش ہوں گے اور پھر رسولوں سے بھی سوال ہو گا اور ان کی امتوں سے بھی پوچھا جائے گا ③ یہ ہے قیامت، اور قیامت کے وقت پیش آنے والے احوال اور جانتے بھی ہو اے لوگو کس دن کے واسطے ان چیزوں کو مؤخر اور ایک طے شدہ وقت کیلئے موقت کیا گیا ہے یہ سب کچھ اس دن کے لیے جو ہر

(بقیہ حاشیہ) کہیں سردی گرمی کو کہیں صحت و مرض کو کہیں رطوبت و یبوست کو حتیٰ کہ آوازوں کو پھر قسم ان ہواؤں کی جو جدا کرتی ہیں اور فرق کرتی ہیں حتیٰ کہ غلہ کو گھاس کے تنکوں اور پانی کو کدورت سے نیز اجزاء نباتیہ کو اجزاء حیوانیہ سے جدا کرنا اسی ہوا کا کام ہے پھر یہی ہوا ہے جو مغروروں اور سرکشوں کے اجسام کے اعضا کو مرنے کے بعد پارہ پارہ کر کے اڑانے اور جدا کرنے والی ہے کہ سر کہیں اور جسم کہیں الغرض یہ ہوا ہی تمام عالم میں جمع و تفریق اور تالیف و انتشار کا کرشمہ دکھا رہی ہے تو یہ ناشرات و فارقات ہوائیں انقلاب و تغیر اور اشیاء عالم کی پراگندگی اور ان کے اجتماع کو ظاہر کر کے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی ہیں اور پھر اخیر میں ان ہواؤں کی قسم کھائی جو ذکر الٰہی اور وحی خداوندی عالم میں پھیلانے والی ہیں تو اس طرح مخاطب کے ذہن میں ان احوال و امور کا جو قیامت کا نقشہ بڑی سہولت سے ہر مخاطب کے سامنے لا سکتے ہیں جواب قسم میں قیامت کا واقع ہونا بیان فرمایا ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بے شک ہو کر رہے گی۔
حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اول چار قسمیں ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے ہم نے ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پانچویں قسم کے ساتھ فرشتوں کا ترجمہ کیا واللہ اعلم بالصواب تفصیل کے لیے روح المعانی تفسیر عزیزی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائیں۔ ۱۲

① ان کلمات کا اضافہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ ﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ میں او انفصال حقیقی کے لیے نہیں ہے اور نہ مانعة الجمع ہے بلکہ یہ بطریق قضیہ "منفصلة مانعة الخلو" ہے کہ ہر وہ ذکر جس کا فرشتوں نے القا کیا ہے اس میں کسی جگہ عذر و معاذیر کو ختم کرنا ہے تو کسی جگہ عذاب سے ڈرانا ہے یہ دونوں باتیں کبھی علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں اور کہیں کسی ذکر اور وحی میں دونوں مجتمع اور موجود ہوتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔
② جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ [الکہف: ۴۷] اور ارشاد ہے ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ [طٰہٰ: ۱۰۵] ۱۲
③ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ [المائدۃ: ۱۰۹] میں ذکر فرمایا گیا۔

بات اور ہر چیز میں آخری اور دوٹوک فیصلہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ دن اسی وقت برپا کر دیتا اور ابھی ہر چیز کا فیصلہ ہو جاتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس کو مؤخر کیا جائے اور اے انسان! تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے یہ فیصلہ کا دن مت پوچھو کہ یہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس کی ہیبت وشدت کی کوئی حد نہیں اور جھٹلانے والوں کے لیے اس روز سخت مصیبت وتباہی کا سامنا ہوگا اور یکایک ایسی ہولناک صورت سامنے آجائے گی کہ ہوش وحواس پراگندہ ہوں گے اور حسرت وندامت ان منکرین پر مسلط ہوگی بس ہلاکت وبربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے یہ منکرین ومکذبین سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں اس قدر وسیع دنیا ہلاک ہو جائے گی اور کس طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نسل انسانی نیست ونابود ہو کر کس طرح زندہ کی جائے گی کہاں جہنم اور عذاب جہنم اور کیسی جنت اور جنت کی نعمتیں تو منکرین ومکذبین کو کیا یہ معلوم نہیں ہم ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر ہم ان کے بعد لاتے رہے بعد والوں کو تو موت وہلاکت اور پہلوں کے دنیا سے نیست ونابود ہو کر پچھلوں کا آنا کوئی عجیب بات نہیں ہماری قدرت کا یہ سلسلہ تاریخ قدیم سے چلا آرہا ہے جس کو یہ دیکھتے رہے ہیں تو پھر انہوں نے یہ کیسے خیال کیا تھا کہ ہم دنیا کے انسانوں کو فنا کر کے دوبارہ قیامت کے روز ان کو نہیں اٹھائیں گے ہم ایسا ہی کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ کہ ان پر جرم کے سبب عذاب نازل کیا ان کو ہلاک کر کے پھر دوسری قوم کو لے آئے تو اب ہم نے قیامت کے روز سب مجرموں کو جمع کر لیا تا کہ ان کو عذاب دیں اور سب اہل ایمان کو بھی جمع کر لیا تا کہ مجرمین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ایمان ویقین والوں کے واسطے کیسے کیسے انعامات ہیں پس ہلاکت وبربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے آخر انکار کرنے والوں نے کیوں قیامت کا انکار کیا؟ اے انسانو! کیا ہم نے پیدا نہیں کیا ہے تمہیں ایک حقیر پانی سے ① نطفہ منی سے پھر کیا نہیں رکھا ہے ایک محفوظ ٹھہراؤ کی جگہ میں یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفہ نے نہایت ہی محفوظ طریقہ سے نشو ونما پایا اعضاء کی ساخت ہوئی شکل وصورت بنی اس میں حیات وروح کو ڈالا یہ سب کچھ اس کے معین کردہ وقت تک کے لئے ہوتا ہے جو مدت حمل ہے اس وقت پر انسان ان تمام تدریجی مراحل کو طے کر کے دنیا میں آتا ہے تو ہم نے ایک وقت کا اندازہ کر دیا ہے اور طے کر لیا ہے بس ہم بہت ہی اچھے انداز سے وقت مقرر کرنے والے ہیں کہ کیسی خوبی سے ایک نطفہ کے لیے

① اس موقع پر جس اہم اور عظیم الشان مضمون کے لیے خداوند عالم نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی اور ان قسموں پر اصل مدعی اور مقصد کو واضح فرمایا وہ مقصود ومدعی ﴿إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ﴾ [المرسلات: ۷] ہے کہ قیامت جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور صادق ہے اور بلاشبہ قیامت واقع ہو کر رہے گی تو اس کے ثابت کرنے کے لیے منجملہ دلائل یہ بھی ایک اہم دلیل بیان کی گئی ﴿أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ [المرسلات: ۲۰] یعنی انسانی تخلیق کا یہ سلسلہ یقیناً اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کی دلیل تو ہے ہی لیکن اس نظام قدرت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا بھی پورا پورا نمونہ موجود ہے کہ کس طرح خداوند عالم نے ایک قطرہ میں انسان کے تمام جسم اور اعضا جسم کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ سر سے پاؤں تک کے جملہ اعضا بطور جوہر اس ایک قطرہ میں ہیں پھر صرف یہی نہیں کہ اجزا بدنیہ بلکہ ہر شخص کی عادات خصلتیں مزاج شکل وصورت حتی کہ آواز اور طرز گفتگو جیسی کیفیات بھی اس میں جمع کر دی ہیں چنانچہ اسی ذریعہ سے یہ ساری صفات اور کیفیات اولاد میں منتقل ہوتی ہیں تو اس طرح بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کہ بس سمجھ لو ایسے ہی خداوند عالم انسانوں کے مرنے کے بعد ان کے اجزاء بدنیہ سمیٹ کر اٹھالے گا خواہ وہ کسی بھی حالت کو اختیار کر چکے ہوں اور انسانی اجزا کا جمع کر کے اٹھانا اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک قطرۂ منی میں تمام اجزاء بدن اور اوصاف وعادات جمع کر کے اس کو دوبارہ ایک انسانی شکل وصورت میں پیدا کیا جائے تو اس طرح ﴿أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ [المرسلات: ۲۰] کا مضمون ﴿إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ﴾ [المرسلات: ۷] کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر مرتب کیا گیا واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

ذریجی مراحل سے نشو ونما مقدر کر کے اس کو انسانی شکل میں پیدا کیا جبکہ انسانی عقل وفکر کے محدود دائرہ میں سوچنے والا انسان تصور نہیں کرسکتا تھا کہ یہ حقیر سا قطرہ اتنی مدت کے بعد بہترین اعضا کی ساخت شکل وصورت حیات وادراک اور عقل وشعور کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہوجائے گا تو بس اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انسان مرنے اور ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ قیامت کے روز زندہ ہوکر اٹھے گا رہا یہ امر کہ وہ قیامت کب آئے گی، تو یہ ایک مقرر کردہ وقت ہے جو اللہ نے اپنی ایسی ہی حکمت بالغہ اور کاملہ سے مقرر کررکھا ہے جیسا کہ ہر نطفہ کی پیدائش کا اس نے اپنی حکمت ① سے وقت مقرر کیا اور اس میں مہلت رکھی پس ہلاکت وبربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے تو کیا یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ وہ خداوند عالم قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور ان منکرین کا یہ کہنا کہ ''ہم مٹی میں ملنے کے بعد جب کہ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو پھر کیونکر ہم دوبارہ زندہ ہوسکتے ہیں'' نہایت ہی لغو اور مہمل بات ہے ان کو دیکھنا چاہئے کہ کیا ہم نے نہیں بنایا ہے زمین کو جو سمیٹنے والی ہے زندوں کو اور مردوں کو جس پر زندہ بھی آباد ہیں اور مردے بھی اسی میں مرنے کے بعد دفن ہیں اس طرح زندوں کو بھی اسی خاک سے حیات وزندگی ملی اور مر کر بھی اسی میں چلے گئے تو جس خاک سے انسانوں کی نشو ونما ہے اسی خاک میں ملنے والے انسانوں کے اس میں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے پر کیا تعجب ہے کیوں نہیں اس بات کو دیکھ کر کہ ہر دانہ زمین میں بودیئے جانے کے بعد جب کہ وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ اور بظاہر مٹی ہی بن جاتا ہے کس طرح اگ رہا ہے قیامت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ نہیں سمجھتے تو جب زمین میں دفن ہوچکنے کے بعد ہر دانہ اور تخم دوبارہ پیدا ہورہا ہے تو کیوں نہیں انسان زمین میں مل کر اور خاک ہوکر دوبارہ پیدا ہوسکتے تو جس قادر مطلق کی قدرت کے یہ نمونے دن رات نظروں کے سامنے ہیں اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ عالم کو فنا کر کے قیامت قائم کردے اور اس زمین میں ہم نے بنائے ہیں ایسے جم جانے والے بوجھل پہاڑ جن کی چوٹیاں بلند ہیں جو اپنی جگہ سے ذرہ بھی جنبش نہیں کھاتے تو یہ زمین کس قدر مضبوط ہے کہ اس نے اپنے اوپر ایسے وزنی پہاڑوں کو اٹھا رکھا ہے جن کی بلند چوٹیاں بادلوں سے بھی اوپر تک پہنچی ہوئی ہیں اور اسی زمین اور پہاڑوں سے چشمے جاری کر کے تم کو میٹھا پانی پلایا جو پیاس بجھانے والا ہے پانی کے یہ سیال چشمے مضبوط زمین اور سخت چٹانوں سے جاری ہوکر خدا کی عظیم قدرت کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کررہے ہیں تو جو خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ کے یہ متضاد نمونے دکھلا رہا ہے اور موت وحیات اور سختی ونرمی کے مناظر پیش کررہا ہے کیا وہ خدا میدان حشر میں نرمی وسختی اور نجات وہلاکت کے مناظر نہیں دکھا سکتا؟ نیز جس کے قبضہ میں تمام اسباب حیات ہیں اور وہ پہاڑوں کے سینہ میں معدنیات پانی کے چشمے اور بے شمار چیزیں جمع کرنے والا ہے اس پروردگار کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد زمین میں دفن ہونے کے بعد، ریزہ ریزہ ہوچکنے کے بعد ابدان کو اور ان اجسام کو جو ریزہ ریزہ ہوکر ہواؤں میں اڑ رہے ہوں یا پانی کی موجوں میں بہہ رہے ہوں ان کو اپنی قدرت بالغہ سے سمیٹ کر جمع کرلے اور دوبارہ میدان حشر میں اٹھالے

① ان کلمات سے اشارہ کیا گیا کہ آیت ﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ﴾ (المرسلات: ۲۳) کا تعلق ہر دو مدتوں کی تقدیر اور تعیین سے ہے یعنی مدت حمل کی تقدیر، تو جس طرح مدت حمل کی تقدیر اللہ کی حکمت کاملہ پر مبنی ہے اس طرح قیامت کی مدت بھی اللہ نے اپنی حکمت کاملہ سے طے کررکھی ہے اور وہ اسی پر واقع ہوگی۔ ۱۲

ان حقائق اور مناظر قدرت کو دیکھ کر تو کسی کی یہ مجال نہ ہونی چاہئے کہ انکار کرے لیکن افسوس کہ پھر بھی بہت سے انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں پس ہلاکت وتباہی ہے انکار کرنے والوں کے لیے بہرکیف قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور خداوند عالم جس کی قدرت کے یہ عظیم کرشمے نظروں کے سامنے ہمہ وقت موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی کو مجال نہیں کہ قیامت کا انکار کر سکے تو جب قیامت قائم ہوگی مردوں کو ان کی قبروں سے اٹھایا جارہا ہوگا آفتاب کی تپش سے لوگوں کے دماغ کھول رہے ہوں گے اہل ایمان کے لئے سایہ عرش ہوگا اور مجرمین ومنکرین بدحواسی کے عالم میں ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا چلو اسی چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے وہ نامۂ اعمال کی پیشی اور میزان اعمال پر حاضری اور جہنم کے کناروں پر قائم کردہ پل پر سے گزرنا ہے اس اعلان پر منکرین وکفار بے چینی سے گریہ وزاری کرنے لگیں گے تو پھر ان کو کہا جائے گا اچھا چلو ایک ایسے سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں① ایک طرف اشارہ کرکے کہا جائے گا دور سے ظاہر ہوگا کہ وہ ایک سایہ ہے جس کی تین شاخیں ہیں فرشتوں کے اس اعلان پر وہاں پہنچیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے نہ تو وہ سایہ ہوگا ڈھانکنے والا جس میں کوئی ٹھنڈک اور چین ہو اور نہ ہی وہ جہنم کی لپٹوں اور شعلوں سے بچانے والا ہوگا بلکہ وہ سایہ تو درحقیقت جہنم سے اُٹھنے والا دھواں ہوگا اور قعر جہنم سے اُٹھنے والے سیاہ شعلے ہوں گے جو پہاڑوں کی بلندی کی طرف اوپر کی جانب بلند ہوتے ہوں گے اور دور سے محسوس ہوگا کہ وہ کوئی سایہ ہے۔

وہ جہنم پھینکتی ہوگی ایسے شعلے اور انگارے جو محل کی طرح بلند ہوں گے دیکھنے میں ایسا محسوس ہوگا گویا وہ اونٹ ہیں زرد رنگ کے کہ ابتداء میں وہ انگارے اور شعلے محل کی بلندی کے بقدر قعر جہنم سے بلند ہوتے ہوں گے پھر ان میں سے ٹوٹ ٹوٹ کر چنگاریاں ایسی نظر آئیں گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوں یہ ہے وہ عذاب جو آخرت میں مجرمین ومنکرین کے لیے ہوگا افسوس ہلاکت وبربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے اس دن کی شدت اور عذاب کی سختی کا کیا حال بتایا جائے یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور اگر اس سے قبل روز محشر کچھ بولے بھی ہوں وہ بے سود تھا اور نہ ان کو اجازت ہوگی کہ وہ کوئی معذرت پیش کریں اور توبہ کریں پس ہلاکت وبربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں میں جس طرح حیل وحجت اور عذر و معذرت سے کام چل جاتا ہے شاید میدان حشر

① یہ تین شاخوں والا دھواں اس طرح ہوگا دائیں بائیں اور سر پر محیط گویا ہر طرف سے گھیرنے والا ہوگا بظاہر اس کی حکمت یہ ہوگی کہ عالم آخرت میں انسان کے اعمال عالم مثال میں حقائق موجودہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں تو یہ ان کے اعمال فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تاریکی ہوگی جو ہر طرف سے ان کو محیط ہوئی اور دھوئیں کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہوگی۔

• حضرات عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جن کی اصلاح اس کو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا فساد اس کو شیاطین کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے ایک بائیں طرف جو لطیفہ قلب ہے جس کا فساد قوت غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم وسرکشی پر آمادہ کرتا ہے دوسرا دائیں طرف ہے جس کا فساد قوت شہویہ کو بڑھاتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان فسق وفجور اور بدکاریوں میں پڑ جاتا ہے کیونکہ جگر معدن خون ہے اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے تیسرا لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے اور تیسرے لطیفہ کا فساد عقائد باطلہ کا سبب ہے اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائد باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوئے تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائد جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی۔ فتح المنان)

میں اسی طرح ہم کچھ حیلے بہانے یا معذرت و توبہ کر کے چھوٹ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں وہاں نہ تو بولنے کی سکت ہوگی اور نہ کوئی معذرت و توبہ قبول ہوگی بہرحال یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں حق و باطل نیکی و بدی اور ایمان و کفر کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر عمل کا انجام سامنے ہوگا مؤمنین جدا ہوں گے اور مجرمین و منکرین جدا ہوں گے ایک گروہ نجات و کامیابی پر شاداں و فرحاں ہوگا تو دوسروں کے چہروں پر ذلت و حقارت اور پریشانی و پشیمانی برس رہی ہوگی غرض ہر چیز کا فرق سامنے ہوگا اور ہر عمل کا فیصلہ ہو رہا ہوگا جمع کر دیا ہے ہم نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں تا کہ سب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سب کو سنا دیں تو اے مجرمو! اگر کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو کر لو وہ تدبیر میرے مقابلہ میں اور آ جائیں وہ گستاخ بھی جو کہا کرتے تھے دوزخ کا ذکر (اور ان پر مقرر انیس فرشتوں) کو سن کر کہ "سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا باقی دو سے تم نمٹ لینا بس ہلاکت و تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ظاہر ہے کہ سب کچھ مصائب اور عذاب کی شدت و سختی اور میدان حشر کی پریشانی منکرین و مکذبین کے لیے ہے جو ان کے کفر و نافرمانی اور سرکشی کا نتیجہ ہے لیکن ان کے بالمقابل اہل ایمان و طاعت کامیاب و کامران ہوں گے اللہ رب العزت کی نعمتوں اور اس کی رضا و خوشنودی سے سرفراز ہوں گے جن کی راحت و نعمتوں کا یہ حال ہوگا کہ بے شک تقویٰ اور ایمان والے نہایت ہی راحت و سکون کے ساتھ جنت کے سایوں میں اور چشموں میں جن سے پانی اور دودھ کی نہریں بہتی ہوں گی اور ہر قسم کے میوے اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے بھی وہ چاہیں غرض ہر طرح کا آرام و سکون عزت اور ہر قسم کی نعمتیں ہوں گی اور ان کو کہہ دیا جائے گا کھاؤ اور پیو مزے سے خوب بلا کسی روک ٹوک کے یہ سب کچھ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے دنیا کی زندگی میں بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو مگر اس کے برعکس ہلاکت و تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے یہ مجرمین و مکذبین جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت میں مست تھے اور آخرت کو انہوں نے بھلا رکھا تھا ان کو دنیا میں ہی اسی وقت بتا دیا گیا تھا کھا لو اور مزے اڑا لو تھوڑے دنوں تک یقیناً تم مجرم ہو اور تم کو یہ چند دن اور قلیل مدت گزرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا انجام کس قدر برا ہے افسوس! ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے دنیا کی زندگی نے ان مجرموں کو ایسا سرکش و نافرمان بنا دیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تا کہ جھک ① جاؤ اللہ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے اور کسی طرح خدا کے سامنے سرنگوں ہونے اور عبادت و بندگی کے لیے تیار نہ ہوتے جس کا یہ انجام دیکھ لیا بس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے قرآن حکیم نے کس قدر واضح دلائل بیان کر دیئے جن کے بعد خدا اور آخرت پر ایمان لانے میں کوئی تردد ہی نہ رہنا چاہیے لیکن انکار کرنے والے اب بھی اگر ایمان نہیں لائے تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہوگی جس پر وہ ایمان لائیں گے اور اس پر یقین کر کے آخرت کو مانیں گے نہ تو قرآن کے بعد اب کوئی اور کتاب نازل ہوگی اور جو دلائل و حقائق ذکر کیے گئے ان کے بعد احاطہ تصور میں مزید کسی دلیل اور تحقیق کا امکان نہیں اور نہ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی مبعوث ہوگا کہ یہ توقع کر لی جائے کہ شاید کسی اور پیغمبر کے کسی معجزہ کو دیکھ کر یا دلیل کو سن کر مان لیں اور ایمان لے آئیں بہرحال جو بدنصیب بھی ان قرآنی دلائل و حقائق کے باوجود

① لفظ ارکعوا کا ترجمہ "جھک جاؤ" اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی پر محمول کیا جائے۔ ۱۲

ایمان سے محروم رہے تو اس کے بعد کوئی توقع نہیں کہ وہ کسی اور بات پر ایمان لاسکے گا ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ [الحج:۱۱]

اعاذ نا الله منه ووفقنا من فضله وكرمه للايمان والثبات على الدين فيارب ثبتنا على الاسلام وعلى ملة نبينا ﷺ توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غير خزايا ولا مفتونين آمين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

آیت ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ کے تکرار کی حکمت

سورۃ المرسلات میں یہ آیت مبارکہ ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ [المرسلات:۴۹] دس جگہ ارشاد فرمائی گئی تکرار آیات قرآنیہ کی حکمت سورۂ الرحمن میں ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ [الرحمن:۷۷] میں بیان کردی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قرآن کریم میں بار بار ہیں ان پر منطبق ہوتی ہے یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اس کے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ [المرسلات:۴۹] کا اعادہ کرکے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت وبربادی میں ہیں تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت وبربادی کی یہ وعید بیان فرمادی گئی جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرتِ خداوندی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے اور ان کے فساد سے شقاوت وبدبختی اور ہلاکت وبربادی ہے اوّل قوتِ نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا متعدد وجوہ سے اوّل ذاتِ خداوندی کا شرک کرکے دوم صفاتِ خداوندی میں بیہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کرکے سوم فرشتوں کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک ومختار ہیں چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت پنجم قضاء وقدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور ان کے اوامر وہدایات سے سرتابی تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوتِ نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں دوسری قوتِ شہویہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی اطراف انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھا دیتا ہے اور اس کی وجہ سے ظلم وتعدی کی کوئی حد نہیں رہتی اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کردیتی ہے نوبت یہاں تک ہوجاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو دو خرابیاں یہ ہوئیں اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل ایک بار فرمادیا گیا ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ [المرسلات:۴۹] واللہ اعلم بالصواب۔

تم بحمد الله تفسير سورة المرسلات

الحمد للہ ۲۹ ویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

مضامین کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہے اس کے دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔

سورت کی ابتداء ملائکہ اور چلنے والی ہواؤں کی قسم سے کی گئی اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرمایا جو مختلف انواع واقسام کے تکوینی امور پر مامور ہیں مضمون مقسوم علیہ قیامت کا وقوع ہے جس کو ﴿اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ﴾ کے عنوان سے بیان فرمایا گیا اسی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ قیامت کے وقوع پر کائنات عالم کا نظام کس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا اگرچہ اس کو اجمالاً بیان فرمایا اثبات قیامت کے مضمون کے ساتھ توحید خداوندی اور اس کے دلائل ذکر کئے گئے اور دلائل قدرت اور توحید رب العالمین سے اعراض و بے رخی کرنے والوں پر وعید کا سلسلہ بیان اخیر سورت تک جاری رکھا گیا اور یہ کہ قیامت کے روز انکا حال نہایت ہی برا ہوگا ان مجرمین کی ذلت کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقارت ونفرت کے ساتھ انکو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ کہتے ہوئے کہ دیکھ لو یہ ہے وہ جہنم جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

اختتام سورت پر ان اعمال اور بدترین خصلتوں کا بھی ذکر فرما دیا گیا جو کفار کی فطرت میں رچی ہوئی تھیں اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ کافروں کو دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے یہ تو خدا کی طرف سے انکو ڈھیل دی جا رہی ہے اور ایک طرح کا امتحان ہے اس لئے اہل ایمان اور حق پرست لوگوں کو کسی قسم کے شبہ میں نہ پڑنا چاہئے۔

(۷۷ سُوۡرَۃُ المُرۡسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۳۳) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (ایاتہا ۵۰ رکوعاتہا ۲)

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ① فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ② وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ③ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ④

قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی پھر جھونکا دینے والیوں کی زور سے ف۱ پھر ابھارنے والیوں کی اٹھا کر پھر پھاڑنے والیوں کی بانٹ کر ف۲

قسم ہے چلتی باؤں کی، دل کو خوش آتی، پھر جھونکا دینے والیاں زور سے پھر ابھارنے والیاں اٹھا کر، پھر پھاڑنے والیاں بانٹ کر،

فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ⑤ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ⑥ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ⑦ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ⑧

پھر فرشتوں کی جو اتار کر لائیں وحی ف۳ الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو ف۴ مقرر جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے ف۵ پھر جب تارے مٹائے جائیں

پھر فرشتے اتارنے والوں کی سمجھوتی، الزام اتارنے کو، یا ڈر سنانے کو۔ مقرر جو تم سے وعدہ ہوا سو ہونا ہے۔ پھر جب تارے مٹائے جاویں

ف۱ یعنی اول ہوا نرم اور راور خوشگوار چلتی ہے، جس سے مخلوق کی بہت سی توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفان جھکڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال دنیا و آخرت کی سمجھو کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصور کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین خوفناک صورت میں ظاہر ہوں گے تو لوگ پناہ مانگنے لگیں گے۔

ف۲ یعنی ان ہواؤں کی قسم جو بخارات وغیرہ کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور ابر کو ابھار کر جو میں پھیلا دیتی ہیں پھر جہاں جہاں پہنچانا ہے اللہ کے حکم سے اس کے حصے کر کے بانٹتی ہیں اور بارش کے بعد بادلوں کو پھاڑ کر ادھر ادھر متفرق کرتی ہیں اور کچھ ابر کے ساتھ مخصوص نہیں، ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً بد بو وغیرہ کو پھیلائے ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جا ملائے۔ غرض یہ جمع وتفریق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا، جہاں حشر ونشر کے بعد لوگ جدا کیے جائیں گے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیے جائیں گے۔
﴿هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ﴾

ف۳ حضرت شاہ صاحب عبدالعزیز رحمہ اللہ نے "اَلۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا" سے بھی ہوائیں مراد لی ہیں کیونکہ حق کی آواز کا لوگوں کے کانوں تک پہنچانا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہے۔=

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ⑨ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ⑩ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ⑪ لِاَیِّ یَوْمٍ

اور آسمان میں جھروکے پڑ جائیں ف۱ اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں ف۲ اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے ف۳ کس دن کے واسطے ان چیزوں میں

اور جب آسمان میں جھروکے پڑیں، اور جب پہاڑ اڑائے جائیں، اور جب رسولوں کا وعدہ ٹھہرے۔ کس دن کی ان کو

اُجِّلَتْ ⑫ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ

دیر ہے اس فیصلے کے دن کے واسطے ف۴ تو نے کیا بوجھا کیا ہے فیصلے کا دن خرابی ہے اس دن

دیر ہے اس فیصلہ کے دن کی، اور تو کیا بوجھا؟ کیا ہے فیصلہ کا دن؟ خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ⑮ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ⑯ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ⑰ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ

جھٹلانے والوں کی ف۵ کیا ہم نے نہیں مار کھپایا پہلوں کو پھر ان کے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلوں کو ہم ایسا ہی کرتے ہیں

جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم کھپا نہیں چکے اگلے پھر ان کے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلے۔ ہم یہی کچھ کیا کرتے ہیں

بِالْمُجْرِمِیْنَ ⑱ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ⑲ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ⑳ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ

گناہ گاروں کے ساتھ ف۶ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ف۷ کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے پھر رکھا اس کو ایک جے

گنہگاروں سے۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بےقدر پانی سے؟ پھر رکھا اس کو ایک جے

= (تنبیہ) "اَلْمُرْسَلٰتِ"، "اَلْعٰصِفٰتِ"، "اَلنّٰشِرٰتِ" "اَلْفٰرِقٰتِ"، "اَلْمُلْقِیٰتِ" پانچوں کا مصداق کسی نے ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو کسی نے پیغمبروں کو، اور بعض مفسرین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لیں ہیں اور پانچویں سے فرشتے، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور بھی اقوال ہیں جن سب کی تفصیل روح المعانی میں ملے گی۔

ف۴ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کہ (وحی سے) کافروں کا الزام اتارنا منظور ہے کہ (سزا کے وقت) نہ کہیں ہم کو خبر نہ تھی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا تاکہ ایمان لائیں۔" اور حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ جو کلام الٰہی امر و نہی اور عقائد و احکام پر مشتمل ہے۔ وہ عذر کرنے کے واسطے ہے، تاکہ اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لیے عذر اور دستاویز ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے ترک کیا۔ اور جو کلام الٰہی قصص و اخبار وغیرہ پر مشتمل ہو وہ عموماً منکرین کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لیے ہے اور اس سورت میں روئے سخن بیشتر مکذبین و منکرین کی طرف تھا۔ اس لیے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاید ہیں کہ ایک وقت ضرور آنا چاہیے جب مجرموں کو ان کی حرکات پر ملزم کیا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکلیہ مامون و بےفکر کر دیا جائے۔

ف۵ یعنی قیامت کا اور آخرت کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ۔

ف۱ یعنی تارے بےنور ہو جائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں دریچیاں اور جھروکے سے نظر آنے لگیں۔

ف۲ یعنی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں۔

ف۳ تاکہ آگے پیچھے وقت مقرر کے موافق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں۔

ف۴ یعنی جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لیے اٹھا رکھا ہے؟ اس دن کے لیے جس میں ہر بات کا بالکل اور دو ٹوک فیصلہ ہوگا۔ بیشک اللہ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے۔

ف۵ یعنی کچھ مت پوچھو، فیصلہ کا دن کیا چیز ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکایک اپنی ہولناک صورت میں آن پہنچے گی تو ہوش پراں ہو جائیں گے، اور حسرت و ندامت سے حواس باختہ ہوں گے۔

ف۶ منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کرے گا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں گے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائے =

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ہوئے ٹھکانے میں ف۱ ایک وعدہ مقرر تک ف۲ پھر ہم اس کو پورا کر سکے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں ف۳ خرابی ہے اس دن

ٹھہراؤ میں، ایک وعدہ مقرر تک، پھر ہم کر سکے، سو کیا خوب سکت والے ہیں۔ خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین کمیٹنے والی زندوں کو اور مردوں کو ف۴ اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کے لیے

جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی، جیتوں کو اور مردوں کو، اور رکھے اس میں بوجھ کو

شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ

پہاڑ اونچے اور پلایا ہم نے تم کو پانی میٹھا پیاس بجھانے والا ف۵ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ف۶ چل کر دیکھو جس چیز کو تم

پہاڑ اونچے، اور پلایا تم کو پانی میٹھا پیاس بجھاتا۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ چلو دیکھو! جو چیز تم لوگ

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾

جھٹلاتے تھے ف۷ چلو ایک چھاؤں میں جس کی تین پھانکیں ہیں ف۸ نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں ف۹

جھٹلاتے تھے، چلو ایک چھاؤں میں، جس کی تین پھانکیں، نہ گھن کی اور نہ کام آئے تپش میں۔

= گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیں گے۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے، وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔

ف۷ یعنی جو قیامت کی آمد کو اس لیے جھٹلاتے ہیں کہ سب انسان ایک دم کیسے فنا کر دیے جائیں گے اور کس طرح سب مجرموں کو بیک وقت گرفتار کر کے سزا دیں گے۔

ف۱ یعنی ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں محفوظ رکھا۔ مراد اس سے رحم مادر ہے جسے ہمارے محاورات میں بچہ دان کہتے ہیں۔

ف۲ اکثر وہاں ٹھہرنے کی مدت نو مہینے ہوتی ہے۔

ف۳ یعنی اس پانی کی بوند کی بتدریج پورا کر کے انسان عاقل بنا دیا۔ اس سے ہماری قدرت اور سکت کو سمجھ لو تو اسی انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟

(تنبیہ) بعض نے "قدرنا" کے معنی اندازہ کرنے کے لیے ہیں۔ "اندازہ کیا ہم نے" اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں کہ اتنی مدت میں کوئی ضروری چیز رہ نہیں جاتی اور کوئی زائد و بیکار چیز پیدا نہیں ہوتی۔

ف۴ جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، پھر کس طرح زندہ کر دیے جائیں گے؟ اس وقت اپنے لچر پوچ شبہات پر شرمائیں گے۔ اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔

ف۵ یعنی زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اس خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانا ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔

ف۶ یعنی اس زمین میں پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیے جو نرم و سیال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں، اور بڑی سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں۔ پس جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔ نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا، ہلاک کرنا، اور حیات و بقاء کے سامان فراہم کرنا یہ سب کام ہوئے اس کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیوں کر جائز ہوگا۔ =

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾ هَٰذَا يَوْمُ

وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل ف۱ گویا وہ اونٹ ہیں زرد ف۲ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ف۳ یہ وہ دن ہے

وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل، جیسے وہ اونٹ ہیں زرد۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ وہ دن ہے،

لَا يَنطِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ هَٰذَا يَوْمُ

کہ نہ بولیں گے ف۴ اور نہ ان کو حکم ہو کہ توبہ کریں ف۵ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ف۶ یہ ہے دن

کہ نہ بولیں گے، اور نہ ان کو حکم ہو کہ توبہ کریں۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ ہے دن

الْفَصْلِ ۖ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ فَإِن كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

فیصلے کا جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو ف۷ پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر ف۸ خرابی ہے اس دن

فیصلے کا، جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو، پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا، تو چلا لو مجھ پر۔ خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا ع ۲۱

جھٹلانے والوں کی ف۹ البتہ جو ڈرنے والے ہیں وہ سایہ میں ہیں ف۱۰ اور نہروں میں اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں کھاؤ اور پیو

جھٹلانے والوں کی۔ جو ڈر والے ہیں، وہ چھاؤں میں ہیں اور ندیوں میں، اور میوے جس قسم کے جی چاہے، کھاؤ اور پیو

= ف۷ جو سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین وآخرین کی اثابت وتعذیب کے اس قدر مختلف اور متضاد کام کیونکر سرانجام پائیں گے۔

ف۸ یعنی قیامت کے دن یوں کہا جائے گا۔ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافروں کے سایہ کے لیے ایک دھواں دوزخ سے اٹھے گا، جو پھٹ کر تین ٹکڑے ہو جائے گا کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا۔ ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہر جائے گا۔ دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائے گا۔ حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہیں گے۔ اور ایماندار نیک کردار عرش اعظم کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوں گے۔

ف۹ یعنی محض برائے نام سیاہ ہوگا گہری چھاؤں نہیں ہوگی۔ جس سے آفتاب کی گرمی یا آگ کی تپش سے نجات ملے یا اندر کی گرمی اور پیاس میں کمی ہو۔

ف۱ یعنی اونچی ہوتی ہیں، چنگاریاں بڑے اونچے محل کے برابر۔ یا اس کے انگارے کلانی میں محل کے برابر ہوں گے۔

ف۲ یعنی اگر قصر کے ساتھ تشبیہ بلندی میں تھی تو اونٹ کے ساتھ کلانی میں ہوگی۔ اور اگر وہ تشبیہ کلانی میں ہو تو "كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ" کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداء چنگاریاں محل کے برابر ہوں گی پھر ٹوٹ کر اور چھوٹی ہو کر اونٹ کے برابر ہو جائیں گی۔ یا اونٹ کے ساتھ رنگت میں تشبیہ ہو لیکن اس صورت میں "جملت صفر" کا ترجمہ جنہوں نے "کالے اونٹوں" سے کیا ہے وہ زیادہ چسپاں ہوگا۔ کیونکہ روایات سے جہنم کی آگ کا سیاہ و تاریک ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور عرب کالے اونٹ کو صفر اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً وہ زردی مائل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ جو سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی نہیں، اور اگر آئی تو ہم وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔

ف۴ یعنی محشر کے بعض مواطن میں بالکل بول نہ سکیں گے اور جن مواطن میں بولیں گے وہ نافع نہ ہوگا۔ اس لحاظ سے بولنا نہ بولنا برابر ہوا۔

ف۵ کیونکہ معذرت اور توبہ کے قبول ہونے کا وقت گزر گیا۔

ف۶ یعنی جنہوں نے دنیا کی عدالتوں پر قیاس کر کے سمجھ رکھا ہوگا کہ اگر ایسا موقع پیش آ گیا وہاں بھی زبان چلا کر اور کچھ عذر معذرت کر کے چھوٹ جائیں گے۔

ف۷ تا سب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سنائیں۔

ف۸ لو! اب سب کو ہم نے یہاں جمع کر دیا آپس میں مل کر اور مشورے کر کے جو داؤ تدبیر ہماری گرفت سے نکلنے کی کر سکتے ہو کر دیکھو۔ دنیا میں حق کو دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں۔ آج ان میں سے کوئی یاد کرو۔

ف۹ جو دوسروں پر بھروسہ کیے ہوئے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑا لیں گے اور بعض گستاخ تو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس سن کر یہاں تک کہہ گزرتے =

هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۴۴ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

مزے سے بدلہ ان کاموں کا جو تم نے کیے تھے ف۱ ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو خرابی ہے اس دن

رچ سے، بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔ ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو۔ خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۵ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝۴۶ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۷

جھٹلانے والوں کی ف۲ کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں بیشک تم گناہ گار ہو ف۳ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ف۴

جھٹلانے والوں کی۔ کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں تم مقرر گنہگار ہو۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝۴۸ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۹ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ

اور جب کہیے ان کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے ف۵ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ف۶ اب کس بات پر

اور جب کہیے ان کو، نیوو، نہیں نوتے۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ اب کس بات پر

بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۰ ع ۲۲

اس کے بعد یقین لائیں گے ف۷

اس کے بعد یقین لائیں گے؟

اعلان پراگندگی نظام عالم برائے تکمیل وعدۂ قیامت وبربادی مجرمین وانعام والطاف برمومنین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ... الی ... فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط:..... گزشتہ سورت میں انسانی ہستی کا بیان تھا کہ کائنات کی تخلیق اور دنیا میں انسانوں کی آبادی اس طرح پیش آئی کہ

= تجھے کہ ان میں سے ستر کو میں اکیلا کافی ہوں۔

ف۱ یعنی اول عرش کے پھر جنت کے سایوں میں۔

ف۲ مکذبین کے مقابل یہ متقین کا حال بیان فرمادیا کہ "الاشیاء تعرف باضدادھا۔"

ف۳ جو دنیا میں مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے تو وہاں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے۔ اب ان کو عیش میں اور اپنے کو عذاب میں دیکھ کر اور زیادہ جلیں گے اور ذلیل و رسوا ہوں گے۔

ف۴ یہ خطاب مکذبین کو ہے کہ چند روز اور مزے اڑالو۔ آخر یہ کھایا پیا بہت بری طرح نکلے گا۔ کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو جس کی سزا ہمیں دوام اور عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں گویا "کلوا وتمتعوا" فرمانا ایسا ہوا جیسے ایک مجرم کو جس کے لیے پھانسی کا حکم ہو چکا ہو، پھانسی دینے سے قبل کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خواہش ہو تو ظاہر کرو تاکہ اس کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔

ف۵ جو دنیا کے عیش و بہار اور لذتوں پر ریجھو۔ بے تھے یہ خبر نہ تھی کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ ہے۔

ف۶ یعنی نماز میں یا اللہ کے احکام کے سامنے۔

ف۷ اس دن پچھتائیں گے کہ دنیا میں احکام الٰہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سربلند ہوتے۔

ف۸ یعنی قرآن سے بڑھ کر کامل اور موثر بیان کس کا ہوگا۔ اگر یہ مکذبین اس پر یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں جو آسمان سے اترے گی؟

[illegible] تا کہ انسان کا کوئی وجود ہی نہ تھا اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو عدم سے وجود بخشا اور اسی کے لئے یہ کارخانہ
[illegible] جیسا کہ فرمان ہے ﴿خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اور ظاہر ہے کہ تخلیق انسان اور نظام کائنات قائم کرنے کی
[illegible] اللہ کی عبادت و بندگی ہے جس پر انسانوں کے دو گروہ بٹ گئے ایک گروہ اہل ایمان و اطاعت کا ہوا دوسرا گروہ
[illegible] مجرمین کا تو اب اس سورت میں نظام عالم درہم برہم کر دینے کا ذکر ہے اور یہ کہ رب العالمین نے قیامت کا جو وعدہ
[illegible] کس طرح پورا ہوگا اس کے لیے ان احوال کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو قیامت کے واسطے مبادی ہوں گے اور ان کے
[illegible] اور کائنات کا یہ جملہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان خوشگوار ہواؤں کی جو جاری ہیں لطافت و نرمی کے ساتھ جن کے لطیف جھونکوں سے مخلوق کی زندگی اور
[illegible] وابستہ ہیں ⑪ پھر قسم ہے ان تیز و تند آندھیوں کے جھونکوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والی ہوں درختوں اور عمارتوں کو اکھاڑ

⑪ [illegible] ان الفاظ کا اضافہ عرفا کے معنی لغوی و عرفی کے پیش نظر کیا گیا اور اس امر کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ لفظ عربیت کے لحاظ سے تمیز ہے
[illegible] کیلئے اور مقصد و غرض بھی ایسے نرم و لطیف اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں کے واسطے۔

اس موقع پر خداوند عالم نے جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہیں المرسلت، العاصفات، الناشرات، الفارقات اور الملقیات۔

سورۃ والمرسلات میں اختیار کردہ الفاظ قسم کی تشریح

ان پانچ چیزوں کی مراد اور انکے مصداق کے متعلق ائمہ مفسرین نے متعدد اقوال بعض حضرات صحابہ کرام ؓ اور تابعین سے نقل کیے ہیں اعمش
[illegible] نے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ ان سے ملائکہ اور فرشتے مراد ہیں لیکن اس کے بالمقابل سفیان ثوری ؒ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن
[illegible] سے جب ان آیات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان سے مراد ہوائیں ہیں، ابن عباس ؓ اور مجاہد ؒ اور قتادہ ؒ سے بھی منقول ہے
[illegible] حاصل یہ ہے کہ ایک جماعت پانچوں کو فرشتوں کے معنی پر محمول کرتی ہے دوسری جماعت سب کو ہواؤں پر منطبق کرتی ہے۔
ملائکہ مصداق ہونے کی صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا قسم ہے ان فرشتوں کی جو بھیجے جاتے ہیں (حضرات انبیاء ؑ کی طرف) نیکی اور
[illegible] کیلئے اس لئے کہ وہ وحی الٰہی لے کر آتے ہیں اور اللہ کی وحی ہی دین و دنیا کی خیر اور فلاح کی ضامن ہے پھر ان فرشتوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والے ہیں کہ
[illegible] تغیر و تبدل اور ہنگامہ و خلل کہ جیسی باتوں کے لئے مامور ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلا دینے والے ہیں یعنی ایسی جماعت جو مثلاً قحط
[illegible] رحمت، بیماری جیسی چیزوں کو عالم میں پھیلانے پر مامور ہے پھر ان فرشتوں کی جو فرق کر دینے والے ہیں عالم میں فرق کر دینا حق و باطل، ضعف
[illegible] اور ظلمت، حرارت و برودت اچھے برے اور نفع و نقصان جیسے امور میں اور ایک جماعت فرشتوں کی نظام عالم کی تدبیر میں اسی پر مامور ہے پھر قسم ہے
[illegible] کی جو ڈالنے والے ہیں ذکر یعنی وہ فرشتے جو تدبیر عالم میں اس پر مامور ہے کہ تکمیل مخلوق کے بعد ان میں ذکر الٰہی ڈالتے ہیں، خواہ وہ ذکر غیر اختیاری
[illegible] ہو جیسے کہ نباتات اشجار و احجار طیور و بہائم اور حشرات سب کی فطرت اور سرشت میں ذکر ڈالا گیا چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا
يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ اور ارشاد ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾ غرض ہر مخلوق ذکر الٰہی کر رہی ہے جیسا کہ کہا گیا۔

بذکرش ہر چہ بینی درخروش است
دلے داند دریں معنی کہ گوش است

یا وہ ذکر اس طرح ہو کہ مخلوق اپنے ارادہ اور اختیار سے اس ذکر میں مصروف ہو یہ نوعیت ذوی العقل یعنی انسانوں کے لیے ہے یا جن و ملائکہ
[illegible] کہ فرشتے انکے دل میں ذکر کا القاء کرتے ہیں اور فرشتے ہی لوح محفوظ سے اللہ کے ذکر تسبیح و تحمید اور اسکی طاعت و عبادت کے احکام لے کر آتے ہیں
[illegible] (فرشتوں اور جنوں میں سے اہل ایمان) وہ ذکر کرتے ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی جو ان فرشتوں کے ذریعے
[illegible] انسانوں کے عذر اور حیلے بہانے ہی ختم کر دیے گئے اور عذاب آخرت سے ڈرایا بھی گیا بہرکیف یہ دونوں قسم کا ذکر فرشتوں ہی نے مخلوق میں
[illegible] فرشتوں کی ان کلمات میں قسم کھائی گئی تو اس نوعیت سے ان پانچوں کلمات سے فرشتوں کی ان قسموں کا بیان ہوا جو نظام عالم اور تدبیر خلائق میں
[illegible] جن میں تکوین عالم اور عالم کی ہر موجود چیز کی ابتدائی حالت پھر اسکی قوت و کمال تک پہنچنے کی نہایت پھر ممکنات کے اکتساب خیر و شر اور اس

پھینکنے کی شدت کے ساتھ پھر ان ہواؤں کی جو بلندی تک لے جانے والی ہوں کسی چیز کو اٹھا کر وہ بخارات ہوں یا گردوغبار یا بادل ہوں جن کو ہوائیں بلندی تک لے جائیں اور فضاء میں پھیلا دیں اور جہاں حکم خدا ہو وہاں پہنچا دیں پھر ان ہواؤں کی جو پھاڑ دینے والی ہوں نباتات یا پھل اور پھولوں کو یا بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ ان ہی جھونکوں نے زمین کی تہوں کو شق کر کے زمین میں دبے ہوئے تخم اور بیج کو سبزہ کی شکل میں رونما کیا اور ان ہی جھونکوں نے پھولوں کی کلیاں شگفتہ بنائیں اور انہی ہواؤں نے خوشوں کو پھاڑ کر پھل نمودار کئے اور ان ہی ہواؤں نے بادلوں کو پھاڑ کر انکے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور پھر مختلف جانبوں میں پھیلایا پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اتار کر لاتے ہیں اللہ کی وحی کو عذر ختم کرنے کے لئے یا ڈرانے کے لیے کہ کافروں اور نافرمانوں کے لیے کوئی عذر کی گنجائش نہ رہے، اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہمیں تو خبر نہ تھی یا ڈرانے کیلئے عذاب آخرت سے کہ اگر کسی کو علم بالا حکام ہو تو ہو لیکن اس کو خوف خدا نہیں اور آخرت کے عذاب کا ڈر نہیں تو فرشتوں نے اللہ کی وحی اتار کر حیلے اور معذرت کا دروازہ بھی بند کر دیا اور اس وحی الٰہی میں خوف خدا اور عذاب آخرت کا سامان بھی مہیا

= کے بعد کی حالت پھر بقاء عالم کے اسباب اور ہر شے کی نشوونما کی کیفیت کہ عالم عدم سے عالم ظہور تک کیا کیا صورتیں اور تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ اور غرض دار آخرت کی تیاری اور اس ضمن میں اہل عقل کے لئے اتمام حجت اور عذاب آخرت سے ڈرانا غرض یہ انواع واقسام ہیں جو تدبیر عالم میں فرشتوں کے ذریعہ مخلوقات میں جاری ہیں۔

یہ ترجمہ تو اس تقدیر پر ہوا کہ فرشتے مراد ہوں اور اگر ہوائیں مراد ہوں تو پہلی چار قسموں کا مطلب ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا اب اس صورت میں اگر ﴿فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا﴾ بھی ہوا پر محمول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہوائیں جو ذکر اور وحی کو لوگوں کے کانوں میں ڈالنے والی ہیں کیونکہ آواز کا کانوں تک پہنچانا ہوا ہی کا کام ہے جیسے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا۔

تو اس دوسرے قول کے پیش نظر ہوا کی ان پانچ قسموں کو قسم کھانے کے لیے اس بناء پر مخصوص کیا گیا کہ ہوا کا عالم کی بقاء وفناء اور کاروبار میں عجب دخل ہے سننا دیکھنا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سب کچھ ہوا پر ہی موقوف ہے آواز بھی ہوا کے ذریعے متکیف ہو کر کان پر پہنچتی ہے دیکھنے میں بھی شعاع بصریہ شئے مرئی اور مبصر تک رسائی کرتی ہے کیونکہ عنصر لطیف ہے تو جب کہ کوئی حائل نہیں تو ہوا بھی شعاع بصریہ کے نفوذ کا ذریعہ ہے علی ھذا القیاس دیگر ادراکات کا بھی یہی حال ہے نیز ہوا ہی سے ہر جاندار کی حیات وابستہ ہے تو اس عظمت کے پیش نظر ہواؤں کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نرم ولطیف اور خوشگوار جھونکوں کی صورت میں چلتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جن کے تیز وتند جھونکے درختوں اور سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اکھاڑ پھینکے اور سمندر میں طوفان برپا کر دیں گویا یہ ہوائیں تلاطم اور انقلاب برپا کرنے والی ہیں پھر فا کا لفظ لا کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ہر چیز کے دو وصف ہوتے ہیں تو وہی ہوائیں جو ابتداء میں نرم ولطیف ہوتی ہیں وہی شدت اختیار کر کے طوفان وتلاطم بھی برپا کر دیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی قسم جو عالم میں بکھیرنے اور پھیلانے والی ہیں کہیں بادلوں کو پھیلا رہی ہیں کہیں سردی گرمی کو کہیں صحت ومرض کو کہیں رطوبت ویبوست کو حتی کہ آوازوں کو پھر قسم ان ہواؤں کی جو جدا کرتی ہیں اور فرق کرتی ہیں حتی کہ غلہ کو گھاس کے تنکوں اور پانی کو کدورت سے نیز اجزاء نباتیہ کو اجزاء حیوانیہ سے جدا کرنا اسی ہوا کا کام ہے پھر یہی ہوا ہے جو مغروروں اور سرکشوں کے اجسام کے اعضاء کو مرنے کے بعد پارہ پارہ کر کے اڑانے اور جدا کرنے والی ہے کہ سر کہیں اور جسم کہیں الغرض یہ ہوا ہی تمام عالم میں جمع وتفریق اور تالیف وانتشار کا کرشمہ دکھا رہی ہے تو یہ ناشرات وفارقات ہوائیں انقلاب وتغیر اور اشیاء عالم کی پراگندگی اور انکے اجتماع کو ظاہر کر کے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی ہیں اور پھر اخیر میں ان ہواؤں کی قسم کھائی جو ذکر الٰہی اور وحی خداوندی عالم میں پھیلانے والی ہیں تو اس طرح مخاطب کے ذہن میں ان احوال وامور کا جو قیامت کا نقشہ بڑی سہولت سے ہر مخاطب کے سامنے لا سکتے ہیں جواب قسم میں قیامت کا واقع ہونا بیان فرمایا ﴿إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ﴾ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بے شک ہو کر رہے گی۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اول چار قسمیں ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے ہم نے ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پانچویں قسم کے ساتھ فرشتوں کا ترجمہ کیا واللہ اعلم بالصواب تفصیل کے لئے روح المعانی تفسیر عزیزی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائیں۔ ۱۲

کر دیا اور ہر ذکر اور وحی خداوندی میں ان دونوں باتوں میں سے ضرور ایک نہ ایک چیز موجود ہے اس سے خلو ممکن نہیں البتہ یہ دونوں چیزیں بہت سی جگہ مجتمع ہو کر بھی پائی جاتی ہیں۔ (۱) آگاہ ہو جاؤ اے لوگو! بے شک بس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے اور وہ قیامت ہے آخرت میں میدان حشر کی پیشی و کتاب اور جزاء سزا جیسے جملہ احوال ہیں جن میں جنت و جہنم بھی ہے بلاشبہ ان میں سے ہر ایک بات واقع ہو کر رہے گی اور انکے وقوع میں شبہ کرنے والے کو دیکھ لینا چاہئے کہ عالم میں چلتی ہوئی ہواؤں میں دن رات قیامت بعث بعد الموت اور فناء و بقا کے نمونے موجود ہیں جن کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو پھر کون ہے جو اس روز قیامت کے آنے میں شبہ کرے جان لینا چاہئے کہ قیامت کا دن ایسا ہو گا جب کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے اور پھٹ کر ان میں دریچے اور جھروکے جیسے نظر آنے لگیں گے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ (۲) کر کے اڑا دیئے جائیں گے حتی کہ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے اور جب کہ رسولوں کو ایک وقت مقرر کر کے ساتھ متعین و مقرر کر دیا جائے گا جو یکے بعد دیگرے اپنی اپنی امتوں کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں پیش ہوں گے اور پھر رسولوں سے بھی سوال ہو گا اور انکی امتوں سے بھی پوچھا جائے (۳) گا۔ یہ ہے قیامت، اور قیامت کے وقت پیش آنے والے احوال اور جانتے بھی ہو اے لوگو! کس دن کے واسطے ان چیزوں کو مؤخر اور ایک طے شدہ وقت کیلئے موقت کیا گیا ہے یہ سب کچھ اس دن کے لیے جو ہر بات اور ہر چیز میں آخری اور دوٹوک فیصلہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ دن اسی وقت برپا کر دیتا اور ابھی ہر چیز کا فیصلہ ہو جاتا لیکن اسکی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس کو مؤخر کیا جائے اور اے انسان تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے یہ فیصلہ کا دن مت پوچھو کہ یہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اسکی ہیبت و شدت کی کوئی حد نہیں اور جھٹلانے والوں کے لیے اس روز سخت مصیبت و تباہی کا سامنا ہو گا اور یکا یک ایسی ہولناک صورت سامنے آ جائے گی کہ ہوش و حواس پراگندہ ہوں گے اور حسرت و ندامت ان منکرین پر مسلط ہو گی بس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے یہ منکرین و مکذبین سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں اس قدر وسیع دنیا ہلاک ہو جائے گی اور کس طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نسل انسانی نیست و نابود ہو کر کس طرح زندہ کی جائے گی کہاں جہنم اور عذاب جہنم اور کیسی جنت اور جنت کی نعمتیں تو منکرین و مکذبین کو کیا یہ معلوم نہیں ہم ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر ہم ان کے بعد لاتے رہے بعد والوں کو تو موت و ہلاکت اور پہلوں کے دنیا سے نیست و نابود ہو کر پچھلوں کا آنا کوئی عجیب بات نہیں ہماری قدرت کا یہ سلسلہ تاریخ قدیم سے چلا آ رہا ہے جسکو یہ دیکھتے رہے ہیں تو پھر انہوں نے یہ کیسے خیال کیا تھا کہ ہم دنیا کے انسانوں کو فنا کر کے دوبارہ قیامت کے روز انکو نہیں اٹھائیں گے ہم ایسا ہی کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ کہ ان پر جرم کے سبب عذاب نازل کیا انکو ہلاک کر کے پھر دوسری قوم کو لے آئے تو اب ہم نے قیامت کے

(۱) ان کلمات کا اضافہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ ﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ میں او انفصال حقیقی کے لئے نہیں ہے اور نہ مانعۃ الجمع ہے بلکہ یہ بطریق قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو ہے کہ ہر وہ ذکر جس کا فرشتوں نے القاء کیا ہے اس میں کسی جگہ عذر و معاذیر کو ختم کرتا ہے تو کسی جگہ عذاب سے ڈراتا ہے یہ دونوں باتیں کبھی علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں اور کہیں کسی ذکر اور وحی میں دونوں مجتمع اور موجود ہوتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔

(۲) جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً﴾ اور ارشاد ہے ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا﴾۔

(۳) یہ وہی مضمون ہے جو ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ﴾ میں ذکر فرمایا گیا۔

روز سب مجرموں کو جمع کر لیا تا کہ انکو عذاب دیں اور سب اہل ایمان کو بھی جمع کر لیا تا کہ مجرمین اپنی آنکھوں سے دیکھ کر
ایمان و یقین والوں کے واسطے کیسے کیسے انعامات ہیں پس ہلاکت و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لئے آخرت کا انکار کرنے
والوں نے کیوں قیامت کا انکار کیا اے انسانو! کیا ہم نے پیدا نہیں کیا ہے تمہیں ایک حقیر پانی سے ⑪ نطفہ منی سے پھر کیا
نہیں رکھا ہے ایک محفوظ ٹھیراؤ کی جگہ میں یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفہ نے نہایت ہی محفوظ طریقہ سے نشو ونما پایا اعضاء کی
ساخت ہوئی شکل وصورت بنی اس میں حیات وروح کو ڈالا یہ سب کچھ اس کے معین کردہ وقت تک کیلئے ہوتا ہے جو مدت حمل
ہے اس وقت پر انسان ان تمام تدریجی مراحل کو طے کر کے دنیا میں آتا ہے تو ہم نے ایک وقت کا اندازہ کر دیا ہے اور طے
کر لیا ہے بس ہم بہت ہی اچھے انداز سے وقت مقرر کرنے والے ہیں کہ کیسی خوبی سے ایک نطفہ کے لیے تدریجی مراحل
سے نشو ونما مقدر کر کے اس کو انسانی شکل میں پیدا کیا جبکہ انسانی عقل وفکر کے محدود دائرہ میں سوچنے والا انسان تصور نہیں کر سکتا
تھا کہ یہ حقیر سا قطرہ اتنی مدت کے بعد بہترین اعضاء کی ساخت شکل وصورت حیات وادراک اور عقل وشعور کی تمام صلاحیتوں
کے ساتھ پیدا ہو جائے گا تو بس اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انسان مرنے اور ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ قیامت کے روز زندہ
ہو کر اٹھے گا رہا یہ امر کہ وہ قیامت کب آئے گی، تو یہ ایک مقرر کردہ وقت ہے جو اللہ نے اپنی ایسی ہی حکمت بالغہ اور کاملہ سے
مقرر کر رکھا ہے جیسا کہ ہر نطفہ کی پیدائش کا اس نے اپنی حکمت ⑫ سے وقت مقرر کیا اور اس میں مہلت رکھی پس ہلاکت
و بربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کیلئے تو کیا یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ وہ خداوند عالم قیامت قائم
کرنے پر قادر ہے اور ان منکرین کا یہ کہنا کہ "ہم مٹی میں ملنے کے بعد جب کہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر کیونکر ہم دوبارہ
زندہ ہو سکتے ہیں" نہایت ہی لغو اور مہمل بات ہے انکو دیکھنا چاہئے کہ کیا ہم نے نہیں بنایا ہے زمین کو جو سمیٹنے والی ہے زندوں کو
اور مردوں کو جس پر زندہ بھی آباد ہیں اور مردے بھی اسی میں مرنے کے بعد دفن ہیں اس طرح زندوں کو بھی اسی خاک سے
حیات وزندگی ملی اور مر کر بھی اسی میں چلے گئے تو جس خاک سے انسانوں کی نشو ونما ہے اسی خاک میں ملنے والے انسانوں کے

⑪ اس موقع پر جس اہم اور عظیم الشان مضمون کے لئے خداوند عالم نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی اور ان قسموں پر اصل مدعا اور مقصود کو واضح فرمایا وہ مقصد و مدعا ﴿اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ﴾ ہے کہ قیامت جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور صادق ہے اور بلاشبہ قیامت واقع ہو کر رہے گی تو اس کے ثابت کرنے کے لئے منجملہ دلائل یہ بھی ایک اہم دلیل بیان کی گئی ﴿اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ﴾ یعنی انسانی تخلیق کا یہ سلسلہ یقیناً اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کی دلیل تو ہے ہی لیکن اس نظام قدرت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا بھی پورا پورا نمونہ موجود ہے کہ کس طرح خداوند عالم نے ایک قطرہ منی میں انسان کے تمام جسم اور اعضاء جسم کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ سر سے پاؤں تک کے جملہ اعضاء بطور جوہر اس ایک قطرہ میں ہیں پھر صرف یہی نہیں کہ اجزاء بدنیہ بلکہ ہر قسم کی عادات خصلتیں مزاج شکل وصورت حتیٰ کہ آواز اور طرز گفتگو جیسی کیفیات بھی اس میں جمع کر دی ہیں چنانچہ اسی ذریعہ سے یہ ساری صفات اور کیفیات اور عادات منتقل ہوئی ہیں تو اس طرح بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کہ بس سمجھ لو ایسے ہی خداوند عالم انسانوں کے مرنے کے بعد انکے اجزاء بدنیہ جب کہ ان کا خواہ وہ کسی بھی حالت کو اختیار کر چکے ہوں اور انسان اجزاء کا جمع کر کے اٹھانا اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک قطرہ منی میں تمام اجزاء بدن اور اوصاف و عادات جمع کر کے اس کو دوبارہ ایک انسانی شکل وصورت میں پیدا کیا جائے تو اس طرح ﴿اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ﴾ کا مضمون ﴿اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ﴾ کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر مرتب کیا گیا واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

⑫ ان کلمات سے اشارہ کیا گیا کہ ﴿فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ﴾ کا تعلق ہر دو مدتوں کی تقدیر اور تعیین سے ہے یعنی مدت حمل کی تقدیر تو جس طرح مدت حمل کی تقدیر اللہ کی حکمت کاملہ پر مبنی ہے اسی طرح قیامت کی مدت بھی اللہ نے اپنی حکمت کاملہ سے طے کر رکھی ہے اور وہ اسی پر واقع ہوگی۔ ۱۲

...ونے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے پر کیا تعجب ہے کیوں نہیں اس بات کو دیکھ کر کہ ہر دانہ زمین میں بو دیئے جانے
...کردہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ اور بظاہر مٹی ہی بن جاتا ہے کس طرح اگ رہا ہے قیامت اور بعث بعد الموت کا
...جب زمین میں دفن ہو چکنے کے بعد ہر دانہ اور تخم دوبارہ پیدا ہو رہا ہے تو کیوں نہیں انسان زمین میں مل کر
...ہو کر دوبارہ پیدا ہو سکتے تو جس قادر مطلق کی قدرت کے یہ نمونے دن رات نظروں کے سامنے ہیں اس قادر مطلق
...کیا مشکل ہے کہ عالم کو فنا کر کے قیامت قائم کر دے اور اس زمین میں ہم نے بنائے ہیں ایسے جم جانے والے بوجھل
...جن کی چوٹیاں بلند ہیں جو اپنی جگہ سے ذرہ بھی جنبش نہیں کھاتے تو یہ زمین کس قدر مضبوط ہے کہ اس نے اپنے اوپر
...ان پہاڑوں کو اٹھا رکھا ہے جن کی بلند چوٹیاں بادلوں سے بھی اوپر تک پہنچی ہوئی ہیں اور اسی زمین اور پہاڑوں
...سے چشمے جاری کر کے تم کو میٹھا پانی پلایا جو پیاس بجھانے والا ہے پانی کے یہ سیال چشمے مضبوط زمین اور سخت چٹانوں سے
...ہو کر خدا کی عظیم قدرت کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو جو خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ کے یہ
...نمونے دکھلا رہا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کر رہا ہے کیا وہ خدا میدان حشر میں نرمی و سختی اور
...ہلاکت کے مناظر نہیں دکھا سکتا؟ نیز جس کے قبضہ میں تمام اسباب حیات ہیں اور وہ پہاڑوں کے سینہ میں
...پانی کے چشمے اور بے شمار چیزیں جمع کرنے والا ہے اس پروردگار کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد
...میں دفن ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں اڑ رہے ہوں یا پانی کی موجوں میں بہہ رہے ہوں انکو اپنی
...قدرت بالغہ سے سمیٹ کر جمع کر لے اور دوبارہ میدان حشر میں اٹھا لے ان حقائق اور مناظر قدرت کو دیکھ کر تو کسی کی یہ
...ہمت نہ ہونی چاہئے کہ انکار کرے لیکن افسوس کہ پھر بھی بہت سے انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں پس ہلاکت و تباہی
...ہے انکار کرنے والوں کے لئے بہرکیف قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور خداوند عالم جس کی قدرت کے یہ عظیم کرشمے
...نظروں کے سامنے ہمہ وقت موجود ہیں انکے ہوتے ہوئے کسی مجال نہیں کہ قیامت کا انکار کر سکے تو جب قیامت قائم ہوگی
...ہوں گے انکی قبروں سے اٹھایا جا رہا ہوگا آفتاب کی تپش سے لوگوں کے دماغ کھول رہے ہوں گے اہل ایمان کیلئے سایہ
...ہوگا اور مجرمین و منکرین بدحواسی کے عالم میں ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا چلو اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے
...تھے اور اسکا انکار کرتے تھے وہ نامہ اعمال کی پیشی اور میزان اعمال پر حاضری اور جہنم کے کناروں پر قائم کردہ پل پر سے
...گزرنا ہے اس اعلان پر منکرین و کفار بے چینی سے گریہ وزاری کرنے لگیں گے تو پھر انکو کہا جائے گا اچھا چلو ایک ایسے
...سائے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں ⑪ ایک طرف اشارہ کر کے کہا جائے گا دور سے ظاہر ہوگا کہ وہ ایک سایہ ہے جس کی

⓪ تین شاخوں والا دھواں اس طرح ہوگا دائیں بائیں اور سر پر محیط گویا ہر طرف سے گھیرنے والا ہوگا بظاہر اسکی حکمت یہ ہوگی کہ عالم آخرت میں انسان کے
...عالم مثال میں حقائق موجودہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں تو یہ انکے اعمال فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تاریکی ہوگی جو ہر طرف سے ان کو محیط ہوگی اور دھوئیں
...کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہوگی۔
حضرات عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جن کی اصلاح اس کو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے اور اسکا فساد اس کو شیاطین کے
...زمرہ میں شامل کر دیتا ہے ایک بائیں طرف جو لطیفہ قلب ہے جس کا فساد قوت غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم و سرکشی پر آمادہ کرتا ہے دوسرا دائیں طرف ہے
...کا فساد قوت شہویہ کو بڑھا دیتا ہے اور اسکی وجہ سے انسان فسق و فجور اور بدکاریوں میں پڑ جاتا ہے کیونکہ جگر معدن خون ہے اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے تیسرا

تین شاخیں ہیں فرشتوں کے اس اعلان پر وہاں پہنچیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے نہ تو وہ سایہ ہوگا ڈھانکنے والا جس میں کوئی ٹھنڈک اور چین ہو اور نہ ہی وہ جہنم کی لپٹوں اور شعلوں سے بچانے والا ہوگا بلکہ وہ سایہ تو درحقیقت جہنم سے اٹھنے والا دھواں ہوگا اور قعر جہنم سے اٹھنے والے سیاہ شعلے ہوں گے جو پہاڑوں کی بلندی کی طرف اوپر کی جانب بلند ہوتے ہوں گے اور دور سے محسوس ہوگا کہ وہ کوئی سایہ ہے۔

وہ جہنم پھینکتی ہوگی ایسے شعلے اور انگارے جو محل کی طرح بلند ہوں گے دیکھنے میں ایسا محسوس ہوگا گویا وہ اونٹ ہیں زرد رنگ کے کہ ابتداء میں وہ انگارے اور شعلے محل کی بلندی کے بقدر قعر جہنم سے بلند ہوتے ہوں گے پھر ان میں سے ٹوٹ ٹوٹ کر چنگاریاں ایسی نظر آئیں گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوں یہ ہے وہ عذاب جو آخرت میں مجرمین ومنکرین کے لئے ہوگا افسوس ہلاکت وبربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے اس دن کی شدت اور عذاب کی سختی کا کیا حال بتایا جائے یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور اگر اس سے قبل روز محشر کچھ بولے بھی ہوں وہ بے سود تھا اور نہ انکو اجازت ہوگی کہ وہ کوئی معذرت پیش کریں اور توبہ کریں پس ہلاکت وبربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں میں جس طرح حیل وحجت اور عذر ومعذرت سے کام چل جاتا ہے شاید میدان حشر میں اسی طرح ہم کچھ حیلے بہانے یا معذرت وتوبہ کرکے چھوٹ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں وہاں نہ تو بولنے کی سکت ہوگی اور نہ کوئی معذرت وتوبہ قبول ہوگی بہر حال یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں حق وباطل نیکی وبدی اور ایمان وکفر کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر عمل کا انجام سامنے ہوگا مومنین جدا ہوں گے اور مجرمین ومنکرین جدا ہوں گے ایک گروہ نجات وکامیابی پر شاداں وفرحاں ہوگا تو دوسروں کے چہروں پر ذلت وحقارت اور پریشانی وپشیمانی برس رہی ہوگی غرض ہر چیز کا فرق سامنے ہوگا اور ہر عمل کا فیصلہ ہو رہا ہوگا جمع کر دیا ہے ہم نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ سب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سب کو سنا دیں تو اے مجرمو! اگر کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو کر لو وہ تدبیر میرے مقابلہ میں اور آ جائیں وہ گستاخ بھی جو کہا کرتے تھے دوزخ کا ذکر (اور ان پر مقرر انیس فرشتوں کو) سن کر کہ ''سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا'' باقی دو سے تم نمٹ لینا بس ہلاکت وتباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ظاہر ہے کہ سب کچھ مصائب اور عذاب کی شدت وسختی اور میدان حشر کی پریشانی منکرین ومکذبین کیلئے ہے جو انکے کفر ونافرمانی اور سرکشی کا نتیجہ ہے لیکن انکے بالمقابل اہل ایمان وطاعت کامیاب وکامران ہوں گے اللہ رب العزت کی نعمتوں اور اسکی رضاء وخوشنودی سے سرفراز ہوں گے۔ جن کی راحت ونعمتوں کا یہ حال ہوگا کہ بے شک تقوی اور ایمان والے نہایت ہی راحت وسکون کے ساتھ جنت کے سایوں میں اور چشموں میں جن سے پانی اور دودھ کی نہریں بہتی ہونگی اور ہر قسم کے میوے اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے بھی وہ چاہیں غرض ہر طرح کا آرام وسکون عزت اور ہر قسم کی نعمتیں ہونگی اور انکو کہہ دیا جائے گا کھاؤ اور پیو مزے سے خوب بلا کسی روک ٹوک کے یہ

=لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے اور تیسرے لطیفہ کا فساد عقائد باطلہ کا سبب ہے اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائد باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوئے تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائد جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی، فتح المنان)

سب کچھ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے دنیا کی زندگی میں بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو مگر اس کے برعکس ہلاکت وتباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے یہ مجرمین ومکذبین جو دنیا کی لذتوں اور عیش وعشرت میں مست تھے اور آخرت کو انہوں نے بھلا رکھا تھا انکو دنیا میں ہی اسی وقت بتا دیا گیا تھا کھالو اور مزے اڑالو تھوڑے دنوں تک یقیناً تم مجرم ہو اور تم کو یہ چند دن اور قلیل مدت گزرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا انجام کس قدر برا ہے افسوس! ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے دنیا کی زندگی نے ان مجرموں کو ایسا سرکش ونافرمان بنا دیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ جھک ❶ جاؤ اللہ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے اور کسی طرح خدا کے سامنے سرنگوں ہونے اور عبادت وبندگی کے لیے تیار نہ ہوئے جس کا یہ انجام دیکھ لیا بس ہلاکت وبربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے قرآن حکیم نے کس قدر واضح دلائل بیان کر دیئے جن کے بعد خدا اور آخرت پر ایمان لانے میں کوئی تردد ہی نہ رہنا چاہئے لیکن انکار کرنے والے اب بھی اگر ایمان نہیں لائے تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہوگی جس پر وہ ایمان لائیں گے اور اس پر یقین کر کے آخرت کو مانیں گے نہ تو قرآن کے بعد اب کوئی کتاب نازل ہوگی اور جو دلائل وحقائق ذکر کئے گئے ان کے بعد احاطہ تصور میں مزید کسی دلیل اور تحقیق کا امکان نہیں اور نہ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی مبعوث ہوگا کہ یہ توقع کر لی جائے کہ شاید کسی اور پیغمبر کے کسی معجزہ کو دیکھ کر یا دلیل کو سن کر مان لیں اور ایمان لے آئیں بہر حال جو بدنصیب بھی ان قرآنی دلائل وحقائق کے باوجود ایمان سے محروم رہے تو اس کے بعد کوئی توقع نہیں کہ وہ کسی اور بات پر ایمان لا سکے گا۔

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ اعاذنا اللہ منہ ووفقنا من فضلہ وکرمہ للایمان والثبات علی الدین فیارب ثبتنا علی الاسلام وعلی ملۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین آمین برحمتك یا ارحم الرحمین۔

﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کے تکرار کی حکمت

سورۃ المرسلات میں یہ آیت مبارکہ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ دس جگہ ارشاد فرمائی گئی تکرار آیات قرآنیہ کی حکمت سورۃ الرحمٰن میں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ میں بیان کر دی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قرآن کریم میں بار بار ہیں ان پر منطبق ہوتی ہے یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اس کے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کا اعادہ کر کے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت وبربادی میں ہیں تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت و بربادی کی یہ وعید بیان فرما دی گئی جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرت خداوندی کی طرف سے تین قو تیں

❶ لفظ ارکعوا کا ترجمہ "جھک جاؤ" اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی کے معنی پر محمول کیا جائے۔ ۱۲

رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے اور انکے فساد سے شقاوت و بدبختی اور ہلاکت و بربادی ہے۔ اول قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا چند وجوہ سے اول ذات خداوندی کا شرک کر کے۔ دوم صفات خداوندی میں بیہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کر کے۔ سوم فرشتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک ومختار ہیں۔ چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت۔ پنجم قضاء وقدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت۔ ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور انکے اوامر وہدایات سے سرتابی تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوت نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں۔ دوسری قوت شہویہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے۔ تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھا دیتا ہے اور اس کی وجہ سے ظلم وتعدی کی کوئی حد نہیں رہتی اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے نوبت یہاں ہو جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو دو خرابیاں یہ ہوئیں اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل ایک بار فرما دیا گیا ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ واللہ اعلم بالصواب۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ المرسلات۔
الحمد للہ ۲۹ ویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تفسیر سورۃ النبأ

آیاتها ۴۰ ۷۸ سُوۡرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰ رکوعاتها ۲

(سورۂ نبا مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

عَمَّ يَتَسَآءَلُوۡنَ ① عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ ② الَّذِيۡ هُمۡ فِيۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ③

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ وہ بڑی خبر۔ جس میں وہ کئی طرف ہو رہے ہیں

كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ⑤ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالۡجِبَالَ

یوں نہیں! اب جان لیں گے پھر بھی یوں نہیں! اب جان لیں گے ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا؟

اَوۡتَادًا ⑦ وَّخَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًا ⑧ وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا ⑩

اور پہاڑ میخیں؟ اور تم کو بنایا جوڑے جوڑے اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی اور بنائی رات اوڑھنا

وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪ وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ⑫ وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا

اور بنایا دن روزگار کو اور چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا

وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ⑭ لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ⑮

اور اتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ

وَّجَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ⑯ اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ⑰ يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ

اور باغ پتوں میں لپٹ رہے بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہر رہا جس دن پھونکیں نرسنگا، پھر چلے آؤ جٹ جٹ

اَفۡوَاجًا ⑱ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا ⑲ وَّسُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ⑳

اور کھولا جاوے آسمان، تو ہو جاویں دروازے۔ اور چلائے جاویں پہاڑ، تو ہو جاویں ریتا

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ

بیشک دوزخ ہے تاک میں شریروں کا ٹھکانا۔ رہتے ہیں اس میں قرنوں نہ چکھیں

فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا

وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا اور نہ ملے کچھ پینا، مگر گرم پانی اور بہتی پیپ بدلہ ہے پورا

لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾

وہ تھے توقع نہ رکھتے حساب کی اور جھٹلائیں ہماری آیتیں مکرا کر اور ہر چیز ہم نے

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع

گن رکھی لکھ کر اب چکھو کہ ہم بڑھاتے نہ جاویں گے تم پر مگر مار

گستاخی مجرمین بصورت سوال ومطالبہ روز قیامت وذکر قانون جزاوسزا مع دلائلِ قدرت

[قیامت کے متعلق سوالات اور مطالبہ کی صورت میں مجرموں کی گستاخی اور جزا اور سزا کے قانون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل]

قال اللہ تعالیٰ ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ ...... الی ...... فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾

ربط ......

سورۂ نبا مکی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی، اس کے لیے خداوندِ عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کردیے گئے کہ جب نظامِ عالم درہم برہم ہوگا تو زمین وآسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا، اب اس سورت میں مجرمین ومنکرین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی، اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی؟ بیان کرکے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جارہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء وسزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے ارشاد فرمایا:

کس چیز کے بارہ میں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کررہے ہیں؟ آخر کس بات کی تحقیق وتفتیش مقصود ہے؟ کیا ان میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ جس چیز کو آپس میں ایک دوسرے سے بطور استہزا و مذاق پوچھ رہے ہیں، اس کی حقیقت سمجھ لیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یا یہ کہ وہ جو پیغمبر خدا ﷺ اور مؤمنین سے سوال کررہے ہیں اور بطور تمسخر کہہ رہے ہیں کہ جناب وہ قیامت کب آئے گی؟ دیر کیوں ہورہی ہے؟ اور اب تک کیوں نہیں آئی؟ اے مخاطبو! جانتے

بھی ہو کہ یہ کیسی چیز کا سوال کر رہے ہیں یہ پوچھ رہے؟ ہیں ایک بہت ہی عظیم الشان خبر اور ہیبت ناک بات کو۔ جس میں وہ خود مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہرگز قیامت نہیں آئے گی کوئی اس کو مانتا ہے کوئی کہتا ہے کہ عذاب وثواب روح پر ہوگا، بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کسی کا خیال ہے کہ بدن بھی اٹھایا جائے گا تو جس چیز میں خود یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کے بارہ میں اس طرح کا سوال یا مطالبہ یا اس کا مذاق نہایت ہی لغو اور بیہودہ بات ہے خبردار ہو جاؤ! اب عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے پھر خبردار ہو جاؤ ضرور یہ لوگ جان لیں گے کہ قیامت کیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر کیسے ہیں؟ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجائے گا آخر ان کو اس بارہ میں کا کیا تردد اور شبہ ہے۔ ہماری قدرت تو ہر چیز پر غالب ہے تو کیا نہیں بنایا ہے ہم نے زمین کو بستر انسانوں کے لیے جس پر وہ آرام کرتے ہیں اور اسی پر ان کا اٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا ہے اور کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کے لیے پہاڑوں کو میخیں جنھوں نے لرزتی ہوئی اور کانپتی ہوئی زمین کو میخوں کی طرح قائم ہو کر ساکن بنا دیا۔① اور ہم نے پیدا کیا ہے تم کو جوڑے بنا بنا کر یعنی مرد وعورت۔ تا کہ مرد عورت کو اپنا جوڑا بنا کر اس کے ذریعے سکون حاصل کرے جیسا کہ آیت ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ [الروم:۲۱] میں فرمایا۔ یا طرح طرح کی شکلیں اور صورتیں بنائیں اچھی بری یا انسانوں میں بعضے نیک اور بعضے بد وغیرہ تو اس طرح اے انسانو! تم کو تقابل اور جوڑے کی شکل میں بنایا ہے۔ اور بنایا ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور بدن کی راحت کا ذریعہ اور دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد تکان وتعب سے سکون حاصل کرنے کا سامان اور بنادیا رات کو تمہارے واسطے اوڑھنا جو لباس کی طرح تم کو اپنے میں چھپا لیتی ہے اور لباس کی طرح انسان کے بدن کو راحت وآرام پہنچاتی ہے اور لباس پردہ بھی ہے تو رات کی تاریکی میں ہر کام چھپا ہوا رہتا ہے رات کی تنہائیوں میں خدا کی عبادت کرنے والے لوگوں کی نگاہوں سے مستور اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو کچھ بدنصیب رات کے پردہ میں چھپ کر جرائم ومعاصی کے مرتکب ہوتے ہیں، غرض رات کا پردہ مخلوق کے عیب وہنر کو خالق کے سامنے عیاں کرنے کا بھی سامان ہے اور بنایا ہے دن کو روزی کا ذریعہ کہ اس میں ہر ایک کسب معاش اور روزی کمانے میں مصروف ہوتا ہے، اہل سعادت کسب معاش یا کسب فضائل کے لیے رات کے آرام کو عملی قوتوں کے لیے مستعد اور توانا بناتے ہیں لیکن اہل شقاوت اور غافلوں کی زندگی بس اسی طرح گزر جاتی ہے دن کا وقت روزی کمانے میں اور رات کا وقت آرام وراحت یا عیش وعشرت میں گزر جاتا ہے، حالانکہ اللہ کی قدرت انسانوں کی نظروں کے سامنے ہمہ وقت ظاہر ہے اور بنایا ہے ہم نے تمہارے اوپر سات آسمانوں کو مضبوط چھت کی طرح جو تمہارے سروں پر قائم ہے جو مدت دراز گزرنے کے باوجود نہ بوسیدہ ہوئے اور نہ ہی ان میں کوئی رخنہ پیدا ہوا، تو جس خدا نے یہ آسمان اپنی حکمت وقدرت سے بنائے اس کی قدرت وحکمت کو سمجھنا چاہئے اور اس سے اپنی زندگی کا رشتہ قائم کر کے اپنے شب وروز فکر آخرت میں گزارنے چاہئیں نہ کہ غفلت اور محض دنیا کمانے میں۔

① جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا فرمایا وہ حرکت کرنے لگی اور لرزنے لگی تو پہاڑ پیدا فرمائے اور پہاڑوں کو زمین کے مختلف حصوں اور جانبوں میں میخوں کی طرح گاڑ دیا، جس پر زمین ساکن ہوگئی۔ ۱۲ (جامع ترمذی)

اور بنایا ہم نے سورج کو ایک دہکتا ہوا چراغ پھر اس سورج کے نور سے چاند اور تاروں کو نور بخشا اور اس جہان میں بندوں کے لیے جو بھی راحت کے اسباب اور رزق کے سامان تھے وہ مہیا کیے اس طرح کہ اتارا ہم نے بادلوں سے برستا ہوا پانی فلاسفہ اور حکما خواہ اس کے کچھ بھی اسباب بیان کریں لیکن ان اسباب کی یہ کارفرمائی بھی ایک عظیم قدرت کا کرشمہ ہے کہ کس طرح بادلوں سے بارش چھوٹی چھوٹی بوندوں کی شکل میں برستی ہے۔ پھر زمین اس کو جذب کرتی ہے، تاکہ ہم اس کے ذریعے پیدا کریں ہر قسم کا غلہ اور سبزہ اور اگائیں گنجان باغات جن میں طرح طرح کے پھل اور میوے لگتے ہیں۔ غلوں اور سبزوں سے انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان بنایا اور ان ہی چیزوں سے عیش و عشرت اور راحت و لذت کے جملہ اسباب پیدا کیے پانی بھی ایک زمین بھی ایک ہر ایک کی خاصیت اور طبیعت بھی واحد ہے، لیکن دیکھو کہ غلوں، پھلوں اور پھولوں کے کس قدر مختلف اور رنگ ① متفاوت ذائقے اور متضاد خاصیتیں ہیں، یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں پھر یہ کہ یہ رزق پیدا کر کے ہر ایک کو خواہ کوئی مؤمن ہو یا کافر نفع اٹھانے کی اجازت دیدی لیکن یہ سب کچھ صرف اس جہان میں ہے، برخلاف آخرت کے کہ وہاں کی نعمتیں راحتیں اور باغات اور پھل و پھول مؤمن کے ایمان اور اعمال صالحہ اور اعتقادات صحیحہ ہی ہوں گے جو ان صورتوں میں اہل ایمان کے سامنے آئیں گے اور دنیا میں انسان کے عقائد خبیثہ کفر و شرک اور بداعمالیاں آخرت میں شجر زقوم، حمیم و غساق (کھولتا ہوا گرم پانی زخموں سے بہنے والا خون راد اور پیپ) بن کر اہل جہنم کا رزق ہوگا، یہی وہ جزا و سزا ہے جو یوم الفصل میں ہر ایک کو ملے گی چنانچہ فیصلہ کا یہ دن ایک متعین کردہ وقت ہے جس میں اس کا امکان نہیں کہ مقدم و مؤخر ہو سکے۔ یہ دن وہ ہوگا جب صور پھونکا جائے گا جس پر دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور تمام دنیا الٹ پلٹ کر نیست و نابود ہو جائے گی۔

پھر تم آؤ گے جوق در جوق ② میدان حشر میں اپنے رب کے سامنے اعمال کی پیشی کے لیے اور رب العالمین کی عدالت میں حاضری ہوگی۔ اور آسمان کھول دیے جائیں گے۔ پھر جس میں کھولنے کے بعد دروازے ہو جائیں گے جیسے کوئی مضبوط اور مستحکم گول چھت میں دراڑیں پڑ جائیں اور پھر وہ چھت منہدم ہو جائے، ایسے ہی کچھ آسمانوں کے پھٹنے اور ان میں

① جیسا کہ ارشاد ہے۔

﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ [الرعد: ۴]۔

جس کی تفسیر سورۂ رعد میں گزر چکی، لفظ معصرات کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بادلوں سے فرماتے تھے، مجاہد رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ "ماء ثجاج" مسلسل برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔

② افواجا جمع فوج کی ہے جس کا ترجمہ جماعت اور ٹولیوں کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جو دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا﴾ [النمل: ۸۳] تو ہو سکتا ہے کہ یہ افواج ہر ایک پیغمبر کی امت ہو لیکن اس لحاظ سے کہ یہ خطاب ہے اہل مکہ کو اس وجہ سے اس کا مفہوم یہی زیادہ واضح ہے کہ جماعتوں اور پارٹیوں کی صورت میں ان مجرمین کو لایا جائے گا، اور اس کی صورت بظاہر یہ ہوگی کہ مختلف قسم کے عقائد باطلہ اور مختلف قسم کی بدکاریوں میں پڑنے والوں کو گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس لحاظ سے مختلف اور متعدد ٹولوں کی شکل میں محشر میں ان کی حاضری ہوگی۔ ۱۲

شگاف پڑنے یا دروازوں کے کھل جانے کا حال ہوگا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے تو وہ ہوجائیں گے
ریت کے ذرات جو فضا میں اڑ رہے ہوں گے یہی وہ پہاڑ تھے جن کو زمین کی سطح پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا تھا تا کہ وہ ٹھہری
رہے۔ تو جب یہ میخیں ہی ختم ہوجائیں گی تو وہ زمین کہاں ٹھہری رہے گی جو ان کے ذریعہ قائم تھی تو اس طرح آسمان وزمین
سب ہی درہم برہم ہوجائیں گے اور جب آسمان وزمین ہی نہ رہیں گے تو دنیا کا وجود کیا باقی رہے گا چنانچہ نیست ونابود
ہوجائے گی، اور اس طرح عالم آخرت قائم ہوجائے گا۔ جہاں مجرمین ونافرمانوں کو نظر آئے گا کہ بیشک جہنم تاک میں ہوگی
اور منتظر ہوگی سرکشوں اور مجرموں کی کہ کب یہ مجرمین ومنکرین اور نافرمان میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہوگی
ان کا ٹھکانہ بننے کے لیے جس میں یہ ٹھہرنے والے ہوں گے بڑی ہی طویل مدتوں تک ① جس کے طول کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور
ابدالآباد اسی میں رہیں گے۔ ان بدنصیبوں کے لیے آرام وراحت کا کیا تصور ہوسکتا ہے، بلکہ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت ان
کے مقدر میں ہوگی اس طرح کہ نہیں چکھ سکیں گے اس جہنم میں کوئی مزا ٹھنڈک کا اور نہ ہی ٹھنڈے پانی کا۔ نہ جگہ سکون اور
ٹھنڈک کی ② ہوگی اور نہ لباس اور نہ ہی طعام اور پانی کچھ نہ ہوگا، بجز کھولتے ہوئے گرم پانی اور زخموں سے بہنے والے خون اور
پیپ کے یہ بدلہ ہوگا پورا پورا۔ جو ان کی بداعمالیوں شہوت پرستی اور عیش وعشرت میں زندگی گزار دینے کا پورا پورا اور عین
مطابق بدلہ ہوگا شہوت وحرص اور دنیا کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا کرتی تھی، قیامت میں اسی کے مطابق کھولتا ہوا پانی ملے
گا اور دنیا میں عملی زندگی فواحش وبدکاری میں گزاری تھی جن کی غلاظت وگندگی زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ سے کم نہ
تھی تو کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ یہ جمع کر دیا جائے گا۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کوئی توقع نہ رکھتے تھے۔ حساب وکتاب کی اور اس امر کو تسلیم نہ کرتے تھے
کہ قیامت اور روز جزا آنے والا ہے اسی اعتقاد باطل میں مبتلا رہ کر انہوں نے اپنی قوت نظریہ بھی ضائع کی اور قوت عملیہ

① "بڑی ہی طویل مدتوں تک" لفظ احقابا کا ترجمہ کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ احقاب کسی محدود اور متناہی مدت کے لیے نہیں بولا گیا ہے بلکہ ایسی
طویل مدت مراد ہے جس کی کوئی حد اور انتہا ہی نہ ہو۔
اگرچہ نفس لغت میں حقب جس کی جمع احقاب ہے، کے معنی بعض اہل لغت نے مخصوص ومعین طویل مدت کے ذکر کیے ہیں مثلاً کسی
نے ایک ہزار برس یا اس سے زائد کہا، مگر سعید رحمہ اللہ نے بروایت قتادہ رحمہ اللہ بیان کیا کہ احقاب وہ مدت ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔
نافع رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم اہل نار جہنم سے ہرگز نہ نکل سکیں گے،
یہاں تک کہ وہ اس میں پڑے رہیں گے، احقابا یعنی مدت دراز اور راوی نے اس کی بھی تفسیر کی ہے، لہٰذا اہل لغت نے اس کے معنی میں کوئی مدت
بیان کیے ہیں تو اس سے یہ وہم کرنا درست نہیں کہ شاید اہل جہنم کسی مدت کے گزرنے کے بعد جہنم سے نکال لیے جائیں گے، اور ظاہر ہے کہ یہ
تصور کیونکر ممکن ہے جب کہ خلود نار کی تصریح قرآن کریم نے متعدد آیات میں بڑی ہی وضاحت سے فرمادی حتیٰ کہ یہ فرمادیا گیا ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا
اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ [السجدة: ۲۰] اور ﴿وَمَا هُمْ عَلَيْهَا بِخَارِجِيْنَ﴾ اور ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ [التوبة: ۲۲] وغیرہ وغیرہ تو
ان آیات کے بعد اس طرح کا کوئی تصور ممکن ہی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲
② بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں نیند کو بھی بیان کیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ نیند کی راحت تو کیا نصیب ہوگی، اس کا مزا بھی چکھنا نصیب نہ
ہوگا اور ظاہر ہے کہ نیند کی حالت انسان کے لیے سکون اور ٹھنڈک کا باعث ہے۔ ۱۲

کو ہدایت کے بجائے گمراہی میں صرف کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا خوب جھٹلانا جس میں انہوں نے کسی طرح کسر نہ اٹھا رکھی۔ آیات خداوندی کا بھی انکار کیا احکام خداوندی کی بھی تعمیل نہ کی اور دلائل قدرت اور اللہ کی نشانیوں کو بھی نہ مانا ایسے مجرموں کو تکذیب و نافرمانی کر کے بے فکر نہ ہونا چاہئے ان کو جان لینا چاہئے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتے۔ اور ہر چیز کا ہم نے احاطہ کر رکھا ہے اس طرح کہ وہ ایک طے شدہ لکھی ہوئی چیز ہے تو ہم مجرمین کے ہر جرم کو بھی جانتے ہیں اور اس کی سزا کا وقت بھی ہم نے طے کر رکھا ہے چنانچہ وہ اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت ہوگا۔ اس لیے جب وہ عذاب اور سزا اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو ان کو کہا جائے گا پس چکھ لو عذاب کا مزا اور یہ توقع نہ کرو کہ شاید یہ عذاب کسی وقت کم ہو جائے گا نہیں ہرگز نہیں تو ہم نہیں بڑھائیں گے تمہارے واسطے کوئی بھی چیز بجز عذاب کے کہ لحظہ بہ لحظہ عذاب اور دکھ بڑھتا ہی جائے گا اور دم بہ دم جہنم کی شدت اور مصیبت بڑھتی ہی جائے گی جیسا کہ ارشاد فرمایا اے مجرمو! جوں جوں احکام خداوندی نازل ہوتے تم کو وعظ و نصیحت کی جاتی تو اسی کے ساتھ تمہاری شقاوت و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا تو آج روز قیامت اسی کی مطابقت و مناسبت سے لحظہ بہ لحظہ عذاب میں زیادتی اور شدت ہی ہوتی جائے گی۔

فائدہ:...... [جہنمیوں کے بارے میں قرآن کریم کی سب سے زیادہ سخت آیت]

حضرت ابو برزہ الاسلمی ؓ سے روایت ہے حسن بصری ؒ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لیے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا جب جہنمی تمنا کریں گے، یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا: ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ [النبأ: ۳۰]۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت وویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا:

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

بے شک ڈر والوں کو مراد ملنی ہے۔ باغ ہیں اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر سب کی اور پیالہ چھلکتا نہ

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ

سنیں گے وہاں بکنا اور نہ مکرانا بدلہ ہے تیرے رب کا دیا حساب سے جو رب ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ

اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے بڑی مہر والا، قدرت نہیں کہ کوئی اس سے بات کرے، جس دن کھڑی ہو

وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

روح اور فرشتے قطار ہو کر، کوئی نہیں بولتا، مگر جس کو حکم دیا رحمن نے، اور بولا بات

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَاۤءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ۬

یہ وہ دن ہے تحقیق، پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ ہم نے خبر سنادی تم کو ایک

يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

آفت نزدیک کی، جس دن دیکھ لیوے آدمی، جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے اور کہے منکر کسی طرح میں نہ ہوتا

انعامات وراحت واکرام وعزت برائے اہل ایمان وتقویٰ واصحاب ہدایت

[اہل ایمان وتقویٰ اور اصحاب ہدایت کے لئے انعامات، راحت، اکرام اور عزت کا بیان]

قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ...... اِلٰى ...... يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾

ربط......

گزشتہ آیات میں قیامت اور روز حساب کی شدت اور مجرمین کی بدحالی اور شدت کا بیان تھا، اب ان آیات میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اہل ایمان وتقویٰ پر کیسے کیسے عظیم انعامات ہوں گے اور ان کا روز آخرت کیسا اعزاز واکرام ہوگا بیان ہے فرمایا:

بے شک تقویٰ والوں کے لیے طرح طرح کی کامیابی اور حیات جاودانی کی سعادت وخوشی نصیب ہوگی جب وہ دیکھیں گے ہر مراد ان کی پوری ہو رہی ہے اور ہر طرح کی نعمت ان کو حاصل ہے۔ باغات ہوں گے اور ہر قسم کے پھل اور بکثرت انگور ہوں گے جو دوسرے جملہ اقسام کے پھلوں میں اہل جنت ان کے خوشوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ذائقوں سے اہل جنت دنیا میں آشنا تھے۔ اب وہ جنت کی شان عظمت کے مطابق ان کو حاصل ہوں گے اور ثمرات وفواکہ کی لذتوں کے ساتھ انگور کی بیلوں کا سایہ بھی کس قدر خوش گوار اور فرحت بخش ہوگا۔ کھانے پینے کی ان تمام لذتوں کے علاوہ ان کے واسطے جنت میں نوجوان اٹھان والی عورتیں ہوں گی جو عمر میں ایک دوسرے کے برابر ہم سن ہوں گے وہ نوجوان دوشیزائیں بھی اور یہ ایمان وتقویٰ والے مرد بھی تاکہ ہمعصری کے باعث عیش وتنعم کا لطف کامل نصیب ہو اور جام ہوں گے۔ چھلکتے ہوئے شراب طہور کے ایسے لبریز جام جن کا دور چل رہا ہوگا پھر سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ نہیں سنیں گے ان باغوں میں کوئی لغو بیہودہ بات اور نہ ہی کوئی جھوٹ اور فریب کیونکہ یہ جنت کی شراب طہور ہوگی اور اس کا کسی طرح بھی کوئی برا اثر دماغ وشعور پر ہرگز واقع نہ ہوگا اس لیے وہاں ایذا اور مار پیٹ یا بیہودہ اور لغو باتیں جیسے دنیا کی شراب میں پیش آتی ہیں قطعاً نہ ہوں گی اور نہ ہی کوئی رنج اور تکلیف دہ بات ہوگی کہ جس کو جھٹلایا جائے بلکہ وہ شراب طہور تو محبت الٰہی کا مظہر ہوگی اور اس کا خمار درجات کی بلندی اور قرب الی اللہ اور معرفت رب اور اس کی ذات وصفات میں انہماک وانشراح کا سرور ہوگا جیسے دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی عظیم پایہ نعمتوں سے کوئی سروکار نہیں صرف اسمی اشتراک ہوتا ہے اسی طرح لفظ خمر اسمی اشتراک کے باعث ہے، ورنہ تو شراب دنیا اور آخرت کی شراب طہور میں زمین وآسمان کا فرق ہے بلکہ پورا پورا تقابل اور تضاد ہے۔

بہرکیف یہ سب نعمتیں اور اعزاز واکرام اے مخاطب! بدلہ ہے تیرے رب کی طرف سے تیرے اعمال حسنہ اور ایمان وتقویٰ کا۔ اور ذات رب کی تو شان ربوبیت جیسے ایک دانہ کو اُگا کر اسے نشوونما عطا کرنے والی ہے اور ہر مخلوق کو پال

کر اس کے کمال اور منتہیٰ تک پہنچاتی ہے اسی طرح وہ بندہ کی ہر نیکی کو پالنے والی اور نشوونما کے انتہائی مراتب تک پہنچانے والی ① ہے یقیناً جو بطور عطا اور بخشش ہی ہے۔ کیونکہ انسان اگر اپنی تمام زندگی بھی عبادت وطاعت میں گزار دے تب بھی اللہ کے انعامات میں ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ جملہ بے پایاں نعمتوں کا، لہٰذا آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں بخشش ہی بخشش ہے۔ پورے پورے حساب کے ساتھ تاکہ بندہ کے معیار طاعت اور اعمال کی عظمت وخوبی کے مطابق اس پر جزاء اور انعامات ہوں۔ جو رب ہے، آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بڑی ہی رحمت والا ہے تو جس طرح اس ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ نے اپنی شانِ ربوبیت سے آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا اور پھر ہر چیز کے بقا کے بہترین اسباب پیدا فرمائے اور ہر ایک چیز کو بڑی ہی حکمت اور خوبی سے حد کمال تک پہنچایا۔ وہی رب اپنے بندوں کے اعمال کو باقی رکھے گا اور ان کو نشوونما فرما کر حدِ کمال یعنی مرتبۂ انعام واکرام تک پہنچائے گا اور یہ سب کچھ اس کی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے۔ جس رب کی رحمت وعنایت کے ساتھ عظمت وکبریائی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کو قدرت نہ ہوگی اس سے بات کرنے کی حتیٰ کہ روز حساب حق تعالیٰ کی اس شان عظمت وجلال سے انبیاء علیہم السلام تک بھی ہیبت زدہ ہوں گے اور ہر ایک یہ کہتا ہوگا:

نفسی نفسی اذهبوا ② الی غیری ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ ولن یغضب بعده.

یہ ہیبت وجلال اور عظمت کی شان بالخصوص اس دن ہوگی جب کہ روح ③ اور فرشتے کھڑے ہوں گے صف بستہ وہ بات نہیں کر سکیں گے اس کے جلال کی وجہ سے بجز اس کے کہ جس کو وہ اللہ رحمٰن اجازت دیدے بس وہی بول سکے گا ورنہ سب دم بخود اور مرعوب ومبہوت ہوں گے اور وہ کہے گا درست اور صحیح بات یہ ممکن ہی نہ ہوگا کوئی غلط اور لغو بات کرے یہ ہے وہی دن برحق جس کا واقع ہونا بھی قطعی اور یقینی ہے اور اسی دن میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ ہوگا اس کے بعد اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانے حاصل کرنے کا راستہ اختیار کر لے اسی میں اس کی فلاح ونجات ہے۔

اے انسانو! بس خبردار ہو جاؤ ہم نے ڈرا دیا ہے تم کو ایک قریب ہو جانے والے عذاب سے جو نہایت ہی قریب ہے جس کے آنے میں اب کوئی دیر نہیں اور اصل قیامت تو جب بھی آئے ویسے ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس قدر ہر انسان کے ساتھ اس کی موت قریب ہے، بالکل قیامت بھی اس سے اسی قدر قریب واقع ہوئی ہے یہ وہ دن ہوگا جب انسان دیکھ لے گا کہ اس نے خود آنے سے پہلے کیا عمل کر کے بھیجا ہے اور کافر انتہائی حسرت وندامت سے کہتا ہوگا اے کاش! میں خاک ہو چکا ہوتا اور اس صورت حال میں یہاں میدانِ حشر کی پیشی کی نوبت نہ آتی۔ ④

تم تفسیر سورة النبا بحمد اللہ عزوجل

① یہ الفاظ اس آیت مبارکہ ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً﴾ [النبا: ٣٦] میں لفظ رب اور لفظ عطا کی حکمت اور نکتہ کی وضاحت کے لیے ہیں۔

② یعنی مجھے تو آج اپنی فکر پڑی ہے میرے سوا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ میرا رب آج اس قدر غضب وجلال میں ہے کہ ایسا جلال نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا، یہ حدیث شفاعت کا مضمون ہے جبکہ ہر پیغمبر شفاعت سے انکار کر دے گا اور آخری نوبت خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ ﷺ پر پہنچے گی اور آپ ﷺ شفاعت کریں گے۔ ١٢

③ روح سے مراد بعض مفسرین روح اعظم لیتے ہیں جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب ہو یا روح القدس اور جبریل امین علیہم السلام، اور کسی نے روح سے ہر روح انسانی مراد لیا ہے۔ ١٢

④ مسند عبد بن حمید اور بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز حق تعالیٰ جب انسانوں کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سورۃ النبا مکیۃ ۸۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا

کس بات کی پوچھتے ہیں لوگ آپس میں ف۱ پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ کئی طرف ہو رہے ہیں ف۲ ...

کس بات کو پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ وہ بڑی خبر؟ جس میں وہ کئی طرف ہو رہے ہیں۔ ...

سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧

جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے ف۳ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا ف۴ اور پہاڑوں کو میخیں ف۵

جان لیں گے۔ پھر بھی یوں نہیں! اب جان لیں گے۔ ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا؟ اور پہاڑ میخیں؟

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ وَّجَعَلْنَا

اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے ف۶ اور بنایا نیند کو تمہاری تکان دفع کرنے کے لیے ف۷ اور بنایا رات کو اوڑھنا ف۸

اور تم کو بنایا جوڑے جوڑے، اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی، اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا

النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا

اور بنایا دن کمائی کرنے کو ف۹ اور چنی ہم نے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط ف۱۰ اور بنایا ایک چراغ

دن روزگار کو۔ پھر چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط، اور بنایا ایک چراغ

ف۱ یعنی کس بات کا کھوج لگانے اور کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں مشغول ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد ہے کہ بہت پوچھ پاچھ کرنے سے وہ چیز ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ کفار جو از راہ انکار و استہزاء آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سوال کرتے ہیں کہ وہ حساب اور قیامت کب آئے گی؟ ابھی کیوں نہیں آ جاتی؟ جانتے ہو یہ کس چیز کی نسبت سوال کر رہے ہیں؟ وہ بہت عظیم الشان چیز ہے جس کا ظہور قریب ہو جائے گا۔ جب اپنی آنکھ سے اس کے ہولناک مناظر دیکھیں گے۔

ف۲ یعنی قیامت کی خبر جس میں لوگوں کا اختلاف ہے، کوئی اس کے آنے پر یقین رکھتا ہے، کوئی منکر ہے، کوئی شک میں پڑا ہے، کوئی کہتا ہے بدن اٹھے گا کوئی کہتا ہے سب عذاب وثواب روح پر گزرے گا بدن سے کچھ تعلق نہیں۔ الی غیر ذلك من الاختلافات۔

ف۳ یعنی پیغمبروں نے ابتداء دنیا سے آج تک بہت کچھ سمجھایا مگر لوگ اپنے اختلافات اور پوچھ پاچھ سے ہرگز باز آنے والے نہیں۔ اب قریب ہے کہ وہ چیز ان کے سامنے آ جائے اس وقت جان لیں گے کہ قیامت کیا چیز ہے اور ان کے سوالات و اختلافات کی حیثیت کیا تھی۔

ف۴ جس پر سکون و اطمینان سے آرام کرتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔

ف۵ جیسے کسی چیز میں میخ گاڑ دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ ایسے ہی ابتداء میں زمین جو کانپتی اور لرزتی تھی، اللہ نے پہاڑ پیدا کر کے اس کے اضطراب کو روکا گویا زمین کو ایک طرح کا سکون پہاڑوں سے حاصل ہوا۔

ف۶ یعنی مرد کے سکون و راحت کے لئے عورت کو اس کا جوڑا بنایا۔ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ﴾ یا ازواج سے مراد طرح طرح کی اشکال و الوان وغیرہ ہوں۔

ف۷ یعنی دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک کر جب آدمی نیند لیتا ہے تو سب تعب اور تکان دور ہو جاتا ہے گویا نیند تو نام ہی سکون و استراحت کا ہے۔ آگے بدنی سکون کے بعد سکون کے اوقات کا ذکر کرتے ہیں۔

ف۸ یعنی جیسے آدمی کپڑا اوڑھ کر اپنے بدن کو چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے اور جو کام چھپانے کے لائق ہوں ظلمات رات کے

وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ

چمکتا ہوا ف۱ اور اتارا نچڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا ف۲ تاکہ ہم نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں

چمکتا، اور اتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ، اور باغ پتوں میں

اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾

لپٹے ہوئے ف۳ بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا ہوا ف۴ جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ جٹ کے جٹ ف۵

لپٹ رہے۔ بے شک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہر رہا۔ جس دن پھونکیں نرسنگا پھر چلے آؤ جٹ جٹ۔

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ

اور کھولا جائے آسمان تو ہوجائیں اس میں دروازے ف۶ اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہوجائیں گے چمکتا ریتا ف۷ بیشک دوزخ ہے

اور کھولا جائے آسمان، تو ہوجائیں دروازے۔ اور چلائے جائیں پہاڑ، تو ہوجائیں ریت۔ بے شک دوزخ ہے

كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا

تاک میں شریروں کا ٹھکانا ف۸ رہا کریں اس میں قرنوں ف۹ نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ

تاک میں، شریروں کا ٹھکانا، رہتے ہیں اس میں قرنوں نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا، اور نہ ملے کچھ

=اندھیرے میں کئے جاتے ہیں۔ اور حسی طور پر بھی شب کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت دن سے زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ نسبتاً وہ وقت خنکی اور ٹھنڈک کا ہوتا ہے۔

ف۹ یعنی عموماً کاروبار اور کمائی کے دھندے دن میں کئے جاتے ہیں جن کا مقصد یہی ہے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حوائج کی طرف سے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہو۔ آگے رات دن کی مناسبت سے آسمانوں اور سورج کا ذکر فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زمین کے مقابل آسمان کا بیان ہے۔

ف۱۰ یعنی سات آسمان، بہت مضبوط بنائے۔ جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

ف۱ یعنی آفتاب جس میں روشنی اور گرمی دونوں وصف موجود ہیں۔

ف۲ نچڑنے والی بدلیاں یا نچوڑنے والی ہوائیں۔

ف۳ یعنی نہایت گنجان اور گھنے باغ، یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کئے۔

(تنبیہ) قدرت کی عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت والا ہے، کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب و کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی غلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیے اسی کو ہم "آخرت" کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

ف۴ فیصلہ کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز و افتراق اس دنیا میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات دن، سونا جاگنا، بارش، بادل، باغ، کھیت، اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ "یوم الفصل" ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو۔ اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

ف۵ یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد و اعمال کی بناء پر ہوگی۔

ف۶ یعنی آسمان پھٹ کر ایسا ہوجائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ شاید اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ .... =

شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ ف۱ بدلہ ہے پورا ان کو توقع نہ تھی حساب کی اور جھٹلاتے تھے

پینا، مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ بدلہ ہے پورا۔ وہ تھے توقع نہ رکھتے حساب کی، اور جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع

ہماری آیتوں کو مکرا کر ف۲ اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر ف۳ اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب ف۴

ہماری آیتیں مکرا کر۔ اور ہر چیز ہم نے گِن رکھی لکھ کر۔ اب چکھو کہ ہم بڑھاتے نہ جائیں گے تم پر مگر مار۔

گستاخی مجرمین بصورت سوال ومطالبہ روز قیامت وذکر قانون جزاء وسزا مع دلائل قدرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ... الی... فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾

ربط:...... سورۂ نبا مکی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی، اس کے لئے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہوگا، تو زمین وآسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا، اب اس سورت میں مجرمین ومنکرین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی، اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کر کے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جارہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء وسزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے، ارشاد فرمایا:

کس چیز کے بارہ میں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں۔ آخر کس بات کی تحقیق وتفتیش مقصود ہے، کیا ان میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ جس چیز کو آپس میں ایک دوسرے سے بطور استہزاء ومذاق پوچھ رہے ہیں، اس کی حقیقت

= ف۷ جیسے چمکتی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہو جاتا ہے، ایسے ہی ان پر پہاڑوں کا گمان ہوگا۔ حالانکہ واقع میں وہ پہاڑ نہیں رہیں گے محض ریت کے تودے رہ جائیں گے۔

ف۸ یعنی دوزخ شریروں کی تاک میں ہے اور ان ہی کا ٹھکانا ہے،

ف۹ جن کا کوئی شمار نہیں۔ قرن پر قرن گزرتے چلے جائیں گے۔ اور ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔

ف۱ یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے، نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ ہاں گرم پانی ملے گا جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آپڑیں گی اور دوسری چیز پیپ ملے گی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی۔ اعاذنا اللہ منہا ومن سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرۃ۔

ف۲ یعنی جس چیز کی امید ان کو نہ تھی وہ ہی سامنے آئی۔ اور جس بات کو جھٹلاتے تھے آنکھوں سے دیکھ لی۔ اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔

ف۳ یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہے۔ کوئی نیک وبد عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ رتی رتی کا بھگتان کیا جائے گا۔

ف۴ یعنی جیسے تم تکذیب وانکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آجاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے۔ اب بڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔ ہم بھی عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے۔ جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔

سمجھ لیں؟ نہیں ہرگز نہیں، یا یہ کہ وہ جو پیغمبر خدا اور مومنین سے سوال کر رہے ہیں اور بطور تمسخر کہہ رہے ہیں کہ جناب وہ قیامت کب آئے گی، دیر کیوں ہو رہی ہے اور اب تک کیوں نہیں آئی اے مخاطبو! جانتے بھی ہو کہ یہ کیسی چیز کا سوال کر رہے ہیں۔ یہ پوچھ رہے ہیں ایک بہت ہی عظیم الشان خبر اور ہیبت ناک بات کو، جس میں وہ خود مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہرگز قیامت نہیں آئیگی کوئی اس کو مانتا ہے کوئی کہتا ہے کہ عذاب وثواب روح پر ہوگا، بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کسی کا خیال ہے کہ بدن بھی اٹھایا جائے گا تو جس چیز میں خود یہ اختلاف کر رہے ہیں، ان کے بارے میں اس طرح کا سوال یا مطالبہ یا اس کا مذاق نہایت ہی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ خبردار ہو جاؤ اب عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے پھر خبردار ہو جاؤ ضرور یہ لوگ جان لیں گے کہ قیامت کیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر کیسے ہیں یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجائے گا آخر ان کو اس بارے میں کیا تردد اور شبہ ہے، ہماری قدرت تو ہر چیز پر غالب ہے۔ تو کیا نہیں بنایا ہے ہم نے زمین کو بستر انسانوں کے لیے جس پر وہ آرام کرتے ہیں اور اسی پر ان کا اٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا ہے، اور کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کے لیے پہاڑوں کو میخیں جنہوں نے لرزتی ہوئی اور کانپتی ہوئی زمین کو میخوں کی طرح قائم ہو کر ساکن بنا⑪ دیا۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تم کو جوڑے جوڑے بنا کر یعنی مرد وعورت، تاکہ مرد عورت کو اپنا جوڑا بنا کر اس کے ذریعے سکون حاصل کرے جیسا کہ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ میں فرمایا۔ یا طرح طرح کی شکلیں اور صورتیں بنائیں، اچھی بری یا انسانوں میں بعضے نیک اور بعضے بد، وغیرہ تو اس طرح اے انسانو! تم کو تقابل اور جوڑے کی شکل میں بنایا ہے۔ اور بنایا ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور بدن کی راحت کا ذریعہ اور دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد تکان وتعب سے سکون حاصل کرنے کا سامان۔ اور بنا دیا رات کو تمہارے واسطے اوڑھنا جو لباس کی طرح تم کو اپنے میں چھپا لیتی ہے اور لباس کی طرح انسان کے بدن کو راحت وآرام پہنچاتی ہے اور لباس پردہ بھی ہے تو رات کی تاریکی میں ہر کام چھپا ہوا رہتا ہے، رات کی تنہائیوں میں خدا کی عبادت کرنے والے لوگوں کی نگاہوں سے مستور، اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو کچھ بدنصیب رات کے پردہ میں چھپ کر جرائم ومعاصی کے مرتکب ہوتے ہیں، غرض رات کا پردہ مخلوق کے عیب وہنر کو خالق کے سامنے عیاں کرنے کا بھی سامان ہے۔ اور بنایا ہے دن کو روزی کا ذریعہ۔ کہ اس میں ہر ایک کسب معاش اور روزی کمانے میں مصروف ہوتا ہے۔ اہل سعادت کسب معاش یا کسب فضائل کے لئے رات کے آرام کو عملی قوتوں کے لئے مستعد اور توانا بناتے ہیں لیکن اہل شقاوت اور غافلوں کی زندگی بس اسی طرح گزر جاتی ہے، دن کو وقت روزی کمانے میں اور رات کا وقت آرام راحت یا عیش وعشرت میں گزر جاتا ہے، حالانکہ اللہ کی قدرت انسانوں کی نظروں کے سامنے ہمہ وقت ظاہر ہے اور بنایا ہم نے تمہارے اوپر سات آسمانوں کو مضبوط چھت کی طرح جو تمہارے سروں پر قائم ہے جو مدت دراز گزرنے کے باوجود نہ بوسیدہ ہوئے اور نہ ہی ان میں کوئی رخنہ پیدا ہوا، تو جس خدا نے یہ آسمان اپنی حکمت وقدرت سے بنائے اس کی قدرت، حکمت کو سمجھنا چاہیئے اور اس سے اپنی زندگی کا رشتہ قائم کر کے اپنے شب وروز فکر آخرت میں گزارنے چاہئیں نہ کہ غفلت

⑪ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا فرمایا وہ حرکت کرنے لگی اور لرزنے لگی تو پہاڑ پیدا فرمائے اور پہاڑوں کو زمین کے مختلف حصوں اور جانبوں میں میخوں کی طرح گاڑ دیا جس پر زمین ساکن ہوگئی۔ ۱۲ (جامع ترمذی)

اور بنایا ہم نے سورج کو ایک دہکتا ہوا چراغ۔ پھر اس سورج کے نور سے چاند اور تاروں کو نور بخشا۔ اور [illegible] دنیا کے [illegible] میں۔

اور بادلوں سے [illegible] کے لئے جو بھی راحت کے اسباب اور رزق کے سامان تھے وہ مہیا کئے اس طرح کہ [illegible] بادلوں سے

بادلوں [illegible] فلاسفہ اور حکماء خواہ اس کے کچھ بھی اسباب بیان کریں لیکن ان اسباب کی یہ کارفرمائی بھی ایک عظیم قدرت کا

[illegible] کہ کس طرح بادلوں سے بارش چھوٹی چھوٹی بوندوں کی شکل میں برستی ہے پھر زمین اس کو جذب کرتی ہے۔ [illegible]

[illegible] پیدا کریں ہر قسم کا غلہ اور سبزہ اور اگائیں گنجان باغات جن میں طرح طرح کے پھل اور میوے لگتے ہیں۔

پھر ان سے انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان بنایا اور ان ہی چیزوں سے عیش و عشرت اور راحت و لذت کے

[illegible] پیدا کیے پانی بھی ایک زمین بھی ایک ہر ایک کی خاصیت اور طبیعت بھی واحد ہے، لیکن دیکھو کہ غلوں، پھلوں اور

[illegible] کس قدر مختلف اور کیسے ⑪ متفاوت ذائقے اور متضاد خاصیتیں ہیں یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہ کی کمال قدرت اور

[illegible] نشانیاں ہیں، پھر یہ کہ یہ رزق پیدا کر کے ہر ایک کو خواہ کوئی مومن ہو یا کافر نفع اٹھانے کی اجازت دے دی لیکن یہ سب

[illegible] اس جہان میں ہے، برخلاف آخرت کے کہ وہاں کی نعمتیں راحتیں اور باغات اور پھل و پھول مومن کے ایمان اور

[illegible] اور اعتقادات صحیحہ ہی ہوں گے جو ان صورتوں میں اہل ایمان کے سامنے آئیں گے اور دنیا میں انسان کے [illegible]

[illegible] اور بداعمالیاں آخرت میں شجرِ زقوم، حمیم و غساق (کھولتا ہوا گرم پانی زخموں سے بہنے والا خون اور پیپ)

[illegible] جہنم کا رزق ہوگا، یہی وہ جزاء و سزا ہے جو یوم الفصل میں ہر ایک کو ملے گی چنانچہ فیصلہ کا یہ دن ایک متعین کردہ وقت

[illegible] اس کا امکان نہیں کہ مقدم و مؤخر ہو سکے۔ یہ دن وہ ہوگا جب صور پھونکا جائے گا جس پر دنیا کا نظام درہم برہم

ہو جائے گا اور تمام دنیا الٹ پلٹ کر نیست و نابود ہو جائے گی۔

پھر تم آؤ گے جوق در جوق ⑫ میدان حشر میں اپنے رب کے سامنے اعمال کی پیشی کے لیے اور رب العالمین کی

[illegible] میں حاضری ہوگی اور آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ پھر جس میں کھولنے کے بعد دروازے ہو جائیں گے جیسے کوئی

[illegible] مستحکم گول چھت میں دراڑیں پڑ جائیں اور پھر وہ چھت منہدم ہو جائے، ایسے ہی کچھ آسمانوں کے پھٹنے اور ان میں

[illegible] یا دروازوں کے کھل جانے کا حال ہوگا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے تو وہ ہو جائیں گے

[illegible] ذرات جو فضا میں اڑ رہے ہوں گے یہی وہ پہاڑ تھے جن کو زمین کی سطح پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا تھا کہ وہ ٹھہری

[illegible] ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ

بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ جس کی تفسیر سورۃ رعد میں گزر چکی، لفظ معصرات کی تفسیر ابن عباس [illegible]

[illegible] مجاہد، قتادہ رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ "ماء ثجاج" مسلسل برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔

[illegible] ہے جس کا ترجمہ جماعت اور ٹولیوں کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے، یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جو دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿[illegible]

[illegible]﴾ تو ہو سکتا ہے کہ یہ افواج ہر ایک پیغمبر کی امت ہو لیکن اس لحاظ سے کہ یہ خطاب ہے اہل مکہ کو ہے اس وجہ سے [illegible] مختلف قسم کے [illegible]

[illegible] جماعتوں اور پارٹیوں کی صورت میں ان مجرمین کو لایا جائے گا، اور اس کی صورت بظاہر یہ ہوگی کہ مختلف قسم کے عقائد باطلہ اور [illegible]

[illegible] والوں کو گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس لحاظ سے مختلف اور متعدد ٹولوں کی شکل میں محشر میں ان کی حاضری ہوگی۔ [illegible]

رہے، تو جب یہ میخیں ہی ختم ہو جائیں گی تو وہ زمین کہاں ٹھہری رہے گی جو ان کے ذریعہ قائم تھی تو اس طرح آسمان وزمین سب ہی درہم برہم ہو جائیں گے اور جب آسمان وزمین ہی نہ رہیں گے تو دنیا کا وجود کیا باقی رہے گا چنانچہ نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور طرح عالم آخرت قائم ہو جائے گا، جہاں مجرمین ونافرمانوں کو نظر آئے گا کہ بے شک جہنم تاک میں ہوگی اور منتظر ہوگی سرکشوں اور مجرموں کی کہ کب یہ مجرمین ومنکرین اور نافرمان میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں جہنم ان کی منتظر ہوگی ان کا ٹھکانا بننے کے لیے جس میں یہ ٹھہرنے والے ہوں گے بڑی ہی طویل مدتوں تک ❶ جس کے طول کی کوئی انتہاء نہ ہوگی اور ابد الآباد اسی میں رہیں گے، ان بدنصیبوں کے لیے آرام وراحت کا کیا تصور ہو سکتا ہے بلکہ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت ان کے مقدر میں ہوگی اس طرح کہ نہیں چکھ سکیں گے اس جہنم میں کوئی مزا ٹھنڈک کا اور نہ ہی ٹھنڈے پانی کا۔ نہ جگہ سکون اور ٹھنڈک کی ❷ ہوگی۔ اور نہ لباس اور نہ ہی طعام اور پانی کچھ نہ ہوگا۔ بجز کھولتے ہوئے گرم پانی اور زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ کے یہ بدلہ ہوگا پورا پورا۔ جو ان کی بداعمالیوں شہوت پرستی اور عیش وعشرت میں زندگی گزار دینے کا پورا پورا اور عین مطابق بدلہ ہوگا شہوت وحرص اور دنیا کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا کرتی تھی، قیامت میں اسی کے مطابق کھولتا ہوا پانی ملے گا اور دنیا میں عملی زندگی فواحش وبدکاری میں گزاری تھی جن کی غلاظت وگندگی زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ سے کم نہ تھی تو کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ یہ جمع کر دیا جائے گا۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کوئی توقع نہ رکھتے تھے۔ حساب وکتاب کی اور اس امر کو تسلیم نہ کرتے تھے کہ قیامت اور روز جزاء آنے والا ہے اسی اعتقاد باطل میں مبتلا رہ کر انہوں نے اپنی قوت نظریہ بھی ضائع کی اور قوت عملیہ کو ہدایت کے بجائے گمراہی میں صرف کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا خوب جھٹلانا جس میں انہوں نے کسی طرح کسر نہ اٹھا رکھی، آیات خداوندی کا بھی انکار کیا، احکام خداوندی کی بھی تعمیل نہ کی اور دلائل قدرت اور اللہ کی نشانیوں کو بھی نہ مانا، ایسے مجرموں کو تکذیب ونافرمانی کر کے بے فکر نہ ہونا چاہئے ان کو جان لینا چاہئے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ اور ہر چیز کا ہم نے احاطہ کر رکھا ہے اس طرح کہ وہ ایک طے شدہ لکھی ہوئی چیز ہے۔ تو ہم مجرمین کے ہر جرم کو بھی جانتے ہیں اور اس کی سزا

❶ ''بڑی ہی طویل مدتوں تک''، لفظ احقابا کا ترجمہ کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ احقاب کسی محدود اور متناہی مدت کے لئے نہیں بولا گیا ہے بلکہ ایسی طویل مدت مراد ہے جسکی کوئی حد اور انتہاء ہی نہ ہو۔

اگرچہ نفس لغت میں حقب جس کی جمع احقاب ہے کے معنی بعض اہل لغت نے مخصوص معین طویل مدت کے ذکر کئے ہیں مثلاً کسی نے ایک ہزار برس یا اس سے زائد کہا مگر سعید رحمہ اللہ نے بروایت قتادہ رحمہ اللہ بیان کیا کہ احقاب وہ مدت ہے جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

نافع رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم اہل نار جہنم سے ہرگز نہ نکل سکیں گے، یہاں تک کہ وہ اس میں پڑے رہیں گے، احقابا یعنی مدت دراز اور راوی نے اس کی بھی تفسیر کی ہے، لہٰذا اہل لغت نے اس کے معنی میں کوئی مدت بیان کئے ہیں تو اس سے یہ وہم کرنا درست نہیں کہ شاید اہل جہنم کسی مدت کے گزرنے کے بعد جہنم سے نکال لئے جائیں گے، اور ظاہر ہے کہ یہ تصور کیونکر ممکن ہے جب کہ خلود نار کی تصریح قرآن کریم نے متعدد آیات میں بڑی ہی وضاحت سے فرما دی حتی کہ یہ فرما دیا گیا۔ ﴿كُلَّمَآ أَرَادُوٓا۟ أَن يَخْرُجُوا۟ مِنْهَآ أُعِيدُوا۟ فِيهَا﴾ اور ﴿وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنْهَا﴾ اور ﴿خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا﴾ وغیرہ وغیرہ تو ان آیات کے بعد اس طرح کوئی تصور ممکن ہی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

❷ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں نیند کو بھی بیان کیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ نیند کی راحت تو کیا نصیب ہوگی، اس کا مزا بھی چکھنا نصیب نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ نیند کی حالت انسان کے لیے سکون اور ٹھنڈک کا باعث ہے۔ ۱۲

کا وقت بھی ہم نے طے کر رکھا ہے، چنانچہ وہ اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت ہوگا، اس لیے جب وہ عذاب اور سزا اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو ان کو کہا جائے گا پس چکھ لو۔ عذاب کا مزا اور یہ توقع نہ کرو کہ شاید یہ عذاب کسی وقت کم ہو جائے گا نہیں ہرگز نہیں تو ہم نہیں بڑھائیں گے۔ تمہارے واسطے کوئی بھی چیز بجز عذاب کے کہ لحہ بہ لحہ عذاب اور دکھ بڑھتا ہی جائے گا اور دم بدم جہنم کی شدت اور مصیبت بڑھتی ہی جائے گی جیسا کہ ارشاد فرمایا، اے مجرمو! جوں جوں احکام خداوندی نازل ہوئے تم کو وعظ ونصیحت کی جاتی تو اسی کے ساتھ تمہاری شقاوت وسرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا تو آج روز قیامت اسی کی مطابقت ومناسبت سے لحہ بہ لحہ عذاب میں زیادتی اور شدت ہی ہوتی جائے گی۔

فائدہ:..... حضرت ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حسن بصری رحمہ اللہ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لئے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا جب جہنمی تمنا کریں گے، یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت وپریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت وویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا

بیشک ڈر والوں کو ان کی مراد ملنی ہے باغ ہیں اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب ف۱ اور پیالے چھلکتے ہوئے ف۲

بے شک ڈر والوں کو مراد ملنی ہے۔ باغ ہیں اور انگور، اور نوجوان عورتیں ایک عمر سب کی، اور پیالہ چھلکتا،

يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ

نہ سنیں گے وہاں بک بک اور نہ مکرانا ف۳ بدلہ ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے ف۴ جو رب ہے آسمانوں کا

نہ سنیں گے وہاں بکنا اور نہ مکرانا۔ بدلہ ہے، تیرے رب کا دیا حساب سے، جو رب ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ

اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا ف۵ قدرت نہیں کہ کوئی اس سے بات کرے ف۶ جس دن کھڑی ہو روح

اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے بڑی مہر والا، قدرت نہیں کہ کوئی اس سے بات کرے۔ جس دن کھڑی ہو روح

ف۱ یعنی نو ساختہ عورتیں جن کی جوانی پورے ابھار پر ہوگی، اور سب ایک ہی سن وسال کی ہوں گی۔

ف۲ یعنی شراب طہور کے لبریز جام۔

ف۳ یعنی جنت میں بیہودہ بکواس یا جھوٹ فریب کچھ نہ ہوگا۔ نہ کوئی کسی سے جھگڑے گا کہ جھوٹ بولنے اور مکرنے کی ضرورت پیش آئے۔

ف۴ یعنی رتی رتی کا حساب ہو کر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا۔

ف۵ یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے، اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں۔ آدمی اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے، رہی جنت، وہ تو خالص اس کے فضل ورحمت سے ملتی ہے اس کو ہمارے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔

ف۶ یعنی باوجود اس قدر لطف ورحمت کے عظمت وجلال ایسا ہے کہ کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝٣٨ ذٰلِكَ الْيَوْمُ

اور فرشتے قطار باندھ کر ف۱ کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا رحمان نے اور بولا بات ٹھیک ف۲ وہ دن ہے

اور فرشتے قطار ہو کر۔ کوئی نہیں بولتا، مگر جس کا حکم دیا رحمٰن نے، اور بولا بات ٹھیک۔ وہ دن ہے

الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝٣٩ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا ف۳ ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی

تحقیق پھر جو کوئی چاہے، بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا۔ ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک کی،

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝٤٠ ع

جس دن دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے ف۴ اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا ف۵

جس دن دیکھ لیوے آدمی جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے، اور کہے منکر کسی طرح میں مٹی ہوتا۔

انعامات وراحت واکرام وعزت برائے اہل ایمان وتقویٰ واصحاب ہدایت

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ... الى ... يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قیامت اور روز حساب کی شدت اور مجرمین کی بدحالی اور شدت کا بیان تھا، اب ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان وتقویٰ پر کیسے کیسے عظیم انعامات ہوں گے اور ان کا روز آخرت کیسا اعزاز واکرام ہوگا بیان ہے، فرمایا:

بے شک تقویٰ والوں کے لئے طرح طرح کی کامیابی اور حیات جاودانی کی سعادت وخوشی نصیب ہوگی جب وہ دیکھیں گے ہر مراد ان کی پوری ہو رہی ہے اور ہر طرح کی نعمت ان کو حاصل ہے۔ باغات ہوں گے اور ہر قسم کے پھل اور بکثرت انگور ہوں گے جو دوسرے جملہ اقسام کے پھلوں میں اہل جنت ان کے خوشوں کو دیکھ رہے ہوں گے، ذائقوں سے اہل جنت دنیا میں آشنا تھے، اب وہ جنت کی شان عظمت کے مطابق ان کو حاصل ہوں گے اور ثمرات وفواکہ کی لذتوں کے ساتھ انگور کی بیلوں کا سایہ بھی کس قدر خوش گوار اور فرحت بخش ہوگا کھانے پینے کی ان تمام لذتوں کے علاوہ ان کے واسطے جنت میں نوجوان اٹھان والی عورتیں ہوں گی جو عمر میں ایک دوسرے کے برابر ہم سن ہوں گے وہ نوجوان دوشیزائیں بھی اور

ف۱ روح فرمایا جانداروں کو یا "روح القدس" (جبرائیل) مراد ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ روح اعظم مراد ہے جس سے بیشمار روحوں کا انشعاب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی اس کے دربار میں جو بولے گا اس کے حکم سے بولے گا۔ اور بات بھی وہی کہے گا، جو ٹھیک اور معقول ہو مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کرے گا۔ مستحق سفارش کے وہی ہیں جنہوں نے دنیا میں سب باتوں سے زیادہ سچی اور ٹھیک بات کہی تھی یعنی لا الٰہ الا اللہ۔

ف۳ یعنی وہ دن آنا تو ضروری ہے۔ اب جو کوئی اپنی بہتری چاہے اس وقت کی تیاری کر رکھے۔

ف۴ یعنی سب اچھے برے، اگلے پچھلے اعمال سامنے ہوں گے۔

ف۵ یعنی مٹی ہی رہتا آدمی نہ بنتا کہ آدمی بن کر ہی اس حساب وکتاب کی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔

یہ ایمان وتقویٰ والے مرد بھی تا کہ ہم عمری کے باعث عیش وتنعم کا لطف کامل نصیب ہو۔ اور جام ہوں گے چھلکتے ہوئے۔ شراب طہور کے ایسے لبریز جام جن کا دور چل رہا ہوگا پھر سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ نہیں سنیں گے ان باغوں میں کوئی لغو بیہودہ بات اور نہ ہی کوئی جھوٹ اور فریب۔ کیونکہ یہ جنت کی شراب طہور ہوگی اور اس کا کسی طرح بھی کوئی برا اثر دماغ وشعور پر ہرگز واقع نہ ہوگا، اس لیے وہاں ایذاء اور مار پیٹ یا بیہودہ اور لغو باتیں جیسے دنیا کی شراب میں پیش آتی ہیں قطعاً نہ ہونگی اور نہ ہی کوئی رنج اور تکلیف دہ بات ہوگی کہ جس کو جھٹلایا جائے بلکہ وہ شراب طہور تو محبت الٰہی کا مظہر ہوگی اور اس کا خمار درجات کی بلندی اور قرب الی اللہ اور معرفت رب اور اس کی ذات وصفات میں انہاک وانشراح کا سرور ہوگا، جیسے دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی عظیم پایہ نعمتوں سے کوئی سروکار نہیں صرف اسی اشتراک ہوتا ہے اسی طرح لفظ خمر اسی اشتراک کے باعث ہے، ورنہ تو شراب دنیا اور آخرت کی شراب طہور میں زمین وآسمان کا فرق ہے بلکہ پورا پورا تقابل اور تضاد ہے۔

بہر کیف یہ سب نعمتیں اور اعزاز واکرام اے مخاطب بدلہ ہے تیرے رب کی طرف سے تیرے اعمال حسنہ اور ایمان وتقویٰ کا، اور ذات رب کی تو شان ربوبیت جیسے ایک دانہ کو اگا کر اسے نشوونما عطا کرنے والی ہے اور ہر مخلوق کو پال کر اس کے کمال اور منتہیٰ تک پہنچاتی ہے اسی طرح وہ بندہ کی ہر نیکی کو پالنے والی اور نشوونما کے انتہائی مراتب تک پہنچانے والی [1] ہے۔ یقیناً جو بطور عطاء اور بخشش ہی ہے۔ کیونکہ انسان اگر اپنی تمام زندگی بھی عبادت وطاعت میں گزار دے تب بھی اللہ کے انعامات میں ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ جملہ بے پایاں نعمتوں کا۔ لہٰذا آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں بخشش ہی بخشش ہے۔ پورے پورے حساب کے ساتھ تا کہ بندہ کے معیار طاعت اور اعمال کی عظمت وخوبی کے مطابق اس پر جزاء اور انعامات ہوں۔ جو رب ہے، آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بڑی ہی رحمت والا ہے۔ تو جس طرح اس رب السمٰوٰت والارض نے اپنی شانِ ربوبیت سے آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا اور پھر ہر چیز کے بقاء کے بہترین اسباب پیدا فرمائے اور ہر ایک چیز کو بڑی ہی حکمت اور خوبی سے حد کمال تک پہنچایا، وہی رب اپنے بندوں کے اعمال کو باقی رکھے گا اور ان کو نشوونما فرما کر حد کمال یعنی مرتبہ انعام واکرام تک پہنچائے گا، اور یہ سب کچھ اسکی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے، جس رب کی رحمت وعنایت کے ساتھ عظمت وکبریائی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کو قدرت نہ ہوگی اس سے بات کرنے کی۔ حتیٰ کہ روز حساب حق تعالیٰ کی اس شان عظمت وجلال سے انبیاء علیہم السلام تک بھی ہیبت زدہ ہوں گے اور ہر ایک یہ کہتا ہوگا۔ نفسی نفسی اذهبوا [2] الى غيرى ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله ولن يغضب بعده۔ یہ ہیبت وجلال اور عظمت کی شان بالخصوص اس دن ہوگی جب کہ روح [3]

---

[1] یہ الفاظ اس آیت مبارکہ ﴿جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً﴾ میں لفظ رب اور لفظ عطاء کی حکمت اور نکتہ کی وضاحت کے لیے ہیں۔ ۱۲

[2] یعنی مجھے تو آج اپنی فکر پڑی ہے میرے سوا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ میرا رب آج اس قدر غضب وجلال میں ہے کہ ایسا جلال نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا، یہ حدیث شفاعت کا مضمون ہے جبکہ ہر پیغمبر شفاعت سے انکار کردے گا اور آخری نوبت خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ ﷺ پر پہنچے گی اور آپ ﷺ شفاعت کریں گے۔ ۱۲

[3] روح سے مراد بعض مفسرین روح اعظم لیتے ہیں جس سے بیشمار روحوں کا انشعاب ہو یا روح القدس اور جبریل امین علیہ السلام، اور کسی نے روح سے ہر روح انسانی مراد لیا ہے۔ ۱۲

اور فرشتے کھڑے ہوں گے صف بستہ وہ بات نہیں کر سکیں گے اس کے جلال کی وجہ سے بجز اس کے کہ جس کو وہ اللہ رحمٰن اجازت دیدے بس وہی بول سکے گا، وگرنہ سب دم بخود اور مرعوب ومبہوت ہوں گے اور وہ کہے گا درست اور صحیح بات یہ ممکن ہی نہ ہوگا کوئی غلط اور لغو بات کرے یہ ہے وہی دن برحق۔ جس کا واقع ہونا بھی قطعی اور یقینی ہے اور اسی دن میں حق اور باطل کے دمیان فیصلہ ہوگا، اس کے بعد اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانے حاصل کرنے کا راستہ اختیار کر لے۔ اسی میں اس کی فلاح ونجات ہے۔

اے انسانو! بس خبردار ہو جاؤ ہم نے ڈرادیا ہے تم کو ایک قریب ہوجانے والے عذاب سے جو نہایت ہی قریب ہے جس کے آنے میں اب کوئی دیر نہیں، اور اصل قیامت تو جب بھی آئے، ویسے ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس قدر ہر انسان کے ساتھ اس کی موت قریب ہے، بالکل قیامت بھی اس سے اسی قدر قریب واقع ہوئی ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جب انسان دیکھ لے گا کہ اس نے خود آنے سے پہلے کیا عمل کر کے بھیجا ہے اور کافر انتہائی حسرت وندامت سے کہتا ہوگا۔ اے کاش میں خاک ہو چکا ہوتا اور اس صورت حال میں یہاں میدان حشر کی پیشی کی نوبت نہ آتی۔ [1]

تم تفسیر سورۃ النبا بحمد اللہ عزوجل۔

سورۃ النازعات

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی عقیدۂ توحید کے بیان اور اس کی تثبیت پر مشتمل ہیں، اور اصول دین کی تحقیق کے پیش نظر اس سورت میں اثبات رسالت بعث ونشر کے لیے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے روز شدت واضطراب کا نا قابل تصور عالم ہوگا اہل ایمان وتقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لیے عذاب جہنم ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو تاریخی حقائق سے ثابت کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اجمالاً بیان کر دیا گیا جب کہ فرعون اپنے غرور وسرکشی میں اس حد تک پہنچا کہ خود اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو خداوند عالم نے اس کے غرور ونخوت کو کس طرح پامال کیا، اور اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو کیسی عظیم کامیابی اور غلبہ عطا فرمایا، ان احوال کو دلائل قدرت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے پھر سورت کے اختتام پر بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت فرمایا جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔

---

[1] مسند عبد بن حمید اور بیہقی رحمہ اللہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز حق تعالیٰ جب انسانوں کے اعمال کا حساب لیکر فارغ ہوجائے گا، اپنی شان عدل اور یوم الحساب کے تقاضے کی تکمیل کے لیے حیوانات کا حساب لیا جائے گا، ان کے نیک وبد کا اور باہمی مظالم کا، اور جب ان کا حساب ہوجائے گا تو ان کو حکم ہوگا کہ تم خاک ہوجاؤ (کیونکہ حیوانات مکلف نہیں ہیں اور جنت وجہنم ان کے لیے نہیں جن وانس کے لیے ہے) تو وہ سب خاک اور نیست ونابود ہوجائیں گے، اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی اسی طرح خاک ہوجاتے۔

بعض عارفین خاک ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ میں تواضع کر لیتا اور خدا کے سامنے سر جھکا لیتا، افسوس کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور تکبر وغرور کے ساتھ سرکشی اور نافرمانی کرتا رہا۔ ۱۲ (روح المعانی ج ۳)

٧٩ سُورۃ النّٰزعٰت مکیّۃ ٨١ ﷽ ایاتھا ٤٦ رکوعاتھا ٢

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ① وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ② وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ③ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ④

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر ف۱ اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر ف۲ اور پیرنے والوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر ف۳

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی ڈوب کر۔ اور بند چھڑا دینے والوں کی، کھول کر۔ اور پیرتے والوں کی پیرنے پر۔ پھر آگے بڑھتے دوڑ کر۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ⑤ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ⑥ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ⑦ قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ

پھر کام بنانے والوں کی حکم سے ف۴ جس دن کانپنے کانپنے والی ف۵ اس کے پیچھے آئے دوسری ف۶ کتنے دل اس دن

پھر کام بناتے حکم سے۔ جس دن کانپے کانپنے والی اس کے پیچھے دوسری۔ کتنے دل اس دن

وَّاجِفَةٌ ⑧ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ⑨ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ⑩ ءَاِذَا كُنَّا

دھڑکتے ہیں ان کی آنکھیں جھک رہی ہیں ف۷ لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے الٹے پاؤں کیا جب ہم ہو چکیں

دھڑکتے ہیں۔ ان کے تیور خوفزدہ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں، کیا ہم پھر آویں گے الٹے پاؤں ؟ کیا جب ہو چکیں

عِظَامًا نَّخِرَةً ⑪ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ⑫ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ فَاِذَا هُمْ

ہڈیاں کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا ف۸ سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے پھر تبھی وہ آ رہیں

ہم ہڈیاں کھوکھری ؟ بولے تو تو یہ پھر آنا ٹوٹا ہے۔ سو وہ تو ایک جھڑکی ہے۔ پھر تبھی وہ آ رہے

ف۱ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو کافر کی رگوں میں گھس کر اس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالیں۔

ف۲ یعنی جو فرشتے مومن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیں، پھر وہ اپنی خوشی سے عالم پاک کی طرف دوڑے، جیسے کسی کے بند کھول دیے جائیں تو آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ مگر یاد رہے یہ ذکر روح کا ہے بدن کا نہیں نیک خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے، بد بھاگتا ہے، پھر گھسیٹا جاتا ہے۔

ف۳ یعنی جو فرشتے روحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس سرعت و سہولت سے چلتے ہیں گویا بے روک ٹوک پانی پر تیر رہے ہیں۔ پھر ان ارواح کے باب میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

ف۴ یعنی اس کے بعد ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں امروں میں سے ہر امر کی تدبیر و انتظام کرتے ہیں یا مطلقاً وہ فرشتے مراد ہوں جو عالم تکوین کی تدبیر و انتظام پر مسلط ہیں۔ والظاہر ہو الاول۔ "والنازعات" "والنشطت" وغیرہ کی تعیین میں بہت اقوال ہیں۔ ہم نے مترجم رحمہ اللہ کے مذاق پر تقریر کر دی۔

ف۵ یعنی زمین میں بھونچال آئے۔ پہلی دفعہ صور پھنکنے سے۔

ف۶ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی لگاتار (یکے بعد دیگرے) بھونچال چلے آئیں، اور اکثر مفسرین نے "رادفة" سے صور کا دوسرا نفخہ مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۷ یعنی اضطراب اور گھبراہٹ سے دل دھڑکتے ہوں گے اور ذلت و ندامت کے مارے آنکھیں جھک رہی ہوں گی۔

ف۸ یعنی "قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ کھوکھری ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔ ایسا ہوا تو یہ صورت ہمارے لئے بڑے ٹوٹے اور خسارہ کی ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا۔" یہ تمسخر سے کہتے تھے۔ یعنی مسلمان ہماری نسبت ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ وہاں مرنے کے بعد سرے سے دوسری زندگی ہی نہیں نقصان اور خسارہ کا کیا ذکر۔

بِالسَّاهِرَةِ ⑭ هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ مُوسٰى ⑮ إِذْ نَادٰىهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑯

میدان میں ف۱ کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ف۲ جب پکارا اس کو اس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے ف۳

میدان میں۔ کچھ پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی؟ جب پکارا اس کو اس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ۔

اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ⑰ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلٰى أَنْ تَزَكّٰى ⑱ وَأَهْدِيَكَ إِلٰى رَبِّكَ

جا فرعون کے پاس اس نے سر اٹھایا پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف

جا فرعون پاس، اس نے سر اٹھایا۔ پھر کہہ، تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنورے؟ اور راہ بتاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف،

فَتَخْشٰى ⑲ فَأَرٰىهُ الْآيَةَ الْكُبْرٰى ⑳ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ㉑ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعٰى ㉒ فَحَشَرَ

پھر تجھ کو ڈر ہو ف۴ پھر دکھلائی اس کو وہ بڑی نشانی ف۵ پھر جھٹلایا اس نے اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا ف۶ پھر سب کو جمع کیا،

پھر تجھ کو ڈر ہو۔ پھر دکھائی اس کو وہ بڑی نشانی۔ پھر جھٹلایا اور نہ مانا، پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا، پھر سب کو جمع کیا،

فَنَادٰى ㉓ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ㉔ فَأَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولٰى ㉕ إِنَّ فِي ذٰلِكَ

پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر ف۷ پھر پکڑا اس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا کی ف۸ بیشک اس میں

پھر پکارا۔ تو کہا، میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر۔ پھر پکڑا اس کو اللہ نے، سزا میں پچھلی کے اور پہلی کے۔ بے شک اس میں

لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ㉖ ع

سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے ف۹

سوچ کی جگہ ہے، جس کو ڈر ہے۔

ف۱ یعنی یہ لوگ اسے بہت مشکل کام سمجھ رہے ہیں حالانکہ اللہ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہو جائیں گے۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی، یعنی صور پھونکا اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے آگے اس کی ایک مختصر سی جھڑکی اور معمولی سی ڈانٹ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو دنیا میں ایک بڑے متکبر کو دی گئی تھی۔ یا یوں کہیے کہ ان منکرین کو سنایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے بڑے زبردست منکروں کا کیا حشر ہوا۔

ف۲ یہ قصہ کئی جگہ مفصل گزر چکا۔

ف۳ یعنی کوہ طور کے پاس۔

ف۴ یعنی اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت جم جائے کیونکہ خوف کا ہونا بدون کمال معرفت کے متصور نہیں۔ معلوم ہوا حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ محض بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانا ہی نہ تھا۔

ف۵ یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس پر حجت تمام کرنے کے لئے وہ سب سے بڑا معجزہ عصا کے اژدہا بننے کا دکھلایا۔

ف۶ یعنی وہ ملعون ماننے والا کہاں تھا۔ اس فکر میں چلا کہ لوگوں کو جمع کرے اور جادوگروں کو تلاش کر کے بلوائے کہ وہ موسیٰ کے معجزات کا مقابلہ کریں۔

ف۷ یعنی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ یہ موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے۔

ف۸ یعنی یہاں پانی میں ڈوبا، وہاں آگ میں جلے گا۔

ف۹ یعنی اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں۔ بشرطیکہ آدمی کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو۔ (ربط) موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ درمیان میں استطرادا آ گیا تھا۔ آگے پھر اسی مضمون قیامت کی طرف عود کرتے ہیں۔

ہیبت واضطراب درروز محشر وفلاح وکامرانی اہل ایمان

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا... الی... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾

ربط:...... سورۂ نبا میں منکرین قیامت کا قیامت کے بارے میں معاندانہ سوال اور تمسخر کا ذکر تھا اور ان کے جواب ورد کے بعد روز محشر کی حاضری کی کچھ کیفیات ذکر کی گئی تھیں، اب اس سورت میں بالخصوص قیامت قائم ہونے پر جو اضطراب و بے چینی قلوب پر وارد ہوگی، اور بدحواسی کا عالم لوگوں پر ہوگا اس کا بیان ہے، جزاء وسزا اور مومنین ومجرمین کا فرق بھی بیان کیا جارہا ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت حق کو کس طرح باطل پر غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے؟ اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے مغرور ومتکبر کو ایمان کی دعوت دی اور خدا نے اپنے پیغمبر کو کامیاب فرمایا، اور فرعون کو ہلاک کیا چنانچہ ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو گھسیٹ ● لانے والے ہیں غوطہ لگا کر جو کافروں کی رگوں میں گھس کر ان کی روح کو سختی کے ساتھ انکے بدن سے نکالتے ہیں۔ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کھول دینے والے ہیں گرہ کو سہولت کے ساتھ کھول دینا جو فرشتے اہل ایمان کی ارواح سہولت سے قبض کر لیتے ہیں اور روح کی گرہ بدن سے نہایت ہی راحت اور نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر ان کی جو تیرنے والے ہیں تیزی کے ساتھ تیرتے ہوئے جو فرشتے روحوں کو زمین سے لے کر آسمانوں پر چڑھنے والے ہیں ان کا تیزی سے جانا گویا پانی کی سطح پر تیر رہے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو سبقت کرنے والے ہیں آگے بڑھ کر جو تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں اور ان ارواح کے بارے میں جو حکم خداوندی ہوتا ہے اس کے

● ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ یہاں بھی پانچ قسموں سے تاکید واہتمام کرتے ہوئے اصل مدعیٰ یعنی قیامت کا ہولناک منظر واقع ہونے کا ذکر فرمایا گیا، نازعات، ناشطات، سابحات، سابقات، مدبرات، یہ پانچ کلمات ذکر فرما کر جواب قسم ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ بیان فرمایا، ان کلمات کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ ستارے ہیں، عطاء رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں السابقات، یہ وہ گھوڑے ہیں جو میدان جہاد میں دوڑتے ہیں اور عطاء رحمہ اللہ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ السابحات پانی کی سطح پر تیرنے والی کشتیاں ہیں، کسی نے نازعات اور ناشطات سے ہوائیں مراد لی ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ نازعات کی تفسیر ستارے بیان کرتے ہیں لیکن جمہور مفسرین اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان پانچوں کلمات کو فرشتوں پر محمول کیا ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا۔

فرشتوں کی قسموں کی طرف اشارہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ خداوند عالم نے قیامت برپا ہونے اور میدان حشر میں حاضری کے مضمون کو بیان اور ثابت کرنے کے لئے فرشتوں میں پہلے ان فرشتوں کی قسم کھائی جو کافروں کی روحوں کو سختی اور شدت سے جسم کی رگوں سے گھسیٹ کر نکال لیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹے دار سلاخ ڈال کر کھینچی جائے تو جس کیفیت کے ساتھ روئی کے اجزاء کو اپنے ساتھ لئے نکلے گی تو اسی طرح کافر کی رگیں نزدع روح سے متاثر ہوتی ہیں، اور فرشتوں میں سے ان کو اس مقام پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کلام کے اصل مخاطب منکرین قیامت ہیں تو انہی فرشتوں کی قسم مقدم فرمائی جو کافروں اور منکروں کی روح قبض کرنے والے ہیں اس کے بالمقابل پھر ان فرشتوں کی بھی قسم کھائی جو مومن کی روح بڑی ہی سہولت سے نکال لیتے ہیں، جیسے کہ پیشانی کے پسینہ کا قطرہ ٹپک جائے، پھر ان فرشتوں کی جو مومنین کے اعمال بارگاہ رب العزت میں لے جانے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور پھر انکی جو تکوینی نظام پر ہواؤں، بادلوں اور غلوں کے اگانے، احوال صحت ومرض اور عافیت وحوادث اور منافع ومضار جیسے امور کی تدبیر پر مامور ہیں تو ان جملہ انواع واقسام کے فرشتوں کی قسم کھا کر مخاطب کے سامنے اور اس کے ذہن میں ان جملہ احوال کی عظمت کو ظاہر کرنا ہے پھر جبکہ مخاطب کا ذہن ان عظمتوں سے لبریز ہو چکا ہو تو پھر قیامت جیسے عظیم دن کے واقع ہونے کا بیان فرمایا گیا۔ ۱۲

لئے دوڑتے ہیں پھر ان کی جو عالم تکوین کے امور میں ہوائیں ہو یا بادل چاند سورج اور ستارے تدبیر وانتظام میں لگے ہوئے ہیں ہر کام کے لیے۔ جیسا بھی حکم خداوندی ہوا آسمانوں میں یا زمین میں فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ بے شک قیامت آنی ہے اور وہ دن ایسا عظیم الشان ہوگا جب کہ لرزنے والی چیز لرز رہی ہوگی، وہ زمین ہے کہ اس پر زلزلہ طاری ہوگا اور پہاڑ اپنی چوٹیوں سے گر رہے ہوں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑتے ہوں گے جس کے پیچھے لگی ہوگی ایک پیچھے لگنے والی چیز جو زمین اور پہاڑوں کے زلزلہ اور کانپنے کا ایک مسلسل بھونچال ہوگا جو پچھلے نفخ صور کے بعد دوسرے صور کے پھکنے سے شروع ہوگا۔ اس روز کتنے ہی دل ہوں گے جو اضطراب و بے چینی سے دھڑکتے ہوں گے۔ ذلت وندامت کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ہمت نہ ہوسکے گی کہ نگاہ اوپر کر کے دیکھ سکیں۔ کہتے ہوں گے کیا ہم لوٹا دیئے جائیں گے الٹے پاؤں کہ قبر میں جانے کے بعد کیا پھر یہ ممکن ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے اور اس طرح ہم کو محشر میں حاضری دینی ہوگی کیا یہ بات ممکن ہوگی جب کہ ہم ہوچکیں گے کھوکھری ہڈیاں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قبر میں جانے کے بعد اور جب کہ انسان کی ہڈیاں بھی کھوکھری ہوچکی ہوں تو تمسخر اور تحقیر کے انداز میں کہنے لگے بس پھر تو یہ لوٹنا بہت ہی خسارہ کی بات ہوگی۔ یہ مشرکین ومنکرین تو اس معاملہ کو بہت ہی عظیم اور ہیبت ناک سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہماری قدرت کے سامنے تو اس کی عظمت اور اہمیت نہیں بس یہ تو ایک دفعہ کی ایک چیخ ہوگی جو صور پھونکنے کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ جس پر فوراً ہی وہ سب میدان حشر میں نظر آرہے ہوں گے، پیشی کے لیے بارگاہ خداوندی میں اور جو مغرور و متکبر انسان خدا کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے وہ ایک ہی آواز میں ذلت وخواری کے ساتھ سر جھکائے نظریں نیچی کئے حاضر ہوں گے اور حیرت و بدحواسی کے عالم میں منتظر ہوں گے کہ اب ان کے بارہ میں کیا حکم صادر ہوتا ہے، اس شدت و اضطراب اور بے چینی کے احوال سننے والے مخاطب تو کیوں نہیں قیامت اور روز محشر کی حاضری مان لیتا، تیرا رب تو بڑی ہی قدرت والا ہے۔ تو کیا تجھ کو خبر نہیں موسیٰ کے قصہ کی جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے پکارا وادی مقدس مقام طویٰ میں۔ جہاں کوہ طور پر اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کی اور اس میں یہ فرمایا۔ جاؤ فرعون کی طرف اس کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دو بے شک وہ بہت ہی سرکش ہوچکا ہے۔ اس کو خدا پر ایمان لانے کی تلقین کرنا پھر کہنا کیا تو نہیں چاہتا کہ تو پاک ہوجائے۔ کفر و نافرمانی اور غرور وتکبر کی گندگی سے اور کیا نہیں چاہتا کہ میں تجھے راستہ بتاؤں تیرے رب تک پہنچنے کا پھر تو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ معرفت اور خوف خداوندی سے اپنی زندگی سنوار لے، کیونکہ انسانی زندگی کی اصلاح اور اس کی ہر خوبی معرفت الٰہی اور خشیت خداوندی پر موقوف ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر پیغام خداوندی اور دعوت ایمان کی ذمہ داری ادا کی اور حجت و برہان قائم کرنے کئے لئے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائی جو عصا کا معجزہ تھا مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی اور پھر پیٹھ پھیر کر چلا کوشش کرتے ہوئے پھر سب جادوگروں کو جمع کیا اور جب سب جمع ہوگئے تو پھر پکار کر کہا تاکہ سب مرعوب ہوجائیں۔ میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب موسیٰ علیہ السلام کہاں سے آگیا اور کس نے اس کو بھیجا اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ عصا نے اژدھا بن کر جادوگروں کے ظاہر کیے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا، باوجودیکہ وہ جادوگر جو مقابلہ کے لیے آئے تھے ایمان لے آئے اور ایمان پر ایسی استقامت وپختگی حاصل ہوئی کہ فرعون کی ہر دھمکی کا مقابلہ کیا اور دنیا میں انسان کو پیش آنے والی ہر بڑی سے

بڑی اذیت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے (جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا) مگر فرعون نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آیا تو پھر پکڑ لیا اللہ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں، دنیا میں یہ سزا دی کہ پانی میں ڈبو دیا اور آخرت کی یہ سزا ہے کہ وہاں نار جہنم میں ہمیشہ جلے گا۔ بے شک اس تمام قصہ میں عبرت کا بہت بڑا سامان ہے اور سوچنے کا مقام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو۔ خداوند عالم کا یہ انتقام کس قدر شدید ہے اس نے ایسے مغرور و متکبر کو جو اپنی ربوبیت کا اعلان کرتا ہو اس طرح ذلیل و عاجز کر کے دنیا کے سامنے اس کی ہلاکت اور اپنے پیغمبر کی کامیابی ایک عظیم تاریخ بنا کر رکھ دی تا کہ ہر مغرور و متکبر جو اللہ کا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہو اس سے عبرت حاصل کر سکے۔

راجفہ اور رادفہ کی تفسیر

رجف کے معنی لغت میں جھڑ جھڑا دینے کے ہیں تو قیامت برپا کرنے کے لئے نفخ صور دو مرتبہ ہو گا، جیسے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ تو پہلی مرتبہ جو صور پھونکا جائے گا اس سے زمین اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہو جائے گا اس لیے اس کو راجفہ کہا گیا اور دوسرا صور اس کے پیچھے ہو گا جیسے کوئی چیز کسی کے پیچھے لگی ہوئی اس لیے اس کو رادفہ فرمایا گیا، قرب قیامت کی خبر دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جاءت الراجفة تتبعها الرادفة جاء الموت[1] بما فیه۔

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو اٹھ جاتے اور فرماتے (اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو) بس سمجھ لو کہ جھڑ جھڑا دینے والی چیز راجفہ آ چکی اور اس کے پیچھے لگی ہوئی رادفہ (جو قیامت برپا کرنے والی ہے) اور (جان لو کہ) مدت (سامنے) آ چکی ہے مع اپنی تمام کرب و بے چینی کی حالت کے۔

ف:...... حافرہ کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ قبور ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے کہ حافرہ حیات بعد الموت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے ﴿ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ﴾ کہ کیا ہم دنیا میں مرنے کے بعد پھر دوبارہ کسی زندگی میں اٹھائے جائیں گے، اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ ہماری ہڈیاں بھی پرانی ہو کر کھوکھلی ہو چکی ہوں گی، تو اس پر رد فرمایا اور تنبیہ کی گئی ایسے منکرین کو سن لینا چاہئے کہ ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا ف۱ اس نے اس کو بنا لیا اونچا کیا اس کا ابھار پھر اس کو برابر کیا اور اندھیری کی رات اس کی

کیا تم مشکل ہو بنانے یا آسمان؟ اس نے وہ بنایا، اونچی کی اس کی بلندی، پھر اس کو صاف کیا۔ اور اندھیری کی رات اس کی،

ف۱ یعنی تمہارا پیدا کرنا (اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں۔ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق اس کو مانتے ہو، پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں تردد ہے۔

[1] مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲

وَاَخۡرَجَ ضُحٰىهَا ۝٢٩ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝٣٠ اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰىهَا ۝٣١

اور کھول نکالی اس کی دھوپ ف۱ اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھا دیا ف۲ باہر نکالا زمین سے اس کا پانی اور چارا ف۳

اور کھول نکالی اس کی دھوپ اور زمین کو اس پیچھے صاف بچھایا۔ نکالا اس سے اس کا پانی اور چارا،

وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ۝٣٢ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ۝٣٣ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ۝٣٤

اور پہاڑوں کو قائم کردیا ف۴ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں ف۵ ۲۵ ۲۱ پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

اور پہاڑوں کو بوجھ رکھا، کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے۔ پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

یَوۡمَ یَتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ۝٣٥ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِمَنۡ یَّرٰى ۝٣٦ فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى ۝٣٧ وَاٰثَرَ

جس دن کہ یاد کرے گا آدمی جو اس نے کمایا اور نکال ظاہر کردیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے ف۶ سو جس نے کی ہو شرارت اور بہتر سمجھا ہو

جس دن یاد کرے آدمی جو کمایا، اور نکال رکھی دوزخ، جو چاہے دیکھے۔ سو جس نے شرارت کی، اور بہتر سمجھا

الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا ۝٣٨ فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ هِیَ الۡمَاۡوٰى ۝٣٩ وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى

دنیا کا جینا ف۷ سو دوزخ ہی ہے اس کا ٹھکانا اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو

دنیا کا جینا، سو دوزخ ہی ہے ٹھکانا۔ اور جو کوئی ڈرا اپنے رب پاس کھڑے ہونے سے، اور روکا

النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝٤٠ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰى ۝٤١ یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ

اس نے اپنے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانا ف۸ تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہوگا

جی کو چاؤ سے، سو بہشت ہی ہے ٹھکانا۔ تجھ سے پوچھتے ہیں، وہ گھڑی کب ہے،

ف۱ یعنی آسمان کو خیال کرو کس قدر اونچا، کتنا مضبوط، کیسا صاف ہموار، اور کس درجہ مرتب و منظم ہے، کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس نے سورج کی رفتار سے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ رات کے اندھیرے میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری ہی شان نظر آتی ہے۔

ف۲ آسمان اور زمین میں پہلے کون پیدا کیا گیا؟ اس کے متعلق ہم پیشتر کسی جگہ کلام کرچکے ہیں۔ غالباً سورۂ "فصلت" میں

(تنبیہ) "دحی" کے معنی راغب نے کسی چیز کو اس کے مقر (جائے قرار) سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ تو شاید اس لفظ میں ادھر اشارہ ہو جو آجکل کی تحقیق ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی دریا اور چشمے جاری کئے۔ پھر پانی سے سبزہ پیدا کیا۔

ف۴ جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔

ف۵ یعنی یہ انتظام نہ ہو تو تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے۔ ان تمام اشیاء کا پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے ہے۔ چاہیے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اور سمجھو کہ جس قادر مطلق اور حکیم برحق نے ایسے زبردست انتظامات کئے ہیں کیا وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح نہیں پھونک سکتا۔ لازم ہے کہ آدمی اس کی قدرت کا اقرار کرے۔ اور اس کی نعمتوں کی شکرگزاری میں لگے ورنہ جب وہ بڑا ہنگامہ قیامت کا آئے گا اور سب کیا کرایا سامنے ہوگا سخت پچھتانا پڑے گا۔

ف۶ یعنی دوزخ کو اس طرح منظر عام پر لائیں گے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکے گا۔ کوئی آڑ پہاڑ درمیان میں حائل نہ رہیگا۔

ف۷ یعنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اسے بہتر سمجھ کر اختیار کیا اور اسے بھلا دیا۔

ف۸ یعنی جو اس بات کا خیال کرکے ڈرا کہ مجھے ایک روز اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلا بلکہ اسے =

مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ

قیام اس کا ف۱ تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اس کی ف۲ تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اس کو جو

ٹھہراؤ اس کا؟ تو کس بات میں ہے اس کے مذکور سے؟ تیرے رب تک ہے پہنچ اس کی۔ تو تو ڈر سنانے کو ہے، اس کو جو

يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع

اس سے ڈرتا ہے ف۳ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اس کی ف۴

اس سے ڈرتا ہے۔ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اس کو کہ دیر نہیں لگی ان کو، مگر ایک شام یا صبح اس کی۔

اعلان خداوندی بقدرت کاملہ وعاجزی وپستی کائنات پیش عظمت الٰہی

قَالَ تَعَالٰى: ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ... الی ... اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں خداوند عالم نے اپنی شان حاکیت عظمت وجلال کا ذکر کرتے ہوئے قیامت اور قیامت کے احوال بیان فرمائے تھے، اور یہ کہ کائنات کا یہ سارا نظام دم کے دم میں درہم برہم ہوجائے گا، زمین وآسمان اور پہاڑ چاند سورج اور ستارے غرض سب ہی ختم کردیئے جائیں گے اور دلوں کا اضطراب وبے چینی کا عالم ناقابل تصور ہوگا تو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ، اپنی قدرت کاملہ کا اعلان فرما رہے ہیں، اور یہ کہ کائنات کی کوئی طاقت اور قوت خداوند عالم کی عظمت وکبریائی کا مقابلہ نہیں کرسکتی ارشاد فرمایا:

اے منکرو! بتاؤ کیا تم ہو زیادہ سخت پیدا کرنے کے لحاظ سے یا آسمان۔ ❶ یقیناً ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے بہت بڑھ کر عظیم اور اہم ہے اور اس کی قدرت کاملہ کا واضح ثبوت ہے تو جو ذات رب العالمین آسمان جیسی عظیم چیز پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے اس کی قدرت عظیمہ سے یہ بات کیونکر بعید ہوسکتی ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت میں اٹھائے اور زندہ کرے۔

پھر آخر ان کافروں کو کیوں تردد ہے، حالانکہ دیکھ رہے ہیں، اسی پروردگار نے اس آسمان کو بنایا اس کی بلندی کو کس قدر اونچا کیا پھر اس کو ہموار اور برابر بنایا کیسا مضبوط کس قدر اونچا اور کیسا برابر اور ہموار کہ کسی جگہ سے کوئی فرق نہیں، پھر اس کا

= روک کر اپنے قابو میں رکھا اور احکام الٰہی کے تابع بنایا تو اس کا ٹھکانا بہشت کے سوا کہیں نہیں۔

ف۱ یعنی آخر وہ گھڑی کب آئے گی اور قیامت کب قائم ہوگی۔

ف۲ یعنی اس کا وقت ٹھیک متعین کرکے بتلانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام نہیں کتنے ہی سوال جواب کرو۔ آخر کار اس کا علم خدا ہی پر حوالہ کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچنا ہے، پیچھے سب بے خبر ہیں۔"

ف۳ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہوگا یا خوف آخرت کی استعداد ہوگی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کرے گا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا نتیجہ کے اعتبار سے صرف ان ہی لوگوں کے حق میں ہوا جو اس سے منتفع ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ورنہ نااہل لوگ تو انجام سے غافل ہو کر ان ہی فضول بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ قیامت کس تاریخ کس دن کس سن میں آئے گی۔

ف۴ یعنی اب تو شور مچا رہے ہیں کہ قیامت کے آنے میں دیر کیوں ہے جلد کیوں نہیں آجاتی۔ مگر اس وقت معلوم ہوگا کہ بہت جلد آئی۔ بیچ میں دیر کچھ نہیں لگی۔

❶ یہ مضمون بعینہ وہی ہے جو آیت مبارکہ ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ میں ارشاد فرمایا گیا۔

نظام کیسا باقاعدگی سے جاری ہے چاند سورج کا طلوع وغروب وستاروں کی رفتار اور لیل ونہار کی تبدیلی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی غرض یہ سارا نظام فلکیات ایسا محکم ومنظم ہے کہ ہر ایک دیکھنے والا اس کے صانع وخالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا تو جس ذات نے ایسی عظیم مخلوق پیدا کر دی اس کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ ان کو قیامت میں اٹھالے یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے اور اس نے تاریک کر دیا اس کی رات کو اور نکالا اس کے دن کو سورج کے طلوع اور اس کی روشنی سے جو کہ کواکب وسیارات کے نظام ہی کے کرشمے ہیں اور آسمانوں سے ہی ان سب چیزوں کا تعلق ہے۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھایا ❶ جس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ بھی اگایا۔ چشموں اور نہروں کو جاری کر کے سبزے غلے پھل اور پھول اور طرح طرح کی غذائیں پیدا کیں اور پہاڑوں کو قائم کر دیا زمین کی سطح پر ایسی مضبوطی سے کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتے، اے انسانو! تمہارے واسطے سامان زندگی بنا کر اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ نظام قدرت قائم نہ کیا جاتا تو کہاں سے انسان کھاتا اور کہاں سے جانوروں کا چارہ ملتا، لوگ کیسے اپنی زندگی کے کاروبار کرتے اور کس طرح اس میں یکسانیت وتسلسل قائم کرتے، اگر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی وسکون نہ ہوتا، غرض آسمان اور زمین اور اس میں پیدا کی ہوئی ہر ایک چیز اللہ رب العزت کی قدرت وحکمت کی عظیم نشانی ہے تو جب رب العالمین یہ سب کچھ انتظامات کر رہا ہے کیا وہ انسان کی بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑ کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، اس میں شک وتردد یا انکار انسان کی بڑی ہی غفلت اور بھول ہے جس سے یقیناً اس کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ چونکے گا۔ چنانچہ جب آجائے گی وہ چوراچورا کرنے والی بہت بڑی ہیبت ناک چیز تو وہ دن ہوگا ایسا کہ انسان یاد کرے گا ہر اس چیز کو جو اس نے کمائی ہے اور زندگی کا ہر عمل اس کو یاد آجائے گا اور اس وقت سوائے پچھتانے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور جہنم ظاہر کر دی جائے گی ہر اس کے لیے جو دیکھ رہا ہوگا۔ اور اس کو ایسے منظر عام پر لایا جائے گا کہ بلا کسی حائل اور رکاوٹ ہر ایک کو نظر آرہی ہوگی۔ بہر حال جس کسی نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو اس نے بہتر سمجھا اور اسی کو آخرت پر ترجیح دی۔ حتی کہ آخرت کو بھلا دیا تو بس دوزخ

❶ اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلق ارض آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہے اور سورۂ حم سجدہ میں خلق ارض کو مقدم بیان فرمایا گیا اور زمین اور زمین پر پیدا کی ہوئی چیزوں کی تخلیق کے بعد ارشاد فرمایا گیا ﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ اس اشکال کی توضیح اور جواب اس مقام پر ذکر کر دیا گیا۔ مراجعت فرمالی جائے۔

پہاڑوں کا زمین میں گاڑھنا، حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ میں بروایت احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس طرح مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے لگی، اللہ نے اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑھ دیا جس سے زمین ٹھہر گئی، فرشتوں کو پہاڑوں کی شدت وسختی پر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ بھی کوئی طاقت ور چیز ہے اللہ نے فرمایا ہاں لوہا ہے، تو لوہے کی شدت پر فرشتوں نے پوچھا اے رب اس سے زیادہ کوئی چیز تیری مخلوق میں شدید ہے فرمایا ہاں! اور آگ پیدا کر کے دکھادی گئی، فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا اے رب کیا اس سے زیادہ کوئی طاقت ور چیز ہے جواب میں فرمایا! ہاں اور پانی پیدا کر دیا، اس پر بھی وہی سوال ہوا تو جواب دیا گیا ہاں اس سے بھی بڑھ کر ایک سخت اور طاقت ور چیز، ہوا ہے فرشتوں نے اس پر بھی تعجب کرتے ہوئے عرض کیا یا رب کیا اس پر بھی بڑھ کر کوئی طاقت ور چیز ہے جواب دیا گیا، نعم ابن آدم یتصدق بیمینه لا تعلم شماله ما تنفق بیمینه۔ کہ اس سے طاقت ور چیز انسان کا وہ صدقہ ہے جو اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

اس مضمون کی تفصیل کے لئے ناچیز کی کتاب ”منازل العرفان فی علوم القرآن“ کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲

ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ جس سے اس کو کسی طرح بھی چھٹکارا میسر نہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سوچنے لگا کہ کیا منہ لے کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہوسکوں گا اور میدان حشر میں کس طرح کھڑا ہوسکوں گا، اس اعتقاد وتخیل اور خوف خدا کے اثر سے اس نے اپنے نفس کو روک کے رکھا ہر خواہش سے تو بلاشبہ جنت اس کا ٹھکانا ہے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشات ہی انسان کو اللہ کے احکام کی اطاعت وپیروی سے روکنے والی چیز ہے، اس لیے جب یہ صاحب ایمان خشیت وتقویٰ سے معمور خداوند عالم کی اطاعت وفرماں برداری کرتا رہے گا تو لامحالہ اللہ کے فضل وکرم سے جنت کا مستحق ہوگا۔

انسانی سعادت اور اس کی عقل وفطرت کا تقاضا یہ [1] ہے کہ وہ ان حقائق کو سمجھے اور ان پر ایمان لائے۔ لیکن کفار مکہ کی شقاوت وبدنصیبی کی کوئی حد نہ تھی انحراف وسرکشی کی نوبت تک پہنچی کہ اے ہمارے پیغمبر ﷺ یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وقت اس کے قائم ہونے کا اور کب وہ ظاہر ہوگی تو کس فکر میں پڑے ہو آپ ﷺ اس کا وقت بتانے کے بارہ میں یہ آپ ﷺ کا کام ہی نہیں کہ آپ ﷺ یہ بتائیں یا یہ سوچیں کہ انکے سوالوں کا کیا جواب دوں اور کیا وقت ان کو بتاؤں آپ ﷺ کے رب ہی کی طرف اس کی نہایت ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی اور خواہ اس کا کسی سے سوال کیا جائے ان جملہ سوالات کا منتہیٰ اسی کی ذات ہے اور اس کا علم صرف اسی کو ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾۔ آپ ﷺ تو بس آخرت اور عذاب آخرت سے ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت اور قیامت کو مانتا ہی نہیں وہ کیا خاک عذاب آخرت سے ڈرے گا، حالانکہ جب قیامت واقع ہوگی ایسا محسوس ہوگا جب یہ اس کو دیکھیں گے گویا کہ نہیں ٹھیرے ہیں دنیا میں یا مرنے کے بعد سے اس وقت اٹھنے کے زمانہ تک مگر صرف ایک شام یا اس کی صبح۔ بعث بعد الموت کے بعد یہ لوگ [2] دنیوی زندگی کو صرف ایک صبح وشام کے بقدر ٹھیرنا تصور کریں گے یا یہ تصور کریں گے کہ مرنے کے بعد بس اتنا ہی تھوڑا سا وقت گزرا ہے جس طرح کہ سو کر بیدار ہونے والا شخص محسوس نہیں کرسکتا کہ نیند کی حالت میں اس پر کتنا طویل وقت گزرا ہے بس یہی لگتا ہے کہ آنکھ لگی تھی اور اب کھل گئی۔

---

[1] ظاہر ہے کہ جو شخص اس خیال کو اپنے قلب ودماغ میں رچالے گا وہ کسی بھی معصیت اور برائی میں مبتلا نہیں ہوسکتا اور یہ وصف بلاشبہ انسان کی طغیانی وسرکشی کی ضد ہے اور قوت نظریہ کی اصلاح وتکمیل ہے اور ﴿نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ نفسانی خواہشات سے بچنے کا نام ہے اس لحاظ سے یہ وصف اس کی قوت عملیہ کی اصلاح وتکمیل ہے اور ان ہی دونوں قوتوں کی اصلاح انسانی سعادت ہے لہٰذا ایسے انسان کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

بعض مفسرین بیان کرتے ہیں، ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت یعنی ﴿فَأَمَّا مَنْ طَغٰى﴾ الخ کا مصداق عامر بن عمیر تھا جو نہایت ہی بدکار اور دنیا پرست تھا اور دوسری آیت یعنی ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ الخ کا مصداق اسی کے دوسرے بھائی حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ تھے جو تارک الدنیا اور پیکر زہد وتقویٰ تھے، اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور صورت حال یہ تھی کہ کفن کے واسطے ایک چادر بھی ایسی نہ تھی کہ سارا بدن ڈھانکا جاسکے۔ ۱۲

[2] یہ کلمات اس آیت کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ لوگ قیامت میں اٹھنے کے بعد دنیوی زندگی کو اس قدر مختصر محسوس کریں گے کہ گویا یہ صرف ایک شام یا صبح کے بقدر دنیا میں رہے ہیں قتادہ رحمہ اللہ بھی اسی کو بیان کرتے ہیں ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بیان کیا، اور بعض ائمہ مفسرین فرماتے ہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اس قدر قلیل مدت سمجھیں گے کہ گویا انہوں نے صرف ایک صبح یا شام گزاری ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

مسئلہ آخرت اور بعث بعد الموت

مسائل اعتقادیہ اور علوم نظریہ میں قرآن کریم نے مسئلہ آخرت اور بعث بعد الموت نہایت ہی اہتمام اور بڑی ہی تحقیق اور بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول آخرت پر ایمان ویقین ہی پر موقوف ہے سورۂ بقرہ کی ابتداء ہی میں قرآن کریم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں یہ فرمایا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے واسطے ذریعہ ہدایت ہے جو تقویٰ اور ایمان بالغیب یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی وحی پر یقین رکھتے ہوئے فرائض اسلام کی تعمیل وتکمیل پر آمادہ ومستعد ہیں، اسی کے ساتھ ان لوگوں کی یہ صفت بیان کی گئی۔

"وبالاخرۃ ھم یوقنون"۔ (البقرۃ)۔ اور آخرت پر وہی یقین وایمان رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ایمان باللہ والرسول، ایمان بالآخرۃ سے منفک اور جدا نہیں بلکہ ایمان باللہ والرسول کا دارو مدار ایمان بالآخرۃ ہی پر ہے۔ "آخرت اور یوم آخرت"۔ قرآن کریم نے متعدد مواقع پر دونوں ہی عنوان اختیار کئے ہیں، عالم آخرت کا آغاز، دنیا اور دار دنیا کا آخری دن ہے اس وجہ سے یوم آخرت کہا جاتا ہے، حق تعالیٰ نے انسانی زندگی دو عالموں سے متعلق فرمائی ہے، ایک زندگی ولادت کے بعد سے اس کے مرنے تک ہے، اور دوسری زندگی موت کے بعد مبعوث اور دوبارہ اٹھنے کے بعد سے جنت وجہنم کی لازوال حالتوں تک، پہلی زندگی کو دنیا کہا گیا اور دنیا لغت کے اعتبار سے قریب تر چیز کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی انسان کو پہلے حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کا نام دنیا ہوا اور مرنے کے بعد مبعوث ہونے پر جو زندگی ہے وہ بعد میں ہے تو اس کو عقبیٰ اور آخرت فرمایا گیا، اسی اعتبار سے دنیوی زندگی کو (النشاۃ الاولی) یعنی پہلی پیدائش اور اخروی زندگی کو (النشاۃ الاخری) یعنی دوسری اور آخری پیدائش فرمایا ہے، اسی وجہ سے حیات انسانی کے ان دونوں ادوار کو الاولی اور الآخرۃ جیسے متقابل عنوان سے قرآن کریم تعبیر کرتا ہے۔ ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾۔

مفسرین کی ایک جماعت اس آیت کی مراد یہ بھی بیان کرتی ہے کہ آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں دنیوی زندگی اور اس کی راحتوں سے زائد بہتر ہے، بعض حضرات علماء نے آسمان وزمین کے پھٹ جانے اور چاند وسورج اور ستاروں کے ٹوٹ جانے اور شب وروز کا نظام درہم برہم ہونے کو جو آخرت قرار دیا وہ اس لحاظ سے کہ یہ امور یوم آخرت کا مبدأ وآغاز ہیں ورنہ اصل یوم آخرت تو وہ ہے جب دوبارہ نفخ صور کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ رب العزت کے روبرو حاضر کر دیئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۤءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾۔ (سورۃ الزمر)

اور (جس روز کہ) صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہو کر گر پڑے گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ اس میں صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ سب کھڑے ہو جائیں گے در آنحالیکہ وہ دیکھتے ہوں گے۔

تو دوبارہ نفخ صور پر جب مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی، اس وقت دنیا اور حیات دنیاوی کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا اور پھر اس دن کے بعد نہ کبھی رات آئے گی اور نہ رات کے ختم ہونے پر دوسرا دن آئے گا۔

دنیا تو اس جہان کی صفت حیات کا نام ہے جب حیات ہی باقی نہ رہے تو دنیا کا وجود کیونکر رہے گا، اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اور جب مرجاتا ہے تو پھر کبھی اس کو دوبارہ دنیا کی حیات حاصل نہیں ہوتی، اور دنیا کی جب تمام ضروریات ختم ہوجائیں گی اور جو کچھ چیزیں دنیا میں ہیں وہ فنا ہوجائیں گی تو اس وقت حشر اموات ہوگا بس اسی کا نام آخرت ہے۔

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (سورۃ ابراھیم)

وہ دن جبکہ یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور اسی طرح آسمانوں کو بھی اور سب لوگ اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہونگے (اور نکل کھڑے ہوں گے)۔

اسی روز کو حق تعالیٰ شانہ کے دربار میں حاضری اور پیشی کا دن فرمایا گیا۔

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

کہ اس دن لوگ کھڑے ہوئے ہوں گے رب العالمین کے سامنے۔ ●

قیام قیامت اور یوم آخرت کو قرآن نے "الساعۃ" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا. قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ. لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ. ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً﴾ (سورۃ الاعراف)

● اسی یوم کا نام یوم الفصل بھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ. جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ﴾ اور ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ کہ یہ فیصلہ کا دن ہے اے لوگو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو جمع کرلیا ہے۔ اسی کے بارہ میں ارشاد ہے ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا. وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ کہ تم سب کا اللہ ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے، یہ ایک وعدہ ہے برحق اور پختہ، اسی بناء پر قیامت کو "یوم موعود" بھی فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ﴾ قیام قیامت کے کچھ احوال ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (سورۂ کہف)

اور جس دن کو ہم پہاڑوں کو سرکا دیں گے (اور ان کو دوڑائیں گے کہ دیکھنے والا ان روئی کے گالوں کی طرح محسوس کرتا ہوگا) اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا ایک کھلا ہوا میدان جس میں تمام مخلوق جمع ہوگی) اور سب کو اکٹھا کریں گے اس طور سے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب اللہ کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا کہ بے شک تم ہمارے پاس آئے ہو اسی طرح (برہنہ) جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بلکہ تم تو یہ سمجھتے تھے کہ تمہارے واسطے (حاضری کا) ہم نے کوئی وقت ہی مقرر نہیں کر رکھا ہے اور (لوگوں کے سامنے) نامہ اعمال رکھ دیے جائیں گے تو اس وقت اے مخاطب تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ ڈر رہے ہوں گے، اور کہتے ہوں گے ہائے افسوس ہماری بدبختی، کیا ہوا اس کتاب (نامہ اعمال) کو کہ اس نے کوئی بھی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسا نہیں چھوڑا کہ اس کو اس کتاب نے لکھ نہ لیا ہو اور سب لوگ اپنے ان تمام اعمال کو سامنے موجود پائیں گے جو انہوں نے کیے اور اے مخاطب تیرا رب کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ ۱۲

یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے، آپ ﷺ کہہ دیجئے اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی ظاہر کرے گا اس کے وقت پر وہ بہت ہی بھاری ہے، آسمانوں اور زمین میں وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گی مگر اچانک۔

اس روز جب کہ اولین وآخرین میدان حشر میں حیران و پریشان کھڑے ہوں گے اور ہر ایک مبہوت و بدحواس اور کرب و بے چینی میں مبتلا ہوگا کہ اچانک رب العالمین اور احکم الحاکمین نہایت ہی عظمت وجلال کے ساتھ بندوں کے فیصلہ کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے، ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوگا، اسی منظر کو ان کلمات نے بیان کیا۔

﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر)

اور (اے مخاطب) تیرا رب (فیصلہ کیلئے) آئے گا، اور فرشتے جوق در جوق قطار در قطار کھڑے ہوں گے۔

جبریل امین علیہ السلام اور تمام ملائکہ مقربین اور عالم سمٰوٰت وارضین کے فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، اور خداوند عالم کی عظمت وجلال اور ہیبت سے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی، انبیاء ومرسلین بھی حیران و متفکر ہوں گے، سب سے پہلے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے انبیاء ومرسلین کو خطاب فرمائے جائے گا۔

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾

جس دن کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر ان سے فرمائے گا (بتاؤ) تم کو کیا جواب دیا گیا (تمہاری) امتوں کی طرف سے) عرض کریں گے اے پروردگار (ظاہر میں جو جواب دیا گیا وہ تو معلوم ہے لیکن) حقیقت کا ہمیں علم نہیں بے شک چھپی ہوئی باتوں کا تو ہی خوب جاننے والا ہے۔

علماء متکلمین نے لکھا ہے کہ یوم حشر، صرف اجساد و ابدان ہی کا حشر اور جمع نہیں ہے بلکہ اس روز تمام مخلوق کے ابدان و اجسام کے جمع کرنے کے ساتھ انسانوں کے تمام اعمال وافعال اور احوال بھی جمع کر لیے جائیں گے، اعمال صالحہ اور سیئہ ہر ایک اس کے سامنے موجود ہوں گے اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا اور جب انسان یہ دیکھے گا کہ اس کی ایک ایک بات اور ہر ہر حرکت سامنے آرہی ہے تو مایوسانہ جذبات اور حسرت وملال کے ساتھ کہے گا۔ ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾

ایمان بالآخرۃ اور حشر ونشر اور بعث جسمانی، دین کے بنیادی اصول میں سے ہے جس طرح کوئی شخص خداوند عالم اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر مومن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح قیامت اور روز قیامت پر ایمان لائے بغیر شریعت کے نزدیک وہ شخص مومن کہلانے کا کسی طرح بھی مستحق نہیں۔

کفار مکہ اور مشرکین قریش خاص طور پر دو چیزوں کا بڑی شدت سے انکار کرتے تھے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی رسالت اور دوسرے قیامت کا، وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں

گے اور قیامت قائم ہوگی ہر چند دلائل و بینات کے مشاہدہ کے بعد بھی یہی کہتے کہ۔

﴿اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ﴾ (سورۃ انعام)

اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے، (اسی میں ہماری حیات وموت ہے) اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

بلکہ کفار مکہ تو بعث بعد الموت کے بیان پر استہزاء اور تمسخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

﴿هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلٰى رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۚ اَفۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ (سورۃ سبا)

کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ نہ بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ تم جب کہ ریزہ ریزہ کردیئے جاؤ گے (مرنے کے بعد) تو پھر تم کو یقیناً ایک نئی پیدائش کے ساتھ اٹھایا جائیگا، کیا یہ بات اللہ پر جھوٹ بہتان نہیں ہے یا یہ کہ اس شخص کو کچھ سودا (جنون) ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار دہرایا اور فرمایا ﴿قُلِ اللّٰهُ یُحۡیِیۡكُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُكُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ﴾ الخ (کہ خدا ہی تم کو حیات وزندگی عطا کرتا ہے پھر وہی تم کو مارتا ہے اور پھر وہی تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں) مسئلہ بعث بعد الموت میں تردد کرنے والوں کو قرآن کریم نے ایک نہایت سادہ معقول اور فطری انداز میں سمجھایا۔

﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ (سورۃ احقاف)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا تو کیا وہ اس پر قادر نہ ہوگا کہ مردوں کو زندہ کردے؟ بے شک وہ خداوند عالم ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی جب ایک چیز کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود اور ظہور میں لانے پر قادر ہے اور کائنات کو عدم محض سے پیکر وجود اس نے عطا کیا تو اس کے اعادہ اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے میں تردد پیدا کرنا خلاف عقل ہے، حالانکہ کسی شے کے ایجاد سے اس کا اعادہ سہل اور آسان ہوتا ہے تو ایسے لوگ عقل وشعور سے کس قدر بعید ہیں کہ خالق کائنات کے لئے مخلوق کو دوبارہ قیامت میں اٹھانے کا انکار کرتے ہیں کفار مکہ کا یہ سوال قرآن کریم نے نقل کر کے یہی استدلالی جواب ارشاد فرمایا۔

﴿قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ ۞ قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمٌ﴾ (سورۃ یس)

(کافروں نے) کہا کون ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی (اے پیغمبر ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ وہی خدا انکو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے

انکو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

انسان کو اس کی تخلیق اور اطوار تخلیق کے نمونے ذکر کرتے ہوئے اوہام وشکوک کی ظلمتوں سے نکال دینے کے لئے اس مسئلہ کو ایسے دلنشین انداز میں دلائل کے ساتھ بیان فرمایا کہ اس کو سن کر کوئی بھی صحیح العقل انسان ادنیٰ تردد اور شبہ کی گنجائش نہیں پائے گا۔ فرمایا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَـيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُـحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (سورة الحج)

اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو تو (تم اس پر کیوں نہیں غور کرتے کہ) بے شک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد ہم نے (ان کی نسل کو) نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے (بوٹی) سے جو نقشہ بنی ہوئی ہے اور بدوں نقشہ بنی ہوئی ہے تاکہ ہم اپنی قدرت کھول کر دکھلا دیں تم کو اور پھر ٹھیرائے رکھتے ہیں، ہم تم کو پیٹ میں جب تک بھی ہم چاہیں مدت معینہ تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو ایک بچہ ہونے کی صورت میں، پھر یہ کہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کی قوت اور زور تک، اور تم میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو قبض کر لیا جاتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو ارذل عمر یعنی عمر کے آخری حصہ تک لوٹایا جاتا ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ سمجھنے اور جاننے کے بعد بھی کسی چیز کو نہیں سمجھتا (قویٰ بیکار ہو جانے سے) اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ خراب اور خشک پڑی ہے، پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو تروتازہ ہوگئی اور ابھری اور اگانے لگی قسم قسم کے رونق کی چیزیں (پھل اور پھول) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی قادر مطلق اور ذات برحق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے اور قیامت بے شک آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور یقیناً وہ پروردگار دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا ان مردوں کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ دھوکہ لگ رہا ہے کہ انسان کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ اس کو زندگی کس طرح دی جائے گی تو انسان کو چاہیے کہ خود اپنی پیدائش، پیدائش اطوار پر اور بنجر زمین پر بارشوں کے برسنے کے بعد طرح طرح

کے سبزے اور شادابیوں کے اگنے کے مناظر دیکھ کر یقین کرلے کہ بس ایسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی دوبارہ حیات وزندگی عطا فرمائے گا جب زمین میں ہر تخم اور بیج ڈالے جانے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے اجزاء میں اس طرح خلط ملط اور حتی کہ ذرہ خاک بن کر بھی پھر وہی تخم ایک درخت کی صورت میں زمین پر نمودار ہو رہا ہے تو اسی طرح اگر انسان کی ہڈیاں اس کا گوشت پوست بھی خواہ زمین میں مل کر خاک ہو چکا ہو یا ہواؤں میں اس کے ذرات اڑ رہے ہوں یا پانی میں بہہ رہے ہیں تو ان سب اجزاء کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی دیدے تو کیا عجب ہے زمین پر اگنے والا ہر درخت اور گھانس کا تنکہ بعث بعد الموت کا ایک کامل ترین نمونہ ہے۔

اس سائنسی دور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتی ہیں، تو یہ بات مادہ پرست انسان تسلیم کرنے سے کیوں تردد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام اور ان کے پراگندہ اجزاء حتی کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت و پوست کو بھی جمع کر کے دوبارہ مبعوث فرما دے گا۔

مسئلہ بعث بعد الموت سے متعلقہ یہ مضامین اگرچہ گزشتہ حصہ تفسیر میں متعدد مواقع میں گزر چکے لیکن مزید تحقیق کے طور پر ان مضامین کا پھر یہاں ایک مرتبہ اعادہ کر دیا گیا، بہر کیف یہ اعادہ افادہ سے خالی نہیں۔

عالم جسمانی کی حقیقت اور اسکی موت وحیات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "تقریر دلپذیر" میں عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی حیات وممات پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں۔

عالم جسمانی بھی انسان کی طرح مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور جس طرح انسان کی ہیئت ترکیبی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس کی حیات مستعار محض ہے اور چند روزہ ہے اور اس کے بعد موت ہے اسی طرح اس عالم پر بھی ایک وقت موت کا آنے والا ہے اور جیسے انسان پر مختلف دور گزرتے ہیں، طفولیت وشباب اور پیری اور پھر موت اسی طرح عالم کے لیے بھی طفولیت وشباب اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس کے بعد اس کو فنا ہے اور یہ قیام قیامت کا وقت ہے اس وقت مجموعہ عالم کا قبض روح ہوگا اور اس کی حیات ختم ہو جائے گی آسمان وزمین پھٹ جائیں گے اور عالم کا تمام شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے انسان ایسے متضاد اجزاء یعنی عناصر اربع آب وخاک وآتش وہوا سے مرکب ہے کہ باہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں، ہر ایک کا مزاج دوسرے کے مخالف ہے ایسے ہی یہ سارا عالم بھی اشیاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر سے مرکب ہوا ہے انسان کے اجزاء اس قدر مختلف المزاج اور مختلف التاثیر نہیں، جتنا کہ عالم کے اجزاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر ہیں اور جب ہر چیز کا مزاج اور اس کی تاثیر علیحدہ ہے تو لامحالہ ایک دوسرے کا دشمن ذاتی اور مخالف اصلی ہوگا اور جب کبھی کسی جز کا ذرا بھی غلبہ ہوگا تو مزاج عالم میں ضرور فساد آئے گا اور جو اعتدال اس سے قبل تھا وہ باقی نہ رہے گا اور یہ حالت عالم کے لیے بمنزلہ مرض کے ہوگی جیسے انسان میں جب کوئی مرض آتا ہے تو وہ کسی خاص جز کے غلبہ ہی کی وجہ سے آتا ہے مثلاً جب آگ کا غلبہ ہوتا ہے تو بخار آتا ہے جب پانی کا غلبہ ہوتا ہے تو زکام اور فالج اور وجع المفاصل جیسے امراض ظاہر

ہوتے ہیں اور جب خاک کا غلبہ ہوتا ہے تو یبوست (خشکی) کی وجہ سے خارش پیدا ہوتی ہے اور ہوا کی زیادتی سے ورم اور ریاحی درد پیدا ہوتے ہیں۔

آدمی کا بدن فقط چار اجزاء سے مرکب ہے جب ان چار ہی کے غالب ومغلوب ہونے سے ہزاروں امراض پیدا ہوتے ہیں تو عالم جو کہ بے اجزاء سے مرکب ہے ان کے غالب ومغلوب ہونے سے تو لاکھوں امراض پیدا ہونے چاہئیں۔

آسمان اس عالم کا سر ہے اور آگ سینہ ہے اور ہوا پیٹ ہے اور زمین اس کے پاؤں ہیں اور پانی بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور شمس وقمر بمنزلہ آنکھ کے ہیں اور پہاڑ بمنزلہ ہڈیوں کے اور اشجار بمنزلہ بال اور روئیں کے ہیں۔

غرض جیسے ایک انسانی جسم پر موت وفنا کا طاری نظام قدرت ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے نظام کائنات میں بھی یہ مقدر فرمایا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ تمام عالم دنیا بھی دنیا بھی انسانی جسم کی طرح امراض، آفات ومصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہوتے زوال وفنا کا راستہ اختیار کرلے گا اور اسرافیل علیہ السلام کا نفخ صور عالم دنیا کے اس طویل وعریض اور وسیع جسد عنصری کو درہم برہم کر ڈالے گا۔ [1]

مسئلہ بعث اور معاد ابدان

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے "کتاب الروح" میں فرمایا، مسئلہ بعث اور معاد ابدان ایک ایسا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس پر تمام مذاہب وادیان سماویہ پر ایمان رکھنے والوں کا اتفاق ہے خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔

جلال الدین الدوانی رحمہ اللہ نے یہی مسئلہ بعث کے ثبوت پر دلائل ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر تمام اہل ملل (یعنی سماویہ) کا اجماع ہے اور قرآن کریم کی ایسی واضح اور صریح نصوص سے مثلاً آیت ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ثابت ہے کہ کسی بھی فلسفی کو تاویل کی گنجائش نہیں۔ [2]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت تخریج کی کہ عاص بن وائل (جو مشرکین میں سے ایک بہت بڑا سرغنہ تھا) ایک سوکھی ہوئی ہڈی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس کو چورا چورا کر کے کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ اس کو بھی زندہ کرے گا بعد اس کے کہ یہ ریزہ ریزہ ہو چکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، اللہ رب العزت اس کو زندہ کرے گا اور اس کے بعد تجھ کو عذاب دے گا اس واقعہ پر قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ (سورۃ یٰس)

کیا نہیں دیکھا انسان نے اس بات کو بے شک ہم ہی نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر نا گہاں وہ کھلم کھلا خصومت کرنے والا ہو گیا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا حق یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ حشر جسمانی کا انکار جمع ہونا ممکن ہی نہیں ان ہی دلائل ونصوص کے پیش نظر جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے، اور علی ہذا القیاس قدم عالم کا قول جس کے قائل فلاسفہ ہیں حشر جسمانی کے ساتھ

---

[1] تقریر دلپذیر بحوالہ علم الکلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ مقالہ عجیب حقائق ومعارف کا خزانہ ہے اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔

[2] شرح عقیدۃ السفارینی: ۲/۱۵۱۔

جمع نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف اصول شریعت اور بیان کردہ دلائل سے یہ ظاہر ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام بندوں کو مع ان کے ابدان اور اجزاء اصلیہ کے زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو محشر کی جانب لے جایا جائے گا تا کہ انکے اعمال کی جزاء وسزا کا فیصلہ ہو اس طرح سے آخرت اور حشر جسمانی پر ایمان لانا کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت وسلف سے ثابت ہے جس کے استحالہ پر عقلی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔ اول تو اجزاء بدنیہ معدوم نہیں ہوتے بلکہ ان کا استحالہ اور تغیر ہو جاتا ہے دوسری صورتوں میں جس طرح کہ لکڑی جلنے کے باوجود معدوم نہیں بلکہ وہ راکھ اور کوئلہ کے شکل کی طرف مستحیل ہوتی ہے لیکن بالفرض معدوم بھی قرار دے لیا جائے تب بھی کوئی عقلی دلیل محال ہونے پر قائم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ جب دلائل ظاہرہ اور حجج قاہرہ سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ایجاد و معدوم پر قادر ہے اور یہ ساری کائنات اس کا ثبوت ہے تو اعادہ معدوم پر وہ کیونکر قادر نہ ہوگا یہی وہ حقیقت ہے جس کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا۔

﴿كَمَا بَدَأْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ﴾ (سورۃ الانبیاء)

جس طرح ہم نے مخلوق کو اول مرتبہ ایجاد کیا اسی طرح ہم اس کا اعادہ بھی کریں گے۔

علامہ سفارینی رحمہ اللہ بعث جسمانی کے مسئلہ پر بحث کے دوران عکرمہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں فرمایا، جو لوگ سمندر میں غرق ہو جائیں اور ان کے گوشت پوست سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں اور ان کی ہڈیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے پھر ان ہڈیوں کو سمندر کی موجیں ساحل پر ڈال دیں اور پھر اسی طرح کچھ عرصہ پڑی رہیں یہاں تک کہ بوسیدہ ہو جائیں، اور پھر اس جگہ پر اونٹوں کا گزر ہو وہ اس کو کھالیں اور مینگنی کر دیں، پھر کچھ عرصہ بعد کوئی قافلہ اس جگہ آکر ٹھہرے اور ان مینگنیوں کو قافلہ کھانا پکانے کے لیے جلا لے تا آنکہ یہ آگ بجھ کر راکھ ہو جائے اور اس راکھ کو ہوائیں اڑا کر دور دراز میدانوں تک منتشر کر دیں تو بھی نفخ صور ہوتے ہی یہ سب مردے جن کی ہڈیوں کی راکھ اس طرح منتشر و پراگندہ ہو چکی ہے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں اور قبروں سے ان مردوں کے اٹھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا جن کے ابدان قبور میں ابھی صحیح وسالم ہیں۔

شیخ مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خداوند عالم انسانوں کے ان تمام اجسام کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا جن کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں، زمین کی تہوں اور سمندر کی موجوں اور بحری جانوروں کے مونہوں میں ہیں ہر ایک ٹکڑے کو اللہ اپنی قدرت سے سمیٹ کر یکجا کر دے گا اور ان کو زندہ کر کے اٹھائے گا یہی وہ حقیقت ہے جو ایک حدیث کے مضمون سے واضح اور ثابت ہوتی ہے۔

عن ابی هیریرة رضی الله عنه قال قال الله رسول الله قال رجل لم يعمل خيرا قط لا هله وفی رواية رجل اسرف على نفسه فلما حضره الموت اوصى لبنيه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصفه فی البر ونصفه فی البحر فوالله لئن قدر الله عليه ليعذبنه عذابا لا يعذبه احدا من العلمين۔ فلما مات فعلوا ما امرهم فامر الله البحر فجمع مافيه وامر البر فجمع ما فيه ثم قال له لم فعلت هذا، قال من

خشيتك يارب وانت اعلم فغفرله۔ (صحيح بخاری، مسلم بحواله مشكوة المصابيح)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص نے جب نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا، اپنے گھر والوں کو بطور وصیت یہ کہا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایسے شخص نے کہ اس نے اپنے اوپر بہت ہی تعدی (زیادتی) کی تھی تو جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو پہلے اس کو جلا دینا پھر اس کی راکھ نصف تو ہوا میں اڑا دینا اور نصف سمندر میں بہا دینا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر خدا تعالیٰ مجھ پر قادر ہوگیا تو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا، الغرض جب وہ شخص مرگیا تو اس کے حکم کے مطابق گھر والوں نے معاملہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے جو اجزاء ہیں وہ جمع کرلے، چنانچہ اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کرلیا پھر سمندر کو حکم دیا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ جمع کرلے اس نے بھی راکھ کے وہ تمام اجزاء جمع کرلیے جو سمندر میں بہہ رہے تھے اس طرح اللہ رب العزت نے اس کو زندہ کرکے اٹھایا اور فرمایا اے بندے! یہ تو نے کس لیے کیا، عرض کیا! اے میرے پروردگار تیرے خوف سے تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کی اس خشیت اور عذاب خداوندی کے ہیبت پر مغفرت فرمادی۔

معاد جسمانی اور حشر ابدان پر عقلی شواہد

علامۃ الدہر شیخ حسین آفندی رحمہ اللہ مسئلہ بعث ومعاد اور حشر جسمانی پر محققانہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسئلہ بعث اور آخرت مقتضائے عقل کے عین مطابق اور سراپا حکمت اور مصلحت ہے کیونکہ آخرت کا خوف اور جزاء وسزا کی فکر ہی انسانی زندگی اور عالم کو برے اعمال وافعال ظلم وتشدد وخیانت مکروفریب فواحش ومنکرات سے بچانے والی چیز ہے، اگر انسانی اذہان اس فکر وخوف سے خالی ہوجائیں تو پھر نہ قتل وخونریزی میں کسی کو کوئی تامل ہوگا نہ اعمال واخلاق اور معاشرت کے مفاسد وتباہیوں کی کسی کو پرواہ ہوگی، حتی کہ کوئی بڑی سی طاقت ور حکومت اور زائد سے زائد باوقار بادشاہ بھی ہو تو تب بھی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد صرف اسی حد تک اپنے جرائم سے رک سکتے ہیں جہاں تک ان پر حکومت کے نگران حکام قائم اور مسلط ہیں ایسے افراد جس کسی بھی مرحلہ پر گرفت اور نگرانی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی دیکھیں گے، فوراً اسی ظلم وستم قتل وغارت گری اور مجرمانہ روش کو اختیار کرلیں گے، رات کی تاریکیوں خلوتوں اور ایسے بیابانوں میں جہاں اس پر کسی انسان کی نگاہ نہ پڑسکتی ہو، بے راہروی سے باز رکھنے والی طاقت صرف خوف خداوندی اور یوم الحساب (آخرت) کا اندیشہ ہی ہے، علی ہذا القیاس محاسن افعال اور بھلائیوں کا حصول بھی اسی پر موقوف ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نظام عالم کی تکمیل اور درستگی بعث ومعاد پر ایمان اور دار آخرت کے شوق وخوف کے بغیر ممکن نہیں، پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر مسئلہ معاد تسلیم نہ کیا جائے تو انسان بجائے اشرف المخلوقات ہونیکے حیوانات سے بھی زائد خسیس اور کم درجہ ہوجائے گا کیونکہ حیوانات عقل وادراک کی صلاحیتوں سے

محروم ہیں، وہ ہر قسم کے فکر وغم سے آزاد ہیں برخلاف انسان کے کہ وہ طرح طرح کے افکار اور پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے کبھی ماضی کے احوال پر نظر کر کے وہ غم اور ملال میں مبتلا ہے، تو کسی وقت مستقبل کے فکر اور اندیشہ سے اس کی جان گھلی جا رہی ہے۔

رہا جسمانی لذتوں اور راحتوں کا سوال؟ سو اس میں حیوان وانسان کوئی امتیاز نہیں رکھتا، جس طرح ایک انسان لذیذ غذاؤں اور قسم قسم کے پھلوں کو لذت ورغبت سے کھاتا ہے، حیوانات اسی لذت ورغبت سے گھاس اور چارہ کھاتے ہیں جیسے حضرت انسان اپنے عالیشان مکانوں میں آرام وراحت حاصل کرتا ہے، جانور چرند پرند اپنے اپنے اصطبل گھونسلوں، آشیانوں اور بلوں میں آرام حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ نجاست کا کیڑا نجاست کو اسی لذت سے کھاتا ہے جیسے نوع بشر میں لذیذ غذائیں استعمال کی جاتی ہوں تو اگر آخرت کے مسئلہ سے صرف نظر کر لی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ انسان بہت ہی خسارہ اور نقصان میں پڑنے والی مخلوق ہے کہ جسمانی لذتوں اور راحتوں میں تو یہ عام حیوانات ہی کے برابر رہا اس کے بعد امتیاز وخصوصیت کا یہ طغرا ملا کہ طرح طرح کے افکار وآلام اور ہموم وغموم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے جس میں حاکم ومحکوم امیر وغریب بوڑھا اور جوان، مرد وعورت غرض سب برابر کے شریک ہیں گویا اس کے عقلی وفکری کمالات نے بجائے کسی عظمت وبرتری کے اور مصیبت وذلت میں ڈال دیا تو انسان کے اس عقلی کمال اور ادراکی صلاحیتوں کے ساتھ اگر مسئلہ معاد ہی نہ ہو اور نہ اخروی سعادت کا حصول ہو تو وہ تمام عملی اور اخلاقی کمالات، زہد وتقویٰ، صبر وقناعت، خدمت خلق، ایثار وہمدردی جیسی تمام خوبیوں سے محروم رہے گا، مسئلہ عقاب وثواب کے بغیر انسانی زندگی کسی طرح بھی حیوانی زندگی سے کوئی برتری اور امتیاز حاصل نہیں کر سکتی بلکہ ان محیر العقول انسانی کمالات کے باوجود انسان اپنی زندگی کو اگر صرف اسی حد تک محدود کر دے جن حدود میں حیوانات محدود ہیں تو بلاشبہ یہ چیز اس کو زیادہ سے زیادہ خسیس وذلیل بنا دینے والی ہوگی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے منکرین آخرت کو انعام (چوپایوں) کے درجہ میں بلکہ ان سے بھی زائد حقارت وپستی کے مقام میں شمار کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا﴾

کچھ نہیں ہیں یہ کافر مگر چوپاؤں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں راہ سے۔

کیونکہ چوپائے بہرحال اپنے پرورش کرنیوالے مالک کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اس کو محسن سمجھتے ہیں، کسی نہ کسی درجہ میں نفع وضرر کو جانتے ہیں اگر ان کو کھلا چھوڑ دو تو چراگاہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں جہاں انکو غذا اور پانی مل جاتا ہے، لیکن یہ منکرین آخرت اور کافر نہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں نہ اپنے محسن کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے نفع ونقصان کی تمیز کرتے ہیں اور جس عقل وفہم سے یہ خدا کو پہچان کر بیشمار دینی اور دنیوی کمالات اور سعادتیں حاصل کرتے اس کو معطل رکھ کر اپنے واسطے ابدی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کیا بھلا بتایا جائے کہ اس سے زیادہ اور کون سا بدعملی کا مقام ہو سکتا ہے۔ [1]

اثبات قیامت اور حشر ونشر سے تمام قرآن کریم از اول تا آخر بھرا ہوا ہے، یہ مضامین مندرجہ ذیل ایک سو ایک

[1] مسئلہ معاد اور بعث بعد الموت کی تفاصیل کے لیے اہل علم کتب علم الکلام کی مراجعت فرمائیں، شرح عقیدۃ السفارینی میں علامہ رحمہ اللہ نے تفصیل سے کلام فرمایا ہے اور الرسالۃ الحمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ میں علامہ جسر طرابلسی رحمہ اللہ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز سے تفصیل بیان کی ہے، کتاب علم الکلام تالیف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی اردو زبان میں مسائل کلامیہ کا ایک بلند پایہ مجموعہ ہے۔

سورتوں میں مذکور ہیں۔

البقرہ، ال عمران، المائدہ، انعام، الاعراف، یونس، ھود، ابراھیم، الحجر، النحل، بنی اسرآئیل، الکھف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء، الحج، المومنون، النور، الفرقان، النمل، القصص، الروم، لقمان، السجدۃ، الاحزاب، السبا، یٰسٓ، والصافات، الزمر، المومن، حم السجدۃ، الشوری، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف، ق، الذاریات، الطور، النجم، القمر، الرحمن، الواقعۃ، المجادلۃ، الممتحنۃ، التغابن، التحریم، الملک، القلم، الحاقۃ، المعارج، المزمل، المدثر، القیمۃ، المرسلت، النبا، النزعت، عبس، التکویر، الانفطار، الانشقاق، القارق، الغاشیۃ، الفجر، التین، العدیات، القاریۃ وغیرہ۔

مضامین قیامت اور حشر ونشر پر مشتمل سورتوں کی تعداد ۶۸۔

مضامین قیامت اور حشر ونشر پر مشتمل آیات کی تعداد ۱۶۹۔

اور یہ تعداد ان آیات کی ہے جن میں یہ مضامین قصداً اہمیت وتفصیل اور دلائل کے ساتھ ذکر کئے گئے ان کے علاوہ جن میں ان مضامین کا تبعاً واشارۃً یا ضمناً ذکر آیا وہ آیات بھی سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

سورۃ عبس

اس سورت میں خاص طور پر عقیدۂ رسالت کا اثبات اور لوازم رسالت کا بیان ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت بھی ذکر فرمائے جارہے ہیں۔ اور ان دلائل کی روشنی میں قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنا ہے جس کے ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ قیامت کی ہول اور دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان دوسرے سے بیگانہ ہوگا، اور اس کو صرف اپنی ہی فکر و پریشانی ہوگی، ان مضامین میں خاص طور پر اس امر کو بھی بیان فرمایا گیا کہ اہل ایمان (خواہ وہ دنیا کی نظروں میں) کتنے ہی کم درجہ اور ضعیف ہوں لیکن ان کی دلجوئی اور مدارت ایمان کا تقاضا ہے ان کو دنیا پر فوقیت اور برتری دینی چاہئے، بلکہ اہل دنیا اور متکبر مالداروں سے اعراض اور بے رخی اختیار کرنی چاہئے۔

۸۰ سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ ۲٤ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتها ٤۲ رکوعها ۱

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ

ف۱ تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا ف۲ اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا تو کام آتا اس کے

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا، اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے؟ شاید کہ وہ سنورتا۔ یا سوچتا تو کام آتا اس کے

ف۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سرداران قریش کو مذہب اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے، اتنے میں ایک نابینا مسلمان (جن کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) حاضر خدمت ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرنے لگے کہ فلاں آیت کیونکر ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس میں سے کچھ سکھائیے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا بے وقت کا پوچھنا گراں گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا ہوگا کہ میں ایک بڑے مہم کام میں مشغول ہوں۔ قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بہرحال مسلمان ہے اس کو سمجھنے =

الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ

سمجھانا ف۱ وہ جو پروا نہیں کرتا سو تو اس کی فکر میں ہے اور تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا ف۲ اور وہ جو آیا

سمجھانا۔ وہ جو پروا نہیں کرتا، سو تو اس کی فکر میں ہے، اور تجھ پر گناہ نہیں کہ وہ نہیں سنورتا۔ اور وہ جو آیا

جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ

تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے ف۳ سو تو اس سے تغافل کرتا ہے ف۴ یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے

تیرے پاس دوڑتا، اور وہ ڈرتا ہے۔ سو تو اس سے تغافل کرتا ہے۔ یوں نہیں! یہ تو سمجھوتی ہے۔ پھر جو کوئی چاہے

ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۝۱۶ قُتِلَ

اس کو پڑھے ف۵ لکھا ہے عزت کے ورقوں میں اونچے رکھے ہوئے نہایت ستھرے ف۶ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں ف۷ مارا

اس کو پڑھے، لکھی ہے ادب کے ورقوں میں، اونچے دھرے ستھرے ہاتھوں میں لکھنے والوں کے، جو سردار ہیں نیک۔ مارا جائیو

= اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزار مواقع حاصل ہیں، اس کو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس ایسے بااثر اور بارسوخ لوگ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہوجائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آسکتے ہیں، میں ان کو سمجھا رہا ہوں، یہ اپنی کہتا چلا جاتا ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشہ التفات اس کی طرف کروں گا تو ان لوگوں پر کس قدر شاق ہوگا۔ شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم منقبض ہوئے اور انقباض کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت تعظیم و تکریم سے پیش آتے اور فرماتے "مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی"۔

ف۲ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اندھے کے آنے پر چیں بجبیں ہو کر منہ پھیر لیا۔ حالانکہ اس کو اندھے کی معذوری، شکستہ حالی اور طلب صادق کا لحاظ زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا (اسی لئے بصیغہ غائب ذکر کیا) آگے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے۔" اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکریم و استحیاء متکلم کا، اور غایت کرامت مخاطب کی ہے کہ عتاب کے وقت بھی رو در رو اس امر کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لئے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو۔ یہ وہ مضمون پہلے مضمون سے ہلکا ہے واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی وہ اندھا طالب صادق تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مزکی ہو جاتا۔ یا تمہاری کوئی بات کان میں پڑتی، اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آ جاتی۔

ف۲ یعنی جو لوگ اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ و رسول کے سامنے جھکیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں تا کہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا، وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں۔ آگے ان لاپروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔ یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب کی توجہ امیروں اور تونگروں کی طرف زیادہ ہے۔ شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو ضرر دعوت اسلام کے کام کو پہنچ سکتا ہے، وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی ان چند متکبرین کے مسلمان ہونے سے توقع کی جا سکتی ہے۔

ف۳ یعنی اللہ سے ڈرتا ہے یا ڈر لگا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات میسر ہو یا نہ ہو۔ پھر اندھا ہے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی چیز سے ٹکرا جائے یا یہ سمجھ کر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہا ہے دشمن ستانے لگیں۔

ف۴ حالانکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ ہدایت سے منتفع ہوں گے۔ اور اسلام کے کام آئیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہی نابینا بزرگ زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

ف۵ یعنی متکبر اغنیاء اگر قرآن کو نہ پڑھیں اور اس نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کریں گے۔ قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس =

الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ

جائیو آدمی کیسا ناشکرا ہے ف۱ کس چیز سے بنایا اس کو ایک بوند سے ف۲ بنایا اس کو پھر اندازہ پر رکھا اس کو ف۳ پھر

آدمی کیسا ناشکرا ہے؟ کس چیز سے بنایا اس کو؟ ایک بوند سے۔ بنایا، پھر اندازہ رکھا اس کا، پھر

السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ

راہ آسان کردی اس کو ف۴ پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اس کو ف۵ پھر جب چاہا اٹھا نکالا اس کو ف۶ ہرگز نہیں پورا نہ کیا جو

راہ آسان کردی اس کو۔ پھر اس کو مردہ کیا، پھر قبر میں رکھوایا۔ پھر جب چاہا اس کو اٹھا نکالا۔ کوئی نہیں! پورا نہ کیا جو

اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا

اس کو فرمایا ف۷ اب دیکھ لے آدمی اپنے کھانے کو ف۸ کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا پھر چیرا

اس کو فرمایا، اب نگاہ کرے آدمی اپنے کھانے کو، کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے، پھر چیرا

الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ

زمین کو پھاڑ کر ف۹ پھر اگایا اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھن کے باغ

زمین کو پھاڑ کر، پھر اگایا اس میں اناج، اور انگور اور ترکاری، اور زیتون اور کھجوریں، اور باغ

= درجہ ان کے در پے ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک عام نصیحت تھی سو کردی گئی جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے۔

ف۶ یعنی کیا ان مغرور سرپھروں کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام اور تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔

ف۷ یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے۔ اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔

ف۱ یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔

ف۲ یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ پیدا کس چیز سے ہوا ہے۔ ایک ناچیز اور بے قدر قطرہ آب سے جس میں حس و شعور، حسن و جمال اور عقل و ادراک کچھ نہ تھا۔ سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ جس کی حقیقت کل اتنی ہو کیا اسے یہ طمطراق زیبا ہے کہ خالق و منعم حقیقی ایسی عظیم الشان نصیحت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پروا نہ کرے۔ او احسان فراموش! کچھ تو شرمایا ہوتا۔

ف۳ یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء و قوی ایک خاص اسلوب اور اندازے سے رکھے۔ کوئی چیز یوں ہی بے تکی اور بے ڈھنگی خلاف حکمت نہیں رکھ دی۔

ف۴ یعنی ایمان و کفر اور بھلے برے کی سمجھ دی یا ماں کے پیٹ میں سے نکالا آسانی سے۔

ف۵ یعنی مرنے کے بعد اس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کردی۔ تاکہ زندوں کے سامنے یوں ہی بے حرمت نہ ہو۔

ف۶ یعنی جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا۔ اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کرلی۔ (العیاذ باللہ) بہرحال پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا، یہ امور جس کے قبضہ میں ہوئے کیا اس کی نصیحت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقار کسی آدمی کے لئے زیبا ہے۔

ف۷ یعنی انسان نے ہرگز اپنے مالک کا حق نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا۔

(تنبیہ) ابن کثیر نے "کلا لما یقض ما امرہ" کو "ثم اذا شاء انشرہ" سے متعلق رکھا ہے یعنی جب چاہے گا زندہ کر کے اٹھائے گا۔ ابھی ایسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو حکم کونی و قدری ہے وہ ابھی تک اس نے ختم نہیں کیا۔ .... =

غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ

اور میوہ اور گھاس کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے ف۱ پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی ف۲ جس دن

گھن کے، اور میوہ، اور دوب کام چلانے کو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا۔ پھر جب آئے وہ غل جس دن

يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے ہر مرد کو ان میں سے اس دن

بھاگے مرد اپنے بھائی سے، اور اپنے ماں باپ سے، اور اپنی ساتھ والی سے، اور بیٹوں سے۔ ہر مرد کو ان میں سے اس دن

يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوهٌ

ایک فکر لگا ہوا ہے جو اس کے لیے کافی ہے ف۳ کتنے منہ اس دن روشن ہیں ہنستے خوشیاں کرتے ف۴ اور کتنے منہ

ایک فکر لگا ہے، جو اس کو بس ہے۔ کتنے منہ اس دن روشن ہیں، ہنستے خوشیاں کرتے۔ اور کتنے منہ،

يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

اس دن ان پر گرد پڑی ہے چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی ف۵ یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ ف۶

اس دن ان پر گرد پڑی ہے، چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی، وہ لوگ وہی ہیں، جو منکر ہیں، ڈھیٹھ۔

ترغیب ملاطفت باضعفاء مومنین استغناء وبے نیازی از اہل دنیا ومتکبرین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ... الی ... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾

ربط:......گزشتہ سورت میں قیامت اور احوال قیامت کا ذکر تھا، اور بعث بعد الموت کا مضمون بیان کرتے ہوئے آخر سورت میں نجات وکامیابی کا یہ معیار بیان کیا گیا کہ وہ خشیت وتقویٰ، فکر آخرت اور نفس کو خواہشات سے روکنا ہے یہی انسان کی عزت وعظمت ہے اس کے برعکس غرور وتکبر اور سرکشی خدا کی نظر میں نہایت ہی بدترین اور ذلیل خصلت ہے تو اس سورت میں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ملاطفت اور دلجوئی کا برتاؤ کرنا چاہئے اور ان کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت سے

= ف۸ پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اس کی زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلاتے ہیں۔

ف۸ یعنی ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔ یہ قدرت کا ہاتھ ہے جو زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، پھل اور سبزے، ترکاریاں وغیرہ باہر نکالتا ہے۔

ف۱ یعنی بعض چیزیں تمہارے کام آتی ہیں اور بعض تمہارے جانوروں کے۔

ف۲ یعنی ایسی سخت آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں۔ اس سے مراد نفخہ صور کی آواز ہے۔

ف۳ یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی احباب واقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔

ف۴ یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں وفرحاں ہوں گے۔

ف۵ یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی اور اوپر سے فسق وفجور کی ظلمت اور زیادہ تیرہ وتاریک کردے گی۔

ف۶ یعنی کافر بے حیا کو کتنا ہی سمجھاؤ ڈراؤ بھیجیں۔ نہ خدا سے ڈریں، نہ مخلوق سے شرمائیں۔

دنیادار اور مغرور و سرکش انسانوں کو ترجیح نہ دینی چاہئے، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آنحضرت ﷺ بعض سردارن قریش کو کچھ سمجھا رہے تھے، اور آپ ﷺ کو یہ امید اور طمع تھی کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کے قبیلے اور ان کے ماتحت لوگ بھی اسلام لے آئیں گے، اسی دوران عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی جو قدیم الاسلام تھے آ گئے اور آنحضرت ﷺ سے کچھ دریافت کرنے لگے اور آپ ﷺ چاہتے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کچھ ٹھہر جائیں، تاکہ میں وہ بات (جو قریش کے کسی سربرآوردہ سے فرما رہے تھے) وہ پوری کرلوں اور اس وجہ سے آپ ﷺ پر کچھ گرانی واقع ہوئی اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ نہ کی بلکہ گرانی کے آثار بھی چہرہ پر ظاہر ہوئے، آپ ﷺ نے یہ سوچا کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہیں ان کو بعد میں بھی بتایا جا سکتا ہے اور تعلیم کے مواقع ان کو بعد میں بہت مل سکتے ہیں اس لیے آپ ﷺ اسی شخص کی طرف متوجہ رہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى﴾ ارشاد فرمایا۔

تیوری چڑھالی ترش روئی اختیار کی اور منہ موڑا اس بات پر کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور اے ہمارے مخاطب تمہیں کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا۔ آپ ﷺ کی توجہ اور اس کے سوال کا جواب دینے سے یا وہ غور وفکر کرتا تو پھر اس کو کام آتا سمجھانا اور آپ ﷺ کی بات سے تزکیہ و پاکی اور اس طرح کے بہت سے فوائد حاصل ہو جاتے، جس سے آپ ﷺ نے اعراض کیا، اور بے رخی کرتے ہوئے اس پر کچھ گرانی محسوس کی۔ لیکن اس کے بالمقابل جس شخص نے بے نیازی اور لاپرواہی برتی بس آپ ﷺ اسی کی فکر میں لگے رہے۔ اس خیال سے کہ شاید یہ ہدایت قبول کرلے حالانکہ یہ شخص اپنے غرور و تکبر سے آپ ﷺ سے بے نیازی برت رہا ہے اور وہ نابینا طالب حق تھا، طلب صادق لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا تھا گو یہ طالب حق شکستہ حال تھا لیکن درحقیقت توجہ اور التفات کا یہی مستحق تھا اور اسی کو آپ ﷺ کی توجہ اور نصیحت کا فائدہ پہنچ سکتا تھا برخلاف اس مغرور و سرکش کے جو اس بات کا ارادہ ہی نہیں رکھتا کہ حق اور ہدایت قبول کرلے۔

رہا آپ ﷺ کا یہ جذبہ اور شوق کہ اگر یہ ہدایت قبول کرلے گا تو بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے تو یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہو ہی جائے اور آپ ﷺ پر تو اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ راہ راست پر کیوں نہیں آتا اور اپنی زندگی نہیں سنوارتا وہ تو غرور اور شیخی میں آپ ﷺ کی بات کی پرواہ تک بھی نہیں کرتا اور بہر حال وہ شخص جو آپ ﷺ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ انتہائی تڑپ اور طلب صادق کو لے کر اور حال یہ ہے کہ وہ ڈر رہا ہے کہ ملاقات میسر ہوتی ہے یا نہیں پھر وہ چونکہ نابینا ہے ڈر رہا ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر کہیں گر نہ پڑوں یا یہ کہ آپ ﷺ کی طرف جاتا دیکھ کر دشمن اس پر ٹوٹ نہ پڑیں تو جو ضعیف و معذور مومن صادق ان جذبات و کیفیات کے ساتھ آ رہا ہے بس آپ اس سے زیادہ بے رخی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہی شخص زیادہ التفات و توجہ اور عنایات و ملاطفت کا مستحق ہے، اس سے امید ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کی ہدایات سے منتفع ہو اور آئندہ اسی کے ذریعے اسلام کی ترقی اور عظمت [1] ہو۔ بہر حال آگاہ ہو جایئے بس یہ ایک نصیحت ہے جس کا دل

[1] چنانچہ یہی نابینا بزرگ جنگ قادسیہ میں زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لئے جہاد میں شریک ہوئے اور بالآخر اسی معرکہ میں شہادت پائی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

چاہے اس کو پڑھ لے یہ پیغام نصیحت بہت ہی عزت والے صحیفوں اور ورقوں میں لکھا ہوا ہے جو نہایت ہی بلند اور پاکیزہ ہیں ایسے قاصدوں اور فرشتوں کے ہاتھوں میں جو بہت ہی بلند رتبے والے نیکوکار ہیں۔

وحی الٰہی کے یہ صحیفے نہایت صاف ستھرے عزت و کرامت کے ساتھ اللہ کے فرشتے لوح محفوظ سے لے کر اترتے ہیں پھر ان علوم و ہدایات پر عمل کرنے والوں کے اعمال و افعال عزت و عظمت کے ساتھ آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچتے ہیں اور یہ اعمال و اوصاف اپنے عاملین کو عزت و عظمت کی بلندیوں پر بھی پہنچاتے ہیں جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾۔ غرض یہ تذکرہ لانے والے بھی بلند، خود وہ بھی بلند پایہ اور جو ان پر عمل پیرا ہوں وہ بھی بلند مرتبہ اعمال بھی بلند پایہ حتی کہ جن اوراق پر لکھا جائے وہ بھی قابل تعظیم و تکریم اور بلند جگہ پر اٹھا کر رکھنے کے مستحق ہیں، تو ایسی عظمت و عزت والی نصیحت اور ہدایت کو تو چاہئے کہ ہر انسان قبول کرے، مگر افسوس کہ مغرور و سرکش انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں ہوتا۔ ہلاک ہو یہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور و سرکشی کی کوئی حد نہیں، کیا یہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا کیا یہ نہیں سوچتا کہ کس چیز سے اس کو پیدا کیا ہے؟ اس کو اپنی حقیقت کو پہچاننے کیلئے جان لینا چاہئے، اس کے رب نے منی کے ایک قطرہ سے اس کو پیدا کیا ہے جو ایک ناپاک اور حقیر قطرہ تھا جس میں کوئی حسن شعور عقل و ادراک اور شکل و صورت حسن و جمال کچھ بھی نہ تھا مگر پھر اس پروردگار نے اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کی ساخت کو ایک خاص اسلوب اور بہترین انداز سے اس کو بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی اور اعلیٰ ترین قالب اس کو عطا کیا پھر رحم مادر میں اس کی جسمانی تصویر و تخلیق کے بعد آسان کر دیا اس کے واسطے راستہ۔ سہولت کے ساتھ پیدائش ہوگئی، اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی کہ ہر راہ آسان کردی، زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اسباب فراہم کردیئے تاکہ وہ بر و بحر پر حکمرانی کرسکے اور منافع کونیہ سے منتفع ہوسکے ہدایت و فلاح کے اصول بتادیئے، خیر کے کاموں کی تلقین کردی گئی اور ہر شے سے آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ زندگی کا ہر راستہ سہولت و آسان سے طے کرلے ● پھر اس پروردگار

= ان کلمات میں بارگاہ خداوندی سے اپنے پیغمبر پر محبت بھرے عتاب سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ایک شکستہ حال مومن صادق کی دلجوئی مقصود ہے اور اس انداز تعبیر سے اسلام کی تعلیم و تبلیغ کرنے والوں کو یہ سبق سکھانا ہے کہ وہ کسی وقت بھی محض اپنی ذہنی افکار و تمناؤں کے پیش نظر اہل ایمان اور ضعفاء مخلصین سے اعراض و بے رخی نہ کریں، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ روز آنحضرت ﷺ عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام اور عباس ؓ بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے، اور بڑی ہی توجہ سے ان کی جانب منہمک تھے اور آپ ﷺ کو حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کرلیں ناگہاں عبداللہ بن ام مکتوم ؓ بڑی ہی بیقراری کے ساتھ مجلس میں پہنچ گئے اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کرنے لگے، علمنی یا رسول اللہ مما علمك الله کہ یا رسول اللہ مجھے وہ سکھا دیجئے جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے آنحضرت ﷺ نے اعراض فرمایا یہ بار بار اسی بات کو دہراتے رہے تو آنحضرت ﷺ نے اسی جذبہ کے باعث ناگواری سے انکی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور ان ہی سرداران قریش کو سمجھاتے رہے، آنحضرت ﷺ جب اس مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وحی کے آثار شروع ہوئے آپ ﷺ اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد ابن ام مکتوم ؓ جب کبھی بھی آتے آپ ﷺ ان کا بہت اکرام فرماتے، اور ایک روایت میں ہے یہ فرماتے، یہ تو وہ ہے جس کے معاملہ میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

● ان کلمات سے ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾ کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہے اگرچہ بالعموم مفسرین اس کا مفہوم ولادت کی آسانی بیان فرماتے ہیں لیکن الفاظ کی دلالت دوسرے مفہوم کو بھی حاوی ہے۔ ۱۲ (واللہ اعلم)

نے اس کو موت دی جب کہ اس کے لیے مقدر کی ہوئی زندگی پوری ہوگئی جس کے بعد قبر میں اپنے احکام وہدایات کے مطابق اس کو دفنایا۔ تاکہ زندوں کے سامنے اس کی لاش کی بے حرمتی نہ ہو پھر جب چاہے گا اس کو اٹھا لے گا۔ غرض یہ سب کچھ اس کی قدرت سے ہے، قطرۂ منی سے لیکر مرنے کے بعد قبر سے اٹھنے تک کے تمام مرحلے صرف اللہ ہی کی قدرت سے ہیں اور ابتداء سے لے کر اس انتہاء تک کا ہر دور اور مرحلہ خداوند عالم کی قدرت کاملہ کا عظیم نمونہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس ذات کی قدرت عظیمہ سے تخلیق کے یہ عظیم مرحلے طے پا رہے ہیں اس کو قطعاً ذرہ برابر بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ قیامت میں دوبارہ اٹھا لے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان تمام دلائل وحقائق کے باوجود انسان اپنے رب کی فرماں برداری نہ کرے خبردار اس انسان نے پورا نہیں کیا وہ کام جس کا اسے حکم دیا۔ نہ اپنے مالک کا حق پہچانا اور نہ کوئی حکم بجا لایا۔

نظام قدرت وربوبیت کے کرشمے

اس صورت حال میں کہ انسان اپنے رب کی قدرت وعظمت کو پہچانتا ہے اور نہ ہی اس کے حکم کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہے بس اس آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ کس طرح وہ خداوند عالم اپنی قدرت سے رزق پیدا کرتا ہے اور کیسی عجیب اور کامل قدرت سے انسان کی روزی کے تمام اسباب مہیا کرتا ہے جو اس نوعیت سے دنیا کی نظروں کے سامنے ہے کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے زمین پر برستا ہوا۔ بادلوں سے بارش برسائی پھر ہم نے زمین کو شق کیا اس کو چیر کر کہ جو دانہ زمین کی تہہ میں دبا دیا گیا تھا زمین کی سطح کو چیر کر گھانس کے تنکے کی شکل میں اس کو ہم نکالتے ہیں ورنہ دنیا کی کیا طاقت تھی کہ اس باریک اور کمزور گھانس کو زمین کی تہہ میں سے نکال لاتی۔

پھر ہم نے اگائے اس میں دانے اور مختلف انواع کے غلے اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں جن سے مخلوق کی روزی ان کی راحت اور عیش وعشرت وابستہ ہے اور اسی بارش اور آسمان سے برسنے والے پانی سے ہم نے پیدا کئے۔ وہ باغ جو درختوں سے بھرے ہوئے ہیں اور قسم قسم کے پھل اور مختلف قسم کے گھانس جو سامان زندگی اور نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تمہارے واسطے اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ تو دیکھو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے یہ تمام سامان زندگی جس پر انسان کی حیات وبقاء ہے اور انسانوں کے کام آنے والے جانوروں کے واسطے پیدا کیا اس پر چاہئے تھا کہ انسان نظر کرتا، اور اس سے اپنے خالق کو اور اس کے انعامات کو پہچان کر اس کی اطاعت وفرماں برداری میں لگ جاتے مگر کسی قدر بدنصیبی ہے اس انسان کی جو ان تمام باتوں سے غافل رہ کر اپنی زندگی گزار دیتا ہے اور سوچتا ہی نہیں کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے لیکن جب آجائے گی وہ کان پھاڑ دینے والی چیخ اور وہ صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن ایسا ہوگا بدحواسی اور بے چینی کا ہر ایک انسان بھاگتا ہوگا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور حتی کہ اپنی بیوی سے جو اس کی رفیقہ حیات اور زندگی کی ساتھی رہی ہے اور اپنے بیٹوں سے جو دنیا میں اس کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے ان سب علائق سے انسان بیگانہ ہو جائے گا اور ہر شخص کے لیے اس دن ایک ایسی حالت ہوگی جو اس کو ہر ایک سے بے نیاز کر دینے

والی ہوگی۔ ہر ایک کو اپنی فکر لگی ہوگی نہ احباب واقارب کی طرف توجہ کرے گا اور نہ ہی زندگی میں جو محبوب تر افراد تھے ان کی طرف رخ کرے گا وہ دن یوم الحساب ہوگا، ہر شخص کو زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو اس دن کچھ چہرے روشن ہنستے ہوئے خوشیاں مناتے ہوں گے اور اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر فرحاں وشاداں ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر ذلت وسیاہی برس رہی ہوگی۔ کفر ونافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی ونحوست ان کے چہروں کو ڈھانکے ہوگی بے شک یہی تو ہیں کافر اور بڑے ہی بے حیا لوگ جو حد درجہ ڈھٹائی سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے، نہ کبھی خدا سے ڈرے اور نہ مخلوق سے شرمائے، بے حیائی، تکبر وسرکشی میں زندگی گزارنے کا بس یہی انجام ہوسکتا تھا کہ روز قیامت ان کے چہرے سیاہ غبار آلود ہوں گے اور ان پر ذلت برس رہی ہوگی۔ اللھم انا نعوذبك من الکفر والفسوق والعصیان توفدنا مسلمین والحقنا بالصالحین الذین وجوھھم مفسرة ضاحکة مستبشرة۔ آمین یارب العلمین۔

فقراء اور درویش دراصل عنایت وتوجہ خداوندی کے مظہر ہوتے ہیں

بظاہر یہ کلام عتاب تھا لیکن درحقیقت اس بات پر تنبیہ تھی کہ منکسرۃ القلوب یعنی شکستہ دل فقراء اور مساکین پر حق تعالیٰ کی تجلی اغنیاء سے کہیں زائد ہے اور فقیروں پر حق تعالیٰ کی توجہ اور عنایت بادشاہوں سے زیادہ ہے بادشاہوں پر حق تعالیٰ کی تجلی کبھی کبھی ہوتی ہے، دائم نہیں ہوتی اور فقراء سے خدا سے خدا کی رحمت اور عنایت کبھی دور نہیں ہوتی اس لئے اشارہ فرمادیا کہ فقراء کی دلجوئی کو اغنیاء کی دلجوئی پر مقدم رکھو۔

نکتہ:...... جب کوئی امیر کسی فقیر اور درویش کے پاس آتا ہے تو وہ اپنی شان وشوکت کو ترک کرکے آتا ہے تو شریعت نے اس کی دلجوئی کے لیے بحق زیارت اس کا اکرام اور احترام واجب کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہ، جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کرو" اور تبسم اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آؤ۔

تو اس واقعہ ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی﴾ میں جو اغنیاء پہلے سے آئے بیٹھے تھے ان کا بحق زیارت اکرام ہو چکا تھا۔ اور اس کا وقت گزر چکا تھا اب آنے والے کا حق زیارت زیادہ اہم اور مقدم تھا اور یہ آنے والا منکسرۃ القلوب میں سے تھا جو تجلی الٰہی اور عنایت ربانی کا خاص محل اور مورد ہے وہ زیادہ التفات کا مستحق تھا، اور اس کا اکرام ان گزشتہ آنے والے اغنیاء کے اکرام سے زیادہ اہم ہے۔

جو غنی آپ ﷺ کے پاس آیا ہے وہ اپنے اصلی منصب کو چھوڑ کر آیا ہے اور اس کی یہ نیاز مندانہ حاضری اس کی عارضی تواضع ہے اور فقیر جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے وہ اپنے اصلی منصب کے ساتھ آیا ہے، فقر اور تواضع اس کا اصلی اور ذاتی منصب ہے اور اس کا دائمی مقام ہے۔

حسب ارشاد خداوندی ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ آپ ﷺ نے اغنیاء کو اپنی بارگاہ عالی میں جگہ دی اور ان کو حکمت اور موعظت حسنہ حق کی دعوت دی، ان کا حق ادا ہوگیا وہ اس سے زیادہ کے مستحق نہیں اور

یہ آنے والا درویش تو بارگاہ خداوندی کے سکان میں سے ہے اور فی الحال آنے والے سرداران قریش کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دعوت حق کے دستر خوان سے کوئی لقمہ اٹھا بھی لیں گے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

(من افادات حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی ﷫)

اثبات قیامت کے لیے دلائل آفاق وانفس

قرآن حکیم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ دلائل توحید وخلاقیت حشر ونشر اور بعث بعد الموت کا مضمون ثابت کرنے کے لیے دلائل کی دونوں قسموں کا احاطہ کر دیتا ہے کسی موقع پر اجمال سے اور کسی موقع پر تفصیل سے جن کی تحقیق پہلے گزر چکی یہاں بھی حق تعالیٰ شانہ نے مسئلہ حشر ونشر اور بعث بعد الموت کو بیان کرنے کے بعد دلائل انفس کے ذیل میں انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی موت وحیات کے مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد دلائل آفاق کے طور پر ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ﴾ سے کائنات میں اللہ رب العزت کی قدرت کے جو عظیم نمونے دنیا کے نظروں کے سامنے ہیں ان کو بیان فرمایا، تا کہ قرآن حکیم کا یہ مدعی اور مقصد بخوبی واضح اور ثابت ہو جائے، مقصود انسان کے غرور وتکبر کا ابطال اور اپنی قدرت کاملہ کا اثبات تھا، جو ان دلائل سے پوری طرح ثابت ہو گیا۔

اموات کے لیے قبر اور دفن قانون فطرت ہے

''قبر'' لغت کے اعتبار سے زمین میں کھود کر بنائے ہوئے گڑھے کو کہا جاتا ہے مگر اصطلاح شریعت میں ''قبر'' عالم برزخ کا نام ہے، یعنی وہ محل اور حالت جو انسان کے مرنے کے بعد سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے تک کی ہے، نزع روح کے بعد وہ جسم انسانی کسی بھی جگہ ہو خواہ زمین میں دفن کر دیا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے یا آگ میں جل جائے یا کوئی جانور اس کو کھا جائے یا جسم کے ذرات ہواؤں میں اڑ جائیں غرض ہر حالت اور مکان برزخ ہے اور اسی برزخی حالت یا محل کو شریعت قبر کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے اسی بناء پر ہر میت سے مرنے کے بعد نکیرین کے سوال کا ذکر احادیث میں آتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سوال ہر ایک میت سے ہوتا ہے اور مرنے کے بعد انسان کی لاش بسا اوقات ان حالتوں میں واقع ہوتی ہے۔

''قبر'' چونکہ اصل فطرت انسانی کا ایک قانون اور مقرر کردہ طریقہ ہے، جیسے کہ ہابیل وقابیل کے قصہ میں گزر چکا کہ نسل انسانی میں پہلا قتل اور موت کا واقعہ پیش آیا اور قابیل نے اپنے ہابیل کو قتل کر ڈالا اور اب تک انسان کو یہ معلوم نہ تھا کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی لاش کا کیا کیا جائے تو حق تعالیٰ نے انسان کے سامنے اپنی ہدایت اور اس قانون فطرت کی تشریح وتوضیح کا عجیب انداز اختیار فرمایا۔ ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ﴾۔ ایک کوا بھیجا جو اپنی چونچ میں ایک مردہ کوا اٹھائے ہوئے تھا اس نے مردہ کوے کو زمین پر رکھ دیا پھر چونچ سے زمین کھودنے لگا اور گڑھا کر کے اس میں مردے کو چھپا دیا اور پھر پروں سے اس پر مٹی ڈال دی تو یہ منظر دیکھ کر قاتل بھائی اپنے قصور فہم پر افسوس کرنے لگا کہ میں تو اس کوے سے بھی زیادہ غافل وعاجز رہا کہ اتنا ہی سمجھ جاتا جتنا کہ اس نے سمجھا اور اسی طرح میں بھی اپنے بھائی کو زمین کے اندر دفن کر دیتا، غرض اس فطری امر کو خداوند عالم نے اس نوعیت سے نسل انسانی کے لیے ظاہر اور مشروع فرما دیا۔

تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دورِ قدیم میں انسان کی لاشیں جانوروں کی طرح باہر پھینک دی جاتی تھیں جن کو چیل کوے کھا جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں انسان کے پیکر جسد کی بے حرمتی بھی تھی اور اس کے تعفن سے لوگوں کو اذیت بھی پہنچتی اور امراض بھی پھیلتے تو خداوند عالم کے اس تکوینی امر سے اور قبر میں دفن کے طریقہ سے انسان کی حرمت بھی باقی رہی گندگی اور امراض سے بھی تحفظ کا سامان ہو گیا۔

پارسی اور مجوسی قوم میں بھی یہ رواج ہے کہ وہ اپنے مردوں کی لاش اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں البتہ اتنا کرتے ہیں ایک احاطہ گہرا سا کنوئیں کی شکل کا بنا دیتے ہیں اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے، اس احاطہ میں مردہ کو چھوڑ کر چلے آتے ہیں، پھر گدھ چیل اور کوے اس کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں بس ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے قوم مجوس میں اس جگہ کو" دخمہ" کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں مردوں کو جلانے کی رسم ہے، اہل کتاب یہود و نصاریٰ کیونکہ ان کے مذہب کی بہر حال اصل بنیاد خدا کی کتاب تورات و انجیل ہے تو اس وجہ سے وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا جو بھی طریقے انسان کی لاش کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں عقل و فطرت کے خلاف انسانی عظمت کو سراسر پامال کرتے ہیں جب کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات سے دنیا کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ مردوں کے جسم کا احترام زندوں کے جسم کی طرح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

ہندوؤں کا یہ خیال کہ آگ میں جلا دینا زمین میں دفن کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ آگ جلا کر مردہ کو پاک کر دیتی ہے عقل و فطرت کے خلاف ہے۔

انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تو مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں ہی دفنا دیا جائے اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾۔

سورۃ التکویر

یہ سورت بھی مکیہ ہے۔ اور تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح منقول ہے اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ منظور ہو کہ وہ قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ لے تو اس کو چاہئے کہ وہ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ سورتوں کی تلاوت کرے۔ [1] ان دونوں سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے کہ قیامت اس طرح برپا ہوگی۔

گزشتہ سورت عبس کا مضمون اس پر ختم کیا تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پروانہ نہ ہوگی ہر شخص دوسرے سے بھاگتا اور بے گانہ ہوگا تو اس مناسبت سے ان دونوں سورتوں میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا

[1] جامع ترمذی، ابن کثیر، طبرانی۔

جارہا ہے، ایک قیامت کی حقیقت، دوسری وحی اور رسالت کی حقیقت اس سورت کے یہ دو اہم اور عظیم موضوع ہیں جس پر از اول تا آخر جملہ مضامین دائر ہیں۔

۸۱ سورۃ التکویر مکیۃ ۷ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ایاتھا ۲۹ رکوعھا ۱

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَاِذَا

جب سورج کی دھوپ تہہ ہوجائے ف۱ اور جب تارے میلے ہوجائیں ف۲ اور جب پہاڑ چلائے جائیں ف۳ اور جب

جب سورج کی دھوپ تہہ ہوجائے، اور جب تارے میلے ہوجائیں، اور جب پہاڑ چلائے جاویں، اور جب

الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَاِذَا النُّفُوْسُ

بیائی اونٹنیاں چھٹی پھریں ف۴ اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے ف۵ اور جب دریا جھونکے جائیں ف۶ اور جب جیون کے

بیائی اونٹنیاں چھٹی پھریں، اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑے اور جب دریا جھونکے جاویں، اور جب جیوں کے

زُوِّجَتْ ⑦ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَاِذَا

جوڑے باندھے جائیں ف۷ اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی گئی کو پوچھیں کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی ف۸ اور جب اعمالنامے کھولے جائیں اور جب

جوڑ بندھیں اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی کو پوچھے، کس گناہ پر ماری گئی؟ اور جب کاغذ کھولے جاویں، اور جب

ف۱ گویا اس کی لمبی شعاعیں جن سے دھوپ پھیلتی ہے لپیٹ کر رکھ دی جائیں اور آفتاب بے نور ہو کر پنیر کی ٹکی کی مانند رہ جائے یا بالکل نہ رہے۔

ف۲ یعنی ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں اور ان کا نور زائل ہوجائے۔

ف۳ یعنی ہوا میں اڑتے پھریں۔

ف۴ اونٹ عرب کا بہترین مال ہے اور دس مہینے کی گابھن اونٹنی جو بیانے کے قریب ہو دودھ اور بچہ کی توقع پر بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ لیکن قیامت کے ہولناک زلازل کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہوگا کہ ایسے بڑھیا مال کی خبر گیری کرے۔ باقی یہ کہنا کہ ریل نکل جانے کی وجہ سے اونٹنیاں بیکار ہوجائیں گی محض ظرافت ہے۔

ف۵ یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھاگتے ہیں مضطرب ہو کر شہر میں آگھسیں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا گیا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جارہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لپٹ رہے ہیں ایک دوسرے سے کچھ تعرض نہیں کرتا نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے بلکہ زیادہ سردی کے زمانہ میں بعض درندے جنگل سے شہر میں گھس آتے ہیں۔

(تنبیہ) بعض مفسرین نے "حُشِرَتْ" کے معنے مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی سمندروں کا پانی گرم ہو کر دھواں اور آگ بن جائے جو نہایت گرم ہو کر محشر میں کافروں کو دکھ پہنچائے اور تنور کی طرح جھونکنے سے ابلے۔

ف۷ یعنی کافر کافر کے اور مسلم مسلم کے ساتھ پھر ہر قسم کا نیک یا بد عمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور عقائد، اعمال، اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ جماعتیں بنادی جائیں یا یہ مطلب ہے کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔

ف۸ عرب میں رسم تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو نہایت سنگدلی اور بے رحمی سے زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا بعض تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے اور بعض کو یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دیں گے وہ ہمارا داماد کہلائے گا۔ قرآن نے آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کی نسبت بھی سوال ہوگا کہ کس گناہ پر اس کو قتل کیا تھا۔ یہ مت سمجھنا کہ ہماری اولاد ہے، اس میں ہم جو چاہیں تصرف کریں بلکہ اولاد ہونے کی وجہ سے جرم اور زیادہ سنگین ہوجاتا ہے۔

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ

آسمان کا پوست اتارلیں ف۱ اور جب دوزخ دہکائی جائے اور جب بہشت پاس لائی جائے ف۲ جان لے گا ہر ایک جی جو

آسمان کا چھلکا اتارے، اور جب دوزخ دہکائی جاوے، اور جب بہشت پاس لائی جائے، جان لے جی جو

اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾

لے کر آیا ف۳ سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والوں سیدھے چلنے والوں دبک جانے والوں کی ف۴ اور رات کی جب پھیل جائے ف۵

لے کر آیا۔ سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جاتے، سیدھے چلتے، دبک جانے والوں کی۔ اور رات کی، جب اس کا اٹھان ہو۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ

اور صبح کی جب دم بھرے ف۶ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت والا عرش کے مالک کے پاس

اور صبح کی، جب دم بھرے۔ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا، قوت رکھتا، تخت کے مالک پاس

مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ

درجہ پانے والا سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر ہے ف۷ اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں ف۸ اور اس نے دیکھا ہے اس فرشتہ کو آسمان کے کھلے کنارہ

درجہ پایا۔ سب کا مانا، وہاں کا معتبر ہے۔ اور یہ تمہارا رفیق کچھ نہیں دیوانہ۔ اور اس نے دیکھا ہے اس کو کھلے کنارے

ف۱ جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اتار لیتے ہیں۔ اس سے تمام اعضاء اور رگ و ریشہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی چیزیں نظر آئیں گی اور غمام کا نزول ہوگا۔ جس کا ذکر انیسویں پارہ میں آیت "ویوم تشقق السماء بالغمام" سے ہوا ہے۔

ف۲ یعنی دوزخ بڑے زور شور کے ساتھ دہکائی جائے اور بہشت متقیوں کے نزدیک کر دی جائے جس کی رونق و بہار دیکھنے سے عجیب مسرت و فرحت حاصل ہو۔

ف۳ یعنی ہر ایک کو پتہ لگ جائے گا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لے کر حاضر ہوا ہے۔

ف۴ کئی ساروں (مثلاً زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد) کی چال اس ڈھب سے ہے کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلیں یہ سیدھی راہ ہے، کبھی ٹھٹک کر الٹے پھریں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کتنے دنوں تک غائب رہیں۔

ف۵ یا جب جانے لگے۔ اس لفظ کے دونوں معنی آتے ہیں۔

ف۶ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی۔ جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کنایہ ہے نسیم سے جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے۔

(تنبیہ) ان قسموں کی مناسبت آیندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا، اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے اس کے بعد صبح صادق کا دم بھرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا گویا اگلے انبیاء علیہم السلام کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔ ولنعم ما قیل۔ فانه شمس فضلهم کواکبها یظهرن انوارها للناس فی الظلم حتیٰ اذا طلعت فی الکون عم هداها العالمین واحیت سائر الامم اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا، فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا، قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر کے موافق مقسم بہ کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۷ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفات بیان ہوئیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ =

الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾ فَاَيْنَ

کے پاس ف۱ اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں ف۲ اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا ف۳ پھر تم کدھر

آسمان کے، اور غیب کی بات پر نہیں بخیل۔ اور یہ کہا نہیں کسی شیطان مردود کا۔ پھر تم کدھر

تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا

چلے جا رہے ہو ف۴ یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے ف۵ جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے ف۶ اور تم

چلے جاتے ہو؟ یہ تو ایک سمجھوتی ہے جہان کے واسطے۔ جو کوئی چاہے تم میں کہ سیدھا چلے، اور تم

تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

جبھی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک ف۷

جبھی چاہو کہ چاہے اللہ جہان کا صاحب۔

= (جبرائیل) اور دوسرا پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی صفات وہ ہیں جن کے معلوم ہونے کے بعد کسی طرح کا شک و شبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانتدار ہو۔ جس سے روایت کرے اس کے پاس عزّ و حرمت کے ساتھ رہتا ہو۔ بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت وغیرہ پر اعتماد کلی رکھتے ہوں۔ اور اسی لئے اس کی بات بے چون و چرا مانتے ہوں۔ یہ تمام صفات حضرت جبرائیل علیہ السلام میں موجود ہیں وہ کریم (عزت والے) ہیں جن کے لئے اعلیٰ نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ وفی الحدیث "الکرم التقوی" قوت والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ و ضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب آسمانوں کے فرشتے ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ یہ تو رسول ملکی کا حال تھا آگے رسول بشری کا حال سن لیجئے۔

ف۸ یعنی بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم اس کے ساتھ رہے اتنی طویل مدت تک اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا۔ کبھی ایک مرتبہ اس میں جھوٹ فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی۔ ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ اب بلا وجہ اسے جھوٹا یا دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہو۔ کیا یہ وہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کے رتی رتی احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو۔ اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں۔

ف۱ یعنی مشرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں صاف صاف دیکھا۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ و التباس ہو گیا ہو گا جس کو فرشتہ سمجھ لیا وہ واقع میں فرشتہ نہ ہو گا۔ سورۃ "نجم" میں پہلے آ چکا ﴿فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى﴾

ف۲ یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اجرت مانگتا ہے۔ نہ نذرانہ، نہ بخشش، پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے، کاہن محض ایک جزئی اور نامکمل بات غیب کی سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہے کہ بدون مٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کئے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت۔

ف۳ بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا جس میں سراسر بنی آدم کا فائدہ، اور خود اس ملعون کی تقبیح و مذمت ہو۔

ف۴ یعنی جب جھوٹ، دیوانگی، تخیل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے جا رہے ہو۔

ف۵ قرآن کی نسبت جو احتمالات تم پیدا کرتے ہو، سب غلط ہیں۔ اگر اس کے مضامین و ہدایات میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہاں کے لئے ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے۔ جس سے ان کی دارین کی فلاح وابستہ ہے۔

ف۶ یعنی بالخصوص ان کے لئے نصیحت ہے جو سیدھا چلنا چاہیں۔ عناد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت سے منتفع ہوں گے۔

ف۷ یعنی فی نفسہ قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے۔ اور بعض کے لئے کسی حکمت سے ان کے سوء استعداد کی بنا پر متعلق نہیں ہوتی۔

ہولناک مناظر روز قیامت وپیشی اعمال وفیصلہ جزاء وسزا

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ... الی... اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط:...... سورۃ عبس کا مضمون دراصل اثبات قیامت کے موضوع ہی پر مشتمل تھا اور مقصد بیان یہ تھا کہ انسان کی سعادت وفلاح اور عزت وعظمت اپنی زندگی اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ رکھنے اور فکر آخرت میں ہے، اس کے برعکس وہ مغرور ومتکبر جو نہ خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کی فکر ہے وہ خدا کی نظروں میں ذلیل وحقیر ہے، طالب حق اور سعادت کی فکر میں لگے رہنے والا انسان ہی بارگاہ رسالت میں ہر عزت واکرام کا مستحق ہے، آخر میں قیامت کے روز کی پریشانی اور بدحواسی کا عالم بیان کیا گیا کہ ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا، اس کو اپنی پڑی ہوگی اس مناسبت سے اب اس سورت میں وہ ہولناک مناظر اور حوادث ذکر فرمائے جارہے ہیں جو روز قیامت پیش آئیں گے اور یہی حوادث تخریب عالم کا ذریعہ ہوں گے چنانچہ اس سورت کی ابتداء ان ہولناک مناظر کے ذکر سے کی گئی جو قیامت کے وقت پیش آئیں گے کہ چاند سورج اور ستارے بے نور کردیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑنے لگیں گے اور زمین شق ہو کر جو کچھ اس میں ہوگا اگل دے گی، الغرض تمام نظام عالم درہم برہم ہوجائے گا۔

اسی سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے وہ خاص احوال اور اوصاف بیان کئے گئے جو وحی الٰہی کے نزول پر پیش آئے تھے، اور اسی کے ساتھ مشرکین ومنکرین کی محرومی وبدنصیبی بھی ذکر کردی گئی جو وحی الٰہی اور پیغمبر خدا سے اعراض وانحراف کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔

ارشاد فرمایا: جس وقت کہ سورج کی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور اسی طرح آفتاب بے نور ہو کر چکی کے مانند رہ جائے گا اور جب کہ ستارے بے نور ہوجائیں گے یا ٹوٹ کر ہوا میں اڑتے ہوئے [illegible] ات کی طرح ہوجائیں گی اور جب کہ پہاڑ چلادیئے جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں اڑنے لگیں گے اور جب کہ دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی جو ابھی بیانے کے قریب ہیں اور دودھ دینے والی ہیں اور عرب کی نظروں میں سب سے قیمتی اور قابل قدر مال ہے ان کی طرف بھی کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو۔ اور جب کہ وحشی جانور جو انسانوں سے وحشت کرتے ہیں اور انسان کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں شہر اور آبادی میں جمع ہوجائیں [1] گے اور آ گھسیں گے [illegible] انوں اور پالتوں جانوروں میں مل جائیں گے۔

اور جس وقت سمندر کھول دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح ابال اٹھ رہا ہو جیسے کھولتے ہوئے پانی میں اٹھتا ہو یا سمندروں کا پانی شدت گرمی کے باعث دھواں اور آگ بن جا [illegible] در حقیقت خداوند ذوالجلال کے غضب وقہر کے آثار ہوں گے اور جس وقت کہ تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے [2] جائیں گے۔ کافر کافر کے ساتھ اور مسلمان

[1] بعض مفسرین نے حشرت کا ترجمہ مارنے کے بعد اٹھانے کا بھی کیا ہے، حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے "ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جارہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ اور بچھو بھی اس سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کررہا۔

[2] بعض ائمہ مفسرین نے اس آیۃ میں اجسام کو روحوں کے ساتھ جوڑنے کی مراد بھی بیان کی ہے۔

مسلمان کے ساتھ اور بدعمل بدعمل کے ساتھ اور نیکوکار نیکوکار کے ساتھ اور جبکہ زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں ماری گئی۔ ①

اور ظاہر ہے کہ وہ معصوم بچی جو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی گئی کیا گناہ اور جرم کرسکتی ہے جس کو عرب کے لوگ دور جاہلیت میں اپنے واسطے عار سمجھتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ زمین میں دفن کردیا کرتے تھے تو یہ سوال ان کے جرم کو ثابت اور نمایاں کرنے کے لئے ہوگا اور جب کہ تمام صحیفے اور نامہ اعمال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے کہ ہر ایک کو اپنا نامہ اعمال جو اس کے سامنے ایک کتاب منشور کی صورت میں نظر آرہا ہوگا اور جس وقت کہ آسمان کا جرم اس سے کھینچ لیا جائے گا۔ جیسا کہ کسی جانور کو ذبح کرکے اس کی کھال کھینچ لی جائے اور اس کے بعد اس کے تمام اعضاء گوشت ہڈیاں اور رگیں نظر آنے لگتی ہیں تو اس طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی جب کہ اس سے قبل کسی انسان کو نظر نہیں آسکا تھا کہ آسمان کے اوپر کیا ہے۔

اور جس وقت کہ دوزخ دہکائی جائے گی اور زور وشور سے اس کی لپٹیں سمندر کی موجوں کی طرح تھپیڑے مار رہی ہوں گی اور جب کہ جنت قریب کردی جائے گی۔ اہل ایمان وتقوی کے جس کو نزدیک سے دیکھ کر اہل جنت فرحت ومسرت محسوس کرنے لگیں گے تو اس وقت جب یہ تمام احوال رونما ہو رہے ہوں گے تو ہر انسان جان ② لے گا کہ اس نے پہلے سے کیا بھیجا ہے اور کیا لے کر وہ میدان حشر میں حاضر ہوا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں نیکیاں کی تھیں یا برائیاں، تو اس طرح ہر انسان اپنے کیے ہوئے عمل اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوگا۔

الغرض یہ سب باتیں دلائل وشواہد ہیں اس امر پر کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور اپنی عملی زندگی میں اس کی فکر اور تیاری کرے، ان دلائل وشواہد کی حقانیت میں کسی طرح تردد کی گنجائش نہیں پس قسم کھاتا ہوں میں ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جانے والے ہیں سیدھے چلنے والوں کی جو سیدھے ③ چلتے چلتے کبھی الٹے چلنے والے ہوتے ہیں پھر سورج کی شعاعوں

① جاہلیت کے زمانہ میں اہل عرب بچی کی پیدائش کو عار سمجھتے تھے اور جب کسی کے یہاں بچی پیدا ہوتی وہ اس کو زندہ زمین میں دبا دیتا تھا، اکثر اہل عرب جہاں اور عملی واخلاقی گندگیوں میں مبتلا تھے ان میں یہ بھی ایک ظالمانہ انسانیت سوز عیب تھا، چند ایک نفوس تاریخ میں بے شک ایسے ملتے ہیں جن کو اس مذموم فعل سے نفرت تھی، جیسے زید بن عمرو بن عمر بن نفیل ؓ ان کے تذکرہ میں ہے کہ بتوں پر جانوروں کے ذبح کرنے کو بھی شدت سے منع کرتے تھے اور اس طرح اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی معصوم بچی زمین میں نہ دبائی جائے تو وہ تلاش میں رہتے جس کے یہاں بچی پیدا ہوتی اس سے جا کر کہتے بھائی تو اس کو دفن نہ کر میں اس کو پالتا ہوں تو اس کو پالتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کی شادی کردیتے۔ تفصیل کے لیے صحیح بخاری، تاریخ ابن کثیر اور طبقات کی مراجعت فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر ؒ نے اپنی تفسیر میں عمر بن الخطاب ؓ سے ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم ؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی چند بیٹیاں زندہ درگور کی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اس جرم کے کفارہ میں (اگرچہ یہ زمانہ جاہلیت میں ہوا اور تم اسلام بھی لے آئے) تم غلام آزاد کرو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو اونٹوں والا ہوں (غلام میرے پاس نہیں ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر ایک بچی کے لیے ایک اونٹ ذبح کرو، اور اس کو صدقہ کردو۔

② ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ﴾ جواب ہے ان امور مذکورہ کا جو ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ سے یہاں تک بیان کیے گئے اور یہ بارہ امور ہیں جن میں ہر ایک کو اس کی اہمیت اور عظمت کے باعث لفظ اذا کے ساتھ بیان کیا گیا۔ ۱۲

③ "خنس الجوار الکنس" ستاروں کے احوال یا ان کے نام ہیں بروایت حارث حضرت علی ؓ اس طرح ابن عباس ؓ مجاہد ؒ حسن بصری ؒ =

میں آ کر چھپ جانے والے ہیں اور قسم ہے رات کی جب وہ ڈوبنے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے اور اپنی روشنی پھیلا دے۔ بے شک یہ قرآن یقیناً قول ہے ایک بھیجے ہوئے، قاصد کا جو بڑی ہی عزت والا ہے جو اللہ کے پیغامات لے کر اس کے رسول کے پاس آتا ہے بڑی ہی قوت والا ہے عرش والے پروردگار کے یہاں بڑے ہی اونچے درجے والا ہے اور یہ قاصد جبریل امین علیہ السلام ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے ملکوت سمٰوٰت میں وہ تمام ملائکہ کے سردار ہیں پھر وہ قاصد بڑا ہی امین ومعتمد ہے۔ خدا کے اس قاصد نے ان تمام باتوں کی خبر خدا کے پیغمبر کو بذریعہ وحی دی، یہ باتیں اور بیان کردہ ہولناک حوادث کسی عقلی استدلال یا سائنسی تحقیق کا نتیجہ نہیں کہ اس میں کوئی شخص اختلاف کرنے لگے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جو ایسی عزت وکرامت والا فرشتہ اور معتمد قاصد لے کر اللہ کے پیغمبر کے پاس آیا ہے۔ اور تمہارا یہ صاحب اے قریش مکہ کوئی دیوانہ نہیں ہے۔ جیسے کہ تم میں سے بعض بیہودہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں، العیاذ باللہ، بلکہ ان کے پاس یہ سب باتیں اللہ کا قاصد لے کر آیا ہے اور اس پر خدا کے پیغمبر کو یقین کامل ہے محض یقین ہی نہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس پیغمبر نے تو خدا کے اس قاصد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ● ہے آسمان کے کھلے کنارہ پر اور یہ قاصد غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی سے ملکوت السمٰوٰت اور آخرت کی جو باتیں انسانی ادراک سے غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ہی ایمان ہے۔ جیسے کہ ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ میں ظاہر کر دیا گیا تو ان سب باتوں کو اللہ کا یہ قاصد پورا پورا پہنچا دیتا ہے اور قاصد کا کمال یہ ہے کہ وہ پیغام مکمل اور پوری طرح پہنچا دے۔ اور جب آپ ﷺ نے اللہ کے اس قاصد کو دیکھ لیا تو اب کسی قسم کے تردد اور شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وہ کسی شیطان مردود کا کہا ہوا نہیں ہے۔ جب یہ سب باتیں واضح اور ثابت ہیں کہ قرآن کریم حق وصداقت کا مجموعہ ہے اور اس میں کسی قسم کے وہم اور تخیل کی گنجائش نہیں تو پھر اے لوگو! تم کدھر چلے جا رہے ہو اور راہ حق سے بھٹک رہے ہو یہ تو بس ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اس کا ہر مضمون ایک ایک لفظ ہدایت ونصیحت اور ایسا مکمل دستور العمل ہے جس سے سعادت دارین وابستہ ہے ہر اس شخص کے لیے تم میں سے جو یہ چاہے کہ سیدھا چلے عناد اور کجروی اختیار نہ کرے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے تم کوئی چیز نہیں چاہو گے بجز اس کے کہ جو اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا چاہے اور فیصلہ کرے اس کے فیصلہ اور ارادہ کے بغیر تو ایک پتہ بھی درخت سے نہیں گر سکتا، اس لیے تمہیں بھی چاہئے کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اسی سے توفیق مانگو یہی طریقہ ہر نصیحت اور ہدایت سے منتفع ہونے کا ہو سکتا ہے۔

= وغیرھم سے بھی منقول ہے، اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ پانچ ستارے ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں، یعنی زحل مشتری، مریخ، زہرہ، وعطارد ان ستاروں کی عجیب حیرت ناک رفتار ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو "الجوار" (یعنی جاری رہنے والے اور چلنے والے) کہا گیا، اور کبھی چلتے چلتے الٹے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے "الخنس" کہا گیا۔ کیونکہ خنس لغت میں لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور کبھی یہ غائب ہو جاتے ہیں اس بنا پر ان کو الکنس کہا گیا جو کنس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ستر اور پوشیدگی کے ہیں یہ ستارے مغرب سے مشرق کو چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوئی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھر جاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان کلمات کی مراد ستاروں کے علاوہ اور کچھ بیان کی ہے تفصیل کیلئے تفسیر قرطبی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائی جائے۔ ۱۲

● یعنی شرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں نہایت واضح طور پر دیکھ لیا اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ اللہ کا فرشتہ ہے اور یہی اللہ کی وحی لے کر آتا ہے تو اب کیا تردد ہو سکتا ہے کہ شبہ کیا جا سکے کہ شاید کسی جن یا شیطان کا قول ہے اس وجہ سے آیات قرآنیہ کو کسی کاہن کا قول کہنا جیسا کہ کفار مکہ کہتے تھے بعید از عقل ہے اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کیا شیطان ایسی پرہیزگاری اور تقویٰ کی باتیں بتائے گا؟ ۱۲۔

شمس وقمر کی قسموں سے مضمون کی مناسبت

قرآن کریم کے اسلوم بیان میں یہ اسلوب بھی نہایت ہی بلند ترین اور معجزانہ اسلوب ہے کہ مخلوقات خداوندی کی قسموں کے ساتھ کوئی مضمون ان قسموں پر مرتب کیا جائے، جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے یہ ثابت ہو چکا کہ ہر قسم کے ساتھ جواب قسم کے مضمون میں مناسبت اور ربط ہوتا ہے یہاں بھی شمس وقمر کے بے نور کر دینے اور پہاڑوں کو اڑانے اور سمندروں کے دہکانے وغیرہ وغیرہ کی قسموں پر حشر ونشر اور قیامت برپا ہونے کا مضمون بڑی ہی قوی مناسبت رکھتا ہے، علاوہ ازیں وحی الٰہی کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے بھی ایک بلند پایہ اور عظیم تر درجہ رکھتا ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا، اور پھر چھپ جانا ایک نمونہ ہے، انبیاء سابقین پر بار بار وحی آنے کا ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہونے کا اور رات کا آنا اس تاریک دور کا نمونہ ہے جو خاتم الانبیاء والمرسلین کی ولادت باسعادت سے پہلے گزرا کہ کسی شخص کو حق وباطل کی تمیز نہیں رہی تھی جس طرح رات میں سیاہ وسپید کا فرق نہیں معلوم ہوتا مگر رات کے بعد جب صبح صادق سانس لیتی ہے اور دم پھر کر اپنی روشنی تمام عالم میں پھیلا دیتی ہے تو بالکل اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت جہالت وگمراہی کی تاریکیوں کو پھاڑ کر عالم میں ہدایت کا نور پھیلا دینے والی ہے، انبیاء سابقین ستاروں کی طرح تھے مگر آپ ﷺ کی رسالت ایک آفتاب عالم بن کر عالم کے سامنے درخشاں ہوئی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے یہ دو شعر بھی نقل فرمائے۔

فانه شمس فضل هم کواکبها — یظهرن انوارها للناس فی الظلم

حتی اذا طلعت فی الکون عم هداها — للعلمین واحییت سائر الامم

بعض ائمہ مفسرین کا قول ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا قرآن کریم کے ذریعہ ظلمت کفر کے دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح پھیل جانے کے مشابہ تو اس طرح ان قسموں کے ساتھ مضمون قیامت اور وحی الٰہی کی حقانیت کا ثبوت پوری طرح مربوط ہے اور ان میں مناسبت واضح ہے۔

ان آیات ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ﴾۔ میں جبریل امین علیہ السلام کی صفات کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) اور دوسرا واسطہ پیغمبر عربی ﷺ دونوں کو صفات ایسی عظیم اور بلند پایہ ہیں کہ ان کے علم کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا، کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ عادل، ضابطہ، حافظ اور امانت دار ہو اور جس سے وہ روایت کرے اس کے پاس عزت وحرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اور اس وجہ سے اس کی بات بے چون وچرا مانتے ہوں تو یہ تمام صفات جبریل امین علیہ السلام میں موجود ہیں وہ کریم عزت وکرامت والے ہیں اور ظاہر ہے

عزت وکرامت والا وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ وطہارت کا وصف رکھتا ہے بقانون ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ اور بڑی ہی قوت والے ہیں، حفظ وضبط کی صلاحیت اعلیٰ واکمل رکھتے ہیں اور رب العرش کے یہاں ان کا مرتبہ نہایت ہی عزت وقرب کا ہے جس کے باعث ملکوت سمٰوٰت میں وہ فرشتوں کے سردار ہیں اور سب فرشتے انکی بات اور حکم مانتے ہیں، ان کے امین ومعتبر ہونے میں کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تو ایسے فرشتہ کے ذریعے یہ قرآن نازل ہوا اور اللہ کے بندوں تک پہنچا اور جس رسول کے ذریعے دنیا کو یہ قرآن پہنچا آئندہ اس رسول خدا کی صفات واحوال کا بیان فرمادیا گیا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ خدا کے ایسے عظیم پیغمبر نے یہ کلام پہنچایا ہے جو صدق وامانت اور عقل ودانش کا پیکر ہے، ایسی صورت میں قریش مکہ اور مخالفین کا ان کو یہ کہنا کہ یہ دیوانہ یا کاہن ہیں بلاشبہ خودان کہنے والوں کی دیوانگی اور پاگل پن کی دلیل ہے۔ (فوائد شیخ الاسلام ؒ)

ابطال جبر وقدر

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ میں انسان کے لئے ارادہ اور مشیت کا اثبات فرمایا جارہا ہے اور اس کے ساتھ یہ واضح کیا جارہا ہے کہ انسان کا ارادہ اور مشیت اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے مطابق اس کے تابع ہے اس کی توفیق ہی سے ہدایت اختیار کرتا ہے، اور ہر انسان قضاوقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہے البتہ بات صرف اتنی ہے کہ قضاوقدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اس کے ارادہ اور اختیار کے توسط سے کراتی ہے، اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ اس کو کوئی حرکت دے رہا ہو اور خود اس میں کسی طرح کا شعور وادراک اور ارادہ واختیار نہ ہو تو بندہ اسی ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ثواب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے تو اس ﴿لِمَنْ شَآءَ﴾ سے جبر کا ابطال ہوگیا۔ اور ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ سے قدر کا ابطال اور فرقہ قدریہ کا رد ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ انسان نہ تو فاعل مختار ہے اور نہ مجبور محض بلکہ جبر وقدر کے بین بین ہے، مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

(۸۲ سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ ۸۲) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰیاتھا ۱۹ رکوعھا ۱)

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③ وَاِذَا

جب آسمان چر جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب دریا ابل نکلیں ف۱ اور جب

جب آسمان چر جاوے، اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب دریا بہہ پڑیں، اور جب

الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ

قبریں زیر وزبر کردی جائیں ف۲ جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ف۳ اے آدمی کس چیز سے بہکا

قبریں اٹھائی جاویں۔ جان لیوے جی جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔ اے آدمی! کا ہے سے بہکا

ف۱ یعنی سمندر کا پانی زمین پر زور کرے۔ آخر میٹھے اور کھاری سب پانی مل جائیں۔

ف۲ یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں تھی اوپر آجائے۔ اور مردے قبروں سے نکالے جائیں۔

ف۳ یعنی جو بھلے برے کام کئے یا نہیں کئے شروع عمر میں کئے یا اخیر میں۔ ان کا اثر اپنے پیچھے چھوڑا یا نہیں چھوڑا سب اس وقت سامنے آجائیں گے۔

بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾

تو اپنے رب کریم پر ف۱ جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا ف۲ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ف۳

تو اپنے رب کریم پر؟ جس نے تجھ کو بنایا، پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھ کو برابر کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا

ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف کا ہونا ف۴ اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو

کوئی نہیں! پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا۔ اور تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ سردار لکھنے والے، جانتے ہیں جو

تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۚ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ

کچھ تم کرتے ہو ف۵ بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں ف۶ اور بیشک گناہ گار دوزخ میں ہیں ڈالے جائیں گے اس میں

کرتے ہو۔ بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں، اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں، پہنچیں گے (پہنچیں گے) اس میں

الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ؕ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا

انصاف کے دن اور نہ ہوں گے اس سے جدا ہونے والے ف۷ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے

انصاف کے دن، اور نہ ہوں گے اس سے چھپ رہنے والے۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے

ف۱ یعنی وہ رب کریم کیا اس کا حقدار تھا کہ تو اپنے جہل وحماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہو کر نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اس کے لطف وکرم کا جواب کفران و طغیان سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے تھا۔ بیشک وہ کریم ہے لیکن منتقم اور حکیم بھی ہے۔ پھر یہ غرور اور دھوکا نہیں تو اور کیا ہوگا کہ اس کی ایک صفت کو لے کر دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "ٹھیک کیا بدن میں برابر کیا خصلت میں" یا یہ مطلب ہے کہ تیرے اعضاء کے جوڑ بند درست کئے اور حکمت کے موافق ان میں تناسب رکھا۔ پھر مزاج واخلاط میں اعتدال پیدا کیا۔

ف۳ یعنی سب کی صورتوں میں تھوڑا بہت تفاوت رکھا۔ ہر ایک کو الگ صورت شکل اور رنگ روپ عنایت کیا اور بحیثیت مجموعی انسان کی صورت کو تمام جانداروں کی صورت سے بہتر بنایا۔ بعض سلف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ چاہتا تو تجھے گدھے، کتے، خنزیر کی شکل وصورت میں ڈال دیتا۔ باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل اور مشیت سے انسانی صورت میں رکھا۔ بہرحال جس خدا کی یہ قدرت ہو اور ایسے انعامات ہوں، کیا اس کے ساتھ آدمی کو یہی معاملہ کرنا چاہئے۔

ف۴ یعنی بہکنے اور دھوکا کھانے کی اور کوئی وجہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ تم انصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے ہو کہ جو چاہیں کرتے رہیں، آگے کوئی حساب اور باز پرس نہیں۔ یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہوگا۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی۔

ف۵ جو نہ خیانت کرتے ہیں نہ کوئی عمل لکھے بغیر چھوڑتے ہیں۔ نہ ان سے تمہارے اعمال پوشیدہ ہیں جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب دفتر یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً ہر شخص کے اعمال اس کے آگے آئیں گے اور اس کا اچھا برا پھل چکھنا پڑے گا۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی۔

ف۶ جہاں ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی نعمتوں اور راحتوں میں رہنا ہوگا، اگر نکلنے کا کھٹکا لگا رہتا تو راحت ہی کیا ہوتی۔

ف۷ یعنی نہ بھاگ کر اس سے الگ رہ سکتے ہیں نہ داخل ہونے کے بعد کبھی نکل کر جا سکتے ہیں۔ ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔

يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع

دن انصاف کا جس دن کہ بھلا نہ کرسکے کوئی جی کسی جی کا کچھ بھی ف۱ اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہے ف۲

دن انصاف کا؟ پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے؟ کیسا ہے دن انصاف کا؟ جس دن بھلا نہ کرسکے کوئی جی کسی جی کا کچھ۔ اور حکم اس دن اللہ کا ہے۔

سورۃ الانفطار

حوادث ارض وسماء وشمس وقمر برقیام قیامت

سورۃ انفطار بھی مکی سورتوں میں سے ہے جس کی انیس آیات ہیں، اس کا مضمون بھی سورۃ تکویر کی طرح نظام عالم کے درہم برہم ہونے، قیامت کے وقت انقلابات کونیہ کے برپا ہونے پر مشتمل ہے پھر یہ کہ روز محشر ابرار ونیکوکار لوگوں کا کیا حال ہوگا، اور فساق وفجار کس طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے۔

سورت کی ابتداء میں یہ ظاہر کیا گیا کہ قیام قیامت پر آسمانوں کا نظام اس طرح درہم برہم کردیا جائے گا کہ آسمان شق ہوجائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور سمندر آگ سے دہکا دیئے جائیں گے اور مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر انسان کو معلوم ہوجائے گا کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے اور پھر چاہے وہ کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا تو ارشاد فرمایا جارہا ہے:

جب کہ آسمان شق ہوجائے اور جب ستارے ٹوٹ کر گرنے لگیں اور جب سمندر ابلنے لگیں اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں اور اس طرح آسمان وزمین کا نظام تباہ ہوجائے تو ہر انسان جان لے گا۔ اس نے اپنے سے پہلے کیا، بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے اس نے زندگی میں پہلے کیا کام کیا اور بعد میں کیا کیا، ہر عمل اور ہر چیز اس کے سامنے آجائے گی ان حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد تو اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ انسان کو اپنے پروردگار اور اس کی قدرت اور روز جزاء حساب وکتاب کے بارے میں کسی قسم کا شبہ یا دھوکہ باقی رہے لیکن افسوس اے انسان کس چیز نے تجھ کو تیرے رب کریم کے بارے میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جس رب کریم نے تجھ کو بنایا ہے عدم سے تجھ کو وجود میں لایا۔ پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھ کو برابر کیا کہ اعضاء جسمانی ٹھیک بنائے اور ان میں ایک بہترین تناسب اور اعتدال رکھا کہ انسان کے بدن کا کوئی حصہ بے جوڑ اور غیر مناسب نہیں اور ان کی وضع وہیئت بڑی ہی دقیق اور بلند پایہ حکمتوں پر مبنی ہے، پھر مزاج اخلاط میں تناسب رکھا، یہ تمام باتیں اس کا موجب تھیں کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے انعامات کو پہچانتا، اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتا، لیکن افسوس بہت سے انسان غفلت وجہالت کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے اور انہوں نے اس میں اپنی ساری عمر برباد کی سوایسے لوگوں کو سن

ف۱ یعنی کتنا ہی سوچو اور غور کرو، پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ بس مختصراً اتنا سمجھ لو کہ اس دن جتنے رشتے ناطے خویشی اور آشنائی کے ہیں سب نیست ونابود ہوجائیں گے۔ سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔ کوئی شخص بدون حکم مالک الملک کے کسی کی سفارش نہ کرسکے گا۔ عاجزی، چاپلوسی اور صبر واستقلال کچھ کام نہ دیگا۔ "الا من رحم اللہ"۔

ف۲ یعنی دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر، ماں باپ کا اولاد پر، اور آقا کا نوکر پر جاری ہوتا ہے اس دن یہ سب حکم ختم ہوجائیں گے اور اس شہنشاہ مطلق کے سوا کسی کو دم مارنے کی قدرت نہ ہوگی تنہا بلا شرکت غیرے ظاہراً وباطناً اسی کا حکم چلے گا۔ اور سارے کام حساً ومعناً اکیلے اسی کے قبضہ میں ہوں گے۔

لینا چاہئے۔ خبردار بات یہ نہیں ہے کہ خالق کائنات اور تمہارے رب کی ربوبیت کوئی پوشیدہ چیز ہے بلکہ تم تو جھٹلاتے ہو انصاف کے ہونے کو اور روز جزاء یعنی قیامت قائم ہونے کو اور کہتے ہو کہ انسان کی بس یہ زندگی ہے اسی میں اس کو رہنا ہے اور جو کچھ کر لیا وہ بس گزر گیا اب نہ بعد میں زندہ ہونا ہے اور نہ ہی کے ہوئے اعمال کی کوئی جزاء وسزا ہے۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں جو بڑے ہی عزت والے اعمال کے لکھنے والے ہیں۔ جو جانتے ہیں ہر وہ بات جو تم کرتے ہو۔ اس لیے ہر ایک کے عمل کا بدلہ قیامت کے روز اس کو ملے گا اعمال خیر کی جزاء جنت کی نعمتیں ہیں اور اعمال شر کی سزا عذاب جہنم اور خدا کی ناراضگی ہے، یہی قانون خداوندی ہے جو طے ہو چکا بس اس کی رو سے بے شک نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار بے شک دوزخ میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے انصاف کے دن اور روز محشر ہر ایک ہمارے سامنے موجود ہوگا تو وہ گنہگار لوگ اس جہنم سے دور ہونے والے نہ ہوں گے نہ بھاگ کر اس سے دور ہو سکیں گے اور نہ داخل ہوں کے بعد اس سے نکل سکیں گے بلکہ ہمیشہ وہی رہنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا ذلت اور مصیبت ہو سکتی ہے اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کہ کیا ہے انصاف کا دن کتنا ہی سوچا جائے اور غور وفکر کیا جائے، اس کی ہیبت اور عظمت کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا پھر بھی سوچ لے جانتا ہے کیا ہے انصاف کا دن؟ اے انسان تو نہ جان سکتا ہے اور نہ اس تک تیری رسائی ہو سکتی ہے بس یہ سمجھ لے وہ دن ایسا ہوگا کوئی انسان کسی انسان کے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہ ہوگا اور کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا اس دن تمام رشتے ناطے اور تعلقات وروابط قطع ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کسی کے لیے بولنے کی بھی مجال نہ ہوگی اور ہر فیصلہ اس دن اللہ ہی کے لیے ہوگا ہر ایک نفسی نفسی پکارتا ہوگا نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی فدیہ اور عوض قبول ہوگا۔ ہاں بس وہی شفاعت کر سکے گا جن کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾۔

دنیا کی بادشاہوں کے ہاں وسائل وذرائع اور سفارشیں کام آجاتی ہیں لیکن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں یہ سب رشتے ناطے بیکار اور بے اثر ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی شخص کو قیامت کا منظر دیکھنا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ سورۂ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ کی تلاوت کرے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت باسناد احمد بن حنبل بشر بن مجاش القرشی کی نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز دیوار پر تھوکا اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے اے ابن آدم تو مجھے کہاں عاجز کر سکتا ہے، حالانکہ میں نے تجھے اس تھوک جیسے حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ جب میں نے تجھ کو برابر اور متناسب اعضاء کے ساتھ بنایا تو اے انسان تو اپنے لباس (دو چادروں) میں اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ زمین میں تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے، تو نے مال خوب جمع کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کیا تا آنکہ جب تیرا سانس حلق تک پہنچنے لگا تو کہنا شروع کیا اب میں صدقہ کرتا ہوں، حالانکہ اب کہاں وقت رہا ہے، صدقہ کرنے کا۔ ●

● تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

مغرور و نافرمان انسان کو خلاق رب العالمین کی ایک دھمکی

آیت مبارکہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ﴾ میں انسانی غرور اور غفلت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے اس امر سے نہایت ہی بعید ہے اور یہ بات اس کے واسطے قابل حیرت ہے کہ وہ اپنے رب کے معاملہ میں دھوکہ میں رہے اس کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری سے غرور وتکبر اختیار کرے، اس کو اللہ نے عقل وفطرت کی صلاحیت سے نوازا ہے اور مخلوق میں خالق کا رابطہ اور تعلق فطری امر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی سرکشی ونافرمانی بلاشبہ قابل حیرت ہے بعض ائمہ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ "انسان" سے یہاں کافر مراد ہے، کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور انکار قیامت پر اصرار ودلیری اور گناہوں کا ارتکاب اور سزا سے بے پروا ہو کر شتر بے مہار بنے رہنا، اللہ سے اس کا غرور ہے اور یہ کہ دھوکہ میں وہ مبتلا ہے، عطاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں کلبی رحمہ اللہ اور ابن مقاتل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک مغرور کافر ابن الاسد بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئیں اس نے آنحضرت ﷺ سے گستاخی کی مگر خدا نے دنیا میں سزا نہ دی تو یہ غرور وتکبر میں اترانے لگا، بغوی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی جس نے آنحضرت ﷺ کو ستایا تھا۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں الانسان سے ہر ایک کو خطاب ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن گناہگار ہو یا بدکار تو بطور تنبیہ سب کو یہ خطاب فرمایا جارہا ہے تاکہ کوئی بھی متنفس اس طرح کی روش اختیار نہ کرے اور آسمانی عدالت سے کسی وقت غفلت نہ برتے اگر کسی وقت بشری کوتاہی کرے اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم وشرمندہ ہو کر تائب ہو یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرف یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ بس یسوع مسیح علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں، اب ہم کو کسی بھی گناہ کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی اور نہ یہودیوں کی طرح یہ سمجھے کہ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا کافی ہے، اور اگر کسی گناہ کی کچھ سزا بھی ملے تو بس چند روز کی ہوگی، جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ یا ان جہلاء کی طرح دھوکہ میں نہ پڑے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انکے بزرگ اور غوث وقطب ان کو بخشوا دیں گے اور ان کو نہ کسی فرض کے ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی معصیت سے انکو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی روافض وشیعہ کی طرح یہ اعتقاد قائم کرلے کہ بنی فاطمہ پر آگ حرام ہے خواہ ہو کچھ بھی کریں ان کو قطعاً سزا نہ ہوگی ایسے فاطمیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ نے خود اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یا فاطمہ بنت محمد انقذی نفسک من النار فانی لا اغنی عنك من الله شیئا۔ کہ اے فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا (بغیر ایمان وعمل) میں اللہ کے یہاں تجھے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔

الغرض یہ اعتقادات اور تخیلات دھوکہ ہی ہیں رب کریم کے معاملہ میں ہر انسان کو اس قسم کے دھوکہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

آیت مبارکہ میں رب کے ساتھ کریم کی صفت جمع کرنے میں ایک نہایت ہی لطیف اشارہ ہے وہ خداوند عالم کی

شان ربوبیت جس کا تقاضا ہر مرحلہ پر مخلوق کو پالنا اس کی ضرورتوں طبعی تقاضوں کو پورا کرنا ہے وہ اس امر کی مقتضی ہے کہ اس سے کسی طرح کی غفلت نہ برتی جائے، اور نہ ہی تکبر وغرور کی روش اختیار کرنی چاہئے پھر جب کہ وہ کریم بھی ہے اور اس کا کرم بار بار انسان کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اس کی یاد تازہ کرتی ہے اس کے انعامات واحسانات انسانی فطرت کو اس سے تعلق ومحبت اور اس کی اطاعت وبندگی پر آمادہ کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی وعتاب سے ڈراتے ہیں، تو حیرت ہے کہ پھر بھی انسان غافل رہے اور غرور وتکبر ہی کرتا رہے اور ہر طرح کی معصیت ونافرمانی کرنے پر بھی امیدیں قائم رکھے اور اسی گھمنڈ میں رہے کہ اس کا انجام بہت اچھا ہوگا اس تصور پر تو خداوند عالم نے اہل کتاب کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد ہے ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾ اور فرمایا ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ کہ ان امیدوں اور آرزوؤں سے کام نہیں چلے گا۔

ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر قیامت میں مجھ سے کہا گیا ﴿مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾ تو میں کہہ دوں گا غرنی کرم الکریم کہ کریم کے کرم نے مجھے دھوکہ میں ڈالا، غرض اس لطیف عنوان سے انسان کی طبعی کمزوری کو نمایاں کردیا گیا تاکہ اس عیب سے انسان اپنے آپ کو بچائے اور اس عیب سے اپنی زندگی کو پاک رکھے جو انسان کو حیوان سے بھی بدتر کردینے والی ہے بس یہ حقیقت ہے۔

لطف حق با تو مواسا ہا کند
چونکہ از حد بگزرد رسوا کند

سورۃ المطففین

سورۂ مطففین جس کو سورۃ التطفیف بھی کہا جاتا ہے مکیہ ہے، اس میں چھتیس آیات ہیں، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ ومقاتل رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔

عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری سورت ہے اس کے بالمقابل ایک جماعت ائمہ مفسرین کی اس کو مدنی سورت کہتی ہے چنانچہ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے، لیکن قول اول راجح اور قوی ہے۔

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث ونشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد وایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق والعباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

۸۳ سورۃ المطففین مکیۃ ۸۶ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیاتہا ۳۶ رکوعہا ۱

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ① الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ② وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کرلیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ماپ کردیں ان کو یا

خرابی ہے گھٹانے والوں کی۔ وہ کہ جب ماپ لیں لوگوں سے، پورا بھر لیں۔ اور جب ماپ دیں ان کو، یا

وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ③ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤ يَوْمَ

تول کر تو گھٹا کردیں ف۱ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے ف۲ جس دن

تول دیں تو گھٹا کردیں۔ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے، ایک بڑے دن میں، جس دن

يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ⑥ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ⑦ وَمَا أَدْرَاكَ مَا

کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی ف۳ ہرگز نہیں ف۴ بیشک اعمال نامہ گناہ گاروں کا سجین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے

کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے صاحب کی۔ کوئی نہیں! لکھا گنہگاروں کا پہنچا بندی خانہ میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا

سِجِّينٌ ⑧ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ⑨ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ⑩ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ

سجین ایک دفتر ہے لکھا ہوا ف۵ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے اس دن

بندی خانہ؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی، جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف

ف۱ لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں مگر یہاں اس کے لانے سے مقصود خود اس بات پر مذمت کرنا نہیں بلکہ کم دینے کی مذمت کو مؤکد کرنا ہے۔ یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر لیتے وقت دوسروں کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے۔ بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے فتلک بتلک۔ لہٰذا پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہوا اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی، اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا جائے تاکہ خوب تصریح ہو جائے کہ ناپنے میں بھی کم ناپتے ہیں اور تولنے میں بھی کم تولتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مذموم نہیں اس لئے وہاں صرف ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لئے ہو کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ رواج کیل کا تھا۔ اس کے سوا اور بھی وجوہ تخصیص کی ہو سکتی ہے۔

ف۲ یعنی اگر انہیں خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد ایک دن پھر اٹھنا اور اللہ کے سامنے تمام حقوق و فرائض کا حساب دینا ہے، تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے۔

ف۳ کہ کب تجلی فرماتا اور کب حساب کتاب کر کے ہمارے حق میں کوئی فیصلہ سناتا ہے۔

ف۴ یعنی ہرگز گمان نہ کیا جائے کہ ایسا دن نہیں آئے گا۔ وہ ضرور آنا ہے اور اس کے لئے سب نیکوں اور بدوں کے اعمالنامے اپنے اپنے دفتر میں مرتب کئے رکھے ہیں۔

ف۵ یعنی سجین ایک دفتر ہے، جس میں نام ہر ایک دوزخی کا درج ہے۔ اور "بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے" جن کا ذکر اس سے پہلی سورت میں آچکا، ان بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اس دفتر میں داخل کرتے ہیں اور اس فرد پر یا ہر ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کے دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دوزخی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح بھی اسی مقام میں رکھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی ان کے نام وہاں داخل ہوتے ہیں مگر وہیں پہنچیں گے۔" بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ واللہ اعلم۔

الدِّيْنِ ⑪ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ

جھٹلانے والوں کی اور اس کو جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ نکلنے والا گناہ گار ہے ف۱ جب سنائے اس کو ہماری آیتیں کہے نقلیں ہیں

کا دن۔ اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے، جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے۔ جب سنایئے اس کو ہماری آیتیں، کہے نقلیں ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ⑬ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ

پہلوں کی ف۲ کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے ف۳ کوئی نہیں وہ اپنے رب سے

پہلوں کی۔ کوئی نہیں! پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر، وہ جو کچھ کماتے تھے۔ کوئی نہیں وہ اپنے رب سے

يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

اس دن روک دیے جائیں گے ف۴ پھر مقرر وہ گرنے والے ہیں دوزخ میں پھر کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کو تم

اس دن روکے جاویں گے، پھر مقرر وہ پہنچنے والے ہیں دوزخ میں۔ پھر کہیے گا، یہ ہے جس کو تم

تُكَذِّبُوْنَ ⑰

جھوٹ جانتے تھے

جھوٹ جانتے تھے۔

وعید براتلاف حقوق وخیانت در وزن و پیمائش

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ❶ ... الی ... كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾

ف۱ جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت اللہ کی ربوبیت، اس کی قدرت اور اس کے عدل و حکمت سب کا منکر ہے اور جو ان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر گناہوں پر دلیر ہو تھوڑا ہے۔

ف۲ یعنی قرآن اور نصیحت کی باتیں سن کر کہتا ہے ایسی باتیں، لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ وہ ہی پرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے انہوں نے نقل کر دیے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔

ف۳ یعنی ہماری آیتوں میں کچھ شک و شبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت و مزاولت سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں۔ اس لئے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے، ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائے گا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا رہے گا۔ تاآنکہ قلب بالکل کالا سیاہ ہو جائے کہ حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے۔ یہ ہی حال ان مکذبین کا سمجھو کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے آیات اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ف۴ یعنی اس انکار و تکذیب کے انجام سے بےفکر نہ ہوں۔ وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ، وتعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوں گے اور یہ بدبخت محروم رکھے جائیں گے۔

---

❶ المطففین۔ تطفیف سے ماخوذ ہے جس کے معنی کنارہ اور جانب میں ہونے کے ہیں طفف لغت میں کنارہ کو کہا جاتا ہے اور کمی کرنے کرنے کو بھی کہتے ہیں محاورات میں کہا جاتا ہے طف الاناء جب کہ برتن کو پورا نہ بھرا جائے بلکہ بھرنے کے قریب ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

زجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں مطفف پیمانہ اور ترازو میں کمی کرنے والے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اس میں سے کچھ مقدار دھوکہ کی صورت میں کم کر دیتا ہے یعنی وبخس کہتے ہیں" اکتیال کا مفہوم کوئی چیز ماپ کر لینا اور کال یکیل کوئی چیز ماپ کر دوسرے کو دینا۔ ....=

ربط:...... ماقبل سورتوں میں وعید وتنبیہ تھی عقائد کی خرابی اور گمراہی پر اور اس کی بنیاد ایمان باللہ اور فکر آخرت کے وصف سے محرومی پر ہوتی ہے تو اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ نہ ہونے کے ثمرات میں سے معاملات کی خرابی اور لین دین میں خیانت اور دھوکہ کا ذکر کیا جا رہا ہے تو ارشاد فرمایا:

ہلاکت و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو گھٹانے والے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جب ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا پورا بھر لیں اور جب ناپ کر دیں دوسروں کو یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں اگر چہ اپنا حق کسی سے پورا وصول کر لینا کوئی مذموم بات نہیں لیکن یہ بدترین خصلت ہے کہ اپنا حق وصول کرنے میں تو ذرہ برابر رعایت وچشم پوشی نہ کریں لیکن دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں خیانت وکوتاہی کریں، یقیناً انسان اس حرکت پر صرف اس وجہ سے آمادہ ہوتا ہے کہ اس کو آخرت اور آخرت میں محاسبہ اور بدلہ کا کوئی خیال نہیں۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہیں اس بات کا کہ وہ اٹھائے جائیں گے، ایک بہت بڑے دن کے واسطے جہاں ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے سامنے ❶ اور ہر ایک بے چینی وبیقراری کے عالم میں منتظر ہوگا کہ اس کی پیشی کا کیا انجام ہوتا ہے اور حساب وکتاب کے بعد اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے، خبردار! انسان کو ہرگز دھوکہ میں نہ پڑنا، چاہئے محاسبہ ہونا ہے اور فیصلہ کے بعد بس یہی ہے کہ بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے سجین ❷ وہ ایک لکھا ہوا فیصلہ ہے جو جہنم

= ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خمس بخمس کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہیں جو شخص عہد شکنی کرتا ہے خدا اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر واحتیاج آ جاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے تو اس پر طاعون اور ایسے ہی دوسرے وبائی امراض مسلط ہو جاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہوتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

اور ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں مال غنیمت میں خیانت اور چوری ہونے لگے اللہ تعالیٰ اس کا رعب دشمنوں کے دل سے نکال دیتا ہے اور خود دشمنوں کا ڈر انکے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ (ملاحظہ کریں تفسیر مظہری)

❶ ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز لوگوں کی جب رب العالمین کے سامنے پیشی ہوگی تو سورج سروں کے قریب ایک میل کے بقدر ہوگا اور شدت کرب سے پسینہ بہتا ہوگا کسی کے گھٹنوں تک ہوگا کسی کے اس سے اوپر اور کوئی اپنے پسینہ میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا۔

❷ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے جو اسفل السافلین کا مصداق اتم ہوگا، سجن کے معنی اصل میں قید خانہ کے ہیں یہ کافروں کی ارواح کا قید خانہ ہے، اکثر احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کا ایک طبقہ ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، ارواح مومنین علیین اور ملاء اعلیٰ میں چلی جاتی ہیں تو اس کے برعکس فساق وفجار کی ارواح سجین میں ہوں گی جو تنگ وتاریک مقام ہے اور وہاں رنج وغم اور کرب واضطراب کے سوا کچھ نہیں آگ کی لپٹیں اور سانپ بچھو ڈستے ہوں گے۔

ابن ماجہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب نیک اور ایماندار شخص کی روح قبض ہونے والی ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے جن پر اللہ کا نور برستا ہوا ہوتا ہے آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی ہی نرمی سے روح کو خطاب کرتے ہیں نکل چل خدا کی رحمت ومغفرت وباغ وبہار اور عیش وراحت کی طرف تو فوراً ہی وہ روح نشاط وفرحت کے ساتھ نکل کر ان کے ساتھ عالم بالا کی طرف چلی جاتی ہے جہاں ملائکہ ہوتے ہیں اور جس طرح سے وہ روح گزرتی ہے اس کی مہک اور خوشبو اس جگہ کو معطر کر دیتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے، تو بڑی تعظیم سے اس کا نام بتا دیا جاتا ہے، برخلاف فاسق وکافر کی روح کے کہ بڑی ہی سختی اور ذلت سے نکالی جاتی ہے اور جہاں سے بھی اس کا گزر ہوتا ہے فرشتے اس کی بدبو اور گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کس قدر خبیث اور گندی روح ہے تو پھر اس کو سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس کی تشریح ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ کے تحت گزر چکی۔

کے سب سے نچلے طبقہ میں مجرمین کے لئے عذاب ومصائب اور دہکتی ہوئی آگ کا طبقہ ہے یا وہ دفتر ہے جہاں ان مجرمین کے نام لکھ کر حوالہ کر دیئے جائیں گے۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے جو انکار کرتے تھے ہمارے انصاف کے دن کا اور ہر چند دلائل کے باوجود وہ روز محشر اور قیامت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس روز انصاف کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بڑا ہی سرکش حد سے بڑھ جانے والا گناہگار ہے جس کی حالت یہ ہے کہ جب بھی اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو نقل کئے ہوئے قصے ہیں پہلے لوگوں کے ان کے حقائق ومعارف اور دلائل وشواہد کو تسلیم کرنے کی بجائے ان کو گزرے ہوئے افسانے اور واقعات کہہ کر ٹلا دیتا ہے خبردار ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں اس وجہ سے قلب کا ادراک ماؤف ہوگیا اور وہ صلاحیت کھو بیٹھے ہیں کہ ان حقائق کو سمجھیں۔ خبردار یہی لوگ ہیں وہ جو اپنے رب سے پردہ میں رکھے جائیں گے ان کو کبھی حق تعالیٰ کا دیدار نہ ہو سکے گا اور بارگاہِ رحمت سے ان کو دور ہی روک دیا جائے گا پھر یہ دوزخ میں گرنے والے ہوں گے اور جہنم میں جھونک دینے کے ساتھ پھر ان کو یہ کہا جائیگا دیکھ لو یہی ہے وہ جس کا تم انکار کرتے تھے اور اس کو جھٹلاتے تھے اب تم اپنے اعمال کی بدولت اسی جہنم میں جھونکے جارہے ہو اور تم اس حقیقت پر یقین کرنے کے لئے مجبور ہو جس کی تکذیب کرتے رہے اور وحی الٰہی کا مذاق اڑاتے رہے۔

معاملات میں عدل وانصاف اور امانت

مادی زندگی اور دنیا کی حرص ولالچ میں مبتلا ہونے والا انسان اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ جس شکل سے بھی ممکن ہو کچھ مالی منفعت حاصل کرلے اور اس مرض کے باعث نہ وہ کسی پر ظلم وتعدی سے گریز کرتا ہے نہ عزت وآبرو کا لحاظ زندگی کے ہر مرحلہ پر وہ خیانت اور جھوٹ ہی کے ذریعہ اپنا یہ ناپاک مقصد حاصل کرتا رہتا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تجارتی امور اور لین دین میں یہی روش اختیار کئے ہوئے تھی، حضرت شعیب علیہ السلام نے جب نصیحت کی اور فرمایا:

﴿وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ تو بدنصیب قوم نے جواب دیا۔ ﴿يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰۗؤُا﴾ جیسے کہ تفصیل سے گزر چکا۔

مگر دنیا کی محبت میں غرق ہونے والے انسان کو آخرت کی گرفت اور دنیا کے عذاب سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳

ہرگز نہیں ف۱ بیشک اعمالنامہ نیکوں کا علیین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین ایک دفتر ہے لکھا ہوا ف۲

کوئی نہیں لکھا نیکوں کا ہے اوپر والوں میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے؟ ایک دفتر ہے لکھا۔

ف۱ یعنی ان بدمعاشوں کا اور نیکوں کا ایک انجام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ف۲ یعنی جنتیوں کے نام درج ہیں اور ان کے اعمال کی مسلیں مرتب کرکے رکھی جاتی ہیں اور ان کی ارواح کو اول وہاں لے جا کر پھر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اسی جگہ مقیم رہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ

اس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے ف۱ بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے ف۲ پہچان لے تو ان کے

اس کو دیکھتے ہیں فرشتے نزدیک والے بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے۔ پہچانے تو ان کے

وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ

منہ پر تازگی آرام کی ف۳ ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی ف۴ جس کی مہر جمتی ہے مشک پر ف۵ اور اس پر

منہ پر تازگی آرام کی۔ ان کو پلائی جاتی ہے شراب مہر میں دھری جس کی مہر جمتی ہے مشک پر۔ اور اس پر

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا

چاہیے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے ف۶ اور اس کی ملونی ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں

چاہئے ڈھوکیں (رغبت کریں) ڈھوکنے (رغبت کرنے) والے۔ اور اس کی ملونی اوپر سے پڑتی ایک چشمہ، جس سے پیتے ہیں

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ

نزدیک والے ف۷ وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے ف۸ اور جب ہو کر نکلتے ان کے پاس کو

نزدیک والے وہ جو گنہگار ہیں، وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے۔ اور جب ہو نکلتے ان پاس

يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ

تو آپس میں آنکھ مارتے ف۹ اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے ف۱۰ اور جب ان کو دیکھتے کہتے بیشک

آپس میں سین (اشارے) کرتے۔ اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے۔ اور جب ان کو دیکھتے، کہتے، بے شک

ف۱ مقرب فرشتے یا اللہ کے مقرب بندے خوش ہو کر مومنین کے اعمالنامے دیکھتے ہیں اور اس مقام پر حاضر رہتے ہیں۔

ف۲ یعنی مسہریوں میں بیٹھے جنت کی سیر کرتے ہوں گے اور دیدار الٰہی سے آنکھیں شاد کریں گے۔

ف۳ یعنی جنت کے عیش و آرام سے ان کے چہرے ایسے پر رونق اور تر و تازہ ہوں گے کہ ہر ایک دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش و تنعم میں ہیں۔

ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "شراب کی نہریں ہیں ہر کسی کے گھر میں۔ لیکن یہ شراب نادر ہے جو سر بمہر رہتی ہے۔"

ف۵ جیسے دنیا میں مہر راکھ یا مٹی پر جمائی جاتی، وہاں کی مٹی مشک ہے اسی پر جمائی جائے گی۔ شیشہ ہاتھ میں لیتے ہی دماغ معطر ہو جائے گا اور اخیر تک خوشبو مہکتی رہے گی۔

ف۶ یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں۔ ہاں یہ شراب طہور ہے جس کے لئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

ف۷ یعنی مقرب لوگ اس چشمہ کی شراب خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب کی ملونی دی جاتی ہے جو بطور گلاب وغیرہ کے ان کی شراب میں ملاتے ہیں۔

ف۸ کہ ان بیوقوفوں کو کیا خیال فاسد دامن گیر ہوا ہے کہ محسوس و موجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں۔

ف۹ کہ دیکھو یہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم کر رکھا ہے۔

ف۱۰ یعنی خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے تھے اور اپنے عیش و آرام پر مفتون و مغرور ہو کر سمجھتے کہ ہمارے ہی عقیدے اور خیالات درست ہیں ورنہ یہ نعمتیں ہم کو کیوں ملتیں۔

هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ

یہ لوگ بہک رہے ہیں ف۱ اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان بنا کر ف۲ سو آج ایمان والے

یہ لوگ بہک رہے ہیں۔ اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان۔ سو آج ایمان والے

الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا

منکروں سے ہنستے ہیں ف۳ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں ف۴ اب بدلہ پایا ہے منکروں نے جیسا کچھ کر

منکروں سے ہنستے ہیں۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں۔ اب بدلہ پایا منکروں نے جیسا

يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

کرتے تھے ف۵

کرتے تھے۔

ع ۸

کرامت وعزت برائے مومنین مطیعین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ... الی... مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مجرمین اور خیانت کرنے والوں پر وعید تھی، اب ان آیات میں اہل ایمان اور مخلصین پر ہونے والے انعام واکرام کا ذکر ہے کہ وہ کیسی عزت کے ساتھ جنت میں اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے، ارشاد فرمایا:

ہرگز نہیں! ایسا کہ نیک اور بد کا انجام ایک ہی طرح ہو، یہ جو کچھ سزائیں ذکر کی گئیں فساق وفجار اور مکذبین کی تھیں، اس کے برعکس بلاشبہ نیکوکاروں کا نامۂ اعمال علیین میں ہوگا اور وہی ان کا ٹھکانا بھی ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے علیین، وہ ایک لکھا ہوا دفتر اور طے شدہ بلند وعظیم مقام ہے، جس کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ مقرب فرشتے اس کو دیکھتے ہیں بڑی ہی عزت واحترام کی نظر سے اور اس کے گرد حاضر ہوتے ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اللہ رب العزت نے مقربین کی ارواح کے لئے اسی کو مستقر بنایا ہے۔ بے شک نیک لوگ بڑی ہی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اپنی مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔ نہایت ہی فرحت وسرور کے ساتھ تمام مناظر بہشت اور رب العالمین کا بھی دیدار کرتے ہوں گے

ف۱ کہ خواہ مخواہ زہد وریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور موہوم لذتوں کو موجودہ لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور لا حاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے۔ کیا کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھر بار اور عیش وآرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہولئے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے۔

ف۲ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کو ان مسلمانوں پر کچھ نگہبان نہیں بنایا گیا کہ احمق اپنی تباہ کاریوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی حرکات کی نگرانی کیا کریں۔ اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو۔ اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ اور احمق بنائیں۔

ف۳ یعنی قیامت کے دن مسلمان ان کافروں پر ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو خسیس اور فانی چیز کو نفیس اور باقی نعمتوں پر ترجیح دی۔ آخر آج دوزخ میں کس طرح عذاب دائم کا مزہ چکھ رہے ہیں۔

ف۴ یعنی اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہیں۔

ف۵ یعنی جو دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے، آج ان کا حال قابل مضحکہ ہو رہا ہے اور مسلمان ان کی گزشتہ حماقتوں کا خیال کر کے ہنستے ہیں۔

جب بھی اہل بہشت کو دیدار خداوندی سے نوازا جاتا ہوگا، اے دیکھنے والے جب تو ان کو دیکھے تو جان لے گا آرام وراحتوں کی تازگی اور شادابی ان کے چہروں میں۔ ان کے چہروں پر مسرت واطمینان کی شادابی نمایاں ہوگی ان کو پلایا جاتا ہوگا خالص شراب طہور سے جو سربمہر ہوگی جس پر کسی طرح کا گردوغبار اور ہوا کا بھی اثر نہ ہوگا۔ جس کی مہر مشک ہوگی یہ ہیں وہ نعمتیں اور راحتیں جو علیین میں نیکوکار لوگوں کو حاصل ہوں گی۔

اور حقیقت یہی ہے بس ایسی ہی چیز میں رغبت کرنے والوں کو رغبت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لئے مسابقت کرنی چاہئے، دنیا کی شراب کی لذت وراحت اس قابل نہیں کہ اس کے لئے حرص اور منافست ومسابقت کی جائے اور اس میں آمیزش ہوگی تسنیم ❶ سے جو بلندی ❷ سے نیچے کی طرف گرتا ہوا ایک چشمہ ہوگا جس کی لذت وخوشبو اور لطافت احاطہ تصور سے بالا ہے۔ جسے مقربین پیتے ہوں گے جو خواص مقربین کے لیے ہوگا اور اس چشمہ سے ملا کر ان تمام ابرار اور نیکوکار جنتیوں کو پلاتے ہوں گے جن کے واسطے شراب طہور رحیق مختوم ہوگی، یہ تو حال ہے اہل ایمان کا جو بہشت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہونگے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ان کو ایمان وتقویٰ اور دنیوی لذتوں اور نفس کی خواہشات سے صبر کرنے کی وجہ سے ملا مگر ان کے بالمقابل جن کی زندگی کا مقصد دنیوی عیش وعشرت اور نفس کی خواہشات اور لذتیں ہی رہیں تو ایسے لوگ خدا کے مجرم ونافرمان ہوئے اور بے شک یہ لوگ جو مجرم ہیں جنہوں نے دنیا میں جرم اور نافرمانی کی ایمان والوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور بڑی حقارت سے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جب ان پر سے گزرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تحقیر وتذلیل کے لیے۔ اور اس طرح اپنی آنکھوں اور بھوؤں کے اشارے سے اہل ایمان پر طعن وتشنیع کرتے اور ان کی ظاہری شکستہ حالی پر اپنی دولت وثروت کے زعم میں مذاق اڑاتے ❸ اور جب اپنے گھر لوٹتے تو خوب ہنستے ہوئے قہقہے لگاتے، اور جب ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو بڑے ہی گمراہ بے وقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کی باتیں کررہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مجرمین کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کمینہ پن جس کا عقلاً کوئی جواز نہ تھا اور نہ کوئی شریف انسان ایسی بیہودہ باتوں کو گوارا کرسکتا ہے اور یہ لوگ ان ایمان والوں پر کوئی محافظ بن کر تو نہیں بھیجے گئے تھے کہ یہ ان کے داروغہ ہوں اور ان پر اپنی فوجداری جتلائیں بہرحال دنیا میں یہ مجرم جو کچھ ذلیل حرکتیں کریں وہ کرلیں لیکن آج کے دن تو ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے جب کہ اپنے مسندوں پر بیٹھے ان کو دیکھ رہے ہوں کہ کس طرح یہ مجرم ذلت ورسوائی اور عذاب جہنم میں مبتلا ہیں اور دنیا کے وہ سارے عیش ختم ہوگئے تو اس حالت کو دیکھ کر ایمان والے مجرموں اور کافروں کا مذاق

❶ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شراب کی نہریں تو ہر کسی کے محل میں بہتی ہوں گی لیکن یہ شراب طہور نہایت خاص اور نادر قسم کی ہوگی جو مشک کی مہروں سے بند کی ہوگی۔ ۱۲

❷ یہ تفسیر روایت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے بیان فرماتے تھے اسکی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا وہ ایک نہایت بے بہا اور قیمتی چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ کا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قیمتی ہوگی جو رحیق مختوم میں ملا کر عام اہل جنت کو پلائی جاتی ہوگی۔ ۱۲

❸ یہی وہ چیز ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، الا اخبر کم باھل الجنة کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرہ، الا اخبر کم باھل النار کل عتل جواظ متکبر (رواہ البخاری ومسلم)

اڑائیں گے۔ اور اس طرح اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوں گے اور نجات و کامیابی، بہشت کی نعمتوں اور راحتوں پر مسرور ہورہے ہوں گے، اور تمام مناظر سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے، تو یہ ہوگا اعزاز و اکرام ایمان والوں کا جن پر یہ کافر ہنستے تھے اور مذاق اڑا کر ان کی تحقیر کرتے تھے اور کہیں گے۔ کیا بدلہ پالیا ہے، منکروں نے اپنے کاموں کا۔

فائدہ:...... ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ﴾ کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے بیان کیا آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر اس نے توبہ کرلی اور استغفار کی تو وہ نقطہ زائل ہوجاتا ہے اور اس کا قلب صیقل ہوجاتا ہے، اور اگر غافل رہا تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے حتی کہ پورے قلب پر احاطہ کرلیتا ہے اور یہی وہ "ران" ہے جس کا اللہ رب العزت نے ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ میں ذکر فرمایا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو فرمائی گئی۔

ہر گناہ زنگے است برمراۃ دل
دل شود زیں زنگہا خوار و خجل

فائدہ

﴿كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ کی تفسیر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان دیدار خداوندی سے نوازے جائیں گے جیسا کہ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ میں فرمایا گیا اور کافروں کو دیدار خداوندی سے محرومی کی دھمکی اس بات کی علامت ہے کہ قیامت کے روز کافر بھی حق تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق و متمنی ہوں گے اور دنیا میں چونکہ مادی غفلتوں کے حجاب دل پر قائم تھے اس وجہ سے دنیا کی زندگی میں خدا کا کوئی تعلق اور اس کی کوئی محبت محسوس نہ ہوتی تھی، اب جب کہ قیامت کے دن مادیت کے سارے حجاب دور ہوجائیں گے تو کافر بھی اسی طرح دیدار خداوندی کا طالب و مشتاق ہوگا جس طرح کہ مومن کو اس شوق کے عالم میں دیدار خداوندی سے محروم رکھنا اس پر بڑی حسرت اور تکلیف کا باعث ہوگا تو اس بنا پر بطور دھمکی فرمادیا گیا۔ ﴿كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾۔

اللهم ارزقنا رؤيتك فى جنت النعيم واجعلنا من الذين وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة۔ آمین یارب العلمین۔

(تم بحمد الله العزيز سورة التطفيف)

سورۃ الانشقاق

ربط:...... اس میں بھی گزشتہ مکی سورتوں کی طرح قیامت حشر و نشر اور جزاء و سزا کے مضامین ہیں، اور بالخصوص یہ بیان کیا جارہا ہے کہ قیامت برپا ہونے پر نظام عالم کس طرح درہم برہم ہوجائے گا، اس کی تحقیق و تثبیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا ذکر فرمادیا گیا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں حصول معاش اور مادی تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتا

ہے، اس کو اپنی اس عملی جدوجہد میں آخرت اور بعث بعد الموت کو فراموش نہ کرنا چاہئے اور یہ بات ہرگز اس کو نہ بھلائی چاہئے کہ ہرانسان اپنے رب کی طرف لوٹنے والا ہے اور وہاں زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا۔

اخیر سورت میں مشرکین اور منکرین قیامت پر تنبیہ وتہدید ہے ان کے ایمان نہ لانے اور خداوند عالم کی نافرمانی کی روش پر اظہار افسوس کیا گیا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی بیشمار نعمتوں کے باوجود کبھی خدا کو یاد نہ کیا اور نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس کے احکام کی اطاعت کی۔

ان چند آیات اور مختصر کلمات میں ایسے عظیم اور اہم مضامین کا جمع کردینا بلاشبہ قرآن کریم کا اعجاز ہے جو اکثر مواقع میں ایک صاحب فہم کے سامنے اس طرح واضح ہوکر آتا ہے کہ اس پر ایمان عقل وفطرت کا تقاضا معلوم ہونے لگتا ہے۔

۸۴ سُوْرَةُ الاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — ایاتہا ۲۵ رکوعہا ۱

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا

جب آسمان پھٹ جائے اور سن لے حکم اپنے رب کا، اور وہ آسمان اسی لائق ہے ف۱ اور جب زمین پھیلا دی جائے ف۲ اور نکال ڈالے جو کچھ

جب آسمان پھٹ جاوے۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا، اور اسی لائق ہے۔ اور جب زمین پھیلائی جاوے۔ اور نکال ڈالے جو کچھ

فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا

اس میں ہے اور خالی ہو جائے ف۳ اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے ف۴ اے آدمی تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں سہہ سہہ کر،

اس میں ہے، اور خالی ہو جاوے، اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ اسی لائق ہے۔ اے آدمی! تجھ کو بچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں بچ بچ کر،

فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸

پھر اس سے ملنا ہے ف۵ سو جس کو ملا اعمالنامہ اس کا داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب ف۶

پھر اس سے ملنا۔ سو جس کو ملا لکھا اس کا داہنے ہاتھ میں، تو اس سے حساب لینا ہے حساب آسان۔

ف۱ یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم تکوینی ہوگا، آسمان اس کی تعمیل کرے گا اور وہ مقدور ومقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ باایں عظمت ورفعت اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون وچرا نہ کرے۔

ف۲ محشر کے دن یہ زمین ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیے جائیں گے تاکہ ایک سطح مستوی پر سب اولین و آخرین بیک وقت کھڑے ہوسکیں اور کوئی حجاب وحائل باقی نہ رہے۔

ف۳ زمین اس دن اپنے خزانے اور مردوں کے اجزاء اگال ڈالے گی اور ان تمام چیزوں سے خالی ہو جائے گی جن کا تعلق اعمال عباد کے مجازات سے ہے۔

ف۴ زمین وآسمان جس کے حکم تکوینی کے تابع ومنقاد ہوں، آدمی کو کیا حق ہے کہ اس کے حکم تشریعی سے سرتابی کرے۔

ف۵ یعنی رب تک پہنچنے سے پہلے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق مختلف قسم کی جدوجہد کرتا ہے کوئی اس کی طاعت میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے، کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے۔ پھر نیکی کی جانب میں ہو یا شر کی، طرح طرح کی تکلیفیں سہہ سہہ کر آخر پروردگار سے ملتا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔

ف۶ آسان حساب یہی کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی محض کاغذات پیش ہو جائیں گے اور بدون بحث ومناقشہ کے سستے چھوڑ دیے جائیں گے۔

وَّيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ⑨ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ⑩ فَسَوْفَ يَدْعُوا

اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر ف۱ اور جس کو ملا اس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے ف۲ سو وہ پکارے گا

اور پھر کر آوے اپنے لوگوں پاس خوش وقت۔ اور جس کو ملا اس کا لکھا پیٹھ کے پیچھے سے، سو وہ پکارے گا

ثُبُورًا ⑪ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ⑫ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ⑬ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ⑭ بَلَىٰ

موت موت ف۳ اور پڑے گا آگ میں وہ رہا تھا اپنے گھر میں بے غم ف۴ اس نے خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ جائے گا ف۵ کیوں نہیں

موت موت، اور پیٹھے گا (پہنچے گا) آگ میں۔ وہ رہا تھا اپنے گھر خوش وقت، اس نے خیال کیا کہ پھر نہ جاوے گا۔ کیوں نہیں!

إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ⑮ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰ وَالْقَمَرِ إِذَا

اس کا رب اس کو دیکھتا تھا ف۶ سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو چیزیں اس میں سمٹ آتی ہیں ف۷ اور چاند کی جب

اس کا رب اس کو دیکھتا تھا۔ سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی، اور رات کی، اور جو اس میں سمٹتا ہے، اور چاند کی جب

اتَّسَقَ ⑱ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ⑲ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑳ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

پورا بھر جائے ف۸ کہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی ف۹ پھر کیا ہوا ہے ان کو جو یقین نہیں لاتے ف۱۰ اور جب پڑھیے ان کے پاس

پورا ابھرے۔ تم کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ (درجے پر درجہ) پھر کیا ہوا ہے ان کو یقین نہیں لاتے۔ اور جب پڑھئے ان پاس

ف۱ نہ سزا کا خوف رہے گا نہ غصہ کا ڈر، نہایت امن واطمینان سے اپنے احباب واقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا۔

ف۲ یعنی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ فرشتے سامنے سے اس کے صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے گویا نہایت کراہیت کا اظہار کیا جائے گا۔ اور ممکن ہے پیچھے کو مشکیں بندھی ہوں اس لئے اعمالنامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔

ف۳ یعنی عذاب کے ڈر سے موت مانگے گا۔

ف۴ یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا اس کا بدلہ یہ ہے کہ آج سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی فکر میں گھلے جاتے تھے۔ ان کو آج بالکل بے فکری اور امن چین ہے۔ کافر یہاں مسرور تھا، مومن وہاں مسرور رہے۔

ف۵ اسے کہاں خیال تھا کہ ایک روز خدا کی طرف واپس ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

ف۶ یعنی پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا کہ اس کی روح کہاں سے آئی، بدن کس کس چیز سے بنا۔ پھر کیا اعتقاد رکھا، کیا عمل کیا۔ دل میں کیا بات تھی۔ زبان سے کیا نکلا۔ ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا، اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزاء بکھر کر کہاں کہاں پہنچے۔ وغیر ذٰلک۔ جو خدا آدمی کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور ہر جزئی وکلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو، کیا گمان کر سکتے ہو کہ وہ اس کو یوں ہی مہمل اور معطل چھوڑ دے گا؟ ضرورت ہے کہ اس کے اعمال پر ثمرات ونتائج مرتب کرے۔

ف۷ یعنی آدمی اور جانور جو دن میں تلاش معاش کے لئے مکانوں سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں رات کے وقت سب طرف سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔

ف۸ یعنی چودھویں رات کا چاند جو اپنی حد کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

ف۹ یعنی دنیا کی زندگی میں مختلف دور سے بتدریج گزر کر اخیر میں موت کی سیڑھی ہے، پھر عالم برزخ کی، پھر قیامت کی، پھر قیامت میں خدا جانے کتنے احوال ومراتب درجہ بدرجہ طے کرنے ہیں۔ جیسے رات کے شروع میں شفق کے باقی رہنے تک ایک قسم کی روشنی رہتی ہے۔ جو فی الحقیقت بقیہ ہے آفتاب کے اثرات کا، پھر شفق غائب ہونے پر دوسرا دور تاریکی کا شروع ہوتا ہے جو سب چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ اس میں چاند بھی نکلتا ہے اور درجہ بدرجہ اس کی روشنی بڑھتی ہے آخر چودھویں شب کو ماہ کامل کا نور اس تاریک فضاء میں ساری رات اجالا رکھتا ہے گویا انسانی احوال کے طبقات رات کی مختلف کیفیات سے مشابہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔

الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾

قرآن وہ سجدہ نہیں کرتے ف۱ اوپر سے اور یہ کہ منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں ف۲

قرآن، سجدہ نہیں کرتے۔ اوپر سے یہ منکر جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ

سو خوشی سنادے ان کو عذاب دردناک کی ف۳ مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے ان کے لیے ثواب ہے

سو خوشی سنا ان کو دکھ والی مار کی۔ مگر جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں، ان کو نیگ ہے

مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾

بے انتہا ف۴

بے انتہا۔

قانون مجازات ومراتب جہد وعملیہ درحیات انسانی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ... الی ... لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾

ربط:..... گزشتہ سورتوں میں بعث بعد الموت اور حشر ونشر کے احوال کا ذکر تھا اور دلائل سے اس موضوع کو ثابت کرتے ہوئے انسان کو فکر آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی تو اب اس سورت میں قیامت کے کچھ ہولناک مناظر بیان کئے گئے ہیں قانون مجازات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جارہا ہے، انسانی اعمال اور اس کی جدوجہد کے مختلف اور متفاوت درجات ہیں اور ہر انسان کی زندگی مصروف عمل ہے اور وہ اپنے فکری اور عملی قوی کو محنت ومشقت میں ڈالے ہوئے ہے اب یہ کہ وہ سعادت کا راستہ اور منزل اختیار کرتا ہے یا شقاوت وہلاکت؟ یہ اس کی صلاحیت فہم اور عقل وفطرت کے تقاضے پورے کرنے یا ان کو نظر انداز کرنے پر موقوف ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: اور جب کہ آسمان پھٹ جائے اور کان لگالے وہ اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لئے بھی حق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سنے اور اسی لائق ہے کہ بایں عظمت ورفعت اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرماں برداری میں ذرہ برابر بھی چوں وچرانہ کرے۔

= ف۱ کہ ہم کو موت کے بعد بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور ایک بڑا بھاری سفر درپیش ہے جس کے لئے کافی توشہ ساتھ ہونا چاہیے۔

ف۱ یعنی اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کرسکتی تھی تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اٹھاتے لیکن اس کے برخلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان کو سن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔ حتی کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں، ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

ف۲ یعنی فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر انقیاد وتذلل کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو تکذیب وانکار بغض وعناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

ف۳ یعنی خوشخبری سنادیجئے کہ جو کچھ وہ کمارہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا۔ ان کی یہ کوشش ہرگز خالی نہیں جائیں گی۔

ف۴ جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

اور وہ یہ ہے کہ اس حکم تکوینی اور قیامت برپا ہونے کی شدت وہیبت سے شق ہو جائے۔ اور جب کہ زمین پھیلا دی جائے گی عمارتیں پہاڑ سب پارہ پارہ ہو کر زمین کھلے میدان کی طرح نظر آنے لگی نہ کوئی غار باقی رہے اور نہ پہاڑ نہ عمارتیں اور درخت اور زمین ایک سطح مستوی بن جائے یا جس طرح ربڑ کو کھینچا جا رہا ہو اسی طرح اس کو پھیلا دیا جائے کہ کوئی حجاب وحائل ہی باقی نہ رہے تو ایسی وسیع اور ہموار زمین پر سب کا حشر ہوگا۔

اور اس وقت نکال پھینک دے ہر وہ چیز جو اس کے اندر ہے خواہ وہ خزائن ومعادن ہوں یا زمین میں دفن شدہ مردے اور ان کی ہڈیاں اور جسم کے اجزاء ہوں اور ان سب سے وہ خالی ہو جائے اور کان لگا لے اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سنے اور اس کو مانے تو بس اس وقت اے دیکھنے والے تو دیکھے گا کہ نظام عالم درہم برہم ہو چکے گا زمین وآسمان ہی پر سارا عالم قائم ہے جب وہی شق ہو جائے اور زمین پر قائم آبادیاں پہاڑ درخت انسان سب ختم ہو جائیں، اور زمین اپنے اندر کے خزانے ومردے اگل دے تو یہی وہ وقت ہوگا کہ ہر انسان اپنے رب کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور زندگی کے تمام اعمال کا حساب ہوگا، اس لیے اے انسان تو سمجھ لے اس حقیقت کو کہ تو محنت ومشقت اٹھا رہا ہے عملی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف جاتے ہوئے کہ زندگی کا یہ سفر ہر انسان مسلسل طے کر رہا ہے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کو قبر اور آخرت کے قریب کر رہا ہے، زندگی کی یہ منزلیں طے کرتے کرتے اے انسان بہر حال تجھے اپنے رب تک پہنچنا ہے اور اس کے سامنے تجھے حاضری دینی ہے انسانی زندگی میں یہ عملی جدوجہد ہر ایک کی اپنی اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق ہوتی ہے کوئی اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے تو کوئی بدی اور نافرمانی میں اپنی جان کھپاتا ہے اسی طرح زندگی کی یہ منزلیں ہر انسان طے کرتے ہوئے آخرت اپنے پروردگار سے ملے گا کیونکہ موت کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور پھر اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہی پڑے گا تو جس کسی کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا تو بس یہ تو وہ شخص ہوگا جس کا حساب نہایت ہی آسان لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹے گا نہایت ہی خوش ہوتے ہوئے اپنی کامیابی اور نجات پر اور ان انعامات خداوندی کو دیکھ کر جو اس کو عطا کئے جائیں گے، اب نہ تو سزا کا خوف رہے گا اور نہ کسی چیز کا غم وغصہ بڑے ہی اطمینان وسکون سے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ رہا ہوگا اپنے احباب واقارب اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ خوشیاں مناتا ہوگا اس کا حساب تو بس نامہ اعمال اور کاغذات کی پیشی ہوگی اور بدون کسی بحث ومباحثہ اور مناقشہ درگزر اور معاف کیا جاتا ہوگا۔

اور جس کسی کو اس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے پکڑا یا جائے یعنی فرشتے سامنے سے اس کی صورت بھی دیکھنا گوارا نہ کرتے ہوں گے اور اس طرح اس کے نامہ اعمال پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دے دیئے جائیں گے تو بے شک وہ پکارے گا موت اور ہلاکت کو اور یہی چاہے گا کہ بجائے اس آنے والے عذاب کے مجھے موت ہلاک اور فنا کر دے تو اچھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی اور وہ داخل ہوگا ایک دہکتی ہوئی آگ میں دنیا کی زندگی میں تو اس کو خیال تک نہ تھا کہ اس طرح میدان حشر میں پیشی ہونی ہے اور اعمال کی جزاء وسزا کا مرحلہ آئے گا اس وجہ سے وہ بے شک اپنے گھر اور گھر والوں میں بڑا ہی خوش وخرم رہا کرتا تھا اس نے تو یہ خیال کر رکھا تھا اور دل میں یہی عقیدہ قائم کئے

ہوئے تھا کہ وہ واپس اپنے رب کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور اب اس منکر و کافر کو نظر آ جائے گا کہ اس کے یہ خیالات لغو اور بیہودہ تھے، بہرکیف ہر انسان کو بلاشبہ اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا ہے جس کی نظر سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال کسی بھی زمان و مکان میں مخفی نہیں رہ سکتا۔ پیدائش سے موت تک کا ہر ہر مرحلہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے کہ بدن کس چیز سے بنا روح کہاں سے آئی اس کے قلب میں اعتقاد کیا تھا زبان سے کیا کیا کرتا تھا، ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور پیٹ میں کھانے اور پینے کی چیزیں کیا کیا بھریں اور کس طرح بدن سے روح نکل گئی تو بدن بھی اس کی نگاہوں میں ہے، دیکھ رہا ہے اس کے اجزاء کہاں کہاں منتشر اور بکھر گئے تو جو پروردگار اول سے آخر تک ہر مرحلہ کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کا خالق اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے بھلا اس کے محاسبہ سے اور گرفت سے کون بچ سکتا ہے نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو اسی طرح عبث اور معطل چھوڑ دیا جائے اور اس کے اعمال کی جزاء و سزا کچھ نہ ہو ہرگز نہیں پس میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور ہر اس چیز کی جو رات کے اندھیرے میں سمٹ آئے اور چاند کی جب وہ پورا بھر[1] جائے۔ تو اے انسانو! غروب آفتاب کے بعد سرخی اور آسمان پر اس کے اثرات پھر رات کی تاریکی اور اس کی تاریکی میں سمٹ جانے والی مخلوقات و کائنات پھر چاند کا ہلال کی شکل میں طلوع ہونے کے بعد اپنے حد کمال تک پہنچ جانا! عالم کے یہ انقلابات اور قدرت خداوندی کی یہ عظیم نشانیاں تم کو یہ بات بتارہی ہیں کہ یقیناً ضرور بالضرور تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی اور درجہ بدرجہ مختلف احوال اور ادوار سے تم کو گزرنا ہے اور اسی طرح تدریجی مراحل طے کرتے کرتے عمر کے اختتام کو پہنچنا ہے اور زندگی کی تمام آسائشیں لذتیں اور متاع دنیا کی چمک دمک زندگی کی افق میں اسی طرح ڈوب جائیں گی جیسا کہ سورج اپنی تمام آب و تاب سے طلوع ہو کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے پھر ڈھلنے لگتا ہے اور پھر افق کی تاریکیوں میں چھپ کر آسمان پر ایک ہیبت ناک سرخی لے آتا ہے اور تمام فضاء پر تاریکی محیط ہو جاتی ہے اسی میں

[1] یعنی چودھویں رات کا چاند جب اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہو۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے شفق کی قسم کھا کر انسانی افکار کو لیل و نہار کے تغیرات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس کو دیکھ کر اپنی دنیوی زندگی کی حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اکثر حضرات محدثین اور ائمہ لغت شفق کی تفسیر میں غروب کے بعد آسمان پر باقی رہنے والی سرخی بیان کرتے ہیں خطابی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا اہل لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ آسمان پر پھیلنے والی یہ سرخی خواہ وہ بعد غروب شمس ہو یا قبل از طلوع دونوں کو شفق کہا جائے گا، خلیل بن احمد رحمہ اللہ سے جو کہ لغت عربیہ کے امام ہیں، یہی نقل کیا گیا۔

مصنف عبدالرزاق رحمہ اللہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا الشفق هو البياض، امام راغب رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے فرمایا شفق دن کی روشنی کا رات کی تاریکی کے ساتھ مخلوط ہونے کا نام ہے۔

شیخ حلبی رحمہ اللہ نے شرح منیہ میں لکھا ہے شفق آسمان کے کنارہ پر باقی رہنے والی سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سرخی کے دور ہونے کے بعد ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور اسی بناء پر ان کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے غائب ہونیکے بعد شروع ہوتا ہے۔

اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں لفظ حتى يغيب الافق آتا ہے اور ظاہر ہے غیوبت سفیدی کے ختم ہونے کے بعد ہو سکتی ہے اس کی مزید تائید مجاہد رحمہ اللہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ سے اللہ نے دن کی روشنی کی قسم کھائی ہے۔ اور فرمایا کہ ﴿وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ میں رات کی تاریکی کا بیان ہے تو اس طرح اللہ رب العزت نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو جمع کر دیا۔
(كذا في تفسير ابن كثير وفتح الملهم جلد ثانی)

چودھویں رات کا چاند کرۂ ارضی پر نور کی چادر بچھا دیتا ہے یہ سب دلائل قدرت انسانی ہدایت کے لئے کافی ہیں اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس پھر بھی ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور خدا کی باتوں پر یقین نہیں کرتے اگر عقلی اور فطری صلاحیتوں سے محروم ہو چکے تھے تو چاہئے تھا کہ وحی الٰہی کی طرف رجوع کرتے، قرآن کریم کو پڑھتے اور اس کے حقائق و دلائل سے فائدہ اٹھاتے اور ان حقائق کے سامنے سرنگوں ہوتے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو باوجود اس کے اعجاز اور واضح دلائل وحقائق کے سجدہ نہیں کرتے سرنگوں تو کیا ہوتے اور قرآن پر ایمان کیا لاتے بلکہ یہ لوگ جو منکر ہو چکے وہ ان حقائق و دلائل کو جھٹلاتے ہیں اور بلا دلیل اپنی ضد وعناد اور سرکشی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیا ان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ان کا رب ان کی یہ تمام باتیں دیکھ رہا ہے اور بلاشبہ اللہ تو وہ بھی جانتا ہے جو وہ اپنے اندر بھرے ہوئے ہیں۔ دلوں میں جو بغض وعناد اور دشمنی بھری ہوئی ہے خداوند عالم اسے بھی خوب جانتا ہے اس طرح ظاہری احوال کے ساتھ جب باطنی کیفیات اور دل میں چھپا ہوا خبث بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے تو بس اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان کو بشارت سنا دیجئے ایک دردناک عذاب کی جو ان پر بہر حال مسلط ہو کر رہے گا اور اس وقت انکو اپنی وہ آرزوئیں اور تمام خوشیاں خاک میں ملتی ہوئی نظر آ جائیں گی جن کی وہ آس لگائے ہوئے تھے۔

بہر کیف یہی انجام ہے ایسے شخص کا جو دلائل فطرت کو نہ سمجھے شواہد قدرت کو نہ مانے اور اپنے رب کی نافرمانی اور سرکشی میں اپنی زندگی گزار دے لیکن جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو یقیناً ان کے واسطے ایسا اجر وثواب ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ ایسی نعمتیں جو کبھی کسی انسان کی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی فرد بشر کے تصور میں گزریں۔

احکام الٰہیہ کی قسمیں

قرآن کریم کی آیات اور احادیث ونصوص شریعت سے یہ امر ثابت ہے کہ احکام الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک احکام تشریعیہ ہیں جو وحی الٰہی سے مشروع اور مقرر ہوتے ہیں ان کا خطاب ذوی العقول کو ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن، ان احکام کے جن وانس مخاطب اور مکلف ہوتے ہیں ان میں اوامر الٰہیہ، حلال وحرام، جائز وناجائز، عبادت اور عبادات سے متعلقہ احکام ہوتے ہیں جو مجموعہ شریعت اور دین ہے ان احکام کی اطاعت وفرماں برداری ایمان وطاعت ہے اور ان سے انحراف وانکار فسق وفجور اور نافرمانی اور کفر ہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ ان احکام میں مخاطب کو اختیار ہوتا ہے اور اسی اختیار کی بنیاد پر احکام جزاء وسزا مرتب ہوتے ہیں۔

احکام الٰہیہ کی دوسری قسم تکوینی ہے جو اللہ کی تمام مخلوق اور ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں، ان میں مخاطب کا مکلف اور ذی عقل ہونا شرط نہیں وہ اللہ کے تقدیری امور ہیں وہ کائنات میں جس طرح ارادہ ہو جاری ہوتے ہیں لیل ونہار کا

اختلاف، شمس وقمر کا طلوع، نور وظلمت، ہواؤں کا چلنا اور بارشوں کا برسنا، انسان وحیوان اور نباتات کی پیدائش اور نشوونما جیسے امور ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے اوامر اور احکام میں نہ تو مخاطب کا اختیار ضروری ہے اور نہ اس کا صاحب عقل وشعور ہونا، ہر مخلوق اللہ کا حکم قدرت خداوندی سے سنتی ہے اور وہ اس کی مطیع وفرمان بردار ہے اور اس کا امکان نہیں کہ کوئی مخلوق اس کی خلاف ورزی کر سکے اسی پر یہ مضمون متفرع ہے جو اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

﴿قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۟ۚ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ۟ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ﴾۔

تو ہر ذرہ اس حکم خداوندی کو سنتا ہے اور مجبور ہے اس حکم کی اطاعت پر، اسی بناء پر یہاں فرمایا گیا۔ ﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾۔

آیت سجدہ: ...... سورۂ انشقاق میں سجدہ تلاوت کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے، امام مسلم رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ نے یزید بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے سورۃ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ فرمایا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت میں سجدہ کیا تھا۔ [1] لہٰذا میں بھی ہمیشہ اس میں سجدہ کیا کروں گا، اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں سجدہ ہے اور بحالت نماز میں تلاوت کی گئی اور سجدہ فرمایا گیا، یہی مسلک حضرات حنفیہ کا ہے، مالکیہ مفصلات میں سجدہ تلاوت کے قائل نہیں ہیں۔

﴿حِسَابًا یَّسِیْرًا﴾ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، من نوقش فقد هلك یعنی جس کسی کے حساب میں مناقشہ ہوا تو بس وہ ہلاک ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ﴿فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ تو سرسری پیشی ہے لیکن جس کسی کے حساب میں جانچ پڑتال اور مناقشہ ہوگا تو عذاب وہلاکت سے نہ بچ سکے گا۔

اور ایک روایت میں یہ مضمون ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک روز نماز میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اللهم حاسبنی حسابا یسیرا۔ نماز سے فارغ ہو کر جب لوٹے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حساب یسیر کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا حساب یسیر یہ ہے کہ بندہ کے نامہ اعمال پر بس نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کرتے ہوئے معاف فرمایا جاتا رہے، اے عائشہ رضی اللہ عنہا جس کسی کے حساب کا وہاں مناقشہ ہوا تو بس وہ تو ہلاک ہو جائے گا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

اللھم حاسبنا حسابا یسیرا بفضلك وکرمك واتنا کتابنا فی ایماننا انك عفو کریم تحب العفو فاعف عنا یا ارحم الرحمین، یا اکرم الاکرمنین ویا اجود الاجودین۔ امین یا رب العلمین امین یا رب العلمین۔ ①

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الانشقاق۔

سورۃ البروج

ربط: .... اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ اسلام کی روح ہے، اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی، برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کئے گئے کہ وہ نظام عالم اور اس کے مدار و معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے، لہٰذا ہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہئے اور توحید خداوندی پر ایمان لانا چاہئے۔

اس موضوع کی تحقیق و وضاحت کرتے ہوئے اہل ایمان کی آزمائش اور ہر آزمائش میں ان کا ثابت قدم رہنا بیان کیا گیا، ساتھ ہی ایک قدیم تاریخی واقعہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اہل ایمان کی یہ ثابت قدمی ہوتی ہے کہ آگ کی خندقیں آگ سے دہک رہی ہوں اور ان کو صرف اس بناء پر آگ میں جھونکا جا رہا ہو کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر کیوں ایمان لے آئے، تو اس کے باوجود ان کے قدم ایمان سے ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے اور مضبوطی سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس مصیبت کو جھیل لینا آسان سمجھا۔

اخیر سورت میں مجرمین و منکرین پر تہدید و تنبیہ کے طور پر عذاب خداوندی اور اس کی سخت گرفت کا ذکر فرمایا گیا اور چونکہ یہ جملہ حقائق وحی الٰہی اور قرآن نے دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے تو اخیر میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کا لوح محفوظ میں ہونا بیان فرمایا گیا۔

(۸۵ سُورَۃُ البُرُوجِ مَکِّیَّۃٌ ۲۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (ایاتھا ۲۲ رکوعھا ۱)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ اَصْحٰبُ

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں ف۱ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے ف۲ اور اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ف۳ مارے

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں، اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور حاضر ہونے والے کی، اور جس پر حاضر ہوویں۔ مارے جائیو کھائیاں

ف۱ برجوں سے مراد تو وہ بارہ برج ہیں جن کو آفتاب ایک سال کی مدت میں تمام کرتا ہے یا آسمانی قلعہ کے وہ حصے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا بڑے =

① تفسیر ہذا کا مطالعہ فرمانے والے ہر صاحب سے ناچیز کی درخواست ہے کہ اس گنہگار کے لیے یہ دعا فرما دیں کہ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے درگزر فرماتے ہوئے حساب یسیر لے اور نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں عطا فرما دے، خداوند عالم میرے ان کرم فرماؤں کو اپنی بے پایاں عنایات اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ امین۔

جزاھم اللہ تعالیٰ خیرا الجزاء ویرحم اللہ عبدا، قال امینا۔

الْأُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

گئے کھائیاں کھودنے والے آگ ہے بہت ایندھن والی ف۱ جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ کرتے

کھودنے والے؟ آگ بھری ایندھن سے۔ جب وہ اس پر بیٹھے، اور جو کچھ وہ کرتے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ

مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ف۲ اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی بات کا کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا جس کا

مسلمانوں سے، سامنے دیکھتے، اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے، مگر اسی کا کہ یقین لائے اللہ پر، جو زبردست ہے خوبیوں سراہا، جس کا

= بڑے ستارے جو دیکھنے میں آسمان پر معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی قیامت کا دن۔

ف۳ سب شہروں میں حاضر ہوتا ہے جمعہ کا دن۔ اور سب ایک جگہ حاضر ہوتے ہیں عرفہ کے دن حج کے لیے اسی لئے روایات میں آیا کہ "شاھد" جمعہ کا دن ہے اور "مشھود" عرفہ کا دن۔ اس کے علاوہ "شاھد" و "مشھود" کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں لیکن اوفق بالروایات یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

(تنبیہ) قرآنی قسموں کے متعلق ہم سورۃ "قیامۃ" کے شروع میں جو لکھ چکے ہیں، اس کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہئے۔ اور ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا مالک الحکمۃ وازمنہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ایسے مالک الکل کی مخالفت کرنے والے کا مستحق لعن وعقوبت ہونا ظاہر ہے۔

ف۱ یعنی ملعون ومغضوب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں اور بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ ان "اصحاب الاخدود" سے کون مراد ہیں؟ مفسرین نے کئی واقعات نقل کئے ہیں لیکن صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا۔ اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا۔ جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں تا کہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا۔ اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ اور اس کے فیض صحبت سے ولایت وکرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہوگیا۔ لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کردو۔ لڑکے نے کہا کہ اچھی کرنے والا میں نہیں۔ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں دعا کروں۔ امید ہے وہ تجھ کو بینا کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں۔ اس نے برہم ہو لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کرلیا اور کچھ بحث وگفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کردیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ پر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔ مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں۔ ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں۔ "بسم اللہ رب الغلام" (اس اللہ کے نام پر جو رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یکلخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ "آمنا برب الغلام" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجئے۔ جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے۔ وہی پیش آئی پہلے تو کوئی اکا دکا مسلمان ہوتا تھا اب خلق کثیر نے اسلام قبول کرلیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھریگا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا۔ آخر لوگ آگ میں ڈالے جارہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا۔ شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی۔ "اماہ اصبری فانك على الحق" (اماں جان صبر کر کہ تو حق پر ہے)۔

ف۲ یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر ومشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ف۱

راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

تنبیہ وتہدید برسرتابی انسان از طاعت خداوندی وتاکید استقامت برایمان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں قیامت کا ذکر تھا اور یہ کہ خداوند عالم جب عالم پر قیامت برپا فرمانے کا ارادہ کرے گا تو آسمان شق کر دیا جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے غرض نظام عالم سب ہی درہم برہم ہو جائے گا، اب اس سورت میں حق تعالیٰ اپنی عظمت وکبریائی اور اس کے دلائل وشواہد کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی نافرمانی اور اطاعت خداوندی سے سرتابی پر وعید اور تنبیہ فرما رہا ہے اور ساتھ ہی یہ کہ ایمان والوں کو صبر واستقامت اختیار کرنی چاہئے اور راہ حق میں استقامت کے لئے ہر قربانی اور ہر مشقت کے اٹھانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اس راہ میں صبر واستقامت ہی اصل منزل فلاح وسعادت تک پہنچانے والی چیز ہے، ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی جو برجوں [1] والا ہے۔ اور قسم ہے اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ تو یہ عظمتیں خالق کائنات کی رب السمٰوٰت والارض کی ان عظمتوں اور شواہد کو دیکھنے والوں کو چاہئے کہ اس رب العالمین پر ایمان لائیں بے شک اس کی عظمت وخالقیت برحق ہے اور اس کی وحدانیت پر ساری کائنات گواہ ہے لہٰذا اس کی نافرمانی بڑی ہی ہلاکت وبربادی ہے، ایسا کرنے والا خواہ کوئی فرد یا جماعت ہو، قوم ہو یا خاندان وقبیلہ اسی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے آگ کی خندقیں کھودنے والے ایسی آگ جو دہکنے والی تھی جس کے شعلے خندقوں سے ابل کر بلند ہو رہے تھے۔ جب کہ وہ ان پر بیٹھے ہوئے تھے تاکہ خدا پر ایمان لانے والوں میں سے کسی کو بچ کر نہ جانے دیں اور ہر ایک کو ظلم وتعدی سے مجبور و بے بس بنا کر آگ کی ان خندقوں میں جھونکنے میں مصروف تھے اور وہ جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو اپنی آنکھوں سے خوب دیکھ رہے تھے۔ شقاوت وبدبختی کی انتہاء تھی کہ یہ انسان سوز مظالم جن کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں دل اس ہولناکی سے پارہ پارہ ہو جائے یہ بدبخت بڑے اطمینان سے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

ف۱ یعنی ان مسلمانوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے۔ جس کی بادشاہت سے زمین وآسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں۔ اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے۔ جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلا دیا جائے تو کیا گمان ہو سکتا ہے کہ ایسا ظلم وستم یوں ہی خالی چلا جائے گا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جب اللہ کا غضب آیا وہی آگ پھیل پڑی۔ بادشاہ اور امیروں کے گھر سارے پھونک دیئے"۔ مگر روایات صحیحہ میں اس کا ذکر نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

[1] بروج سے بعض مفسرین ستارے مراد لیتے ہیں جیسے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے یہی منقول ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ بارہ برج ہیں جن کی مسافت آفتاب ایک سال میں طے کرتا ہے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ آسمان کے وہ حصے ہیں جہاں فرشتوں کا پہرہ رہتا ہے۔ ۱۲

ان کو ایمان والوں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی کہ اس کے انتقام میں ایسا کرتے۔ بجز اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اس اللہ پر جو بڑی عزت والا ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس کی حمد وثناء کرتی ہے، اور ہر زمان ومکان اور ہر حال اس کو خوبی وتعریف کا پیکر ہے جس کی شان حاکمیت یہ ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تو ہر چیز پر خوب مطلع ہے اس کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، تو اس خدائے برتر وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لانے والوں نے ان بدبختوں کو نہ تو ستایا تھا اور نہ کوئی قصور کیا تھا بس ان کا جرم ان نافرمانوں بدبختوں کے نزدیک یہی تھا کہ وہ اس خداوند عالم پر ایمان لائے جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات اور تمام عالم کا نظام ہے ظاہر ہے کہ یہ ظلم وستم خالی نہیں جاسکتا تھا، عزیز ذوانتقام کی طرف سے اس پر انتقام اور سزا لازم تھی، انہوں نے تو ایمان والوں کے لئے ان خندقوں کو کھودا اور اس میں آگ دہکائی تھی لیکن جوں ہی اللہ کا غضب ❶ آیا وہی آگ خود ان پر پھیل گئی اور اس شعلے برسانے والی آگ نے ان امیروں اور بادشاہوں کے گھر پھونک دیئے اور دم کے دم میں مجرمین کی وہ بستی جل کر خاک ہوگئی تو جس طرح تاریخ قدیم کی یہ مجرم قوم ایمان والوں کو ستا کر قہر خداوندی سے نہ بچ سکی اس طرح یہ منکرین ومجرمین جو مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو ستا رہے ہیں، غضب خداوندی کے شعلوں اور اس کے قہر کی آگ سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکیں گے۔

یوم موعود اور شاہد ومشہود کی تفسیر

اکثر روایات واحادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاھد سے جمعہ کا دن مراد ہے اور مشھود عرفہ کا دن ہے اور یوم موعود قیامت کا دن ہے، یوم موعود یعنی وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ قیامت ہے جیسا کہ ﴿إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ میں یہ وعدہ کیا گیا اور اسی طرح ارشاد فرمایا گیا ﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ تو اس مضمون کی جملہ آیات جن میں قیامت واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا وہ اس امر کی دلیل ہیں کہ الیوم الموعود قیامت کا دن ہے، اگر چہ بعض حضرات سے قیامت کا دن یوم مشھود بیان کیا گیا اس بناء پر کہ اس روز میدان حشر میں سب کی حاضری ہوگی۔

ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تھے الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور شاھد جمعہ اور مشھود عرفہ ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور تفسیر کی گئی فرمایا شاھد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ اس لحاظ سے کہ آنحضرت ﷺ ہر امت کے پیغمبر کے حق میں گواہی دیں گے کہ بے شک اللہ کے پیغمبر نے اپنی ذمہ داری پوری کردی اور حق رسالت ادا کردیا ہے اور شاہد لغت میں گواہی دینے والے کو کہا جاتا ہے، اور فرمایا مشھود قیامت کا دن ہے اور فرمایا یہ اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔

❶ شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ اس کی وضاحت حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کی، اگر چہ روایات میں اس کا ذکر نہیں۔

﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اکثروا من الصلوۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھد الملئکۃ، کہ مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ دن یوم مشہود ہے جس میں فرشتوں کی (بکثرت) حاضری ہوتی ہے تو ان مواقع میں لغوی معنیٰ کے لحاظ سے قیامت اور جمعہ پر مشہود کا اطلاق وارد ہوا ہے، جمہور مفسرین اسی کو اختیاری فرماتے ہیں، جو حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں وضاحت فرمائی گئی کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاھد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے۔ [1]

(واللہ اعلم بالصواب)

اصحاب الاخدود یعنی آگ کی خندقین کھودنے والوں کا قصہ

اکثر محدثین اور ائمہ مفسرین نے اصحاب الاخدود کا قصہ احادیث مرفوعہ سے بیان کیا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس سورۃ کی تفسیر میں باسناد عبدالرحمن بن ابی، رحمۃ اللہ علیہ صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ (اکثر) نماز عصر کے بعد آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (جس سے محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ کچھ پڑھ رہے ہیں)، تو آپ ﷺ سے عرض سے کیا گیا آپ ﷺ نماز عصر سے فارغ ہو کر کیا کہتے پھرتے ہیں تو آپ نے اس کا جواب میں فرمایا، انبیاء، (سابقین) میں ایک نبی تھے ان کو اپنی امت پر فخر ہوا اور خوشی ہوئی، اور کہا کہ ان کے مقابلہ کی کون تاب لاسکتا ہے، اور کون ہے جو ان کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو فوراً ہی اللہ کی وحی آئی اور اس اعجاب پر بطور گرفت فرمایا گیا، اے پیغمبر اپنی قوم کو اختیار دے دو کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں یا تو میں ان سے انتقام لے لوں یا ان پر ان کا دشمن مسلط کردوں تو انہوں نے انتقام ونقمت کو اختیار کرلیا تھا جس پر ایک ہی دن میں اس امت کے ستر ہزار افراد ہلاک ہوگئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اس قصہ کے ساتھ ایک اور قصہ بھی سنایا۔ فرمایا پہلے زمانے میں کوئی کافر بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ساحر یعنی جادوگر تھا جو بادشاہ کا بہت مقرب تھا جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک نہایت ہونہار اور ہشیار لڑکا دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد یہ علم باقی رہے، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا، راستہ میں ایک عیسائی راہب بھی (اس زمانہ میں سماوی مذہب عیسائیت تھا اور اس وقت کے لحاظ سے وہ دین حق پر تھا) لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر راہب کے ہاتھ پر ایمان لے آیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت وکرامت کے مقام تک پہنچ گیا، ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے، جس سے لوگ پریشان ہیں، اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی، کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کردے، یہ کہہ کر پتھر اس جانور پر پھینکا جس سے فوراً ہلاک ہوگیا، لوگوں میں بات مشہور ہوگئی اور شور مچ گیا کہ اس لڑکے کو تو عجیب علم آتا ہے کسی نابینا نے سن لیا تو اس نے آ کر درخواست

[1] تفسیر ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی۔

کی میری آنکھیں اچھی کردو لڑکے نے کہا اچھی کرنے والا میں نہیں اچھی کرنے والا وہ اللہ ہے جو یکتا ہے وحدہ لاشریک لہ ہے اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے تو میں دعا کروں گا کہ وہ تجھے بینا کردے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، رفتہ رفتہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں اس نے برہم ہوکر حکم دیا کہ لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے دربار میں حاضر کیا جائے کچھ گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کرڈالا اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ کسی اونچے پہاڑ پر لے جا کر اس کو وہاں سے گرادو، اور اس طرح یہ ہلاک ہوجائے، مگر خدا کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے کر گئے وہی سب ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا اس پر بادشاہ کو اور زائد غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کو دریا میں غرق کردو وہاں بھی یہی ہوا کہ جو لوگ لے کر گئے تھے وہ خود ڈوب گئے اور اور لڑکا صحیح سالم نکل آیا، آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو اس طرح مجھے کبھی نہ مار سکے گا، میں خود ہی تجھے ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تو اختیار کرلے، وہ یہ ہے کہ تو سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرلے اور ان کے سامنے مجھے سولی پر لٹکا کر مجھے ایک تیر مار یہ کہہ کر بسم اللہ رب ھذا الغلام۔ اللہ کے نام سے جو رب ہے اس لڑکے کا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا، یہ عجیب واقعہ دیکھنا ہی تھا ایک شور بپا ہوگیا اور مجمع میں سے ہر ایک کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا۔ امنا برب ھذا الغلام۔ کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ اب تک تو اکا دکا کوئی ایمان لارہا تھا لیکن اس کی اس بات کے بعد اب یہ ساری مخلوق مسلمان ہوگئی بادشاہ نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھودی جائیں اور ان میں آگ بھردی جائے جو دہکتی ہو اور اس میں سے شعلے نکل رہے ہوں، اور اعلان کردو جو شخص اس دین سے نہیں لوٹے گا اس کو ان خندقوں میں جھونکا جائے گا لوگوں کا یہ ایمان اور ایمان پر استقامت کا یہ عالم تھا کہ آگ میں جھونکے جارہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے، اسی میں ایک عورت لائی گئی جس کے پاس اس کا دودھ پیتا بچہ تھا بظاہر وہ اپنے بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی، مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی اور بولا۔ اماہ اصبری فانك علی الحق۔ کہ اے میری ماں صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے یہ بدبخت بادشاہ اور اس کے وزراء و مصاحبین خندقوں کے پاس بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے، اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾۔

ایک روایت میں ہے کہ اس بادشاہ نے جب نابینا سے پوچھا کہ تیری بینائی کس نے لوٹائی تو اس نے کہا میرے رب نے تو بادشاہ بولا یعنی میں نے، نابینا نے کہا نہیں، میرے رب نے اور اس رب نے جو تیرا رب ہے، بادشاہ کہنے لگا کیا میرے سوا بھی اور کوئی رب ہے نابینا نے جواب دیا ہاں میرا اور تیرا اور آسمان و زمین کا رب اللہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ بادشاہ دانیال تھا لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل فترت نبوت کے زمانہ میں تھا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ اہل نجران میں سے ایک شخص نے کسی ضرورت یا تعمیر کیلئے کسی جگہ کو کھودا تو اس میں سے عبداللہ بن تامر رحمۃ اللہ علیہ یعنی اس شہید کی لاش ملی اور وہ بالکل اسی حالت میں تھی جیسا کہ اسے ابھی دفن کیا گیا اور اس طرح کہ پٹھ پڑی پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جب کہ اس کو تیر مارا گیا ہوگا اس

نے اپنی پٹھ پڑی پر ہاتھ یا انگلی رکھ لی ہوگی، اس کا ہاتھ جب اس جگہ سے ہٹایا گیا تو تازہ خون زخم سے بہنے لگا، فوراً ہاتھ اسی جگہ پر رکھ دیا گیا تو خون بند ہوگیا اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا "ربی اللہ" یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا ان کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ کر بھیجا گیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس لاش کو اسی جگہ دفنا دو اور جو کچھ انگوٹھی وغیرہ پائی گئی وہ بھی اس کے ساتھ رہنے دو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بعض تاریخی نقول ذکر کی ہیں اور خندقوں کی تفصیل پر بھی کلام کیا ہے، حضرات اہل علم تفسیر ابن کثیر کی مراجعت فرمالیں۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ

تحقیق جو دین سے بچلائے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے عذاب ہے دوزخ کا اور ان کے لیے

جو دین سے بچلاتے (بھٹکانے) لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو، پھر توبہ نہ کی تو ان کو عذاب ہے دوزخ کا، اور ان کو

عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

عذاب ہے آگ لگنے کا ف۱ بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں انہوں نے بھلائیاں ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے

عذاب ہے آگ لگی کا۔ جو لوگ یقین لائے اور کیں بھلائیاں، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾

بہتی ہیں نہریں یہ ہے بڑی مراد ملنی ف۲ بیشک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے ف۳ بیشک وہی کرتا ہے پہلی مرتبہ اور دوسری ف۴

بہتی نہریں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے۔ بے شک وہی کرے پہلی مرتبہ اور دوسری،

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ

اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا ف۵ مالک عرش کا بڑی شان والا کر ڈالنے والا جو چاہے ف۶ کیا پہنچی تجھ کو بات

اور وہی ہے بخشتا، محبت کرتا۔ مالک تخت کا بڑی شان والا۔ کر ڈالتا جو چاہے۔ کچھ پہنچی تجھ کو بات

ف۱ یعنی کچھ اصحاب الاخدود پر منحصر نہیں۔ جو لوگ ایمانداروں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ (جیسے کفار مکہ کر رہے تھے) پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہوں گے اس سب کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے۔ جس میں بیشمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔

ف۲ یعنی یہاں کی تکلیفوں اور ایذاؤں سے نہ گھبرائیں۔ بڑی اور آخری کامیابی ان ہی کے لئے ہے۔ جس کے مقابلہ میں یہاں کا عیش یا تکلیف سب ہیچ ہے۔

ف۳ اسی لئے ظالموں اور مجرموں کو پکڑ کر سخت ترین سزا دیتا ہے۔

ف۴ یعنی پہلی مرتبہ دنیا کا عذاب اور دوسری مرتبہ آخرت کا (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ اول مرتبہ آدمی کو وہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہی پیدا کرے گا۔ پس مجرم اس دھوکے میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام ونشان مٹا دے گی، پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے۔

ف۵ یعنی باوجود اس صفت قہاری وسخت گیری کے اس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا، ان کے عیب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف وکرم اور عنایت وشفقت سے نوازتا ہے۔

ف۶ یعنی اپنے علم وحکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ بہر حال نہ اس کے انعام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیے نہ =

الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ

ان لشکروں کی فرعون اور ثمود کے ف۱ کوئی نہیں بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں ف۲ اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے

لشکروں کی؟ فرعون اور ثمود کی۔ کوئی نہیں! بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں، اور اللہ نے ان کے گرد سے

مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع۱

گھیر رکھا ہے ف۳ کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا ف۴ لکھا ہوا لوح محفوظ میں ف۵

گھیرا ہے۔ کوئی نہیں! یہ قرآن ہے بڑی شان والا، لکھا تختی میں جس کی نگہبانی ہے۔

تنبیہ خداوندی بدوام عذاب جہنم بر تعذیب مومنین ومومنات

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ... الی ... فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں اصحاب الاخدود اور آگ کی خندقیں کھودنے اور ان میں اہل ایمان کو ڈال کر ستانے والوں کا ذکر تھا، اب اس مناسبت سے ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ خداوند عالم کا قہر وغضب جو بیان کیا گیا ہے، ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس دور اور قرن میں مجرمین اس قسم کا رویہ اختیار کریں گے اور ایمان لانے والوں کو ستائیں گے، خواہ وہ کفار اہل مکہ ہوں یا آج کے بعد کوئی اور قوم ہو سب کو اپنا انجام سمجھ لینا، اور جان لینا چاہئے کہ وہ عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ ارشاد فرمایا۔ بے شک جن لوگوں نے ستایا ہے مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو، پھر وہ تائب بھی نہ ہوئے جیسے کہ اصحاب الاخدود کے قصہ میں تاریخی نقول سے معلوم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں بہت سے مرد تھے اور بہت سی عورتیں تھیں، جن کو خندقوں کے کناروں پر کھڑا کر کے دہکتی آگ کی خندقوں میں جھونکا جا رہا تھا تو یقیناً انکے واسطے دوزخ کا عذاب ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب [1] ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے ایمان والوں کو ستایا تھا، لہٰذا جب تاریخ قدیم کے ایسے مجرم خدا کے عذاب اور اس کی سزا سے نہیں بچ سکے تو اسی طرح کفار مکہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانوں کو ستانے اور ظلم وستم ڈھانے کا انجام دنیا اور آخرت میں ان کو بھگتنا [2] ہی پڑے گا۔

= انتقام سے بے خوف بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جلال و جمال دونوں پر نظر رکھے۔ اور خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کو دل سے زائل نہ ہونے دے۔

ف۱ کہ ایک مدت تک انعام کا دروازہ ان پر کھلا رکھا تھا۔ اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچی تھیں پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔

ف۲ یعنی کفار ان قصوں سے عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بلکہ ان قصوں کے اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ف۳ یعنی جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں اس تکذیب کی سزا بھگتنا ضروری ہے اللہ کے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتے نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

ف۴ یعنی ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو، یا چند احمقوں کے جھٹلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔

ف۵ جہاں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا۔ پھر وہاں سے نہایت حفاظت واہتمام کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے۔ ﴿فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ اور یہاں بھی قدرت کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا سامان ہے جس میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

[1] ان مصائب اور حوادث کی صورت میں جو ان پر قہر خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ۱۲

[2] بعض روایات میں ہے کہ اس آیت کو تلاوت کر کے ابن عباس ؓ فرمانے لگے، "یہ سزا ان مجرمین کی اس لئے ذکر فرمائی گئی تا کہ ان کی سزا ان کے عمل کے =

بہر کیف قانون مجازات کا یہی تقاضا ہے مگر اس کے برعکس یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں ان کے واسطے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ بلاشبہ یہی بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔ بہر کیف خداوند عالم کے قہر و جلال اور انعام و کرم کی یہ دونوں شانیں دیکھ لیں تو اب سمجھ لینا چاہئے اے مخاطب بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے۔ جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہی ہر چیز کو ابتداء میں وجود عطا کرنے والا ہے اس کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور وہی اس کو لوٹانے والا بھی ہے۔ لہٰذا جس رب العالمین نے انسان اور تمام کائنات کو ابتداء میں وجود عطا کیا۔ وہی رب العالمین قیامت میں انسانوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔ وہ پروردگار تو اپنی شان رحیمی اور کریمی سے بڑا ہی مغفرت کرنے والا ہے۔ اپنے بندوں کو جو اپنی کسی غفلت و کوتاہی سے کوئی غلطی یا معصیت کر لیں جب بھی وہ اپنے گناہوں پر استغفار و توبہ کریں۔ بڑا ہی محبت کرنے والا ہے اپنے فرماں بردار اور مطیع بندوں سے۔

بڑی ہی عظمت والا عرش کا مالک ہے۔ اس کی قدرت و کبریائی کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ ایسا قادر مطلق ہے کہ کر ڈالتا ہے ہر وہ کام جو چاہتا ہے۔ اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ (اس کے فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا) چنانچہ تاریخ عالم اس بات کی کھلی شہادت ہے، اور گزرے ہوئے واقعات عالم، خداوند عالم کی شان عظمت، و کبریائی اور اس کے قادر مطلق ہونے کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ تو کیا اے مخاطب تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے، فرعون اور قوم ثمود کی؟ ضرور پہنچی ہوگی، کیونکہ یہ واقعات عالم طور پر رب والوں کو بھی خوب معلوم تھے، اور ان کی خوب شہرت تھی، جو بڑے ہی طاقت ور لشکر تھے، مگر خداوند عالم نے اپنے قہر و غضب سے انکو ہلاک کر ڈالا اور دنیا کی کوئی مادی طاقت خدا کا عذاب نہ ٹال سکی چاہئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب ان باتوں کو سن کر نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور کفر و نافرمانی سے تائب ہو جاتے، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا بلکہ یہ انکار کرنے والے کافر برابر اللہ کے پیغمبر کی باتیں جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ! ان کا ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے احاطہ اور گرفت سے بچ کر کہیں بھی نہیں جاسکتے نہ اس کے احاطہ علم سے باہر ہو سکتے ہیں نہ اس کے ملک سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کی قدرت اور گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں اور وہ ہر طرح علماً و ملکاً و قدرۃً ان کو محیط ہے۔

یہ تاریخی حقائق ہیں نہ یہ کہ محض افسانے اور کہانیاں جیسا کہ مشرکین مکہ عناد اور بغض کی وجہ سے کہتے ہیں۔ بلکہ یہ تو بڑی ہی عظمت اور اونچی شان والا قرآن ہے جو وحی الٰہی ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جہاں نہ کسی کی نظر پہنچ سکتی ہے اور نہ کسی معاند کا ہاتھ یہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے، اور نہ کسی کو قدرت ہے کہ لوح محفوظ کی کوئی بات ٹلا سکے اور نہ ہی اس امر کا امکان ہے کہ وحی الٰہی کی کسی بات کو غلط کہہ سکے۔

سورۃ الطارق

اس سورت کا مضمون بھی عقیدہ توحید کی ترجمانی پر مشتمل ہے اور اسلام کی بنیاد یعنی ایمان بالآخرۃ کے ثابت کرنے

= جنس سے ہو جائے، کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے عمل کا بدلہ عمل کے مشابہ ہوتا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا خدا کے اس جود و کرم کو دیکھو کہ جنہوں نے اولیاء اور اس کے محبوب بندوں کو قتل کیا، ان کو توبہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ۱۲

کے لئے حق تعالیٰ نے اپنی عظیم تر مخلوقات ارض وسماء اور کواکب ونجوم کے تغیرات اور انقلابات کو بطور شہادت اور حجت پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی ہے، سورت کی ابتداء آسمان اور نجم ثاقب کی قسم سے کی گئی، اور انتہاء سورت پر قرآنی حقائق کی حقانیت کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کو اس امر پر تسلی دی گئی کہ کفار ومشرکین اور دشمنان اسلام کی سازشوں کی آپ ﷺ ہرگز کوئی فکر نہ کریں، اگر وہ اسلام اور اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں، قدرت خداوندی بھی ایسی تدابیر سے غافل نہیں ہے، جو اسلام کی عظمت وکامیابی اور رسول اللہ ﷺ کی فتح ونصرت کا باعث ہیں۔

(۸۶ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶) (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) (ایاتہا ۱۷ رکوعہا ۱)

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے اندھیرے میں آنے والا وہ تارا چمکتا ہوا کوئی جی نہیں

قسم ہے آسمان کی، اور اندھیرا پڑے آنے والے کی۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے اندھیرا پڑے آنے والا؟ وہ تارا چمکتا۔ کوئی جی نہیں

لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ

جس پر نہیں ایک نگہبان اب دیکھ لے آدمی کہ کا ہے سے بنا ہے ف۱ بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے ف۲ جو نکلتا ہے

جس پر نہیں ایک نگہبان۔ اب دیکھ لے آدمی، کا ہے سے بنا؟ بنا ایک اچھلتے پانی سے، جو نکلتا ہے

بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ

پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے ف۳ بیشک وہ اس کو پھیر لا سکتا ہے ف۴ جس دن جانچے جائیں بھید ف۵ تو کچھ نہ ہوگا اس کو

پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔ بے شک وہ اس کو پھیر لا سکتا ہے، جس دن جانچے جاویں بھید، تو کچھ نہ ہوگا اس کو

قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ

زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا ف۶ قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی ف۷ اور زمین پھوٹ نکلنے والی کی ف۸ بیشک یہ بات ہے

زور، نہ کوئی مدد کرنے والا۔ قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی، اور زمین دراڑ کھانے والی کی۔ یہ بات

ف۱ یعنی فرشتے رہتے ہیں آدمی کے ساتھ۔ بلاؤں سے بچاتے ہیں یا اس کے عمل لکھتے ہیں (موضح القرآن) اور قسم میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے ایسے سامان کئے ہیں۔ اس کو زمین پر تمہاری یا تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے۔ نیز جس طرح آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص شب میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی سب اعمال نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں، مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو انسان کو قیامت کی فکر چاہیے۔ اور اگر اس کو مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

ف۲ یعنی منی سے جو اچھل کر نکلتی ہے۔

ف۳ کہتے ہیں کہ مرد کی منی کا انصباب پیٹھ سے ہوتا ہے اور عورت کا سینہ سے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ پیٹھ اور سینہ تمام بدن سے کنایہ ہے۔ یعنی مرد کی ہو یا عورت کی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر جدا ہوتی ہے اور اس کنایہ میں تخصیص صلب وترائب کی شاید اس لئے ہو کہ حصول مادہ منویہ میں اعضاء رئیسہ (قلب، دماغ، کبد) کو خاص دخل ہے جن میں سے قلب وکبد کا تعلق تلبس ترائب سے اور دماغ کا تعلق بواسطہ نخاع (حرام مغز) کے صلب سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی اللہ پھیر لائے گا مرنے کے بعد (موضح القرآن) حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا بہ نسبت دوبارہ بنانے کے زیادہ عجیب ہے جب یہ امر عجیب اس کی =

فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ

دوٹوک اور نہیں یہ بات ہنسی کی ف۱ البتہ وہ لگے ہوئے ہیں ایک داؤ کرنے میں اور میں لگا ہوا ہوں ایک داؤ کرنے میں سو ڈھیل دے منکروں کو

دوٹوک ہے، اور نہیں یہ بات ہنسی کی۔ البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں، اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں۔ سو ڈھیل دے منکروں کو،

اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾

ڈھیل دے ان کو تھوڑے دنوں ف۲

ڈھیل دے ان کو صبر کر۔

دعوت فکر در تخلیق انسانی وشہادت ارض وسماء ونجوم بر مسئلہ بعث بعد الموت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ... الی... اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا﴾

ربط:...... گزشتہ سورت ایمان اور ایمان پر استقامت اور راہ خداوندی میں صبر اور قربانی کے مضمون پر مشتمل تھی اور اس امر پر کہ دنیا کی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی، اب اس سورت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے انسان کو اس امر کی دعوت دی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق و پیدائش میں غور و فکر کرے، ارض و سماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور یہ کہ زمین کس طرح شق ہو کر اپنے اندر سے نباتات اور سبزہ باہر نکالتی ہے اور وہ تخم جو زمین میں دب کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا اور مٹی میں مل کر خاک بن گیا تھا کیونکر وہ پھر زمین کی سطح پر رونما ہو کر تروتازہ اور شاداب نظر آنے لگا تو ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کے اندھیرے میں نمودار ہونے والے طارق کی اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کیا ہے طارق، وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، بے شک نہیں ہے کوئی جان والا ایسا کہ اس پر ایک نگران نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک ذی روح انسان ہو یا دوسری کوئی

= قدرت سے واقع ہو رہا ہے تو جائز نہیں کہ اس سے کم عجیب چیز کے وقوع کا خواہ مخواہ انکار کیا جائے۔

ف۵ یعنی سب کی قلعی کھل جائے گی۔ اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں یا چھپ کر کی ہوں ظاہر ہو جائیں گی اور کسی جرم کا اخفاء ممکن نہ ہوگا۔

ف۶ اس وقت مجرم نہ اپنے زور و قوت سے مدافعت کر سکے گا نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے سزا سے بچالے۔

ف۷ یا بارش لانے والے کی۔

ف۸ یعنی اس میں سے پھوٹ نکلتے ہیں کھیتی اور درخت۔

ف۱ یعنی قرآن اور جو کچھ وہ معاد کے متعلق بیان کرتا ہے، کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔ بلکہ حق و باطل اور صدق و کذب کا دوٹوک فیصلہ ہے۔ اور لاریب وہ سچا کلام اور ایک طے شدہ معاملہ کی خبر دینے والا ہے جو یقیناً پیش آ کر رہے گا۔

(تنبیہ) قسم کو اس مضمون سے یہ مناسبت ہوئی کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہو مالا مال کر دیتا ہے جیسے بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیض یاب کرتی ہے۔ نیز قیامت میں ایک غیبی بارش ہوگی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے جس طرح یہاں بارش کا پانی گرنے سے مردہ اور بے جان زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔

ف۲ یعنی منکرین داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں کہ شکوک و شبہات ڈال کر یا اور کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں۔ اور میری تدبیر لطیف بھی (جس کا انہیں احساس نہیں) اندر اندر کام کر رہی ہے کہ ان کے تمامی مکر و کید کا جال توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے اور ان کے سب داؤ پیچ ان ہی کی طرف واپس کئے جائیں۔ اب خود سوچ لو کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں کسی کی چالاکی اور مکاری کیا کام دے سکتی ہے لامحالہ یہ لوگ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر رہیں گے۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں اور ان کی حرکات شنیعہ سے گھبرا کر بددعا نہ فرمائیں بلکہ تھوڑے دن ڈھیل دیں پھر دیکھیں نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

مخلوق اس پر اللہ کی طرف سے محافظ مقرر ہیں، انسان کا کوئی قول وعمل ایسا نہیں کہ خدا کے مقرر کردہ نگران اس کو محفوظ نہ کر لیتے ہوں، پھر ہر انسان ان ہی محافظوں کے باعث عالم میں بکھری ہوئی آفات اور حوادث کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾۔ اور جوں ہی کوئی تکوینی مصیبت یا حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے، یہ غیبی حفاظت اس سے جدا ہونے ہی کی وجہ سے پیش آتا ہے، اور جس پروردگار نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے سامان بنائے اس کو کیا مشکل ہے کہ وہ ہر نفس کی حفاظت کا سامان بھی پیدا کر دے، ظاہر ہے کہ ایسے رب قدیر اور علیم کی کسی بھی لمحہ انسان کو نافرمانی نہ کرنی چاہئے اور یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ یہ انسان اپنی اس حیات کے بعد پھر دوبارہ قیامت کے روز اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے والا ہے لہٰذا اس انسان کو دیکھنا چاہئے اور غور وفکر کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی یعنی قطرہ منی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ مرد کی منی کا نصاب پیٹھ سے اور عورت کا سینہ سے یا یہ کہ اعضائے رئیسہ سے مادۂ منویہ کا تعلق ہے تو اس حیثیت سے سینہ اور پشت کی ہڈیوں سے نکلنا بیان کیا گیا تو جو ذات قادر مطلق اپنی قدرت و حکمت سے انسان کو ایک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے، اور اس کی قدرت وحکمت سے کس طرح اس کے اعضاء کی ساخت ہوتی ہے، روح پڑتی ہے جو اس و مدرکات ناک، کان، آنکھیں اور ان میں بینائی پیدا ہوتی ہے، غرض جو ذات رب العالمین اپنی عظیم قدرت اور حکمت سے ان تمام باتوں پر قادر ہے۔ بے شک وہ ذات قادر مطلق اس انسان کو واپس لوٹانے پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب نہیں جتنا کہ ابتداء اس کو پیدا کرنا عجیب تر ہے اور ایک ایک چیز اور بدن کا ایک ایک حصہ اللہ رب العالمین کی قدرت وحکمت کا واضح ثبوت ہے، یہ مرنے کے بعد انسان کو لوٹایا جانا اس دن ہوگا جب کہ جانچے جائیں گے بھید۔ اور ہر قسم کے پوشیدہ راز۔ پس اس دن اس انسان کے لئے نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔ جو ایسے سخت مرحلہ پر اس کی کوئی مدد کر سکے، جبکہ چھپے ہوئے بھید کھل رہے ہوں اور ہر قول وفعل کا حساب لیا جاتا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو باتیں دل میں چھپی ہوئی ہوں گی وہ بھی کھل جائیں گی اور قسم ہے اس آسمان کی جو لوٹنے والا ہے بار بار زمین پر بارش ❶ برسانے کی صورت میں اور قسم ہے زمین کی جو شق ہونے والی ہے جب کہ اس میں تخم ڈال دیا جائے تو بعد اس کے شق ہونے پر سبزہ اور درختوں کا سلسلہ نشوونما شروع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارش کا نظام اور بارشوں کے برسنے کے بعد غلوں اور سبزوں کا اگنا خداوند عالم کی کمال قدرت اور حکمت کے شواہد و دلائل ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ بے شک یہ بات یا قرآن حکیم ایک فیصلہ کن قول ہے۔ ❷ جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت وضلالت کی حدوں کو جدا جدا کر کے دکھاتا ہے، اور ہر طے شدہ امر کی خبر دیتا ہے، اور جس طرح آسمان سے بارشوں کے برسنے پر بنجر زمین

❶ ذات الرجع کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے، اسی کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا کہ آسمان ذات الرجع اس لیے ہے کہ بار بار بارشیں برساتا ہے، قتادہ ؒ بیان کرتے ہیں آسمان اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ وہ بارش کے ذریعہ بار بار رزق پیدا کرتا ہے۔ ابن درید ؒ کہتے ہیں کہ اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ اس کے ستارے اور چاند سورج بار بار لوٹتے رہتے ہیں۔

❷ میرے شیخ حضرت عثمانی ؒ نے فرمایا قسم اور جواب قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ جس طرح بارش برس کر زمین کو حیات اور تازگی بخشتی ہے اسی طرح قیامت میں بھی کوئی غیبی بارش ایسی برسے گی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

زندہ ہو جاتی ہے، پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اگتے ہیں اور زمین اس سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے اسی طرح آسمان سے اس وحی الٰہی کے نزول سے انسانوں کو زندگی سرسبز وشاداب ہوتی ہے اور انسانوں کے قلوب سے محاسن اعمال واخلاق اور معارف وحکم کے پھل پھول اگنے لگتے ہیں جس کے بعد حیات انسانی ایک شاداب باغ اور نافع وقیمتی پھولوں سے لدا خزانہ ہو جاتی ہے اور یہ کلام کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے اصولاً اور عقلاً چاہئے کہ لوگ اس پر ایمان لائیں اور اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت ودشمنی سے باز آجائیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ باز نہیں آتے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو اے ایمان والوں تم اس کی وجہ سے غمگین وپریشان نہ ہوؤ بس سن لو بے شک وہ لوگ تمہارے دین کے خلاف ایک داؤ لگا رہے اور سازش ومکر میں لگے ہوئے ہیں تو میں بھی لگا ہوا ہوں ایک داؤ لگانے میں۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کی تدبیر اور کے داؤ سے کون دشمن بچ سکتا ہے اور خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں کس کا مکر اور سازش کامیاب ہوسکتی ہے رہا یہ امر کے یہ لوگ خوب غرار ہے ہیں اسلام کے خلاف اچھلتے کودتے پھر رہے ہیں نہ ان پر ابھی آسمان سے کوئی عذاب نازل ہو رہا ہے اور نہ زمین انکو نگل رہی ہے تو بس اے مخاطب ڈھیل دے دے ان کافروں کو میں بھی ان کو کچھ دنوں ڈھیل دے رہا ہوں۔ اور جب ان کو عذاب میں پکڑوں گا تو بچ کر نہ جاسکیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ [1] ۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ظالم کو ایک وقت تک (اپنی کسی حکمت سے) مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کو اپنے قہر وعذاب کی گرفت میں لیتا ہے تو وہ کسی طرح بھی اس سے بچ نہیں سکتا، چنانچہ فرمان خداوندی ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾۔ تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الطارق۔

سورۃ الاعلیٰ

اس سورت میں خاص طور پر ذات خداوندی اور اس کی عظمت نیز صفات خداوندی کا علو اور برتری پر بنیادی طور پر کلام فرمایا ہے اسی کے ساتھ دلائل قدرت اور وحدانیت کا بھی بیان ہے، وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے، نیز یہ کہ وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے، نیز یہ کہ وحی الٰہی اور موعظہ حسنہ سے وہی قلوب منتفع ہوتے ہیں جن میں استعداد وصلاحیت اور خشیت وتقویٰ کے آثار ہیں، اور جو قلوب شقاوت وبدبختی سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر نہ دلائل اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ وحی اور موعظہ حسنہ ان کو مفید ہوتے ہیں۔ ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بشارت بھی سنائی کہ جو کتاب الٰہی آپ ﷺ پر اتاری جارہی ہے گو وہ اپنی شان کے لحاظ سے بڑی ہی عظمت والی ہے، اور نفس وحی قول ثقیل ہے، لیکن یہ سب کچھ آسان کر دیا جائے گا، اور آپ ﷺ سہو ونسیان سے محفوظ رہیں گے بجز اس کے جو خدا

---

[1] عبدالرحمن بن خالد بن ابی جبل العدوانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ شرق ثقیف میں اپنی عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں جب کہ آپ علیہ السلام ثقیف کے یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے سنا آپ ﷺ سورۃ ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ تلاوت فرما رہے ہیں تو میں نے اس سورت کو اپنے اسلام لانے سے قبل ہی یاد کر لیا تھا مجھے ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے تو میں نے ان لوگوں کو یہ سورت سنادی تھی، پھر جب اسلام لے آیا دوبارہ اس کو پڑھا۔ ۱۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴۔

ہی چاہے اور اس کو منسوخ کرنے کا ارادہ فرمالے۔

اخیر میں یہ بھی بتادیا گیا کہ انسانی فلاح و کامیابی ذکر الٰہی اور اس کی عبادت و بندگی میں مصروف رہنے ہی میں ہے، اور یہ مقصد اعلیٰ اس صورت میں حاصل ہے جب کہ انسان دنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت نہ دے۔

۸۷ سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ ۸ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — ایاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ

پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر ف۱ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا ف۲ اور جس نے ٹھہرادیا، پھر راہ بتلائی ف۳ اور جس نے نکالا

پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا، اور جس نے ٹھہرایا پھر راہ دی۔ اور جس نے نکالا

الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ

چارا پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ ف۴ البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا مگر جو چاہے اللہ ف۵ وہ جانتا ہے

چارا۔ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا، مگر جو چاہے اللہ۔ وہ جانتا ہے

الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ⑦ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ⑧ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨ سَيَذَّكَّرُ مَنْ

پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے ف۶ اور سہج سہج پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک ف۷ سو تو سمجھائے اگر فائدہ کرے سمجھانا ف۸ سمجھ جائے گا جس کو

پکارا اور چھپا۔ اور سہج سہج پہنچاویں گے ہم تجھ کو آسانی تک۔ سو تو سمجھا۔ اگر کام کرے سمجھانا، سمجھ جاوے گا جس کو

ف۱ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اجعلوھا فی سجودکم" (اس کو اپنے سجود میں رکھو) اسی لئے سجدہ کی حالت میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کہا جاتا ہے۔

ف۲ یعنی جو چیز بنائی عین حکمت کے موافق بہت ٹھیک بنائی اور باعتبار خواص و صفات اور ان کے فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس کی پیدائش کو درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا معتدل مزاج عطا کیا جس سے وہ منافع و فوائد اس پر مرتب ہوسکیں۔

ف۳ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اول تقدیر لکھی پھر اسی کے موافق دنیا میں لایا" گویا دنیا میں آنے کی راہ بتادی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے لئے ایک کمال کا اندازہ ٹھہرایا۔ پھر اس کو وہ کمال حاصل کرنے کی راہ بتلادی۔ وفیہ اقوال اخر الانطول بذکرھا۔

ف۴ یعنی اول نہایت سبز و خوشنما گھاس چارہ زمین سے پیدا کیا پھر آہستہ آہستہ اس کو خشک و سیاہ کر ڈالا تاکہ خشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔

ف۵ یعنی جس طرح ہم نے اپنی تربیت سے ہر چیز کو بتدریج اس کے کمال مطلب تک پہنچایا ہے تم کو بھی آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھادیں گے اور ایسا یاد کرادیں گے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجز ان آیتوں کے جن کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہوگا کہ وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے۔

ف۶ یعنی وہ تمہاری مخفی استعداد اور ظاہری اعمال و احوال کو جانتا ہے اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو آیات ایک مرتبہ نازل کردی گئیں، پھر ان کو منسوخ کرنے اور بھلا دینے کے کیا معنی۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کرنا اسی کی شان ہے جو تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کونسی چیز ہمیشہ باقی رہنی چاہئے۔ اور کس کو ایک مخصوص مدت کے بعد اٹھالینا چاہیے کیونکہ اب اس کا باقی رکھنا ضروری نہیں ہے۔

ف۷ یعنی وحی کو یاد رکھنا آسان ہو جائے گا اور اللہ کی معرفت و عبادت اور ملک و ملت کی سیاست کے طریقے سب سہل کر دیے جائیں گے اور کامیابی کے راستہ سے تمام مشکلات ہٹادی جائیں گی۔

=...

يَّخْشٰى ⑩ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا

ڈر ہوگا ف۱ اور یکسو رہے گا اس سے بڑا بدقسمت وہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں ف۲ پھر نہ مرے گا اس میں اور نہ

ڈر ہوگا۔ اور سرک رہے گا اس سے بڑا بدبخت۔ وہ جو پہنچے گا بڑی آگ میں، پھر نہ مرے گا اس میں نہ

يَحْيٰى ⑬ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ⑯

جیے گا ف۳ بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا ف۴ اور لیا اس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی ف۵ کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو

جیوے گا۔ بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا، اور پڑھا نام اپنے رب کا، پھر نماز کی۔ کوئی نہیں! تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا،

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ⑰ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ⑱ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ⑲ ع

اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا ف۶ یہ لکھا ہوا ہے پہلے ورقوں میں صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے ف۷

اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا۔ یہ کچھ لکھا ہے پہلے ورقوں میں، ورق ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔

= ف۸ یعنی اللہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے انعام فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو فیض پہنچایئے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے

(تنبیہ) "ان نفعت الذکری" کی شرط اس لئے لگائی کہ تذکیر و وعظ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو۔ اور منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، وعظ و تذکیر ہر شخص کے لئے نہیں۔ ہاں تبلیغ و انذار (یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے، اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے۔ اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے۔ شاید اسی لئے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کئے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار کی نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہوسکتا ہے کہ "انَ نفعت الذکری" کی شرط محض تذکیر کی تاکید کے لئے ہو یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہیے اور یقینی بات ہے کہ تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی گو ہر کسی کو نہ دے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔ پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہوا۔

ف۱ سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے، جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو۔

ف۲ یعنی جس بدقسمت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے وہ کہاں سمجھتا ہے۔ اسے خدا کا اور اپنے انجام کا ڈر ہی نہیں جو نصیحت کی طرف متوجہ ہو اور ٹھیک بات سمجھنے کی کوشش کرے۔

ف۳ یعنی نہ موت ہی آئے گی کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہوگی۔ ہاں ایسی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔ العیاذ باللہ۔

ف۴ یعنی ظاہری و باطنی، حسی و معنوی نجاستوں سے پاک ہوا اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔

ف۵ یعنی پاک و صاف ہو کر تکبیر تحریمہ میں اپنے رب کا نام لیا۔ پھر نماز پڑھی۔ اور بعض سلف نے کہا کہ "تزکی" زکوٰۃ سے ہے جس سے مراد یہاں "صدقۃ الفطر" ہے، اور "ذکر اسم ربہ" سے تکبیرات عید مراد ہیں۔ اور "فصلی" پھر تکبیریں، پھر نماز، والظاہر ھوالاول۔

(تنبیہ) حنفیہ نے پہلی تفسیر کے موافق اس آیت سے دو مسئلے نکالے ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ "اللہ اکبر" کہنا فرض نہیں، مطلق ذکر اسم رب کافی ہے جو مشعر تعظیم ہو اور اپنی غرض و حاجت پر مشتمل نہ ہو۔ ہاں "اللہ اکبر" کہنا احادیث صحیحہ کی بناء پر سنت یا واجب قرار پائے گا دوسرے تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ فصلی کا "ذکر اسم ربہ" پر عطف کرنا معطوف و معطوف علیہ کی مغائرت پر دال ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی یہ بھلائی تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و آرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر تعجب ہے کہ جو چیز کماً و کیفاً ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔

ف۷ یعنی یہ مضمون "قد افلح من تزکی" سے یہاں تک) اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ جو کسی وقت منسوخ نہیں ہوا نہ بدلا گیا اس اعتبار سے اور زیادہ مؤکد ہوگیا۔

(تنبیہ) بعض روایات ضعیفہ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور موسیٰ علیہ السلام پر "تورات" کے علاوہ دس صحیفے نازل ہوئے تھے خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔

فلاح وسعادت از ذکر خداوندی وانہماک در صلوٰۃ وعبادت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى... الى... صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ خود اپنی تخلیق و پیدائش پر نظر ڈالے اور سوچے کہ پروردگار عالم نے اپنی کیسی عظیم قدرت اور حکمت سے اس کو وجود عطا فرمایا اور جو ذات خداوندی انسان کو ابتداءً وجود عطا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے اور اس طرح مسئلہ آخرت اور بعث بعد الموت ثابت فرمایا گیا تھا اب اس سورت میں عظمت خداوندی بیان کی جارہی ہے اس کی ذات اور صفات عالیہ کا ذکر کرکے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ انسان کے لئے فلاح وسعادت کی منزل صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ ذکر خدا یا دالٰہی اور اپنے رب کی عبادت وبندگی میں مصروف رہے، اور اس راہ میں اصل رکاوٹ ڈالنے والی چیز حب دنیا اور نفس کی خواہشات ہیں، تو انسان کو چاہئے کہ اس سے بچے اور اصل مقصد کو حیات فانی اور عارضی لذتوں پر فوقیت دے تو ارشاد فرمایا:

پاکی بیان کر اے انسان اپنے رب کے نام کی جو سب سے بلند[1] وبالا ہے جس نے پیدا کیا۔ عدم سے وجود میں لاتے ہوئے پھر ہر ایک چیز کو برابر بنایا نہایت تناسب اور خوبی کے ساتھ انسان ہو یا جو بھی کوئی مخلوق اس کی ساخت نہایت ہی موزوں اور اس کے اجزاء واعضاء بڑے ہی متناسب بنائے اور وہ جس نے ہر بات کو مقرر و مقدر فرمایا پھر اس کی طرف راہ دکھائی سعادت وشقاوت ہو یا ایمان وکفر حصول مال ومنال ہو یا اس سے محرومی الغرض جو بھی کچھ اپنی تقدیر سے طے کیا اسی کی طرف انسان ومخلوق کو کردیا، اور وہی چیز اس کو آسان معلوم ہونے لگی، چنانچہ اہل ایمان کو ایمان وعمل صالح آسان و مرغوب ہوگیا اور اہل شقاوت کو فسق وفجور ہی لذیذ معلوم ہونے لگا۔ اور وہ جس نے سبزہ اگایا پھر اس کو چورا بنادیا سیاہ رنگ کا حالانکہ وہ جب نمودار ہوا تھا تو بڑا ہی سرسبز وشاداب اور خوش منظر تھا مگر خشک ہوکر وہ ریزہ ریزہ اور سیاہ رنگ ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اس رب العالمین کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں اور اس طرح انسان سے لے کر گھانس کے ایک تنکے تک ہر چیز اس کو عظمت وبلندی کی گواہی دے رہی ہے تو یہ ہیں وہ دلائل قدرت اور شواہد وحدانیت جو ہم آپ ﷺ کو اے ہمارے پیغمبر (ﷺ) پڑھا رہے ہیں پس آپ ان کو نہیں بھولیں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا رب اعلیٰ ان علوم کو آپ ﷺ کے سینہ میں محفوظ کردے گا جس طرح یہ علوم ملا اعلیٰ میں لوح محفوظ میں محفوظ ہیں، تو آپ ﷺ ان کو نہیں بھولیں گے۔ مگر جو چیز اللہ چاہے اور ان آیات میں جن کو منسوخ کرنا بھی چاہے تو بے شک وہ آیات آپ ﷺ کے دل سے نکل جائیں گی لیکن اس کے ماسوا جو بھی اللہ کی وحی ہوگی اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا جائے گا وہ آپ ﷺ یاد رکھیں گے جیسا کہ وعدہ فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾ بے شک وہ رب اعلیٰ جانتا ہے بلند آواز کو اور اس کو بھی جو پست اور چھپی ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت اور حکمت پر مبنی ہے کہ کون سی آیات صرف وقتی طور پر نازل کردی گئیں پھر ان کی تلاوت منسوخ کرنی ہے اور کون سی آیات وہ ہیں جو ہمیشہ کے لئے اتاری گئیں چنانچہ ارشاد ہے ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا

[1] حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو تم اپنے سجدہ میں مقرر کرلو اس وجہ سے سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ مقرر ہوئی۔

﴿نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ ۔ اور پروردگار چونکہ تمہاری ظاہری اور باطنی حالت جانتا ہے اور تمہاری وہ استعداد وصلاحیت بھی جو مخفی ہے اس وجہ سے وہی معاملہ فرمائے گا جس کے مستحق ہو اور آسانی دیں گے تم کو ہر اس کام کے لئے جو سہولت وفلاح کا ہے ۔ اس وجہ سے وحی الٰہی بھی محفوظ ہو جائے گی اور اس میں کوئی مشقت نہ ہوگی پھر ان علوم ومعارف کے اثر سے قلب پر معرفت ومحبت کے آثار رونما ہوں گے اور عبادت کا وہ ذوق وشوق ہوگا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور چین ہو جائے گا اور امت کی اصلاح اور ملک کی ترقی اور عظمت کے وہ طریقے بھی آسان کر دیئے جائیں گے جس سے آپ ﷺ کی امت اور ان کے ملک تاریخ عالم میں عظمت وبلندی کا پیکر ہوں گے ، اور کامیابی کی راہ میں جو مشکلات حائل ہو سکتی ہیں ، ان سب کو دور کر دیا جائے گا ، بہرکیف آپ ﷺ پر جب انعامات فرمائے گئے ہیں تو دوسروں کو بھی ان سے فیض یاب کیجئے اور اپنے کمالات سے دوسروں کو بھی باکمال بنایئے جس کی شکل یہ ہے کہ پس آپ ﷺ بار بار سمجھاتے رہیے ۔ اگر سمجھانا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچائے ۔ اور کمال شفقت کے باعث بار بار کے افہام وتفہیم اور نصیحت سے ہرگز نہ اکتایئے اگر کوئی آج نصیحت نہیں قبول کر رہا ہے تو بہت امید ہے کہ عنقریب نصیحت قبول کرے گا ہر وہ شخص جو ڈرتا ہے کیونکہ خوف خدا بہرکیف انسان کو درست راستہ پر لا کر ہی رہتا ہے اور کسی نہ کسی وقت ضرور وہ ہدایت قبول کر لیتا ہے اور اس نصیحت اور پیغام ہدایت سے وہی شخص دور رہتا ہے اور بچتا ہے جو بہت ہی بدبخت اور بدنصیب ہو ۔ جو جہنم کی بڑی آگ میں داخل ہوگا اور وہ جہنم کی بڑی آگ ایک ایسا شدید عذاب ہوگا کہ پھر اس میں نہ تو مرے ہی گا کہ مر کر ان مصائب اور کلفتوں کا خاتمہ ہو جائے اور نہ ہی زندہ رہے گا کہ زندگی کی کوئی راحت اور چین اس کو نصیب ہو سکے ۔

تو یہ انجام اس بدنصیب بدبخت کا جس کے مقدر میں دوزخ کی آگ لکھی ہوئی ہے ، ظاہر ہے کہ وہ کہاں وعظ ونصیحت کی طرف کان لگائے گا ، اور کہاں اس کو عبرت ہوگی ، اور خدا کا ڈر ہوگا کہ وہ اپنا انجام سوچے اور کفر ونافرمانی سے باز آئے ، ہاں جس کے دل میں خوف خدا ہوگا اور اپنے انجام کو سوچے گا وہی اپنا رخ سعادت کی منزل کی طرف کرے گا ، اس لئے بس یہی ضابطہ خدا کی طرف سے طے کر دیا گیا کہ بے شک کامیاب وہی شخص ہوا جس نے پاکی حاصل کی ہر قسم کی ظاہری باطنی اور حسی ومعنوی گندگی اور نجاستوں کو دور کر کے اس طرح کہ نہ اس کے عمل میں کوئی گندگی اور برائی باقی رہی نہ اخلاق میں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں قلب واعتقاد اور عمل کی طہارت ہی فوز وفلاح کا ذریعہ ہے اور لیا اس نے اپنے رب کا نام پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنے رب کی بندگی کا حق ادا کیا ، تقویٰ وطہارت کا مقام طے کر چکنے کے بعد فضائل اعمال اور اخلاق کی عظمتوں تک اس نے اپنے آپ کو پہنچا لیا ۔ یعنی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رب کا نام لے لیا اور اس کے بعد ارکان صلوٰۃ ادا کر کے عبودیت وبندگی کی منزل عالی تک رسائی حاصل کر لی ۔ [1] فلاح وسعادت کی منزل انابت الی اللہ اور خشیت خداوندی پر

[1] بعض ائمہ مفسرین ﴿ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ سے صدقہ وفطر کی ادائیگی مراد لیتے ہیں ، اور ﴿ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ سے تکبیرات عیدین ، حضرات حنفیہ نے آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے محض ذکر اسم رب جو مشعر تعظیم ہو کافی ہے لفظ اللہ اکبر فرض اور رکن نہیں ، بے شک احادیث صحیحہ کی رو سے اور اس اصول کے پیش نظر واجب یا سنت ضرور ہے کیونکہ ﴿فَصَلّٰى﴾ کے لفظ میں فعل صلوٰۃ کا ترتب مطلق ذکر اسم پر فرمایا گیا ، تو معلوم ہوا کہ ہر ذکر اسم رب کا فی ہے کہ اس پر فعل صلوٰۃ مرتب ہو اور ادائیگی کا تحقق پر ہو جائے ، اگر بالخصوص لفظ اللہ اکبر رکن اور فرض ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ فقال اللہ اکبر وصلی ۔ (واللہ اعلم)

موقوف ہے اور اس پر مبنی ہے کہ انسان فکر آخرت میں لگ جائے گا، اور اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حب دنیا اور نفس کی خواہشات ہیں تو ضرورت ہے کہ اس سے اجتناب اختیار کیا جائے، لیکن اے انسانو! تم اپنی غفلت ولا پرواہی کے باعث اس حقیقت کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ تم تو ترجیح اور فوقیت دینے لگتے ہو، دنیا کی زندگی کو اور اسی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنے لگتے ہو۔ حالانکہ آخرت ہی بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دوام وخلود ہے اور وہاں کی ہر ایک نعمت ایسی ہے کہ انسان نے نہ کبھی دیکھی نہ اس کے کان نے کبھی سنا اور نہ اس کے دل میں اس کا تصور گزرا تو چاہئے تو یہ تھا کہ اعتقاد وعمل سے ثابت کیا جاتا کہ آخرت کو پسند کیا جا رہا ہے۔

یہ بلند پایہ نصیحت اور فلاح وسعادت کا راز بے شک وہ ہے جو پچھلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں تو جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں ایسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہے اس کی عظمت وبرتری میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جس کی عظمت کو پہلی نسلیں اور شریعتیں تسلیم کر چکیں اور دنیا نے اس کی افادیت کو دیکھ لیا لہٰذا اے انسانو! تم کو چاہئے کہ انسان کی فطری اور طبعی کمزوری سے بچو حیات دنیا کو پسند کرنے کے بجائے فکر آخرت اور حصول سعادت کی طرف رخ کرلو۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاعلیٰ۔

سورۃ الغاشیہ

ربط:...... دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کو مضمون بھی دو اہم بنیادی موضوعات پر مشتمل ہے، قیامت اور بعث بعد الموت کے احوال اور اس کی شدت و پریشانیاں اور یہ کہ کافر اور نافرمان انسان کو روز قیامت کیسی مصیبتوں اور شدتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کا اعزاز واکرام اور ان پر فائز ہونے والی نعمتوں کی کوئی حد وانتہا نہ ہوگی۔

دوسرا موضوع اس سورت کا حق تعالیٰ شانہ کی وحدانیت اور اس کے دلائل وشواہد کا بیان وتحقیق ہے سورت کے اخیر میں انسان کے اعمال اور محاسبہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ یاد دلایا گیا کہ بہرکیف ہر انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے جہاں اس کے اعمال کا اس کو پورا بدلہ ملے گا۔

۸۸ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۲۶ رُكُوْعُهَا ۱

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلٰى نَارًا

کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپا لینے والی کی ف۱ کتنے منہ اس دن ذلیل ہونے والے ہیں محنت کرنے والے تھکے ہوئے ف۲ گریں گے دہکتی

کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپا لینے والی کی! کتنے منہ اس دن نیوے (خوف زدہ) ہیں۔ محنت کرتے تھکتے۔ پیٹھیں گے (پہنچیں گے) دہکتی

ف۱ یعنی وہ بات سننے کے لائق ہے۔

(تنبیہ) "غاشیہ" (چھپا لینے والی) سے مراد۔ قیامت ہے جو تمام مخلوق پر چھا جائے گی اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہوگا۔

ف۲ یعنی آخرت میں مصیبتیں جھیلنے والے اور مصیبت جھیلنے کی وجہ سے خستہ و درماندہ، اور بعض نے کہا کہ "عاملة ناصبة" سے دنیا کا حال مراد ہے۔ یعنی کتنے لوگ ہیں جو دنیا میں محنتیں کرتے کرتے تھک جاتے ہیں مگر ان کی سب محنتیں طریق حق پر نہ ہونے کی وجہ سے سب اکارت ہیں یہاں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور وہاں بھی =

حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا

ہوئی آگ میں پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے کا ف۱ نہیں ان کے پاس کھانا مگر جھاڑ کانٹوں والا ف۲ نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے

آگ میں، پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے کا، نہیں اس پاس کھانا، مگر جھاڑ کانٹے، نہ موٹا کرے، نہ کام

يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا

بھوک میں ف۳ کتنے منہ اس دن ترو تازہ ہیں اپنی کمائی سے راضی ف۴ اونچے باغ میں نہیں

آوے بھوک میں۔ کتنے منہ اس دن آسودہ ہیں۔ اپنی کمائی سے راضی۔ اونچے باغ میں۔ نہیں

تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ

سنتے اس میں بکواس ف۵ اس میں ایک چشمہ ہے بہتا ف۶ اس میں تخت ہیں اونچے بچھے ہوئے اور آبخورے سامنے

سنتے اس میں بکنا۔ اس میں ایک چشمہ ہے بہتا۔ اس میں تخت ہیں اونچے بچھے۔ اور آبخورے

مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ

چنے ہوئے ف۷ اور غالیچے برابر بچھے ہوئے ف۸ اور مخمل کے نہالچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے ف۹ بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے

دھرے، اور قالیچے قطار پڑے، اور مخمل کے نہالچے کھنڈ رہے۔ بھلا کیا نگاہ نہیں کرتے اونٹوں پر، کیسے

=مصیبت میں رہے "خسر الدنیا والاخرۃ" اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" (کافر لوگ) جو دنیا میں (بڑی بڑی) ریاضت کرتے ہیں (اللہ کے ہاں) کچھ قبول نہیں ہوتی۔"

ف۱ یعنی جب دوزخ کی گرمی ان کے باطن میں سخت تشنگی پیدا کرے گی، بے اختیار پیاس پکاریں گے کہ شاید پانی پینے سے یہ تشنگی دور ہو۔ اس وقت ایک گرم کھولتے ہوگے چشمہ کا پانی دیا جائے گا جس کے پیتے ہی ہونٹ کباب ہو جائیں گے۔ اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی۔ پھر فوراً درست کی جائیں گی اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ العیاذ باللہ۔

ف۲ ضریع "ایک خاردار درخت ہے دوزخ میں جو تلخی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کر ہے۔ جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائیں گے تو یہ چیز کھانے کو دی جائے گی۔

ف۳ کھانے سے مقصود یا محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے یا بدن کو فربہ کرنا یا بھوک کو دفع کرنا۔ "ضریع" کے کھانے سے کوئی بات حاصل نہ ہوگی۔ لذت و مزہ کی نفی تو اس کے نام سے ظاہر ہے، رہے باقی دو فائدے ان کی نفی اس آیت میں تصریحاً کر دی۔ غرض کوئی لذیذ و مرغوب کھانا ان کو میسر نہ ہوگا۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا۔ آگے ان کے بالمقابل جنتیوں کا ذکر ہے۔

ف۴ یعنی خوش ہوں گے کہ اپنی کوشش ٹھکانے لگی اور محنت کا پھل بہت خوب ملا۔

ف۵ یعنی کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔ چہ جائے کہ گالی گفتار اور ذلت کی بات ہو۔

ف۶ یعنی ایک عجیب طرح کا چشمہ۔ اور بعض نے اس کو جنس پر حمل کیا ہے۔ یعنی بہت سے چشمے بہ رہے ہیں۔

ف۷ کہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔

ف۸ یعنی نہایت قرینے اور ترتیب سے بچھے ہوئے، اور گاؤ تکیے لگے ہوئے۔

ف۹ تاکہ جس وقت جہاں چاہیں آرام کریں۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی کلفت نہ اٹھائیں۔

خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ

بنائے ہیں ف۱ اور آسمان پر کہ کیسا اس کو بلند کیا ہے ف۲ اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیے ہیں ف۳ اور زمین پر

بنائے ہیں؟ اور آسمان پر، کیسا بلند کیا ہے؟ اور پہاڑوں پر، کیسے کھڑے کئے ہیں؟ اور زمین پر،

كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ اِلَّا مَنْ

کہ کیسی صاف بچھائی ہے ف۴ سو تو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے تو نہیں ان پر داروغہ ف۵ مگر جس نے

کیسی صاف بچھائی ہے؟ سو تو سمجھا، تیرا کام یہی ہے سمجھانا۔ تو نہیں ان پر داروغہ۔ مگر جس نے

تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا

منہ موڑا اور منکر ہوگیا تو عذاب کرے گا اس پر اللہ وہ بڑا عذاب بیشک ہمارے پاس ہے ان کو پھر آنا پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے ان سے

منہ موڑا اور منکر ہوا۔ تو عذاب کریگا اس کو اللہ، وہ بڑا عذاب۔ بے شک ہم پاس ہی ان کو پھر آنا۔ پھر بے شک ہمارا ذمہ ہے ان سے

حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾ ع۱۳

حساب لینا ف۶

حساب لینا۔

تنبیہ انسان غافل از وقوع قیامت ودعوت فکر برائے رجوع الی اللہ

قال تعالیٰ: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ... الی ... عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ رب العالمین کی پاکی بیان کرے، اور مادی زندگی

ف۱ کہ ہیئت اور خاصیت دونوں اور جانوروں کی نسبت اس میں عجیب ہیں جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں دیکھنے کے قابل ہے۔

ف۲ بدون ظاہری ستون اور کھمبے کے۔

ف۳ کہ ذرا اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتے۔

ف۴ کہ اپنی کلانی کے سبب باوجود کروی الشکل ہونے کے سطح معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس پر رہنا سہنا آسان ہوگیا۔ یہ سب دلائل قدرت بیان ہوئے۔ یعنی تعجب ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے جس سے بعثت بعد الموت پر اس کا قادر ہونا اور عالم آخرت کے عجیب وغریب انتظامات کا ممکن ہونا سمجھ میں آجاتا اور تخصیص ان چیزوں کی بقول ابن کثیر اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے تھے اس وقت ان کے سامنے بیشتر یہی چار چیزیں ہوتی تھیں۔ سواری میں اونٹ، اوپر آسمان نیچے زمین، ارد گرد پہاڑ، اس لئے انہی علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔

ف۵ یعنی جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرنے اور سمجھانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں، اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ یہ کام مقلب القلوب ہی کا ہے۔

ف۶ یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے روگردانی کی اور اس کی آیتوں کا انکار کیا وہ آخرت کے بڑے عذاب اور اللہ کی سخت ترین سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یقیناً ان کو ایک روز ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ہم کو ان سے رتی رتی کا حساب لینا ہے۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کئے جائیے اور ان کا مستقبل ہمارے سپرد کیجئے۔

میں منہمک ہو کر اپنے رب کو فراموش نہ کرے، ایمان وتقویٰ ہی معیار نجات ہے اور فکر آخرت ہی انسانی سعادت ہے۔ یہی وہ ہدایت وتعلیم ہے جو تخلیق عالم کے بعد سے مسلسل تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے، ان ہی علوم وہدایات پر صحف ابراهیم وموسی علیهما السلام بھی مشتمل تھے، اب اس سورت میں ہر اس غافل انسان کو وقوع قیامت سے چونکایا جا رہا ہے جو مادی لذتوں میں پڑ کر آخرت اور بعث بعد الموت کو بھلا چکا، چنانچہ ارشاد فرمایا۔

کیا (نہیں) پہنچی تجھ کو اے مخاطب خبر ایک چھپا لینے والی چیز کی جو تمام مخلوق پر اس طرح چھا جائے گی، جیسے دن کی روشنی پر رات کی تاریکی، اور تمام کائنات اور اس کے نظام کو درہم برہم کر ڈالے گی اور وہ قیامت ہے؟ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ خبر نہ پہنچی ہو کیونکہ یہ بات اللہ کے تمام انبیاء بتاتے چلے آئے۔ موجودات کا تغیر وتبدل اور حوادث کے احوال اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں اس لئے ضرور اے مخاطب تجھے یہ خبر مل چکی ہے۔

وہ چھپا لینے والی چیز ایسی ہیبت ناک ہے کہ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخائف نظر آتے ہوں گے۔ محنتیں اٹھانے والے تھکے ہوئے کہ جنہوں نے دنیا میں اگرچہ بڑی ہی محنتیں اٹھائیں تکالیف ومصائب برداشت کئے لیکن اس وجہ سے کہ حق پر نہ تھے وہ سب برباد ہوئیں، اور اب قیامت اور عذاب آخرت کے آثار دیکھتے ہی چہروں پر بدحواسی برسنے لگے گی اور ایسا معلوم ہونے لگے گا کہ بڑی ہی محنت کر کے یہ چہرے تھکے ہارے ناکام وذلیل ہیں۔ ❶ خسر الدنیا والآخرۃ کا پورا پورا منظر نظر آ رہا ہوگا۔ جو داخل ہو رہے ہوں گے ایک دہکتی ہوئی آگ میں۔ چہروں کے بل جہنم میں جھونکا جا رہا ہوگا جیسے کہ فرمایا گیا۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ﴾ اور ارشاد ہے ﴿فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ جن کو پلایا جاتا ہوگا ایک کھولتے ہوئے ❷ چشمے کے پانی سے جو بجائے پیاس بجھانے کے سوزش اور اضطراب ہی میں اضافہ کرے گا۔ جن کے واسطے کوئی کھانا نہ ہوگا بجز ایک خاردار جھاڑ کے۔ جو ظاہر ہے کہ نہ تو کھانے والے کو کوئی فربہی اور توانائی پہنچا سکے گا اور نہ ہی وہ بھوک رفع کر سکے گا۔ اس لئے کہ خاردار جھاڑ میں کیا غذائیت ہو سکتی ہے کہ جس سے انسانی بدن کو کوئی تقویت پہنچے یا بھوک کی بے چینی اس سے دور ہو جائے، یہ تو حال ہوگا اس روز مجرمین ونافرمانوں کا لیکن ان کے بالمقابل بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اور شاداب جو اپنی محنت پر خوش ہوتے ہوں گے جو انہوں نے اعمال صالحہ اور احکام شریعت کی اطاعت وپابندی میں کی تھی تو وہ اپنی اس جدوجہد کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے۔ بہشت بریں اور جنت الفردوس کے بلند وبالا محلات میں ہوں گے جہاں سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ بہشت بریں

❶ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ بدنصیب کافر ہیں جو دنیا میں بڑی بڑی ریاضتیں کرتے تھے اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا ہوا تھا لیکن اللہ کے ہاں کچھ قبول نہ ہوا، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ابوعمران الجونی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک عیسائی راہب کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اس کو آواز دی "یا راهب" اس راہب نے اوپر سے جھانکا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا، اور دیکھ کر رونے لگے عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپ رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر کیوں رو رہے ہیں، فرمایا مجھے اس وقت اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ تو اس وجہ سے گریہ طاری ہو گیا یعنی اس کی بدنصیبی اور محرومی کے تصور سے کہ اب دنیا میں کیا کیا مشقتیں اٹھا رہا ہے اور آخر میں یہ انجام ہوگا۔ ۱۲۔ ابن کثیر ج ۴۔

❷ دنیا میں بھی ایسے سمندر اور چشمے موجود ہیں، جن کو دیکھ کر بخوبی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ۱۲

کے ان محلات میں کوئی بیہودہ بات بھی نہ سنتے ہوں گے اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے جن سے صاف وشفاف تازہ پانی ہر وقت بہتا ہوگا۔ اس بہشت میں تخت ہوں گے نہایت اونچے جن کی عظمت وبلندی تصور بھی نہیں کی جاسکتی اور بڑے ہی حسن وخوبی سے آبخورے جمائے ہوں گے جن کی ترتیب اور ہیئت وضعیہ عجیب وغریب ہوگی، نظریں ان کو دیکھ کر حیران ومبہوت ہو رہی ہوں گی۔ اور برابر لگائے گئے ہوں گے نرم ولطیف ریشمی گدے جن کی لطافت ونرمی اور زینت انسانی احاطہ خیال سے بالاتر ہے اور بکھیرے ہوئے ہوں گے ہر طرف قالین یہ ہوں گی وہ نعمتیں اور عزتیں جو اس دن اہل ایمان اور اللہ کے فرمانبردار بندوں کو ملیں گی، اور ان انعامات پر ان کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنی دنیاوی زندگی کی کوششوں اور ان کے انعامات پر خوش وخرم ہوں گے۔

غرض یہ کہ یہ ہے وہ روز قیامت جس میں مجرمین ونافرمانوں کی بدحال اور مصائب کا یہ حال ہوگا کہ چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے، اور اہل ایمان وانعام کے چہرے فرحت وخوشی سے چمک رہے ہوں گے، عالم دنیا اور کل موجودات خداوند عالم کی قدرت وخالقیت کا واضح ثبوت ہیں، اور ہر ایک شئے اپنی ذات اور نوعیت سے ثابت کر رہی ہے کہ روز قیامت برحق ہے وہ آکر رہے گا، ایسے واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے کس کو مجال ہے کہ قیامت اور اللہ کی عظیم قدرت کا انکار کر سکے، آسمان وزمین دلائل قدرت سے بھرے پڑے ہیں تو پھر کیوں نہیں نظر کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے گئے۔ جو اپنی ہیئت اور خاصیت کے لحاظ سے عجیب ہیں، ان کی جسمانی ساخت حیرت انگیز ہے، پھر جس طرح وہ جنگلوں بیابانوں اور پہاڑوں میں سفر کرتا ہے، وہ بھی انسانی عقول اور ان کے پرواز فکر سے بالا ہے، محنت ومشقت برداشت کرنا، کانٹوں پر گزرنا، راتوں دنوں مسلسل اپنے مالک کی خدمت میں منہمک رہنا، انسان کو جہاں ایک طرف خداوند عالم کے دلائل قدرت وخالقیت مہیا کر رہا ہے تو دوسری طرف اس کو یہ عبرت کا سبق سکھا رہا ہے کہ ایک حیوان اپنے مالک کی خدمت واطاعت میں کس طرح لگا ہوا ہے لیکن اس انسان پر افسوس ہے جو ہر طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے باوجود اپنے رب پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتا، اور نہ وہ اپنے رب کے انعامات کا کوئی شکر ادا کرتا ہے۔ اور کیوں نہیں نظر کرتے یہ لوگ آسمان کی طرف کہ کیسا بنایا گیا ہے اور کس طرح آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا چاند اور سورج کو پیدا کیا اور کیوں نہیں دیکھتے پہاڑوں کو کس طرح کھڑے کر دیئے گئے۔ یہ عظیم پہاڑ اور ان کی فلک بوس چوٹیاں کس طرح زمین پر قائم ہیں، جو زمین ایک ناخن سے کھرچی جاسکتی ہے، اس پر ہزارہا میلوں میں پھیلے ہوئے بلند پہاڑ کیونکر قائم ہیں، پھر ان میں کیسی کیسی قیمتی چیزیں اور معدنیات اللہ نے پیدا کیں اور ان میں کس طرح چشمے جاری کیئے۔ اور کیوں نہیں دیکھتے زمین کو کہ کیسی صاف سطح کی شکل میں بچھا دی گئی باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے، جس پر چلنا پھرنا اور زندگی کے تمام مشاغل کا پھیلا دینا بالکل آسان کر دیا گیا، تو یہ سب دلائل قدرت ہیں، جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے، ایسے دلائل وشواہد کے بعد بھی اگر کوئی رب العالمین کی قدرت اور اس کی خالقیت پر ایمان نہ لائے تو اس کی بدنصیبی ہے، اس لئے اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان کی فکر میں زیادہ پریشان ومضطرب نہ رہیں آپ ﷺ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہدایت قبول کرنا نہ کرنا یہ مخاطب کا کام ہے، اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بس آپ ﷺ تو ان کو نصیحت ہی کرتے رہیئے۔ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے ہیں کہ زبردستی ان کو منوا کر ہی

چھوڑیں، اور نہ ہی یہ کسی کی قدرت میں ہے کہ ان کے دل بدل ڈالے، یہ کام تو بس اسی ذات مقلب القلوب کا ہے جس کے دست قدرت میں تمام انسانوں کے قلوب ہیں اس لئے آپ ﷺ زیادہ فکر میں نہ پڑیں۔

مگر ہاں یہ بات ضروری ہے اور کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا کہ جو شخص بھی روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا تو اللہ اس کو بہت ہی بڑا عذاب دے گا جس سے کوئی کافر اور منکر اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا، کیونکہ ہماری ہی طرف ان سب کا لوٹ کر آنا ہے اور ہمارے ہی ذمہ ہے ان کا حساب لینا۔ بس یہ ہمارا ہی کام ہے لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب اور اعمال کی سزا سے چھٹکارا کسی بھی حالت میں نہیں حاصل کر سکتا۔

دلائل قدرت میں غور وفکر تقاضائے فطرت اور باعث سعادت ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان آیات میں یعنی ﴿أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ان دلائل کا ذکر اور ان کی ترتیب اس واقعہ سے مزید واضح ہو رہی ہے جو احادیث میں ضمام بن ثعلبہ کا بیان فرمایا گیا: کہ ایک مسافر اپنے اونٹ پر سفر کر رہا ہے آسمان اس کے سر پر ہے بلند پہاڑ نظروں کے سامنے ہیں، زمین اس کے نیچے ہے جس پر وہ خلاق علیم کی صنعت وحکمت کے بیشار احوال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ان پر غور وفکر کے عالم میں جب وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو فطری انداز استدلال کے رنگ میں بات کرتا ہے چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہمیں (غیر ضروری) سوالات کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (اور اس وجہ سے ہم مرعوب وخوف زدہ ہو کر نفس سوال کرنے کی بھی جرأت نہ کرتے تھے تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کوئی بدوی شخص سمجھ دار آ کر مجلس میں کچھ سوال کرے اور ہم سن کر حضور ﷺ کے جواب مبارک سے مستفید ہو جائیں) تو ایک دن ایک شخص آیا تو اس نے آپ ﷺ کو بدویانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا یا محمد ﷺ آپ ﷺ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا ہے اور اس نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ نے جواب دیا، اس نے سچ کہا، اس پر وہ بدوی کہنے لگا تو اچھا یہ بتائیے کہ آسمان کس نے بنایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے، اس نے کہا یہ زمین کس نے پیدا کی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے، پھر اس نے کہا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کئے اور ان میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں آپ ﷺ نے جواب دیا، اللہ نے، یہ سن کر وہ بولا تو اس ذات کی قسم جس نے یہ آسمان بنایا اور جس نے یہ زمین پیدا کی اور جس نے اس پر پہاڑ قائم کئے اور اس میں پیدا کیا جو کچھ بھی پیدا کیا؟ اسی خدا نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ نے جواب دیا بے شک اسی نے مجھ کو رسول بنایا اس کے بعد اس نے ارکان اسلام کا ذکر کیا جو اس قاصد کے ذریعے معلوم ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان باتوں کی بھی تصدیق کی اور جب وہ شخص اس گفتگو سے فارغ ہوا تو فوراً مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا یہ کہتے ہوئے۔ واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص۔ کہ خدا کی قسم میں ان چیزوں میں نہ کوئی کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، ان صدق لیدخلن الجنۃ، یعنی اگر سچا ہے تو ضرور بالضرور یہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔ تو اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ ان دلائل قدرت پر اس سمجھ دار اعرابی کی نظر اپنے فطری تقاضے کے باعث تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو

یہ سب کچھ سعادت نصیب ہوئی جس پر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے پیغام بشارت جاری ہوا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الغاشیۃ۔

سورۃ الفجر

سورۃ الفجر مکی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا مضمون بھی بالخصوص ان تین اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱- بعض امم سابقہ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے تو کس طرح عذاب خداوندی نے انکو تباہ کر دیا، جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون۔

۲- اللہ کا قانون حیات دنیویہ میں بندوں کی آزمائش کا، اور یہ کہ انسانی عمل کی خیر و شر کی جانب تقسیم اسی طرح انسانی مزاج اور طبائع کا بھی خیر و شر کی طرف انقسام۔

۳- آخرت اور آخرت کے احوال اور روز محشر واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان اور یہ کہ انسانی نفس میں نفس خبیثہ کا انجام اور اس کے بالمقابل سعید انسان کی کامیابی وعزت، تو ان تین بنیادی، مضامین پر اس سورت کی آیات مشتمل ہیں۔

۸۹ سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۰ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اٰیاتہا ۳۰ رکوعہا ۱

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ۚ﴿۴﴾ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور اس رات کی جب رات کو چلے ف۱ ہے ان چیزوں کی قسم

قسم ہے فجر کی، اور دس راتوں کی، اور جفت اور طاق کی۔ اور اس رات کی، جب رات کو چلے۔ ہے ان چیزوں کی قسم

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" عید قربان کی فجر بڑا حج ادا ہوتا ہے اور دس رات اس سے پہلے۔ اور جفت اور طاق رمضان کی آخری (عشرہ) دہائی میں ہے۔ اور جب رات کو چلے یعنی پیغمبر معراج کو"۔ یہ سب اوقات متبرک تھے اس لئے ان کی قسم کھائی۔

(تنبیہ) "والیل اذا یسر" کے معنی عموماً مفسرین نے رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لئے ہیں۔ گویا صبح کی قسم کے مقابلہ میں رات کے جانے یا آنے کی قسم کھائی۔ جیسا کہ جفت کے مقابل طاق کی قسم کھائی گئی۔ اور " ولیال عشر " سے بھی ممکن ہے مطلق دس راتیں مراد ہوں کیونکہ اس کے افراد و مصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے مہینہ کے شروع کی دس راتیں اول روشن ہوتی ہیں پھر تاریک اور اخیر کی دس راتیں ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے گویا اس اختلاف وتقابل سے اشارہ فرما دیا کہ آدمی کو عیش وآرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اس کے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئے گی اسے یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے حالات وکوائف کو بھی اپنی حکمت ومصلحت کے موافق ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ آگے جو واقعات ومضامین مذکور ہیں ان میں اسی اصول پر متنبہ فرمایا ہے۔

(تنبیہ دوم) اس آیت کی تفسیر میں دو حدیثیں مرفوع آئی ہیں جابر کی اور عمران بن حصین کی، حافظ ابن کثیر پہلی کی نسبت لکھتے ہیں " وھذا اسناد رجالہ لا باس بھم وعندی ان المتن فی رفعہ نکارۃ۔ " اور دوسری کی نسبت فرماتے ہیں، وعندی ان وقفہ علی عمران بن حصین اشبہ واللہ اعلم۔

لِّذِیْ حِجْرٍؕ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ

پوری عقل مندوں کے واسطے ف۱ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے ف۲ بڑے ستونوں والے ف۳ کہ بنی نہیں

پوری عقلندوں کے واسطے۔ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد سے؟ وہ جو ارم تھے بڑے ستونوں والے! جو بنی نہیں

مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَ ثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾

ویسی سارے شہروں میں ف۴ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں ف۵ اور فرعون کے ساتھ وہ میخوں والا ف۶

ویسی سارے شہروں میں، اور ثمود سے جنہوں نے تراشے پتھر وادی میں، اور فرعون سے، وہ میخوں والا۔

الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ

یہ سب تھے جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں پھر بہت ڈالی ان میں خرابی پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا

یہ سب جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں، پھر بہت ڈالی ان میں خرابی، پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا

عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ

عذاب کا ف۷ بیشک تیرا رب لگا ہے گھات میں ف۸ سو آدمی جو ہے جب جانچے اس کو رب اس کا پھر اس کو عزت دے اور اس کو

عذاب کا۔ تیرا رب لگا ہے گھات میں۔ سو آدمی جو ہے جب جانچے اس کو رب اس کا، پھر اس کو عزت دے اور اس کو

ف۱ یعنی یہ قسمیں معمولی نہیں نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں اور عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ تاکید کلام کے لئے ان میں ایک خاص عظمت و وقعت پائی جاتی ہے۔

ف۲ "عاد" ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی۔ اس کے اجداد میں سے ایک شخص "ارم" نامی تھا۔ اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں "عاد" سے عاد اولیٰ مراد ہے۔ "عاد ثانیہ" نہیں، اور بعض نے کہا "قوم عاد" میں جو شاہی خاندان تھا اسے "ارم" کہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے۔ یا مطلب ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے۔ اور بعض کے نزدیک "ذات العماد" کہہ کر ان کے اونچے قد و قامت اور ڈیل ڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی اس وقت دنیا میں اس قوم جیسی کوئی قوم مضبوط و طاقتور نہ تھی۔ یا ان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔

ف۵ "وادی القریٰ" ان کے مقام کا نام ہے جہاں پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر نہایت محفوظ و مضبوط مکان بناتے تھے۔

ف۶ یعنی بڑے لاؤ لشکر والا جس کو فوجی ضروریات کے لئے بہت کثیر مقدار میں میخیں رکھنا پڑتی تھیں یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو چومیخا کر کے سزا دیتا تھا۔

ف۷ یعنی ان قوموں نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشہ میں مست ہو کر ملکوں میں خوب اودھم مچایا۔ بڑی بڑی شرارتیں کیں اور ایسا سر اٹھایا گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں؟ ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے! کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا؟ آخر جب ان کے کفر و تکبر اور جور و ستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا دفعتاً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل گئی اور وہ ساز و سامان کچھ کام نہ آیا۔

ف۸ یعنی جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیونکر گزرا اور کیا کرتا ہوا گیا، اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا، پھر وقت آنے پر اپنی ان معلومات کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرہ ذرہ احوال و اعمال دیکھتا ہے، کوئی حرکت و سکون اس سے مخفی نہیں۔ ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں جو چاہو بے دھڑک کئے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا ہے اور ہر ایک سے انہی اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے جو شرع سے اس کے =

وَنَعَّمَهُ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ⑮ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ

نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی ف۱ اور وہ جس وقت اس کو جانچے پھر کھینچ کرے اس پر روزی کی تو کہے میرے رب نے

نعمت دے تو کہے، میرے رب نے مجھے عزت دی اور وہ جس وقت اس کو جانچے پھر کھینچ کرے اس پر روزی کی تو کہے، میرے رب نے

اَهَانَنِ ⑯ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ⑰ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ⑱

مجھے ذلیل کیا ف۲ کوئی نہیں پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو ف۳ اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی ف۴

مجھے ذلیل کیا۔ کوئی نہیں! تم عزت نہیں کرتے یتیم کو اور تاکید نہیں رکھتے آپس میں محتاج کے کھانے کی،

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ⑲ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ⑳ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا

اور کھا جاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا ف۵ اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر ف۶ کوئی نہیں جب پست کر دی جائے زمین کوٹ

اور کھاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا، اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔ کوئی نہیں! جب پست کریں زمین کو کوٹ

دَكًّا ㉑ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ㉒ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ

کوٹ کر ف۷ اور آئے تیرا رب ف۸ اور فرشتے آئیں قطار قطار ف۹ اور لائی جائے اس دن دوزخ ف۱۰ اس دن سوچے گا

کوٹ کر، اور آوے تیرا رب، اور فرشتے آویں قطار قطار۔ اور لایئے اس دن دوزخ کو۔ اس دن سوچے

= زیر نظر تھے۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک عارضی حالت پر نظر کر کے آخری انجام کو تو نہیں بھولتے۔

ف۱ یعنی میں اسی لائق تھا۔ اس لیے عزت دی۔

ف۲ یعنی میری قدر نہ کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی زندگی اور حالت حاضرہ پر ہے بس دنیا کی موجودہ راحت و تکلیف ہی کو عزت و ذلت کا معیار سمجھتا ہے۔ نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہے۔ نعمت دے کر اس کی شکرگزاری اور سختی کھینچ کر اس کے صبر و رضا کو جانچا جا رہا ہے۔ نہ یہاں کا عارضی عیش و آرام اللہ کے ہاں مقبول و معزز ہونے کی دلیل ہے۔ نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ مگر انسان اپنے افعال و اعمال پر نظر نہیں کرتا۔ اپنی بے عقلی یا بے حیائی سے رب پر الزام رکھتا ہے۔

ف۳ یعنی خدا کے ہاں تمہاری عزت کیوں ہو، جب تم بے کس یتیموں کی عزت اور خاطر مدارت نہیں کرتے۔

ف۴ یعنی خود اپنے مال سے مسکینوں کی خبر گیری کرنا تو کجا دوسروں کو بھی اس طرف نہیں ابھارتے کہ بھوکے محتاجوں کی خبر لے لیا کریں۔

ف۵ یعنی مردے کی میراث لینے میں حلال حرام اور حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں، جو قابو چڑھا ہضم کیا یتیموں اور مسکینوں کے حقوق تلف ہوں، ہوتے دو۔

ف۶ یعنی جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل مال کی حرص اور محبت سے بھرا ہوا ہے۔ بس کسی طرح مال ہاتھ آئے اور ایک پیسہ کسی نیک کام میں ہاتھ سے نہ نکلے خواہ آگے چل کر نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ آدمی اسی کو کعبہ مقصود ٹھہرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہو سکتا ہے۔

ف۷ یعنی سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیے جائیں اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے۔

ف۸ یعنی اپنی قہری تجلی کے ساتھ جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

ف۹ یعنی میدان محشر میں آئیں گے وہاں انتظامات کے لئے۔

ف۱۰ یعنی لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائیں گے۔

الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰىؕ ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْۚ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

آدمی اور کہاں ملے اس کو سوچنا ف۱ کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیج دیتا اپنی زندگی میں ف۲ پھر اس دن عذاب نہ دے

آدمی، اور کہاں ملے اس کو سوچنا؟ کہے، کسی طرح میں کچھ آگے بھیجتا اپنے جیتے۔ پھر اس دن مار نہ دے

عَذَابَهٗ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌؕ ﴿۲۶﴾ يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ

اس کا سا کوئی اور نہ باندھ کر رکھے اس کا سا باندھنا کوئی ف۳ اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف

اس کی سی کوئی، اور باندھ نہ رکھے اس کا سا کوئی۔ اے جی چین پکڑے پھر چل اپنے رب کی طرف،

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًۚ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾ ع

تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں ف۴

تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر مل میرے بندوں میں، اور داخل ہوجا میری بہشت میں۔

ف۱ یعنی اس وقت سمجھے گا کہ میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا۔ مگر اس وقت کا سمجھنا کس کام کا۔ سوچنے سمجھنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ دار العمل میں جو کام کرنا چاہیے تھا وہ دار الجزاء میں نہیں ہوسکتا۔

ف۲ یعنی افسوس دنیا کی زندگی میں کچھ نیکی کر کے آگے نہ بھیجی۔ جو آج اس زندگی میں کام آتی۔ یونہی خالی ہاتھ چلا آیا۔ کاش حسنات کا کوئی ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا جو یہاں کے لئے توشہ بنتا۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دے گا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں۔ اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی۔ نہ آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ بچھو، جو دوزخ میں ہوں گے، کیونکہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے، اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دے گا جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت، نیز نہ باندھے گا اس کا سا کوئی باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دیں گے لیکن ان کی عقل اور خیال کو بند نہ کرسکیں گے اور عقل وخیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لئے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل وخیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے۔ اسی لئے مجنون سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ وہم وخیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

ف۴ پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ اے نفس آرامیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا، اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالیشان جنت میں قیام کر۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کا حظ اٹھاتے ہیں۔ اللّٰھم انی اسالك نفسا بك مطمئنة تؤمن بلقائك وترضی بقضائك وتقنع بعطائك۔

(تنبیہ) نفس مطمئنہ، نفس امارہ اور نفس لوامہ کی تحقیق سورۃ "قیامۃ" کے شروع میں دیکھ لی جائے۔

تاریخ اقوام مکذبین وتقسیم فطرت انسانی بصورت شقاوت وسعادت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ... الی ... وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور یہ کہ ان ہولناک واقعات کا انسانی قدرت اور مادی اسباب کے دائرہ میں کوئی مقابلہ اور دفاع نہیں ہوسکتا۔ مقابلہ اور مدافعت تو درکنار اس پر بدحواسی اور اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہا ہوگا، اور مجرمین پر خداوند عالم کا ایسا عذاب مسلط ہوگا کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے تو اب اس سورت میں بالخصوص ایسے عبرت ناک تاریخی واقعات بیان فرمائے گئے جن کو پڑھ کر ہر انسان عبرت حاصل کرے اور سمجھ لے کہ خدا کی نافرمان قومیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بڑی سے بڑی طاقت ور قوم جب اس طرح ہلاک کردی گئی تو پھر کس کی مجال ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا انکار کرکے اس کے عذاب سے بچ سکے، ارشاد فرمایا قسم ہے فجر کے وقت کی جس کے طلوع اور صبح صادق کی روشنی کے عالم میں پھیل جانے کے منظر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بس اسی طرح اب کفر وضلالت کی ظلمتوں اور شرک وبدعات کی تاریکیوں کو پیغمبر خدا ﷺ کا نور رسالت دور کرنے کے لئے صبح صادق بن کر طلوع ہوچکا ہے۔ اور قسم ہے دس راتوں کی ماہ ذوالحجہ کی جو اپنی فضیلتوں اور برکتوں میں بہت ہی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو کہ یوم النحر یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور یوم عرفہ جو نویں تاریخ اور طاق ہے یا وہ نمازیں جو شفع اور جفت ہیں مثلاً صبح، ظہر، عصر، اور عشاء اور جو طاق ہے مثلاً مغرب اور صلوٰۃ الوتر، یا رمضان کے عشرہ اخیرہ کی طاق اور جفت راتیں اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ڈھلے [1] اور گزرتے ہوئے تاریکی کی آخری منزل پر پہنچ جائے حتی کہ صبح کا نور اس پر چھا جائے۔ کیا نہیں ہے ان چیزوں میں قسم پوری پوری عظمت والی، عقل والوں کے لئے؟ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحب عقل جانتا ہے اور کلام الٰہی میں ان کی قسم کھائی گئی تو یقیناً وہ اس قسم کی عظمت کو سمجھے گا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ﴾ اور بلاشبہ غور کرے گا کہ جن احوال اور زمانوں کو بطور قسم ذکر کیا جارہا ہے جواب قسم اور مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اور یہ قسم بہت بڑی قسم ہے بے شک وہ پروردگار بڑی قدرت وعظمت والا ہے وہی یکتا خالق وقادر ہے اس لئے ہر انسان کو چاہئے کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے تیار ہوجائے اس کے پیغمبر کی بات پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت وبربادی کے سوا کچھ نہیں، اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ تاریخی حقائق اور وہ عبرتناک واقعات ہیں جن سے اہل عرب بھی بخوبی واقف ہیں تو اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کیسا کیا تیرے رب نے قوم عاد کے ساتھ جو ارم [2] میں تھے بڑے بڑے ستونوں والے۔ ان کی عالیشان عمارتیں اور بلند ستونوں پر قائم محلات اور سیر وسیاحت میں اونچے اونچے خیمے انکی عظمت اور طاقت وشوکت کے واضح نشانات تھے۔ کہ ان جیسی کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے تمام شہروں میں خود انکے ڈیل ڈول، طویل قد وقامت اور مضبوط بدن اور مال ودولت کی فراوانی اور عیش وعشرت کا یہ مقام کہ اونچے محلوں اور قلعوں میں زندگی گزار رہے ہوں تاریخی لحاظ سے اسی قوم کو یہ تمام عظمتیں اور نعمتیں حاصل تھیں اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے

[1] ان الفاظ میں اشارہ ہے اس امر کی طرف یہ مضمون اور ﴿اِذَا يَسْرِ﴾ کا مفہوم آیت مبارکہ ﴿وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ ہی والا مضمون ہے۔

[2] بعض مورخین کہتے ہیں کہ ارم قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام تھا، ان ہی کو عاد اولیٰ بھی کہا گیا۔ ۱۲

پتھروں اور چٹانوں کو تراشا وادی میں اور وادی القریٰ میں پہاڑوں کو تراش کر محفوظ و مضبوط مکانات بنائے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا کہ اس کی سرکشی و ظلم کی حد نہ تھی اور لوگوں کو دیوار کے ساتھ ساتھ پاؤں ❶ میں میخیں ٹھوک کر نصب کرتا تھا۔ جنہوں نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی شہروں میں اور جگہ جگہ ظلم و ستم ڈھاتے پھرتے، بس ان کی شان و شوکت اور فوجی طاقت اسی بات کے لئے تھی۔ تو انہوں نے خوب دل کھول کر فساد برپا کیا اور ان شہروں میں۔ معصوموں اور بے گناہوں کا قتل عام شروع کر دیا، خدا کی نافرمانی کے علاوہ یہ ظلم و ستم اور سرکشی کا انجام ظاہر ہے کہ ہلاکت اور بربادی کی صوت میں رونما ہوتا تھا چنانچہ خوب برسایا ان پر اے مخاطب تیرے رب نے عذاب کا کوڑا اور وہ ایسا عذاب تھا کہ ان قوموں کا نام ونشان مٹ گیا۔ بے شک تیرا رب تو لگا ہوا ہے گھات میں مجرموں کی، پھر کون مجرم ہے جو اس کی گرفت سے نکل سکے، چنانچہ یہ قومیں جن کو ان کے مال و دولت عیش و عشرت اور طاقت و سلطنت نے مغرور و مست بنا دیا تھا اور طغیانی و سرکشی میں انہوں نے وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ حد نہ چھوڑی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں اور تصور تک نہ رہا کہ ان سے انتقام لینے والا بھی کوئی حاکم موجود ہے تو اس رب العالمین نے جو کائنات کا مالک ہے اس کی طاقت کے سامنے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ان کو اپنی گرفت میں ایسا پکڑا کہ پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ مل سکی، آناً فاناً ان طاقتور اور مغرور قوموں کا نام ونشان مٹا دیا گیا، وہ قادر مطلق مجرموں سے غافل اور لاعلم نہیں ہوتا بلکہ وہ گھات اور تاک میں رہتا ہے کہ کب اور کس وقت ان کو عذاب سے تباہ کرے، یہ اس کی حکمت سے موقع کا انتظار اور مہلت ہوتی ہے، نہ کہ غفلت اس لئے کسی مجرم کو خدا کے مقابلہ میں سرکشی اور بغاوت کا خیال بھی نہ لانا چاہئے۔

یہ تاریخی واقعات اور قدرت خداوندی کے شواہد ایسے ہیں کہ ہر ایک کو اس رب کائنات کی قدرت و عظمت پر ایمان لانا چاہئے مگر کیا کہا جائے انسان اپنی طبعی افتاد سے عجیب واقع ہوا ہے منعم کی نعمتوں کا شکر اور اطاعت تو درکنار عموماً یہی ہوتا ہے کہ بس جب بھی کسی انسان کو اس کے رب نے آزمایا پھر اس کو عزت دی اور نعمتوں سے مالا مال کر دیا تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے عزت دی کیونکہ میں اسی لائق تھا اور اس کی طرف سے مجھے عزت اور نعمتوں سے نوازنا میری خوبیوں کی وجہ سے تھا اور جب اس انسان کو ایک اور انداز سے آزمایا پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا تو کہنے لگا میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا۔ اور میری بے قدری کی اور میں اپنی خوبیوں اور اوصاف سے جن چیزوں کا مستحق تھا وہ مجھے نہیں دی گئیں تو یہ انسان بھی اپنی طبعی خصلت اور مزاج کے لحاظ سے عجیب واقع ہوا کہ خدا کے انعامات کو انعامات خداوندی نہیں سمجھتا ہے اور جب شامت اعمال سے مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو بجائے عبرت اور توجہ کرنے کے شکوہ و ناراضگی کا رخ اختیار کرتا ہے اور بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ میرے رب نے تو مجھے ذلیل کر دیا اور پھر یہ نہیں سمجھتا کہ راحت و عزت اور نعمت و مصیبت ہو سکتا ہے کہ اس کی عملی زندگی کا نتیجہ ہو، اس لئے اے مخاطبو، تم اس حقیقت سے ہرگز غافل نہ ہو کہ دنیوی مصائب بسا اوقات انسان کے برے اعمال کی شامت ہوتے ہیں چنانچہ تمہاری عملی خرابیوں پر ہم متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں خبردار یہ نہیں کہ عزت و راحت سے نکل کر مصیبت و ذلت میں مبتلا ہونا خداوند عالم کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی ہے بلکہ تم خود ایسے ہو کہ

❶ بعض مفسرین ذوالاوتاد اور میخوں والے کی تفسیر میں اس کا لاؤ لشکر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ باہر نکلتا اور اس کا لشکر ساتھ ہوتا تو جنگلوں اور میدانوں میں ٹھیرنے کے لئے خیمے گاڑے جاتے اور ان خیموں کو نصب کرنے کے لئے میخیں ساتھ ہوتیں تو اس لحاظ سے فرعون کو ذوالاوتاد یعنی میخوں والا کہا گیا۔ ۱۲

یتیم کو عزت سے نہیں رکھتے ہو۔ اور نہ تم ایک دوسرے کو مسکین و محتاج کو کھلانے کی تاکید و ترغیب کرتے ہو یہ تو کیا ہوتا کہ محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ان کو کھلاتے اور اس کے برعکس تم تو مردے کا مال سارا ہی سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ حلال وحرام حق وناحق کی تمیز نہیں کرتے مرنے والوں کے وارثوں اور یتیم بچوں کا کوئی خیال نہیں کرتے بس جو ہاتھ لگا اس کو کھا گئے۔ اور حرص و لالچ کی کوئی انتہا نہ رہی یہاں تک کہ تم مال کی محبت کرتے ہو جی بھر کر محبت کرنا گویا اس کی محبت تمہارے دل کے رگ و ریشہ میں رچ گئی ہے، اس کی پرستش کو اپنا شیوہ بنالیا، مال کی اس قدر محبت کہ اس کو کعبہ مقصود [1] ٹھہرالے، صرف کافر کا شیوہ ہوسکتا ہے۔ خبردار ایسے دھوکہ اور غلطی میں کسی انسان کو ہرگز مبتلا نہ ہونا چاہئے، اس کو سوچنا چاہئے جب زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی۔ اور اے مخاطب آجائے گا تیرا پروردگار اپنی قہری تجلی کے ساتھ جس طرح بھی اس کی شان کبریائی کے لائق ہو اور فرشتے بھی آجائیں گے قطار در قطار صف بستہ حکم خداوندی کے منتظر ہوں گے، میدان حشر ہوگا، تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ فرمان الٰہی کیا صادر ہوتا ہے۔ اور لائی جائے گی [2] جہنم اس دن محشر والوں کے سامنے، لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لے آئیں گے تو اس دن یہ انسان سوچے گا کہ یہ کیا ہوا اور میں نے کس قدر سخت غلطی اور بھول کی کہ ساری زندگی غفلت اور نافرمانی میں گزار دی۔ مگر کہاں کام آئے گا اس کے واسطے اس وقت سوچنا۔ سوچنے اور سمجھنے کا جو موقع تھا وہ تو اس نے ضائع کردیا، وہ دارالعمل دنیا کی زندگی تھی، اب یہ تو دار الجزاء ہے، اس لئے جو موقع ہاتھ سے نکل چکا وہ کیونکر اس کو حاصل ہوگا اس وجہ سے بڑی ہی حسرت سے کہتا ہوگا اے کاش میں پہلے سے کچھ بھیج دیتا اپنی زندگی کے لئے جو مجھے کچھ کام آجاتا، اصل زندگی تو یہی ہے دنیا کی زندگی تو اس حیات جاودانی کے لیے سامان مہیا کرنے کے لئے تھی جو میں نے ضائع کر ڈالی۔ تو بس یہ دن ہوگا ایسے شدید اور ہولناک عذاب کا کوئی عذاب دینے والا ایسا عذاب نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی پکڑ سکتا ہے اسی جیسی پکڑ کرنا۔

غرض یہ عذاب وذلت اور گرفت ہر نافرمان انسان کے لئے ہے جو غفلت میں اپنی زندگی گزار دے اور نفس امارہ اس کو سرکشی اور ظلم وعدوان کے راستہ پر چلاتا رہے لیکن انسانی نفس میں جس نفس کو رضاء خداوندی اور اس کی اطاعت وبندگی پر آمادہ کرلیا گیا اور وہ اسی پر مطمئن ہوگیا، استقامت و پختگی سے اتباع حق کو اپنا شیوۂ زندگی بنالیا تو اس کے لئے بارگاہ خداوندی سے ایسا اعزاز واکرام ہوگا کہ کہا جائے گا اے نفس مطمئنہ [3] جو اللہ کی بندگی پر راضی و مطمئن ہوا اور اسی کی رضا وخوشنودی کو

[1] یہ الفاظ میرے محترم شیخ رحمہ اللہ کے ہیں جو انہوں نے اپنے فوائد میں تحریر فرمائے۔ ۱۲

[2] یہ تفسیر اس حدیث کے پیش نظر کی گئی جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز جہنم کو کھینچ کر لایا جائے گا، اس طرح کہ ستر ہزار زنجیروں میں جکڑی ہوگی اور ہر زنجیر پر ستر ہزار فرشتے اس کو گھسیٹ کر لاتے ہوں گے، قیامت اور احوال آخرت کا انسانی افکار وعقول ادراک نہیں کرسکتیں جبکہ ہماری نظروں میں نظر آنے والا کوئی ستارہ زمین کے کرہ سے کروڑہا کروڑ بڑا ہے تو ظاہر ہے کہ ملکوت سماوات کی وسعت کیا ہوگی، اور عالم جہنم کتنا وسیع عالم ہوگا، اور اس کا کھینچ کر لانا یا اس کا چلنا اور حرکت کرنا کیا باعث تعجب ہوسکتا ہے، چاند سورج اور مریخ یہ متحرک سیارے ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں تو خداوند عالم کی قدرت اس طرح اگر جہنم کو ایک مقام سے گھسیٹ کر کسی دوسرے مقام (محشر) تک لے آئے تو کیا تعجب ہے۔ آمنا باللہ العزیز وعلی قدرتہ وما اخبرنا بہ رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

[3] نفس مطمئنہ نفس کی ریاضت وتربیت کے بعد نفس کی اس حالت کا نام ہے جب کہ نہ وہ امارہ بالسوء رہے جو اس کا مزاج اور طبعی خاصہ ہے کہ برائیوں پر آمادہ کرتا، اور نہ وہ لوامہ رہے جبکہ وہ دوران تربیت اگرچہ مطمئنہ کی شان تو حاصل نہیں کرتا لیکن اس قدر صلاحیت حاصل کرلیتا ہے کہ برائی کے ارتکاب کے =

اپنے لئے سکون وچین بنالیا۔ لوٹ جا تو اپنے رب کی طرف اس طرح کہ تو بھی خوش ہونے والا ہو اپنے رب کے انعامات پر اور تجھے پسند کیا جا رہا ہو۔ تیرے رب کی بارگاہ میں تیرے ایمان وعمل صالح کو قبول کرتے ہوئے، صرف اسی حد تک اعزاز واکرام نہ ہوگا کہ یہ بشارت اپنے مرنے کے وقت سن لے، جب کہ فرشتے اس کی روح قبض کر کے اسے اس کے پروردگار کے پاس لے جا رہے ہوں جہاں سے وہ آیا تھا اور اب اپنی اصلی جگہ لوٹ کر جا رہا ہے اسی وجہ سے اس کو خطاب لفظ ارجعی یعنی لوٹ جا" سے کیا جاتا ہوگا اور اللہ کا جو مقرب بندہ اس مقام پر پہنچا ہوگا وہ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق ہوگا من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ۔ بلکہ مزید برآں یہ بھی کہا جائے گا۔ پھر داخل ہو جا میرے مخصوص ومقرب بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ جو فردوس اعلیٰ ہے، اور اللہ رب العزت نے اپنے ان بندوں کے واسطے اس کو مہیا کر رکھا ہے جن پر اسکا خصوصی انعام ہوگا، اور اس طرح یہ نفس مطمئنہ رکھنے والا مومن بندہ مطیع ومنیب الی اللہ ہونے کی وجہ سے اسی گروہ میں شامل کر دیا جائے گا، جن کے بارہ میں ارشاد فرمادیا گیا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا﴾۔

قدیم اقوام میں ارم ذات العماد کی تاریخی عظمت اور قہر خداوندی سے ہلاکت

اس آیت مبارکہ ﴿اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ میں حق تعالیٰ نے قوم عاد کے اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اس عظیم اور طاقتور قوم کی ہلاکت وبربادی کا اہل عرب میں مشہور ومعروف تھا ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ لفظ عاد سے بدل اور اس کا بیان ہے جو بطور تفسیر وتوضیح لفظ عاد کے بعد ذکر فرمایا گیا، یہ قوم عاد، ارم کے عنوان سے معروف تھی، اور ان کو عاد اولیٰ بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ ﴿وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى﴾ آیت میں گزر چکا۔ ارم ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا، اور عرب میں قوموں اور قبیلوں کا انتساب جد اعلیٰ کی طرف مروج تھا یہ لوگ نہایت بلند قد وقامت والے تھے، مال ودولت کی فراوانی کی بھی حد نہ تھی، بلند ترین مکانات قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کو ذات العماد یعنی "ستونوں والے" کے لقب سے تاریخ میں تعبیر کیا گیا، یہ قوم اپنے بزرگوں کے مقابر بھی نہایت بلند اور عالیشان بنایا کرتے تھے انکی عمارات اور شان شوکت کے آثار خود اپنی مثال تھے دیگر علاقوں اور شہروں میں اس کی مثال مشکل تھی تو اس بناء پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے ﴿لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ﴾ بھی فرمایا۔ تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد دو فرقوں پر مشتمل قوم گزری ہے، ایک عاد اولیٰ جس کو عاد قدیم بھی کہا جاتا تھا، ان ہی کو اس مقام پر عاد ارم سے تعبیر کیا گیا، ان کے جد امجد ارم کے نام سے یہاں ایک خوبصورت شہر بھی تھا، جو عرب علاقوں میں بے مثال شہر ہوتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ملک یمن کے علاقہ حضرموت میں احقاف کی سرزمین میں رہا کرتے تھے، خداوند عالم کی دی ہوئی نعمتوں سے اس قدر مست ہوئے کہ حد نہ رہی، عیش وعشرت نفس پرستی اور بدکاری اپنا شیوہ بنالیا ان ہی کی طرف حضرت

= بعد ملامت کرنے لگتا ہے تو یہ درجہ آخری اور اعلیٰ ترین درجہ ہے جس کے بعد نفس رضائے الٰہی کا تابع اور طالب بن جاتا ہے، اب یہ نفس اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو حدیث انس بن مالک ؓ میں ہے، لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ اور ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان۔ ۱۲

ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ لیکن جب نافرمانی اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو ہوا کا طوفان اس ان پر مسلط ہوا اور ہلاک کردیئے گئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرت علیہ السلام کے طوفان کے بعد یمن میں آباد ہوئی، ان کا عروج اس حد تک پہنچا کہ عرب، مصر اور بعض دیگر ممالک پر بھی انکی سلطنت ہوگئی، بدکاری اور عیاشی میں اس قدر بڑھ گئے کہ جانوروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، انبیاء علیہم السلام نے ہرچند نصیحت کی لیکن راہ راست پر نہ آسکے حتی کہ ہود علیہ السلام کا زمانہ آیا اور انکی نافرمانی میں جب حد سے زیادہ غلو ہوا تو ہوا کے طوفان نے ان کو ہلاک کرڈالا، اور عذاب الٰہی کا کوڑا جب ان پر برسنا شروع ہوا تو سلطنتیں بھی ختم ہوگئیں، تمام عیش وعشرت کے سامان بھی ہاتھ سے نکل گئے اور مصائب اور پریشانیوں میں اس قدر گھرے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ایسے افلاس ومصائب کا شکار بنی ہو، عاد قدیم اور عاد اولیٰ سے بچے کھچے لوگوں کو عاد اخیرہ سے بھی تعبیر کیا گیا۔

حضرت العلامہ حقانی دہلوی قدس اللہ سرہ نے اپنی تفسیر میں ان تاریخی نقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے، شدید اور شداد، یہ ملکوں پر قابض ہوئے، شدید مرگیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا، اس کے اقبال نے ترقی کی بڑے بڑے شہر اس کے مطیع ہوگئے، اس نے (انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں) جنت کا ذکر سنا تو کہا کہ میں بھی ایک ایسی بہشت تیار کرتا ہوں تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالی اور تین سو برس میں ایک شہر آباد ہوا جس میں سونے چاندی کے محل اور زبرجد کے ستون تھے، اقسام وانواع کے اس میں باغ لگائے، نہریں جاری کیں، یہ شہر جب بن کر تیار ہوگیا تو تمام ارکان سلطنت کو جمع کرکے اپنے ساتھ لے کر اس شہر کی طرف چلا (تاکہ اپنی تیار کی ہوئی بہشت کی سیر کرائے) شداد جب اپنی بہشت کے قریب پہنچا تو آسمان سے ایک ہیبت ناک کڑ[illegible]ئی اور اس نے سب کو ہلاک کرڈالا، تاریخی نقول سے ظاہر ہوتا ہے (قوم عاد جس جسمانی لحاظ سے تنومند ڈیل ڈول میں مضبوط طویل القامت ہوتے تھے اسی طرح ان کی عمریں بھی طویل ہوتی تھیں اس بنا پر تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ) شداد نو سو برس تک زندہ رہا۔

یہ بھی ایک روایت بعض کتب تواریخ میں مذکور ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گمشدہ اونٹ تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے جہاں شہر ارم تھا، وہاں ان کو کچھ جواہرات ملے جو اٹھا لائے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو بلا کر وہاں کے احوال دریافت کیے اور سن کر یہی خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ وہی کھنڈرات ہوں جہاں ارم شہر آباد تھا۔

(کذافی تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی، ج ۸)

عذاب خداوندی کی عظمت وشدت

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ﴾ کی تفسیر بالعموم مفسرین کے یہاں یہی کی جاتی ہے کہ ان الفاظ میں حق تعالیٰ شانہ نے روز قیامت مجرمین پر جو عذاب ہوگا اس کی شدت بیان کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جو عذاب اللہ رب العزت مجرمین کو دے گا دنیا کی طاقت اس طرح کا شدید عذاب دے ہی نہیں سکتی، یہ مفہوم تو واضح اور ظاہر ہے جس طرح

آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے برابر دنیا کی کوئی راحت و نعمت نہیں ہو سکتی تو بالکل اسی طرح آخرت کی کلفت اور عذاب کے ہم پلہ کوئی اور کلفت و عذاب نہیں ہو سکتا، اسی طرح خدا کی قید اور گرفت بھی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ ان کلمات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی نہ آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ بچھو جو دوزخ میں ہوں گے کیوں کہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دے گا، جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے کہ عذاب جسمانی کو عذاب روحانی سے کیا نسبت، نیز نہ باندھے گا اس جیسا باندھنا کوئی کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈال دیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دیں گے (جیسے کسی غار کو چٹان سے ڈھانک دیا جائے اور بند کر دیا جائے) لیکن اس کی عقل اور خیال کو تو بند نہ کر سکیں گے اور عقل اور خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرح التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں بعض دوسری باتوں کے واسطے حجاب ہو جاتی ہے اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہو جاتی ہے برخلاف اس (مجرم) شخص کے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خیال اور عقل کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ اور درد ہی کی طرف متوجہ رکھے تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجہ سخت ہے (اور ظاہر ہے کہ ایسی قید کسی کی طاقت میں نہیں، اس قید و گرفت میں بس اللہ ہی کی پکڑ کر سکتا ہے) اسی لیے مجنون سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت بھی (باوجود باغوں کی شادابی اور جنگلوں کی وسعت کے) تنگی اور گھبراہٹ، وہم و خیال کے سبب پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوئے ہیں۔

(از فوائد شیخ الاسلام، حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ:...... شاہ ولی اللہ قدس سرہ ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ ﷺ کی مجلس میں آیت ﴿يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ تلاوت کی اور اس مجلس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! بوقت وفات فرشتہ تم سے یہی کہے گا اور ﴿يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ کہہ کر تمہیں مخاطب کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی تیاری کے بعد ان کی نعش میں ایک ایسا عجیب الخلقت پرندہ داخل ہوا کہ اس جیسا کوئی پرندہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اور اس کے بعد اس کو کسی نے نکلتے ہوئے بھی نہیں دیکھا جب جنازہ دفن کیا جانے لگا تو قبر کے ایک کنارہ سے سنائی دے رہا ہے، کوئی یہ آیت تلاوت کر رہا ہے۔ ﴿يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ اسی طرح ایک اور عجیب واقعہ بروایت حافظ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا، فتان بن رزین ابو ہاشم نے خود اپنا قصہ بتایا کہ ہم بلاد روم میں ایک مرتبہ گرفتار کر لیے گئے تھے تو وہاں کے نصرانی بادشاہ نے ہمیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا، اور دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے تو ہم میں سے تین آدمیوں نے تو بحالت اضطرار اپنی زبان سے یہ کہہ دیا لیکن چوتھا شخص عزیمت پر قائم رہا اور اس نے کلمہ ارتداد اپنی زبان سے نہیں نکالا، جس پر اس کی گردن اڑا دی گئی اور کسی نہر میں اس کا سر ڈال دیا گیا، عام طور پر مشاہدہ کیا گیا کہ وہ سر پانی پر نمودار ہو کر ان تینوں کو نام بنام پکار کر یہ آیت پڑھتا رہا پھر

پانی میں ڈوب گیا، اس واقعہ سے بادشاہ کانپ اٹھا اور بہت سے انصاری مسلمان ہوگئے۔

اللھم ❶ اجعلنی منھم اللھم اجعلنی منھم اللھم اجعلنی منھم بفضلك وکرمك آمین یا رب العلمین۔

اے پروردگار عالم اس آیت مبارکہ کی برکت سے اس گنہگار کو بھی اپنے ان عباد مخلصین میں محض اپنے لطف وکرم سے شامل فرمالے جن کے واسطے تیرے فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر آتے ہیں، اے رب العالمین آپ غفور رحیم اور عفو کریم ہیں۔ عاملنی بما انت اھله ولا تعاملنی بما انا اھله انت اھل التقوی والمغفرۃ یارب یارب یارب۔

ان تغفر فانت لذاکا وان تطرد فمن یرحم سوا کا

فارحمنی یامولای یاارحم الراحمین وارحم لمن استغفرلی یااکرم الاکرمین۔

آمین یاذاالجلال والاکرام۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفجر۔

سورۃ البلد

سورۃ البلد بھی مکی سورت ہے جس کی بیس آیات ہیں، اس سورت کا موضوع بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید ایمان قیامت اور جزاء وسزا کو ثابت کرنا ہے اور یہ کہ انسانوں کے دو گروہ ابرار واخیار اور فساق وفجار مختلف گروہ ہیں ہر ایک کے اعمال اور اطوار جدا جدا ہیں، ایک گروہ سعادت ونجات کی طرف جارہا ہے تو دوسرا گروہ ہلاکت اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلا کررہا ہے۔

سورۃ کی ابتداء سرزمین حرم کی قسم سے کی گئی جو نبی کریم ﷺ کا مولد وطن ہے وہیں سے وحی کی ابتدا ہوئی، اور ہدایت اور روحانیت کے فیوض وبرکات عالم میں اسی سرزمین سے پھیلے۔

ہدایت وسعادت کی دعوت تو انسانی زندگی کے لئے بہت ہی بڑی نعمت تھی، اس دعوت کو تو چاہئے تھا کہ اہل مکہ قبول کرتے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے دوڑتے، مگر ان کی بدنصیبی کہ اس سے انحراف کیا اور رسول خدا ﷺ کے ساتھ دشمنی اور مقابلہ شروع کردیا، اسی مناسبت سے دنیا میں انسانوں کی دو گروہوں کی تقسیم فرمادی گئی اور قانون جزاء وسزا کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

(۹۰ سُوۡرَةُ الۡبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵) بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (اٰیاتھا ۲۰ رکوعھا ۱)

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی ف۱ اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں ف۲ اور قسم ہے جنتے کی اور جو اس نے جنا ف۳ تحقیق ہم نے بنایا

قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور تجھ کو قید نہ رہے گی اس شہر میں۔ اور جنتے کی اور جو جنا۔ ہم نے آدمی

ف۱ یعنی مکہ معظمہ کی۔

ف۲ مکہ میں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم=

❶ حافظ ابن کثیر ؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر ابو امامہ ؓ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا یہ دعا مانگ اللھم انی اسالك نفسا مطمئنۃ تؤمن بلقاءك وترضی بقضائك وتقنع بعطائك آمین برحمتك یاارحم الراحمین۔

الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝٤ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝٥ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦

آدمی کو محنت میں ف۱ کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا ف۲ کہتا ہے میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیروں ف۳

بنایا محنت میں۔ کیا خیال رکھتا ہے، کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا؟ کہتا ہے میں نے کھپایا مال، ڈھیروں۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝٧ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝٩ وَهَدَيْنٰهُ

کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے ف۴ بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں ف۵ اور زبان اور دو ہونٹ ف۶ اور دکھلا دیں اس کو

کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے؟ بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ؟ اور سوجھا دیں اس کو

النَّجْدَيْنِ ۝١٠ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝١١ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝١٢ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝١٣ اَوْ اِطْعٰمٌ

دو گھاٹیاں ف۷ سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر ف۸ اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی چھڑانا گردن کا ف۹ یا کھلانا

دو گھاٹیاں۔ سو نہ ہمک سکا گھاٹی پر، اور تو کیسا بوجھا کیا ہے وہ گھاٹی؟ چھڑانا گردن کا، یا کھلانا

= سے لڑا اس کو مارا۔ اور بعض سنگین مجرموں کو خاص کعبہ کی دیوار کے پاس قتل کیا گیا۔ پھر اس دن کے بعد سے وہی ممانعت قیامت تک کے لئے قائم ہوگئی۔ چونکہ اس آیت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان اسی شہر مکہ میں دشمنوں کی طرف سے زہرہ گداز سختیاں جھیل رہا تھا۔ اس لئے درمیان میں بطور جملہ معترضہ " وانت حل بهذا البلد " فرما کر تسلی کر دی کہ اگرچہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے۔ لیکن ایک وقت آیا چاہتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی شہر میں فاتحانہ داخلہ ہوگا۔ اور اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر وتقدیس کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ہوگی۔ یہ پیشین گوئی ۸ ھ میں خدا کے فضل سے پوری ہوئی۔ (تنبیہ) بعض نے " وانت حل بهذا البلد " کے معنی " وانت نازل " کے لئے ہیں۔ یعنی میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں بحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر میں پیدا کئے گئے اور قیام پذیر ہوئے۔

ف۳ یعنی آدم اور بنی آدم وقیل غیر ذٰلك۔

ف۱ یعنی آدمی ابتداء سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے کبھی رنج میں، کبھی فکر میں شاید عمر بھر میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب کوئی انسان تمام قسم کے خرخشوں اور محنت وتکلیف سے آزاد ہو کر بالکل بے فکری کی زندگی بسر کرے۔ حقیقت میں انسان کی پیدائشی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان سختیوں اور بکھیڑوں سے نجات نہیں پا سکتا۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ خود اس کی واضح دلیل ہے۔ اور مکہ جیسے سنگلاخ ملک کی زندگی خصوصاً اس وقت جبکہ وہاں افضل الخلائق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ترین جور وجفا اور ظلم وستم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ "لقد خلقنا الانسان فی کبد" کی نمایاں شہادت ہے۔

ف۲ یعنی انسان جن سختیوں اور محنت ومشقت کی راہوں سے گزرتا ہے اس کا مقتضاء تو یہ تھا کہ اس میں عجز ودرماندگی پیدا ہوتی اور اپنے کو بستہ حکم وقضا سمجھ کر مطیع امر وتابع رضا ہوتا اور ہر وقت اپنی احتیاج وافتقار کو پیش نظر رکھتا۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے۔ تو کیا وہ سمجھتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس پر قابو پا سکے اور اس کی سرکشی کی سزا دے سکے۔

ف۳ یعنی رسول کی عداوت، اسلام کی مخالفت اور معصیت کے مواقع میں یونہی بے تکے پن سے مال خرج کرنے کو ہنر سمجھتا ہے۔ پھر اسے بڑھا چڑھا کر فخر سے کہتا ہے کہ میں اتنا کثیر مال خرج کر چکا ہوں۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی میرے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن آگے چل کر پتہ لگے گا کہ یہ سب خرج کیا ہوا مال یونہی برباد گیا۔ بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔

ف۴ یعنی اللہ سب دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ جس نیت سے خرج کیا ہے۔ جھوٹی شیخی بگھارنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

ف۵ یعنی جس نے دیکھنے کو آنکھیں دیں، کیا وہ خود دیکھتا نہ ہوگا؟ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہئے۔

ف۶ جن سے بات کرنے اور کھانے پینے میں مدد لیتا ہے۔

ف۷ یعنی خیر اور شر دونوں کی راہیں بتلا دیں۔ تاکہ برے راستہ سے بچے اور اچھے راستہ پر چلے۔ اور یہ بتلانا اجمالی طور پر عقل وفطرت سے ہوا اور تفصیلی طور پر =

فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ⑭ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ ثُمَّ كَانَ مِنَ

بھوک کے دن میں ف۱ یتیم کو جو قرابت والا ہے ف۲ یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے ف۳ پھر ہووے

بھوک کے دن میں، بن باپ کے لڑکے کو جو ناتے دار ہے، یا محتاج کو جو خاک میں رلتا ہے۔ پھر ہوا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑱

ایمان والوں میں ف۴ جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی ف۵ وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے ف۶

ایمان والوں میں جو تقید کرتے ہیں سہارنے کا، اور تقید کرتے ہیں رحم کھانے کا، وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑲ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳ ع

اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے وہ ہیں کم بختی والے ف۷ انہی کو آگ میں موند دیا ہے ف۸

اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے، وہ ہیں کم بختی والے۔ انہی کو آگ میں موندا ہے۔

انقسام عمل در خیر وشر مع بیان عظمت مہبط وحی وسرچشمہ ہدایت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ... الی... نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾

ربط:...... سورۃ الفجر میں پانچ اہم اور عظیم امور کی قسم کھا کر ہر صاحب عقل اور فہم کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ عقل اور فطرت کی روشنی میں خداوند عالم کی عظمت وقدرت کو پہچانے اس کی خالقیت وربوبیت پر ایمان لائے یہی چیز انسان کو فلاح

= انبیاء ورسل کی زبان سے۔

(تنبیہ) بعض نے "نجدین" سے مراد عورت کی پستان لئے ہیں یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کا راستہ بتلا دیا۔

ف۸ یعنی اس قدر انعامات کی بارش اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے توفیق نہ ہوئی کہ دین کی گھاٹی پر آ دھمکتا۔ اور مکارم اخلاق کے راستوں کو طے کرتا ہوا فوز وفلاح کے بلند مقامات پر پہنچ جاتا۔

(تنبیہ) دین کے کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا کہ مخالفت ہوا کی وجہ سے ان کا انجام دینا نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے۔

ف۹ یعنی غلام آزاد کرنا یا قرضدار کی گردن قرض سے چھڑوانا۔

ف۱ یعنی قحط کے دنوں میں بھوکوں کی خبر لینا۔

ف۲ یتیم کی خدمت کرنا ثواب اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنا بھی ثواب، جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو دوہرا ثواب ہوگا۔

ف۳ یعنی فقر وفاقہ اور تنگدستی سے خاک میں مل رہا ہو، یہ مواقع ہیں مال خرچ کرنے کے نہ یہ کہ شادی غمی کی فضول رسموں اور خدا کی نافرمانیوں میں روپیہ برباد کر کے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا وبال سر لیا جائے۔

ف۴ یعنی پھر ان سب اعمال کے مقبول ہونے کو سب سے بڑی شرط ایمان ہے۔ اگر یہ چیز نہیں تو سب کیا کرایا اکارت ہے۔

ف۵ یعنی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ حقوق وفرائض کے ادا کرنے میں ہر قسم کی سختیوں کا تحمل کرو اور خدا کی مخلوق پر رحم کھاؤ تا کہ آسمان والا تم پر رحم کھائے۔

ف۶ یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون ومبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

ف۷ یعنی بدنصیب منحوس، شامت زدہ جن کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور عرش کے بائیں طرف کھڑے کئے جائیں گے۔

ف۸ یعنی دوزخ میں ڈال کر سب دروازے نکلنے کے بند کر دیے جائیں گے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

وسعادت کے مقام تک پہنچانے والی ہے، اور جو قومیں عقل وفطرت کی ان صلاحیتوں کو ضائع کر کے سرکشی اور نافرمانی پر ڈٹی رہیں جیسے قوم عاد وثمود اور فرعون تاریخ میں ان کا عبرت ناک انجام بھی دنیا کے سامنے آچکا تو اس سورت میں سرزمین مکہ مکرمہ کی قسم کھا کر اس کی عظمتوں کو اس طرح مخاطب کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے عمل کی تقسیم خیر وشر کی طرف کی جارہی ہے، اور یہ کہ اسی طرح انسانوں کے گروہ بھی ان دو قسموں میں منقسم ہیں ایک گروہ ابرار ونیکوکاروں کا اور دوسرا نافرمان اور فاجروں کا، اس ضمن میں انسانی عقول کو حق وہدایت کی رہنمائی اور ترغیب فرمائی گئی، اور ہلاکت وشر سے بچنے کی تنبیہ کی گئی۔

ارشاد فرمایا۔ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر مکہ معظمہ کی۔ اور آپ ﷺ کے لئے حلت وآزادی ہوگی اس شہر میں جب کہ اس شہر میں کسی کو قتال کی اجازت نہیں مگر فتح مکہ کے وقت یہ آپ ﷺ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ جیسے کہ حدیث میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے فتح مکہ اور اس وقت کے مقابلہ اور قتال ہی کا ذکر کرتے ہوئے۔ انہا لم تحل لاحد قبلی ولن تحل لاحد بعدی وانما احلت لی ساعۃ من نہار کہ شہر مکہ اور حرم مکہ مجھ سے پہلے نہ کسی کے لئے کبھی حلال ہوا اور نہ ہی ہمارے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے واسطے صرف دن کے ایک حصہ میں حلال کیا گیا جس میں قتال بھی کیا گیا اور مجرمین کو اسی جگہ اور حدود حرم میں سزا بھی دی گئی حتی کہ کسی مجرم کو دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا تا کہ اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر ہو جائے یا یہ کہ آپ ﷺ اس شہر میں اترنے والے ہیں، اور حل بمعنی حال نازل ہو، یعنی اگرچہ اس وقت یعنی مکی زندگی میں اہل مکہ کی طرف سے اے پیغمبر آپ ﷺ ہر قسم کی تکلیف ومشقت اور مصائب میں گھرے ہوئے ہیں لیکن آپ اسی شہر میں جس کو چھوڑ کر ہجرت بھی کرنا پڑے گی خدا کی قدرت اور اس کے فضل وکرم سے فاتحانہ انداز میں اتریں گے جیسے کوئی معزز مہمان کسی جگہ عزت کے ساتھ اتارا جائے، چنانچہ یہ وعدہ الٰہی جو مکہ زندگی میں اس وقت کیا گیا جب کہ مادی اسباب میں کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ۸ ھ میں فتح مکہ کی صورت میں رونما [1] ہوا۔ آپ ﷺ کعبۃ اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ﷺ انکو معاف فرماتے جاتے۔ اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی یعنی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کی۔ بے شک ہم نے انسان کو بڑی ہی مشقت میں پیدا کیا۔ ابتداء آفرینش سے لے کر عمر بھر کے تمام مرحلے مشقتوں اور طرح طرح کے افکار وآلام اور مصائب میں گزرتے ہیں جن سے ہر ذی عقل یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ہر انسان عاجز محض ہے اور اس کی زندگی میں پیش آنے والے تغیرات کسی قادر مطلق کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور اس کا فطری تقاضا یہی تھا کہ ہر انسان اپنے خالق کا مطیع وفرمانبردار ہوتا، لیکن نافرمان، وکافر انسان بڑی غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ وہ اس چیز سے غافل ہے کہ قیامت اور جزاء وسزا کا مرحلہ آنے والا [2] ہے۔ تو کیا انسان

[1] سورۃ الفجر کے مضمون سے اس سورت کے مضمون کی مناسبت ایک وجہ سے اس طرح بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ سورۃ فجر میں عاد وثمود اور قوم فرعون کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر کس طرح خدا کا عذاب نازل ہوا اب اس مناسبت سے سورۃ البلد میں مکہ مکرمہ کی عظمت بیان کر کے یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس کو اللہ نے امن کی جگہ بنایا حتی کہ ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ اور اس سرزمین کے گھانس اور درختوں کے کاٹنے سے بھی منع کر دیا گیا، جانوروں کا شکار بھی حرام کر دیا گیا، اس طرح یہ شہران مقامات کے قطعا برعکس ہوا وہ علاقے محل عذاب تھے، یہ امن وعافیت کی جگہ حتی کہ اس جگہ کے مجرمین بھی عذاب خداوندی سے محفوظ کر دیئے گئے جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ ۱۲

[2] حسن بصری ﷫ ﴿وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ کی تفسیر میں حضور اکرم ﷺ کے لئے حرم مکہ کی حلت کا مفہوم بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے یہ =

یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہ ہوگی۔ پکڑ کی اور اس کے کفر و نافرمانی پر سزا دینے کی یہ انسان کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ہے۔ جیسا کہ کفار مکہ آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف اپنی دولت خرچ کر کے کہتے۔ یا یہ انسان وہ ہے جو اپنے واسطے محفوظ مکانات کی تعمیر میں خادموں، محافظوں کی تنخواہوں، اپنے خاندان کے لوگوں پر انعام و اکرام اور امداد و اعانت میں، راحت و آرام اور عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے میں خرچ کر کے کہتا ہے میں نے تو بہت سا مال خرچ کر ڈالا ہے تو اب ان محفوظ قلعوں اور اس قدر محافظین اور جانثار فوج اور خادموں کے ہوتے ہوئے مجھے کون پکڑ سکتا ہے، اور کون ہے جو مجھے کسی مصیبت و پریشانی میں ڈال سکے، میں جو کچھ کر رہا ہوں مجھے اس کی سزا کوئی نہیں دے سکتا، لیکن اس انسان کا یہ سوچنا اور کہنا قطعاً غلط ہے، اس کے یہ تمام وسائل و اسباب ہرگز ہرگز خداوند عالم کی گرفت اور اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے وہ قادر مطلق ہے ہر چیز اس کے علم میں ہے، اس کے احاطہ قدرت اور علم سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ کیا اس کا یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اس کے اعمال کسی قادر مطلق کی نظروں کے سامنے نہیں، یہ بات بھی قطعاً عقل و شعور کے خلاف ہے۔ بھلا کیا نہیں دی ہیں اس کو دو آنکھیں ❶ جس سے یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور کیا ہم نے نہیں بنائی ہے اس کی

= وہی بات ہے جو حدیث بخاری اور مسلم میں آنحضرت ﷺ سے وارد ہوئی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ان هذا البلد حرمه الله یوم خلق السموت والارض فهو حرام الی یوم القیمة لا یعضد شجره ولا یختلی خلاه وانما احلت لی ساعة من نهار وقد عادت حرمتها الیوم کحرمتها بالامس، الا فلیبلغ الشاهد الغائب۔ ان آیات میں مکہ مکرمہ کی قسم کھانے کے بعد ﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ کی قسم کھائی گئی، جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ والد سے مراد آدم علیہ السلام اور ولد سے ان کی ذریت اور اولاد آدم ہے، حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی قسم کھانا گویا آدم علیہ السلام کی عظمت اور ان کی خلافت فی الارض کی طرف اشارہ ہے اور ذریت کی قسم کھانا گویا تاریخ عالم میں انسانوں کے احوال ان کے ادوار، ان کے اعمال و اخلاق اور ان کے عادات و طبائع کے عظیم تر تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر مخاطب کی نظروں کے سامنے عالم انسانیت کا پورا نقشہ پیش کر دیا اور ظاہر ہے کہ عظمت خداوندی کا اس طرح ثبوت کلیۃً بہم پہنچ رہا ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرمایا رب العزت نے ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اس شہر کی قسم کھائی جو ام القریٰ اور ام المساکن یعنی انہی جگہوں میں سب سے پہلی جگہ (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ تو اس کے بعد مناسب ہوا کہ ساکنین میں اس ساکن کی قسم کھائی جائے جو سب سے اول اور اصل زمین پر تمام آباد ہونے والوں کی، وہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ۱۲

❶ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر مکحول کی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے، بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ رب العزت فرماتا ہے، اے ابن آدم میں نے تجھ پر بڑے عظیم انعامات کئے ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں، میرے عظیم تر انعامات میں سے یہ ہے کہ میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور ان پر ایک پردہ بھی بنا دیا ہے تو ان آنکھوں سے تو وہ چیز دیکھ جو تیرے واسطے حلال ہے، اور اگر تیری نگاہیں ایسی چیز پر پڑیں جو میں نے تجھ پر حرام کر دی تو اپنی آنکھیں اس پردہ سے بند کر لے اور تجھے زبان دی اور اس کے واسطے ایک غلاف بنا دیا (یعنی دہن اور ہونٹ) اس لئے اس زبان سے تو وہ چیز بول جو تیرے لئے حلال ہے، اور جس چیز کا زبان سے بولنا میں نے حرام کر دیا ہے تو اس بے زبان کو اپنے دہن میں بند رکھ۔ الی آخر الحدیث۔

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ لغت میں النجد طریقہ اور راستہ کو کہا جاتا ہے، تو نجدین سے دونوں قسم کے راستے ہوئے خیر و شر کے چنانچہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے، ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تھے، اے لوگو! یہ دو راستے ہیں (جن کو قرآن النجدین فرما رہا ہے) کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عقل و شعور سے سمجھ کر یا کسی سے پوچھ کر خیر و فلاح ہی کا راستہ اختیار کرے، بعض مفسرین نے عورت کے دونوں پستان بھی مراد لئے ہیں ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ رقبہ گردن کو کہتے ہیں اور فک کسی گرفت کو کھولنا اس میں ہر پریشان اور گرفتار مصیبت شخص کو مصائب کی گرفت سے چھڑانا بھی داخل ہے جیسے کسی غلام کو غلامی سے رہا کرانے میں حصہ لینا یا پورے طور پر اعتاق رقبہ یعنی اس کو آزاد کر دینا جب کہ وہ اسی کا مملوک ہے۔ ۱۲۔ روح المعانی ج ۴۔

زبان اور دو ہونٹ جن سے یہ دن رات بولتا ہے اور خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتیں کھا رہا ہے۔ اور کیا ہم نے اس کو نہیں دکھلا دیں دو گھاٹیاں اور رہنمائی نہیں کر دی ہے دونوں راستوں خیر اور شر کی کہ عقلی اور فکری صلاحیت سے سمجھ سکتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا چیز شر ہے، کون سی بات مفید ہے اور کون سی مضر، تو جو رب العالمین اس انسان کو دو آنکھیں عطا کرنے والا ہے اور ہر جاندار مخلوق کو اس نے بینائی دی ہے کیا وہ اس انسان اور اس کے اعمال واطوار کو نہیں دیکھ رہا ہوگا، جو رب ساری دنیا کو بینائی دے وہ خود کچھ نہ دیکھ سکے گا یہ تصور کوئی پاگل انسان ہی اپنے دماغ میں قائم کر سکتا ہے، پھر جس خالق حکیم نے اپنی قدرت وحکمت سے انسان میں ان تمام چیزوں اس کی زبان اس کے دو ہونٹ اور تمام پیکر جسمانی مع اپنی تمام خوبیوں اور حکمتوں کے پھر اس نے عقل وشعور کی صلاحیت دی ہو جس کے ذریعہ انسان ہر خیر وشر کو پہچان سکتا ہے اس کی قدرت اور عظمت سے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ اور اس قادر مطلق کی گرفت سے یہ نافرمان انسان کیسے بچ سکتا ہے۔

گویا یہ کہئے کہ جب اس پروردگار نے اس انسان کو آنکھیں دی ہیں تو اس کو چاہئے تھا آنکھوں سے اللہ کی قدرت کے مناظر اور دلائل دیکھتا۔ زبان دی تھی، اس کو چاہئے تھا کہ کسی سے پوچھ لیتا، کسی کی زبان میں اگر گویائی نہ ہو تو گونگوں کی طرح ہونٹوں کے اشارہ سے بات کرنا اور معلوم کرنا ممکن تھا، پھر عقل دی اور خیر وشر ہدایت، ضلالت اور حق وباطل دلائل کی روشنی میں واضح کر دیئے تو شر سے بچ کر خیر کا راستہ اختیار کر سکتا تھا، گمراہی اور باطل سے بیزار ہو کر حق قبول کر سکتا تھا، مگر افسوس صد افسوس! ان تمام باتوں کے باوجود یہ انسان جب گمراہی پر ڈٹا رہا، نافرمانی اور فسق وفجور کے سوا زندگی میں کوئی کام ہی نہ کیا تو اب اس کے بعد کیسے عذاب خداوندی اور اس کی گرفت سے بچے گا، خدا کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں اور صلاحیتوں سے تو اس کو چاہئے تھا کہ اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا، جب یہ سب اس کو بارگاہ رب العزت سے ملا تھا تو پھر کیوں نہ گھس ❶ پڑا گھاٹی میں ایسی گھاٹی جس میں ہر طرح کی آفت ومصیبت سے حفاظت ہو، سعادت وفلاح کے خزائن وہاں حاصل ہو سکیں۔ اور اے مخاطب تجھے خبر بھی ہے؟ کہ کیا ہے وہ عقبہ (گھاٹی)؟ وہ چھڑانا ہے کسی گردن کا غلامی یا کسی بھی بوجھ اور گرفت سے یا کھانا کھلانا ہے کسی بھوک کے دن یتیم کو بالخصوص جو قرابت والا ہو۔ یا کسی محتاج کو جو اپنے فقر واحتیاج کے باعث خاک میں رل رہا ہو اور فقر وتنگدستی سے خاک میں لوٹ رہا ہو، درحقیقت خرچ کے تو یہ مواقع ہیں، اس انسان کو چاہئے تھا کہ ایسے مواقع میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے، اور ان ہی مصارف میں مال کا خرچ کرنا سعادت اور فوز وفلاح کی منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے، اور یہی وہ گھاٹی ہے جس میں گھس کر انسان امن وعافیت اور دنیا کے ہر فتنہ اور مصیبت سے تحفظ حاصل کر سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے محض ان مکارم اخلاق اور یتیموں مسکینوں کی اعانت وہمدردی سے فلاح وکامیابی نہیں حاصل ہوتی بلکہ چاہئے کہ وہ ہو جائے ایمان والوں میں سے۔ اور ایمان وتقویٰ اور عمل صالح خداوند قدوس کی عبادت وبندگی کے ساتھ ان لوگوں میں ہو جائے جو ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں مہربانی کرنے

❶ اقتحام لغت میں کہا جاتا ہے کسی تنگ جگہ میں داخل ہو جانے کو یا تیزی سے کسی مکان میں گھس جانے کو تو اس لفظ کو قرآن کریم نے استعمال کر کے یہ اشارہ کر دیا کہ درحقیقت یہ وادی اور گھاٹی امن وعافیت کی ایسی ہے جس میں انسان کو چاہئے کہ بڑی ہی تیزی اور قوت کے ساتھ داخل ہو جائے، اگر خارج میں موانع پیش آ رہے ہوں تو پوری قوت سے ان کی مزاحمت کرتا ہوا اندر داخل ہو جائے۔

کی کہ حقوق وفرائض ادا کرنے میں صبر وتحمل اور استقامت اختیار کریں، اور اس راہ میں اپنے نفس کی شہوات اور لذتوں پر قابو پانے کی کوشش کریں اور خدا کی مخلوق پر مہربانی اور رحم کو نیکی تاکید کریں، کیونکہ یہی راستہ یعنی ایمان وعمل صالح اور مخلوق خدا پر رحم کرنا آسمان وزمین کے قیام وبقاء کا ذریعہ ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء کہ (زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا) تو بس یہی لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور کامیاب ان ہی کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

اور اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے اور نافرمانی اختیار کرلی وہ بدبختی والے ہیں۔ ان کی نحوست شامت اعمال انکو ہرگز نہ بخش سکے گی، یہاں تک کہ ان ہی پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہوگی جیسے کسی ڈھکنے یا سرپوش سے کوئی چیز بند کردی جائے اور اس کو ڈھانک دیا جائے کہ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے نکل کر کم ہوسکیں گے اور نہ ہی باہر کی کوئی ہوا یا کوئی چیز اس میں داخل ہوکر اس کی شدت اور لپٹ کو کم کرسکے گی یا یہ کہ جہنم کے تمام دروازے بند کئے ہوئے ہوں گے تو یہ کیونکر ممکن ہوگا کوئی مجرم اس میں سے نکل بھاگنے کا تصور کرسکے۔

فائدہ: ...... ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ یعنی بایں ہمہ اور مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہونے کے علاوہ پھر یہ بھی ہو کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو، تو لفظ ﴿ثُمَّ﴾ اس مقام پر محض تراخی ذکری کے لیے ہے جو اہل عربیہ کے یہاں متعدد امور کے ذکر کے بعد کوئی مضمون بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ تراخی وقوعی کے لئے ہے یعنی اگر کسی شخص کافر نے اپنی کفر کی زندگی میں اعمال خیر کئے، صدقہ، صلہ رحمی وغیرہ کیئے تو یہ اعمال قابل قبول اور باعث رضاء خداوند اس وقت ہیں جب کہ وہ شخص ایمان لے آئے، چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے حالت کفر میں کچھ نیک کام کئے ہیں؟ (کیا وہ قبول ہوں گے یا نہیں) آپ ﷺ نے فرمایا اسلمت اسلفت من خیر۔ کہ تم ان تمام نیکیوں کے ساتھ ایمان لائے ہو جو تم پہلے کرچکے۔ ہم نے ترجمہ آیت کے درمیان اضافہ کئے ہوئے الفاظ میں ان دونوں کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

تواصی بالصبر انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث ہے

صبر کا مفہوم ضبط نفس ہے، جو استقامت اور پابندی کے معنی کو متضمن ہے، نفس کو خواہشات سے روکنا اور فرائض دین کا پابند بنانا اتباع شریعت کی روح ہے۔ لفظ صبر کا استعمال علی اور عن دونوں صلوں کے ساتھ کلام میں پایا گیا۔ ائمہ لغت فرماتے ہیں علی کے ساتھ استعمال کسی چیز پر پختگی استقامت اور دوام ہوتا ہے یا کسی چیز کو برداشت کرنا، مثلاً کہا جائے صبرت علی الفرائض یعنی میں نے فرائض کی پابندی کی اور کہا جاتا ہے۔ فلان صبر علی البلایا۔ کہ فلاں شخص نے مصائب وتکالیف کا تحمل کیا، اور عن کے ساتھ استعمال مثلاً صبرت علی المعاصی تو مراد یہ ہوگی کہ گناہوں اور نافرمانیوں سے صبر اور پرہیز کیا۔ صبرت عن الشھوات یعنی نفس کی خواہشات سے بچا، تو اس طرح صبر کی عملی شکل انسانی حیات میں فرائض کی پابندی مشقتوں کی برداشت، گناہوں سے پرہیز اور خواہشات نفس سے اجتناب کی صورت میں رونما

ہوگی اور ظاہر ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں ان چار پہلوؤں کی تکمیل کمال سعادت اور ایمانی زندگی کا پیکر ہے اور ان بنیادی عملی پہلوؤں کی دوسروں کو تلقین اصلاح معاشرہ کی ضامن اور اجتماعی زندگی کو اعلیٰ وارفع بنانے والی ہے، صبر وحلم اللہ رب العالمین کی نظر میں بڑا ہی محمود وصف ہے، ارشاد ہے ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ کہیں اس کو انبیاء علیہم السلام کا خلق عظیم ہونے کی حیثیت سے بیان کیا۔

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾.

اصل یہ ہے کہ انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی دو چیزیں ہیں ایک قوت غضبیہ دوسری قوت شہویہ، ان دونوں کا غلبہ انسان کو فسق وفجور اور شہوات وبدامنی سفک دماء ظلم وعدوان جیسی باتوں میں مبتلا کر دیتا ہے، وصف صبر سے ان دونوں قوتوں کو انسان اپنے ضبط اور قابو میں لا سکے گا، اور اس طرح جو بھی بے راہ روی، اور سرکشی انسان کی عملی زندگی میں واقع ہوتی ہے اس سے محفوظ رہے گا، ساتھ ہی شدائد وتکالیف کا تحمل اور احکام دین پر استقامت وپابندی اس کو مزید کمال وعظمت کی منزل تک پہنچانے والی ہوگی۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ البلد۔

سورۃ الشمس

سورۃ الشمس بھی مکی سورت ہے جس کی پندرہ آیات ہیں، اس سورت میں خاص طور پر ایک تو انسان کے نفس اور اس کے تقاضوں کے متعلق خالق کائنات نے ایسی بنیادی باتیں ذکر فرمائی ہیں جن کو محسوس کر کے انسان نفس کے فریب اور اس کی شہوتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے، دوسری یہ اہم بات ذکر فرمائی گئی کہ انسان کی فطرت میں خیر وشر اور ہدایت وضلالت کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن یہ اس کے شعور اور فکر پر موقوف ہے کہ خیر وشر میں سے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اختیار کرنا خود انسان کا اپنا عمل اور اسی کا فیصلہ ہوتا ہے، اس بناء پر اصولاً یہ درست ہے کہ خیر اور نیکی پر اجر وثواب اور نجات کا مستحق ہو اور شر پر عذاب وہلاکت کا، دنیا کے انسان ان ہی دو راستوں پر چل رہے ہیں، اس ذیل میں قوم ثمود اور ناقہ صالح علیہ السلام کا بھی ذکر فرما دیا گیا، تاکہ ایک قدیم تاریخ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ خدا کے پیغمبر کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی سے کس طرح یہ عظیم قوم تباہ ہوئی اور آج کی تاریخ میں اس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔

سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ ۲۶ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰیاتھا ۱۵ رکوعھا ۱

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا ③ وَالَّيْلِ إِذَا

قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے ف۱ اور دن کی جب اس کو روشن کرلے ف۲ اور رات کی جب اس کو

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب آوے اس کے پیچھے، اور دن کی جب اس کو روشن کرے، اور رات کی، جب اس کو

ف۱ یعنی سورج غروب ہونے کے بعد جب اس کی چاندنی پھیلے۔

ف۲ یعنی جب دن میں سورج پوری روشنی اور صفائی کے ساتھ جلوہ گر ہو۔

يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷

ڈھانک لیوے ف۱ اور آسمان کی اور جیسا کہ اس کو بنایا ف۲ اور زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا ف۳ اور جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا ف۴

ڈھانک لیوے۔ اور آسمان کی، اور جیسا اس کو بنایا، اور زمین کی، اور جیسا اس کو پھیلایا، اور جی کی، اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا،

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی ف۵ تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا ف۶ اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا ف۷

پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی، اور بچ چلنے کی۔ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا۔ اور نامراد ہوا، جس نے اس کو خاک میں ملایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ

جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے ف۸ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں کا بڑا بدبخت ف۹ پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے

جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے، جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں بڑا بدبخت۔ پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے،

ف۱ یعنی جب رات کی تاریکی خوب چھاجائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان دکھائی نہ دے۔

ف۲ یعنی جس شان وعظمت کا اس کو بنایا۔ اور بعض کے نزدیک "مابناھا" سے مراد اس کا بنانے والا ہے۔

ف۳ یعنی جس حکمت سے اس کو پھیلا کر مخلوق کی بود وباش کے قابل کیا۔ یہاں بھی بعض نے "وماطحٰھا" سے اس کا پھیلانے والا مراد لیا ہے۔

ف۴ کہ اعتدال مزاج کا اور حواس ظاہری وباطنی اور قوائے طبیعیہ حیوانیہ ونفسانیہ سب اس کو دیے اور نیکی بدی کے راستوں پر چلنے کی استعداد رکھی۔

ف۵ یعنی اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی۔ پھر تفصیلی طور پر انبیاء ورسل کی زبانی کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ پرہیزگاری کا ہے۔ اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو، ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے۔ اور ثانی میں شیطان۔ پھر وہ رجحان ومیلان کبھی مندہ کے قصد واختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے۔ اسی کسب خیر وشر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔ وھذا المسئلہ من معضلات المسائل وتفصیلھا یطلب من مظانھا۔ ونرید ان نفرد لھا جزا ان ساعدنا التوفیق واللہ الموفق والمعین۔

ف۶ نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت النبیہ کا تابعدار بنائے۔ تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔

ف۷ خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت وغضب کے ہاتھ میں دے دے۔ عقل وشرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ گویا خواہش اور ہویٰ کا بندہ بن جائے۔ ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے۔ (تنبیہ) "قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا" جواب قسم ہے اور اس کو مناسبت قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی دن کا اجالا، اور رات کا اندھیرا، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر وشر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اسی طرح متضاد مختلف اعمال پر مختلف ثمرات ونتائج مرتب کرنا بھی اسی حکیم مطلق کا کام ہے خیر وشر اور ان دونوں کے مختلف آثار ونتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں ومناسب ہے۔ جیسے اندھیرے اور اجالے کا وجود۔

ف۸ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ یہ "وقد خاب من دسھا" کی ایک مثال عبرت کے لئے بیان فرما دی۔ سورۃ اعراف وغیرہ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔

ف۹ یہ بدبخت قدار بن سالف تھا۔

وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا

کی باری سے ف۱ پھر انہوں نے جھٹلایا اس کو پھر پاؤں کاٹ ڈالے اس کے پھر الٹ مارا ان پر ان کے رب نے بسبب ان کے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو ف۲

اور اس کے پینے کی باری سے! پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا، پھر وہ کاٹ ڈالی، پھر الٹ مارا ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ سے، پھر برابر کر دیا اور وہ نہیں

يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع ۱۵

اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے ف۳

ڈرتا کہ پیچھا کریں گے۔

استعداد خیر وشر در طبیعت بشریہ ومعیار سعادت وشقاوت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ... الی ... وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ یعنی انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے خیر کا راستہ بھی اور شر کا بھی ہدایت بھی اور گمراہی بھی اور اس پر تاکید وترغیب دی گئی کہ انسان سعادت اور نجات کی گھاٹی اختیار کرلے، تو اس مناسبت سے اب اس سورۃ والشمس میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے خیر وشر ہر دو کی استعداد رکھتا ہے اور یہ کہ نفس انسانی جب ان دونوں صلاحیتوں کا حامل ہے تو ضروری ہے کہ اس نفس کو عملی راستہ پر ڈالنے اور چلانے والی طاقت یعنی اس کی عقل خیر کی طرف اس کا رخ کرے اس کو ہر گندگی سے پاک رکھتے ہوئے فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچ جائے، اس کے برعکس اگر انسان کی قوت عاقلہ گمراہی کی ظلمتوں سے اندھی ہو کر شر کا راستہ اختیار کرلے تو اس کا انجام نفس انسانی کو گندگی میں آلودہ کرنا، اور سعادت وفلاح سے محروم کر کے نفس کو ہلاکت وتباہی میں ڈالنا ہوگا تو ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ اور ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے، اسی مقصد کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے اس مقام پر حق تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی جو بالترتیب لفظ ﴿وَالشَّمْسِ﴾ سے ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا﴾ تک مذکور ہیں، اور یہ اس طرح ثابت کیا گیا کہ حیات دنیوی کیلئے جس طرح سورج اور اسکی روشنی ضروری ہے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی اپنے تناوب وتعاقب سے نظام حیات کے سلسلہ کو قائم رکھے

ف۱ یعنی خبردار اس کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ پانی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ بظاہر اسی سبب سے وہ اس کے قتل پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور "اللہ کی اونٹنی" اس اعتبار سے کہا کہ اللہ نے اس کو حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا ایک نشان بنایا تھا۔ اور اس کا احترام واجب کیا تھا۔ یہ قصہ پہلے "اعراف" وغیرہ میں گزر چکا۔

ف۲ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ "ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب الیم" (اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے) ان لوگوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا۔ پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ آخر وہی ہوا جو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا کر برابر کر دیا۔

ف۳ یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزادہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے، یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ ایسی کون سی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کے لئے اس کا پیچھا کرے گی؟ العیاذ باللہ۔

ہوئے ہے، بالکل اسی طرح خیر کی راہنمائی اور انسان کی روحانی زندگی کا نظام آفتاب نبوت کے بغیر ممکن نہیں ہے جس طرح سورج کی روشنی میں انسان سیاہ وسپید اور نافع ومضر کا امتیاز کرسکتا ہے اسی طرح تعلیمات نبویہ سے انسان خیر وشر اور سعادت وشقاوت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

آفتاب ومہتاب دن اور رات آسمان اور زمین سے انسانی حیات کا رشتہ کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہوسکتا مثلاً دنیا کی کھیتی میں آفتاب کی گرمی سے زمین میں ڈالے ہوئے بیج شق ہو کر باہر نکلتے ہیں پھر یہی حرارت اس کی نشوونما کرتی ہے، آفتاب ہی کی گردش سے موسموں کی تبدیلی ہوتی ہے، چاند کی برودت سے پھل اور پھولوں میں تازگی آتی ہے اور ان میں تازگی آتی ہے اور ان میں رس پڑتا ہے، دریا میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے رات کی تاریکی میں وہ آفتاب کا خلیفہ اور بدل ہے دن میں کاروبار کا سلسلہ رہتا ہے تو رات میں آرام کیا جاتا ہے اور دن بھر کی تکان کے بعد سکون حاصل ہوتا ہے، رات کی شبنم دن کی گرمی اور تپش کا تدارک کرتی ہے آسمان سے بارش کا برسنا زمین سے اگنے والے جملہ نباتات کھیتیوں پھل اور پھولوں کی حیات کا سامان ہوتا ہے اور یہ تمام تصرفات اس زمین پر ہورہے ہیں جس میں تخم ڈالا گیا تھا تو بالکل اسی طرح نفس انسانی جس میں زمین کی طرح اللہ رب العزت نے اپنی معرفت وربوبیت اور اطاعت وفرمانبرداری کا تخم عہد الست سے ودیعت رکھ دیا ہے، آفتاب نبوت کی روشنی اور حرارت وگرمی سے نشوونما پاتا ہے اور اس پر پھل پھول لگتے ہیں، آفتاب نبوت کے ساتھ وحی الٰہی کی بارش اس کی حیات وبقاء کا سامان اور جس طرح آفتاب نہار کے پیچھے قدرت خداوندی نے اس کے نائب چاند کو لگا دیا ہے تو اسی طرح آفتاب نبوت کے بعد اس آفتاب کا جانشین اور خلیفہ حضرات خلفاء راشدین کرام رضی اللہ عنہم کا وجود ﴿وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا﴾ کے مانند بنادیا گیا، خلفاء راشدین کرام رضی اللہ عنہم کے وجود ماہتاب نے آفتاب نبوت کی جانشینی اور اپنے نور سے روحانی زندگی کے لئے راستہ بتایا اور یہ بات قطعاً ہی ہوگئی۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ اور چاند کا نور سورج ہی کا پرتو ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے نور القمر مستفاد من نور الشمس تو خلفاء راشدین کرام رضی اللہ عنہم کا نور علم اور ضوء ہدایت درحقیقت آفتاب نبوت ہی کا پرتو تھا۔

ایمانی زندگی بھی مادی زندگی کی طرح لیل ونہار میں منقسم ہے، تو ان کے اوقات میں مختلف عبادات اور اعمال حسنہ کے ذریعے آخرت کا سرمایہ کمایا جاسکتا ہے اس کے بالمقابل رات کا وقت بالعموم راحت اور غفلت کا ہوتا ہے اسی لئے تہجد اور قیام لیل کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئی۔

زمین اپنی فراخی اور استعداد کے لحاظ سے باران رحمت کا اثر قبول کرتی ہے کسی حصہ میں شادابی اور پھل پھول لگتے ہیں تو کسی حصہ میں سوائے جھاڑیوں اور کانٹوں کے کچھ نہیں اگتا، جیسے کہ ارشاد ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾۔ بالکل اسی طرح انسانی طبائع اپنی اپنی صلاحیتوں اور وسعتوں کے لحاظ سے آسمانی ہدایت اور علوم نبویہ سے مستفید ہوتے ہیں، کوئی کم، کوئی زیادہ اور کسی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا قطعاً محروم ہی رہتا ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید ودر شور بوم وخس

رہی یہ بات کہ آسمان نبوت سے برسنے والی بارشوں سے کسی کا محروم رہنا، اور اس کے اثرات کو قبول نہ کرتے ہوئے، شر اور گمراہی کے راستہ ہی پر چلتے رہنا اس میں نہ بارش کی کوتاہی ہے اور نہ مصدر فیض اور ابر رحمت نے کوئی بخل کیا بلکہ خود ان ہدایات نے انسانی فطرت میں بھی خیر وشر کی معرفت رکھ دی تھی تو اس کے بعد تعلیمی ہدایات نے بھی اس فطری جوہر کی بار بار تجدید وتقویت بھی کی مادی اور نفسانی لذتوں میں انہاک نے اس جوہر کو اگر مردہ یا خوابیدہ کر دیا تھا، تو ان تعلیمات نے ترغیب وترہیب اور انذار وتبشیر سے اس کو زندہ اور بیدار کرنا چاہا پھر بھی اگر محروم رہا تو ظاہر ہے کہ اس ابر کرم اور آسمان نبوت سے برسنے والی بارش کا کوئی بخل اور قصور نہیں۔

پھر آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کا ذکر کر کے انسانوں کے مراتب میں بلندی وپستی اور تفاوت درجات کو نمایا کر دیا۔

غرض آیات مبارکہ میں ان چھ چیزوں اور آخری ساتویں چیز نفس کی قسم کھا کر انسانی افکار کو ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی اسی وجہ سے ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ کے بعد متصلاً اصل مقصد بیان مرتب فرمایا گیا یعنی ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ آفتاب کی روشنی کی طرح نور نبوت کا تمام عالم میں پھیلنے کا ذکر کتاب یسعیاہ علیہ السلام ساٹھویں باب میں اس طرح بطور بشارت مذکور ہے:

''اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی، اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی قوموں پر، لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا، اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں'' ۔انتھی۔ (کتاب یسعیاہ باب ۶۰)

ان کلمات کے اشارہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس آفتاب ہدایت ہے تو اس کے نور سے عالم دنیا روز روشن بن گیا۔

اور چاند اپنی طبعی نوعیت سے سورج کے پیچھے ہے تو آفتاب نبوت کے بعد اس کے قائم مقام خلفاء راشدین کرام رضی اللہ عنہم کا دور ماہ کامل اور بدر منیر کی حیثیت میں جلوہ گر ہوگا جس طرح اصل چاند کا نور آفتاب کے نور کا خلیفہ ہے تو اسی طرح اس خلیفہ اور بدر منیر کے نور کو بھی قدرت خداوندی نے دنیا کی ہدایت کیلئے ایک خلیفہ بنایا وہ نور ولایت ہے جو نور خلافت کے لئے نائب کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ وفقہاء امت کا نور ہے۔

اور جس طرح آفتاب کی روشنی کو دن اور دوپہر کا وقت مکمل کرتا ہے جس کو ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا﴾ میں فرمایا تو اسی طرح اس آفتاب نبوت کی روشنی تمازت اور قوت کو خلفاء راشدین کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی فتوحات اور غلبہ نے مکمل کیا اور دین محمد ﷺ کا ظہور اور غلبہ اسی دور میں دنیا کے سامنے ظاہر ہوا جو آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے بعد کچھ وقت گزرنے پر آیا تو بالکل ایسا ہی ہوگا، جیسے آفتاب جب طلوع ہوا تو اس کی روشنی کمزور تھی لیکن اس کے طلوع ہی سے نمودار ہونے والے دن نے اس کو مکمل روشن ومجلی کر دیا، تو یہ منظر پوری طرح نظروں کے سامنے آ گیا کہ گویا خلافت راشدہ کے روز روشن نے اپنی قوت وغلبہ اور شوکت سے سورج کی روشنی کو مکمل کر دیا تو یہ بات

﴿وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰىهَا﴾ سے ظاہر ہو رہی ہے اور جو وعدہ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ میں فرمایا گیا وہ خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں الحمد للہ ثم الحمد للہ پورا ہو گیا۔

پھر ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا﴾ آسمان شریعت کی رفعت و بلندی کی طرف ذہن متوجہ کر دیا گیا کہ جیسے آسمان جملہ کواکب شمس و قمر کو محیط ہے تو اسی طرح آسمان شریعت انسان کے جملہ مقدس احوال و افعال اور عقائد و مکارم اخلاق کو محیط ہے، اور جیسے آسمان میں بروج اور منازل ہیں تو اسی طرح شریعت کے امور میں بھی ابواب و اقسام ہیں اور سالکین و عارفین کے منازل ہیں اور ان منازل کی طرف چلنے والے سورج اور چاند ستاروں کی طرح کواکب کہ ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ اور ان تمام کواکب کی سیر ایک ہی منزل کی طرف ہے اس لئے ان میں کسی قسم کے تصادم اور نزاع کا کوئی خطرہ نہیں۔ ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ اور ﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا﴾ کی طرح انسان کی ذات ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے عالم ارض کا نمونہ ہے بالکل کائنات کا نمونہ ہے اس وجہ سے انسان کو عالم صغیر سے تعبیر کیا گیا تو آفتاب کی روشنی دن کی تمازت گرمی، رات کی تاریکی بارشوں کا نزول کرہ ارضی پر اپنے عجیب و غریب کرشمے دکھاتے ہیں اسی طرح آفتاب ہدایت کا نور اور علوم الٰہی کی بارشیں اور اس کے لیل و نہار انسانی حیات کی سطح پر بڑے ہی عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہو رہی ہیں اور جو قوائے ملکیہ انسان کی فطرت میں ودیعت رکھے ہوئے ہیں اور اس ابر رحمت کے برسنے کے بعد کیسے شاداب و سرسبز اور شجر کی صورت میں رونما[1] ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی اس طرح کہ سورج آسمان کی کناروں سے طلوع ہونے کے بعد بلند ہو رہا ہے اور وقت ضحیٰ میں داخل ہونے کے باعث اس کی دھوپ چڑھ رہی ہے۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے چلے۔ جیسے فلکیات کے اصول سے ظاہر ہے یا یہ کہ چاند کی روشنی سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ سورج کو روشن کر دے اس کی تمازت اور شعاعوں کو نصف النہار پر پہنچ کر یہ روز روشن سورج کے نور کو مکمل اور قوی تر کر دے۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ اس کو ڈھانک لے۔ اور رات کی تاریکی دن پر اس طرح چھا جائے کہ سورج کی روشنی کا کچھ بھی نشان دکھائی نہ دے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جو کچھ یا جیسا کہ اس کو بنایا۔ اس میں پیدا کی[2] ہوئی۔ تمام چیزیں جملہ کواکب و سیارے اور بروج و منازل اور خود آسمان کی عظمت کہ کیسی شان عظمت سے اس کو بنایا۔ اور قسم ہے زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا[3] کہ کیسی عجیب حکمت اور قدرت سے کرۂ ارضی پھیلا دیا گیا کہ اس پر بود و باش سہولت سے ہو سکے، پھر اس میں مخلوق کی ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کر دیں۔ اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ اس کو برابر بنایا اعضاء کا عجیب تناسب رکھا اور کیسی بہترین ساخت سے پیکر جسمانی مرتب فرمایا کہ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾۔

---

[1] هذا مقتبس من كلام الشيخ مجدد الف ثاني والشاه ولي الله الدهلوي والامام الرازي والعلامة المحدث ابي محمد عبد الحق الحقاني الدهلوي قدس الله اسرارهم۔ ونفعني الله تعالىٰ وجميع اهل العلم من علومهم امين۔

[2] ان الفاظ سے مفسرین کی اس رائے کی طرف اشارہ کیا جو اس جگہ ما کو مصدریہ یا موصولہ لیتے ہیں اور بعض مفسرین نے ما لو من کے معنی میں لیا۔ اے ومن بنہا مرادیہ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس کی جس نے آسمان بنایا۔

[3] یہاں بھی ما مصدریہ، موصولہ ہے، اور بعض کے نزدیک من کے معنی میں ہے۔ ۱۲

صرف یہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ اور اخلاط اربعہ میں بھی ایک ایسا اعتدال عطا کیا کہ اس کا نظام جسمانی بڑی ہی خوبی کے ساتھ قائم و جاری رہے پھر حواس ظاہری کے علاوہ باطنی حواس سے اس کو آراستہ کیا تا کہ وہ فلاح وسعادت کے امور جان سکے اور سمجھ سکے، پھر اس کے دل [1] میں ڈالا اس کا فجور و تقوی۔ یعنی یعنی ڈھٹائی اور بچ کر چلنے کی صلاحیت، فسق و فجور نافرمانی اور تقوی و طہارت اور اطاعت و بندگی کا شعور اور صلاحیت یعنی اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت یعنی اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ اور صحیفوں اور کتابوں میں آخری کتاب قرآن کریم میں تحقیق وتفصیل سے بتادیا گیا کہ کون سا راستہ بدی اور برائی یعنی فجور کا ہے اور کون سا راستہ پرہیزگاری اور تقوی کا [2] ہے۔ بے شک فلاح و کامیابی حاصل کرلی۔ اس شخص نے جس نے کہ اس نفس کو پاک بنالیا۔ [3] اور اسی نے اپنی مراد پالی اور بے شک نامراد ہوا اور ذلیل و ناکام ہوا وہ جس نے گندگیوں میں اس کو آلودہ کرلیا۔ اور اپنے اس نفس کو خاک میں ملا چھوڑا، عفت وتقوی کی طہارت سے محروم کر کے شہوت و غضب کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دیدی، عقل و شریعت سے کوئی سروکار نہ رکھا فطرت کی صلاحیت اور تقاضوں کو بھلا کر خواہشوں اور ہوائے نفس کا غلام بن گیا، اشرف المخلوق ہونے کے باوجود وہ مقام اختیار کیا کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوگیا، ایسی ہلاکت و تباہی کی روش اختیار کرنے والے دنیا میں بہت گزرے ہیں، تاریخ عالم میں ان کا عبرت ناک انجام روز روشن کی طرح ظاہر ہے چنانچہ ایک عبرتناک مثال یہ ہے کہ جھٹلایا ثمود نے اللہ کے رسول اور اس کی باتوں کو اور نفس کی پاکیزگی کے بجائے اس کو گندگیوں سے آلودہ کیا۔ اپنی سرکشی سے جب کہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں ایک بدبخت ترین انسان خدا کے پیغمبر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالنے اور ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ وہ اونٹنی خود اس قوم کی فرمائش پر بطور معجزہ پہاڑ کی ایک چٹان شق ہو کر نکلی تھی اور انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اے صالح علیہ السلام اگر اس چٹان سے ایک اونٹنی آپ نکال دیں تو پھر ایمان لے آئیں گے مگر بجائے ایمان لانے کے اس اللہ کی ناقہ ہی کے دشمن بن گئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اپنی نوبت کے روز بھی گھاٹ سے پانی پیئے۔ جس پر اللہ کے رسول نے ان سے کہا خبردار ہو جاؤ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے۔ ایسا [4] نہ ہو کہ اس کا پانی بند کرنے سے، تم پر کوئی عذاب آجائے مگر وہ لوگ باز نہ

[1] یہ الہام کا ترجمہ ہے تفصیل گزرچکی۔

[2] ان الفاظ سے یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ الہام، فجور کے معنی یہ نہیں کہ انسان کو کہا گیا کہ تو فجور کا کام کر، بلکہ اس سے مراد صلاحیت اور شعور ہے جس سے وہ سمجھ لے کہ بدی اور نیکی کیا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقوی کا یہ بھی مفہوم ہے کہ فجور سے بچنے کا حکم دیا اور تقوی کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

استاد محترم شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں "اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو تو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے، گو اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ کے قصد و اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ جاتا ہے اور صدور فعل کا ذریعہ بنتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہوتا ہے، اور اسی کسب خیر و شر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے، کذا فی الفوائد، اس مسئلہ کی توضیح و تحقیق مسئلہ تقدیر اور مجازات اعمال کا معیار اور اس کی حکمت کے سلسلہ میں پہلے گزرچکی، حضرات قارئین مراجعت فرمالیں۔ ۱۲

[3] ابتداء سورت یعنی ﴿وَالشَّمْسِ﴾ سے قسموں کا سلسلہ شروع ہوا اور ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا﴾ الخ کے بعد ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ جواب قسم ہے۔

[4] تفصیل سورۃ اعراف و ہود اور دیگر مواقع میں گزرچکی۔ ۱۲

آئے اور پھر اللہ کے رسول کو جھٹلایا۔ عملاً رسول خدا کی مخالفت کرتے ہوئے، رسول خدا نے منع کیا کہ اس کو پانی سے نہ روکو مگر ان بدبختوں نے شقاوت وبدبختی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پھر اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ جس کا انجام یہی ہوا کہ دے مارا ان کے رب نے ان پر اپنا قہر وعذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو ایسا الٹ مارا کہ برابر کردیا سب کو زمین کی سطح سے اور اس طرح ہلاک کرڈالا کہ ان کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اور وہ پروردگار تو اپنی شان عظمت وکبریائی کے باعث کسی کو سزا یا کسی مجرم قوم کی ہلاکت وبربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا ہے اور نہ اس کو اس بات کا ڈر اور ذرہ برابر پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب یا پیچھا کرے گی۔

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا تھا، قوم عاد عرب کے جنوبی حصہ یمن میں تھی اس کے ہلاک وبرباد ہونے کے بعد شمالی عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا اس کا نام وادی القریٰ تھا ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مؤرخوں نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے اس قوم میں مال ودولت بہت تھا، بڑے بڑے عالی شان مکان بناتے تھے، اور سنگ تراشی کا فن خوب جانتے تھے اس لئے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب وغریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی، درندہ پن سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوت شہوانیہ وغضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا، خدا پرستی رحم دلی، پرہیزگاری کا نام ونشان بھی نہ تھا ایسی حالت میں رحمت الٰہی نے انہی میں سے ایک شخص صالح بن عبید علیہ السلام کو منتخب کیا اور نور نبوت سے منور فرمایا، جناب صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ وپند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوت ازلیہ تھی کب ماننے والے تھے پھر جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ وناصح مشفق کو پہنچیں، کم ہیں۔؟

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لئے ایک معجزہ طلب کیا وہ یہ کہ فلاں پہاڑ میں ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آکر بچہ بھی دیا قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر، رئیس قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا، صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں، نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذاء وظلم کا دروازہ کھول دیا، ادھر اونٹنی کی سنیے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور، چندے اس قوم نے اس پر صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک شخص شریر سرکش "قیدار" نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی کہ تو اس اونٹنی کا کام تمام کردے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے، وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر

ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر ہنسنے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا، اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الٰہی آ گیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے اگر ایمان لایا جائے اور توبہ کی جائے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے، دوسرے روز سرخ، تیسرے روز سیاہ چنانچہ صبح کو جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے، یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا کام بھی تمام کر دیا جاوے یہ قصد کر کے نو بدمعاش شبخون کی نیت کر کے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے حمایت الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے گئے یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لئے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے، ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی جنگ پر آمادہ ہوگئی آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والے شہر سے باہر نکل جائیں، چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا، یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا سب کے منہ لال ہو رہے تھے اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے اسلئے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا، نہ بارش کا اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی، متواتر تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے منہ پڑے دیکھ کر حسرت بھرے انداز میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا ہے مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگزشت جو عرب میں متواتر منقول تھی، اس واقعے کو عموماً ہر شخص جانتا تھا یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا "حجر" ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ "حجر" سے گذرے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بدبخت قوم کے کنوؤں سے پانی لینے اور وہاں ٹھہرنے سے بھی منع فرما دیا تھا، عرب میں اب تک سیاحوں کو قوم ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حال زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی طغیانی اور کبھی ژالہ باری بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے شہر اجاڑ ہو گئے متعدد واقعات ایسے پیش آئے کہ آسمان سے پتھر برسے، ہواؤں کا طوفان آیا اور بستیوں کے نام ونشان ہی مٹ گئے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ مادہ پرست انسان ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو اتفاقات پر یا کواکب کے عمل پر محمول کرتے ہیں، مسبب الاسباب اور قادر مطلق کی قدرت پر ایمان ویقین نہیں ہوتا۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

سورۃ الیل

سورۃ الیل میں مکی سورت ہے، اس سورت میں بالخصوص اس امر کو بڑی تفصیل وتحقیق سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں ان عملی جہود میں ایک نوع ایمان وتقوی جود وسخاوت احسان ومروت کی ہے تو دوسری نوع تکذیب حق، غرور واستکبار بخل وحق تلفی اور یہ کہ ایمان وتقویٰ مکارم عالیہ اور اخلاق حسنہ کا رخ اختیار کرنیوالا فوز وفلاح کا مستحق ہوتا ہے اور اسی کی راہیں اس پر آسان کردی جاتی ہیں اس کے برخلاف تکذیب حق اور غرور واستکبار کا رخ انسان کو شقاوت و محرومی کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

سورت کی ابتداء رات کی محیط تاریکی اور دن کی روشنی اور اولاد آدم میں مذکر ومؤنث کی تفریق کی قسم کھا کر کی گی، جس سے قدرت خداوندی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح روز شب کی ظلمت ونور میں فرق ہے اور انسانوں میں مذکر ومؤنث کا تفاوت ہے اسی طرح انسان کی جہود عملیہ میں بھی تفاوت ہے۔

سورت کے اخیر میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ مال ودولت کے نشہ میں کبھی بھی دھوکہ میں نہ پڑے کہ یہ دنیوی مال ومنال کوئی عزت کی چیز ہے یا دنیا کی دولت اس کو کسی ہلاکت وپریشانی سے بچا سکتی ہے اسی کے ساتھ اس مومن صالح کا ایک تاریخی نمونہ بھی (جس نے ایمان وتقویٰ اور جود وسخاوت سے سعادت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا) ذکر کیا گیا، اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

۹۲ سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ ۹ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ۲۱ رکوعھا ۱

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ

قسم رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو اور اس کی جو اس نے پیدا کئے نر اور مادہ تمہاری کمائی

قسم ہے رات کی جب چھا جاوے، اور دن کی جب روشن ہو، اور اس کی جو اس نے پیدا کئے نر اور مادہ۔ تمہاری کمائی

لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦ وَاَمَّا

طرح طرح پر ہے ف۱ سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں ف۲ اور جس

بھانت بھانت ہے۔ جو جس نے دیا اور ڈر رکھا، اور سچ جانا بھلی بات کو، تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔ اور جس

مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ⑨ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ

نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں ف۳ اور کام نہ آئے گا

نے نہ دیا، اور بے پروا رہا، اور جھوٹ جانا بھلی بات کو، سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں۔ اور کام نہ آوے گا

ف۱ یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، نر اور مادہ، مختلف ومتضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں تمہارے اعمال اور کوششیں بھی مختلف ومتضاد ہیں۔ پھر ان مختلف اعمال ومساعی پر ظاہر ہے ثمرات ونتائج بھی مختلف ہی مرتب ہوں گے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

ف۲ یعنی جو شخص نیک راستہ میں مال خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا ہے اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچ جانتا اور بشارات ربانی کو صحیح سمجھتا ہے، اس کے لئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کردیں گے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دیں گے جس کا نام جنت ہے۔ .... =

مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ ⑪ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰى ۖ ⑫ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى ⑬ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا

اس کے مال اس کا جب گڑھے میں گرے گا ف۱ ہمارا ذمہ ہے راہ سجھا دینا اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور دنیا ف۲ سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک بھڑکتی

اس کو مال اس کا، جب گڑھے میں گرے گا۔ ہمارا ذمہ ہے سوجھا دینا، اور ہمارے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی۔ سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک تپتی

تَلَظّٰى ۚ ⑭ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ ⑮ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىؕ ⑯ وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ ⑰ الَّذِیْ

ہوئی آگ کی ف۳ اس میں وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا ف۴ اور بچا دیں گے اس سے بڑے ڈرنے والے کو ف۵ جو

آگ کی، اس میں وہی پیٹھے گا (پہنچے گا) جو بڑا بدبخت ہے، جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ اور بچائیں گے اس سے وہ بڑا ڈر والا، جو

یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ ⑱ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ ⑲ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ

دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو ف۶ اور نہیں کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب کی

دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔ اور نہیں کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے، مگر چاہ کر منہ اپنے رب کا

الْاَعْلٰى ۚ ⑳ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ㉑ ع ۱۷

جو سب سے برتر ہے اور آگے وہ راضی ہوگا ف۷

جو سب سے اوپر اور آگے وہ راضی ہوگا۔

= ف۳ یعنی جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا، اس کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروا نہ کی اور اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانا، اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائے گا۔ نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی اور آخر کار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی میں پہنچ جائے گا۔ یہی اللہ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب بدعمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لئے وہی راستہ آسان کر دیا جاتا ہے جو انہوں نے تقدیر الٰہی کے موافق اپنے ارادہ اور اختیار سے پسند کر لیا ہے۔ ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾

ف۱ یعنی جس مال و دولت پر گھمنڈ کر کے یہ آخرت کی طرف سے بے پروا ہو رہا تھا وہ ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا۔

ف۲ یعنی ہماری حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کریں۔ ہاں یہ ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ سب کو نیکی بدی کی راہ سجھا دیں۔ اور بھلائی برائی کو خوب کھول کر بیان کر دیں۔ پھر جو شخص جو راہ اختیار کرلے دنیا اور آخرت میں اسی کے موافق اس سے برتاؤ کریں گے۔

ف۳ اس ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے شاید دوزخ کا وہ طبقہ مراد ہوگا۔ جو بڑے بھاری مجرموں اور بدبختوں کے لئے مخصوص ہے۔

ف۴ یعنی ہمیشہ کے لئے وہی گرے گا کہ پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ کما دل علیہ النصوص۔

ف۵ یعنی ایسے لوگوں کو اس کو ہوا تک بھی نہیں لگے گی۔ صاف بچا دیے جائیں گے۔

ف۶ یعنی نفس کو رذیلہ بخل و طمع وغیرہ سے پاک کرنا مقصود ہے۔ کسی طرح کا ریاء اور نمود و نمائش یا دنیاوی اغراض پیش نظر نہیں۔

ف۷ یعنی خرچ کرنے سے کسی مخلوق کے احسان کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں۔ بلکہ خالص رضاء مولیٰ کی طلب اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے، تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائے گا، اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

(تنبیہ) اگرچہ مضمون آیات کا عام لیکن روایات کثیر شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہوا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے زہے نصیب اس بندے کے جس کے اتقاء ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ اور خود حضرت حق سے اس کو ولسوف یرضی کی بشارت سنائی جائے۔ فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں ولسوف یرضی کی بشارت کا ایک انعکاس ہے اس بشارت عظمیٰ کا جو آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آرہی ہے۔ ﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾

تقسیم جہد و عملیہ در حیات انسانی و ترتب ثمرات سعادت و شقاوت

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ... الى ... وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾

ربط:.....گزشتہ سورت میں فوز و فلاح اور شقاوت و بدنصیبی کے اسباب پر کلام تھا اور یہ کہ انسانی نفس اگر طہارت و تزکیہ سے آراستہ ہو تو اس پر دنیا کی عزت و سربلندی اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر نفس کو شہوات کی گندگی میں آلودہ کرلیا جائے تو انسانی شرف سے محرومی کے بعد دنیا کی تباہی اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا، اور دنیا میں بڑی سے بڑی طاقت ور قومیں اسی شقاوت و بدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک ہوئیں اور تاریخ عالم اس کی گواہی دیتی ہے، تو اب اس سورت میں انسان کی عملی جد و جہد کا تفاوت اور اس کا انقسام الی الخیر والی الشر بیان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت سے مکارم اخلاق ایمان و تقویٰ کے ایک عظیم پیکر یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق ؓ کی مثال پیش کی جا رہی ہے تا کہ دنیا ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور یہ کہ ہر عمل میں اخلاص اس عمل کی عظمت و قبولیت کی روح ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور اپنی تاریکی سے تمام فضاء کو ڈھانک لے۔ اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو اور اسکی روشنی تمام عالم پر محیط ہو جائے اور قسم ہے اس کی جو اس نے پیدا کیا نر اور مادہ۔ تو جس طرح رات اور دن اور نر و مادہ مختلف ہیں اپنی صورت میں اور آثار و خواص میں بالکل اسی طرح بے شک اے انسانو! تمہاری کوشش اور عملی محنت طرح طرح کی ہے۔ ہر ایک کے اعمال دوسرے سے مختلف و متعارض ہیں، صورت و شکل میں بھی اور نتائج و ثمرات میں بھی۔ سو جس شخص نے عطا کیا یعنی خدا کی راہ میں دیا اور خرچ کیا اور خدا کا تقویٰ اختیار کیا اس کی نافرمانی اور برائیوں سے ڈرتا رہا اور تصدیق کی بھلی بات کی۔ ایمان لایا اور ایمان کی باتوں کو سچ سمجھتا رہا تو ہم اس کے واسطے آسان کر دیں گے راحت و سہولت کا راستہ کہ جس پر عمل بھی آسان ہوگا اور اس راستہ پر چل کر انجام راحت و سہولت ہی کا ہوگا اور اعلیٰ و اکمل راحت کا مقام جنت ہے جس کا وہ اپنے ایمان و اعمال اور طاعت و بندگی کی محنتوں سے مستحق سمجھا جائے گا۔ مگر اس کے بالمقابل جس نے یہ سعادت حاصل نہ کی اور بخل کیا اور بے پرواہی اختیار کی اور خدا سے بے نیاز رہا اور بھلی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے واسطے آسان کر دیں گے دشواری کا راستہ اور وہ عملی انداز اور طریقہ کار جس کا انجام مشقت اور مصیبت کے سوا کچھ نہیں اور تمام تر آلام و مصائب اور مشقتوں کا ابدی مقام جہنم ہے۔

اور اس وقت کام نہ آئے گا اس کو ذرہ برابر اس کا مال جب کہ وہ اس ہلاکت و مشقت کے گڑھے میں گرے گا اس انسان کو زندگی میں اس کی نافرمانیوں پر ڈھیل دی جائے گی اور بتدریج یہ اپنی شقاوت و بدبختی کے کاموں میں اور غلو وانہماک ہی اختیار کرتا جائے گا تا آنکہ اپنی بداعمالیوں کا انجام دیکھ لے، جیسا کہ پہلے شخص کو اپنی توفیق سے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں لگانے رکھا، بالکل یہی نوعیت ہوتی ہے کہ ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾۔ بے شک ہمارے ذمہ تو بس راہ دکھا دینا ہے نیکی اور تقویٰ کی اور بدی و گمراہی کی ان دونوں راہوں میں سے کسی بھی راہ کا اختیار کرنا خود انسان کا اپنا کام ہے اس لئے وہ جس راہ کو اور جیسے بھی عملی طریقہ کو اختیار کرے گا اس کا ثمرہ اس پر

مرتب ہوگا اور بے شک ہمارے ہی لئے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت بھی اور دنیا بھی۔ تو اے انسانو! میں نے ڈرادیا ہے، ایک ایسی آگ سے جو دہکتی ہوئی ہے۔ اس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ہیں جو مجرموں اور نافرمانوں کے لئے مخصوص ہے جس میں کوئی نہیں داخل ہوگا بجز اس شخص کے جو نہایت ہی بد بخت ہے جس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور اللہ کی فرماں برداری سے پیٹھ پھیری اور منہ موڑلیا تو جہنم کی اس دہکتی ہوئی آگ میں جو کفار و نافرمانوں کے لئے مخصوص کردی گئی ہے بس ایسے ہی بد بخت انسان داخل ہوں گے اور اس آگ سے دور رکھا جائے گا ایسا شخص جو زیادہ سے زیادہ پرہیزگار ہو جو اپنا مال دے رہا ہو اللہ کی راہ میں اس لئے کہ وہ پاک ہو جائے ہر قسم کی کوتاہی اور ہر نوع کی گندگی سے خواہ نفس کی ہو یا عمل کی اور محض رضا الٰہی اس کی غرض ہے اور نہ نہیں کہ کسی کا اس پر احسان ہے کہ اس کا بدلہ ادا کیا جا رہا ہے بجز اس کے کہ اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی طلب کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اس اخلاص و تقوی سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں تو ضرور اس بندہ کا یہ عمل اس کے رب اعلیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور عنقریب اپنے پروردگار کی طرف سے ہونیوالی عنایات پر خوش ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر انعام اور فوز و فلاح پر مسرت وخوشی طبعی تقاضا ہے۔ بالخصوص اہل ایمان کا تو شعار ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم پر فرحاں و شاداں ہوں۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾۔

ایمان وتقویٰ اور جود وسخاء کا پیکر اعظم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾

ہر نوع کی گرفت اور آخرت کی ہر تکلیف سے محفوظ اور دور رہنے کے لئے اس آیت میں جو اوصاف ذکر فرمائے گئے ان میں ایک وصف تقویٰ ہے دوسرا وصف راہ خدا میں مال خرچ کرنا، تیسرا وصف تزکیہ وطہارت ہے چوتھا وصف اخلاص ہے جو ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾ میں فرمایا گیا۔

آیت مبارکہ کے الفاظ عام ہیں اور مراد بھی اسی عموم کے ساتھ ہر ایمان تقوی اور اخلاص کا وصف رکھنے والے کے لئے اس سعادت کو ثابت کرنا ہے لیکن جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے، چنانچہ کلام الٰہی کی شہادت سے یہ ثابت ہوگیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صدیقین کے سرخیل اور پیشوا ہیں، اسی طرح وہ سید الاتقیاء ہیں، کیونکہ اتقی صیغہ اسم تفضیل اسی معنی پر دلالت کرتا ہے پھر اس کے ساتھ قرآن کریم نے یہ بھی گواہی دے دی کہ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے جواد و کریم ہی تھے، اس کے بعد پھر یہ کہہ کر "یَتَزَکّٰی" یہ واضح کردیا کہ تزکیہ وطہارت کا مقام انہوں نے حاصل کرلیا۔

اور اخیر میں یہ فرما کر ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى﴾ کہ اپنی زندگی کا سرمایہ خرچ کر ڈالنا یہ کسی کے احسان کا بدلہ نہ تھا ان کے کمال اخلاص پر مہر ثابت کردی اگرچہ اسی قدر فرما دینا کافی تھا، مگر اب رب العالمین نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ﴿ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾ کی تصریح کر کے حق تعالیٰ شانہ کی رضاء جوئی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت طبعیہ کی حیثیت سے بیان کردی کہ یہ ان کا مزاج تھا، حقیقت یہ ہے کہ کسی فرد کو مشار الیہ بناتے ہوئے قرآن کریم نے سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

یہ عظیم تر شہادتیں کسی بھی فرد کے لئے ذکر نہیں کیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستحق خلافت تھے

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ کا نزول تو باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا بلکہ روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین نے تو اس کو "سورۃ ابی بکر" بھی کہا ہے جب کہ انہوں نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے "الاتقی" سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس آیت مبارکہ کے پیش نظر جس میں ارشاد ہے ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ یہ لازم آیا کہ امت میں سب سے زیادہ عظمت و کرامت اور بزرگی کے مستحق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سورۃ نور کی ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾ جو باجماع امت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی ثابت کر رہی ہے کہ امت میں سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں جن کو قرآن اولوا الفضل کے لقب سے تعبیر کر رہا ہے۔

روایات سے ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ قریش میں بڑے ہی مالدار تھے اور ان کا شمار اہل مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا، اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم یا دینار کے مالک تھے، سب کچھ اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور خلیفہ ہونے کے بعد جو خود انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر فرمایا وہ صرف دو درہم یومیہ تھا جو وہ بیت المال سے لیتے۔

انتقال کے وقت فقیر و نادار تھے ایک دینار بھی ترکہ میں نہیں تھا جس چادر میں بیماری کے دن گزارے اسی میں وصیت فرمائی کہ کفن دیا جائے، اہل و عیال کے لئے زمین و جائیداد تو درکنار ایک حبہ بھی نہیں چھوڑا، اپنے زمانہ خلافت میں اپنے عزیز و اقارب میں سے کسی کو عہدہ یا منصب نہیں دیا، حالانکہ پورا حجاز، نجد، یمن طائف اور بحرین و عمان سب ان کے زیر نگین تھے، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء میں فقیر و نادار تھے خلافت ملنے کے بعد اپنے بعض خویش و اقارب کو عہدے دیئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا والی بنایا اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یمن کا والی بنایا اور اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں قثم رضی اللہ عنہ اور معبد رضی اللہ عنہ کو حرمین کا والی بنایا اور اپنے بھانجے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے بیٹے جعد بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو خراسان کا، اپنی اہلیہ کے ایک بیٹے کو مصر کا، اور اپنے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رضامندی کا بھی اظہار کیا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ یقیناً خلافت کے مستحق تھے، لیکن اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دنیا کے عہدوں سے اپنے اقارب و اعزہ کو کس طرح دور رکھا، اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن افراد کو والی بنایا وہ اپنی اپنی خوبیوں سے اس کے اہل تھے کہ ان کو والی بنایا جائے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان تمام چیزوں سے اپنے خاندان اور عزیزوں کو دور رکھا حتیٰ کہ ان کے احباب اور مخلصین ہر چند کوشش کرتے رہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنا جانشین بنا دیں لوگ ان کے فضائل و اوصاف بیان کر کے اس امر کے

برحق ہونے کو ثابت بھی کرتے رہے مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان باتوں میں کسی بات کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ دی اور جواب میں یہ فرمایا کہ اس امر کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے تو خطاب کی اولاد میں سے بس عمر رضی اللہ عنہ ہی کافی ہے (سبحان اللہ) کیسی احتیاط تھی حتیٰ کہ آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے واسطے جو مجلس شوریٰ مرتب فرمائی اس میں بھی اپنے بیٹے کو نہ رکھا اور صرف اس حد تک اجازت دی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر باتیں سن سکتا ہے اور اگر کوئی بات اس کے خیال میں آئے تو کہہ سکتا ہے لیکن اصولاً ان کا شمار ان ارکین شوریٰ میں نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو کسی فیصلہ کا حق ہوگا، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

المنتقی المذھبی ص ۴۸۷ منہاج السنہ لابن تیمیہ: ۴/۱۲۹۔ ۱۳۱۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ اپنے جان و مال سے مجھ پر احسان کرنے والا (صرف) ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا دنیا میں مجھ پر جس کسی نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا اور اس کے احسان کو اتار دیا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان! کہ اس کو میں نہیں اتار سکتا، اس کا بدلہ بس اللہ ہی ان کو قیامت کے روز ادا کرے گا اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہننے کے لئے کپڑے بھی نہ رہے، ایک کمبل میں درخت کا کانٹا لگا کر اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتنے میں جبریل امین علیہ السلام بھی نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہہ دو کہ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا دل میں کچھ کدورت ہے یہ سننا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اور بے قراری کے عالم میں روتے ہوئے کہنے لگے ہائے ہائے کیا مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہوسکتی ہے۔ انا عن ربی راض، انا عن ربی راض۔ کے الفاظ زبان سے جاری ہوگئے، اور دیر تک یہی کہتے رہے کہ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو روایت مشکوٰۃ میں ہے اس میں صراحۃً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضل اور زہد کا ذکر ہے، اس میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ خلافت ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو ان کو زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرۃ پاؤ گے، اور یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور صحابی کی شان میں نہیں فرمایا اور یہ وصف آثار واحوال نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے، اشجع الناس۔ ہونے کی بھی گواہی دیتے تھے اور فرماتے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے گھیر لیا میں دیکھتا رہا مجھ سے کچھ نہ ہوسکا یہاں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجمع میں گھس گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا۔

محدثین رحمہم اللہ نے بالعموم اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک بار آپ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بتائیے سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر اس کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی جو صحاح ستہ میں موجود ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ارحم الناس بھی تھے جیسا

کہ احادیث میں ان کا یہ وصف موجود ہے ارشاد ہے، ارحم امتی بامتی ابوبکر رضی اللہ عنہ ۔ اسی پر حد نہیں بلکہ اعدل الناس بھی تھے، جیسا کہ یہ اظہر من الشمس ہے اس لئے کہ جس ذات میں امانت ودیانت، زہد وتقوی، ایثار وسخاوت اور علم کامل ہوگا، بلاشبہ وہ اعدل الناس ہے، عدل کی ضد ظلم ہے اور ظاہر ہے کہ ظالم ان اوصاف سے محروم ہوتا ہے، جب ہی تو وہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے اور ظلم کا باعث حب دنیا اور خیانت اور عدم ترحم ہے تو جو شخص ان خرابیوں سے قطعاً منزہ اور پاک ہو بلکہ اس کے بالمقابل وہ کمالات اور خوبیوں سے متصف ہو وہ کیسے ظالم ہوسکتا ہے اور بلاشبہ وہ اعدل الناس ہی ہوگا، اور عدل کے ثمرات میں سے شفقت بھی ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خوبی میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام خوبیوں کے علاوہ اعلم الناس کے شرف اور فضل سے بھی متصف تھے جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو دنیا کی نعمتوں میں اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا کہ چاہے وہ دنیا کو اختیار کرلے اور چاہے وہ آخرت کو تو اس بندہ نے اللہ کو یعنی آخرت کو اختیار کرلیا ہے یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بے قرار ہوکر رونے لگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ بزرگ اس بات کو سن کر کیوں رو رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی ایک بندہ کا ذکر کررہے ہیں، اور یہ بزرگ رونے لگے، فرماتے ہیں بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ عبد مخیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور ہم نے سمجھ لیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ اعلم تھے کہ پہلی مرتبہ اس اشارہ کو سمجھ گئے۔

پھر یہ کہ عہد رسالت میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب صدیق تھا اور آیت مبارکہ ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ﴾ میں سب سے پہلا تصدیق کرنے والا آپ رضی اللہ عنہ کو ہی فرمایا گیا اور یہ امر ظاہر ہے کہ فہم وفراست اور علم وحکمت میں نبی کے بعد درجہ صدیق ہی کا ہے اور صدیق کے بعد درجہ فاروق کا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی بدیہی اور قطعی ہے کہ علم میں فضل وکمال کا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت اور مجالست پر ہے تو ابتداء سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور رضی اللہ عنہ کے رفیق کامل محب خاص اور مخلص با اختصاص تھے سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی مہم پیش آتی آپ اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے تھے۔

اور آیت مبارکہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ مفسرین کے بیان کے مطابق ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جو اعلم وافہم ہو ان تمام اوصاف اور فضائل کے علاوہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اعقل الناس بھی تھے جس کی دلیل ان کے دور خلافت کے ملکی انتظامات کی حسن وخوبی فتوحات عظیمہ اسلام کی ترقی اور عامۃ الناس کی خوش حالی ہے، آیت استخلاف اور تمکین فی الارض کے یہی حضرات مصداق ہوئے، اور ملکی امن وامان کا جو وعدہ فرمایا گیا وہ ان ہی دو حضرات کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ پوری دنیا اس میں ذرہ برابر بھی تردد اور شبہ نہیں کرسکتی۔

اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دائرہ سلطنت وخلافت کوفہ کے مضافات تک محدود رہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلا کسی اختلاف کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بصد رضاء ورغبت بیعت کرلینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جملہ فضائل وشمائل حسنہ کا مجموعہ اور صداقت وامانت کا پیکر تھے اور اس امر کا واضح ثبوت تھا، تمام

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر متفق تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اول جانشین اور خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

پھر یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مصلی پر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم صادر فرمایا اور کسی بھی کوشش کو اس کے بالمقابل پنپنے نہ دیا، بلکہ اس پر ناگواری سے تنبیہ فرمائی گئی اور سب مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے کر یہ بتادیا کہ اب تمہارے امام اور امیر یہ ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو قرآن کریم نے ثانی اثنین کہا۔

اور ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں آسمان میں میرے وزیر جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام ہیں اور زمین میں میرے وزیر ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اس ترتیب سے اپنے وزیر اور خلیفہ متعین فرمادیئے تھے، جس کے بعد ظاہر ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، ذرہ برابر تردد اور تامل کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

هذا ما استفدت من امالي حضرت الوالد الشيخ محمد ادريس الكاندهلوي رحمه الله، واسبغ عليه من نعمه اسكنه في الدرجات العلى من الجنة آمين يا رب العالمين۔

سورة الضحى

سورۃ الضحیٰ بھی مکی سورت ہے اس میں بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت عظیمہ کے اہم ترین اوصاف ذکر کئے گئے ہیں اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو نوازا گیا ابتداء سورت میں دن کی روشنی اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر مخاطبین کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جس طرح عالم میں پھیلنے والا نور رات کی تاریکی کو مٹادیتا ہے اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت نے عالم سے کفر و گمراہی کی تاریکیاں مٹادیں اس کے بعد ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کئے گئے اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغمبر دنیوی مال و منال اور دولت سے خالی ہاتھ ہو تو یہ اس رسول کی شان میں کسی طرح کا نقص پیدا کرنے والی چیز نہیں، اصل نعمتیں تو آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ تمام تر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لئے مہیا کر دیں ہیں، اور ان میں سب سے بڑا انعام رضاء الٰہی ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمادیا گیا۔

۹۳ سُوْرَةُ الضُّحٰی مَكِّيَّةٌ ۱۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتها ۱۱ رکوعها ۱

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا ف۱ اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی، اور رات کی جب چھا جاوے۔ نہ رخصت کیا تجھ کو تیرے رب نے، نہ بیزار ہوا۔ اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو

ف۱ روایات صحیحہ میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے (یعنی وحی قرآنی بند رہی) مشرکین کہنے لگے کہ (لیجئے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترت الوحی کا ہے جب سورۃ "اقراء" کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب =

الْأُولٰى ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ

پہلی سے ف۱ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا ف۲ بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی ف۳ اور پایا تجھ کو

پہلی سے۔اور آگے دیگا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔ بھلا نہ پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی؟ اور پایا تجھ کو

ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝۸ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَأَمَّا السَّآئِلَ

بھٹکتا پھر راہ سمجھائی ف۴ اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کردیا ف۵ سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا ف۶ اور جو مانگتا ہو

بھٹکتا، پھر راہ دی ؟ اور پایا تجھ کو مفلس، پھر محفوظ کیا۔ سو جو یتیم ہو، اس کو نہ دبا۔ اور جو مانگتا ہو

= رہتے تھے، تاآنکہ فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "یاایھا المدثر" کا خطاب سنایا۔ اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ عنہ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اسی احتمال کی تائید کرتے ہیں۔ ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے، تو ایک (خبیث) عورت کہنے لگی۔ اے محمد! معلوم ہوتا ہے تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورۃ "والضحیٰ" میں دیا گیا ہے۔ پہلے قسم کھائی دھوپ بڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا، اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضگی کی دلیل نہیں، اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آجکل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا و ناراض ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کردیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔

ف۱ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے۔ یعنی آخرت کی شان و شکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و اکرام سے بیشمار درجہ بڑھ کر ہے۔

ف۲ یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا، ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا و آخرت میں) اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائے گا کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے۔

ف۳ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر میں تک اپنے دادا (عبدالمطلب) کی کفالت میں رہے۔ آخر اس دُرِّ یتیم اور نادرہ روزگار کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بےحد شفیق چچا ابوطالب کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت اور تکریم و تبجیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چند روز بعد یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ "اوس" اور "خزرج" کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور انہوں نے اس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ایواء کے تحت میں داخل ہیں۔ کما اشار الیہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔

ف۴ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے، قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے "غار حرا" میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دیں۔ یعنی دین حق نازل فرمایا۔ ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ .... =

انعامات خاصہ
برذات اقدس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وامر باداء شکر

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَالضُّحٰی وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ... الی ... وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾

ربط:...... گزشتہ چند سورتوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو ثابت کیا گیا تھا اور ایمان کا دارومدار آخرت پر ایمان ویقین کی شکل میں ہے تو اس کے دلائل بھی ذکر فرما دیئے گئے اب اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کو سرفراز فرمایا گیا اور ان انعامات کے ضمن میں آپ ﷺ کی رسالت کے دلائل بھی ذکر کردیئے گئے اور جن خاص کمالات اور اخلاق حسنہ سے پیغمبر کی ذات متصف ہونی چاہئے، ان کو بھی بیان کر دیا گیا، ارشاد ہے:

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب کہ اس کی تاریکی فضاء پر چھا جائے۔ ان تمام تر چیزوں کی قسم کھاتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ دشمنوں کے خیالات اور ان کی یہ بیہودہ باتیں سب غلط ہیں۔ ہرگز نہیں چھوڑا ہے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے اور نہ ہی آپ ﷺ سے بیزار ہوا۔ اس لئے نزول وحی میں تاخیر سے دشمنوں کا یہ کہنا کہ بس اب

= (تنبیہ) یہاں "ضالا" کے معنی کرتے وقت سورۃ "یوسف" کی آیت ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

ف۵ اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضارب ہو گئے۔ اس میں نفع ملا۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غناء تھا۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی اور باطنی غناء کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے مورد انعامات رہے ہیں۔ آئندہ بھی رہیں گے۔ جس پروردگار نے اس شان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی۔ کیا وہ خفا ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یونہی درمیان میں چھوڑ دیگا۔ استغفر اللہ!۔

ف٦ بلکہ اس کی خبر گیری اور دلجوئی کر۔ جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا، تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو۔ اسی طرح کے مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "انا وکافل الیتیم کھاتین"" واشار الی السبابۃ والوسطی۔"

ف۱ یعنی تم نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے غناء عطا فرمایا۔ اب شکر گزار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجتمندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے۔ بلکہ فراخدلی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ احادیث میں سائلین کے مقابلہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔

(تنبیہ) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے۔ ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اس وقت زجر جائز ہے۔

ف۲ محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری (نہ بقصد فخر ومباہات) چرچا کرنا شرعاً محمود ہے۔ لہٰذا جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائے ان کو بیان کیجئے۔ خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر "ووجدك ضالا فهدى" میں ہوا۔ اس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کھول کر بیان کرنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی ہے۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے۔ وہ اسی لفظ فحدث سے لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور ناراض ① ہو گیا ہے۔ قطعاً لغو اور مہمل بات ہے۔ اور بے شک آخرت (یعنی بعد والی چیز) جو اللہ رب العزت اس صعوبت ومشقت کے دور کے بعد فراخی اور فتح کی صورت میں آپ ﷺ کو عطا کرے گا۔

یا آخرت کی نعمتیں جو حیات اخروی میں عطا کی جائیں گی۔ بہتر ہے آپ ﷺ کے واسطے بہ نسبت اولیٰ کے یعنی پہلی حالت یا دنیا کی زندگی سے۔ اور آپ ﷺ کا رب اس کی زندگی کے بعد وہ عزت وراحت اور نعمتیں عنقریب عطا کرے گا کہ آپ ﷺ اس پر خوش ہو ② جائیں گے۔ اور یہ حاصل ہونے والی خوشی اور رضا ان تمام غموں اور تکلیفوں کو مٹا دے گی جو اس ابتدائی دور میں پیش آ رہی ہیں اور اس بشارت پر کسی کو حیرت اور تعجب نہ ہونا چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ اس دور کو جو ہر طرح کے مصائب وآلام کا مجموعہ ہے کیونکہ راحت وغلبہ اور بڑے بڑے انعامات سے بدل دیا جائے گا؟ اس کی تو بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا مشاہدہ ہو چکا تو کیا نہیں پایا تھا آپ ﷺ کو یتیم کہ پھر اس پروردگار نے آپ ﷺ کو ٹھکانا دیا۔ باوجودیکہ ولادت باسعادت سے قبل آپ کے والد وفات پا چکے تھے چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ بھی فوت ہو گئیں، پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے جس کے بعد اس دریتیم کی پرورش اور دیکھ بھال چچا نے کی اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، مگر ہجرت سے کچھ قبل وہ بھی انتقال کر گئے، ان تمام حالات یا حادثات کے بعد آخر رب کریم نے ایسی عزت وکرامت کا ٹھکانا عطا فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت وکرامت کا مقام نہیں ہو سکتا، اور وہ مدینہ منورہ کی ہجرت تھی، جہاں پہنچ کر وہاں کی دونوں عظیم قومیں اوس وخزرج آپ ﷺ کے مطیع وفرماں بردار بن گئے آپ ﷺ کے اشاروں پر جان دینے کے لئے تیار، انصار ومہاجرین سب مل کر شمع رسالت کے پروانے نظر آتے تھے، اللہ نے وہ قوت وتمکنت عطا کی کہ فتوحات کا سلسلہ وسیع تر ہو گیا۔ مکہ،

● یہ زمانہ بظاہر فترت وحی کا زمانہ تھا، یا کسی بھی وقت جبکہ نزول وحی میں تاخیر ہوئی اور آسمان سے آیات کا نزول نہ ہوا اور آپ ﷺ اس تاخیر پر مغموم ومضطرب بھی تھے تو آپ ﷺ کے اس غم اور اضطراب کو دور کرنے کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں، حافظ ابن کثیر ؒ نے محمد بن اسحاق ؒ کی سند سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی دوران وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں وارد ہوا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنی علالت کے باعث دو تین رات نہ اٹھ سکے تو ایک خبیث عورت کہنے لگی، اے محمد ﷺ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے، (یہ عورت ام جمیل ابولہب کی بیوی بیان کی گئی ہے) تو ان تمام بیہودہ اور لغو باتوں کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ پر فائز کردہ خصوصی انعامات کا ذکر کیا گیا۔

اس موقع پر اختیار کردہ قسم اور جواب قسم میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی کچھ وقت کے لئے ہوتی ہے مگر پھر دن کی روشنی اس کو ختم کر ڈالتی ہے، اسی طرح یہ توقف اور تاخیر عارضی ہے اس کو اللہ کی وحی اور اس کا نور دور کر دے گا یہ کہہ دیجئے کہ جس طرح رات کی تاریکی اور ظلمت دن کی روشنی سے دور ہو جاتی ہے اسی طرح مشرکین کے یہ لغو اعتراضات اور انکی ظلمت بھی دور ہو جائے گی، یا یہ کہ وحی کی تاخیر سے (جیسا کہ فترت وحی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی) آپ ﷺ کے قلب مبارک پر جو گھٹن ہے وہ اسی طرح کھل جائے گی اور ختم ہو جائے گی جیسے کہ رات کی ظلمت سورج کی شعاعوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ ۱۲

● حافظ ابن کثیر ؒ نے ابراہیم نخعی ؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس کی پچوں کا نشان آپ ﷺ کے پہلو پر نظر آ رہا تھا آپ ﷺ کے اٹھنے پر میں ہاتھ سے ان نشانات کو چھونے لگا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ اجازت مرحمت فرما دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی بستر (یا نرم گدا) بچھا دیا کریں، آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا مجھے دنیا اور دنیا کی راحتوں سے کیا واسطہ بس میرا تو دنیا کے ساز وسامان سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ کوئی ایک سوار مسافر دوران سفر کسی درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہرا پھر اسے چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ (ترمذی)

طائف، حنین، اور بحرین فتح ہوگیا، تو یہ تھی بعد کی حالت جو مکہ کی پہلی حالت سے کس قدر بہتر شاندار اور عزت وعظمت والی بن کر تاریخ عالم میں ظاہر ہوئی اور حقیقی آخرت کی بہتری اور بلندی کا تو انسانی افکار تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔

اور کیا نہیں پایا تھا اللہ نے آپ ﷺ کو بے خبر ❶ وحی الٰہی اور آسمانی علوم سے تو پھر راہ سمجھائی۔ علوم الٰہیہ، احکام شریعت اور معارف ربانیہ کی اور پایا تھا آپ ﷺ کو محتاج و مفلس تو پھر غنی کر دیا اور ایسا غنی و بے نیازی کا مقام عطا کیا کہ کسی چیز کی بھی پرواہ اور احتیاج نہ رہی، بہر حال یہ ہیں وہ انعامات اے ہمارے پیغمبر جن سے آپ ﷺ کو نوازا گیا تو اب ان انعامات کا حق یہ ہے کہ جو بھی کوئی یتیم ہو اس کو آپ ﷺ نہ دبائیں بلکہ اس پر نہ کوئی زیادتی کریں اور نہ ڈانٹ ڈپٹ سے اس کو مغلوب یا آزردہ کریں اور جو سائل ہو اس کو نہ جھڑکیں بلکہ اس کی اعانت و مدد کرتے رہیں۔ اور آپ ﷺ کے رب کا جو انعام ہے سو اس کو آپ ﷺ بیان کیجئے۔ اور جن جن نعمتوں سے اللہ نے آپ ﷺ کو نوازا ہے اس کا شکر بھی ادا کیجئے، اور جو علوم و ہدایت آپ ﷺ کو عطا کئے گئے ہیں ان کو بیان کیجئے لوگوں تک انہیں پہنچا ❷ دیجئے۔ اور ظاہر ہے کہ محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری بیان اور چرچا کرنا عقلاً و شرعاً محمود امر ہے، فخر و مباہات البتہ بری چیز ہے۔

انعامات خداوندی اور مکارم نبوی ﷺ

اس سورت مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہ نے دن کی روشنی اور دھوپ اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ

❶ لفظ ضالا کا ترجمہ بے خبر کیا گیا کیونکہ لغت کے لحاظ سے ضلال کے معنی بے خبری کے بھی آتے۔ ضلال اور ضلالۃ کا مفہوم صرف گمراہی نہیں ہے، اگرچہ اس مفہوم پر بھی اطلاق آتا ہے، بے خبری کا یہ مفہوم حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اختیار فرمایا اور یہ ترجمہ ہے اسی آیت مبارکہ کا ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ بعض مفسرین نے ضالا کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ تلاش حق میں وادیوں اور میدانوں میں پھرتے تھے کہ حق مل جائے، اسی سلسلہ میں آپ ﷺ کا غار حراء میں جانا اور وہاں خلوت نشینی اختیار کرنا ہوتا، یا یہ کہ آپ تعلق مع اللہ اور اس کی محبت میں حیران و مضطرب تھے اس معنی کی تائید سورہ یوسف کی اس آیت سے ہو سکتی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کو یوسف علیہ السلام کی محبت میں مضطرب و بے چین دیکھ کر کہا۔ ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ اور ﴿اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾۔

بے خبری کے عالم میں حق تعالیٰ آپ ﷺ کے قلب پر علوم و معرفت کے دروازے کس طرح کھولے گا اس کو توضیح کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت جوان ہوئے تو قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم وراہ سے سخت بیزار تھے، اور قلب میں خدائے وحدہ کی عبادت کا جذبہ پوری قوت کے ساتھ موجزن تھا، عشق الٰہی کی آگ بڑی تیزی سے سینہ میں بھڑک رہی تھی وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت رکھا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی، اس جوش طلب اور فرط محبت میں آپ ﷺ بیقرار و سرگرداں پھرتے، غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے، آخر اللہ نے غار حراء میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ ﷺ پر کھول دیں اور دین حق نازل فرما دیا"۔ یہی ہے جو ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾۔

❷ ان کلمات سے لفظ فحدث کے ان متعدد معانی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں اور نعمۃ رب میں سب سے بڑی نعمت فہدی میں علوم ہدایت عطا کرنے کی ہے تو اس کا بیان و تبلیغ اور تعلیم فحدث کا عمل ہے، اسی وجہ سے لفظ حدیث ارشادات افعال اور احوال رسول ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا، کیونکہ ان ہی علوم ہدایت کا بیان حدیث رسول ﷺ ہے۔ ۱۲

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ کہ آپ ﷺ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا اور نہ ہی بیزار ہوا اور ان الفاظ سے رب العالمین نے اپنے رسول کے ساتھ اپنا کمال تعلق اور قرب بیان فرمادیا، اور پھر اس کے ثمرات ونتائج کے طور پر تین خاص اور عظیم انعامات کا ذکر فرمایا۔

ایواء بحالت یتیمی، بے خبری اور لاعلمی میں علوم ہدایت کی عطا اور افلاس وتنگدستی کے عالم میں غنیٰ اور فراخی، مال کا انعام تو قبل از بعثت ہی شروع ہوگیا تھا جب کہ حضرت خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ کو اپنے تجارتی کاروبار میں شریک کرلیا اور اس سے نفع حاصل ہوا۔ پھر نکاح کی درخواست کر کے آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل کرلیا جس کے بعد اپنا کل مال ہی آپ کے لئے حاضر کردیا، یہ تو ظاہری غنا تھا لیکن اسی کے ساتھ آپ ﷺ کے قلب اور باطن کو جو غنا عطا کیا گیا وہ تو اللہ رب العالمین جو ﴿غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ہے۔ وہی جانتا ہے اور دنیا نے مشاہدہ کرلیا کہ روئے زمین پر کوئی فرد بشر آپ ﷺ کے برابر باطنی اور قلبی غنا کی صفت سے متصف نہیں ہوا، یتیمی کی حالت میں ٹھکانہ عطاء کیا، یہ بھی عظیم الشان انعام ہے اور جس نوعیت کے ساتھ بے سروسامانی اور یتیمی کے عالم میں خدا نے آپ ﷺ کے سہارے مہیا فرمائے اور آخری اور کامل اعلیٰ ٹھکانا مدینہ منورہ ہوا، جہاں سے بیشمار فتوحات اور تمکن وقدرت اور غلبہ وظہور کا سلسلہ شروع ہوا، تیسرا انعام علوم ہدایت سے سرفراز فرمایا جانا تو ہر ایک انعام کے بالمقابل ایک حق ذکر فرمادیا گیا کہ یتیمی میں جب آپ ﷺ پر خدا کا ہر انعام ہوا تو آپ ﷺ یتیم پر کوئی زیادتی اور دباؤ نہ ڈالیں نہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کریں بلکہ اس کو ٹھکانہ دیں۔ جیسے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ٹھکانا دیا اور چونکہ اللہ نے آپ ﷺ کو غربت واحتیاج کے عالم میں غنی کردیا اس لئے آپ ﷺ کسی سائل کو ہرگز نہ جھڑکیں نہ اس کو دھتکاریں اور علوم ہدایت آپ ﷺ کو عطا کیے گئے تو اس کا حق یہ ہے کہ ان علوم کو بیان کیجئے پھیلایئے، ان کی تبلیغ واشاعت فرمایئے۔

ان اوصاف کا آپ ﷺ کے ذات اقدس میں ایسا کامل اور مکمل ظہور ہوا کہ بدء وحی کے وقت جب آپ ﷺ پر گھبراہٹ وبے چینی طاری تھی تو حضرت خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ کے مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ میں ان ہی اوصاف کا ذکر کیا، جیسا کہ احادیث میں ہے فرمایا آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں۔ کماکر ان کو کھلاتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں، تو ہرگز خدا تعالیٰ آپ ﷺ کو ناکام نہیں کرے گا، گویا جن اوصاف اور مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے لئے ان آیات میں خطاب فرمایا جارہا ہے، الحمد للہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات بعثت ونبوت کے پہلے ہی روز سے متصف تھی۔

ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انا و کافل الیتیم کھاتین۔ اور اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے اشارہ فرمایا۔

تم بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ الضحیٰ۔

سورۃ الانشراح

سورۃ الانشراح بھی مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔

اس سورت کا خاص مضمون آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کا انشراح اور امر نبوت پر اطمینان کامل اور قلب پر پیدا ہونے والے بوجھ اور اس فکر وتشویش کو دور کرنے کی بشارت پر مشتمل ہے جس کی گرانی سے آپ ﷺ کے قویٰ شکستہ

ہور ہے تھے اور جو ہمت شکن احوال پیش آ رہے تھے انکے دور کرنے کی خبر کے ساتھ آپ ﷺ کی عزت و عظمت کا بیان ہے اور تسلی دی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے شدائد اور مشقتوں سے آپ ﷺ خاطر برداشتہ نہ ہو۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہوتی ہے۔

(۹۴) سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَکِّیَّۃٌ (۱۲) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیاتہا ۸ رکوعہا ۱

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ① وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ وَرَفَعْنَا

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ ف۱ اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری ف۲ اور بلند کیا

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ، اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا؟ جس نے کڑکائی پیٹھ تیری، اور اونچا کیا

لَكَ ذِكْرَكَ ④ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ⑥ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦

ہم نے مذکور تیرا ف۳ سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ف۴ پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر

مذکور ترا۔ سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب تو فارغ ہو، تو محنت کر۔

ف۱ کہ اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا۔ لیکن مدلول آیت کا بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ وحی کا اترنا اول سخت مشکل تھا۔ پھر آسان ہو گیا۔ یا منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر شریف پر گرانی گزرتی ہوگی۔ وہ رفع کر دی گئی۔ یا "وزر" سے وہ امور مباحہ مراد ہوں جو گاہ بگاہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرین حکمت و صواب سمجھ کر کر لیتے تھے۔ اور بعد میں ان کا خلاف حکمت یا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ علو شان اور غایت قرب کے اس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہے تو اس آیت میں ان پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہوئی۔ کذا روی عن بعض السلف۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی۔ قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا ہوگا۔ اللہ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا، وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔

ف۳ یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھدار انسان نہایت عزت و وقعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت، خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔

ف۴ یعنی اللہ کی رضا جوئی میں جو سختیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کیں اور رنج و تعب کھینچے۔ ان میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں۔ مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے ان مشکلات کا اٹھانا سہل ہو گیا، اور ذکر کا بلند کرنا، جس کا تصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ "الم نشرح" الخ سے معلوم ہوا تو اس سے دنیاوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور تاکید مزید کے لئے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔ چنانچہ احادیث و سیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں۔ اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی آسانیاں لے کر آئی۔ اب بھی عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے۔ اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے، امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کرے گا۔ ایک طرح کی نہیں، کئی طرح کی، وفی الحدیث "لن یغلب عسر یسرین" وفیہ ایضا "لو جاء العسر فدخل ھذا الحجر لجاء الیسر حتی یدخل علیه فیخرجه"

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۸ ع

اور اپنے رب کی طرف دل لگا ف۱

اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

بشارت بانشراح صدر ورفع گرانی قلب وازالہ شدائد ہمت شکن

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ... الی ... وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر رب العالمین کی طرف سے فائز کردہ انعامات خاصہ کا ذکر تھا اور اسی کے ضمن میں آپ کے معالی اخلاق اور محاسن اوصاف بھی بیان کردیئے گئے تھے، اب اس سورت میں مزید ایک انعام شرح صدر کا بیان کیا جا رہا ہے، امور نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان وانشراح بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر کمال یقین استقامت اور اخلاص جیسے احوال مرتب ہوتے ہیں، تو اس سورت میں اس انعام کو بیان کرتے ہوئے یہ بشارت سنائی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے احوال اور شدائد و مصائب جو انسان کی ہمت توڑ دیتے ہیں اور واقعی وہ بوجھ افکار آلام کا ایسا ہی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی کمر بھی شکستہ کردی تھی تو اللہ تعالی نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ اب وہ تمام بوجھ اور شدائد آپ ﷺ سے دور کردیئے جائیں گے موجودہ دشواری اور سختی کا دور گزار لیجئے اس کے بعد آسانی اور سہولت ہی سہولت ہوگی، اس وقت اگرچہ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو ہر طرح ستانے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کی تحقیر وتوہین میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں لیکن اللہ نے یہ فیصلہ بھی کرلیا ہے کہ آپ ﷺ کا نام اور آپ ﷺ کا ذکر اونچا اور بلند ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا نام اونچا ہوگا اس کی شان کس قدر بلند ہوگی اور اس کا دین کس قدر مقبول و سربلند ہوگا، تو ارشاد فرمایا:

کیا ہم نے کشادہ نہیں کردیا ہے آپ ﷺ کا سینہ آپ ﷺ کی خاطر؟ بے شک ایسا ہی کردیا ہے کہ علم و معرفت کے لئے آپ کا سینہ اس قدر کشادہ کردیا کہ تمام علوم ملکوت السمٰوٰت اور وحی الٰہی کے سمیٹ کر آپ ﷺ کے قلب میں ودیعت رکھ دیئے گئے کہ علوم و معارف کے سمندر آپ ﷺ کے قلب میں اتار دیئے اور پھر وہ حوصلہ اور ہمت عطا کردی کہ لوازم نبوت اور فرائض رسالت ادا کرنے کے لئے ہر مشقت اور تکلیف بڑی ہمت اور اولوالعزمی سے برداشت کر رہے ہیں، تبلیغ دین میں مخالفین خواہ ہزاروں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے قلب میں وہ جمعیت اور قوت پیدا کردی ہے کہ یہ باتیں منصب رسالت کی ذمہ داریوں میں قطعاً حائل نہیں۔ اور اتار دیا ہے ہم نے آپ ﷺ کا بوجھ جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی کہ مصائب و آلام کو آسان کردیا، وحی جس کی عظمت و ہیبت سے پہاڑ بھی چورا چورا ہو جاتے ہیں، اس کا تحمل کیا، جس

ف۱ یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کر، تاکہ مزید یسر کا سبب بنے۔ اور اپنے رب کی طرف (بلاواسطہ) متوجہ ہو۔

(تنبیہ) خلق کو سمجھانا اور نصیحت کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین عبادت تھی۔ لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا مطلوب یہ ہے کہ ادھر سے ہٹ کر بلاواسطہ بھی متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی تفسیر اور کئی طرح کی گئی ہے۔ مگر اقرب یہی معلوم ہوتی ہے۔

کے بوجھ سے اس کی پیشانی بھی پسینہ پسینہ ہوجاتی تھی اس کو یاد کیا اور امت تک پہنچایا قریش مکہ کی مخالفت جو انسانی قوئی اور ہمت کو شکستہ کردینے والی تھی، مگر آپ ﷺ کے رب نے اس کا بوجھ بھی آپ ﷺ سے ہلکا کردیا اور یہی نہیں کہ قلب کا انشراح واطمینان وپختگی اور استقامت ہو اور مصائب وآلام کا بوجھ دور کردیا جائے، مزید یہ انعام بھی فرمایا کہ اور بلند کردیا ہم نے آپ ﷺ کا ذکر۔ اس طرح کہ آپ ﷺ کا دین بھی مشرق ومغرب میں پھیلا، نام بھی اس قدر بلند ہوا کہ اذان کے کلمات میں اللہ کے نام کے ساتھ اشھد ان محمد رسول اللہ۔ کی صدا فضاؤں میں ہر وقت گونجتی رہتی ہے، بلاشبہ یہ انعامات جو اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر فائز کئے گئے بہت عظیم اور بلند ترین انعامات ہیں۔

تو کمی زندگی میں پیش آنے والے وقتی مصائب اور شدائد سے گھبرانا نہ چاہئے کیونکہ یہ قانون قدرت ہے۔ بس ہر ایک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بے شک ہر دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ اس لئے سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے آپ ﷺ نے جو سختیاں برداشت کیں اور جو مصائب جھیلے ہر ایک سختی اور مشقت کے نتیجہ میں آسانی اور سہولت ہوگی، ایک نہیں بلکہ کئی کئی آسانیاں [1] اور راحتیں ایک ایک شدت ومشقت کے بعد میسر ہوں گی، تو اس طرح آپ ﷺ کے قلب کو سکون وپختگی حوصلہ اور ہمت کی بلندی اور آپ ﷺ کے ذکر کی عظمت ہم نے قائم کردی کہ اذان واقامت میں، تشہد میں خطبہ میں، درود میں، ہر موعظت ونصیحت میں اللہ کے نام کی عظمت کے ساتھ آپ ﷺ کے نام کی عظمت وابستہ کردی گئی۔

بہر کیف جب آپ ﷺ کو یہ نعمتیں عطا کردی گئیں تو اب آپ ﷺ ہمت سے اپنے کام میں لگے رہیں۔ اور جب آپ ﷺ منصب رسالت کی ذمہ داریوں، تبلیغ احکام اور تعلیم امت سے فارغ ہوجایا کریں تو دیگر امور اور اپنی ذات خاص سے متعلقہ

[1] حضرات اصولیین اور علماء عربیہ کہتے ہیں کہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کی شکل میں کیا جائے تو دوسری مرتبہ کے معرفہ کا مفہوم عین وہی ہوتا ہے جو پہلے معرفہ کا ہے لیکن جب نکرہ کا اعادہ نکرہ کی شکل میں کیا جائے تو اول کے علاوہ دوسرا امراد ہوتا ہے تو یہاں ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ میں العسر معرفہ مکرر لایا گیا تو ایک ہی سختی اور دشواری مفہوم ہوتی، اور اس پر ہر مرتبہ یسرا نکرہ لانا دو سہولتوں کا مفہوم ادا کرنے والا ہوا۔ یہی وہ چیز ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے لن یغلب عسر یسرین کہ ایک دشواری ہرگز دو سہولتوں پر غالب نہیں آسکتی، اس معنی پر بعض عارفین کا یہ قول مشتمل ہے لوجاء العسر فدخل ھذا الحجر لجاء ھا یسر حتی یدخل علیه فیخرجه۔ کہ اگر کوئی مصیبت اور دشواری ا[illegible]س سوراخ میں داخل ہوجائے تو فوراً ہی اس کے پیچھے پیچھے اس سوراخ میں سہولت داخل ہوکر اس دشواری کو نکال پھینکے گی۔

اسی ضابطہ پر یہ چیز مقرر کردی گئی ہے کہ جو شخص بھی کسی سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ اور اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس خدا ہی کی طرف لو لگائے اور اس کے فضل ورحمت کا امیدوار بن جائے گا تو دیکھے گا کہ کس طرح قدرت خداوندی اس کی تکالیف ومشکلات کو راحتوں اور نعمتوں سے بدل ڈالتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو الفاظ نقل کئے گئے وہ سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً آنحضرت ﷺ سے یہی روایت کئے ہیں، مسند بزار میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت ہے، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نہایت ہی انبساط وخوشی کے عالم میں حجرہ سے باہر تشریف لائے اور یہ فرما رہے تھے، بے شک ایک عسر (سختی) دو یسر (آسانی) پر غالب نہیں آسکتی کسی نے یہی بات اس طرح شعر میں ادا کردی ہے۔

اذا اشتدت بك البلوی ففکر فی الم نشرح
فعسر بین یسرین .۱۰ اذا فکرته فافرح

عبادات میں محنت کیا کیجئے، اوران تمام مخالفتوں اور دشواریوں سے بے نیاز ہوکر اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس اپنے رب ہی کی طرف رخ کر لیجئے۔ وہی کارساز ہے وہی ہر تدبیر کو کامیاب بنانے والا ہے، نصیحت وتعلیم اور تبلیغ یہ بے شک آپ ﷺ کے کام ہیں مگر ان سب سے فارغ ہوکر اصل یہی ہے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو، وہی ان تمام کوششوں کو کامیاب بنانے والا ہے، ان ہدایات وتعلیمات سے مخلوق کو نفع بھی اللہ ہی کی توفیق ومشیت سے ہوگا اور ہر عملی جدوجہد بھی خدا ہی کے فضل اور اس کی اعانت سے کامیاب اور قبول ہوگی، اس لئے ان تمام محنتوں کے بعد نظر اپنی سعی اپنی کسی محنت اور کسی صفت پر نہ ہونی چاہئے بلکہ ہر محنت وسعی اور اداء فرض اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے بعد رجوع الی اللہ ہی اصل چیز ہے وہ ہونا چاہئے، اسی پر فوز و فلاح کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

فائدہ:......اس سورۃ مبارکہ میں تین انعامات کا ذکر فرمایا: شرح صدر۔ وضع وزر اور رفع ذکر۔ ان انعامات کی تعبیر میں لَ ضمیر خطاب کے ساتھ ان کو ذکر فرمایا ﴿لَكَ صَدْرَكَ﴾ ﴿عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ﴾ اگرچہ از روئے عربیت یہ کافی تھا کہ بغیر صلہ لَ ان انعامات کو بیان کر دیا جاتا لیکن ان انعامات کا آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ اختصاص ظاہر کرنے کے لئے ترکیب اضافی کے ساتھ ضمیر خطاب بھی لائی گئی، ہم نے اسی وجہ سے ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ کے ترجمہ میں لفظ آپ ﷺ کی خاطر کا اضافہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

شان رسول اللہ ﷺ کی عظمت وبلندی

آیت مبارکہ ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ میں حضور اکرم ﷺ کے ذکر کی بلندی بیان کی گئی کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا، آپ ﷺ کا نام اونچا کیا، چنانچہ آپ ﷺ کے نام مبارک کی عظمت وبلندی کا یہ مقام ہے کہ اذان میں اللہ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ ﷺ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے، خطبہ میں حضرت ﷺ پر ثناء ودرود ہوتی ہے، کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ ﷺ کا ذکر ہے، ہر حال میں باستثناء مواضع چند جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے، عالم غیب میں آپ ﷺ سلطان ہیں کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو، قبر میں بھی اور حشر میں بھی ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان، ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں، جنت کے دروازے اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے، موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت کا ذکر نہ ہو، منکر بھی محامد ہی کرنے مجبور ہو جاتا ہے، اب معمورہ دنیا پر ایسی کوئی جگہ نہیں کہ جہاں آپ ﷺ کا ذکر نہ ہو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی، حضرت علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔

اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے ہر ایک میں آپ ﷺ ہی حاکم اعلیٰ ہوں، جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ ﷺ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ فرماتے ہیں اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں کسی گوشہ میں مامون ہیں کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں، پھر ان

سے پیچھے کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھران سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں، اور کہیں تیمور صاحب قران ہیں۔ اور کہیں علاؤالدین خلجی اور سلطان محمود، الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نامور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبان زد خلائق ہیں ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے وہی ذات بابرکات محمد مصطفے ﷺ۔

پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاد زمانہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل، تہذیب اخلاق ودرستی آداب حاصل کر رہے ہیں کہیں ابوعلی سینا کھڑا ہے کہیں ابوریحان بیرونی کھڑا ہے کہیں ابونصر فارابی، اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ غیرہ حکماء دہر، علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استاد کل ﷺ ہر ایک کو اس کی استعداد وفہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرے کمرہ میں قانون محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہی ہیں ہدایہ وغیرہ، اور ایک قاضی القضاۃ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ ونوامیسیہ حاضر ہیں کہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو کہیں قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہیں، پھر ان کے پیچھے امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ وابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ وتاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حاضر ہیں اور آپ ﷺ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا رواں ہیں کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جارہی ہے کہیں محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلو میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں۔ اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں، اور کہیں اہل دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظ وافر اٹھا رہے ہیں، کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائل فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قراءت کر رہے ہیں، اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں کے لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ حج وزکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں، مخلوق کی ابتداء اور انتہاء اور صفات باری اور اس کے افعال اور وجد ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں کہیں مرنے کے بعد سے لیکر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں، ان کا حال دریافت کر رہے ہیں، اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں کون کون سرے سے غلط اور خیالات جاہلانہ پر مبنی تھے، اور کون سے من اللہ ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر انکی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرار احکام دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں یہ مفتی متبحر وہی سرور کائنات ہیں، علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درے پڑے رہے، کہیں ظلم و تعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں، اور کہیں لہو ولعب ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں، شہوات اور فسق و فجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں، مکاروں، فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ہیں ﷺ

چھٹے کمرہ میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عز و وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے، بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى﴾ کا اشارہ کرکے کاروبار سلطنت کے لئے مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لئے قومی لشکر جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامان حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور ملازمان سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب و جوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اس کے قوانین و دستورات کی تعلیم دے رہے ہیں کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت و وقار کو قائم کرنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت و وقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں، خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں کس لئے کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم عیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا، معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں۔ اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گراں مایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا، کبھی تلاوت قرآن مع اللہ بر التمام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے، ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصار ہے، اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں، لوگوں کو ان سے دلی انس ہے، ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگان خدا بھی جوق در جوق آ کر مستفید ہوتے ہیں پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اور اوراد واشغال کی تعلیم ہے کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے نہ

کسی امیر کی پروانہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا یہ حضرت بھی وہی سرور کائنات ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں جو کہ ذات وصفات کے اسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے فصوص الحکم وفتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جارہی ہیں وہ بھی آپ ہی ہیں ﷺ۔

نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جمارہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا کسی کو ثواب عظیم واجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور عذاب جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے، اور کسی کو دار آخرت کے درجات اور حیات جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے، ہزاروں کافر وبت پرست کفر وبت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں، بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے، سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے مجلس میں آہ وبکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر دور ہی نہیں ہوتا جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا خونخوار خونی ایسے رحم دل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے، شہوت پرست پرہیزگار بن گئے سست وغافل ہوشیار بن گئے، کنجوس اور کٹر سخی ہو گئے، دنیا کی کایا پلٹ گئی، یہ حضرت واعظ بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشد کامل صاحب طریقہ وصاحب دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ، خاک کو کیمیا کر رہی ہے طالبان خدا کو اس کے اردگرد ہجوم ہے وہ ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات واحوال اور مراتب ومناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات وتاثیرات پیدا کر رہے ہیں کسی کو وجد آ رہا ہے کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقا کا، کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وشبلی رحمۃ اللہ علیہ وسید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وشیخ احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ ومعین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ونظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ وشیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ وخواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اولیاء کرام ہیں، یہ مرشد کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب وماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمال الٰہی کا پورا آئینہ ہے ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے، اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں، مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عزوشان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام واسحاق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام وداؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام ان کے اردگرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ﷺ انکی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سرنو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں، یہ بھی وہی ہیں ﷺ۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفع ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اس شان رفعت کی ترجمانی اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

اغر علیه للنبوة خاتم　　من الله مشهور یلوح ویشهد
وضم الاله اسم النبی مع اسمه　　اذ قال فی الخمس المؤذن اشهد
وشق له من اسمه لیجله　　فذوا لعرش محمود وهذا محمد

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ الانشراح۔

سورۃ التین

سورۃ التین مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں، مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا بھی اہم موضوع اور مقصد بیان ایمان بالآخرۃ حساب اور جزاء اعمال ہے، سورت کی ابتداء انجیر اور زیتون کے درخت کی قسم کھا کر کی گئی اور ان ان دو عظیم المنفعۃ درختوں اور پھلوں کی قسم کے ساتھ اماکن مقدسہ یعنی طور سینا اور بلد امین مکہ مکرمہ کی بھی قسم کھا کر ان کی برکتوں کی طرف ذہن کو متوجہ کیا گیا، جو ان مقامات مقدسہ میں ودیعت رکھی گئی ہیں کہ طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا اور سرزمین مکہ مہبط وحی ہے ان عظیم اشیاء کی قسم کھا کر بطور جواب قسم انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا۔

انجیر و زیتون کثیر المنفعۃ اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں اس وجہ سے جواب قسم کے مضمون میں ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا، پھر تخلیق انسانی میں یہ فرمانا کہ اس کو ایک بہترین پیکر اور حسین ساخت میں اللہ نے بنایا ہے، قدرت خداوندی کی اکمل ترین دلیل کو پیش کرنا ہے، اس کے بعد کفار پر وعید اور تنبیہ فرمائی گئی جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے اور اخیر میں دلائل قدرت کو انسانی عقول اور نظروں کے سامنے نمایاں کرتے ہوئے یہ سوال کیا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی منکر انسان آخرت کس بناء پر قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر انسان کی تخلیق اس کے وجود اور اس کے تغیرات میں ان سب امور کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اور یہ تمام مشاہدات اس امر پر انسان کو آمادہ بلکہ مجبور کرتے ہیں کہ وہ قیامت پر ایمان لائے، حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین کو احکم الحاکمین مانے۔

(۹۵ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ۲۸) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰياتها ۸ ركوعها ۱)

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ

قسم انجیر کی اور زیتون کی ف۱ اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی ف۲ ہم نے بنایا آدمی

قسم انجیر کی اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس شہر امن والے کی۔ ہم نے بنایا آدمی

ف۱ انجیر اور زیتون دونوں چیزیں نہایت کثیر المنافع اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی لئے =

فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

خوب سے اندازے پر ف۱ پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے ف۲ مگر جو یقین لائے اور عمل کیے

خوب سے خوب اندازہ پر، پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے۔ مگر جو یقین لائے، اور کیں

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ

اچھے سو ان کے لیے ثواب ہے بے انتہا ف۳ پھر تو اس کے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلہ ملنے کو ف۴ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا

بھلائیاں، سو ان کو نیگ ہے بے انتہا۔ پھر اس پیچھے تو کیوں جھٹلائے بدلہ ملنا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بہتر

الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

حاکم ف۵

ع ۸

= "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کے مضمون کو ان دونوں کی قسم سے شروع کیا۔ اور بعض محققین کہتے ہیں کہ یہاں "التین" اور "الزیتون" سے دو پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کے قریب بیت المقدس واقع ہے۔ گویا ان درختوں کی قسم مقصود نہیں بلکہ اس مقام مقدس کی قسم کھائی ہے جہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہی مولد ومبعث حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے۔

ف۲ "طور سینین" یا "طور سینا" وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرف ہم کلامی بخشا۔ اور "امن والا شہر" مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عرب عالم کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ کی سب سے بڑی اور آخری امانت (قرآن کریم) اول اسی شہر میں اتاری گئی۔ تورات کے آخر میں ہے "اللہ طور سینا سے آیا اور ساعیر سے چمکا (جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے) اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا" (فاران مکہ کے پہاڑ ہیں)۔

ف۱ یعنی یہ سب مقامات متبرکہ جہاں سے ایسے ایسے اولو العزم پیغمبر اٹھے گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا، اور کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری و باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں۔ اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے۔ بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا۔ پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے۔"

ف۳ جو کبھی کم یا ختم نہ ہوگا۔

ف۴ یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء وسزا کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔ یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے خیال کرو! انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔ اس کا قوام ایسی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے، کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کر سکے۔ چنانچہ اس کے کامل نمونے دنیا نے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دیکھ لئے جن کے نقش قدم پر اگر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور دارین کی کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بدتمیزی اور بدعملی سے ذلت وہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو کھو دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزاء وسزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب وانکار کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یوں ہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے۔ جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین وقانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کر سکے، اس کا جواب آگے دیتے ہیں "الیس اللّٰہ باحکم الحکمین۔"

ف۵ یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔

شہادت اشجار واماکن بر خالقیت رب العالمین ومبدأ ومعاد انسان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ... الی... بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں حضور اکرم ﷺ کو جن خاص انعامات سے نوازا گیا تھا، ان کا ذکر تھا۔ آپ ﷺ کے قلب کو وحی الٰہی اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لئے کھول دیا اور آپ ﷺ کے حوصلہ کو اس قدر بلند اور قلب مبارک کو وسیع کر دیا کہ اس میں علوم ومعارف اور حقائق وحکم کے سمندر سما گئے، اور آپ ﷺ کا نام بلند کر دیا۔ اور شان اس قدر اونچی کہ اس سے بڑھ کر کسی عظمت وبلندی کا تصور نہیں ہوسکتا، اب اس مناسبت سے اس سورت میں انجیر وزیتون جیسے عظیم المنفعۃ پھلوں اور درختوں اور طور سینین اور بلدۃ الحرام جیسے متبرک اور مقدس مقامات کی قسم کھا کر انسان تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات سے بعد الموت اور مسئلہ مجازات کو ثابت فرمایا گیا، ارشاد فرمایا:

قسم ہے انجیر کی اور اس کے درخت کی اور زیتوں کی اور اس کے درخت کی۔ اور قسم ہے طور سینین کی یعنی طور سیناء کی جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی بخشا اور وہ تقرب عطا فرمایا جو ﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ میں ذکر فرمایا گیا اور قسم ہے امن والے شہر مکہ کی جہاں سے سارے عالم کو علوم ہدایت سے سیراب کیا گیا اور خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت ونبوت کے آفتاب نے وہاں سے طلوع ہو کر پوری دنیا کو روشن کر ڈالا جب کہ عالم پر جہالت اور کفر کی ظلمتیں محیط تھیں اسی شہر میں اللہ نے اپنی سب سے بڑی امانت (یعنی قرآن) نازل فرمائی۔ بے شک ہم نے انسان کو بنایا ہے ایک بہترین پیکر میں اور نہایت ہی حسین ساخت میں قد وقامت صورت وشکل اور تناسب اعضاء کے باعث بڑا ہی خوبصورت اور حسین وجمیل ہے، یعنی جس طرح اس کو معنوی خوبی عقلی اور فکری صلاحیتوں کی عظمت وبلندی عطا کی تھی، ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی اس کو احسن تقویم اور بہترین ساخت میں پیدا کیا تا کہ معنوی شرف وعظمت کے ساتھ پیکر انسانی کی مطابق ہو جائے۔ پھر ہم نے اس کو پھینک دیا نیچوں سے نیچے طبقہ میں اور پستی کی حالت میں، ایسے بڑھاپے میں پہنچا دیا کہ نہ قویٰ رہے، نہ صورت وشکل کا وہ حسن وجمال باقی رہا، پیدائش ضعف کی حالت میں ہوئی ہاتھ پاؤں کمزور تھے لیکن نشو ونما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت ومضبوطی پیدا ہوگئی، پیکر جسمانی کا حسن وجمال بھرپور ہو گیا مگر یہ چند مدت تک کی بات تھی، پھر بڑھاپے نے انحطاط وضعف کی طرف لوٹانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ضعف وپستی کی آخری منزل تک پہنچ گیا[1] جسے کہ ارشاد مبارک ہے۔ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ

[1] بعض مفسرین نے اسفل السافلین کی تفسیر میں ارذل عمر تک انسان کا پہنچنا بیان کیا ہے کہ جس عمر میں پہنچ کر انسان کے ہوش وحواس بھی جاتے رہیں۔ آنکھوں اور کانوں سے بھی محتاج ہو جائے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا انہوں نے فرمایا قرآن کریم کا حافظ اور اس کی تلاوت کا شغف رکھنے والا، اس نوبت تک پہنچنے سے محفوظ رہے گا اور عمر اس کی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کے ہوش حواس بحال رہیں گے، مجاہد اور ابو العالیہ رحمہما اللہ اسفل السافلین سے جہنم کے طبقات میں سے نیچے سے نیچا طبقہ مراد لیتے تھے، تو مراد یہ ہوگی کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا، اور اس کے بہترین قالب میں ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس حسین قالب میں سجانے والی چیزیں (اعمال واخلاق اور کردار) بھی بہترین ہی ہوں تا کہ قالب کی خوبی اور شرافت کے ساتھ اعمال وکردار کی خوبی اور عظمت بھی جمع ہو جائے لیکن یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے نفس کی بہیمیت اور گندگی میں پڑ کر پستی کا مقام اختیار کر لیتا ہے اور اسفل السافلین کی طرف لوٹ جانا قضا وقدر کے فیصلہ یعنی تقدیر الٰہی سے ہے اس وجہ سے اس کی نسبت حق تعالیٰ نے اپنی جانب فرمائی اور انسان چونکہ اپنے اعمال وافعال کا خود اپنے ارادہ اور اختیار سے کاسب ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ اس ارتکاب پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ .... =

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ﴾ الآیۃ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کئے تو ان کے واسطے یقیناً اس قدر اجر وثواب ہوگا۔ کہ جو کبھی بھی منقطع نہ ہو تو یہ ایمان وعمل صالح والے اسفل السافلین کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ان کو ذلت وپستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ کرلیا جائے گا۔ الغرض جب خداوند عالم کی قدرت کے یہ مناظر نظروں کے سامنے ہیں کہ انسان کو بہترین پیکر میں پیدا کیا جارہا ہے، وہ کمزوری سے قوت وجوانی کی طرف اور پھر جوانی سے بڑھاپے اور کمزوری یا پستی کی طرف لوٹارہا ہے تو انسانی بدن میں یہ تغیرات قادر مطلق کی قدرت اور حکمت کا عظیم ثبوت ہیں ایک انسان کی ذات میں رونما ہونیوالے یہ تغیرات عالم پر واقع ہونے والے تغیرات اور عالم کے شباب کے بعد اس کے بعد بڑھاپے اور زوال پر زبان حال سے پوری پوری گواہی دے رہے ہیں، ان دلائل کا مشاہدہ کرنے والا یہ قدرت وجرأت نہیں رکھتا وہ قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرسکے۔

تو پھر اے مخاطب بتا اس کے بعد کون سی وہ چیز ہے جو تجھ کو منکر بنارہی ہے۔ قیامت کے روز جزاء وسزا کے معاملہ میں اور کون سی وہ بات ہے جو اس امر پر انسان کو آمادہ کررہی ہے کہ وہ بعث بعد الموت اور اعمال کی جزاء وسزا کو نہ مانے، حالانکہ یہ تمام دلائل وشواہد مجبور کررہے ہیں کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور جزاء وسزا پر یقین کرے، ان تمام دلائل اور عالم کے جملہ احوال وتغیرات کو دیکھنے والے انسان بتا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب سے بڑا حاکم حاکموں سے۔ ضرور بالضرور وہی سب سے بڑا حاکم ہے، سب مانتے ہیں اور ماننے پر مجبور ہیں، عقل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کائنات پر نافذ وجاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے، دنیا جب سے قائم ہے اس کے حکم سے زمین اور آسمان میں کوئی بھی سرتابی نہیں کرسکتا، جانور، سورج ہوائیں، بارش اور بادل چرند اور پرند غرض ہر چیز اس کی مطیع وفرمانبردار ہے۔

ابر وباد ومہ وخورشید وفلک درکارند ۔۔۔ تاتو نانے بکف آری وبغفلت نہ خوری

آب وباد وخاک آتش بندہ آند ۔۔۔ بامن وتو مردہ باحق زندہ اند

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۃ والتین پڑھتے ہوئے اس ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہئے۔ بلی وانا علی ذلك من الشاهدين۔ کہ بے شک اللہ ہی ضرور احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے لیکن دیگر فقہاء اور ائمہ نماز میں مسنونیت کے قائل ہیں۔

تین اور زیتون کی تفسیر

ائمہ مفسرین اور حضرات محدثین ومؤرخین سے تین وزیتون کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

= لیکن اس ذلت اور پستی کے مقام میں گرنے سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں، تو یقیناً قعر ذلت اور پستی میں گرنے سے مستثنیٰ رہیں گے تو ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کا استثناء بظاہر اسی مفہوم کی تائید کررہا ہے اور یہی مفہوم زیادہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۱- اکثر علماء کا قول تو یہی ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون سے یہی زیتون کا معروف درخت اور ان کے پھل مراد ہیں انکے قسم کھانے کی غرض اور ان قسموں پر انسانی شرف کے مضمون کو مرتب کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ان میں بڑے ہی فوائد ومنافع قدرت نے رکھتے ہیں چنانچہ انجیر عجیب پھل ہے جس میں نہ گٹھلی ہے نہ پوست، غذا بھی اور دوا ومنافع بھی جو متعدد امراض کے لئے نہایت نافع ہے۔ اور سریع الہضم بھی ہے، اطباء کے بقول گردوں کو صاف کرتا ہے بلغم اور اس کے اثرات کو دور کرتا ہے، جگر اور طحال کے لئے بھی مفید ہے اور مصلح ہے، پھر یہ کہ بلا تکلف کھایا جاسکتا ہے، اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے اور نہ درخت اس قدر اونچا ہے کہ اس پھل کے حاصل کرنے میں کوئی دقت ومشقت ہو، اسی طرح زیتون بھی ہے کہ اپنے اندر بیشمار فوائد رکھتا ہے تو یہ دونوں پھل گویا اپنی خوبیوں کے باعث انسانی کمالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔

۲- دوسرا قول یہ ہے جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تین وزیتون دو شہروں کے نام ہیں "تین" قدیم تاریخ میں دمشق کو کہا جاتا تھا، اور "زیتون" بیت المقدس کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں شہر اس لحاظ سے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مولد ومسکن ہوئے ہیں متبرک ہیں بیت المقدس وہ اللہ کا گھر ہے جو اولاد اسحاق علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے انبیاء کا قبلہ اور اسلام میں بھی ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ کے لئے قبلہ رہا جس کو قرآن کریم نے ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ﴾ فرمایا۔
اور ظاہر ہے کہ جو سرزمین انبیاء علیہم السلام کا مولد ومسکن ہو اور اللہ کے پیغمبر وہاں عبادت کرتے رہے ہوں بلاشبہ بڑی ہی بابرکت زمین ہے۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں اور بعض ائمہ مفسرین محققین اسی قول کو زیادہ بہتر قرار دیتے ہیں۔
تورات سفر استثناء باب ۳۳ کی بشارت کے پیش نظر جس میں یہ فرمایا گیا "خداوند سیناء سے آیا اور شاعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی"۔ اس بات کو تو اہل کتاب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سیناء سے کوہ سیناء مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا اور شرف ہم کلامی عطا کرنا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر محمول کرنے کی بجائے فلسطین کے دو پہاڑوں کے نام بتاتے ہیں، بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر دس ہزار قدسیوں کی کیا تاویل کریں گے، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ شعیر سے بیت المقدس کے پہاڑ مراد ہیں، مگر وہ پہاڑ جس پر شہر بیت المقدس واقع ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں جن میں ایک کو اب تک جبل زیتون کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران ظاہر ہے مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ فتح کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی آتشی شریعت نے مکہ کے بت خانوں کو جلا کر خاک کر ڈالا اور عالم سے کفر وشرک کو مٹا دیا تو اس بشارت سے بھی ان چار مقدس مقامات کا مفہوم واضح ہورہا ہے اور مناسب ہوا کہ ان کی قسم کھا کر جہان سے نبوت ورسالت کا آفتاب طلوع ہوا، اور اس کے نور نے دنیا کو منور کیا، انسان کی سعادت وشقاوت کا مضمون بطور جواب قسم مرتب کیا جائے۔

تم بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ التین۔

سورۃ العلق

سورۃ العلق مکیہ ہے جس کی انیس آیات ہیں۔

وحی الٰہی کا آغاز اسی سورت مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا اسی پر تمام امت اور ائمہ مفسرین کا اجماع ہے اس سورت کا سب سے پہلا موضوع تو آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کی ابتدائی کیفیت اور حالت کا بیان کرنا ہے پھر انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات ہوں اس کی سرکشی وطغیانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس سلسلہ میں مشرکین مکہ میں خاص اشقیاء کی شقاوت کا ذکر ہے، جیسے کہ ابوجہل، وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ حرم مکہ میں نماز ہی پڑھ لیں، چنانچہ اس نے ایک روز غلاظتوں کا انبار اور ایک ذبح شدہ اونٹ کا اوجھ جو گوبر اور نجاستوں سے بھرا ہوا تھا پشت مبارک پر لا کر رکھ دیا، وہ اس کے ساتھی اس بیہودگی پر خوب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے تو اس سورت میں اس تاریخی شقاوت کا بھی ذکر ہے اور ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ اللہ رب العزت کے علم اور نظر سے یہ بدبختی کا عمل مخفی نہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ جہنم کے فرشتے ایسے مجرموں کو پکڑ پکڑ کر ٹکڑے کر ڈالیں گے بلکہ دنیا ہی میں اللہ نے اپنے قہر اور گرفت کا منظر دکھا دیا کہ یہ تمام اشقیاء اور بدبخت غزوۂ بدر میں مارے گئے، ابوجہل زخمی ہوا اس کا سر قلم کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے کان میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے لے آئے، اور حرم مکہ میں جن بدبختوں کے نام لے لے کر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی، وہ سب کے سب مارے گئے اور ان کے مردار اور لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں اور آنحضرت ﷺ نے وہاں تشریف لا کر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ انا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا۔ کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا پالیا، جو تم سے کیا گیا تھا، ہم نے اس وعدہ کو پوری طرح پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا۔

ابتداء سورت میں قراءۃ اور تعلیم کی دعوت دی گئی اور سورۃ کی انتہاء نماز اور بارگاہ خداوندی میں سجود اور امر بالتقرب کے مضمون پر کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسانی فوز وفلاح کی ابتداء قراءت اور علم سے ہے اور اس کی منزل ومقصود وانتہاء عبادت اور قرب خداوندی ہے تو اس طرح ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ پر سورت ختم فرمائی گئی۔

۹۶ سُورَۃُ العَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۱ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ایاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ③

پڑھ اپنے رب کے نام سے ف۱ جو سب کا بنانے والا ف۲ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے ف۳ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے ف۴

پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس نے بنایا۔ بنایا آدمی لہو کی پھٹکی سے، پڑھ، اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔

ف۱ یہ پانچ آیتیں (اقرا سے مالم یعلم تک) قرآن کی سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے اتریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "غار حرا" میں خدائے واحد کی عبادت کر رہے تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا "اقرا" (پڑھیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں) جبرائیل علیہ السلام نے کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زور زور سے دبایا، اور بار بار وہی لفظ "اقرا" کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ما انا بقاری =

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۝۶ اَنْ

جس نے علم سکھایا قلم سے ف۱ سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا ف۲ کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے

جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔ کوئی نہیں! آدمی سر چڑھتا ہے، اس سے

رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝۱۰

کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پرواہ ف۳ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے ف۴ تو نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے ف۵

کہ دیکھے آپ کو محفوظ۔ بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ تو نے دیکھا وہ جو منع کرتا ہے، ایک بندے کو، جب نماز کرے؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۝۱۱ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝۱۲ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۳ اَلَمْ

بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر یا سکھلاتا ڈر کے کام بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا ف۶ یہ نہ

بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر، یا سکھاتا ڈر کے کام۔ بھلا دیکھ تو! اگر جھٹلایا اور منہ موڑا، یہ نہ

= جواب دیتے رہے۔ تیسری مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے زور سے دبا کر کہا۔ "اقرا باسم ربک" یعنی اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادھر میں چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہوگی جس کی مہربانی سے تربیت ہوئی ہے۔

ف۲ یعنی جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرأت پیدا نہیں کر سکتا۔

ف۳ جمے ہوئے خون میں نہ حس ہے نہ شعور، نہ علم، نہ ادراک، محض جماد لا یعقل ہے، پھر جو خدا جماد لا یعقل کو انسان عاقل بناتا ہے، وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک امی کو قاری و عالم نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک قرأت کا امکان ثابت کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں کہ تم کو باوجود امی ہونے کے قاری بنا دے، آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں۔

ف۴ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت جس شان سے کی گئی، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور ادھر سے مبداء فیاض میں بخل نہیں بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے ضرور ہے کہ یونہی ہو کر رہے۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "حضرت نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا، فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دے گا" اور ممکن ہے ادھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان جبرائیل علیہ السلام محض ایک واسطہ ہیں۔ جس طرح قلم کا توسط اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو جائے۔ ایسے ہی یہاں حقیقت جبرائیلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

ف۲ یعنی انسان کا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے۔ بس وہی رب قدیر جو انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے، اپنے ایک امی کو عارف کامل بلکہ تمام عارفوں کا سردار بنا دے گا۔

ف۳ یعنی آدمی کی اصل تو اتنی ہے کہ جمے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا۔ خدا نے علم دیا، مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا دنیا کے مال و دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

ف۴ یعنی اول بھی اس نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اسی وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔

ف۵ یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو دیکھو کہ خود کو تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں، دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ان آیات میں اشارہ ابوجہل ملعون کی طرف ہے۔ جب وہ حضرت کو نماز پڑھتے دیکھتا تو چڑاتا اور دھمکاتا تھا۔ اور طرح طرح سے ایذائیں پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔

ف۶ یعنی نیک راہ پر ہوتا بھلے کام سکھاتا تو کیا اچھا آدمی ہوتا۔ اب جو منہ موڑا تو ہمارا کیا بگاڑا۔ کذا فی موضح القرآن وللمفسرین اقوال فی تفسیرھا من شاء الاطلاع علیھا فلیراجع، روح المعانی۔

يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

جانا کہ اللہ دیکھتا ہے ف ۱ کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر ف ۲ کیسی چوٹی جھوٹی

جانا کہ اللہ دیکھتا ہے؟ کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا۔ ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر۔ کیسی چوٹی جھوٹی

خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ﴿۱۹﴾

گناہگار ف ۳ اب بلالیوے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو ف ۴ کوئی نہیں مت مان اس کا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو ف ۵

گنہگار۔ اب بلائے اپنی مجلس کو۔ ہم بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو۔ کوئی نہیں نہ مان اس کا کہا، اور سجدہ کر، اور نزدیک ہو۔

آغاز وحی بامر قراءة باسم رب العالمین ومذمت وتہدید بر مخالفت رسول ﷺ خدا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِيۡ خَلَقَ... الی... وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ﴾

یہ بات اجماع امت سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی کا آغاز سورۃ اقرا کی پہلی پانچ آیات یعنی ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ﴾ سے ﴿عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ﴾ تک کے نزول سے ہوا جمہور صحابہ اور روایات صحیحہ سے بھی ثابت ہے پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی تو سورتوں میں نازل ہونے والی یہ پہلی سورت ہوئی، اسی بناء پر حضرت علی ؓ سے ایک روایت میں سورۃ فاتحہ کی اولیت بیان کی گئی، ان پانچ آیات کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ سلسلہ وحی منقطع رہا، اور اس انقطاع یعنی فترت وحی کے بعد سب سے پہلے ﴿يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہوئی، اور حضرت جابر ؓ سے جو سورۃ مدثر کے نزول میں روایت بیان کی گئی، اس کا یہی مفہوم ہے، چنانچہ امام بخاری ؒ نے اس کی وضاحت وھو یحدث عن فترۃ

ف ۱ یعنی اس ملعون کی شرارتوں کو اور اس نیک بندے کے خشوع وخضوع کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

ف ۲ یعنی رہنے دو! یہ سب کچھ جانتا ہے، پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بل پکڑ کر گھسیٹیں گے

ف ۳ یعنی جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

ف ۴ ابوجہل نے ایک مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا۔ کہنے لگا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ مجلس والے ساتھیوں کو بلالے۔ ہم بھی اس کی گوشمالی کے لئے اپنے سپاہی بلاتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چند روز بعد "بدر" کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے گھسیٹا اور آخرت میں جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کے ساتھ جہنم رسید کریں گے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل حضرت کو نماز میں دیکھ کر چلا کہ بے ادبی کرے، وہاں پہنچا تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی۔ میں گھبرا کر واپس آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو "سندع الزبانیة" کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھلا دیا۔

(تنبیہ) اکثر مفسرین نے "زبانیة" سے دوزخ کے فرشتے مراد لئے ہیں۔

ف ۵ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہرگز پروانہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے۔ جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔"

الوحی کہہ کر فرمادی۔

اس سورت مبارکہ کی کیفیت نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس طرح ثابت ہوئی جیسے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں بیان فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک اور سچے خواب نظر آنے لگے اور جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح ظاہر و نمودار ہوتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت نشینی کی رغبت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں جاکر عبادت کرنے لگے جہاں کچھ دن اور راتیں رہتے پھر گھر آتے اور کچھ توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ اسی غار حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق ظاہر ہوا اور اللہ کا فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ (پڑھو) جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا بقاری۔ (کہ میں تو ایسا نہیں کہ پڑھ سکوں) فرمایا فرشتہ نے مجھ کو پکڑ کر بھینچا اور خوب زور سے دبایا کہ مشقت اور تکلیف انتہاء کو پہنچ گئی اور پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ اقرا میں نے پھر وہی جواب دیا۔ ما انا بقاریٔ۔ فرشتہ نے اسی طرح پھر تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور چھوڑ کر کہا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر لوٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپکپی اور لرزہ طاری تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر جاکر فرمایا۔ زملونی زملونی۔ تو گھر والوں نے کمبل یا چادر اڑھائی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حراء کا قصہ بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ انی خشیت علی نفسی۔ کہ مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہوا وحی کی ہیبت و عظمت اور فرشتہ کو ایسی حالت میں دیکھ کر اس کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ بولتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں بے سہارا لوگوں کو کما کر کھلاتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث و واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات اور اوصاف حسنہ ہیں تو خداوند عالم ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام اور شرمندہ نہ کریں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ابن عم ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو انجیل کا ترجمہ کر رہے تھے اور شرک و بت پرستی سے نفرت کرتے ہوئے اس زمانہ کا دین سماوی یعنی نصرانیت اختیار کر لی تھی، ورقہ بن نوفل نے تمام واقعہ سن کر تصدیق کی اور کہا۔ ھذا الناموس الذی انزل اللہ علی موسیٰ۔ یعنی یہ تو وہی اللہ کا قاصد ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا، اور اس بات کی بھی تمنا کی کہ کاش اس زمانہ میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالے گی، اگر میں زندہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی ہی قوت و ہمت کے ساتھ مدد کروں گا، تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے استدلال عقلی کے رنگ میں تسلی دی، اور ورقہ بن نوفل نے استدلال شرعی کے انداز میں تسلی دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی اس کے بعد سلسلہ نزول وحی منقطع ہوگیا اور مشہور و راجح قول کی بناء پر تقریباً پونے تین سال وحی منقطع رہی تا آنکہ پھر وحی کا سلسلہ سورۃ مدثر کے نزول سے شروع ہوا، اور ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ کے نزول وحی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مامور بالرسالۃ فرمادیئے گئے، اور تبلیغ و دعوت کا حکم دے دیا گیا، اور پھر پے درپے سلسلہ نزول وحی کا شروع ہوگیا، تو یہ پانچ آیات سب سے پہلی آیات ہیں جن سے وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت سے

سرفراز فرمایا گیا، اور اللہ کے فرشتہ کی طرف سے اقرا کے خطاب اور امر پر آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا تھا، ما انا بقاری کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھ سکوں۔ اس کے جواب کے طور پر وحی الٰہی کا آغاز ہی ان کلمات سے ہوا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ یعنی آپ ﷺ کو قراءت اور پڑھنے کا حکم بارگاہ رب العزت سے آپ ﷺ کی صلاحیت اور قدرت کی بناء پر نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ پڑھئے اپنے رب کے نام سے اور اس کے نام کی مدد سے جس نے پیدا کیا ہے ہر چیز کو اور کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا فرمایا، تو جو ذات عدم سے وجود عطا کرنے والی ہے وہ ایک جاندار اور حس و شعور رکھنے والے انسان کو قراءت کا وصف کیسے نہیں عطا کر سکتی، اس کی شان خالقیت اور حکمت کے سوتے تو اظہر من الشمس ہیں۔ چنانچہ اس نے پیدا کیا انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے۔ جو نطفہ کی شکل سے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے پھر وہی خدا اس میں نشوونما کی صلاحیت دیتا ہے اور اس میں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک، کان بنانا یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے تو جس خلاق حکیم نے ایک قطرہ کو اس طرح تغیرات کے ساتھ یہ سب کچھ عطا کیا ہے وہ ایک زندہ بینا و بصیر انسان میں جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں قراءت کی صفت نہیں دے سکے گا، تو آپ ﷺ کو اس رب خالق اور صناع حکیم کے نام سے کہا جا رہا ہے کہ پڑھئے ● اور اگر یہ تصور و خیال ہو کہ ایسی عظیم صفت اور خوبی کس طرح دے دی جائے گی تو فرمایا گیا اور آپ ﷺ کا رب تو بڑا ہی کرم والا ہے۔ اس لئے یہ گرانقدر فضل و انعام اس رب کریم کی طرف سے حاصل ہونے میں کوئی تعجب اور تامل نہ ہونا چاہئے اور نہ ہی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ اتنا عظیم اور بھاری کام کس طرح انجام دیا جائے گا تو وہ رب کریم اپنی غیبی مدد سے اس کو آسان کر دے گا۔

لیکن اس کے بعد اگر یہ خیال ہو اور تردد و تجسس، کہ آخر اس قدر بڑی نعمت کس طرح حاصل ہوگی، تو اس حیرت و تردد کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔ وہ رب جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ۔ اور یہی قلم دنیا میں ایک قرن سے دوسرے قرن تک اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم منتقل کرنے والا ہے کیا وہ اپنے فرشتہ کے ذریعے لوح محفوظ اور ملاء اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کی طرف نہیں منتقل کر سکے گا؟ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا تھا تو جب قلم کے ذریعے دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشہ تک اور ایک قوم سے دوسری قوم تک علوم پہنچتے ہیں اور انسان وہ علوم سیکھ جاتا ہے جو اس کو پہلے معلوم نہ تھے، تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ کو کیا تعجب ہے کہ اسی طرح خداوند عالم جبریل علیہ السلام اور ملائکہ مقربین کے ذریعے ملاء اعلیٰ کے وہ علوم آپ ﷺ کو سکھا دے جو اس سے پہلے آپ ﷺ نہ جانتے ہوں، اور وہ پروردگار یہ علوم خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے پہنچائے یا براہ راست قلب پر وارد کر دے، وہ ہر صورت پر قادر ہے آخر انسان خواب میں غیب کی بہت سی باتیں دیکھتا ہے اور خود آپ ﷺ کو بھی اس سے کچھ عرصہ قبل سچے اور مبارک خواب دکھائے گئے جو وحی الٰہی کا دیباچہ و تمہید تھے اور آفتاب رسالت کے طلوع سے قبل والی صبح صادق تھی، جن سے آپ ﷺ کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ القاء غیبی کی بہت سی صورتیں ہیں اور ان پر اللہ کو قدرت کاملہ ہے اور ان میں اصل وحی کے نزول اور وحی الٰہی کی قراءت پر قدرت کا ثبوت مکمل طور پر موجود ہے تو ان

● پہلی مرتبہ ﴿اِقْرَاْ﴾ نفس قرأت مطلوب ہونے کی حیثیت سے فرمایا گیا تو دوسری مرتبہ اس امر سابق کی تعمیل پر آمادہ ہونے اور اس کی عملی صورت میں پورا کرنے کے لئے کہا گیا کہ بس پڑھیے، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اقراء اول سے علوم باطنیہ کا پڑھنا مراد ہے اور اقراء ثانی سے علوم ظاہرہ۔ لیکن پہلی توجیہ عربیت کی رو سے زیادہ قوی ہے۔ ۱۲

امور کے باعث آپ ﷺ کو یہ خطاب الٰہی ہے ﴿اِقْرَاْ﴾ اوران دلائل کے پیش نظر اب اس جواب کی گنجائش نہیں۔ ما انا بقاری ● الغرض قدرت خداوندی کے یہ عظیم اور واضح دلائل اور نشانیاں ہوتے ہوئے اس امر کی گنجائش اور توقع نہ تھی کہ کوئی شخص اللہ کی خالقیت اور اس کی ربوبیت و وحدانیت سے انکار کرے مگر افسوس خبردار! بے شک یہ سرکش انسان بہت ہی حد سے بڑھ جاتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ بے نیاز ہو گیا ہے۔ مال و دولت نے اس کو غنی کر دیا بلاشبہ یہ ایسے انسان کی غلطی اور بہت بڑا دھوکہ ہے اے مخاطب تجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یقیناً تیرے رب کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ اور جس پروردگار نے اس کو پہلے پیدا کیا اسی کو طرف آخر لوٹنا ہے، اس وقت ایسے مغرور و سرکش انسان کی نخوت اور کا غرور و تکبر سب کچھ ختم ہو جائے گا اور اس سرکشی و خود فراموشی کی حقیقت کھل جائے گی نہایت ہی حیرت اور افسوس کا مقام ہے، انسان باوجود ان دلائل و شواہد کے اپنے خالق کو نہ مانے اس سے بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ دوسروں کو بھی رب حقیقی کی بندگی اور عبادت سے روکے تو اے مخاطب کیا دیکھا تو نے اس بدبخت انسان کو جو روکتا ہے اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ کو اللہ کی بندگی سے جب وہ نماز پڑھے تو ظاہر ہے کہ اس تمرد اور سرکشی سے بڑھ کر کیا درجہ ہو سکتا ہے کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رہا ہے دوسرے کو بھی خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتا۔ جیسا کہ ابوجہل لعین نے آنحضرت ﷺ کو حرم میں جب نماز پڑھتے دیکھا تو برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ اگر میں نے آئندہ محمد ﷺ کو دیکھا کہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں تو میں العیاذ باللہ انکی گردن روند ڈالوں گا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرے گا تو خدا کے فرشتے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے، اس طرح کہ لوگ اس منظر کو عیاناً دیکھتے ہوں گے۔ ●

بھلا اے مخاطب تو نے دیکھا اللہ کا یہ بندہ اگر ہدایت پر ہے یا اس نے تقویٰ کا دوسروں کو حکم دیا۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنے کی تلقین کی تو اس میں کون سے بات اس قدر مخالفت اور دشمنی کی تھی بلکہ ان دو باتوں میں اگر صرف ایک ● ہی بات ہوتی تب بھی یہ صفت اس امر کی موجب تھی کہ ایسے بندہ کی موافقت کی جاتی چہ جائیکہ اس کا مقابلہ اور دشمنی تو اس میں غصہ اور اشتعال کی کیا بات تھی؟ لیکن افسوس اس کے برعکس اے مخاطب کیا تو نے دیکھا کہ اگر اس نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر ڈٹا رہا تو ہمارا اس نے کیا بگاڑا خود اپنا ہی نقصان کیا، اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالا، اس قسم کی روش سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس سرکش و نافرمان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اس بات پر بیشمار دلائل موجود ہیں تو کیا اس کو اب تک علم نہیں ہوا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا، اب اس سرکش انسان کو سن

● یہ ہیں وہ پانچ آیات ﴿اِقْرَاْ﴾ سے ﴿مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ تک جو سب سے پہلے غار حرا میں نازل ہوئیں اور ان پانچ آیات میں درحقیقت آغاز وحی پر اقراء کے خطاب پر آپ ﷺ نے ما انا بقارئ کہا تھا اس کا جواب دیا گیا، یا اس پریشانی و حیرت کو دور کیا گیا جو آپ ﷺ پر اس وقت طاری ہوئی تھی، جیسا کہ تفصیل سے ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲

● ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے اس موقع پر بیہودگی سے بات کی اور غصہ سے اونچی آواز سے تہدید و تعجیہ کے انداز میں بولنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوجہل مجھے کیوں دھمکی دے رہا ہے کہنے لگا تمہیں خبر نہیں اس وادی میں میری جماعت سب سے بڑی ہے (یعنی میں چیئرمین پارٹی ہوں) تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ﴾ الخ۔ ۱۲

● اس تعبیر میں لفظ او کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

لینا چاہئے کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آ جائے۔ خبردار اگر یہ باز نہ آیا تو ہم گھسیٹیں گے اس کو پیشانی سے پکڑ کر ایسی پیشانی جو جھوٹی نافرمان خطا کار ہے۔ جب کہ دوزخ کے فرشتے پیشانی کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جاتے ہوں گے اور اگر اس کو اپنی جماعت پر ناز ہے جیسا کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ مکہ میری پارٹی سب سے بڑی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی جماعت کو بلا لے ہم بھی بلا لیں گے اپنے پیادے اور جلاد ❶ جو اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈالیں گے، یہ ملائکہ عذاب ہوں گے ایسے مجرمین اور ان کے سرغنہ ابوجہل لعین اصل تو قیامت کے روز عذاب جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے، لیکن اللہ نے ان کے واسطے اس عذاب و ذلت کو دنیا میں بھی مقدر فرما دیا، چنانچہ غزوۂ بدر میں ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دیں گئیں۔ اور یہ مردار لاشیں جب اس گڑھے میں بھر دیں گئیں تو آنحضرت ﷺ نے یہاں کھڑے ہو کر ان پر لعنت ملامت فرمائی۔ ❷

اے مخاطب خبردار! اس قسم کی باتوں سے کبھی مغالطہ اور دھوکہ میں نہ پڑنا، ہرگز اس کی بات نہ ماننا اور نہ اس کی دنیوی وجاہت اور مال و دولت سے متاثر ہونا، بلکہ پورا پورا اجتناب و پرہیز کرنا اور ایسی باتوں سے متاثر ہونے کی بجائے اپنے ہی رب کو سجدہ کرتے رہنا ❸ اور اس کا قرب حاصل کرنا۔ کیونکہ سجدہ بندہ کے واسطے اللہ رب العزت کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے اقرب مایکون العبد من ربه هو ساجد فاكثروا فيه الدعاء فقمن ان يستجاب۔ یعنی بندہ کو اپنے پروردگار سے زیادہ قرب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو، اس وجہ سے سجدہ میں کثرت سے دعا مانگو، قریب تر ہے کہ اس حالت میں تمہاری دعائیں قبول ہو جائیں۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ العلق۔

سورۃ القدر

اس سورت میں خاص طور پر نزول قرآن کی ابتداء اور شب قدر کی عظمت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک رات کو تمام زمانوں اور اوقات میں کیسی برتری عطاء فرمائی کہ اس ایک رات ہی کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر قرار دیا، اور اس میں اللہ کی خاص تجلیات اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، جبریل امین علیہ السلام اور

❶ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل آنحضرت ﷺ کی طرف چلا، جبکہ آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے بے ادبی کرنے کے خیال سے ابھی وہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو کہا کہ مجھے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک دہکتی ہوئی خندق نظر آئی جس کے سامنے مجھے پر رکھنے والی مخلوق نظر آ رہی تھی، زبانیہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے دوزخ کے فرشتے بیان کیئے ہیں۔

❷ الغرض ﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ان مجرمین کے لئے دنیا میں بھی ہوا اور آخرت میں بھی اللہ کے فرشتے ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا انکی ذلت و خواری کے لئے ہوگا، پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت اور کرامت کی چیز ہے تو اس کے ذریعہ کسی کو گھسیٹنا انتہائی تذلیل و تحقیر ہے تو کافر کے جس سر نے غرور و نخوت کی وجہ سے خدا کے سامنے جھکنے سے اعراض کیا، وہ اسی لائق ہے کہ اس کے بل گھسیٹ کر اس کو ذلیل و خوار کیا جائے، چنانچہ یہی وہ چیز ہے جو ارشاد فرمائی گئی۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴾ اعاذنا اللہ عنہ آمین

❸ قرآن کریم میں آیات سجود میں یہ سب سے آخری آیت ہے، اور جمہور فقہاء اس پر وجوب سجدہ کے قائل ہیں۔

فرشتوں کی جماعتیں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اترتی ہیں، عابدین وذاکرین کی مجالس عبادت وذکر میں حاضری ہوتی ہے اور اہل اللہ کے قلوب پر خاص سکینت و باطنی انوار کا ورود ہوتا ہے۔

۹۷ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰياتها ٥ رکوعها ١

إِنَّآ أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ

ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں ف۱ اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر شب قدر بہتر ہے

ہم نے یہ اتارا شب قدر میں۔ اور تو کیا بوجھا کیا ہے شب قدر؟ شب قدر بہتر ہے

أَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ④ سَلٰمٌ هِيَ

ہزار مہینے سے ف۲ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ف۳ ہر کام پر ف۴ امان ہے ف۵ وہ

ہزار مہینے سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے، ہر کام پر۔ امان ہے وہ

حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

رات صبح کے نکلنے تک ف۶

رات صبح کے نکلنے تک۔

ع ۲۲

عظمت شب قدر و ماہ رمضان بنزول قرآن

قَالَ تَعَالٰی: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ... الی ... حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾

ف۱ یعنی قرآن مجید "لوح محفوظ" سے سماء دنیا پر "شب قدر" میں اتارا گیا اور شاید اسی شب سماء دنیا سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنا شروع ہوا۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورۂ "دخان" میں گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف۲ یعنی اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینے تک نیکی کرتا رہا۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔

ف۳ یعنی اللہ کے حکم سے روح القدس (حضرت جبرائیل علیہ السلام) بیشمار فرشتوں کے ہجوم میں نیچے اترتے ہیں تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں۔ اور ممکن ہے "روح" سے مراد فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو۔ بہرحال اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔

ف۴ یعنی انتظام عالم کے متعلق جو کام اس سال میں مقدر ہیں ان کے نفاذ کی تعیین کے لئے فرشتے آتے ہیں۔ کما مر فی سورة الدخان۔ یا "من کل امر" سے امر خیر مراد ہو۔ یعنی ہر قسم کے امور خیر لے کر آسمان سے اترتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۵ یعنی وہ رات امن وچین اور دلجمعی کی رات ہے۔ اس میں اللہ والے لوگ عجیب وغریب طمانیت اور لذت وحلاوت اپنی عبادت کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ اثر ہوتا ہے نزول رحمت و برکت کا جو روح وملائکہ کے توسط سے ظہور میں آتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس رات جبرائیل علیہ السلام اور فرشتے عابدین وذاکرین پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ یعنی ان کے حق میں رحمت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

ف۶ یعنی شام سے صبح تک ساری رات یہی سلسلہ رہتا ہے اس طرح وہ پوری رات مبارک ہے۔

(تنبیہ) قرآن سے معلوم ہوا کہ وہ رات رمضان شریف میں ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾ اور حدیث صحیح میں بتلایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں خصوصاً عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہئے، پھر طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ "شب قدر" ہمیشہ کے لئے کسی ایک رات میں متعین نہیں۔ ممکن ہے ایک رمضان میں کوئی رات ہو، دوسرے میں دوسری۔

ربط:...... گزشتہ سورۃ اقرأ میں آغاز اور ابتداء بعثت کا ذکر تھا، اب اس سورت میں نزول قرآن کا زمانہ اور شب قدر کی فضیلت بیان کی جارہی ہے جس میں اللہ رب العزت نے قرآن جیسی نعمت اور عظیم کتاب ہدایت نازل فرمائی۔

یا یہ کہہ دیجئے کہ گزشتہ سورت میں انسان پر عنایات والطاف خداوندی کا ذکر تھا اور اس کی ترقیات کا، اب اس مناسبت سے انسانی سعادت اور فوز وفلاح کی اصل اساس کتاب الٰہی اور قرآن حکیم کا نزول بیان کیا جارہا ہے کہ وہ شب قدر میں ہوا، جس میں عقائد، عبادات، معاملات، تہذیب نفس، اور سیاست مدینہ کے جملہ اصول واحکام موجود ہیں اور پھر یہ کہ انسان حصول سعادت میں جدوجہد کا محتاج ہے اور عملی زندگی ہی اس کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے امم سابقہ طویل طویل مدتوں تک، عبادات شاقہ کر کے بارگاہ رب العزت میں جو تقرب حاصل کرتی تھیں وہ اس امت کے لئے ایک رات کی چند گھڑیوں میں ہی مقدر فرمادیا، ارشاد مبارک ہے:

بے شک اتارا ہے ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں۔ اور اے مخاطب تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے شب قدر اس کی عظمت وبرکت کیا ہے اور کس وجہ سے کتاب الٰہی اس شب قدر میں اتاری گئی اس کا عنداللہ کیا درجہ ہے اور اس میں عبادت وذکر الٰہی کا اجر وثواب کس قدر ہے؟ اس کی حد اور حقیقت کا بیان تو کسی کے احاطہ فہم میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لے کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر بہتر ہے، یہ ایسی رات ہے کہ اس میں اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس یعنی جبریل امین علیہ السلام اپنے رب کی اجازت اور حکم سے ہر امر خیر لے کر زمین کی طرف اور اللہ کی عبادت کرنے والے ایماندار بندوں کی جانب جو رات سراپا سلام ہے کہ اس کا ایک ایک لحہ سلامتی اور برکت ورحمت کا ہے جس میں فرشتوں کے گروہ پیغام سلامت ورحمت لے کر زمین والوں پر اترتے ہیں ان کے واسطے دعا کرتے ہیں، ان کو سلام کرتے ہیں۔ اور یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔ کہ غروب شمس سے لے کر یہ انوار وبرکات اور اللہ رب العزت کی تجلیات طلوع فجر تک مسلسل رہتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس کے جس حصہ میں بھی عبادت ہوگی وہ ان رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوگی جو اس شب میں اللہ کی طرف سے رکھی گئی ہیں، اس میں قلب کو سکون وسرور حاصل ہوتا ہے اہل اللہ اپنے قلب میں ایک چین وٹھنڈک محسوس کرتے ہیں، خشیت الٰہی کے آثار ان پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور عجیب وغریب کی طمانیت اور لذت وحلاوت اپنی عبادت میں محسوس کرتے ہیں۔

شب قدر ● اور نزول قرآن

اس سورۃ مبارکہ نے واضح طور سے یہ بیان کردیا کہ نزول قرآن لیلۃ القدر میں ہوا سورۃ بقرہ میں حق تعالیٰ شانہ کا

● لفظ قدر دال کے فتح اور سکون کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ دال کے فتح کے ساتھ اسم ہے اور سکون کے ساتھ مصدر، از روئے لغت اس کے ایک معنی اندازہ کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ اور قدر شرف ومنزلت کو بھی کہا جاتا ہے، اہل لسان کہا کرتے ہیں۔ فلان ذو قدر۔ لفلان عند فلان قدر۔ تو لیلۃ القدر میں دونوں کہا جاتا ہے، شرف ومنزلت بھی، اور یہ کہ اس کی عبادت کا اندازہ اللہ کے نزدیک ہزار مہینہ سے بڑھ کر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس وجہ سے بھی اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے کہ اس رات میں سال بھر میں پیش آنے والی باتیں ملاء اعلیٰ سے طے کر دی جاتی ہیں، اور ایک معنی اور لفظ قدر کے تنگی کے بھی ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے اس آیت میں لفظ قدر کا استعمال ہوا ہے ﴿وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ =

ارشاد ہے، ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ جس نے یہ ظاہر کیا کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب قرآن حکیم نازل فرمانے کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ مختص فرمایا اور اس میں مناسبت ظاہر ہے کہ اللہ کا کلام معجز نظام اس کے انوار وتجلیات کا مظہر ہے اور خیرات وبرکات کا سرچشمہ ہے اور رمضان المبارک کا زمانہ اس کو تجلیات کا مظہر ہے اس وجہ سے حکمت الٰہیہ سے بھی مقدر فرمایا گیا کہ قرآن کریم رمضان المبارک اور شب قدر میں نازل ہو اور پھر یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی کے لئے یہ امکان نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیدار خداوندی کر سکے تو اللہ نے اپنا کلام پاک نازل کر دیا اور اس کے کلام میں اس کی تجلیات، اس کا جلال وجمال ہے تو اس طرح محبین وعشاق کے لئے یہ صورت عطا فرما دی گئی کہ وہ اس کا دیدار اس کے کلام میں کر لیں، اس کے کلام میں اس کا جلوۂ جمال وجلال سب کچھ نظر آ جائے گا۔ ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ اور یہ امر بدیہی ہے کہ کلام کے پردہ میں متکلم کا چہرہ نظر آتا ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یہی وہ چیز ہے جو بیان کی گئی۔

چیست قرآن اے کلام حق شناس — رونمائے رب ناس آمد بناس

متعدد احادیث میں ہے کہ توراۃ وانجیل اور زبور بھی ماہ رمضان میں اتاری گئیں، یکم رمضان المبارک کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل ہوئے چھ رمضان کو تورات بارہ رمضان کو زبور اور اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور اخیر عشرۂ رمضان شب قدر میں قرآن کریم نازل فرمایا۔

کوہ طور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بامر خداوندی تیس دن عبادت کی، اس مدت کے پورا ہونے پر اللہ نے مزید دس دن کا اضافہ فرما کر چالیس دن پورے کر دیئے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ چالیس روزے رکھے اعتکاف کیا، اس پر تورات عطا کی گئی۔ اللہ نے اپنی ہم کلامی کا شرف عطا کیا، ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے شوق دیدار پیدا ہوا اور درخواست کر ڈالی ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ جواب ملا۔ ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ﴾ اس کے بعد تجلیات میں سے ایک بہت ہی قلیل مقدار تجلی کوہ طور پر پڑی تو ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ تو یہ جملہ احوال وامور یا کرامات وفضائل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئے خداوند عالم نے ان سب کو رمضان مبارک میں جمع کر دیا، روزہ واعتکاف بھی آ گیا اور اتمام بعشر کی تعداد کو اعتکاف ہی کے ضمن میں ودیعت فرما دیا گیا کہ عشرہ اخیرہ میں اعتکاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ﴿وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ ہو گیا اور رمضان کے تیس دنوں میں ﴿فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً﴾ کا درجہ پورا

= کہ جس کا رزق اس پر تنگ کر دی گیا تو یہ معنی بھی لیلۃ القدر کے عنوان میں موجود ہیں اس طرح کہ کہہ دیا جائے لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اور فضا میں وہ انوار وبرکات پھیل جاتے ہیں کہ زمین اور فضاء اس کے لئے تنگ ہو جاتی ہے، زہری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس رات میں نیک بندوں اور ان کے اعمال صالحہ کی خدا تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ میں بڑی قدر ومنزلت ہے اس وجہ سے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے ابوبکر وراق رحمہ اللہ کہتے ہیں اس رات کو لیلۃ القدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس رات میں اللہ نے جو کتاب اتاری وہ بھی قابل قدر اور خیر الامم ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں لفظ تین بار ان ہی تین عظمتوں کی طرف اشارہ کے لیے لایا گیا ہو۔ ۱۲

ہو گیا، تراویح اور قرآن کریم کی تلاوت میں ﴿وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ کا مقام آ گیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات خداوندی اور کلام ربانی سے شوق دیدار پیدا ہوا تھا مگر جواب ملا تھا۔ ﴿لَن تَرٰىنِيْ﴾ مگر اس امت پر خاص عنایت یہ فرمائی گئی کہ اس نے اپنا کلام قدیم نازل کر کے اسی میں لذت دیدار رکھ دی۔ اسی میں اپنے جلال و جمال کے جلوے ودیعت فرما دئے کوہ طور پر تجلی ظاہر فرمائی گئی تھی تو اس امت کو بھی تجلی خداوندی سے محروم نہ رکھا گیا، شب قدر کی صورت میں اللہ نے اپنی تجلیات وانوار سے نواز دیا، پھر وہ کوہ طور والی تجلی تو بظاہر عظمت وہیبت کے رنگ میں ظاہر وواقع ہوئی تھی جس کا یہ اثر ہوا تھا۔ ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ لیکن حضور اکرم ﷺ کی امت کو جو تجلی عطا کی گئی وہ من کل امر سلام۔ کی شان لے کر لطف وجمال اور سکینت وطمانیت کی شکل میں واقع ہوئی، جس کی ٹھنڈک وطمانیت اہل اللہ اپنے قلوب اور حتی کہ اپنے اجسام میں محسوس کرتے ہیں غرض وہ تمام مقامات جو اللہ نے موسیٰ کلیم اللہ کو عطا فرمائے تھے، رمضان، قرآن اور شب قدر میں امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کو دے دیئے گئے فللہ الحمد والمنۃ۔

حدیث میں ہے کہ جبریل امین علیہ السلام رمضان مبارک میں حضور پرنور ﷺ سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ دور کیا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار وبرکات جو اس ماہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ انوار وبرکات جو راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور دن کے انوار وبرکات روزہ کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اور رات کے انوار وبرکات افطار کی صورت ہیں، بظاہر یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سحر کی تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا، لاتزال امتی بخیر ما عجلوا الفطر واخروالسحور۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "حق تعالیٰ شانہ نے سال بھر کے انوار وبرکات رمضان مبارک میں جمع کر دیئے، اوران تمام برکات کا جوہر عشرۂ اخیرہ میں رکھ دیا اور پھر اس جوہر کا لباب اور عطر شب قدر میں ودیعت فرما دیا۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ مدت نزول قرآن تیئس برس ہے اور حسب ضرورت اور مصلحت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تو اس لحاظ سے شب قدر میں قرآن کریم اتارے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ پورا قرآن کریم لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے بیک وقت اتارا گیا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انزل اللہ القرآن جملة واحدة من اللوح المحفوظ الى البيت العزة من السماء الدنيا ثم نزل مفصلا بحسب الوقائع فی ثلث وعشرين سنة على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم لوح محفوظ سے بیت العزۃ (جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے) پر ایک ہی مرتبہ نازل فرما دیا تھا پھر حسب ضرورت وحکمت تیئس برس کی مدت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آنحضرت ﷺ پر اترتا رہا، اس بناء پر یہ

بات قابل تردد نہ رہے گی کہ ابتداء وحی غار حراء سے ہوئی، اور غار حراء کا واقعہ بروایت مؤرخین شوال کے مہینہ میں تھا۔

قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ اور لیلۃ مبارکہ کی تفسیر اکثر مفسرین بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ لیلۃ البراءۃ یعنی شعبان کی پندرھویں رات کرتے ہیں، تو بظاہر خلجان ہوسکتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ میں نزول بظاہر لیلۃ القدر میں نزول کے خلاف ہے تو کچھ ائمہ مفسرین نے اس خلجان کو رفع کرنے کے لئے لیلۃ مبارکہ کے معنی لیلۃ القدر کے کردیئے، لیکن بالعموم حضرات مفسرین روایات مرفوعہ کی تفسیر نیز اس وصف کے پیش نظر کہ ﴿فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ﴾ لیلۃ البراءۃ کے معنی کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ صفت لیلۃ البراءۃ ہی کی ہے (جیسا کہ گزر چکا) اس وجہ سے مناسب یہ ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ لیلۃ البراءۃ میں بارگاہ خداوندی سے لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اتارنے کا فیصلہ ہوا اور پھر اس فیصلہ کے مطابق شب قدر میں بیت العزت پر پورا قرآن اتارا گیا اس کے بعد مختلف اور متعدد مواقع اور اماکن میں، آیات قرآنیہ کا نزول ہوتا رہا اور آنحضرت ﷺ ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد کاتبین وحی کو فرماتے کہ اس آیت کو فلاں جگہ اور سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھو، تاکہ اس طرح یہ ترتیب بیت العزۃ اور لوح محفوظ میں جس ترتیب سے قرآن کریم ہے اس کے مطابق ہوجائے۔

شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیت

بعض حضرات مؤرخین و محققین کا اس امر میں اختلاف نقل کیا گیا کہ لیلۃ القدر امم سابقہ میں بھی تھی یا نہیں؟ بعض مؤرخین نے بروایت مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب اللہ کی طرف سے اس امر پر مطلع کیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے پروردگار پھر تو میری امت کے لوگ اعمال صالحہ اور عبادات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے جو پہلی امتوں کے لوگ اپنی طویل ترین عمر کے باعث حاصل کر چکے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو ﴿خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ بنایا۔

علاوہ ازیں حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو تمثیل امم کے مضمون میں وارد ہوئی جس میں آپ ﷺ نے اپنی امت کی مثال بہ نسبت پہلی امتوں کے یہ فرمائی کہ ایک جماعت مزدوری پر صبح سے ظہر تک لگائی گئی اور انہوں نے ظہر تک عمل کیا اور ان کو حسب معاملہ ایک ایک قیراط دے دیا گیا، دوسری جماعت نے ظہر سے عصر تک کام کیا اور ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر تیسری جماعت لائی گئی اور انہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا اور ان کو دو دو قیراط دے دیئے گئے تو پہلی جماعتوں نے اعتراض کیا۔ نحن اکثر عملا، اقل اجرا فقال هل ظلمتم وهذا فضلي اوتيه من اشاء، کہ اے آقا ہم نے کام تو زیادہ کیا اور مزدوری ہم کو کم ملی یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے کام کم کیا ان کو اجرت زیادہ دی گئی تو مالک نے اس پر کہا کیا تم پر کوئی ظلم کیا گیا بلکہ جو طے ہوا تھا وہ دے دیا گیا اور یہ جو زائد اس آخری جماعت کو دیا گیا یہ تو میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں، تو آنحضرت ﷺ نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا، اے میری امت کے لوگو! بس تم ہی ہو وہ جو عصر سے لے کر مغرب تک کام کرنے والے ہو اور اس مختصر وقت میں عمل کر کے اجرت اور ثواب تم ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر رہے ہو جو

عمل تم سے بہت زیادہ کرنے والے تھے۔

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شب قدر رمضان کے عشرہ اخیرہ کی کسی بھی طاق رات میں ہے ۲۱ سے لے کر ۲۹ تک کوئی بھی شب ہوتی ہے اور حکمت خداوندی سے اس کو مخفی ہی رکھا گیا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جو ۲۱ سے ۲۷ کی روایت صحاح میں منقول ہے وہ ان علامات کو دیکھنے کی بناء پر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب قدر کی ذکر فرمائی تھیں تو جس نے جو علامت جس رات میں دیکھی اسی کے بارے میں بیان کر دیا اور اللہ کی حکمت اسی کو متقاضی تھی کہ ایک نوع سے اس کو اگر ظاہر کر دیا گیا تو دوسری نوع سے اس کو مبہم رکھا جائے تو اس لحاظ سے علامات میں ایسی علامات بیان کی گئیں جو شب قدر گزرنے کے بعد ظاہر ہوں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ رات ہے جس کے بعد صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاعیں نہ ہوں گی بلکہ صرف اس کا قرص نظر آتا ہوگا جس طرح کہر اور ہلکے بادلوں میں شعاعوں کے بغیر سورج نظر آتا ہو (تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر روح المعانی اور کتب حدیث ملاحظہ فرمائیں)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القدر۔

سورۃ البینہ

اس سورت کا نام سورۃ لم یکن بھی ہے لیکن جمہور مفسرین نے بروایت صحیحہ اس کا نام سورۃ البینہ اختیار کیا ہے، یہ سورت اکثر حضرات محدثین و ائمہ مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے بعض مفسرین نے اس کو مکیہ بھی کہا ہے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو مکیہ ہی فرمایا کرتی تھیں اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب تک کوئی بینہ (دلیل و حجت) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اس میں اتمام حجت کے طور پر بھی فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس طرح کا عذر اور بہانہ بناتے ہیں، حالانکہ اللہ کا رسول اور ان کی بعثت و نبوت ان کے کمالات و اوصاف بذات خود بینہ ہیں، قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے سے بڑھ کر اور کون سا بینہ ہوگا، تو اس ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اعراض و بے رخی اور دلائل خداوندی سے بے توجہی کا ذکر ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ عبادت کی روح اخلاص و توحید ہے، اخیر میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل سعادت اور اہل شقاوت کا آخرت میں کیا انجام ہوگا اور اس پر بطور نتیجہ یہ امر مرتب کا گیا کہ "سعداء" خیر البریہ ہیں اور وہ کفار و منکرین جو شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہیں شر البریہ ہیں۔

(۹۸) سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۰) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک ف۱ باز آنے والے یہاں تک کہ پہنچے ان کے پاس

نہ تھے وہ لوگ، جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے باز آتے، جب تک کہ پہنچے ان کو

ف۱ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہوئے، اور مشرکین وہ قومیں جو بت پرستی یا آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھیں اور کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔

الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ

کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک ف۱ اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط ف۲ اور وہ جو پھوٹ

کھلی بات۔ ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک۔ اس میں لکھی کتابیں مضبوط اور پھوٹے جو ہیں،

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ

پڑی اہل کتاب میں سو جب کہ آچکی ان کے پاس کھلی بات ف۳ اور ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی

جن کو ملی ہے کتاب، سو جب آ چکی ان کو کھلی بات، اور ان کو حکم یہی ہوا کہ عبادت کریں اللہ کی،

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

خالص کر کے اس کے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر ف۴ اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی ف۵

نری کر کر اس کے واسطے بندگی۔ ابراہیم کی راہ پر، اور کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ، اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

اور جو منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہوں گے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اس میں ف۶

وہ جو منکر ہوئے کتاب والے اور شریک والے دوزخ کی آگ میں، سدا رہیں اس میں۔

ف۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے۔ اور ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور تھا۔ اب چاہیے کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آجائیں تو یہ ممکن نہ تھا جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب اس کی قوی مدد ہو کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت و عزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے۔ چنانچہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک ورقوں میں لکھی ہوئی ہے۔

ف۲ یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کر دیے گئے ہیں یا "کتب قیمۃ" سے علوم و مضامین مراد ہیں۔ یعنی اس کے علوم صحیح و راست اور مضامین نہایت مضبوط و متعدل ہیں۔

ف۳ یعنی اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کتاب کے آئے پیچھے شبہ نہیں رہا۔ پھر اب اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں۔ شبہ سے نہیں، اسی لئے ان میں دو فریق ہو گئے۔ جس نے ضد کی منکر رہا۔ جس نے انصاف کیا ایمان لے آیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس پیغمبر آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے آنے پر اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے سب وحدت و اجتماع کو خلاف و شقاق کا ذریعہ بنا لیا۔ جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا۔

(تنبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیز نے یہاں "البینۃ" کا مصداق حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ٹھہرایا ہے۔ یعنی جب حضرت مسیح کھلے کھلے نشان لے کر آئے یہود دشمن ہو گئے۔ اور نصاریٰ نے بھی دنیاوی اغراض میں پھنس کر اپنی جماعتیں اور پارٹیاں بنالیں۔ مدعا یہ ہے کہ پیغمبر کا آنا اور کتاب کا نازل ہونا بھی بغیر حضرت حق کی توفیق کے کفایت نہیں کرتا۔ کتنے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں جن کو توفیق نہیں ملتی وہ اسی طرح خسارے میں پڑے رہتے ہیں۔

ف۴ یعنی ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور ابراہیم علیہ السلام حنیف کی طرح سب طرف سے ٹوٹ کر اسی ایک مالک کے غلام بن جائیں۔ تشریع و تکوین کے کسی شعبہ میں کسی دوسرے کو خود مختار نہ سمجھیں۔

ف۵ یعنی یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہی ہیں، انہی کی تفصیل یہ پیغمبر کرتا ہے۔ پھر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔

ف۶ یعنی علم کا دعویٰ رکھنے والے اہل کتاب ہوں، یا جاہل مشرک، حق کا انکار کرنے پر سب کا انجام ایک ہے وہی دوزخ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ

وہ لوگ ہیں سب خلق سے بدتر ف۱ وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب خلق

وہ لوگ ہیں بدتر سب خلق کے۔ وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام، وہ لوگ بہتر ہیں

الْبَرِيَّةِ ⑦ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

سے بہتر ف۲ بدلہ ان کا ان کے رب کے یہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں سدا رہیں ان میں

سب خلق کے۔ بدلہ ان کا ان کے رب کے ہاں، باغ ہیں بسنے کے، نیچے بہتی ان کے نہریں، سدا رہیں ان میں

أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ⑧

ہمیشہ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ف۳ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے ف۴

ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

ذات رسول کریم ﷺ وآیات قرآن سرچشمہ علوم وبرہان ہدایت

قال تعالیٰ: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا ... الی ... ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ﴾

ربط: ......گزشتہ سورت القدر میں شب قدر کی عظمت وفضیلت کا ذکر تھا، اس مناسبت سے اب اس سورت میں قبولیت عبادت کی اساس بیان کی جارہی ہے کہ وہ بندہ کا اخلاص اور قلب کی طہارت ہے اور اسی کا نام حنیفیت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شعار تھا، نیز یہ کہ سورۃ قدر میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی گئی تھی تو اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے اصول بیان کئے گئے تاکہ ایمان وکفر اور ہدایت وگمراہی میں کسی کو التباس نہ رہے، تو ارشاد فرمایا:

نہیں تھے باز آنے والے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور مشرکین یہاں تک کہ نہ آجائے انکے پاس واضح دلیل وحجت، وہ واضح دلیل وحجت اللہ کا رسول جو ان کے سامنے تلاوت کرتا ہے، ایسے صحیفے جو پاکیزہ ہیں جن میں ایسے مضامین ہیں لکھے ہوئے جو نہایت ہی درست اور مضبوط ہیں وہ صحیفے اور مکتوب مضامین قرآن کریم کی آیات ہیں، جن کی مضبوطی اور دلائل وبراہین کی رو سے استقامت میں ذرہ برابر فرق نہیں فلاح وسعادت کے اصول ایسے روشن ہیں کہ کسی قسم کا ابہام وخفا نہیں، تو اللہ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذات خود ایک بینہ اور کھلا ثبوت ہے، پھر اس رسول خدا کا قرآن کریم جیسی پاکیزہ کتاب اور بلند پایہ مضامین رشد وفلاح کی عظمت وبلندی کی بھی کوئی حد نہیں، اللہ کے اسی رسول کی اور ان کی طرف

ف۱ یعنی بہائم سے بھی زیادہ ذلیل اور بدتر۔ کما قال فی سورۃ "الفرقان" ﴿إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾

ف۲ یعنی جو لوگ سب رسولوں اور کتابوں پر یقین لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہی بہترین خلائق ہیں حتی کہ ان میں سے بعض افراد بعض فرشتوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

ف۳ یعنی جنت کے باغوں اور نہروں سے بڑھ کر رضاء مولیٰ کی دولت ہے۔ بلکہ جنت کی تمام نعمتوں کی اصلی روح یہی ہے۔

ف۴ یعنی یہ مقام بلند ہر ایک کو نہیں ملتا۔ صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو اپنے رب کی ناراضی سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کی نافرمانی کے پاس نہیں جاتے۔

سے تلاوت آیات ہی کی یہ برکت تھی کہ دور جاہلیت کے وہ عرب جو کفر کی ظلمتوں میں غرق تھے نور ہدیت سے مشرف ہوئے، ورنہ توقع نہ تھی کہ اس طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے والی قوم راہ راست پر آتی۔

بہرکیف اس واضح دلیل اور کتاب ہدایت کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ کم از کم اہل کتاب جو کہ اہل علم وفہم تھے وہ ایمان لاتے اور اس سعادت کی طرف دوڑتے لیکن عجیب بات کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے برعکس نہیں مختلف ومتفرق ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ثبوت آچکا۔ خودان کی کتابوں اوران کے انبیاء کے ذریعے کو یہی رسول خدا اللہ کے آخری سچے رسول ہیں اوران پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم اللہ کا کلام ہے [1] تو اس طرح اہل کتاب میں سے کچھ ایمان لائے جیسے کعب احبار رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ اور کچھ نہ انکار کیا محض عناد اور تعصب کی وجہ سے جب اہل کتاب ہی علم اور دلائل کی معرفت کے باوجود اللہ کے رسول اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے بجائے مختلف ومتفرق ہوگئے تو مشرکین کا کیا کہنا وہ نہ کتاب والے تھے اور نہ ان کے پاس کسی نبی کی کوئی شہادت اور بشارت تھی، بہرکیف ایسے رسول عظیم اور کتاب بلند پایہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب مل کر حق کو قبول کرتے اور کوئی بھی گروہ اس میں اختلاف نہ کرتا۔ حالانکہ ان کو تو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ بس اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کیلئے اپنی عبادت کو خالص کرتے ہوئے کہ غیر اللہ کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو یکسو ہو کر ہر باطل سے اپنا منہ موڑ کر اور احکام خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، بس یہی طریقہ ہے مضبوط اور صحیح ملت وشریعت کی پیروی کا اسی کی اتباع وپیروی میں ہدایت اور نجات مضمر ہے۔

جب کہ اس کا میثاق اہل کتاب سے لے لیا گیا تھا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ، وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا، وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ، لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ﴾ الخ تو اس عہد وپیمان کا تقاضا یہی تھا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے پابندی سے احکام دین کی اطاعت کرتے مگر بہت سے اہل کتاب نے ایسا نہ کیا تو اس طرح نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لانے اور قرآن کریم کو نہ ماننے سے خود اہل کتاب نے اپنی کتاب کا اور خود اپنے رسول ہی کا کفر کیا، اس وجہ سے بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر وکافر ہوئے اور مشرکین وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بلاشبہ بدترین خلائق ہیں اور بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیکی کے کام کئے وہ بہترین خلائق ہیں جن کے ایمان واعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ ان کے پروردگار کے نزدیک باغات ہوں گے ہمیشہ رہنے والی بہشت کے جن کے محلات کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے نہ ان نعمتوں کا زوال ہوگا اور نہ ہی یہ لوگ ان نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جائیں گے جیسے انسان دنیا کی نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جاتا ہے، ان انعامات کی عظمت وبرتری اپنی جگہ بہت بڑی چیز ہے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، مزید ان سب نعمتوں سے بڑھ کر اللہ کی رضاء ایک انعام خاص ہوگا خدا ان سے راضی ہوگا اور یہ خدا کی عنایات ورحمتوں سے خوش

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہاں البینہ کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دیا ہے جو کھلی نشانیاں لے کر آئے اور فارقلیط کی بشارت سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت سنائی اور ان پر ایمان لائے۔

ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایمان اخلاص احکام دین کی پابندی پھر اس پر انعامات خداوندی جنت اور جنت کی بے پایاں نعمتیں اور ان سب سے بڑھ کر اللہ کی رضاء وخوشنودی اس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو خشیت وتقوی ہی ❶ ہی ان تمام تر کمالات اور فوز وفلاح کی اصل بنیاد ہے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ البینۃ

سورۃ الزلزال

سورۃ الزلزال مدنی سورت ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا گیا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عطاء رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ کا قول بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی بظاہر اس قول کا منشاء یہ ہوگا کہ اس سورت کا اسلوب بیان مکی سورتوں جیسا ہے کہ قیامت اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس کی آٹھ آیات ہیں۔

ربط:...... اس سے قبل سورت میں ﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ الخ اہل ایمان وطاعات پر ہونے والے انعامات کا بیان تھا، ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو یہ بشارت سن کر شوق وانتظار ہوسکتا تھا کہ یہ نعمتیں انکو کب ملیں گی تو اب اس سورت میں اس کا وقت بتایا جارہا ہے کہ وہ روز قیامت ہے اور قیامت کس حقیقت کا عنوان ہے اس کو بھی واضح کیا جارہا ہے اور اس کی آمد پر جو انقلاب برپا ہوگا وہ بھی ذکر کیا جارہا ہے اور کس طرح آسمان وزمین اور نظام کائنات درہم برہم کردیا جائے گا؟ ان امور کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی واضح کردیا گیا کہ انسان کا عمل خواہ اچھا ہو یا برا اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا کسی کا عمل خیر ضائع نہیں ہوتا اور کوئی شخص برے عمل کے انجام اور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

(۹۹ سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰياتها ۹ ركوعها ۱)

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا

جب ہلا ڈالے زمین کو اس کے بھونچال سے ف۱ اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ ف۲ اور کہے آدمی اس کو

جب ہلائیے زمین کو اس کے بھونچال سے۔ اور نکال ڈالے زمین اپنے بوجھ۔ اور کہے گا آدمی اس کو

ف۱ یعنی حق تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس کے صدمہ سے کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا درخت زمین پر قائم نہ رہے گا۔ سب نشیب وفراز برابر ہوجائیں گے۔ تاکہ میدان حشر بالکل ہموار اور صاف ہوجائے اور یہ معاملات قیامت میں نفخ ثانی کے وقت ہوگا۔

ف۲ یعنی اس وقت زمین جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے۔ مثلاً مردے یا سونا چاندی وغیرہ سب باہر اگل ڈالے گی۔ لیکن مال کا کوئی لینے والا نہ ہوگا۔ سب دیکھ =

❶ یہ سورت اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت ہی بلند پایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ محدثین نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابی اللہ نے مجھے اس بات کا امر فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۃ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پڑھوں اور تم کو پڑھ کر سناؤں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا اللہ نے میرا نام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اللہ نے تمہارا نام لے کر ہی کہا ہے، انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور بیقراری کے ساتھ ان پر گریہ طاری ہوا اور زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے، وقد ذکرت عند رب العالمین۔ اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں۔ ۱۲

لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

کیا ہوگیا ف۱ اس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اس کو ف۲ اس دن ہو پڑیں گے لوگ

کیا ہوا؟ اس دن بتادے گی اپنی باتیں، اس واسطے کہ اس کے رب نے حکم بھیجا اس کو۔ اس دن ہو پڑیں گے لوگ

اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

طرح طرح پر ف۳ کہ ان کو دکھا دیے جائیں ان کے عمل ف۴ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے کی

بھانت بھانت کہ ان کو دکھایئے ان کے کئے۔ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی، وہ دیکھ لے گا۔ اور جس نے کی

ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧

ع ۱/۸ ۲۲

ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے ف۵

ذرہ بھر برائی، وہ دیکھ لے گا۔

حوادث وزلازل بوقت وقوع قیامت

قَالَ تَعَالٰى: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ... الى ... ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت کا مضمون اہل سعادت وشقاوت کے اعمال وافعال اوران کے انجام پر مشتمل تھا اور اصول سعادت اور حق تعالیٰ کے انعامات کے استحقاق کی بنیاد یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ خشیت خداوندی ہے اور ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا جا رہا ہے کہ وہ قیامت ہے اور قیامت کا قائم ہونا، نظام عالم کا درہم برہم ہوجانا ہے اور وہی دن زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا رہے کس طرح میں احکم الحاکمین کے روبرو کھڑا ہوں گا تو ارشاد فرمایا:

= لیں گے کہ آج یہ چیز جس پر ہمیشہ لڑا کرتے تھے کس قدر بیکار ہے۔

ف۱ یعنی آدمی زندہ ہونے اور اس زلزلہ کے آثار دیکھنے کے بعد یا ان کی روحیں عین زلزلہ کے وقت حیرت زدہ ہو کر کہیں گی کہ اس زمین کو کیا ہوگیا جو اس قدر زور سے ہلنے لگی اور اپنے اندر کی تمام چیزیں ایک دم باہر نکال پھینکیں۔

ف۲ یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کیے تھے سب ظاہر کر دے گی۔ مثلاً کہے گی فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی، فلاں نے چوری کی تھی۔ فلاں نے خون ناحق کیا تھا، وغیر ذٰلك۔ گویا آجکل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کئے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں۔ قیامت میں وہ پروردگار کے حکم سے کھول دیے جائیں گے۔

ف۳ یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدان حشر میں طرح طرح کی جماعتیں بن کر حاضر ہوں گے۔ ایک گروہ شرابیوں کا ہوگا، ایک زانیوں کا، ایک ظالموں کا، ایک چوروں کا، وعلی ہذا القیاس۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہو کر جو لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہو کر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائیں گی۔

ف۴ یعنی میدان حشر میں ان کے عمل دکھلا دیے جائیں گے، بدکاروں کو ایک طرح کی رسوائی اور نیکوکاروں کو ایک قسم کی سرخروئی حاصل ہو یا ممکن ہے اعمال کے دکھلانے سے ان کے ثمرات ونتائج کا دکھلانا مراد ہو۔

ف۵ یعنی ہر ایک کا ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہوگا اور حق تعالیٰ جو کچھ معاملہ ہر ایک عمل کے متعلق فرمائیں گے وہ بھی آنکھوں سے نظر آجائے گا۔

جس وقت کو ہلادی جائے گی زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہئے اور جس قدر بھی اس کو ہلایا ❶ جاسکے اس کی عظمت کے لحاظ سے اس نوعیت سے کہ اب نفخ صور کے بعد قیامت برپا ہوتی ہے تو ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ جس سے پہاڑ اور بڑی سے بڑی بلند وبالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہوجائیں گی اور سمندر ابلنے لگیں گے جیسا کہ فرمایا گیا ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾۔

اور نکال ڈالے گی زمین اپنے اندر کے بوجھ خزانے، دفینے اور گڑے ہوئے مردے اور جو بھی کوئی چیز اس کی تہوں میں دبی ہوئی ہو۔ ❷ اس ہیبت ناک زلزلہ سے سب کچھ باہر آجائے گا اور انسان کہے گا کیا ہوگیا ہے اس زمین کو اس کے باغات عمارتیں کہاں گئیں، اور اس کی وہ رونق جس پر لوگ فریفتہ تھے کہاں چلی گئی، مال ودولت پر انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے قتل دغارتگری پر آمادہ رہتے تھے لیکن ہائے اب اس زمین کے اندر سے یہ سارے خزائن باہر اگلے پڑے ہیں اور منکر لوگ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو یہ سب مردے باہر نکل پڑیں گے یہ دن وہ ہوگا کہ زمین بیان کرے گی اپنے واقعات کو اور ان حالات وافعال کو جو اس پر کئے گئے زمین کے جس ٹکڑے پر گناہ ہوا تو وہ بتائے گی کہ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا، جہاں قتل ہوا وہ جگہ بتائے گی کہ یہاں فلاں نے فلاں کو قتل کیا اور جس جگہ کسی نے نماز پڑھی ہوگی یا جو بھی عمل عبادت کا کیا ہوگا وہ گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی ہے، غرض نیک وبد ہر کام اور عمل کی خبر دیتی ہوگی۔ اس وجہ سے کہ اے مخاطب تیرے رب نے اس کو اس امر کی وحی کی ہے۔ کہ وہ اپنے اوپر کئے ہوئے کام کی خبر کردے تو جس طرح زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اگل دے گی اسی طرح اس پر پیش آنے والے احوال وافعال کو بھی اگل دے گی اور ظاہر ❸ کردے گی۔ یہ دن وہ ہوگا کہ لوگ لوٹتے ہوں گے مختلف ٹولیوں کی صورت میں۔ دربار عدالت اور پیشی کے مقام سے اپنے مختلف منازل اور جگہوں کی طرف تا کہ ان کو دکھائے جائیں ان کے اعمال اور اعمال کا بدلہ جو میدان حشر میں حساب وکتاب کے بعد طے کردیا گیا، یہ دن یوم جزاء ہے تو جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا ضرور اس کو دیکھ لے گا۔ خواہ وہ عمل اور نیکی کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہو بلاشبہ اس کو کی ہوئی نیکی کا بدلہ مل کر رہے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا یقیناً

❶ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ عرب کے کسی فصیح وبلیغ شاعر نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ تو جب یہ آیت نازل ہوئی اور لفظ زلزالا کے بجائے زلزالها۔ ہوا تو وہ اس کو سن کر وجد میں آ گیا کیونکہ زلزالا محض مصدر زلزلہ کی عظمت وہیبت بیان کرنے سے قاصر تھا، قرآن نے جب اس کو مصدر اضافت الی الارض کی صورت میں بیان کیا تو معنوی عظمت وبلندی کی حد نہ رہی اور بے ساختہ بول اٹھا میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔

❷ امام مسلم رحمہ اللہ اور ترمذی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کردے گی اور چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے نکل باہر آجائیں گے قاتل انکو دیکھ کر حسرت سے کہے گا ہائے میں نے اسی کے لئے قتل کیا تھا قطع رحمی کرنے والا کہے گا ہائے اسی کیلئے میں نے قطع رحمی کی اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اسی کی وجہ سے (چوری میں) میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر آواز دی جائے گی اٹھالو اس کو مگر وہ کچھ بھی نہ لے سکیں گے اور اسی آواز اور حالت میں قیامت برپا ہوجائیگی۔ ۱۲

❸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز یہ ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ تلاوت کر کے فرمایا جانتے ہو کہ زمین کا خبر دینا کیا ہے، لوگوں نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، خدا اور اس کا رسول ہی بہتر اور خوب جانتا ہے۔

فرمایا اس کا خبر دینا یہ ہے کہ وہ گواہی دے گی فلاں نے مجھ پر یہ عمل کیا، فلاں نے مجھ پر یہ کام کیا تو بس یہی اس کا خبر دینا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ﴿أَوْحَىٰ لَهَا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے گا کہ اے زمین بول وہ اس حکم کو سنتے ہی سارے راز اگلنے لگے گی جیسے کہ اس نے اپنے اندر کے سارے خزانے اگلے اور نکالے۔ ۱۲

وہ اس کو دیکھ لے گا اور اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، کیونکہ انسانوں کو یہ بات پہلے ہی بتادی گئی تھی اور قانون مجازات کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ کہ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے فائدہ کیلئے کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو اس کا انجام بھی تمہارے نفسوں کے لئے واقع ہوگا۔

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ آیت یکتا اور جامع ہے کعب احبار رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دو آیات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ تورات وانجیل کا خلاصہ ہیں اور لب لباب ہیں، ایک روایت میں ہے کہ سورۃ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ کی تلاوت کا ثواب نصف قرآن کا ثواب ہے۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ الزلزال۔

سورۃ العٰدیٰت

اکثر مفسرین نے اس کو مکی سورت ہی کہا ہے ابن مسعود، جابر و حسن بصری اور عکرمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی، لیکن جمہور نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس سورت کا موضوع بھی سورۃ الزلزال کے موضوع کی طرح نیکی اور بدی کا انجام ہے بیان کرنا ہے۔ اور ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ سلیم الطبع انسان اس کو قبول کرنے میں قطعاً تامل نہیں کر سکتا اس کے ساتھ بالخصوص اس امر کو بیان کیا گیا کہ گھوڑے باوجود جانور ہونے کے اور ان عقلی وفکری صلاحیتوں سے محروم ہونیکے جو ان کو دی گئی ہیں۔ اپنے مالک کے کس قدر وفادار ہیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو کس قدر مہالک اور شدائد میں ڈالتے ہیں اور اپنے مالک کے دشمن کا مقابلہ کس مستعدی اور ہمت سے کرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسان اشرف المخلوق ہو کر بھی اپنے آقا کا نافرمان ہے اس کا شکر نہیں کرتا، اور نہ ہی اس کی اطاعت وفرماں برداری میں کوئی جفاکشی وہمت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے بالمقابل حرص ولالچ اور نفس کی شہوات ہی کی اتباع میں لگا رہتا ہے جس کا انجام سوائے ہلاکت وتباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب اس پر موقوف ہے کہ وہ فکر آخرت سے غافل ہے۔

۱۰۰ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ایاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾

قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر ف۱ پھر غارت ڈالنے والے صبح کو ف۲ پھر اٹھانے والے اس میں گرد ف۳

قسم ہے دوڑتے گھوڑوں کی، ہانپتے، پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر، پھر دھاڑ دیتے صبح کو، پھر اٹھاتے اس میں گرد۔

ف۱ یعنی جو پتھریا پتھریلی زمین پر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔

ف۲ عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی تاکہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعتاً جا پڑیں اور رات کو حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے۔

ف۳ یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جبکہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے عموماً غبار دبا رہتا ہے۔ ان کے ٹاپوں سے اس وقت بھی بہت گرد وغبار اٹھتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ

پھر گھس جانے والے اس وقت فوج میں ف۱ بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے ف۲ اور وہ آدمی اس کام کو سامنے دیکھتا ہے ف۳ اور آدمی محبت پر

پھر پیٹھ جاتے اس وقت فوج میں، بے شک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے، اور وہ یہ کام سامنے دیکھتا ہے، اور آدمی محبت پر

الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ

مال کی بہت پکا ہے ف۴ کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو کچھ قبروں میں ہے اور تحقیق ہو دے جو کچھ کہ جیوں میں ہے ف۵ بیشک

مال کے مضبوط ہے۔ کیا نہیں جانتا وہ وقت؟ کہ کریدے جاویں جو قبروں میں ہیں۔ اور تحقیق ہو جو جیوں میں ہے۔ بے شک

رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱

ع ۱ ۱۱ ۲۵

ان کے رب کو ان کی اس دن سب خبر ہے ف۶

ان کے رب کو ان کی اس دن سب خبر ہے۔

ف۱ یعنی اس وقت بے خوف و خطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔

(تنبیہ) ممکن ہے کہ قسم کھانا گھوڑوں کی مقصود ہو جیسا کہ ظاہر ہے، اور ممکن ہے مجاہدین کے رسالہ کی قسم ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے۔ اس سے بڑا کون عمل ہوگا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر ہے۔"

ف۲ یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفروشی و جانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار و شکر گزار بندے ایسے ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق ہے بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا از بان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں، تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔

ف۳ یعنی سرفروش مجاہدین کی اور ان کے گھوڑوں کی وفاشعاری اور شکرگزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر بھی بے حیا ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

(تنبیہ) ترجمہ کی رعایت سے ہم نے یہ مطلب لکھا ہے۔ ورنہ اکثر مفسرین اس جملہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ انسان خود اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ ذرا اپنے ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکرا ہے بعض سلف نے "انہ" کی ضمیر رب کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اس کا رب اس کی ناسپاسی اور کفران نعمت کو دیکھ رہا ہے۔

ف۴ یعنی حرص و طمع اور بخل و امساک نے اس کو اندھا بنا رکھا ہے۔ دنیا کے زر و مال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا، نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

ف۵ یعنی وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کئے جائیں گے اور دلوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی اس وقت دیکھیں یہ مال کہاں تک کام دے گا اور نالائق ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر دکھائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر ایسی حرکتیں نہ کرتے۔

ف۶ یعنی ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے۔ لیکن اس روز اس کا علم ہر شخص پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور کسی کو گنجائش انکار کی نہ رہے گی۔

سرگرمی بہائم دراطاعت مالک ونافرمانی وناشکری انسان بآقاء رب العالمین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ... الی ... اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت میں مجازات اعمال کا قانون بیان کیا گیا تھا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں جو بھی نیکی یا بدی کا عمل کرے گا روز قیامت کا اس بدلہ پا کر رہے گا، اب اس سورت میں انسان کی غفلت ولا پرواہی اور اپنے رب کی ناشکری کی مذموم خصلت بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ دراصل اس روش کا منشاء حرص مال، لالچ اور نفس کی خواہش ہے، اس کے پیچھے پڑ کر انسان اپنے رب کو بھلا دیتا ہے اور اس سے غافل ہوجاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ ہونا اور قیامت کا دن حساب وکتاب اور اعمال کے بدلہ کا دن ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے اپنے مالک کی اطاعت ومحبت میں اور اس کے دشمنوں کو شکست دینے کے لئے میدان معرکہ میں اس شدت وقوت سے دوڑتے ہیں کہ ہانپتے ہوتے ہیں پھر کہیں پتھروں اور پہاڑوں پر ٹاپیں مار کر آگ چمکاتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں پر ان کی دوڑ اور تیز رفتاری سے ان کے نعل آگ جھاڑتے ہوتے ہیں۔ پھر تاخت وتاراج ڈالنے والے ہوتے صبح کے وقت کہ علی الصباح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر قوموں کا یہ دستور ہے کہ دشمن پر یلغار وحملہ صبح ہی کے وقت کیا جاتا ہے پھر اڑانے والے یا اٹھانے والے ہوتے ہیں، اس سے گرد وغبار پھر گھس جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک فوج میں ان پر حملہ کرتے ہوئے اس بات سے بے پروا ہوتے ہوئے کہ دشمنوں کی فوج پر حملہ کر کے وہ زندہ بھی بچیں گے یا نہیں، غرض اس طرح یہ گھوڑے اپنے آقا کی اطاعت اور اس کی وفاداری میں سرگرم محنت ومشقت ہیں۔ شدائد اور مہالک میں اپنے آپ کو ڈال رہے ہیں، میدانوں اور چٹانوں پر ٹاپیں مارتے ہیں، جس سے گرد وغبار کے ڈھیر اڑ رہے ہیں اور ٹاپ کی رگڑ سے پتھروں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور ان تمام شدائد کو برداشت کرتے ہوئے صبح ہی صبح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں، اور بے دریغ دشمن کی فوجوں کے اندر گھس جاتے ہیں تو یہ کردار ایک حیوان کا ہے جو اپنے آقا اور مالک کے لئے اس کی زندگی کے آخری سانس تک قائم وباقی ہے لیکن اس کے بالمقابل اگر یہ دیکھو کہ انسان اپنی تمام عقلی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ اپنے مالک کا، اپنے خالق کا اور اپنے منعم ومحسن اور پروردگار کا کیا حق ادا کرتا ہے، اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں اس کی کیا سرگرمی اور جدوجہد ہے تو اس کا عمل یہ بتائے گا کہ بے شک انسان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے اور وہ خود اس بات پر مطلع ہے [1] اور جانتا ہے کہ میں اپنے رب کے انعامات کا کوئی حق اور شکر نہیں ادا کر رہا ہوں اور اس کا علم طرز زندگی اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔

ذرا بھی اگر وہ اپنے ضمیر کی طرف توجہ کرے تو خود اندر سے اپنے ضمیر کی یہ آواز سن لے گا کہ وہ بہت ہی ناشکرا ہے۔

اور [2] یہ سب کچھ صرف اس بناء پر ہے کہ بے شک وہ مال کی محبت میں بہت ہی مضبوط ہے۔ حرص مال نے اس کو

---

[1] یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہیں کہ لفظ ﴿عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ﴾ کے ایک معنی مطلع اور باخبر کے ہیں اور دوسرے معنی گواہی اور شہادت کے ہیں۔

[2] ﴿وَالْعٰدِیٰتِ﴾ سے مجاہدین کے گھوڑوں یا مطلق گھوڑوں کی قسم کھا کر ان کی سرگرمی عمل اور اپنے آقا کی فرمانبرداری میں مہالک وشدائد میں گھس جانا =

فکر آخرت سے بھی بیگانہ بنا دیا اور اپنے آقا و مالک سے بھی بے رخی اور بے تعلقی اختیار کر لی ہے، حالانکہ ایسا نہیں چاہئے تھا۔ **تو کیا یہ انسان نہیں جانتا ہے کہ جس وقت باہر نکال لئے جائیں گے وہ تمام مردے جو قبروں میں ہیں** اور ان کو نفخ صور کے بعد زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا **اور پھر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام راز جو سینوں میں ہیں** تو اس وقت انسان دیکھ لے گا کہ یہ کیسا ہیبت ناک دن ہے جس سے وہ غافل بنا رہا اور انکار کرتا رہا اور اس وقت وہ دیکھ لے گا جس مال کی محبت میں وہ خدا کا ناشکرا اور نافرمان رہا وہ مال اس کے قطعاً بھی کام نہ آیا، تو کاش اگر انسان کو اس بات کا علم ہوتا ہرگز یہ روش نہ اختیار کرتا۔

بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز بڑا ہی باخبر ہے [1] کہ انسانوں کے تمام احوال و اعمال کا جیسا دنیا میں احاطہ کئے ہوئے تھا اور زندگی میں کیا ہوا ہر کام اس کی نظروں کے سامنے رہا ہے آج اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے تو اس روز یہ بات ہر ایک پر ظاہر و عیاں ہوگی اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی تو اس طرح اس دن یہ چیز [2] ہر ایک کو خوب نظر آ جائے گی کہ بے شک انکا پروردگار ان کے احوال سے خوب باخبر ہے۔

سورۃ القارعہ

سورۂ قارعہ باتفاق ائمہ مفسرین مکہ سورت ہے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم مفسرین سے اسی طرح منقول ہے مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا مضمون بھی اثبات قیامت اور حشر و نشر کے موضوع کو دلائل سے بیان کرنا ہے اس سے قبل سورتوں میں سعادت و شقاوت کے اصول احوال آخرت اور جزاء وسزا کا ذکر تھا، اب اس سورت میں خاص طور سے وہ ہولناک واقعات جن کو حوادث دہر اور قوارع زمانہ کہا جا سکتا ہے بیان کئے جا رہے ہیں تا کہ انسان غفلت سے چونکے اور فکر آخرت کے لئے تیار ہو جائے، قرآن کریم میں ایسے تمام مضامین اور

= بطور قسم بیان کر کے جواب قسم ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ فرمایا گیا۔ اس جواب قسم کے مناسبت و لطافت قسم اور مقسم بہ کے متعلقات سے بڑی ہی خوبی سے ظاہر ہے۔

[1] استاد محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں "ممکن ہے کہ گھوڑوں کی قسم کھانا مراد ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سواروں کی قسم ہو جن کی سرفروشی اور جانبازی بتاتی ہے کہ وفادار اور شکر گزار بندے ایسے ہوتے ہیں۔

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود گھوڑا زبان حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں، ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا ہے کہ اس کا کوئی پالنے والا ہے مالک ہے جس کی وفاداری کے لئے اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ فوائد عثمانیہ۔

[2] ان الفاظ کا اضافہ اس اشکال کو دور کرنے کے لئے ہے جو یہاں خداوند عالم کے باخبر ہونے کو اس روز کی خصوصیت سے بیان کیا گیا۔

آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والے ہوں۔ بعض ائمہ مفسرین نے قوارع قرآن کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس سورت کی گیارہ آیات میں جس کی ابتداء ہی ایسے ہیبت ناک عنوان سے کی گئی جو طبع بشری کو خواب غفلت سے بیدار کردے اور انسانی جامد قوی میں حرکت پیدا کردے، بالخصوص وزن اعمال کا بیان کرتے ہوئے نجات وکامیابی اور ہلاکت کا راز ظاہر کردیا گیا اور انسانی فطرت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ ہلاکت وبربادی کے راستہ سے اجتناب کرے۔

(۱۰۱) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰیاتھا ۱۱ رکوعھا ۱

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی ف۱ جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے

وہ کھڑکھڑاتی۔ کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی؟ اور تو کیا بوجھا؟ کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی؟ جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے

الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

بکھرے ہوئے ف۲ اور ہوویں پہاڑ جیسے رنگی ہوئی اون دھنی ہوئی ف۳ سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں تو وہ رہے گا من مانتے گزران میں ف۴ اور جس

بکھرے۔ اور ہوویں پہاڑ جیسے رنگی اون دھنی۔ سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں تو اس کو گزران ہے من مانتی۔ اور جس کی ہلکی

مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ

کی ہلکی ہوئیں تولیں تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے اور تو کیا سمجھا وہ

تو اس کا ٹھکانا گڑھا۔ اور تو کیا بوجھا وہ

اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱ ع ۲۶

کیا ہے آگ ہے دہکتی ہوئی ف۵

کیا ہے؟ آگ ہے دہکتی۔

ف۱ مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو صوت شدید سے کھڑکھڑا ڈالے گی۔ مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو۔ بس اس کے بعض آثار آگے بیان کردیے جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہوسکتا ہے۔

ف۲ کہ ہر ایک ایک طرف کو بے تابانہ چلا جاتا ہے۔ گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف، کثرت بیتابی اور حرکت کی بے انتظامی میں ہوئی۔

ف۳ یعنی جیسے دھنیا اون یا روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کرکے اڑا دیتا ہے۔ اسی طرح پہاڑ متفرق ہوکر اڑ جائیں گے۔ اور رنگین اون سے شاید اس لئے تشبیہ دی کہ بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ پہاڑوں کے رنگ بھی کئی قسم کے بیان فرمائے ہیں ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾

ف۴ یعنی جس کے اعمال وزنی ہوں گے وہ اس روز خاطر خواہ عیش وآرام میں رہے گا اور اعمال کا وزن اخلاص وایمان کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اخلاص کی روح نہ ہو، وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا۔ ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾

ف۵ یعنی جو عذاب اس طبقہ میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لو کہ ایک آگ ہے نہایت گرم دہکتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہئے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا ومن سائر وجوہ العذاب بفضلہ ومنہ۔

حوادث زمان وقوارع دہر بروز محشر وتنبیہ برائے بیداری از خواب غفلت

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ... الی ... نَارٌ حَامِيَةٌ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں انسانی فطرت میں رچی ہوئی تین بنیادی خرابیوں کا بیان تھا، ناشکری مال و دولت کا حرص اور غفلت ولا پرواہی از منعم و مالک حقیقی، اب اس سورت میں روز محشر برپا ہونے والے ہولناک واقعات کا ذکر ہے تاکہ انسان اپنی غفلت سے باز آئے، اپنے رب کی نعمتوں کا شکر گزار ہو اور وہ مرض خبیث جو تمام تر خرابیوں کی اساس ہے یعنی حرص ولالچ اس سے بچے تو فرمایا:

کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہی عظیم الشان کھڑکھڑا دینے والی چیز ہے۔ جس کی عظمت وہیبت کو انسان اپنی قوت فکریہ یا عقلی کاوش سے نہیں سمجھ سکتا، اس کی ہیبت انسانی تصور سے بالا و برتر ہے اس لئے اے مخاطب بتا اور تو جانتا بھی ہے کیا ہے اور کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ یقیناً کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا اور کیسی ہے، اس لئے ہم ہی تجھ کو بتاتے ہیں وہ اس دن ہوگی جب کہ آدمی ہوں گے بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح پریشانی اور بدحواسی میں جن کو نہ تو کسی طرح قرار ہوتا ہے، اور نہ ہی کوئی تمکن اور ٹھیراؤ۔ اور پہاڑ ہو جائیں گے دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح یا بکھری ہوا دن کے ذرات، جو نہایت ہلکی اور کمزور ہوتی ہے، اور فضا میں ہوا کے ساتھ بکھری ہوئی ہوتی ہے، اسی بدحواسی کے عالم میں جب کہ انسان پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے، میدان حشر میں انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ان کے اعمال تولے جائیں گے تو جس شخص کا ترازوئے اعمال میں نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ بہت ہی راحت وخوشی کی زندگی میں ہوگا۔ اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز وہاں ملے گی اور جس شخص کا نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا تو بس اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کیا ہے ہاویہ؟ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ایک طوفانی شکل میں نظر آتے ہونگے۔ یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لئے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص اور قیامت کے روز میزان اعمال میں وزن تو ایمان واخلاص ہی کا ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی ترازو ہے اس میں مادی وزن اور ثقل نہیں بلکہ روحانی عظمت تولی جاتی ہے، اس وجہ سے ان کے پلے ہلکے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے، ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ اس کے برعکس اہل ایمان اور نیکوکاروں کے اعمال کا وزن اس ترازو میں بھاری ہوگا اور ان کے پلے بھاری ہونے کی وجہ سے نجات وکامیابی حاصل ہوگی اور جنت میں ان کو پسندیدہ اور محبوب زندگی نصیب ہوگی اور یہی فوز وفلاح ہے۔

مادی اجسام کا ثقل اور روحانیات کی لطافت

مادیت کثافت کا نام ہے اور روحانیت میں لطافت ہے، اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل اور بوجھ رکھا ہے،

❶ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ القارعۃ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسماء قیامت میں القارعہ۔ الحاقہ۔ الطامہ۔ الصاخہ۔ اور الغاشیہ وغیرہ کلمات قرآن کریم نے استعمال کئے ہیں۔ ۱۲

جب کہ روحانیت میں تجرد اور لطافت ہے اور یہ کہ ایک قدرتی امر ہے جس کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور یہی ثقل اور وزن اس کو سکون وقرار کی طرف مائل کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو حیز طبعی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے تو مادیت میں جھکاؤ ثقل جسمانی کے باعث ہوگا لیکن روحانیت میں ثقل بھی روحانی ہوگا اور اسی کے باعث جھکاؤ ہوگا تو دنیا کے ترازوئیں مادی اثقال واوزان تولنے کے لئے ہوتی ہیں تو ان ترازوؤں کا پلہ اس وزن کی وجہ سے جھکتا ہے تو آخرت کی ترازو جس میں روحانیات کا وزن ہوگا، اس کا پلہ لامحالہ روحانی اوزان کے باعث جھکے گا اس بناء پر یہاں ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ کا عنوان اختیار فرمایا گیا، ایمان واعمال کا ثقل اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے دنیا میں معنوی ثقل میں وقار، استقامت صبر وحلم جیسے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں کہا جاتا ہے یہ انسان اپنے عزم اور حوصلہ میں پہاڑ واقع ہوا ہے اور بالعموم صبر و استقامت میں حوصلہ منداور باوقار انسانوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی جاتی ہے اس طرح دنیا میں ایک ثقل واستقامت پہاڑوں کی ہے جو حسی اور ظاہری ہے اور ایک وزن واستقامت معنوی ہے جو انسانوں میں ہوتا ہے تو قیامت کے وقت عالم میں برپا ہونے والے انتشار واضطراب کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم نے پہاڑوں کو تو روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح بتایا کہ وہ سب کچھ وزن وقوت سے عاری ہو کر اڑنے والے روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور وہ اولوالعزم اور باعزم لوگ جو پہاڑوں سے زیادہ طاقت ور سمجھے جاتے ہیں، وہ بکھرے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور وہ اس روز دیکھ لیا جائے گا دنیا کے اثقال واوزان خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی ان کا یہ حشر ہو رہا ہے اس روز جو ثقل ووزن ہوگا وہ صرف اعمال صالحہ اور ایمان کا ہوگا اور قیامت کے روز میزان اعمال ایسے ہی ثقل کو تولنے کے لئے ہوگی۔

میزان اعمال اور وزن اعمال کی بحث گزر چکی اور تفصیل سے معتزلہ کے اس باطل قول کا رد بھی کر دیا گیا، جو میزان اعمال کا انکار کرتے ہیں اہل سنت اور جمہور متکلمین کے نزدیک وزن اعمال ثابت ہیں اور اعمال کے تولنے کی ترازو برحق ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔ ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ الخ.

یہ بھی تفصیل کے ساتھ گزر چکا کہ میزان اعمال میں وزن کے بارے میں یہ تینوں باتیں از روئے نصوص واحادیث ممکن ہیں کہ نفس اعمال وزن ہو، یا نامہ اعمال کا وزن ہو یا صاحب اعمال کا وزن ہو۔

نفس اعمال کا وزن تو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا میں کئے اعمال وافعال قیامت کے روز حقائق موجودہ کی شکل ہوں گے، اور ان کا وزن ہوگا، نامہ اعمال کے وزن کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص لایا جائے گا اور اس کے ننانوے دفتر ہوں گے گناہوں کے جو پیش کئے جائیں گے، اس کے مقابلہ میں جب اس کی ایک نیکی جو کاغذ کے ایک پرزے پر لکھی ہوگی تو وہ کہے گا، اے پروردگار ان گناہوں کے ڈھیر کے مقابلہ میں اس ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن جب وہ تولا جائے گا تو ان ننانوے دستاویزوں پر بھاری ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کہ نامہ اعمال تولے جائیں گے، اور صاحب اعمال کے تولنے کی تائید جامع ترمذی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک نہایت ہی بھاری بھرکم موٹا تازہ شخص پیش کیا جائے گا تا کہ اس کو میزان عمل میں تولا جائے لیکن چونکہ اس میں ایمان اور عمل صالح کا کوئی روحانی وزن نہ ہوگا تو اس ترازو میں رکھے جانے کے بعد کا کوئی وزن نہیں ظاہر ہوگا۔

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اگر تمہارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو، ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القارعۃ۔

سورۃ التکاثر

سورۃ تکاثر مکی سورت ہے، جمہور مفسرین کا یہی قول ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم سورۃ ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ نہیں پڑھ سکتے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال واولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دیتا ہے اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انہماک مادی زندگی اور مال ودولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے، اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ دنیا سے گزر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کر ڈالی۔

سورت کے اختتام اس وعید وتنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کو دنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں، ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارے میں اس سے باز پرس ہوگی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا۔

(۱۰۲ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۶) ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (اٰیاتہا ۸ رکوعہا ۱)

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ

غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں ف۱ کوئی نہیں آگے جان لو گے پھر بھی کوئی نہیں آگے

غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے، جب تک جا دیکھیں قبریں۔ کوئی نہیں آگے جان لو گے۔ پھر بھی کوئی نہیں آگے

ف۱ یعنی مال واولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز وسامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔ نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر۔ بس شب وروز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال ودولت کی بہتات ہو، اور میرا کنبہ اور جتھا سب کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے محض چند روز کی چہل پہل تھی۔ موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان ہیں۔

(تنبیہ) بعض روایات میں آیا ہے (اللہ اعلم بصحتہا) کہ ایک مرتبہ دو قبیلے اپنے اپنے جتھے کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔ جب مقابلہ کے وقت ایک کے آدمی دوسرے سے کم رہے تو اس نے کہا کہ ہمارے اتنے آدمی لڑائی میں مارے جا چکے ہیں چل کر قبریں شمار کرلو۔ وہاں پتہ لگے گا کہ ہمارا جتھا تم سے کتنا زیادہ ہے۔ اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزر چکے ہیں۔ یہ کہہ کر قبریں شمار کرنے لگے۔ اس جہالت وغفلت پر متنبہ کرنے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔ ترجمہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔

تَعْلَمُوْنَ ④ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ

جان لو گے ف۱ کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے ف۲ بیشک تم کو دیکھنا ہے دوزخ پھر دیکھنا ہے اس کو یقین کی

جان لو گے۔ کوئی نہیں اگر جانو یقین کر جاننا۔ بے شک تم کو دیکھنا دوزخ، پھر دیکھنا یقین کی

الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧ ع۸

آنکھ سے ف۳ پھر پوچھیں گے تم سے اس دن آرام کی حقیقت ف۴

آنکھ سے۔ پھر پوچھیں گے تم سے اس دن آرام کی حقیقت۔

تنبیہ و تہدید بر غفلت از آخرت و وعید بر حرص مال و دولت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ... الی ... يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾

ربط:...... سورۃ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والے ہولناک حوادث سے آگاہ و خبردار کیا گیا تھا، اب اس سورت میں جو اسباب غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جا رہا ہے کہ مال و دولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دور کرنے والی چیز ہے، اسی مال و اولاد پر تفاخر و غرور بھی کوئی اچھی بات نہیں، انسان کو چاہئے ان فتنوں میں مبتلا ہو کر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے۔

قتادہ رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، جبکہ مدینہ میں رہنے والے یہود اس پر تفاخر کرتے تھے کہ میرے پاس اس قدر مال ہے اور میری اولاد اتنی ہے، اور ہر ایک اسی فکر میں رہتا اور اس میں اس قدر انہماک اور غلو اختیار کیا کہ اپنا دین بھی بھول گئے اور اس سلسلہ میں جو بھی کرنا پڑا۔ حلال و حرام کی پروا کئے بغیر کر گزرے، لیکن یہ روایت باعتبار اسناد محدثین کے نزدیک صحیح نہیں، اس لئے اس سورت کا مکی ہونا ہی جمہور نے اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین اس کا سبب نزول، قریش کے دو قبیلوں بنو عبد مناف اور بنو سہم کے درمیان اسی نزاع اور باہمی قتال کو بتاتے ہیں جو اسی طرح باہمی تفاخر اور سرداری کے لالچ کی وجہ سے پیش آیا، آپس میں خوب لڑے قبروں کے گننے کی نوبت

ف۱ یعنی دیکھو بار بار بتاکید کہا جاتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح نہیں کہ مال و اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے۔ عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل و فانی چیز ہرگز فخر و مباہات کے لائق نہ تھی پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم پر بہت جلد کھل جائے گا کہ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائے گی۔

ف۲ یعنی تمہارا خیال ہرگز صحیح نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں تو ہرگز اس غفلت میں پڑے نہ رہتے۔

ف۳ یعنی اس غفلت و انکار کا نتیجہ دوزخ ہے، وہ تم کو دیکھنا پڑے گا۔ اول تو اس کا کچھ اثر برزخ میں نظر آ جائے گا۔ پھر آخرت میں پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔

ف۴ یعنی اس وقت کہیں گے اب بتلاؤ! دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت تھی۔ یا اس وقت سوال کیا جائے گا کہ جو نعمتیں (ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی و روحانی) دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے ادا کیا اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔

آ گئی، انسان کے اس فطری عیب کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی بھی تلقین کی گئی کہ دنیا میں اس کو نعمتیں عطا کی جاتی ہیں ان کا حق ہوتا ہے اور اگر انسان اس حق کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو مواخذہ اور سزا سے ہرگز نہ بچ سکے گا، تو ارشاد فرمایا اے لوگو! غافل بنا دیا ہے تم کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے اور اس کی کثرت پر فخر کرنے نے اور تم اس تفاخر ❶ و تکاثر مال سے باز نہ آؤ گے یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو تو مرنے تک اسی طرح باہمی تفاخر اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص میں مبتلا رہو گے اور یہ غفلت کا پردہ اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک کہ تم قبر میں نہیں چلے جاؤ گے۔ خبردار ہرگز یہ چیز غفلت کی نہیں اور نہ قابل انکار بے شک عنقریب تم جان لو گے کہ قیامت برحق ہے، اور دنیوی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب و بدلہ ہے۔ خبردار ہرگز نہ چیز قابل غفلت نہیں دنیا کی زندگی خالی ہے۔ بے شک پھر تم ❷ پھر تم بہت جلد معلوم کر لو گے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک خواب ہے۔ ❸

یہ حقیقت اگرچہ دنیا میں کچھ لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے کہ اصل عیش آخرت کا عیش ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں لیکن جب انسان قبر میں پہنچے گا تو پھر اصل حقیقت کھل کر نظروں کے سامنے آئے گی تو سمجھ لو خبردار ہرگز تمہیں خاک بھی علم نہیں۔ بے شک اگر تم جان لو آخرت کا حال علم یقین کی صورت میں تو یقیناً ایسی تمام غفلتوں نافرمانیوں اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور تفاخر سے باز آ کر اصل کام میں لگ جاؤ اور آخرت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گزار دیتا ہے۔ لہٰذا سن لو اے لوگو! ضرور بالضرور تم جہنم دیکھو گے۔ یہ یہی نہیں کہ بس دور سے دیکھ لو اور وہ نظر آ جائے بلکہ یقیناً تم اس دوزخ کو دیکھو گے آنکھوں کے مشاہدہ اور یقین کے ساتھ۔ جس میں کسی نوع کا شبہ باقی نہ رہے گا۔

اس میں تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث داخل ہو گے اور اس کا مزہ ❹ چکھو گے۔ پھر اس روز تم سے ضرور

---

❶ ان الفاظ میں اشارہ ہے کہ تکاثر کے دونوں معنی ہیں، مال و دولت زیادہ جمع کرنے کی حرص اور مال و اولاد پر تفاخر، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ ۱۲

❷ ترجمہ کے درمیان اضافہ کردہ کلمات سے ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کے تکرار کے طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

❸ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ صحابی ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سورۂ ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

يقول ابن آدم مالي وهل لك من مالك الا ما اكلت فافنيت او لبست فابليت او تصدقت فامضيت۔

کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا حالانکہ اے انسان اس میں سے تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دے۔

ایک روایت میں ہے کہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو انسان سے جدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں، اسی کا ان کلمات میں بیان ہے۔ لو كان لابن آدم واديان من الذهب لابتغى ثالثا ولا يملاء جوف ابن آدم الا التراب ويتوب الله على من تاب۔ یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا، اور انسان کا پیٹ ہرگز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جا کر ہوگا۔ الخ ۱۲۔

❹ بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ اس مقام پر دوزخ کے دو مرتبہ دیکھنے کے ذکر میں اول مرتبہ دیکھنا مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنے سے حشر کے روز دیکھنا مراد ہے۔ .... =

بالضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارہ میں جو تم پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کی گئیں کہ تم نے ان کا کیا حق ادا کیا تم نے ان نعمتوں کے بعد ان کی عظمت کو پہچانا یا نہیں۔؟ تم نے اپنے منعم کی محبت اور جذبۂ اطاعت کو اپنے دل میں محسوس کیا یا نہیں؟ تم اپنے منعم کی ناراضگی سے ڈرے یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں بالخصوص اس دن اور اس عالم میں جہاں ظاہر و باطن کا کوئی فرق نہیں ہوسکتا اور زبان سے صرف وہی بات ادا ہوسکتی ہے جو حقیقت اور عین صداقت ہے پس انسان کو سوچنا چاہئے کہ ان بے پایاں نعمتوں پر جن کی شان یہ ہے ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ محاسبہ اور مؤاخذہ پر وہ کیا جواب دے گا نعمتوں کی بے شک کوئی حد و انتہا نہیں، ظاہری نعمتیں باطنی نعمتیں جسمانی نعمتیں روحانی نعمتیں، پھر ہر قسم میں متعدد انواع و اقسام اور مراتب غرض ایک وسیع سلسلہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا انسان پر ہمہ وقت قائم و جاری ہے، حیات و تندرستی اعضاء کی خوبی اور سلامتی حسن و جمال ادراک عقل و فہم، اسباب راحت و آسائش اور اقسام و انواع کے فواکہ اور رزق اور جملہ نعماء غرض ہر شعبہ حیات بیشمار انعامات کا مرکز نظر آتا ہے، تو بلاشبہ ان کے حق کا سوال ہونا ہی چاہئے، اس لئے انسان کو چاہئے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے غافل و مغرور نہ ہو بلکہ اس کی تیاری میں لگ جائے کہ روز محشر جب ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کا سوال ہوگا تو میں کیا جواب دوں گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو، دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے ہمیں کسی بھی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا ہے سوائے بھوک کے کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے، آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا، یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے ان کی بیوی نے دیکھ کر کہا "مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آ گئے اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں، اتنے میں وہ بھی آ گئے، ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکا کر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کئے گئے، ان حضرات نے شکم سیر ہو کر کھایا، ٹھنڈا پانی پیا آنحضرت ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ﴿لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾۔ بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا، تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا، اور تم واپس لوٹنے سے پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔

تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے، انسان اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الھکم التکاثر۔

= عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔
دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا۔
تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا۔
اور ظاہر ہے کہ عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے بڑھ کر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی گمراہی اور گوسالہ پرستی پر اللہ نے مطلع کر دیا تھا اور اللہ کی وحی سے جو علم حاصل ہوا وہ بلاشبہ علم یقین ہے لیکن جب انہوں نے واپس پہنچ کر اپنی آنکھوں سے اس مشرکانہ عمل کو دیکھا تو غصہ کی کوئی حد نہ رہی حالانکہ علم یقین تو اللہ کی وحی سے ہو چکا تھا، آنکھوں سے دیکھا تو عین یقین کا مقام حاصل ہوا تو جو غصہ پہلے علم پر نہ تھا وہ دوسرے علم پر ہوا۔

۱۰۳ سورۃ العصر مکیۃ ۱۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ایاتہا ۳ رکوعہا ۱

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا

قسم ہے عصر کی ف۱ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے ف۲ مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے

قسم اترتے دن کی۔ مقرر انسان پر ٹوٹا ہے۔ مگر جو یقین لائے اور کئے بھلے کام، اور آپس میں تقید کیا

بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ ع ۲۸

سچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی ف۳

سچے دین کا، اور آپس میں تقید کیا سہار کا۔

سورۃ العصر

سورۃ عصر بالاتفاق مکی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہ قول

ف۱ "عصر" زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے جسے تحصیل کمالات وسعادات کے لئے ایک متاع گرانمایہ سمجھنا چاہیے یا قسم ہے نماز عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ مبارک کی، جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا۔

ف۲ اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دکاندار کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔ اگر اس رواداری میں کوئی ایسا کام نہ کرلیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے، بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے، تو پھر خسارہ کی کوئی انتہاء نہیں۔ زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور وفکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پرواہ ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کار کس طرح ناکام ونامراد بلکہ تباہ وبرباد ہو کر رہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت وشرارت یا لہو ولعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیل شرف ومجد اور اکتساب فضل وکمال کی گرم بازاری کے ہیں۔ خصوصاً وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتاب رسالت اپنی انتہائی نورافشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے، اگر غفلت ونسیان میں گزار دیے گئے، تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے جد وجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسب سعادت اور تحصیل کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے "الا الذین امنوو عملوا الصلحت" میں کیا گیا ہے۔

ف۳ یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے، پورا یقین رکھے۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت ووصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستہ میں ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر پر زندہ جاوید رہے گا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین وحکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لئے کافی تھی۔ بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

ہے۔ البتہ بعض مفسرین قتادہ رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں۔

اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اصول چار چیزوں کو معیار فرمایا گیا جو انسان کو خسران و محرومی سے بچانے والی ہیں۔ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت سے بیان فرمایا گیا۔

سورۂ تکاثر میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص وشوق میں گزار دیتا ہے کہ مال و دولت کی کثرت ہو، عیش وعشرت کے اسباب مہیا ہو جائیں۔ اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے، تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ و برباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایہ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہئے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصول اربعہ ہیں، ایمان وعمل صالح، تواصی بالحق، اور تواصی بالصبر، گویا اصول فلاح وسعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے، اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے "اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت [1] تمام دنیا کے انسانوں کے لئے کافی تھی، تو ارشاد فرمایا۔ قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت وذلت امیری وفقیری، تندرستی و بیماری، راحت وتکلیف اور کامیابی وناکامی اور غمی وخوشی، غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خیر وشر سب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیز گرانقدر سرمایہ ضائع کر ڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے۔ دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت اور پابندی اعمال پر تاکید اور ہدایت ونصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلاشبہ نفع اٹھا سکیں گے اپنے سرمایہ حیات سے۔

کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع وخسران سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے

اس سورۃ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر انسانی حیات کی تباہی و بربادی یا اس کے سودمند اور کارآمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے۔

انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچا کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملا یا اصل سرمایہ بھی ضائع و برباد کیا، اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان وافکار کو متوجہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے یہ آیات

[1] سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے۔ ۱۲

نازل فرمائی۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾۔ ان الفاظ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے، ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾۔ تو اس چندروزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے، دوسرے یہ کہ بعد الحیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے، کچھ حصہ تو بچپن کا گزر جاتا ہے کچھ لہو ولعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں، بس درمیان کی ایک مختصری مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادی مصروفیات غرض اس مختصری مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کر سکے گا، تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرما کر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرما دیئے گئے، ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق، اور تواصی بالصبر، ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا عمل صالح اطاعت وفرماں برداری ہے جو تہذیب نفس کا باعث ہے، اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی، تو اس حد تک کمال اعتقاد اور صلاح عمل کا مقام تو مکمل ہو جائے گا، مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صلاح ذات یا تہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو، اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کا پھیلایا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تا کہ یہ سلسلہ حسنات باقیہ کا جاری ہو، اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کیلئے حق وصداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تواصی بالصبر بھی لازم ہے کہ احکام الٰہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لئے صبر واستقامت کی تلقین راہ حق میں شدائد ومصائب کے تحمل کے لئے ہمت دلانا، اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعد دوسروں کو بھی باکمال بنانے اور فوز وفلاح کے بلند ترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور ادنیٰ تامل سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی، زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر و برکت اسی مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دونوں پہلوؤں سے خالی ہو تو پھر دنیا آلام ومصائب اور آفات وفتن کا گہوارہ ہوگی، اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان وعمل صالح کے فقدان اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے ختم ہو جانے سے ہی مرتب ہوتی رہی ہے یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کی خیر کی دعوت ہو تو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں، اس وجہ سے زمانہ کی قسم کھا کر اس مضمون کو ارشاد فرمایا گیا۔ [1] بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر

---

[1] استاد محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے، دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب ودماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں بھی ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے قلبی ایمان کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے جب دو مسلمان آپس میں ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں، چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ وصیت ونصیحت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے جو خوش قسمت حضرات ان چار=

لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

فائدہ:...... قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہ نے کھائی ہیں، کہیں رات کی، دن کی، چاند سورج کی، زمین و آسمان کی شہر مکہ کی، کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کر کے اصل مدعیٰ کو واضح اور ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس میں غیر اللہ کی قسم کی اشکال بھی درست نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شرک کا شائبہ رکھتی ہے، خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کر کے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرما رہا ہے۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ العصر۔

سورۃ الھمزۃ

سورۃ الہمزہ بھی مکی سورت ہے اور اکثر ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور پر ان امور و خصائل کی مذمت کی گئی ہے جو انسانی اقدار کو تباہ کرنے والے ہیں، طعن و تشنیع، عیب جوئی بدترین خصلت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہونے کے قابل نہیں، مومن کی شان سے اس قسم کی باتیں بعید ہیں، ان مذموم اور ناپاک خصلتوں کا کفر و شرک کے ساتھ اجتماع ہوسکتا ہے مگر انسان کو آگاہ ہونا چاہئے کہ کفر و نافرمانی کا کیسا بدترین انجام ہے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ جس کے تصور سے ہی انسان کانپ جائے ظاہر ہے کہ جب اس جہنم میں مجرمین کو ڈالا جائے گا تو کیا حال ہوگا تو اس مضمون میں نار جہنم کی عظمت و ہیبت کو بیان کیا گیا۔

۱۰۴ سُورَۃُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتھا ۹ رکوعھا ۱

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝۱ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا

خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی ف۱ جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا ف۲ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا کو رہے گا اس کے ساتھ ف۳ کوئی

خرابی ہے ہر طعنے دیتے عیب چنتے کی۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا، خیال رکھتا ہے کہ اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ کوئی نہیں!

ف۱ یعنی اپنی خبر نہیں لیتا دوسروں کو حقیر سمجھ کر طعنے دیتا ہے اور ان کے واقعی یا غیر واقعی عیب چنتا رہتا ہے۔

ف۲ یعنی طعنہ زنی اور عیب جوئی کا منشاء تکبر اور تکبر کا سبب مال ہے جس کو مارے حرص کے ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ اکثر بخیل مالداروں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب لگاتے رہتے ہیں۔ اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔

ف۳ یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہوگا، بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی و سماوی سے بچاتا رہے گا۔

= اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر میں زندہ جاوید رہے گا، اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ (کذافی الفوائد)

تو اس طرح ان اصول اربعہ کو انسانی فوز و فلاح اور فرد و ملت کی کامیابی کے جامع اصول کہا جاسکتا ہے پھر ان اصول اربعہ میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ کی تکمیل کا پہلو بھی واضح ہے اور اسی کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سیاست مدنیہ کے تمام شعبوں کو اعلیٰ و اکمل طور پر پورا کرنے کا باعث ہیں۔ ۱۲

لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى

نہیں وہ پھینکا جائے گا اس روندنے والی میں ف۱ اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ روندنے والی ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی وہ جھانک لیتی ہے

اس کو پھینکنا ہے اس روندنے والی میں۔ اور تو کیا بوجھا؟ کون ہے روندنے والی ؟ آگ ہے اللہ کی سلگائی۔ وہ جو جھانک لیتی ہے

الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾ ع

دل کو ف۲ ان کو اس میں موند دیا ف۳ ف۵ لمبے لمبے ستونوں میں ف۴

دل۔ ان کو اس میں مونداہے، لمبے لمبے ستونوں میں۔

طعن و تشنیع و عیب جوئی وحب مال موجب ہلاکت و باعث نار جہنم ہے

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ... الی... فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾

ربط:...... گزشتہ سورۃ والعصر میں انسان کو اسے ایسے اصول کی ہدایت فرمائی گئی جن کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچا سکے اور انسانی حیات جس فوز وفلاح کے لئے عطا کی گئی اس کو حاصل کرنے خسران ومحرومی سے محفوظ رہے، اب اس سورت میں ان بعض ناپاک اور بیہودہ خصلتوں کا بیان ہے جن سے انسان اپنی انسانیت ہی کو برباد کرڈالتا ہے وہ طعن وتشنیع جیسی مذموم خصلتوں، لوگوں میں عیب تلاش کرنا، ان پر طنز کرنا ان کی تحقیر وتذلیل کے درپے ہوجانا ہے ان مذموم خصلتوں کا حامل انسان اپنی انسانیت ہی برباد کرتا ہے تو پہلے عمر ضائع کرنے پر وعید تھی اور اس سے تحفظ کے اصول اربعہ کا بیان تھا، تو اب اصل انسانیت ہی کو تباہ کرنے والی خصلتوں کا بیان ہے تاکہ انسان ایسے ناپاک خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے، پھر یہ فرمایا جارہا ہے کہ جہاں ایک طرف ان خصائل سے انسانیت کو گندگی سے آلودہ کرنا لازم آتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور اس پر فریفتہ ہوجانا بھی انسانیت کو تباہ کرنے والی خصلت ہے مال ودولت کی حرص انسان کو ہر خیر وفلاح سے محروم کرنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی معاشرہ میں ہر نوع کی خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ناپاک خصائل ان معاصی اور گناہوں کا موجب ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں گناہوں

ف۱ یعنی یہ خیال محض غلط ہے۔ مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائے گا۔ آگے تو کیا کام آتا۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی۔ اور اس بدبخت کو اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔

ف۲ یعنی یاد رہے یہ آگ بندوں کی نہیں، اللہ کی سلگائی ہوئی ہے۔ اس کی کیفیت کچھ نہ پوچھو، بڑی سمجھدار ہے۔ دلوں کو جھانک لیتی ہے۔ جس دل میں ایمان ہو نہ جلائے، جس میں کفر ہو جلا ڈالے۔ اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائیگی۔ بلکہ ایک طرح دل سے شروع ہوکر جسموں میں سرایت کرے گی۔ اور باوجودیکہ قلوب وارواح جسموں کی طرح جلیں گے۔ اس پر بھی مجرم مرنے نہ پائیں گے دوزخی تمنا کرے گا کہ کاش موت آکر اس عذاب کا خاتمہ کردے۔ لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ اعاذنا اللّٰہ منہا ومن سائر وجوہ العذاب۔

ف۳ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کردیے جائیں گے۔ کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہے گا۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔

ف۴ یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی مانند بلند ہوں گے۔ یا یہ کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا کہ جلتے وقت ذرا حرکت نہ کرسکیں۔ کیونکہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی عذاب میں کچھ برائے نام تخفیف ہوسکتی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ دوزخ کے منہ کو لمبے لمبے ستون ڈال کر اوپر سے پاٹ دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

میں حقوق اللہ کا برباد کرنا بھی بے شک بڑا گناہ ہے لیکن ان کی معافی کا امکان ہے، اس کے برعکس حقوق العباد کی معافی ممکن نہیں، ان خصلتوں سے انسان جماعتوں اور قوموں میں تفرقہ ڈالتا ہے جو بدترین جرم ہے، غیبت جیسی بدترین خصلت کا مرتکب ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا، اور زنا سے بھی زنا سے بھی زیادہ قبیح فرمایا، تو ان عادات وخصائل سے انسان کی دنائت وذلت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی تو ان پر وعید فرمائی گئی ہے اور آخرت کے عذاب کا بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ انسان ان باتوں سے پرہیز کرے، ارشاد ہے:

بڑی ہی ہلاکت و تباہی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب ❶ جوئی کرنے والا ہو جو اپنے اس خبث اور کمینہ خصلت کے ساتھ اس قدر حریص اور لالچی ہے کہ مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ خیر اور نیکی کے کام میں خرچ کرنے کی تو کیا توفیق ہوتی۔ زکوٰۃ وخیرات اور صلہ رحمی یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تو کیا تصور کیا جا سکتا ہے وہ تو مال کی حرص اور بخل میں اس حد تک پہنچا ہے کہ گن گن کر رکھتا ہے، کہیں کوئی پیسہ نکل کر بھاگ نہ جائے کوشش یہی ہوتی ہے اس میں سے ایک پیسہ خرچ نہ ہونے دیا جائے ہر طرف سے مال سمیٹنے اور بار بار گننے ہی میں اس کو مزہ آتا ہے۔

کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ باقی رکھے گا نہ موت آئے گی اور نہ آسمانی حوادث ومصائب کا شکار بنے گا، اور نہ قیامت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا جو کہ اس کے بخل حرص مال اور غرور ونخوت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ خبردار ہرگز ایسا نہیں اس انسان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ ضرور بالضرور وہ پھینکا جائے گا حطمہ میں۔ اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے وہ حطمہ اور روندنے والی چیز اس کی شناخت ومعرفت انسانی عقول وافکار سے بالاتر ہے وہ تو ایک آگ ہے دہکتی ہوئی جو بدن کو جلا کر ابھرتی ہے دلوں پر جب کہ دنیا کی کوئی آگ بھی بدن کو جلا کر دل تک نہیں پہنچتی، اور نہ ہی اس کی نوبت آتی ہے کہ آگ انسان کے بدن کو جلا دلوں کے اوپر اس کے شعلے ظاہر ہوں بلکہ وہ اس سے قبل ہی نزع روح کا باعث بن جاتی ہے، مگر یہ آگ ان مجرمین کے بدنوں کو جلاتی ہوئی دلوں پر ظاہر ہوگی اور اس کے شعلے دلوں کے اوپر بھڑکتے ہوں گے وہ آگ ان پر پاٹ دی جائے گی۔ جیسے کہ سرپوش میں کوئی چیز ڈھانک دی جائے جس کے بعد آگ کا ان پر ہر طرف سے احاطہ ہوگا نہ اندر کا گرم سانس باہر نکل سکے گا اور نہ باہر کی کوئی سرد ہوا ان تک اندر پہنچ سکے گی اور نہ ہی یہ ممکن ہوگا یہ جہنمی تڑپ کر یا پھڑک کر باہر نکل جائیں بلکہ وہ گھرے ہوں گے جکڑے ہوئے ہونگے بڑے بڑے آتشی ستونوں میں کہ نہ تو ان ستونوں کو اکھاڑا جا سکے گا اور نہ ہی یہ مجرمین ان ستونوں سے کھل کر کہیں بھاگ سکیں گے، یا یہ بڑی ❷ ہوئی آگ ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی جو بڑے ہی دراز کیے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ہوں۔

❶ همزہ اور لُمزہ کی صفت کے ساتھ اس شخص کی مزید یہ خصلت بیان کرنا کہ ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ یا تو اس امر کے پیش نظر ہے کہ بدگوئی اور عیب جوئی کی مذموم صفت تکبر سے پیدا ہوتی ہے جس کا منشاء مال ودولت کی کثرت ہے جس کی یہ نوبت ہے کہ ﴿جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ یا یہ کہ جس طرح جسمانی امراض میں ایک مرض دوسرے مرض سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بدگوئی اور عیب جوئی کی بیماری بخل اور حرص مال سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲

❷ یہ کلمات اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ ﴿فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ ہوسکتا ہے کہ ﴿اِنَّهَا عَلَیْهِمْ﴾ میں لفظ علیہم سے متعلق ہو اور ﴿لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ﴾ میں جن لوگوں کو روندنے والی جہنم میں ڈالنے کی وعید بیان فرمائی گئی ان کے واسطے ﴿فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ ظرف ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ "انہا" یعنی نار جہنم کی صفت ہو کہ وہ آگ ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی اور اس کے بلند شعلے ایسے نظر آتے ہوں گے، جیسے کہ بلند کئے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ستون ہوں۔ ۱۲

همزہ اور لمزہ کی تفسیر

لفظ همزہ اور لُمزہ اصول عربیت کی رو سے فعلہ کے وزن پر ہے جو مبالغہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے ضحکہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زیادہ ہنستا ہو، اور مبالغہ کا صیغہ کسی بھی صفت کے بیان کرنے کے لئے اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں اس صفت یا فعل کو بطور عادت بیان کرنا مقصود ہو، ان کی تفسیر میں متعدد اقوال منقول ہیں، ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، دونوں کے معنی ایک ہی ہیں غیبت و بدگوئی کرنے والا، ابو العالیہ رحمہ اللہ حسن رحمہ اللہ مجاہد رحمہ اللہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ همزہ وہ ہے جو رودررو بدگوئی کرے اور لمزہ وہ جو پس پشت برائی کرے، قتادہ رحمہ اللہ نے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔

بعض ائمہ لغت سے نقل کیا گیا کہ همزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے، مثلاً فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی ہے یا باپ ایسا تھا، اس کی قوم شریف نہیں وغیرہ وغیرہ اور لمزہ وہ ہے ہاتھ پاؤں کے اشاروں اور حرکتوں سے تحقیر و توہین کرے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا همزہ وہ جو کسی کی زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔

بہرکیف یہ متعدد اقوال ائمہ مفسرین نے نقل کئے ہیں۔ زیادہ مناسب دونوں کے ترجمہ میں وہی ہے جو اختیار کیا گیا کہ همزہ طعن اور عیب لگانے والا اور لمزہ عیب جوئی کرنیوالا یا چغل خوری کرنے والا۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دونوں خصلتیں انتہائی ذلیل خصلتیں ہیں، ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ میں وضاحت سے تفسیر گزر چکی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کرنے والا ہو۔

ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلاکت و بربادی ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں کو ہنساتا ہے جھوٹی بات کہہ کر، ہلاکت ہے ہلاکت ہے۔ [1]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجات کا راستہ کیا ہے فرمایا اپنی زبان قابو میں رکھو یعنی ہر بری بات سے زبان کو روکو۔ اور گھر میں بیٹھو، اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ [2]

ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے بھی ہو کہ غیبت کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے، فرمایا کسی شخص کا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنا جو اس کو بری معلوم ہو، کسی نے اس پر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات اس میں ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اسی کا نام غیبت ہے اور اگر ایسی بات یا عیب لگا دو جو اس میں نہیں تو پھر یہ تو بہتان ہے۔ [3]

بالعموم ایسے خبیث امور یا عادات کا سبب کبر و تعلّی ہوتا ہے اس بنا پر وہ دوسروں کی تحقیر کے یہ اسباب ہوتے ہیں حسن و جمال، شرافت، نسب، وحسب، علم و ہنر اور مال و دولت جس کا نشہ انسان کو اندھا بنا دیتا ہے تو اس وجہ سے ان امور خبیثہ کے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔
[2] جامع ترمذی ابوداؤد۔
[3] صحیح مسلم۔

ساتھ اس کا یہ وصف بھی بیان کر دیا گیا۔ ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الھمزۃ۔

سورۃ الفیل

تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ الفیل مکی سورت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے ائمہ مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے، اس کی پانچ آیات ہیں، اس سورت میں ایک عظیم تاریخی واقعی ذکر فرمایا گیا ہے جو باجماع امت حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ اور بالغہ کا ایک واضح نمونہ تھا اور اللہ رب العزت نے اس واقعہ کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نبوت کے لئے ایک دلیل اور بشارت کے طور پر ظاہر کیا، جس کو اصطلاح شریعت میں ارہاص کہا جاتا ہے، جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ابھی ایک ماہ پچیس روز باقی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ اشرم نے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر اللہ نے اپنی قدرت سے پرندوں جیسی ضعیف مخلوق کی چونچوں اور پنجوں کی کنکریوں سے اس عظیم لشکر کو ہلاک اور پارہ پارہ فرما دیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کے لئے قدرت خداوندی نے بطور دلیل و نمونہ پیش کیا جس کو ارہاص کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ چونکہ مرکز ہدایت بنایا گیا تھا تو اس پر کسی طاغوتی حملہ کو قدرت الٰہی نے گوارا نہ کیا اور اس قصہ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ خدا کے دین اور مرکز ہدایت کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ خود ہی پارہ پارہ کر دی جائے گی۔

(١٠٥) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ١٩ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — ایاتھا ٥ رکوعھا ١

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ②

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ ف۱ کیا نہیں کر دیا ان کا داؤ غلط ف۲

نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے، ہاتھی والوں سے؟ نہ کر دیا ان کا داؤ غلط؟

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ

اور بھیجے ان پر اڑتے جانور ٹکریاں ٹکریاں پھینکتے تھے ان پر پتھریاں کنکر کی ف۳ پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس

اور بھیجے ان پر اڑتے جانور تنگ تنگ۔ پھینکتے ان پر پتھریاں کھنگر کی؟ پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس

ف۱ یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہوگا۔ کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اسی قرب عہد اور تواتر کی بناء پر اس کے علم کو رؤیت سے تعبیر فرما دیا۔

ف۲ یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ اللہ کا کعبہ اجاڑ کر اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں۔ یہ نہ ہو سکا۔ اللہ نے ان کے سب پیچ غلط اور کل تدبیریں بے اثر کر دیں۔ کعبہ کی تباہی کی فکر میں وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے۔

ف۳ "اصحاب فیل" کا قصہ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ "حبشہ" کی طرف سے "یمن" میں ایک حاکم "ابرہہ" نامی تھا۔ اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں، چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں۔ اس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے مذہب عیسائی کے نام پر ایک عالیشان گرجا بنایا جائے۔ جس میں ہر طرح کے =

مَّأْكُولٍ ۝

کھایا ہوا ف ۱

کھایا ہوا۔

نزول غضبِ خداوندی بر ہتک حرمات الٰہیہ وتحقیر مرکز ہدایت

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ ... الی ... كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾

ربط: ...... ماقبل سورۃ ''الہمزہ'' میں انسان کے اخلاق رذیلہ کی مذمت اور اس پر خدا کی طرف سے نازل ہونے والے قہر و عذاب کا ذکر تھا جو آخرت میں ایسی ذلیل حرکتوں پر مرتب ہوگا، اب اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے، خدا کی نافرمانی اور اس کے دین کی دشمنی اور مقابلہ دنیا میں بھی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہے جیسے کہ ابرہہ اشرم کے لشکر نے اللہ کے گھر پر ناپاک جسارت کی تو کس طرح آسمانی عذاب نے اس کو ہلاک کر ڈالا تو ایسے تاریخی عظیم واقعات سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ خدا کی قدرت سے جب نافرمانوں اور مجرموں پر ایسے عذاب اور قہر دنیا میں واقع ہوتے ہیں تو بلاشبہ یقین کرنا چاہئے کہ کوئی مجرم خدا کے عذاب سے آخرت میں بھی ہرگز نہیں بچ سکے گا، اور جب اللہ کے گھر کی دشمنی پر خدا کا یہ قہر وغضب نازل ہوتا ہے تو جو شخص یا قوم اللہ کے پیغمبر اور اس کے دین کو دنیا میں پھیلانے والے کی دشمنی اور مقابلہ کرے گی وہ کیونکر عذاب خداوندی سے بچ سکتی ہے، تو اس طرح حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل ہی آپ ﷺ کے غلبہ اور طاغوتی طاقتوں کی شکست کی خبر دی گئی، ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

= تکلفات اور راحت و دلکشی کے سامان ہوں۔ اس طرح لوگ اصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مکلف و مرصع کعبہ کی طرف آنے لگیں گے اور مکہ کا حج چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ ''صنعاء'' میں (جو یمن کا بڑا شہر ہے) اپنے مصنوعی کعبہ کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا اس پر بھی لوگ ادھر متوجہ نہ ہوئے۔ عرب کو خصوصاً قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی، سخت خشمگین ہوئے کسی نے غصہ میں آ کر وہاں پاخانہ کر دیا، اور بعض کہتے ہیں کہ بعض عرب نے آگ جلائی تھی ہوا سے اڑ کر اس عمارت میں لگ گئی۔ ''ابرہہ'' نے جھنجھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کر دی بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر اس ارادہ سے چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے درمیان میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی اسے مارا اور مغلوب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی اعظم تھے ان کو خبر ہوئی تو فرمایا لوگو! اپنا بچاؤ کرلو، کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کو بچالے گا۔'' ''ابرہہ'' نے راستہ صاف دیکھ کر یقین کرلیا کہ اب کعبہ کا منہدم کر دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ کیونکہ ادھر سے کوئی مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ جب وادی ''محسّر'' (جو مکہ کے قریب جگہ ہے) پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی ٹکڑیاں نظر آئیں۔ ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ ان عجیب وغریب پرندوں کے غول کے غول کنکریاں لشکر پر برسانے لگے۔ خدا کی قدرت سے وہ کنکری کی پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں۔ جس کے لگتی، ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور ایک عجیب طرح کا سمی مادہ چھوڑ جاتی تھی۔ بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے۔ جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا تھا۔ اور ایک غیبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادت حفاظت فرمائی ہے۔ اس گھر کے سب سے مقدس متولی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اسی طرح کرے گا۔ اور عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو یہ موقع نہ دے گا کہ وہ کعبہ اور کعبہ کے سچے خادموں کا استیصال کرسکیں۔

ف ۱ جو بیل، گائے وغیرہ کھا کر آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ منتشر، مبتذل، بدصورت، نکما اور چورا چورا۔

کیا نہیں ❶ دیکھا تو نے اے مخاطب کہ کیسا معاملہ کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ؟ جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر بیت اللہ پر حملہ کے لئے آرہے تھے کہ وہ اپنی اس تدبیر سے (العیاذ باللہ) بیت اللہ کو منہدم کردیں گے۔ تو کیا نہیں کر دیا۔ تیرے رب نے ان کی تدبیر کو، ان ہی کی ہلاکت و بربادی کی ❷ صورت میں؟ ضرور کر دیا اور ان کا داؤ ان ہی پر الٹا واقع ہوا اور غلط ہو کر ان کی تباہی کا باعث بنا اور ان کے دل میں جو کچھ تھا وہ پورا ہونے کی بجائے حسرتیں لے کر وہ جہنم میں چلے گئے اور بھیج دیئے ان پر پرندے ❸ غول کے غول جو اڑتے ہوئے ان پر برسا رہے تھے سنگریزے ❹ پکی ہوئی مٹی کے جو اُن پر گولیوں کی طرح برس رہے تھے، پھر بنا دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح چورا چورا جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد آخور چھوڑ دیتے ہیں یعنی ایسا پراگندہ اور منتشر حقیر و ذلیل کہ دیکھنے میں بھی قابل نفرت معلوم ہو۔

تو اس طرح اللہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو کمزور اور ہلکے جثے والے پرندوں سے اور ان کی چونچ اور پنجوں میں لئے ہوئے سنگریزوں سے ہلاک کر ڈالا۔

قصہ اصحاب فیل

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پچاس پچپن روز پہلے کا پیش آنے والا عظیم تاریخی واقعہ ہے جو ایک طرف قدرت خداوندی کا نمونہ ہے تو دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی عظمت و رسالت کی بھی پیش آنے والی نشانی یا بشارت ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے، یہ آپ ﷺ کی آمد اور ظہور قدسی کا ایک غیبی اشارہ اور اعلان تھا اور اس نسبت کے باعث کہ آپ ﷺ کا ظہور قدسی قریش میں ہو رہا تھا اس قصہ سے منجانب اللہ قریش کی بھی غیبی مدد و نصرت تھی کیونکہ یہ نبی آخر الزمان ﷺ کا قبیلہ و خاندان ہے اور اللہ کے قبلہ کا متولی اور محافظ ہے۔

❶ یہ استفہام تقریری ہے کہ ہاں ضرور دیکھا ہے، اور اس وجہ سے اس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ضرور دیکھا ہے کیونکہ یہ قصہ اس قدر مشہور و معروف ہوا کہ گویا ہر ایک اس کو دیکھنے والا ہے اور اس بناء پر اس طرح سوال کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲

❷ ان کلمات سے لفظ کید کے مفہوم کی وضاحت مقصود ہے نیز یہ کہ تضلیل یہاں بمعنی اضاعت و اہلاک ہے جو کسی تدبیر کے غلط ہونے کا انجام ہوتا ہے اسی وجہ سے اکثر حضرات اکابر نے ترجمہ میں غلط کا لفظ استعمال فرمایا۔

❸ ﴿طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾ میں لفظ ابابیل متفرق جماعتوں اور ٹولیوں کو کہا جاتا ہے، امام لغت ابوعبیدہ بیان کرتے ابابیل متفرق ٹکڑیوں کو کہتے ہیں چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے جاءت الخیل ابابیل من ھھنا وھھنا۔ یعنی گھوڑوں کے لشکر متعدد دستوں کی صورت میں پے در پے اس طرف سے اس طرف سے آئے۔

بعض ائمہ لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ جمع ہے لیکن اس لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں۔ اخفش و فراء اسی کے قائل ہیں اور بیان کیا کہ یہ لفظ شماطیط اور عبادید کی طرح ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں دوسرے بعض ائمہ فرماتے ہیں اس کا واحد ہے، چنانچہ ابوجعفر رواسی کہتے ہیں کہ اس کا واحد ابالہ ہے اور یہ لفظ اس محاورہ میں بولا جاتا ہے، انہ ضغث علی ابالہ اور ابالہ سوکھے ہوئے گھاس کی گڈی کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ابول کی جمع ہے جیسے عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے اور کوئی کہتا ہے یہ ایبالہ کی جمع ہے جیسے دینار کی جمع دنانیز ہے تو ایبالہ جمع ابابیل ہو گی، فراء رحمہ اللہ نے بیان کیا ابابیل کو ایبالہ کی جمع کہنا زیادہ بہتر ہے۔ ۱۲ (من تفسیر الکبیر للرازی رحمہ اللہ)

❹ لفظ سجیل پکی ہوئی مٹی اور گارے کے ٹکڑے، اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ معرب ہے، سنگ گل سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سجیل ہر مضبوط اور شدید چیز کا نام ہے، بعض نے کہا کہ سجیل میں لام ن سے بدلا ہوا ہے اور معنی سجین ہے جو جہنم کا بدترین نیچے کا طبقہ ہے اور زجاج رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سجل کے معنی کتابت کے ہیں جیسے ﴿كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ میں تو یہ سنگریزے وہ تھے جن پر عذاب کا فیصلہ لکھا ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایۃ والنہایۃ اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ملک یمن میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیر کا آخری بادشاہ یہودی ہوگیا اور بہت سے لوگوں کو بھی زبردستی یہودی بنالیا اور تعصب کی وجہ سے نجران کے عیسائیوں کو (جو اس وقت صحیح عیسوی مذہب کے متبع تھے) ظلم وستم کا نشانہ بنایا حتی کہ خندقیں کھدوا کر ان میں آگ بھروائی اور جس نے اس کا مذہب قبول نہ کیا اس کو اس دہکتی ہوئی آگ میں جھونکنا شروع کر دیا اور یہی وہ مظالم تھے جس کا ذکر سورۂ ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ میں گزر چکا۔ اس ظالم بادشاہ نے انجیل بھی جلادی تو کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل کا نسخہ لے کر شاہ روم قیصر کے پاس پہنچے اور اس سے مدد طلب کی، شاہ قیصر نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو جو اس کا تابع تھا، ان لوگوں کی مدد کے لئے لکھا، نجاشی نے ابرہہ کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا تاکہ ذونواس کی سلطنت کو تباہ کر دیا جائے، اس نے یمن کی یہ سلطنت جو ذونواس کی تھی، اس کو توختم کر دیا اور خود اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمن کا بادشاہ بن بیٹھا، یہ شخص نہایت ہی عیاش اور شہوت پرست تھا اس نے جب یہ دیکھا کہ عرب کے لوگ کعبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہاں تمام اطراف واکناف کے لوگ زیارت وعبادت کی نیت سے جاتے ہیں تو اس نے بیت اللہ کی عظمت وبرتری ختم کرنے کے لئے شہر (صنعاء) یمن میں ایک کنیسہ (گرجا) تعمیر کرایا، جس میں ہر طرح کی تعمیری زیبائش اور آرائش رکھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہوجائیں اور بیت اللہ کو چھوڑ دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کے وقت سے جو حج بیت اللہ کا دستور عرب میں چلا آرہا تھا، اس کے بجائے صنعاء کے کعبہ کا حج یا میلہ ہونے لگے، اور حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص مکہ نہ جائے اسی کعبہ کا حج کیا کرے، ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی مقبولیت اس مصنوعی کعبہ میں کہاں سے آسکتی تھی اس کا کوئی اثر نہ پڑا اور بدستور اہل عرب ویمن مکہ مکرمہ ہی جاتے رہے، اہل مکہ کو ظاہر ہے کہ اس پر غیظ وغضب اور ناگواری ہونی ہی چاہئے تھی تو اس جذبہ سے کسی جاروب کش نے جو عرب یا مکہ کا تھا اس کنیسہ میں پاخانہ کر کے اس کو جگہ جگہ سے آلودہ کر دیا، پھر چند روز بعد اس میں آگ لگ گئی یا بقول بعض مؤرخین بیت اللہ کی محبت میں معمور کسی شخص نے رات کے وقت آگ لگادی، جب حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے تو ابرہہ بادشاہ نے غصہ میں آکر ایک لشکر جرار تیار کیا، جو بڑے طاقتور ہاتھیوں پر بھی مشتمل تھا، اور یہ ہاتھیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ کعبۃ اللہ کو ڈھا دیا جائے اور راستہ میں جو قبیلہ بھی عرب کے قبائل میں سے مزاحمت کرتا اس کو تہ تیغ کرتا ہوا مکہ کی طرف اپنے لشکر کو رواں دواں رکھا یہاں تک کہ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب بعض روایات میں نو دس میل کی مسافت پر تھا تو اطراف مکہ میں جو مویشی بھی جنگلوں میں چرتے نظر آئے ابرہہ کا لشکر انکو بھی پکڑنے لگا، اسی میں عبدالمطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد (دادا) تھے ان کے بھی دوسو اونٹ پکڑ لئے، اس وقت عبدالمطلب ہی قریش کے سردار اور بیت اللہ کے متولی تھے، جب ان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کے لوگوں کو جمع کر کے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا، اور تم لوگ مکہ خالی کر کے میدانوں میں نکل جاؤ، اس کے بعد عبدالمطلب چند رؤساء قریش کو اپنے ہمراہ لیکر ابرہہ سے ملاقات کیلئے گئے اطلاع کرائی، ابرہہ نے بڑی ہی عزت کے ساتھ استقبال کیا، عبدالمطلب حسن وجمال کا پیکر تھے وقار وعظمت اور ہیبت ان پر برستی تھی۔ اور اللہ نے انکو ایسی وجاہت اور دبدبہ عطا کیا تھا کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی مرعوب ہوجاتا

تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صلب سے وہ نبی شان وذی قار پیدا کرنے والا تھا جس کو اللہ رب العزت نے یہ وصف عطا فرمایا تھا کہ اعطیت الرعب بمسیرۃ شھر۔ کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب عطا کیا گیا ہے کہ میں دشمن سے اس قدر فاصلہ پر ہوں گا تو اس بعد کے باوجود اس کے دل پر رعب طاری ہوگا اور وہ ہیبت زدہ ہو جائے گا تو ابرہہ اس قدر مرعوب ہوا کہ عبدالمطلب کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھانا تو گوارا نہ کیا البتہ خود تخت سے نیچے اتر کر فرش پر بیٹھا اور ان کو اپنے ساتھ برابر میں بٹھایا، دوران گفتگو عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کا ذکر کیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ابرہہ نے تعجب کے ساتھ کہا کہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ تم نے اپنے اونٹوں کو تو چھوڑ دینے کا ذکر کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا کعبہ اور دین و مذہب ہے اس کے بارے میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا حالانکہ یہ مسئلہ بڑا ہی اہم تھا اور تم کو اسی کی فکر چاہئے تھی عبدالمطلب نے جواب دیا۔ انا رب الابل وللبیت رب سیمنعہ کہ اونٹوں کا میں مالک ہوں (لہٰذا میں جس کا مالک ہوں میں نے اس کی فکر کی اور اسکا ذکر کیا) اور کعبہ تو اللہ کا گھر ہے اللہ ہی اس کا رب ہے تو وہی اس کی حفاظت کرے گا، ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دینے کا حکم دیا، یہ تمام اونٹوں کو لے آئے اور خانہ کعبہ کی نذر کر دیئے، اور بیت اللہ کے دروازے پر آ کر گڑگڑا کر دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ یہ تو تیرا گھر ہے تو ہی اس کی حفاظت فرما یہ دشمن ہاتھیوں کا لشکر عظیم لے کر آئے ہیں اور تیرے حرم کو برباد کرنے کا قصد لے کر آئے ہیں اور اپنی جہالت سے انہوں نے تیری عظمت و جلال کو نہیں سمجھا عبدالمطلب دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے، اور ادھر ابرہہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکایک پرندوں کے غول کے غول نظر آئے، ہر ایک پرندہ کی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں جو دفعتاً لشکر پر برسنی شروع ہو گئیں، قدرت کی طرف سے پھینکی جانے والی یہ کنکریاں [1] گولیوں سے بھی شدید کام کر رہی تھیں ہر ایک کے سر پر گرتی اور نیچے سے نکل جاتی، اور جس پر وہ کنکری گرتی وہ ختم ہو جاتا، اس طرح تمام لشکر تباہ ہو گیا خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور روایات میں ہے کہ ابرہہ کے بدن پر چیچک جیسے آبلے نمودار ہو گئے اور اس کا تمام بدن اس سے سڑ گیا اور جسم کے تمام حصوں سے خون اور پیپ بہنے لگا، بالآخر ایک ایک حصہ کٹ کٹ کر گرتا گیا یہاں تک کہ سینہ پھٹ گیا اور اسی میں مر گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوا کہ یہ جگہ جہاں ابرہہ کا لشکر ہلاک کیا گیا وادی محسر تھی جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے، یا بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما وادی صفاح تھی یہ کنکریاں عالم غیب کی تھیں۔ جو غضب الٰہی برسانے کیلئے اصحاب فیل پر برسائی گئیں، ان کنکریوں کا ہر ایک کے پار نکل جانا قدرت الٰہی پر ایمان رکھنے والے کے لئے ذرہ برابر بھی قابل تردد چیز نہیں، لیکن ایک طبقہ جو یورپ کی تعلیمات اور فلسفہ سے مرعوب ہے وہ قدیم زمانہ سے اسی روش کو اختیار کئے ہوئے ہے کہ اس قسم کے واقعات جو خداوند عالم کی قدرت عظیمہ کے دلائل ہوتے ہیں اور خوارق عادات (جو اللہ کے پیغمبروں کے لئے شہادت ونشانیاں ہوتے ہیں) کی تاویل کرتا ہے اور یہ لوگ ایسے دلائل ومعجزات کو (حالانکہ معجزہ نام ہی اس امر کا ہے جو اسباب عادیہ اور طاقت بشریہ سے بالا و برتر ہو) اسباب عادیہ اور واقعات طبیعیہ کے دائرہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسی رکیک

---

[1] اسی طرح کی تاثیر اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی کنکریوں میں پیدا فرما دی تھی جبکہ آپ ﷺ نے اپنی ایک مٹھی میں لے کر کفار کے لشکر پر پھینکی اور اس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾۔ ۱۲

اور بعید از قیاس اور ایسی مضحکہ خیز تاویلات کرتے ہیں کہ صاحب فہم انسان ان کو سن کر حیرت میں پڑ جائے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ میں ان کے عصا مارنے پر پتھر سے بارہ چشموں کا جہاں ذکر آیا۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ. فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ تو احادیث مرفوعہ رسول خدا ﷺ کی واضح تفسیر اور امت کے کل ائمہ مفسرین کی تحقیق کے برعکس یہ تاویل بڑی ہی ڈھٹائی سے اور بڑے ہی تکلفات کے ساتھ کر ڈالی کہ یہ بارہ چشموں کا نکلنا اس طرح نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا اور پتھر سے چشمے جاری ہو گئے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی پہاڑ پر چڑھے اور چلتے رہے، حتی کہ انکو ایک جگہ بارہ چشمے جاری بہتے ہوئے نظر آئے، ظاہر ہے کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف[1] ہے تو اسی طرح بعض اہل قلم حضرات نے یہاں بھی صرف اس بناء پر کہ ان کی عقلوں میں یہ بات آنی مشکل تھی کہ پرندوں کے پنجوں اور چونچ کی کنکریاں ایک لشکر جرار اور ہاتھیوں کو ہلاک کر ڈالیں تو یہاں بھی تاویل کر ڈالی کہ پرندوں کا کنکریاں پھینکنا مراد نہیں بلکہ ہمیں تاریخی نقول اور واقعات کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ ابرہہ کے لشکر پر پتھر برسانے لگے اور اسی سے یہ لشکر ہلاک ہوا اور یہی مطلب ہے اس ﴿تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ کا۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾۔ یہ تاویل ایسی کھلی تحریف ہے کہ اس کی نہ لغت اجازت دیتا ہے نہ قرآن کریم کا خود مضمون اور نہ ہی کوئی صاحب فہم انسان اس مضمون کو اس انداز تعبیر کے مطابق قرار دے سکتا ہے جس کو قرآن نے بڑے ہی عظمت و ہیبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے یعنی اور ان کے داؤ کو باطل کرنے کے لئے ﴿اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا﴾ کی وضاحت فرمائی اور لفظ ترمیھم کی ضمیر طیر یعنی پرندوں کی طرف راجع ہے، قریش کا تو کوئی ذکر ہی نہیں، ان کے پتھر برسانے کا مضمون ہوتا تو قرآن کی آیت یوں ہوتی، فصعد قریش علی الجبال ورموھم بالحجارۃ حالانکہ ہر طالب علم بھی جانتا ہے کہ ﴿كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾ کے بعد ﴿وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾ کا بس یہی مفہوم ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے ان بھیجے ہوئے پرندوں سے اس لشکر کا کام تمام کر دیا، پھر جب کہ احادیث سے بھی واضح تفسیر یہی ثابت ہو چکی تو آخر کیا ضرورت پیش آئی کہ اس طرح کی بعید از قیاس و فہم تاویل کی جائے چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طیر ابابیل کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔

"کہ یہ پرندوں کی ٹولیاں تھیں جو سمندر کی سطح سے نمودار ہوئے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ پرندے سبز رنگ کے تھے اور ان کی منقار (چونچ) زرد رنگ کی تھی تو پرندوں کے یہ غول تمام لشکر پر چھا گئے اور کنکریاں برسانے لگے۔"

اعمش رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابوسفیان رضی اللہ عنہ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ مائل رنگ کے بحری پرندے تھے، اسی طرح دوسرے حضرات ائمہ تابعین نے متعدد سندوں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے، ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے یہ منقول ہے، عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ جب اصحاب فیل کے ہلاک کر ڈالنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندے سمندر سے اٹھے، اور ان کے سروں پر صفوں کی طرح چھا گئے، اور ہر ایک نے اپنی چونچ اور پنجوں میں لی

[1] حضرات قارئین اس موضوع کی تفصیل کے لئے ناچیز کی کتاب "منازل العرفان فی علوم القرآن"۔ بحث "تحریفات قرآنیہ" کی مراجعت فرمائیں۔ ۱۲

ہوئی کنکریاں ان پر برسانی شروع کردی جس پر وہ کنکریاں گرتیں بدن شق کرتی ہوئی بدن میں سے باہر نکل آتیں، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو مسلم بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح تفصیل منقول ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کو نقل کرتے ہوئے فرمایا اور یہ تمام سندیں محدثین کے نزدیک معتبر اور صحیح ہیں، اسی طرح تفسیر درمنثور میں سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں عبید عمیر اللیثی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ:

قال لما اراد الله ان يهلك اصحاب طيرا انشات من البحر كانها الخطاطيف بكف كل طير انشات من البحر كانها الخطاطيف بكف كل طير منها ثلاثة احجار مجزعة في منقاره حجر وحجران في رجليه ثم جاءت حتى صفت على رؤسهم ثم صاحت والقت مافي ارجلها ومناقيرها، فما من حجر وقع منها على رجل الا خرج من الجانب الاخران وقوعلى راسه خرج من دبر وان وقع على شيء من بدنه خرج من الجانب الاخر وبعث الله ريحا شديدا فضربت ارجلها فزادها شده فاهلكوا جميعا (درمنثور)

جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندوں کو بھیجا جو دریا سے اٹھی تھیں گویا کہ وہ خطاطیف ہیں، ہر چڑیا تین تین پتھروں کے ٹکڑے لئے ہوئے تھی ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں یہ چڑیاں دریا کی طرف سے آکر اصحاب فیل کے سروں پر منڈلائیں پھر چیخیں اور ڈالا انہوں نے اصحاب فیل پر ان سنگریزوں کو جو کہ ان کے پاؤں اور چونچوں میں تھے پس نہیں تھا کوئی سنگریزہ جو کہ اصحاب پر گرا مگر نکل گیا دوسری طرف سے اور اگر بدن کے کسی اور حصہ پر گرا تو دوسری جانب سے نکل گیا اور بھیجا اللہ تعالیٰ نے ہوا کے طوفان کو پس مارا چڑیوں نے اپنے پاؤں سے اصحاب فیل کو جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

علی ہذا القیاس، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متعدد اسانید سے یہ روایات بیان کی ہیں، ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بلاشبہ یہ امر مضحکہ خیز اور گویا قدرت خداوندی کا انکار ہے کہ پرندوں کی کنکریاں برسانے کا انکار کر کے قریش کے لوگوں کی طرف سے پہاڑوں پر چڑھ کر اصحاب فیل کا مقابلہ کرنا اور ان کو شکست دینا بیان کیا جائے، اور اصحاب فیل کی ہلاکت کو ایک اتفاقی بیماری اور چیچک کے نکل جانے پر محمول کیا جائے، اگر کسی تفسیر میں لفظ چیچک کے دانے ہوں، بہرکیف قدرت خداوندی پر ایمان رکھنے والا شخص ان واضح تفسیرات کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا، پھر جب کہ دنیا میں پیش آنے والے ان واقعات کو نقل بھی کرتے ہیں کسی جگہ بیان کیا گیا کہ آتشیں گولہ پڑا، جس کی آواز سے لوگ ہیبت زدہ ہو گئے اور زمین میں وہ دھنس گیا کہیں سرخ آندھیوں سے تباہی پھیل گئی کہیں آسمان سے اولے برسنے لگے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قریش مکہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور تردید کیلئے معمولی سے معمولی

بات کی فکر میں رہتے تھے تو آخر انہوں نے کیوں نہ کہہ دیا کہ قرآن کا یہ اعلان غلط ہے کہ محمد ﷺ کے خدا نے اس لشکر کو ہلاک کیا اور اس طرح یہ واقعہ اس کی قدرت کی دلیل اور اس کے پیغمبر ﷺ کی نبوت کی اطلاع ہے بلکہ یہ تو ہمارا کام تھا کہ ہم نے پہاڑوں پر سے ان پر پتھر برسائے اور اس طرح ابرہہ کے لشکر کو شکست دی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں، عذاب خداوندی کے واقعات اور قدرت کی ایسی نشانیوں میں مثلاً ہوائیں۔ زلزلے، طوفان، پتھروں کی بارش وغیرہ وغیرہ میں ملحدین تاویلات کر کے قدرت خداوندی اور ایسے مظاہر غضب کا انکار کرتے ہیں اور نہایت ہی رکیک اور ضعیف یا بعید از قیاس تاویلات کر لیتے ہیں لیکن اس واقعہ میں اس طرح کے اعذار اور تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں نہ اس واقعہ کو کسی اتفاق پر محمول کر سکتے ہیں اور نہ اس کو کسی طبیعت اور مادہ کے اقتضاء پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسی بات کہ پرندوں کے غول اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لے کر آئیں اور لشکر پر برسانے لگیں، اور ایک مخصوص قوم اور لشکر ہی پر یہ کنکریاں برسیں نہ کہ کسی اور پر ہرگز یہ بات نہ اتفاق پر محمول ہو سکتی ہے اور نہ اس کو امر طبعی پر محمول کیا جاسکتا ہے جیسے کہ کسی آندھی چلنے کی تاویل کر لی جائے یا طوفان کی تاویل کر لی جائے، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کا بحر قلزم سے عصا مارنے پر بارہ راستے ہو کر صحیح سالم نکل جانے اور اس کے بعد فرعون کے لشکر کے غرق ہو جانے کو دریاؤں کے مد رجزر پر محمول کر لیا جائے، غرض یہاں اس قسم کی کسی بھی بات کا امکان نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے پچاس روز قبل ہی تو پیش آیا اور جب یہ سورت نازل ہوئی اور اہل مکہ کو آنحضرت ﷺ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی تو یقیناً اس وقت تک مکہ میں بہت سے لوگ وہ موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا، تو اگر یہ اعلان خلاف حقیقت ہوتا یا اس کی مراد یہ نہ ہوتی تو وہ کفار قریش برملا اس سورت کی تردید کر دیتے نہ کسی متنفس نے تردید کی نہ طعن کیا اور نہ کوئی تاویل کی اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ نہیں پرندے نہیں بلکہ ہم نے پتھر برسائے۔

فائدہ:...... کفار قریش اگر مشرک تھے اور بیت اللہ میں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے تو یہ شرک بے شک بدترین فعل تھا۔ اور اصولی طور سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے گھر کی دیواروں کو منہدم کرنے سے بھی یہ عمل شنیع اور برا تھا لیکن اس پر طویل مدت گزرنے پر بھی عذاب نازل نہیں ہوا اور ابرہہ کے لشکر نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ عذاب نازل ہو گیا اس پر ممکن ہے کہ تعجب ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ مشرکین کا جرم اللہ رب العزت کے حق پر تعدی اور نافرمانی تھی اور ابرہہ کے لشکر کا یہ اقدام دین خداوندی اور بیت اللہ کی توہین تھی، اس وجہ سے خدا کو یہ بات برداشت نہ ہوئی یعنی اللہ نافرمانی برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے دین کی توہین نہیں برداشت کرتا۔

اصحاب الفیل کی تعبیر بجائے ارباب الفیل یا ملاک الفیل کے ایک عجیب لطافت رکھتی ہے گویا اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ قوم اپنی بہیمیت اور عقل وفہم سے محروم ہونے میں فیل کی جنس سے ہی تھے اس بناء پر یہ درست ہے کہ ان کو اصحاب الفیل یعنی ہاتھیوں کے ساتھ اور رفقاء کہہ دیا جائے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفیل۔

سورۃ قریش

سورۂ قریش مکی سورت ہے جس کی چار آیات ہیں، عبداللہ بن عباس ؓ اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے بعض حضرات سے یہ ضعیف روایت بھی نقل کی گئی کہ انہوں نے اس کو مدنیہ کہا۔

اس سورت کا مضمون قریش پر قدرت خداوندی کی طرف سے خاص انعامات کا ذکر ہے کہ ان پر اللہ کی کیسی عنایت تھی کہ تجارتی وسائل اور ذریع آمدورفت آسان کر دیئے تھے، اس طرح کے مادی انعامات اور ظاہری عنایات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے رب منعم کی عبادت کرتے پھر جبکہ ان کے رب کا گھر بھی خود مکہ میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایمان نہ لائیں اور کعبۃ اللہ کی عبادت نہ کریں، تو اس سورت میں خاص طور پر ان مضامین کو بیان کیا گیا۔

(۱۰۶ سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ ۲۹) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (ایاتها ٤ رکوعها ۱)

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ② فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ③

اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا ان کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے تو چاہیے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی

اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو، ہلا رکھنا ان کو کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے، تو چاہیے بندگی کریں اس گھر کے رب کی۔

الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④ ع ۲۱

جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں ف ۱

جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں، اور امن دیا ڈر میں۔

انعامات خداوندی بر قریش بصورت عطا رزق وامن و تسہیل وسائل سفر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ... الی ... وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت میں اہل مکہ پر خداوند عالم کے اس خاص انعام وکرم کا ذکر تھا کہ مکہ والوں کو اور بیت اللہ کو ابرہہ کے حملہ سے محفوظ رکھا، اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی طور پر صرف اس بناء پر تھی کہ نبی آخر الزمان ﷺ کا ظہور قدسی ہونے والا تھا اب اس سورت میں اہل مکہ اور قریش پر مزید یہ انعام بیان کیا جا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکے لئے سفر کی سہولتیں عطا فرمائی تھیں اور موسمی اختلافات کے لحاظ سے گرمیوں اور سردیوں میں ان کے دو سفر ہوتے تھے کیونکہ مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا

ف ۱ مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے۔ لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی خدمت کرتے اور ان کے جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ اس طرح ان کو خاطر خواہ نفع ہوتا۔ پھر امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور، ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا۔ اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی، اور امن چین دیا۔ ''اصحاب فیل'' کی زد سے محفوظ رکھا، پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور اس کے رسول کو کیوں ستاتے ہو، کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں۔ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے۔

وہاں نہ کوئی پیداوار تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تو وہاں کے لوگ تجارتی سفر کے محتاج تھے یمن گرم ملک تھا تو سردیوں میں اس طرف کا سفر کرتے اور شام سرد ملک ہے تو موسم گرما میں شام کا سفر کرتے ان دونوں جگہوں کے باشندے قریش مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے، اور ہر قسم کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے اس خیال سے کہ یہ لوگ اہل حرم اور بیت اللہ کے نگران ہیں حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا مگر قریش بڑے ہی سکون وچین سے اپنی زندگی گزارتے، اور جب تجارتی سفر کرتے خواہ یمن کی جانب، خواہ شام کی جانب تو ہر طرح محفوظ رہتے اور اعزاز و اکرام کیا جاتا۔ ان انعامات کو ذکر کرنے کی غرض یہی ہے کہ جس کعبہ اور رسول خدا کی برکت سے قریش پر اللہ کی یہ بیشمار نعمتیں ہیں، ان کو چاہئے کہ اس رسول پر ایمان لائیں، اور اس رب کی عبادت کریں جس نے ان تمام انعامات سے نوازا ہے، تو ارشاد فرمایا:

قریش کے مالوف و مانوس کرنے لئے سردی کا سفر اور گرمی کا سفر ہم [1] ہم نے مقدر کر دیا تھا۔ اور ہر دو موسم میں اسباب سفر ان کے واسطے مہیا کر دیئے تھے، تاکہ انہیں اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی الفت و رغبت ہو اور ظاہر ہے کہ انعام سے منعم کی محبت پیدا ہونا طبعی تقاضا ہے، اس لئے ان کو چاہئے کہ بندگی کریں، اس گھر کے رب کی جس نے ان کو کھانا دیا بھوک کی حالت میں اور امن دیا ان کو خوف کی حالت میں جب کہ حرم کے اطراف میں لوٹ و غارتگری عام تھی مگر اہل حرم کو یہ چور ڈاکو کچھ نہ کہتے اور اس سرزمین میں جہاں کچھ بھی پیدا نہ ہوتا ہو تو بیشمار رزق پھل اور طرح طرح کی نعمتیں، یہ کس قدر عظیم انعام ہے جو صرف اس مبارک گھر اور کعبہ کی بدولت ہے تو جس گھر کے طفیل روزی ملتی ہو، امن و سکون حاصل ہو، اصحاب فیل کی زد سے محفوظ رہے ہوں تو پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو ستاتے ہو اور اس سے دشمنی کرتے ہو۔

بیہقی رحمہ اللہ نے ایک روایت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی سند سے بیان کی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات چیزوں کے ساتھ تمام قبائل پر فضیلت دی ہے۔ یہ کہ میں ان میں سے ہوں۔ اور یہ کہ نبوت اللہ نے ان میں رکھی اور بیت اللہ کی تولیت و نگرانی ان میں ہے۔ اور اور یہ کہ ان ہی میں زمزم کی سقایت کا منصب ہے، اور یہ کہ اللہ نے انکی مدد کی ہاتھیوں کے لشکر کے مقابلہ میں، اور یہ کہ انہوں نے اس وقت اللہ کی عبادت کی جبکہ انکے علاوہ اور کوئی اللہ کی عبادت کرنیوالا نہ تھا اور یہ کہ اللہ نے ان کے متعلق قرآن کریم میں ایک سورت نازل فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر یہ سورۃ لایلف [2] قریش تلاوت فرمائی۔

[1] ہر دو موسم کے یہ سفر آسان کر دینا بلاشبہ بڑا ہی عظیم انعام تھا، اور اسلام سے قبل ہی قریش کے لئے باہر ملکوں کے سفر کو اسلام کی اشاعت اور فتوحات کا بھی اللہ نے ذریعہ بنایا اور یہ بھی طبعی امر ہے کہ سفر اور تجربہ انسان میں حوصلہ اور اولوالعزمی پیدا کرتا ہے، قریش کے ساتھ اگرچہ اور قومیں بھی تھیں، مگر اصل قریش ہی تھے اس وجہ سے اصل مورد انعام قریش ہی کو فرمایا گیا۔ ۱۲

[2] قریش عرب کے قبیلہ کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے، اسی خاندان سے آنحضرت ﷺ ہیں اور نضر بن کنانہ کی تیرہویں پشت میں ہیں، جیسا کہ کتابوں میں آپ ﷺ کے نسب نامہ سے ظاہر ہے، محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ ....=

شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو سورۃ لایلف قریش تلاوت کرتے ہوئے سنا اور آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے، اے قریش کے لوگو! افسوس تم پر عبادت کرو اس گھر کے رب کی جس رب نے تم کو بھوک کی حالت میں رزق دیا اور تم کو خوف سے مامون کیا۔

یہ وہی مضمون ہے جس کو قرآن کریم نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ اسی حقیقت کو قرآن کریم آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یوں تعبیر کرتا ہے، ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾۔

فائدہ: ...... لایلف میں لام مجرور بمعنی سبب ووجہ ہے، جس کو لام علت بھی کہا جاتا ہے اور بعض ائمہ مفسرین اور اہل لغت اس کو لام تعجب کہتے ہیں، چنانچہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح وہی ہے کہ یہ لام تعجب ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت فرما رہا ہے اے لوگو! تعجب کرو کہ ہم نے قریش کے لئے کس طرح اس سرزمین کو مانوس بنایا، اور کیسی کیسی نعمتیں ان کو دیں۔

(۱۰۷ سُوْرَۃُ الْمَاعُوْن مَکِّیَّۃٌ ۱۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (ایاتھا ۷ رکوعھا ۱)

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ؀ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ؀ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

تو نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو ف۱ سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو ف۲ اور نہیں تاکید کرتا محتاج

تو نے دیکھا! وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا، سو وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو، اور نہیں تاکید کرتا محتاج

الْمِسْكِیْنِ ؀ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ؀ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ؀ الَّذِیْنَ هُمْ

کے کھانے پر ف۳ پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں ف۴ وہ جو

کے کھانے پر۔ پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی، جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، وہ جو

ف۱ یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہوگا اور اللہ کی طرف سے نیک و بد کا کبھی بدلہ نہ ملے گا۔ اور بعض نے دین کے معنی "ملت" کے لئے ہیں۔ یعنی ملت اسلام اور مذہب حق کو جھٹلاتا ہے۔ گویا مذہب و ملت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔

ف۲ یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو در کنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔

ف۳ یعنی غریب کی نہ خود خبر لے نہ دوسروں کو ترغیب دے۔ ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان کا مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو، سمجھو کہ آدمی نہیں، جانور ہے۔ بھلا ایسے کو دین سے کیا واسطہ، اور اللہ سے کیا لگاؤ ہوگا۔

ف۴ یعنی نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں دنیا کے دھندوں میں جان بوجھ کر وقت تنگ کر دیا، پھر پڑھی بھی تو چار ٹکریں لگالیں۔ کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں،=

= اہل لغت کہتے ہیں کہ قریش تصغیر ہے، قریش کی جس کے معنی سمندر کے ایک طاقتور جانور کے ہیں چونکہ یہ قبیلہ بہادر تھا اس وجہ سے اس کا یہ نام معروف ہوا۔ قرش کے معنی جمع کرنے کے بھی ہیں، چونکہ قصی نے متفرق قوموں کو مکہ میں جمع کیا تھا، اس وجہ سے قریش کو قریش کہا گیا کسی نے بیان کیا کہ قرش کے معنی کسب کے ہیں اور یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے قریش کہلائے، اسی طرح اور بھی بعض معانی لفظ قرش کے لغت میں ملتے ہیں، اور ان معانی سے قریش کی وجہ تسمیہ ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧

دکھلاوا کرتے ہیں ف۱ اور مانگی نہ دیویں برتنے کی چیز ف۲

دکھاوا کرتے ہیں۔ اور مانگے نہ دیں برتنے کی چیز۔

سورۃ الماعون

سورۃ ماعون بھی مکی سورت ہے جس کی سات آیات ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور جابر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اگرچہ بعض مفسرین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ نصف اول مکہ میں نازل ہوئی اور نصف آخر مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے مضامین اپنی جامعیت اور اختصار میں بڑی ہی معجزانہ شان رکھتے ہیں، ان مختصر آیات میں حکمت نظریہ اور عملیہ تہذیب، اخلاق، سیاست مدن اور تدبیر منزل جیسے عظیم اصول اور ان کا لباب وجوہر جمع کر دیا گیا ہے حکمت نظریہ ہی انسان کی زندگی کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچانے والی ہے، اس کو بڑی ہی اہمیت سے بیان کیا گیا پھر یہ کہ انسان کے عمل نیک وبد کی جزاء ملتی ہے مرنے کے بعد روح دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے، جہاں اس کو اچھے اور برے اعمال کا ثواب وعذاب دیکھنا ہوتا ہے تو انسان کی عملی کوششوں کا یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے تو اس سورت میں بڑے ہی اختصار سے اس کو بھی ذکر فرمایا گیا، اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا، اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو رب البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی، تو اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیئے جا رہے ہیں جو ان کیلئے دین ودنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے، ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر ﷺ یا اے مخاطب، کیا تو نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے۔ اعمال کے بدلہ کو اور انکار کرتا ہے قیامت کا اور اعمال کی جزاء وسزا کا، حالانکہ ہر انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ وہ اپنے خالق کو مانے اس کے انعامات کو سمجھے اور ان انعامات کے باعث اس پر ایمان لائے اور اس کی نعمتوں کا حق بھی ادا کرے اور اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو غریبوں مساکین ویتامیٰ پر خرچ کرے لیکن افسوس صد افسوس یہ مکذب بالدین خدا اور قیامت کا منکر اور اس کی نعمتوں کو فراموش کرنے والا تو ایسا شخص ہے غرور وتکبر کے نشہ میں مست دھکے دیتا ہے یتیم کو اور خود تو کسی کی کیا مدد کرتا دوسرے کو بھی ترغیب نہیں دیتا مسکین کو کھانا دینے کی۔ ایسی سنگدلی اور بندوں کے حقوق سے غفلت کے ساتھ یہ بھی عیب ہے

= اور احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں۔ کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے بیٹھنے، جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے؟ ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا؟ کہ ان میں کہاں تک اخلاص اور خشوع کا رنگ موجود ہے۔ یاد رکھو یہ سب صورتیں "عن صلاتھم ساھون" میں درجہ بدرجہ داخل ہیں۔ کما صرح بہ بعض السلف۔

ف۱ یعنی ایک نماز کیا، ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود ونمائش سے خالی نہیں گویا ان کا مقصد خالق سے قطع نظر کر کے صرف مخلوق کو خوش کرنا ہے۔

ف۲ یعنی زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً (ڈول، رسی، ہنڈیا، دیگچی، کلہاڑی، سوئی دھاگا وغیرہ) کسی کو مانگے نہیں دیتے جن کے دے دینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور فسق کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہوگا۔ اگر ایک آدمی اپنے کو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا، اس کا اسلام لفظ بے معنی، اور اس کی نماز حقیقت سے بہت دور ہے۔ یہ ریاکاری اور بداخلاقی تو ان بدبختوں کا شیوہ ہونا چاہیے جو اللہ کے دین اور روز جزا پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتے۔

کہ خالق کا حق بھی نہیں پہچانتا اور نہ اس کو ادا کرنے کی طرف رخ کرتا ہے اور اگر کسی وقت اپنی کسی غرض یا کسی خوف کے باعث اللہ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہو بھی جاتا ہے تو ہزار خرابیوں اور غفلت ولاپرواہیوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ سو بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل و بے خبر ہیں جو صرف دکھلاوا کرتے ہیں۔ یعنی ریاکاری اور نمود ہوتا ہے نہ انکو نماز کا اہتمام وخیال ہے نہ اس میں پابندی ہے نہ اس میں خشوع خضوع اور طمانیت ہے [1] کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی اور اگر پڑھی بھی تو چند ٹکریں مارلیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم احکم الحاکمین کے دربان میں اس کے سامنے کھڑے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں اس کے سامنے کس کیفیت سے کھڑے ہونا چاہئے اعتقادی اور عملی خرابی اور ایسی گندگی کے علاوہ کمینہ پن اس حد تک ہے۔

اور کسی کے مانگنے پر انکار کردیتے ہیں حقیر سے حقیر چیز کا برتنے کی جس کے دینے میں نہ مال بوجھ نہ کوئی مشکل اور نہ وہ کوئی قیمتی چیز جیسے ڈول رسی یا کوئی برتن، جن میں عام طور پر نہ بخل کیا جاتا ہے اور نہ ان کے مانگنے کو عیب کہا جاتا ہے تو ایسی حقیر سی چیز ہی جو دینے پر تیار نہ ہو وہ کیا صدقات وزکوٰۃ ادا کرے گا کیا کسی مسکین کو کھلائے گا یا یتیم کی تربیت وکفالت کرے گا، تو ظاہر ہے کہ اعتقادی گندگی اور عملی خرابیوں کے بعد ایسی اخلاقی گراوٹ انتہائی افسوسناک امر ہے اور انسانیت کے لئے تباہ کن بات ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات انسان اور معاشرہ کو ایسی گندگیوں اور کمینہ خصلتوں سے پاک رکھنے والی ہیں جن کی تعلیم وہدایت سرور کائنات ﷺ کے ذریعہ دنیا کو دی گئی اس لئے ہر مسلمان شخص کو چاہئے کہ وہ اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرے، ریاکاری اور بداخلاقی سے بچے۔

سورۃ الکوثر

سورۃ الکوثر مکیہ ہے جس کی تین آیات ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح منقول ہے، یہ سورت بھی جامعیت مضامین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابتداء میں آنحضرت ﷺ کو خداوند عالم کی طرف سے خیر کثیر عطا کئے جانے کا اعلان ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو وحی اور علوم الہیہ رشد وہدایت اور فلاح وسعادت آپ ﷺ کو دیئے گئے انکی عظمت و برتری اور بہتری کی کوئی حد نہیں ہوسکتی، جس علم وحکمت نے دنیا کو انسانیت سکھا دی ان کے عقائد اعمال واخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا، گمراہیوں کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت اور ایمان وتقویٰ کے نور سے انکی زندگیاں روشن کردیں، بلاشبہ وہ ایسی خیر کثیر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خیر کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اس خیر کثیر کے عملی پہلوؤں کی تکمیل صلوٰۃ اور قربانی سے ہوتی ہے، تو ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ فرمادیا اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور عنداللہ مقبولیت کا یہ مقام ہے کہ آپ ﷺ کا دشمن اور بدخواہ ہمیشہ کے لئے تباہ وبرباد ہوکر رہے گا۔

[1] ان الفاظ سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تلك صلوة المنافق قام فنقر اربع نقر لا یذکر اللہ الا قلیلا۔ کہ ایسی نماز منافق کی نماز ہے کہ کھڑا ہوا اور چار ٹھونگیں مارلیں، اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ ۱۲

غرض اس سورت میں بیشمار مطالب اور اسرار وحکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح وبلیغ ادیب وشاعر نہ کرسکا، روایات میں ہے کہ عرب کے شعراء میں سے مایہ ناز شعراء اپنے اپنے اشعار اور قصائد بیت اللہ کی دیواروں اور پردے پر لگا دیتے تھے۔ لیکن جب یہ سورت نازل ہوئی سب حیرت میں پڑ گئے اور شرما کر اپنے اپنے کلام بیت اللہ کی دیواروں پر سے اتار لئے اور پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنا کوئی شعر یا کلام وہاں لگائے اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ بطور اعتراف جاری تھے۔ ماھذا کلام البشر۔ کہ بے شک یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

۱۰۸ سُورَۃُ الکَوثَر مَکِّیَّۃٌ ۱۵ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اٰیاتھا ۳ رکوعھا ۱

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ② اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ③

بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر ف۱ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر ف۲ بیشک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا ف۳

ہم نے تم کو دی کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے، اور قربانی کر۔ بے شک جو بیری ہے تیرا، وہی رہا پیچھا کٹا۔

ف۱ "کوثر" کے معنی "خیر کثیر" کے ہیں۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری، یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے۔ "البحر المحیط" میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کئے گئے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیاوی دولتیں اور حسی ومعنوی نعمتیں داخل ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ "حوض کوثر" بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے۔ (اے ارحم الراحمین! تو اس خطا کار روسیاہ کو بھی اس سے سیراب کیجئے) (تنبیہ) "حوض کوثر" کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حد تواتر تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب وغریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدان حشر میں لاکر کسی حوض میں جمع کر دیا جائے گا۔ دونوں کو "کوثر" ہی کہتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ف۲ یعنی اتنے بڑے انعام واحسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہئے۔ تو چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روح، بدن اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں، بدنی وروحی عبادات میں سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ اور مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔ جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے قصہ سے ظاہر ہے اسی لئے قرآن میں دوسری جگہ بھی نماز اور قربانی کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ ﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾

(تنبیہ) بعض روایات میں "وانحر" کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے آئے ہیں۔ مگر ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان روایات میں کلام کیا ہے۔ اور ترجیح اس قول کو دی ہے کہ "نحر" کے معنی قربان کرنے کے ہیں گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ وہ نماز اور قربانی بتوں کے لئے کرتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ کام خالص خدائے واحد کے لئے کرنے چاہئیں۔

ف۳ بعض کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہتے تھے۔ کہ اس شخص کا کوئی بیٹا نہیں۔ بس زندگی تک اس کا نام ہے پیچھے کون نام لے گا۔ ایسے شخص کو ان کے محاورات میں "ابتر" کہتے تھے۔ "ابتر" اصل میں دم کٹے جانور کو کہتے ہیں۔ جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے، گویا اس کی دم کٹ گئی۔ قرآن نے بتلایا کہ جس شخص کو اللہ خیر کثیر عنایت فرمائے اور ابد الآباد تک نام روشن کرے اسے "ابتر" کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ حقیقت میں "ابتر" وہ ہے جو ایسی مقدس و مقبول ہستی سے بغض وعناد اور عداوت رکھے اور اپنے پیچھے کوئی ذکر خیر اور اثر نیک نہ چھوڑے۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد سے دنیا پٹی پڑی ہے اور جسمانی دختری اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار صالحہ عالم میں چمک رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد نیک نامی اور محبت وعقیدت کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے۔ دوست دشمن سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاحی کارناموں کا صدق دل سے اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے گزر کر آخرت میں جس مقام محمود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور جو مقبولیت ومتبوعیت =

انعام رب ذوالجلال بعطاء کوثر وہلاکت وبربادی دشمن رسول مقبول ﷺ

قال تعالیٰ: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ... الى ... إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ﴾

ربط:...... سورۂ ماعون میں حکمت اعتقادیہ عملیہ کے جملہ اقسام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے جو اعمال واخلاق باعث عیب ہیں ان کی مذمت بھی کردی گئی تھی تو اب اس سورت میں خیر کثیر کا ذکر ہے، جس کے باعث انسانی حیات عظمت وبلندی کے مقام تک پہنچتی ہے اور اس خیر کثیر کی شاخیں اور نہریں اس طرح پھیل جاتی ہیں کہ قیامت تک نسل انسانی ان کے ذریعہ ہر قسم کی سیرابی اور شادابی حاصل کرتی رہے اور اس پر پھل وپھول لگے رہیں، یہی وہ فرمان مبارک ہے جو ﴿وَمَن يُؤْتَ ٱلْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِىَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ کے عنوان سے نازل فرمایا گیا تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اے ہمارے پیغمبر ﷺ بے شک ہم نے آپ ﷺ کو عطا کردی ہے کوثر، خیر کثیر اور حوض کوثر جس کی خیر وبرکت سے اللہ کے بندوں کو سیرابی نجات اور آخرت کی بے پایاں نعمتیں اور خیر حاصل ہوگی اور آخرت کی اس خیر کثیر (جو حوض کوثر کی صورت میں ہوگی) کے علاوہ دنیا میں بھی آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ذریعہ تمام عالم کو خیر کثیر رشد وہدایت اور فلاح وسعادت کے علوم کی شکل میں دے رہی ہے، دنیا اور آخرت کی خیر عطا کئے جانے کا حق یہ ہے کہ بس آپ ﷺ خاص [1] اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھتے رہیں۔ تاکہ اس انعام عظیم کا حق اپنے بدن اور روح سے ادا کریں اور قربانی کریں تاکہ اپنے مال سے اس کے انعام کا حق ادا ہوجائے۔

انعامات خداوندی سے جو عظمت آپ ﷺ کو ملی ہے وہ رہتی دنیا اور قیامت تک قائم رہے گی اور اس طرح آپ ﷺ کے ذریعہ عالم کو جو خیر کثیر پہنچ رہی ہے اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا اس پر آپ ﷺ اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کی کوئی فکر نہ کریں کہ اسلام کے اور آپ ﷺ کے دشمن آپ کی دشمنی اور بدخواہی میں کیا کررہے ہیں آپ ﷺ یقین رکھیں ان کی بدخواہی دشمنی اور سازشوں سے آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یقیناً آپ ﷺ کا دشمن [2] ہی دم بریدہ ہے۔ اور بے نام ونشان رہے گا نہ اس کی کوئی نسل باقی رہے گی نہ اس کا کوئی نام اور نہ بھلائی کا عمل اور نہ ہی اس کا کوئی علم وہنر سب کچھ ختم ہوکر وہ نام ونشان سے بھی مٹ جائے گا اور کوئی اس کا بھلائی سے ذکر بھی کرنے والا نہ رہے گا، جب کہ اللہ نے آپ ﷺ کو وہ عزت وعظمت دے دی کہ اس کی بلندی کی کوئی حد نہیں ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ اور وہ علم وخیر کثیر عطا کی، دنیا اس سے مستفیض وسیراب ہے اور کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں اور اس کی خوبی اور منفعت کا کائنات کے گوشہ گوشہ میں چرچا ہے آپ ﷺ کا نام اذانوں میں لیا جارہا ہے کہ عالم میں کوئی چپہ زمین اس سے خالی نہیں اور شب وروز ہر لحہ اشہد ان محمدا رسول اللہ کی صدا فضا میں گونجتی ہے پھر آخرت میں یہ انعام واعزاز ہوگا کہ ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ اس طرح آپ ﷺ

= عامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی رؤس الاشہاد حاصل ہوگی وہ الگ رہی۔ کیا ایسی دائم البرکت ہستی کو (العیاذ باللہ) "ابتر" کہا جاسکتا ہے؟ اس کے مقابل اس گستاخ کو خیال کرو جس نے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا۔ اس کا نام ونشان کہیں باقی نہیں۔ نہ آج بھلائی کے ساتھ اسے کوئی یاد کرنے والا ہے۔ یہی حال ان تمام گستاخوں کا ہوا جنہوں نے کسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض وعداوت پر کمر باندھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کی اور اسی طرح آئندہ ہوتا رہے گا۔

[1] یہ لفظ عربیت کی رو سے ﴿لِرَبِّكَ﴾ میں لام جو اختصاص کے لئے مستعمل ہوتا ہے کے پیش نظر بڑھایا گیا۔ ۱۲

[2] دشمن بلفظ شانی کا ترجمہ شان بغض وعداوت کو کہا جاتا ہے تو مراد یہی ہوئی کہ آپ ﷺ سے بغض ودشمنی رکھنے والا۔ ۱۲

کا ذکر آپ ﷺ کا فیض کسی لمحہ منقطع نہ ہوگا پھر کسی کافر کو آپ ﷺ کے بیٹے کی موت پر یہ کہنا کہ محمد ﷺ تو اب ابتر ہو جائے گا یعنی منقطع النسل کس قدر بیہودہ اور لغویات ہے جس ذات کا علم وفیض اور حکمت اور عقائد و اعمال اور کردار و معاشرت کی خوبیاں تمام عالم میں پھیل رہی ہوں، اس کے آثار باقیہ اس کے ایک بیٹے کی موت سے بھلا کیونکر منقطع ہو سکتے ہیں۔

الکوثر کا مفہوم

الکوثر کے معانی از روئے لغت کثیر یعنی خیر کثیر اور ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کے ہیں اور اس کو نعمت و برتری کے مفہوم میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، اسی معنی لغوی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (جو حبر الامۃ ہیں) نے تفسیر کی ہے الخیر الکثیر، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ابن جریر رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے اور اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بروایت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نقل کیا ہے اور خیر کثیر حکمت ہے۔

خیر کثیر اپنی معنوی وسعت کے لحاظ سے ہر قسم کی خیر کو شامل ہے، اس بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ البحر المحیط میں تو چھبیس اقوال نقل کئے ہیں، اور بیان کیا کہ اس میں ہر قسم کی دینی دنیوی حسی اور معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ ﷺ کے طفیل امت کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت کوثر بھی ہے جو آخرت میں آپ کو دی جائے گی، جس کی صفت احادیث کثیرہ میں اس طرح بیان فرمائی گئی کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کا ایک گھونٹ بھی پینے والا کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

اسی حوض کوثر پر قیامت کے روز آپ ﷺ کا منبر ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے ومنبری علی حوضی کہ میرا منبر میری حوض پر ہے جس کے پانی سے آپ ﷺ امت کو اور اولین و آخرین کو روز محشر سیراب فرمائیں گے، جیسے کہ دنیا میں ایک معنوی حوض کوثر یعنی ذخیرہ علوم رشد و ہدایت سے تمام عالم کو سیراب فرمایا اور یہ وہ حکمت الٰہیہ ہے جو خداوند عالم نے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں بھر دی ہے اور دنیائے علم و حکمت کے جام اس حوض کوثر سے لئے جا رہے ہیں اور سیراب ہو رہے ہیں اور جو خوش نصیب علوم نبویہ کے چشمہ فیض سے دنیا میں سیراب ہوگا، ان شاء اللہ قیامت میں اس حوض کوثر سے بھی سیراب ہوگا اور جو بدنصیب یہاں محروم رہا وہ وہاں بھی محروم رہے گا، اللھم اسقنا من حوضہ۔ آمین۔

حوض کوثر کا ثبوت اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث سے ثابت ہے کہ محدثین نے ان روایات و احادیث کو حد تواتر میں شمار کیا ہے، اور جو چیز بھی احادیث متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار یا ایسی تاویل جو انکار کے درجہ میں آئے اصول شریعت کی رو سے کفر ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ ﷺ کو شب معراج میں (بھی) دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ ﷺ نے اس کا پانی دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا، آپ ﷺ نے اس کے متعلق جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

الغرض کوثر کے مفہوم میں یہ تمام چیزیں داخل ہیں جس کا مصداق اکمل اور مظہر اتم قیامت کے روز حوض کوثر ہے۔ اگر

آپ کا کوئی صلبی فرزند انتقال کر گیا تو کیا ہوا آ ﷺ کی روحانی اولاد اور فیض نبویہ سے مستفیض ہونے والی نسل تو قیامت تک قائم و باقی رہے گی، ابتر کے معنی دم بریدہ ہو جس کی نسل منقطع ہو جائے اور اولاد میں کوئی باقی نہ رہے تو گویا وہ دم بریدہ ہے، سدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اہل عرب شخص کی اولاد میں کوئی بیٹا نہ رہے تو اس کو ابتر کہا کرتے تھے، عطاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ ابولہب کی طرف اشارہ ہے۔ قت آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ابولہب مشرکین مکہ کے مجمع میں دوڑتا ہوا گیا اور کہنے لگا، "بتر محمد" اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بعض مفسرین کا خیال ہے عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ خبیث آپ ﷺ کو ابتر کہتا تھا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو نیند کا ایک جھونکا سا آیا، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا، مسکراتے ہوئے اور فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے یعنی بہت ہی عظیم الشان اور آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔

سورة الكافرون

سورۂ کافرون بھی مکی سورت ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حسن بصری رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ سے یہی منقول ہے اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اس سورت کا مضمون درحقیقت اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہئے اور کسی مرحلہ پر اہل باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہئے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کر سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جارہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں، اہل حق کو اسی پر استقامت چاہئے اور اگر اہل باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ کسی طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد و بغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کر دینا چاہئے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہو چکے ہیں تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دلجوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور تمہارے اخلاق و اطوار اختیار کر سکتے ہیں تو یہ اہم حقائق اور امور ان چند آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

(۱۰۹ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۱۸) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰیاتھا ۶ رکوعھا ۱)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ③ وَلَاۤ اَنَا

تو کہہ اے منکرو ف۱ میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجو جسکو میں پوجوں ف۲ اور نہ مجھ کو

تو کہہ، اے منکرو! میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجو۔ اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں۔ اور نہ مجھ کو

ف۱ چند رؤسائے قریش نے کہا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آؤ ہم تم صلح کر لیں کہ ایک سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں، پھر =

عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

پوجتا ہے اس کا جس کو تم نے پوجا اور نہ تم کو پوجنا ہے اس کا جس کو میں پوجوں ف۱ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ ف۲

پوجنا جس کو تم نے پوجا۔ اور نہ تم کو پوجنا جس کو میں پوجوں۔ تم کو تمہاری راہ، اور مجھ کو میری راہ۔

= دوسرے سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کو پوجیں۔ اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ (ایک لمحہ کے لئے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو (ان کی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجمع میں پڑھ کر سنائی۔ جس کا خلاصہ مشرکین کے طور وطریق سے بکلی بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرتا ہے۔ بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے۔ ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہوسکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کردیں گے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ اختلاف جو کچھ ہے غیر اللہ دونوں کی پرستش میں ہے۔ لہٰذا صلح کی جو صورت قریش نے پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں۔ یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مسلک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اس گفتگوئے مصالحت کو ختم کرنے کے لئے یہ سورت اتاری گئی ہے۔

ف۳ یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد وصمد خدا کو بلاشرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

ف۴ یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کرسکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ، اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی۔

(تنبیہ) بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال واستقبال کی نفی، اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے۔ کما صرح به الزمخشری اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما یظهر من الترجمة۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "ما" موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں "ما" کو مصدریہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں۔ تم بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں، میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہوسکے، ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو، مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجا لاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہٰذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال واستقبال کی نفی کے لئے رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور "وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ" کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں۔ حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی وبینات وہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہم نوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لئے یہاں "ولا انا عابد" میں جملہ اسمیہ، اور "ماعبدتم" میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال، اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا۔ "ولا انتم عابدون ما اعبد" یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو۔ اور ایک جگہ "ماتعبدون" بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ "ماعبدتم" بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنا لیا۔ اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے۔ ایک سفر کا۔ ایک حضر کا۔ کوئی روٹی دینے والا کوئی اولاد دینے والا۔ وقس علیٰ هذا حافظ شمس الدین ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع الفوائد میں اس سورت کے لطائف ومزایا پر بہت نفیس کلام کیا ہے جس کو معارف قرآنی کا شوق ہو۔ اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی تم نے ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کرے گا جب تک اللہ فیصلہ کرے" اب ہم تم سے بالکل بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین قویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں۔ تم نے اپنے لئے بدبختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر ایک فریق کو اس کی راہ وروش کا نتیجہ مل رہے گا۔

اعلان استقامت بر اسلام وشعائر اسلام و بیزاری از مراعات اھل باطل

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ... الی ... لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾

ربط: ...... سورۂ کوثر میں خیر کثیر کی بشارت سنائی گئی تھی اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ خداوند عالم نے یہ طے کر دیا تھا کہ اس کے پیغمبر ﷺ کا ہی دین غالب ہوگا۔ اور پیغمبر خدا ہی کامیاب ہوں گے اور جو بھی کوئی بغض اور دشمنی رکھے وہی ناکام ذلیل اور تباہ ہوگا، اب اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کے لئے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں کھلے عام اعلان کیا جارہا ہے، اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہوجانا چاہئے وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔

اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رخ نہ کرے گا، جبکہ اہل باطل حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصور اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ابوجہل اور ابولہب عاص بن وائل کو آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کے ساتھ یہ پیغام بھیجا، بعض روایات میں ہے کہ صرف عباس رضی اللہ عنہ کو ہی بھیجا، آپ ﷺ ہمارے معبودوں اور ان کی پرستش کی برائی اور تردید کرنا چھوڑ دیں تو ہم بھی آپ ﷺ کا مقابلہ اور مخالفت چھوڑ دیں گے، اگر آپ ﷺ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ ﷺ کو اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور اگر مال و دولت مقصود ہے تو وہ بھی جمع کر کے آپ ﷺ کے سامنے ڈھیر لگا دیں گے، اگر کوئی خواہش ہے تو جو تمام قبائل سے حسین سے حسین عورت ہو آپ ﷺ کے واسطے مہیا کر دیں گے لیکن آپ ﷺ اس پیغام توحید سے رک جائیں اور ہمارے بتوں (معبودوں) کی برائی کرنا چھوڑ دیں تو آپ ﷺ نے اس پر فرمایا۔ ہلاکت ہوا ے قریش مکہ، مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی حاجت نہیں میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو، روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اچھا پھر ایسا کریں کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کریں تا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے اور اسی طرح باہمی اخوت اور یگانگت قائم ہو جائے، اس طرح پھر کوئی تفرقہ باقی نہ رہے گا اور نہ باہمی کوئی رنجش پیش آئے گی تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر ﷺ کہہ دو اے کافرو! میں نہیں عبادت کرتا ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کیسے ممکن ہے اور جب کہ تم نہیں عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں حالانکہ تم باوجود یکہ شرک کر رہے ہو اور بتوں کی پرستش کرتے ہوئے بھی یہ کہتے ہو کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ اس لیے کفار مکہ کی یہ پیش کش اور توقع کہ میں ان کی بات مان لوں گا، باطل اور لغو ہے اور اب تو کیا آئندہ بھی کبھی بھی میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان معبودوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرو گے اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ تم تو یہ چاہتے ہو کہ خود میں ہی العیاذ باللہ توحید کو چھوڑ کر تمہارا طریقہ شرک اختیار کر لوں، تو جو دعوت توحید کو ٹھکرا کر اور حق سے روگردانی کرتے

ہوئے داعی حق ہی کو باطل کی دعوت دے گا، اس سے یہ کیا توقع کی جاسکتی ہے وہ حق پرست اور داعی توحید کے ایک خدا کی عبادت کرے گا اس لئے اب ایسے لوگوں کی قسم کی مفاہمت اور مصالحت کی گفتگو سے مایوس ہو جانا چاہئے اور سن لینا چاہئے کہ تمہارے واسطے تمہاری راہ ہے جس ❶ پر بھٹک رہے ہو۔ اور تیار نہیں کہ اس کو چھوڑ و لہٰذا بس اسی پر بھٹکتے رہو اور میرے لئے میری راہ ہے جس پر میں قائم ہوں اور اس پر ہرگز میرا قدم نہیں ڈگمگا سکتا۔ ❷ اس لئے ہر صاحب ایمان شخص کو اسی طرح استقامت اور پختگی کے ساتھ ایمان پر قائم رہنا چاہئے اور اس پختگی اور استقامت کا ایسی ہی قوت کے ساتھ اعلان کر دینا چاہئے کہ اہل باطل اس کی طرف سے مایوس ہو جائیں۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ کافرون۔

فائدہ:...... صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے طواف کے بعد دو رکعتوں میں ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا

❶ آج کل بالعموم اہل باطل اسی قسم کی باتوں سے اہل حق کو پرچایا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مسلک اور مذہب کی خصوصی روایات کو ترک کر دیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حق کی حقانیت ختم ہو جائے اور باطل کی تردید نہ ہو تو یہ ایک خطرناک دھوکہ ہے جس سے اہل حق کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اس تفسیر کے پیش نظر اب اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی، جو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت اس وقت منسوخ ہو گئی جبکہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو کفر کے رد کا حکم فرمایا اور انذار و تبلیغ کا مامور فرمایا، یا جب حکم جہاد اور قتال کا نازل ہوا تو اس بات کی گنجائش ختم کر دی گئی جو ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ﴾ میں دی گئی تھی کیونکہ آیات کا سیاق وسباق درحقیقت اہل ایمان کو اپنے ایمان پر قائم رہنے کا اعلان اور کافروں کی طرف سے مایوسی کے باعث قلوب کو مطمئن اور یکسو کر لینے کی تلقین ہے۔ واللہ اعلم۔

❷ بعض حضرات اس موقع پر دین کا ترجمہ "بدلہ" فرماتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے طریقہ اور عمل کا بدلہ تمہیں ملے گا اور میرے عمل اور طریقہ کا بدلہ مجھے ملے گا، اضافہ کردہ الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کلمات کا مفہوم کافروں کی طرف سے مایوسی اور جب کہ وہ حق قبول کرنے پر تیار نہیں تو اہل حق کی طرف سے اعلان استقامت ہے، اس لئے ان الفاظ سے یہ اشکال ذہن میں پیدا نہ کرنا چاہئے کہ اس آیت کا مدلول تو یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی مشرک ایمان نہ لاتا، اور توحید اختیار نہ کرتا جب کہ یہ فرمادیا ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ کیونکہ آیت یہ خبر دینے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اس کا یہ مقصود ہے کہ آئندہ کوئی کافر و مشرک ایمان نہیں لائے گا، بلکہ ایسی روش کے بعد مایوسی کا بیان ہے اور اس ضمن میں تلقین و تسلی ہے اور یہ اعلان کرانا ہے کہ اہل حق کی طرف سے اہل باطل کو مایوس کر دینا چاہئے کہ ہم ان کی خواہش اور پیش کش سے اپنی کسی بات میں ترمیم کرنے کو تیار نہیں، بعض ائمہ عربیت جیسے زمخشری رحمہ اللہ وغیرہ ان جملوں کے تکرار کو تاکید پر محمول کرتے ہیں، ہم نے ترجمہ میں اس امر کو اختیار کیا کہ اول مرتبہ حال کے معنی مراد ہیں اور دوسری مرتبہ استقبال کے لحاظ سے اعلان استقامت ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک پہلے دو جملوں میں ما کو موصولہ قرار دیا، اور دوسرے دو جملوں میں ما کو مصدریہ جس کا مفہوم یہ ہوا، میں عبادت نہیں کرتا۔ اس معبود کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں (تو یہ ما موصولہ کا ترجمہ ہوا) اور نہ میں وہ عبادت اور طریقہ اختیار کرتا ہوں الخ"۔ تو یہ ما مصدریہ کا ترجمہ ہوا۔ حاصل یہ کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود مشترک ہے اور نہ طریقہ عبادت مشترک ہے تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں ہو سکتے میں اس خدا کو مانتا ہوں جس کی ذات اور صفت میں کوئی شریک نہیں، تم ایسے خدا کو ماننے کو تیار نہیں علی ہذا القیاس تمہاری عبادت بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا اور سیٹیاں بجانا ہے، میرا طریقہ خدائے وحدہ لاشریک لہ کی حمد و تسبیح کرنا، تو جب نہ معبود میں شرکت اور نہ طریقہ عبادت میں شرکت تو پھر سمجھوتہ کس بات پر ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ ایک دفعہ سے نفی اس لحاظ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے تو پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا، جب کہ نبی بھی نہ تھا اور جاہلیت کا دور تھا تو اب جب کہ نبوت و رسالت عطا کر دی گئی، اور مجھ کو اللہ نے توحید کا داعی بنا دیا، تو اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ان معبودوں کی عبادت کروں۔ (تفصیل کے لئے فوائد عثمانی ملاحظہ فرمائیں)

﴿الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور سورۃ اخلاص کو تلاوت فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ان دو سورتوں کو مغرب کے بعد سنتوں میں اور فجر سے قبل سنتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو تب بھی یہ سورت تلاوت فرماتے اور آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس کو تاکید فرمائی، اور ایک حدیث میں ہے کہ انها براءة من الشرك کہ یہ سورت شرک سے براءت اور پاکی ہے۔

سورۃ النصر

سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدینہ ہے، بعض روایات نے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایام تشریق کے دوران مقام منی میں نازل ہوئی اس سورت کا نام بعض حضرات نے سورۃ التدویع بھی بیان کیا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بروایت صدقۃ بن یسار رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر یہ سورت جب ایام تشریق میں نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سمجھ لیا کہ یہ سورت میرے واسطے پیغام الوداع ہے اور اسی کے بعد آپ ﷺ نے وہ معروف خطبہ دیا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک کے واسطے تمام عالم کے لئے ایسے رہنما اصول ذکر فرمائے جس میں امن عالم انسانیت کی فلاح و کامیابی اور مسلمانوں کی عزت وعظمت جان و مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کے جملہ قوانین ارشاد فرما دیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے، جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیقرار ہو کر رونے لگیں، اس کیفیت کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پھر یہ فرمایا۔ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھے ملے گی، جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔[1] (رواہ البخاری ومسلم)

اور پھر یہ راز رکھا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا، تا آنکہ آنحضرت ﷺ کی رحلت ہو گئی تو اس کا اظہار کیا، اگرچہ اس سے قبل آپ ﷺ کی وفات کی خبر ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ میں دے دی گئی تھی، لیکن زمانہ رحلت کے قریب تر ہونے کی اطلاع اسی سورت نے کی، اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو سنا تو بیقرار ہو کر رونے لگے جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے دوران خطبہ وہ بات سن

[1] صحیح بخاری ومسلم تفسیر ابن کثیر۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سراپا عبادت اور ذکر وفکر میں شب وروز مصروف ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد آپ ﷺ کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے۔ سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك۔ گویا آپ ﷺ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ پر عمل فرماتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے۔ ۱۲

کررونے لگے تھے جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اپنے رب کو تو اس بندہ نے اللہ کو اختیار کرلیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے تو بعض بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو خیال گزرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے حالانکہ ہمارے بیٹے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے برابر ہیں تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس سورت کا مطلب دریافت کیا، جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کردیا اور کسی نے سکوت اختیار کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کیا تم بھی اس سورت کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ ﷺ کی خبر وفات ہے تو اس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔

(۱۱۰ سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۴) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰیاتھا ۳ رکوعھا ۱)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ

جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ ف۱ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں غول کے غول تو پاکی بول

جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ۔ اور تو نے دیکھے لوگ پیٹھتے اللہ کے دین میں فوج فوج۔ اب پاکی

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③ ع ۲۵

اپنے رب کی خوبیاں ف۲ اور گناہ بخشوا اس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے ف۳

بول اپنے رب کی خوبیاں، اور گناہ بخشوا اس سے، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔

ذکر بشارت فتح ونصرت وغلبہ دین وظہور اسلام مع حکم تسبیح واستغفار

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ... الی ... اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾

ف۱ بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظمہ (جو زمین پر اللہ کا دارالسلطنت ہے) فتح ہو جائے۔ اسی پر اکثر قبائل عرب کی نظریں لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ سارا جزیرہ عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا۔ اور جو مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تھا، پورا ہوا۔

ف۲ یعنی سمجھ لیجئے کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں رہنے کا (جو تکمیل دین وتمہید خلافت کبریٰ ہے) پورا ہوا، اب سفر آخرت قریب ہے۔ لہٰذا ادھر سے فارغ ہو کر ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیے اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کی تسبیح وتحمید اور ان فتوحات اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کیجئے۔

ف۳ یعنی اپنے لئے اور امت کے لئے استغفار کیجئے۔

(تنبیہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لئے استغفار کرنا پہلے کئی جگہ بیان ہو چکا ہے۔ وہیں دیکھ لیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی قرآن میں ہر جگہ وعدہ ہے فیصلہ کا، اور کافر شتابی کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں مکہ فتح ہو چکا، قبائل عرب ذل کے ذل مسلمان ہونے لگے۔ وعدہ سچا ہوا۔ اب امت کے گناہ بخشوا یا کرکہ درجہ شفاعت کا بھی ملے۔ یہ سورت اتری آخر عمر میں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ میرا کام تھا دنیا میں کر چکا اب سفر ہے آخرت کا۔"

ربط:...... اس سے قبل سورۃ کافرون میں اس امر کا حکم تھا کہ مشرکین کی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم جادہ استقامت سے کسی درجہ میں متزلزل نہ ہونے چاہئیں ان کو وضح اعلان کی صورت میں کہہ دیا جائے کہ اُن کی خواہشات اور کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں گی اور اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ حق اور باطل میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہو اگر کفار مکہ شرک اور کفر سے باز آنے کو تیار نہیں تو پھر حق پرست اور مسلمان کیونکر ایمان وتوحید کے تقاضوں سے دست بردار ہوسکتا ہے اس مرحلہ پر تو بس یہی اعلان کرنا پڑے گا۔ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ تو اس مناسبت سے اس سورت میں فتح ونصرت کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے غلبہ دین اور ظہور اسلام کی خبر دی گئی، اور چونکہ یہ بات اس نعمت کو متضمن تھی کہ رسول خدا ﷺ کی غرض بعثت الحمد للہ مکمل ہوگئی اور آپ ﷺ امت کے کام سے فارغ ہوگئے اس لئے اب آپ ﷺ کلیۃً خالق ہی کی طرف رخ کرلیجئے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمام تر مشغولیت، انہماک الی اللہ ہوجائے حتی کہ یہ انہماک اور رجوع الی اللہ عملاً واشتغالاً مکمل ہوتے ہوئے اصلاً وذاتاً بھی رجوع الی اللہ ہوجائے جس کی صورت دنیا سے رحلت کر کے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہوجانا ہے لہٰذا ارشاد فرمایا:

جب آجائے اللہ کی نصرت اور فتح حتیٰ کہ مکہ اور حجاز کے بڑے بڑے شہر فتح [1] ہوجائیں اور دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ جوق در جوق اور فوج در فوج اللہ کے دین اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔ اور اس طرح آپ ﷺ امت کے کام اشاعت اسلام اور دعوت توحید کی ذمہ داریوں سے فارغ ہوجائیں اور جو غرض آپ ﷺ کی رسالت وبعثت کی تھی وہ پوری ہوجائے اور دیکھ لیں کہ اسلام کا ظہور وغلبہ ہوگیا اور اب یہ بات نہیں کہ ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوں بلکہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے بیک وقت قبول اسلام کر رہے ہوں تو اسی کی طرف سراپا انہماک وتوجہ کے لئے بس اپنے رب کی تسبیح دیا کی میں مشغول ہوجایئے اس کی حمد وثناء کرتے ہوئے اور اسی سے استغفار کیجئے۔ تاکہ اس حمد وثناء اور استغفار کے ذریعہ اس کے انعامات کا شکر ادا ہوسکے اور فتح ونصرت اور غلبہ دین کا انعام بے شک اسی کو چاہتا ہے کہ اس کی طرف شاکرانہ انداز میں رجوع کیا جائے بے شک وہ پروردگار بڑا ہی رجوع کرنے والا ہے۔ اپنے ہر اس بندہ کی طرف جو اپنا رخ اس کی طرف اس کی حمد وثناء اور استغفار وشکر کی صورت میں کرتا ہے۔

سورۃ النصر کا نزول قبل از فتح مکہ یا بعد از فتح

علماء مفسرین کے اس بارے میں کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے یہ قبل از فتح مکہ دو قول ہیں ایک یہ کہ قبل از فتح مکہ نازل ہوئی ہے جیسا کہ اذا سے معلوم ہوتا ہے جو مستقبل کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت

[1] آیت مبارکہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ میں نصر اور فتح کو عطف کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے نصر کے معنی فتح اور اعانت کے ہیں، جس کی حقیقت تحصیل مطلوب میں اعانت اور اسباب اعانت اور فتح تحصیل مطلوب کا نام ہے اس لحاظ سے ظاہر ہوا کہ نصرت فتح کا سبب اور ذریعہ ہے تو فتح کا عطف نصر پر اسی نوعیت سے نہایت لطیف ہوا، اعانت ونصرت میں کبھی اسباب ظاہری کی فراہمی ہوتی ہے جیسے لشکر اور سامان حرب اور زرہ وغیرہ، اور کبھی باطنی اسباب سے ہوتی ہے جیسے مجاہدین کے حوصلوں کی بلندی اور کافروں کی مرعوبی وبزدلی اور ہیبت یا ان کی سوء تدبیر تو اسی کے پیش نظر فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾۔ ۱۲

میں آئندہ حاصل ہونے والی فتح کی خبر دی گئی اور بشارت سنانے کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ اس پر یہ آثار واحوال مرتب ہوں گے کہ ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گویا یا آنحضرت ﷺ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد دو سال سے کچھ زائد حیات رہے اور اس کے بعد آپ ﷺ کی رحلت ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد نزول ہوا۔ جیسا کہ بعض روایات کی تصریح میں بیان کیا گیا کہ حجۃ الوداع میں ایام تشریق میں نزول ہوا تو اس صورت میں لفظ اذا کو اذ کے معنی میں لیا جائے گا جو کہ ماضی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اذا ماضی کے لئے مستعمل نہیں ہوتا اور اس کی مثال قرآن کریم کی ایک آیت میں موجود ہے کہ اذا کو اذ کے معنی میں استعمال کرلیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾۔

اس تقدیر پر اکثر روایات اور مفسرین کے قول کی بناء پر کہ سورۃ نصر بعد فتح مکہ نازل ہوئی کہا جاسکتا ہے کہ اذا مستقبل ہی کے معنی پر محمول ہے، اور فتح مکہ اگرچہ ہوچکی لیکن فتح اسلام اور ظہور دین کے یہ ابتدائی مراحل جو طے ہوئے ہیں تکمیل فتح اور کامل غلبہ آئندہ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوگا جب کہ فارس و روم جیسے عظیم ملک بھی ختم ہوکر اسلامی مملکت کی حدود میں داخل ہوجائیں گے اور ظاہر ہے کہ تمام عالم پر اسلام کا غلبہ روم و فارس الجزائر و مراکش اور کابل و چین تک پرچم اسلام لہرانے کے بعد ہوا۔ جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا تو اس صورت فتح مکہ کے بعد بھی اذا مستقبل کا استعمال کسی بھی درجہ میں باعث اشکال نہ رہا اور اس تقدیر پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ گویا فتح مکہ ایک تمہید اور بشارت تھی اس تکمیل ہونے والی فتح کے لئے جس کی بشارت سنائی گئی اس طرح فرمان نبوی ﷺ کو دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

"اذا هلك قيصر فلا قيصر بعده واذا هلك كسرى فلا كسرى بعده"۔

فلله الحمد حمدا كثيرا على نصره وفتحه، فيا رب اعل كلمة الاسلام والمسلمين وانصرنا نصرا عزيزا برحمتك يا ارحم الراحمين واخذل الكفرة اعداء الاسلام والمسلمين واجعلنا فائزين وثبتنا على ملة الاسلام وعلى ملة نبيك سيد المرسلين واحشرنا فى زمرة الذين انعمت عليهم من النبين والصديقين والشهداء والصالحين آمين برحمتك يا ارحم الراحمين"۔

سورة اللهب

سورۃ اللہب بھی مکی سورت ہے، عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے اور ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں، اس سورت میں خاص طور سے اس اہم تاریخی امر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے قبائل عرب کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مبارکہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی اور سلسلہ وحی کے آغاز کے بعد سب سے پہلا حکم بھی آپ ﷺ کو یہی دیا گیا ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ تو آپ ﷺ بطحا مکہ کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ ﷺ نے قبائل عرب کو پکارا فرمایا یا صباحاہ یا صباحاہ جس پر قریش تمام قبائل جمع ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! ذرا یہ بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن کا لشکر تم پر صبح کو حملہ

آور ہونے والا ہے یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور میری بات پر اعتماد کرو گے، سب نے جواب دیا بے شک، اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں کبھی کوئی تجربہ ہی نہیں کیا سوائے صداقت اور سچائی کے، آپ ﷺ نے فرمایا، انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ کہ میں تمہیں ایک سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو یہ سن کر بد بخت ابولہب کہنے لگا "تبالك" تمہارے ہاتھ ٹوٹیں، کیا اسی کام کے لئے ہمیں جمع کیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ ﷺ پر ایک پتھر اٹھا کر پھینکا اور بہت کچھ بیہودہ باتیں بکیں اور حرکتیں کیں، تو اس سورت میں اس بد بخت کی بدتمیزی اور شقاوت کی مذمت اور اس پر وعید فرمائی جارہی ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ ایسے مغرور متکبر انسانوں کا مال اور ان کی عزت وقوت اسلام اور رسول خدا کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں آسکتی انکو ذلیل ورسوا اور تباہ و برباد ہونا ہی پڑے گا۔

۱۱۱ سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ ٦ ﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ اٰیاتھا ۵ رکوعھا ۱

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ ف۱ کام نہ آیا اس کو مال اس کا اور نہ جو اس نے کمایا ف۲ اب پڑے گا ڈیگ مارتی

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے، اور ٹوٹ گیا وہ آپ۔ کام نہ آیا اس کو مال اس کا، اور نہ جو کمایا۔ اب پیٹھے گا (پہنچے گا) ڈیگ مارتی

ف۱ "ابولہب" (جس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا۔ تبالکما ماری فیکما شیأ مما یقول محمد صلی اللہ علیہ وسلم (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہے) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ "صفا" پر چڑھ کر سب کو پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت موثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی۔ ابولہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا۔ "تبالك سائر الیوم الھذا جمعتنا۔" (یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینکے۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ سچ مچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے۔ ان سب کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر علیہ السلام سے بہت ضد تھی۔ جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا، یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورۂ ہذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، اپنا ہو یا بیگانہ بڑا ہو یا چھوٹا، جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہیگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی۔ یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک باتیں بناتا اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس و معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے، سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا، اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا، یہ سورت مکی ہے۔ کہتے ہیں کہ غزوہ "بدر" سے سات روز بعد اس کے زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا۔ اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی۔ کسی نے نہ اٹھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اوپر سے پتھر بھر دیے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔ ﴿وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ﴾

ف۲ یعنی مال، اور اولاد، عزت، وجاہت کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔

لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

آگ میں ف۱ اور اس کی جورو جو سر پر لیے پھرتی ہے ایندھن ف۲ اس کی گردن میں رسی ہے مونجھ کی ف۳

آگ میں۔ اور اس کی جورو۔ سر پر لیے پھرتی ایندھن۔ اس کی گردن میں رسی ہے مونج کی۔

خسران وبربادی در دنیا وعقبیٰ از دشمنی رسول خدا ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ ... الی ... حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾

ربط:...... گزشتہ سورۂ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق اور ہدایت ہی کو غلبہ وکامیابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنے دین کو غالب وکامیاب فرمایا ہے، تاریخ عالم میں اس نے اپنی قدرت عظیمہ کا مشاہدہ کرا دیا کہ وہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جو مکہ سے مجبور ومظلوم ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئے چند ہی سال گزرنے پر وہی اللہ کا رسول ﷺ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اسی سرزمین میں فاتح وکامیاب داخل ہو رہا ہے، تو اس کے بالمقابل اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دین خداوندی اور اللہ کے رسول کی دشمنی کا انجام کس طرح تباہی اور بربادی کی صورت میں رونما ہوتا ہے چنانچہ وہ سرداران مکہ جن کے مال ودولت اور عزت وحشمت کی کوئی کمی نہ تھی (جن میں ایک ابو لہب ❶ بھی تھا) کیسے ذلیل اور تباہ وبرباد ہوئے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ٹوٹ گیا۔ اور خود ہی بس تباہ وبرباد ہو گیا، قدرت الٰہیہ کے اس فیصلہ سے جو اس کی اس بے ہودگی وبدتمیزی پر جاری ہو گیا جو اس نے کی اس وقت جب کہ کوہ صفا پر چڑھ کر حضور اکرم ﷺ نے قبائل قریش کو ایمان کی دعوت دی تھی تو اس بیہودہ نے کہا۔ تبالك الهذا اجمعتنا۔ اس بیہودہ نے اپنے مال

ف۱ یعنی مرنے کے بعد سخت شعلہ زن آگ میں پہنچنے والا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے قرآن نے اس کی کنیت "ابولہب" قائم رکھی۔ دنیا تو اس کو "ابولہب" اس لئے کہتی تھی کہ اس کے رخسار آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے۔ مگر قرآن نے بتلا دیا کہ وہ اپنے آخری انجام کے اعتبار سے بھی "ابولہب" کہلانے کا مستحق ہے۔

ف۲ ابولہب کی عورت ام جمیل باوجود مالدار ہونے کے سخت بخل اور خست کی بناء پر خود جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی، اور کانٹے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آنے والوں کو تکلیف پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور پیغمبر خدا کی ایذاء رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار ہے۔ دوزخ میں بھی اسی ہیئت سے اس کے ہمراہ رہے گی۔ شاید وہاں زقوم اور ضریع کی (جو جہنم کے خاردار درخت ہیں) لکڑیاں اٹھائے پھرے۔ اور ان کے ذریعہ سے اپنے شوہر پر عذاب الٰہی کی آگ کو تیز کرتی رہے۔ کما قال ابن اثیر۔

(تنبیہ) بعض نے "حمالۃ الحطب" کے معنی چغل خور کے لئے ہیں۔ اور محاورات عرب میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو "ہیزم کش" کہتے ہیں۔

ف۳ یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چھبنے والی۔ اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق سلاسل ہیں اور تشبیہ "حمالۃ الحطب" کی مناسبت سے دی گئی ہے۔ کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک ہار بہت قیمتی تھا کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم۔ اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر خرچ کر ڈالوں گی۔ ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بدبخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آ پڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔

❶ ابولہب آپ ﷺ کے جد عبد المطلب کا حقیقی بیٹا یعنی آپ ﷺ کا چچا تھا، اس کا نام عبد العزیٰ تھا، نہایت سرخ رنگ اور خوبصورت آدمی تھا چہرے کی چمک دمک ایسی تھی کہ گویا چہرے سے شعلے نکل رہے ہوں، اس وجہ سے ابولہب کنیت تھی۔ ۱۲

ودولت کے غرور اور نشہ میں اس بیہودگی کا ارتکاب کیا اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ بس یہ ٹوٹ گیا، تباہ و برباد ہو گیا، اور اس قطعی فیصلہ کو دنیا کی کوئی طاقت ٹلا نہیں سکتی چنانچہ یوں ہی ہوا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ ہی وہ سب کچھ جو اس نے کمایا تھا۔ اس کی عزت و سرداری اور قبائل عرب میں اس کی مقبولیت و محبوبیت دنیا کی زندگی میں خدا کا یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہا، اور سب نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ کس طرح تباہ ہوا اور ذلیل و خوار ہو کر بڑی ہی گندی موت سے مرا کہ کوئی اس کے قریب بھی آنے کو تیار نہ تھا جو بلاشبہ ایک عذاب تھا، اور رسول خدا ﷺ کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی، اب اس کے بعد مزید آخرت کا عذاب بھی سامنے ہے کہ وہ عنقریب داخل ہوگا ایک ایسی دہکتی ہوئی آگ میں جو بڑی شعلے برسانے والی ہوگی اور ''ذات لہب'' آگ ابولہب کے لئے تیار کر دی گئی ہے اور جو بدبخت و بدنصیب کفر و نافرمانی کی بھڑکتی ہوئی غیظ و غضب کی آگ میں اللہ کے رسول کی دشمنی کرتا رہا اس کو ایسی ہی ''ذات لہب'' اور دھکتی ہوئی آگ میں یقیناً جانا پڑے گا اور اس کی بیوی بھی اس دنیوی ہلاکت اور عذاب اخروی میں مبتلا ہوگی جو لکڑیاں لاد کر لانے والی ہے جس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے تو وہ بدبخت بھی ہلاک ہوگا اور اس کی بدنصیب یہ بیوی بھی تباہ و برباد ہوگی جن کے حق میں خدا کا یہ فیصلہ ہو گیا۔

حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ابولہب کی بیوی جو عرب کے سرداروں میں سے تھی جس کا نام اروی بنت حرب تھا اپنے حسن و جمال میں بڑی معروف تھی اور اسی وجہ سے اس کو ام جمیل کہا جاتا تھا۔ اس کی ذلت میں خاص طور سے یہ وصف یعنی ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ یہ بھی ابولہب کی طرح حضور ﷺ کی دشمنی اور غیظ و غضب میں بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح شعلے برساتی پھرتی تھی اور شدت عداوت کے باعث لکڑیاں جن میں کانٹے ہوتے حضور ﷺ کے راستے میں ڈال دیتی، تاکہ آپ ﷺ کے پاؤں میں کانٹے چبھیں، بعض کا خیال ہے کہ اس قدر بخل تھا کہ مال و دولت کے باوجود لکڑیاں سر پر اٹھا کر لاتی تھی۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں ﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ وہ نار جہنم کا طوق ہے جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ [1] سے منقول ہے کہ ابولہب کی بیوی کی گردن میں ایک نہایت قیمتی ہار پڑا رہتا تھا جس پر یہ فخر کرتی تھی اور کہتی تھی کہ میں اس ہار کو محمد ﷺ کی عداوت میں خرچ کروں گی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں بروایت مجمع بن الطارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ سوق ذی المجاز میں آپ ﷺ لوگوں کو اسلام اور خدائے وحدہ کی عبادت کی دعوت دیتے جا رہے ہیں، پیچھے پیچھے ابولہب بدبخت آپ ﷺ پر پتھر برساتا ہوا آ رہا ہے جس سے آپ ﷺ کی پنڈلیاں اور قدم لہولہان ہو چکے ہیں اور یہ بدبخت دونوں ہاتھ اٹھا کر مار رہا ہے اور آپ ﷺ پر ہنسی مذاق کرتا جا رہا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کے ایک خبیث بیٹے نے حضور ﷺ کے روئے مبارک پر تھوکا تھا، تو ان تمام شقاوتوں اور بدبختیوں کا انجام دنیا میں بھی دیکھ لیا، چند روز کے بعد افلاس و غربت کا دور شروع ہو گیا اور اس بدبخت بیٹے پر جس

[1] تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ج ۴۔

نے یہ بیہودگی کی تھی اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس کے حق میں یہ بد دعا نکلی تھی کہ اے اللہ تو اس پر اپنا کتا مسلط فرما دے تو اسی طرح ہوا ایک روز جنگل میں جا رہا تھا کہ ایک شیر نے چبا کر چورا چورا کر دیا۔

اور خود ابولہب ایک بیماری میں مبتلا ہوا جس کو اہل عرب عدسہ کہتے ہیں یعنی طاعون کا پھوڑا، یہ ایسا مرض متعدی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی اس مریض کے قریب بھی نہیں آتا، تکلیف کی حد نہ رہی، کتوں جیسی آواز نکلنے لگی، چہرہ بگڑ گیا جو چہرہ حسن و جمال سے چمکتا تھا وہ قابل نفرت بن گیا کہ دیکھنے سے ہی لوگ کترانے لگے یہاں تک کہ گھر والوں نے اس کو دور جگہ ڈلوادیا مبادا کہیں انکو بھی یہ مرض نہ لگ جائے، اسی حالت میں مرگیا اور تین دن تک لاش ایسی طرح پڑی رہی، کیونکہ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ایسی گندی اور بدبودار لاش کے قریب بھی آسکے اس صورت حال میں کچھ حبشی مزدوروں کو بلوایا گیا جنھوں نے لکڑیوں کے ذریعے اس لاش کو دھکیل کر ایک گڑھے میں ڈال دیا، اس کی یہ بیوی جس کو قرآن نے مکی زندگی میں ہی حمالة الحطب کہہ دیا تھا اور گویا اس وقت یہ ابولہب کی کفر و سرکشی کی دہکتی ہوئی آگ کو اور زائد کرنے اور باقی رکھنے کے لئے لکڑیوں کی گانٹھیں اٹھا اٹھا کر لانے والی اور دہکتی ہوئی آگ کو اور بھڑکانے والی حمالہ تھی یہ واقعۃً اور صورۃً بھی حمالة الحطب بن گئی، اور قدرت خداوندی نے جب انتقام وقہر کے سلسلہ کا آغاز ان کی فقر و تنگدستی سے کیا تو پہلے یہ ام جمیل جو نازنخروں سے گردن میں ہار ڈالے پھرتی تھی، ابولہب کی بیماری سے غمزدہ ہوگئی پھر فقر و تنگدستی نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ لکڑیاں لاد کر لانے کی نوبت آگئی اور جو رسی لکڑیاں باندھنے کی گلے میں پڑی ہوئی تھی، ایک روز ٹھوکر کھا کر جب گری اور لکڑیوں کی گانٹھ گر گئی، تو وہ رسی پھندے کی طرح گلے میں پھنس گئی اور ایسا گلا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مرگئی، اور اس وقت اس کے گلے یہ پھندا اس قیمتی ہار اور زریں گلوبند کی جگہ تھا جو یہ اپنے گلے میں ڈالے پھرتی تھی اور اس ❶ اس ہار کو محمد (ﷺ) کی دشمنی میں بیچنے کا ارادہ کرتی تھی۔

سبحان اللہ کس طرح خداوند عالم کی قدرت نے ابولہب اور اس کی بیوی کو ہلاک و برباد کیا اور جو جو باتیں ظاہری شان و شوکت کی تھیں انہی کو عذاب کی صورت میں منتقل کر دیا۔

یہ سورت جب نازل ہوئی اس وقت ابولہب کی شعلہ فشانیاں خوب جولانیت پر تھیں اور اس کی بیوی ام جمیل کا جمال وطمطراق بھی بڑے عروج پر تھا، اس وقت خداوند عالم نے یہ خبر دی تھی، ظاہر ہے کہ ایسی خبر دینا وحی الٰہی کا کام ہو سکتا تھا، پھر اس کی صداقت دنیا کے سامنے روز روشن بن کر آگئی اور اس تاریخ کو دنیا نے دیکھ لیا، یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی، اس سے بڑھ کر آخرت کا عذاب ہے۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی﴾۔ ابولہب کی ہلاکت غزوہ بدر سے سات روز بعد پیش آئی تو اس تاریخی حقیقت کو دنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہے جو قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی عظیم الشان دلیل ہے جس پر عقل والے انسان کا ایمان لانا ضروری ہے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ اللہب۔

---

❶ ان الفاظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس مقام پر خداوند عالم نے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ اور ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ کا عذاب کس طرح ظاہری اور معنوی طور پر مکمل فرما دیا اور اس ضمن میں ان کلمات کی بلاغت وحکمت اور ان کلمات سے اعجاز قرآنی بھی واضح ہو رہا ہے، اور اس کی گردن میں مونج کی رسی دنیا کا عذاب تھی، لیکن اس کو اللہ نے نمونہ بنا دیا۔ ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ﴾ کا۔

سورۃ الاخلاص

سورۃ اخلاص مکیہ ہے جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، عکرمہ جابر عطاء اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہی منقول ہے اس کی چار آیتیں ہیں اس سورت مبارکہ میں توحید خداوندی اور اس کی ذات وصفات کی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی الوہیت اور ذات وصفات میں اس کا کوئی مشابہ اور نمونہ نہیں، مماثلت ومشابہت خواہ ذات میں ہو یا جملہ صفات میں یا صفات میں سے کسی ایک وصف میں وہ برابری کی موجب ہے اور علی الاطلاق کسی ایک کی عظمت وکبریائی کے منافی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات ظاہر کی جارہی ہے کہ اسلام کی خصوصیت توحید ہے اور اسی خصوصیت کے باعث اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز وجدا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور عین عقل و فطرت کے مطابق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ کفار قریش نے یا یہود کے علماء میں سے کعب بن الاشرف نے نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم سے بتایئے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا رب کیسا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے وہ کس نسب سے ہے تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت کی عظمت وفضیلت کے لئے یہی بات بہت کافی ہے کہ توحید خداوندی کا مضمون ہے اور اس کی شان کبریائی اور بے نیازی بیان کی گئی ہے، مزید برآں اس کے فضائل میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ تعدل ثلث القران کہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے، بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔

اس لئے کہ قرآن کریم از اول تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں۔ توحید وصفات خداوندی۔ اعمال عباد۔ قیامت، اور جزاء سزا تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کیلئے ایک سریہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھاتے تو ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے پہلے سورۃ اخلاص پڑھتے تو لوگوں نے واپس آ کر یہ بات آپ ﷺ کو بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقہ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دریافت فرمایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو بتا دو اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص

اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کرلیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا اے ابوایوب رضی اللہ عنہ کیا کسی میں اس قدر طاقت ہوسکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قل هوالله تعدل ثلث القران، تو اسی مجلس میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: صدق ابوایوب رضی اللہ عنہ۔ ❶

ایک روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ختم سورت تک دس مرتبہ پڑھ لی، اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنادے گا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یا رسول اللہ ﷺ ہم جنت میں بہت سے محل بنالیں گے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔

اس سورت کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ احادیث و روایات میں اس کے متعدد نام ذکر فرمائے گئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بیس نام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور ہر نام کے ساتھ وجہ تسمیہ اور اس کا ماخذ بھی قرآن کریم سے ذکر کردیا گیا۔ ❷

۱۱۲ سورۃ الاخلاص مکیۃ ۲۲ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ایاتہا ٤ رکوعہا ١

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ ﴿۳﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے ف۱ اللہ بے نیاز ہے ف۲ نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا ف۳ اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی ف۴

تو کہہ، وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ نرادھار (بے نیاز) ہے۔ نہ کسی کو جنا، نہ کسی سے جنا۔ اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

ف۱ یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا "اہرمن" نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

ف۲ "صمد" کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔ طبرانی رحمہ اللہ ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ "وكل هذا صحيحة وهي صفات ربنا عزوجل هو الذي يصمد اليه في الحوائج وهو الذي قد انتهى سؤدده، وهو الصمد الذي لا جوف له، ولا ياكل ولا يشرب وهو الباقي بعد خلقه" (ابن کثیر) (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے۔ اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔ نیز آریوں کے عقیدہ مادہ وروح کی تردید بھی ہوئی۔ کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں۔ (العیاذ باللہ)

ف۳ یعنی نہ کوئی اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد، اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو یا حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح علیہ السلام کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید "لم یولد" میں کردی گئی یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہوسکتے ہیں۔

ف۴ جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہوگیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کردیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے، اور یعقوب علیہ السلام خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ﴿كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ اني اسالك يا الله الواحد الاحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد ان تغفر لي ذنوبي انك انت الغفور الرحيم۔

❶ تفسیر ابن کثیر ج ٤، تفسیر کیلئے درمنثور اور قرطبی ملاحظہ فرمائیں۔
❷ تفسیر کبیر: ۳۲/ ۱۷۵۔ ۱۷٦۔

اعلان توحید خداوندی وتقدیس وتنزیہ از مماثلت ومشابہت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ... الی... كُفُوًا اَحَدٌ﴾

حق تعالیٰ شانہ کی معرفت اسکی شان ربوبیت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے جوانسان کی فطرت میں ابتداء آفرینش اور روز اول سے ودیعت رکھ دی گئی، اور عہد الست میں اولاد آدم کو اسی عنوان سے مخاطب فرمایا گیا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ سب نے جواب دیا تھا "بلیٰ" تو رب کی معرفت انسان کے خمیر اور اسکی فطرت میں ودیعت رکھی ہوئی تھی، اس لئے قرآنی مضامین کی ابتداء اسی وصف کیساتھ حمد وثناء سے فرمائی گئی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ظاہر ہے کہ مقصد اس معرفت کا تقاضا یا اس کا نتیجہ وثمرہ ایمان باللہ ہے جس پر نجات اخروی اور سعادت ابدیہ موقوف ہے اور ایمان باللہ توحید ذات وصفات ہی کا نام ہے اس وجہ سے قرآنی مضامین کا اختتام اس سورت مبارکہ پر ہورہا ہے، جو قرآنی مضامین کی روح اور انسانی حیات کا اصل مقصد ہے تو اب ارشاد فرمایا جارہا ہے:

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر جب یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے رب کی صفت کیا ہے تو کہہ دیجئے وہ خدا ایک ہی ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، ذات میں یکتائی اس طرح کی کہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اسکی الوہیت میں اور صفات میں، یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں، وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں، وہی قادر مطلق ہے اور کوئی نہیں، وہی علیم وخبیر ہے اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں، خواہ ظاہر ہو یا باطن حتی کے دلوں کے راز بھی وہی، جاننے والا ہے اور کوئی نہیں، وہی رحمان ورحیم ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں اسکی توحید ذات وصفات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہی اللہ بے نیاز ہے۔ کسی کی اس کو حاجت نہیں۔ بلکہ سب ہی اس کے محتاج ہیں، تو ظاہر ہے صرف ایسا ہی ایک خدا عبادت کا مستحق ہے ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا، یا اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کر لینا عقل وفطرت کے خلاف امر اور انسان کا بدترین ظلم اور ذلیل جرم ہے۔

افسوس کہ اس کی ذات وصفات اور وحدانیت کے سمجھنے میں ٹھوکریں کھانیوالوں نے بڑی ٹھوکریں کھائیں کسی نے دو خالق "یزدان" "واہرمن" تجویز کئے اور نور وظلمت کو معبود بنالیا کسی نے اس کیلئے بیٹا تجویز کرلیا کسی نے خدائی کو تین خداؤں میں جمع کردیا، بس سن لینا چاہئے ایسے تمام بعید الفہم لوگوں کو جو اپنی بلادت وحماقت سے یہ کہیں ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ اور ان کو بھی جو یہ کہیں ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾۔ اور ان مسیحوں کو بھی جو مسیح بن مریم کو خدا بیٹا کہتے ہیں اور ان کو بھی جو" فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، الغرض ہر انسان کو جو خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرتا ہو یا اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہوں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ وہ خدا ایسا واحد و یکتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اس لئے کہ وہ احد وصمد ہے اور احدیت وصمدیت کا تقاضا یہی ہے کہ نہ اسکی کوئی بیٹا اور اولاد ہو اور نہ وہ کسی کی اولاد ہو، کیونکہ یہ چیز سراسر شرکت اور احتیاج ہے لہٰذا احدیت وبے نیازی کے ساتھ کیونکر جمع ہوسکتی ہے اور اسکی یہ شان احدیت اس امر کو بھی مقتضی ہے کہ نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر اور مثال ونمونہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی رکھے، جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اس لیے کہ اگر کسی میں مشابہت ومماثلت فرض کی جائے تولامحالہ دو کا کسی ایک وصف میں برابر ہونا لازم آئے گا اور یہ برابری خداوند عالم کی شان کبریائی کے بھی منافی ہوگی، اور معنوی طور پر وحدانیت کا بھی ابطال لازم آئے گا، جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ واحد ویکتا ایسا بے نیاز ہے کہ اس کو نہ خاندان وقبیلہ کی ضرورت ہے نہ بقاء نسل کے لئے نہ دیگر کسی امر کے باعث اور نہ ہی اس کا کوئی نمونہ اور مثال ہے۔ ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾۔

سورۂ اخلاص کے یہ کلمات احد، صمد، لم یلد۔ ولم یولد۔ اسی وجہ سے خداوند عالم کی وحدانیت اور شان بے نیازی بیان کرنے میں نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہیں، یہ ایسی برکت وعظمت والے قرار دیئے گئے کہ ان الفاظ کی بدولت بندہ کی دعائیں قبول ہوتیں ہیں، اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں جیسے کہ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد یعنی ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور دعا مانگ رہا ہے۔ اللهم انی اسئلك بانی اشهد ان لااله الا انت لاحد الصمد الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے، بے شک اس شخص نے اللہ کے اس نام کے ساتھ اللہ کو پکارا ہے جب بھی اس کے ساتھ مانگا جائے وہ عطا فرمادے اور جو بھی دعا کی جائے وہ قبول فرمالے۔

بہرکیف سورۂ اخلاص، توحید، ذات وصفات اور نفی شرک کی مکمل حقیقت اور روح ہے اور صفات خداوندی میں ثبوتی اور سلبی صفات کو جامع ہے گویا ایمان واسلام کی اعتقادی اور عملی اصول کی ترجمانی اور کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کی تفسیر وتشریح ہے اور اس بناء پر کہ اس مضمون کی ابتداء (قل) کے خطاب سے ہے تو ضمناً علوم توحید کے ساتھ علوم رسالت کو بھی یہ سورت جامع ومتضمن ہوگئی۔

فائدہ:...... صمد کی تفسیر میں طبرانی اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، ان سب کو نقل کر کے طبرانی کہتے ہیں، وکل هذه صحيحة وهی صفات ربنا عز وجل الخ کہ یہ سب معانی صحیح ہیں اور ہمارے رب کی صفات ہیں وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے، سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں کو پہنچ چکی اور وہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے، اللہ رب العزت کی صفت صمدیت ان جاہلوں کے باطل اور لغو عقیدہ کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا اختیار کسی اور کو بھی حاصل ہے اور وہ اس عقیدہ کی بناء پر اولیاء کو ''حاجت روا'' سمجھیں اور '' انکے پاس خدا کے اختیارات ہیں''۔ کا عقیدہ رکھیں۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں، خدائے تعالیٰ کی یہ صفت ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں، نیز جو مسیح علیہ السلام کو یا کسی بشر کو خدا کہتے ہیں یا یہ کہ خدا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں تو ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ اس کی تردید ہے کیونکہ ہر فرد بشر مولود ہے، اور کسی سے پیدا ہوا، علی ہذا القیاس جب مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو وہ کیسے خدا ہو گئے۔

اسی طرح ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ کی کسی صفت میں اس کی مخلوق کو اس کا ہمسر کہتے ہیں حتی کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں، یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب سے ہو رہی ہے اور یعقوب خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ انی اسئلك یا الله الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد"۔ ان تغفرلی ذنوبی، انك انت الغفور الرحیم، توفنی مسلما والحقنی بالصالحین آمین یا رب العلمین۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ الاخلاص۔

تفسیر المعوذتین

سورۃ الفلق وسورۃ الناس

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمہ مفسرین ؒ اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم ﷺ پر یہود نے سحر کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپ ﷺ پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہو گیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپ ﷺ کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام کر لیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کر لی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیر ؓ تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام المؤمنین ؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ ﷺ کے معمولات میں محسوس ہوئے) تو آپ ﷺ نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہ ؓ میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے اللہ نے بتا دی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آئے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لبید بن الاعصم نے، جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بئر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباس ؓ کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی

اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا کہ گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپ ﷺ پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔

یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ ؓ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہ ؓ ابن عباس ؓ اور زید بن ارقم ؓ کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات و احادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ ﷺ کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوہ احد میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ ﷺ کو نماز میں سہو پیش آ جاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور انکے پیش آنے سے آپ ﷺ کے مقام رسالت اور وحی الٰہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی یہ احوال آپ ﷺ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ ﷺ نے فرمادیا تھا۔ انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہرحال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الٰہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جو از قسم مرض و حوادث طبعیہ ہوں سے وحی الٰہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپ ﷺ کو کسی کام کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الٰہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی انبیاء ؑ بہرحال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال وعوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت و قطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار و مشرکین آنحضرت ﷺ کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور و مجنون ہیں کہ وحی الٰہی کے جوش اور جذبہ دعوت و تبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کر دئے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الٰہیہ کو ظاہر کر رہی ہے سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء الله۔ اس لئے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہو گئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلل نہیں واقع ہو سکتا۔

۱۱۳ سورۃ الفلق مکیۃ ۲۰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اٰیاتہا ۵ رکوعہا ۱

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ف۱ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی ف۲ اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے ف۳ اور بدی سے

تو کہہ، میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی۔ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی۔ اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آوے۔ اور بدی سے

النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤ ع

عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں ف۴ اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے ف۵

عورتوں کی، جو گرہوں میں پھونکیں۔ اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ہونسنے۔

۱۱۴ سورۃ الناس مکیۃ ۲۱ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اٰیاتہا ۶ رکوعہا ۱

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی ف۶ بدی سے اس کی جو پھسلائے اور

تو کہہ، میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے پوجے کی۔ بدی سے اس کی، جو سنکارے اور

الْخَنَّاسِ ④ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥ ع

چھپ جائے ف۷ وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں ف۸

چھپ جاوے۔ وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں۔ جنوں میں اور آدمیوں میں۔

ف۱ یعنی جو رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے۔

ف۲ یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ آگے بمناسبت مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا ہے۔

ف۳ یعنی رات کا اندھیرا کہ اس میں اکثر شرور خصوصاً سحر وغیرہ بکثرت واقع ہوتے ہیں، یا چاند کا گہن یا آفتاب کا غروب مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس میں سب تاریکیاں آگئیں ظاہر اور باطن کی اور تنگدستی اور پریشانی اور گمراہی۔"

ف۴ نفاثات فی العقد سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا ڈوری یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سحر لبید بن اعصم نے کیا تھا لکھا ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اس میں شریک تھیں واللہ اعلم۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس وقت اس کی ٹوک لگ جاتی ہے۔ بیشک ٹوک یا نظر لگ جانا ایک امر واقع ہے۔" لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک "ومن شر حاسد اذا حسد" کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے، اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہئے۔ اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے وہ اس سے خارج ہے۔ نیز یاد رکھنا چاہیے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے۔ حسد میں داخل نہیں۔ اس کو "غبطہ" کہتے ہیں۔ بخاری کی حدیث "لا حسد الا فی اثنتین الخ" میں لفظ "حسد" سے یہی غبطہ مراد ہے۔

ف۶ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تمام مخلوقات کو شامل ہے، لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا، کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا۔ اس لئے "رب" اور "ملک" وغیرہ کی اضافت ان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز وسواس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔

ف۷ شیطان نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ جب تک آدمی غفلت میں رہا اس کا تسلط بڑھتا رہا۔ جہاں بیدار ہو کر اللہ کو یاد کیا یہ فوراً پیچھے کو کھسکا۔ =

= ف۸ شیطان جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی۔ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (تکملہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء حکماء نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیم، امام رازی، ابن سینا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ، کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تاکہ فوائد قرآن کے حسن خاتمہ کے لئے ایک فال نیک ثابت ہو" یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا تخم سے باہر نکل آتا ہے تو باغبان (پامالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جن کے انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ وگیاہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی وترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔ (تیسرے) اوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی یہ حرارت غریزیہ کے احتقان کا باعث ہو۔ اس پر گرنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشوونما کو روکنے والی ہے (چوتھے) مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا۔ پھولے پھلے گا، اور مخلوق اس کی پرمیوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی۔ ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض وسماء سے جو رب الفلق اور فالق الحب والنوىٰ اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک ومربی ہے اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہیے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی، اسی طرح "شر" کی اضافت "ما خلق" کی طرف سے بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع وبہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے ؎ نیش عقرب نہ از پے کین است مقتضائے طبیعتش این است۔ اس کے بعد دوسرے درجہ میں "غاسق اذا وقب" سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو، یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے۔ یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو۔ اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب ومسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ مسبب کا وجود اسباب ومعدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے۔ اور جب تک اسباب کا علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو، ہرگز کوئی مسبب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی، ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل اسباب زندگی وترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہو تو وہ پودا کملا کر خشک ہو جائے گا اب اس کے بعد تیسرا تعوذ ﴿نَفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ سے کیا گیا، جس سے میں کہہ چکا ہوں ساحرانہ اعمال مراد ہیں۔ جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوئی جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت غریزیہ کے محتقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں۔ "فقام علیه السلام كانما انشط من عقال" ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بربناء عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ وبرگ کاٹ ڈالے۔ "شر" کے اس مرتبہ کو "من شر حاسد اذا حسد" نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خاص جوہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویدائے تخم" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا۔ شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لئے دوسری سورت میں "الوسواس الخناس" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی۔ کیونکہ "وسواس" ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر =

= نہیں، بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔ لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وساوس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی ومناشی گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد وتسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم ان کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی وروحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا۔ جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ واقتدار سے خارج نہ ہو سکے۔ ایسی ہی ذات کو ہم "مالک الملک" اور "شہنشاہ مطلق" کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہئے۔ "لمن الملك اليوم لله الواحد القهار" گویا "مالکیت" یا "ملکیت" ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ "ربوبیت" سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ہی ملک علی الاطلاق کا منصب ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الٰہیت) کا سراغ ملتا ہے۔ کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلا پروانہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد وبندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معبودیت والٰہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک لہ کے لئے ثابت ہوگئی۔ پڑھو "اتعبدون من دون الله مالا يملك لكم ضرا ولا نفعا" غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبدأ منتہی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملك الناس، اله الناس) کو سورۃ "الناس" میں بیان فرمادیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت کر کے بیان کی گئی ہیں۔ اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو، کیونکہ جس طرح مستعاذ بہ حقیقی "اله الناس" ہے اور "ملك" و "رب" اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہی وسواس ہے جس کی صفت آگے "خناس" بیان فرمائی ہے۔ "خناس" سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے، اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصئون ومامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل "ملك الناس" کو رکھا جائے۔ اور "الذي يوسوس في صدور الناس" جو "خناس" کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ اس کو "رب الناس" کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق "ملك الناس" کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے۔ پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ والله تعالىٰ اعلم باسرار كلامه۔

(تنبیہ) کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہ، ابن عباس زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا۔ جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دنیاوی کام کر چکے ہیں، مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے۔ جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہوگئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انما انا بشر انسی كما تنسون فاذا نسيت فذكروني" (میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو، میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو) کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو نسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں، ممکن ہے ان میں بھی سہو ونسیان اور بھول چوک ہوگئی ہو۔ اگر وہاں سہو ونسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگیں، تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھیے سہو ونسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں، تو ان خواص کا پایا جانا اس کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب ایک =

معوذتین کے بارے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف

معوذتین یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس قرآن کریم کی دو سورتیں ہیں اور اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں پر ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف "الامام" میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہو چکا جس میں کسی بھی تردد کی گنجائش نہیں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی زمام پکڑے اس کو پکڑے لے کر چل رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوار نہیں ہوگا اس ڈر کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں معصیت نہ ہو جائے میں سواری پر سوار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (میرے عرض کرنے پر) سوار ہو گئے

= شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو "مسحور" کہتے تھے، چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا "مسحور" کے معنی "مجنون" کے لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ) اس لئے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لئے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلا خلل انداز ہو نہیں ہو سکتا۔

(تنبیہ دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا۔ وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے۔ مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے، خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہیں۔ "انه كان لا يعد المعوذتين من القرآن وكان لا يكتبهما في مصحفه يقول انهما منزلتان من السماء وهما من كلام رب انهما من القرآن او ليستا منه فلم يكتبهما في المصحف" (۴/ ۷۲۳) قاضی ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں۔ "لم ينكر ابن مسعود كونهما من القرآن وانما انكر اثباتهما في المصحف فانه كان يرى ان لا يكتب في المصحف شيئا الا ان كان النبي صلى الله عليه وسلم اذن في كتابته فيه وكانه لم يبلغه الاذن" (فتح الباری: ۸/ ۵۷۱) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں لم يكن اختلاف ابن مسعود مع غيره في قرآنيتهما وانما كان في صفته من صفاتهما۔ (فتح الباری: ۵/ ۵۷۱) بہر حال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی اور جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تواتر قرآن کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ شرح مواقف میں ہے۔ ان اختلاف الصحابة في بعض سور القرآن مروى بالاحاد المفيدة للظن ومجموع القرآن منقول بالتواتر المفيد اليقين الذى يضمحل الظن في مقابلته فتلك الاحاد مما لا يلتفت اليه ثم ان سلمنا اختلافهم فيما ذكر قلنا انهم لم يختلفوا في نزوله على النبي صلى الله عليه وسلم ولا في بلوغه في البلاغة حد الاعجاز بل في مجرد كونه من القرآن وذلك لا يضر فيما نحن بصدده اھ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واجيب باحتمال انه كان متواترا في عصر ابن مسعود لكن لم يتواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدة بعون الله تعالى الخ اور صاحب روح المعانی کہتے ہیں، ولعل ابن مسعود رجع عن ذلك۔ اھ

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھادوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ ﷺ پر آپ ﷺ نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اس کے بعد فرمایا (جب آپ ﷺ میرے سے سامنے گزر رہے تھے) اے عقبہ کیسا پایا تو نے ان دو سورتوں کو یعنی تو نے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں انکی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپ ﷺ نے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کرو جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہوا کرو۔

حضرت عثمان غنی ﷺ نے مصحف قرآنی کے جو نسخے تمام بلاد اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطار عالم میں صحابہ ﷺ اور تابعین ﷫ اور پوری امت انکی تلاوت کرتی رہی اور تواتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعود ؓ سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخہ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعی طور پر تو یہ متعین ومعلوم نہیں ہوسکا کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں انکو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی۔

بعض حضرات مفسرین جیسے صاحب روح المعانی ﷫ کا اس وجہ سے کہ ابن مسعود ؓ کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا "کہ ابن مسعود ؓ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے" صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر باقلانی ﷫ نے تصریح کی ہے۔

لم ینکر ابن مسعود کو نهما من القرآن وانما ان کر اثباتهما فی المصحف فانه کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیء الا ان کان النبی صلی الله علیه وسلم اذن فی کتابته وکانه لم یبلغه الاذن۔

کہ ابن مسعود ؓ انکے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جائے جن کی کتابت کی آنحضرت ﷺ نے اجازت دی ہو یا قلانی کہتے ہیں گویا ابن مسعود ؓ کو آپ ﷺ کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا۔

حافظ ﷫ نے فتح الباری ج ۸ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابن مسعود ؓ کو انکے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ انکی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لئے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں تاکہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کیلئے پڑھ جائے۔

لیکن روایات ونقول اور صحابہ ﷺ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہ ﷺ میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ انکے لئے اس امر کی حاجت نہ تھی اور انکا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا تو اس وجہ سے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ انکے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورۃ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردد نہیں ہوسکتا۔

زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انکو نماز میں تلاوت کے لئے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کیلئے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباری رحمہ اللہ نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا یہ قول درست نہیں انکا کلام اللہ ہونا اور قرآن کریم کی سورتیں ہونا تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور ان کی قرآنیت تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے انکا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کر کے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول اختیار کیا ہوسکتا ہے انہوں نے اس بارے میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلاد اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین مکتوب ہیں اور جملہ صحابہ انکو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ صاحب تفسیر روح المعانی اور حافظ عینی رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہل علم ان حوالوں کی مراجعت فرمالیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی تھے اور عرضہ ❶ اخیرہ کے مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کو تمام صحابہ بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت وتلاوت کے مطابق تسلیم کرتے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف تھا۔

تعلیم تعوذ وحصول پناہ از مہالک حسیہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ... الی... وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾

ربط:...... اس سے قبل سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ احد) میں عقیدہ توحید کا بیان تھا اور یہ کہ نجات کا دارومدار اسی پر ہے کہ خداوند عالم کو اسکی ذات وصفات کے لحاظ سے یکتا مانا جائے گا اور اس طرح کہ نہ اس کا کوئی نمونہ ہے اور نہ اس کی کوئی ہمسری کرنے والا ہے تو اسی عقیدہ کا نام ایمان ہے اور اسی پر بندہ کی نجات وکامیابی موقوف ہے اب اس سورت مبارکہ میں مومن کے عقیدہ اور انسان کی سعادت میں جو چیزیں خلل انداز ہیں اور اس کو ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی ہیں انکو بیان کیا جارہا ہے

❶ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ آخری سال رمضان میں جب جبریل امین علیہ السلام نے دو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دورہ کیا تھا تو اسی کے مطابق زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی کا مرتب کردہ مصحف تھا۔ ۱۲

بہت سی گمراہیاں اور ہلاکتیں بہیمیت کے آثار اور اس کی ظلمت سے پیدا ہوتی ہیں تو ضرورت ہے کہ نور عقل اور نور ہدایت سے ان ظلمتوں کو دور کیا جائے بہت سی مفسدانہ سازشیں اور تدابیر ہوتی ہیں تو ان سے بھی حفاظت کی ضرورت ہے اور بہت سی کمینہ خصلتیں اور انسان کے اندر بری عادات ہوتی ہیں تو ان سے بھی پناہ ضروری ہے تو ان جملہ مہلکات اور شرور و مفاسد سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

کہہ دو! اے پیغمبر ﷺ ہماری طرف سے لوگوں کو سناتے ہوئے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ دین کے بنیادی عقائد ان پر استقامت کا حکم اور ایمان وسعادت کے تحفظ کیلئے یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے اور اسکی قطعیت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہ ہے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کی روشنی کے رب کی جو روشنی رات کی تاریکی کو ❶ پھاڑ کر نمودار ہوتی اور سارے عالم میں پھیلتی ہے اور اس کو روشن کر دیتی ہے تو اس رب کی جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو سارا عالم روشن کر دے میں پناہ چاہتا ہوں اسی رب کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی اور ظاہر ہے ہر مخلوق کا خالق ہی اس مخلوق کے شر اور اس کے شر کی ظلمت سے بچا سکتا ہے جو نور صبح کا خالق ہے اور اندھیری (یعنی ظلمت وتاریکی) کے شر سے جبکہ وہ پھیل جائے جب کہ اندھیری رات میں بالعموم عیاش وبدکار مفسدین درندے اور موذی جانور اپنے شر سے مخلوق خدا کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں ❷ پھونکنے والی عورتوں کے شر سے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بالعموم عورتیں شیاطین وجنات کے اسماء پڑھ پڑھ کر گرہیں لگاتی تھیں اور وہ جادوگرنیاں اپنے جادو سے یا ایسی عورتیں جو اپنے حسن و جمال اور آرائش وزیبائش کے فتنوں میں مردوں کو پھنسا کر ہلاک وتباہ کرنے والی اور انکے مستحکم ارادوں اور عزائم کی مضبوط گرہوں کو اپنی اداؤں سے کھول کر پارہ پارہ کر دینے والی ہیں انکے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسی جادوگرنیاں حقیقی جادوگرنیوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں یا وہ نفوس ❸ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں جو ساحرانہ عمل کے لئے رسی یا تانت اور بالوں وغیرہ پر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور گرہیں لگاتے ہیں جیسے کہ لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت ﷺ کے بالوں پر اسی طرح ساحرانہ عمل کیا ہے اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے ❹ اور ایسا کینہ پرور انسان اپنی قلبی کیفیات کو ضبط نہ کر سکنے کے باعث کید ومکر سے ضرر پہنچانے کی بڑی سے بڑی تدبیر اور کمینہ پن اختیار کرے اور اس طرح مخلوق کو ایذاء

❶ تاریکی کی چند قسمیں ہیں اول عدم کی تاریکی، اس تاریکی کو ہستی کے صبح نے دور کیا، دوسری جہل اور بہیمیت کی تاریکی اور شہوات ولذات نفس کی ظلمت جس کو نور فطرت اور روحانیت کی روشنی دور کرتی ہے تیسری تاریکی یہی حسی تاریکی جو رات کی سیاہی ہے جس میں خبائث وشیاطین عیاش وقزاق اور موذی جانور نکل کر اپنی نفسانیت وخباثت اور بہیمیت کی ظلمت پھیلاتے ہیں جس کو وحی الٰہی اور ہدایات ربانیہ دور کرتی ہیں چوتھی تاریکی خصائل ذمیمہ کی تاریکی ہے جس کو تعلیمات نبویہ اور محاسن اخلاق دور کرتے ہیں تو ﴿مِن شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ سے لے کر ﴿وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ تک ان چاروں تاریکیوں کا ذکر ہے۔ ۱۲

❷ سحر ایک حقیقت ہے اور ائمہ متکلمین اشاعرہ وماتریدیہ اس کو تسلیم کرتے ہیں معتزلہ اور فلاسفہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی کوئی حقیقت نہیں وہ محض خیال اور نظر بندی ہے معتزلہ کے اس قول کی تردید صریح آیات قرآنیہ اور روایات نیز دنیا میں پیش آنے والے بیشمار واقعات سے ہو رہی ہے، قرآن کریم میں ہاروت ماروت کا قصہ بتا رہا ہے کہ یہ فرشتے سحر کی تعلیم دیتے تھے خود آنحضرت ﷺ پر سحر کا اثر ہونا صحیحین کی روایتوں سے ثابت ہے تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ میں ﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ﴾ کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے۔ ۱۲

❸ ان کلمات سے لفظ نفثت کی تانیث کی حکمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

❹ حضرت شاہ عبدالقادر ؒ نظر بد لگ جانے کو (جو ایک امر واقع ہے) اسی میں داخل فرماتے ہیں حسد کی حقیقت کسی کی نعمت اور خوبی کے زوال کی تمنا کرنا=

اور شر میں مبتلا کرے تو رب خلق چونکہ رات کی ظلمت کو شق کر کے عالم میں نور پھیلانے والا ہے لہٰذا اسی کی پناہ انسان کو ہر ظلمت سے مخلوقات کے شر بہیمیت کی تاریکیوں بدکاروں فساق وفجار اور موذی جانوروں کی اذیت اور ہر کمینہ وحاسد کی ناپاک خصلتوں اور مجرمانہ تدبیروں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

فائدہ:...... ﴿غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ کے معنی بیان کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں لفظ غاسق لغت کے لحاظ سے رات کے اس حصہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جب کہ رات کی ظلمت شدید ہو جائے جیسے قرآن کریم کی ﴿اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ سے یہی مفہوم ہوتا ہے اور وقب کے معنی پھیلنے کے ہیں اور بعض اہل لغت سمٹنے کے بھی بیان کرتے ہیں ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ غاسق چاند کو کہتے ہیں وہ گہن میں آجانے کی وجہ سے تاریک ہو جاتا ہے تو اس کا وقوب اس ظلمت و تاریکی میں داخل ہو جانا ہے، چاند چونکہ اپنے اصل جرم اور کرہ کے اعتبار سے تاریک ہی ہے اس میں نور سورج کی محاذات سے ہوتا ہے اس بناء پر غاسق تاریک اور چاند دونوں کے معنی کیلئے جامع ہو سکتا ہے۔

تعلیم و تلقین از مہالک باطنیہ و آفات نفسانیہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ... الی... مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت یعنی الفلق میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا ایسے تمام مہالک اور آفات سے جو حسی اور ظاہری ہیں کہ ہر مخلوق کے شر، ہر تاریکی کے فتنہ سے ہر جادو کی مصیبت سے اور ہر حسد اور کید و مکر سے تو یہ تمام آفات ظاہری اور حسی تھیں اب اس سورۃ الناس میں ان آفات اور ہلاکتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے جو باطنی ہیں، اور وہ نفس سے اور نفس کے دواعی و تقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قلب پر وارد ہو کر انسان کے دین اور عقیدہ کو ہلاک و برباد کر دینے والی ہیں تو اس سورت میں ان سے پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

ارشاد فرمایا: کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر ﷺ میں پناہ حاصل کرتا ہوں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود کی ہر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہو وہ جو وسوسہ ڈالتا ہو لوگوں کے دلوں میں دلوں میں جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہر ایک کے وسوسہ سے میں پناہ چاہتا ہوں قلبی وساوس کے ذریعہ۔

گمراہ کرنے والے جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ اس لئے دونوں کے وسوسوں سے خدا کی پناہ طلب کرنے کی تلقین فرمائی گئی اور چونکہ وساوس قلبیہ ڈالنے والے شیاطین نظروں کے سامنے نہیں ہوتے گویا وہ وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والے ہیں۔ خنوس لغت میں پیچھے ہٹ جانے کو کہا جاتا ہے جیسے کوئی قزاق اور قاتل داؤ اور گھات میں لگا ہوا اور موقع پاتے ہی حملہ کر کے پیچھے چھپ جائے تو وسوسہ ڈالنے والا شیطان بھی اسی طرح وسوسہ

= ہے لیکن حدیث لا حسد الا فی اثنتین میں حسد غبطہ آرزو اور حرص کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہ حسد کرنے والا العیاذ باللہ حاسد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے حسد کا کوئی شر ہوگا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ ۱۲

ڈال کر فوراً چھپ ❶ جاتا ہے۔

ابلیس یا اسکی ذریت میں سے نوع جن، قلوب بنی آدم تک رسائی حاصل کرنے کی وجہ سے طرح طرح کے وسوسے اور ناپاک خیالات قلب میں ڈال دیتے ہیں اور جو انسان ابلیس کے تابع ہو جائیں اور ابلیس ہی کا کام انجام دینے کے لئے اس مہم میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک واوہام پیدا کرتے رہیں اور انکی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ دین اسلام، احکام اسلام اور اصول وعقائد میں ایسے ایسے شکوک پیدا کریں کہ مسلمان عقیدہ توحید ایمان الآخرۃ اور اصل ایمان ہی سے محروم ہو جائیں ایسے ہی شیاطین انس کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرما گئے۔

اے بسا ابلیس شکل آدم است
پس بہر دستے نباید داد دست

ان شیاطین انس کا وجود اور ظہور ہر زمانہ میں ہوتا ہے خصوصاً زمانہ اخیر میں ایسے مفسدین اور فتنہ پردازوں کی کثرت احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے ان میں ایسے خطرناک فتنہ پرداز ہوں گے جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر میں ان کا زمانہ پالوں تو انکو اس طرح ہلاک کروں گا جیسے عاد وثمود کی قومیں ہلاک کی گئیں جب دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ انکی کوئی علامت اور نشانی ہمیں بتا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ ہم ہی جیسے ہوں گے صورت شکل میں ہماری جیسی باتیں کرتے ہوں گے ہماری جیسی زبان سے بولتے ہوں گے خیر البریہ کے اقوال کہتے ہوں گے قرآن اپنی زبان سے پڑھتے ہوں گے۔ لیکن دین سے اس طرح قطعاً بے تعلق ہوں گے جس طرح کوئی تیر نشانہ اور شکار سے خطا کر جائے اور بچ کر نکل جائے تو اس تیر پر اس کی نوک پر، کنارہ پر، پھلکے پر، گرہ پر، کہیں بھی شکار کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہوتا تو ایسا ہی ان فتنہ پردازوں اور گمراہ کرنے والوں۔ کی زندگی میں یعنی ان کی معاشرت طور وطریق طرز زندگی میں کسی بھی رخ پر اسلام کا اثر نہیں آئے گا تو یہ ان ملحدین کا گروہ ہے جو دین اور اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انکے وسوسے شیاطین کے وسوسوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں۔

معوذتین کی تفسیر میں حکماء وعارفین کی تحقیق وتشریح

معوذتین کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ انسان اگر مہالک حسیہ اور مہالک باطنیہ سے پناہ حاصل کر سکتا ہے تو صرف اسی رب کی پناہ جو خالق کائنات ہے اسی کو حکم تمام کائنات اور حتی کہ انسانوں کے قلوب پر بھی جاری ہے پہلی سورت میں جو آفات اور مہلکات حسی اور ظاہری ہیں ان سے پناہ مانگنے کے لئے یہ عنوان ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ یعنی پناہ چاہتا ہوں میں رب الفلق کی ہر مخلوق کے شر سے اختیار فرمایا گیا۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ مخلوقات کے شر اور ان کے جملہ اقسام وانواع مادیت اور بہیمیت کی ظلمت وتاریکی ہیں

❶ بعض ائمہ مفسرین اس خنوس اور پیچھے ہٹ جانے کو اس مضمون پر محمول کرتے ہیں جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾ اور حدیث میں ہے ان الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم کلما ذکر اللہ خنس تو شیطان کا انسان کے قلب سے ہٹ جانا استعاذہ اور ذکر اللہ سے اس کا خنوس ہے۔ ۱۲

اس وجہ سے مناسب ہے پناہ مانگی گئی وہ چار چیزیں ہیں ﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ہر مخلوق کے شر سے ﴿شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ رات کی تاریکی کا شر جس میں جملہ شرور وآفات رونما ہوا کرتے ہیں۔ ﴿شَرِّ النَّفّٰثٰتِ﴾ جادوگروں کا ﴿شَرِّ حَاسِدٍ﴾ حاسدوں اور کمینہ خصلت انسانوں کا شر، توان چار آفتوں سے پناہ حاصل کرنے کے لئے رب کی ایک صفت رب فلق کے ساتھ اس تعوذ کو ذکر فرمایا گیا لیکن دوسری سورت میں ایک ہی شر وساوس سے تحفظ اور تعوذ کے لئے رب کی تین صفات بیان کی گئیں ﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ میں ربوبیت ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ میں بادشاہت۔ ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ میں معبودیت توان صفتوں سے موصوف رب کی پناہ شر وسواس الخناس سے ذکر کی گئی۔

دونوں سورتوں کے عنوان سے ظاہر ہوا کہ شیاطین جن اور انس کے وسوسے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں اسی وجہ سے ایک شر سے تحفظ اور بچاؤ کے لئے خداوند عالم کی تین صفتوں کے ذریعہ پناہ مانگی گئی جب کہ پہلی سورت میں جملہ مہلکات حسیہ سے پناہ کے لئے رب کی ایک ہی صفت کے بیان پر اکتفاء فرمایا گیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق منیف

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر میں بعض عارفین سے ان سورتوں کی تشریح میں عجیب حقائق اور بلند دقائق ذکر فرماتے سمعت بعض العارفین کے عنوان سے جو تحقیق ذکر فرمائی اس کے اکثر مقدمات ابن سینا کے مقدمات سے کچھ ملتے جلتے ہیں فرمایا۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ جب کہ خدا تعالیٰ کی معبودیت کے متعلق جو امور تھے سورۃ اخلاص میں انکی تمام وکمال شرح کردی گئی تو مناسب ہوا کہ اب خالق سے اتر کر ان دونوں سورتوں میں مخلوقات کے مراتب کی تفصیل کی جاوے اس لئے شروع سورت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ کہہ کر اشارہ کردیا گیا کہ اس سورت میں مخلوق کے مدارج کا ذکر ہوگا کیونکہ فلق لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو شق کر کے کوئی دوسری چیز اس میں سے برآمد ہو اور جیسا کہ رات کی تاریکی میں سے صبح کا نکلنا یا تخم میں سے درخت یا زمین اور پتھروں میں سے چشمہ صلب پدر میں سے نطفہ یا رحم مادر میں سے بچہ برآمد ہوتا ہے اسی طرح تمام مخلوقات ظلمات عدم کی غیر متناہی پردوں کو پھاڑتے ہوئے وجود کے منور سطح پر برآمد ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے رب الفلق کے معنی رب جمیع الممکنات ہوئے۔

اب عالم ممکنات دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک ارواح مجردہ کا عالم جس کو عالم الامر کہتے ہیں اور دوسرا مادیات کا عالم جسکو عالم الخلق سے تعبیر کر سکتے ہیں ان میں سے پہلی قسم چونکہ خیر محض ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ نہیں اور دوسری قسم میں مادہ کے اقتران نے شرور کی بھی آمیزش پیدا کردی ہے اس لئے جناب باری عز اسمہ نے ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ کہہ کر عالم مادیات سے تعوذ کی تعلیم فرمائی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ کل اجسام دو قسم کی ہیں اجسام اثیریہ (علویہ) اور اجسام عنصریہ (سفلیہ) جس میں سے اجسام اثیریہ تو بطبعہا اختلال وفطور سے بری ہونے کی وجہ سے خیر ہی خیر ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ اور اجسام عنصریہ کی تین قسمیں (جن کو موالید

ثلاثہ کہتے ہیں) نکلتی ہیں جمادات، نباتات، حیوانات ان ہی تینوں اقسام کا احاطہ کرنے اور ما خلق کی مصداق میں سے بطریق تخصیص بعد التعمیم اجسام اثیریہ کو نکالنے کے واسطے یہ تین کلمات ارشاد ہوئے۔

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ کیونکہ ﴿غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ سے مراد اس جگہ شب دیجور ہے جس میں تہ بر تہ تاریکی چڑھی ہوئی ہے اور ظاہر ہے جمادات شب دیجور کے ساتھ اس وجہ سے بہت پوری مشابہت رکھتے ہیں کہ وہ جمیع قوی نفسانیہ اور انوار کمالات سے بالکل خالی ہونے کی وجہ سے ظلمت خالص اپنے اندر لئے ہوئے ہیں برخلاف نباتات کے کہ ان میں کم از کم قوت غاذیہ نباتیہ تو موجود ہوتی ہے جو ان کو طول، عرض عمق تین جانبوں میں بڑھاتی رہتی ہے جس کو اگر تنفث فی العقد الثلاثہ سے تعبیر کیا جائے تو بالکل چسپاں ہے۔

باقی تیسری قسم حیوانات انکی حالت یہ ہے کہ تمام قویٰ حیوانیہ (حواس ظاہرہ، حواس باطنہ اور شہوت وغضب وغیرہ) روح انسانی کو انصباب الی عالم الغیب اور امور آخرت میں اشتغال رکھنے سے روکنے میں مصروف رہتے ہیں اور جہاں تک موقع پاتے ہیں روح مقدس کو اوج سے حضیض کی طرف اور بلندی سے پستی کی طرف دھکیلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے انکی مثال بالکل ایسی دشمن اور حاسد کی ہے کہ جو ہر وقت گھات میں لگا بیٹھا رہے اور جب موقع پائے آدبوچے تو قرآن حکیم نے تمام مخلوقات کے شرور سے استعاذہ کرنے کی تعلیم ایک ذرا سی سورت میں جمع کردی اور اس طور پر ساری سورت کا مطلب یہ نکلا کہ اے ساری مخلوق کے پروردگار ہم تمام جسمانیات یعنی جمادات اور نباتات اور حیوانات کے شرور سے تیری بارگاہ احدیت میں پناہ جوئی کرتے ہیں۔

مگر چونکہ اس سورت میں نفس انسانی مستعیذ تھا اور یہ جملہ مراتب مستعاذ منہ کے اندر بتلائے گئے ہیں تو ضرورت تھی کہ کسی دوسری جگہ خود نفس انسانی کے مراتب کی بھی تشریح کی جاتی اس لئے اس سے اگلی سورت میں اس ضرورت کو پورا کیا گیا کیونکہ نفس انسانی کی سب سے پہلی حالت یہ ہے کہ وہ اگرچہ باعتبار اپنی اصل فطرت کے نقوش معرفت کے قبول کرنے کے لئے ہمیشہ سے مستعد لیکن ابتداء پیدائش میں نظریات تو درکنار وہ علوم بدیہیہ کے حصول سے بھی معری ہوتا ہے اور اس حالت میں ان سب کو ایک ایسے رب (مربی) کی ضرورت ہے جو اس کو اولاً معارف بدیہیہ کی تلقین کرے۔

بعدہ جب وہ دوسری مرتبہ پہنچے اور بدیہیات کے حصول سے اس کے اندر ملکہ نظریات کی طرف منتقل ہونے کا پیدا ہوجاوے تو اب اس کو ایک ایسے ملک متصرف کی حاجت ہے جو اس کو اس ملکہ سے کام لینا اور اپنی معلومات میں تصرف کرنے کے قواعد سکھائے اور جب وہ ترقی کی دوڑ میں اس سے بھی آگے قدم بڑھانا چاہے تو لازم ہے کہ اس کے علوم کو قوت سے فعل میں لانے اور اس کو کمال تام عطا کرنے کے واسطے کوئی ایسی ہی کامل ذات اسکی سرپرستی کرے جس میں تمام کمالات بالفعل ہوں اور قوت وعدم کا نام ونشان تک نہ ہو۔

چنانچہ ان ہی تینوں مراتب نفس انسانی کی ترتیب کے مطابق خدا تعالیٰ نے اپنی تین صفات رب الناس (لوگوں

کے پروردگار) ملك الناس (لوگوں کے بادشاہ) اله الناس (لوگوں کے معبود) کو پے در پے ذکر فرمایا اور نفوس انسانیہ کے ہر ایک مرتبہ کے مناسب اپنے اسماء میں سے ایک اسم کو منتخب کر لیا لیکن یہ بھی چونکہ معلوم تھا کہ نفس انسانی سے مزاحمت سب سے زیادہ کرنیوالی قوت وہمیہ ہوتی ہے جسکو وسواس سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس بناء پر نفس انسانی کو خصوصیت سے اس کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی اور اس وجہ سے کہ قوت وہمیہ بسا اوقات عقل کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے کھسک جاتی ہے تو اس کو خناس کا لقب دیا گیا الغرض حق تعالیٰ نے ان کلمات اور تعبیرات سے انسان کو خوب متنبہ کر دیا کہ سب سے بڑا دشمن یہی وسواس خناس ہے اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر یہی تعوذ ہے۔

رہی یہ بات کہ سورۂ فلق میں مستعاذ بہ (یعنی جس کی پناہ حاصل کی جائے) ایک ہے اور مستعاذ منہ (یعنی جن سے پناہ مانگی جارہی ہے) چار ہیں تو ان چاروں کے درمیان تعلق کیا ہے اور (آیت) "شر ما خلق" کا عنوان جب کہ مابعد کے تمام اقسام کو جامع ہے تو پھر بعد میں ان تینوں کو کس لئے بیان کیا گیا اور سورۃ ناس میں مستعاذ منہ صرف ایک ہی چیز ہے لیکن مستعاذ بہ تین اوصاف کے ساتھ مذکور ہے رب، ملک، الٰہ۔ اور یہ تینوں ناس یعنی انسانوں کی طرف مضاف ہیں تو ان امور کی حکمت ذکر کرتے ہوئے امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے اخیر میں فرماتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس سورۃ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں ایک خاص نکتہ ہے وہ یہ کہ اس سے پہلی (سورۂ فلق) میں تو صرف ایک صفت (رب الفلق) سے بیان کیا گیا ہے اور مستعاذ منہ کی جانب میں تین قسم کی آفتیں (غاسق، نفاثات، حاسد) مذکور ہیں اور اس کے برعکس اس سورۃ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں مستعاذ بہ کی طرف تین صفتیں (رب الناس، ملک الناس، الہ الناس) بیان ہوئیں اور اور مستعاذ منہ فقط ایک ہی آفت (وسواس) کو قرار دیا گیا تو دونوں سورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ثناء ہر مقام میں بقدر مطلوب کی عظمت اور اہمیت کے کی گئی ہے اور معلوم ہے کہ پہلی سورۃ میں مستعیذ کا مقصود اپنے نفس اور بدن کو بچانا ہے اور دوسرے میں دین کو بچانا ہے اس لیئے خدا تعالیٰ نے اپنے طرز کلام سے متنبہ کر دیا کہ دین کی تھوڑی سی بھی مضرۃ دنیا کی بڑی سے بڑی مضرتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ قابل احتراز اور قابل خیال ہے اور ﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ میں اگرچہ دنیا کی ہر چیز سے استعاذہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں غاسق نفاثات اور حاسد کو ذکر کر کے یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ انواع شرور میں یہ تین قسمیں سب سے زیادہ مہلک اور شر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ ان تین اوصاف کے ذکر کرنے کی وجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان تین "صفتوں کو ذکر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے دخل پانے کی آدمی میں تین راہیں ہیں شہوت، غضب اور عقیدہ باطل کہ جس کو اصطلاح میں "ہوا" بھی کہتے ہیں ان میں سے شر شہوت کو دفع کرنے کے لئے اسم رب ہے اور شر غضب کے رد کرنے کے لئے اسم ملک ہے اور شر ہوا کے مقابلہ میں اسم الٰہ کو رکھا گیا ہے گویا یوں فرمایا گیا کہ اگر شیطان شہوت کی راہ سے تمہارے سامنے آئے تو تم خدا کی شہنشاہی اور عدل وانتقام کو یاد کرو اور اگر ہوا کی راہ سے اپنا تصرف جمانا چاہے تو تم کو چاہئے کہ مرتبہ الوہیت کی طرف اپنی التجاء لے جاؤ اس کے بعد آگے چل کر شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے ان تینوں صفتوں (رب الناس، ملك الناس، اله الناس) کی تفسیر اور انکو اس ترتیب کے

ساتھ بیان کرنے کے بارے میں یہ کہا ہے کہ آدمی پر اسکی زندگی کے تین دور آتے ہیں عہد طفولیت میں وہ اپنے پرورش کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور بھوک اور پیاس کے وقت ایک اسی سے التجا کرتے ہے اور جب کسی چیز سے خوف زدہ ہوتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے اور اسی واسطے ان حالات میں بچہ فقط ماں باپ ہی کو بلاتا ہے اور انہی سے فریاد کرتا ہے بعدہٗ جوانی کی عمر میں پہنچ کر جب یہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ بھی میری طرح سے بادشاہ وقت یا امیر کے محتاج ہیں اور اسی سے روزی حاصل کرتے ہیں اور بلاؤں اور مصائب کے دفع کرنے میں اسی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں تو ناچار اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوجاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے بادشاہ اور امیر ہی ہے اور اسی کا تقرب کارخانہ وجود کے انتظام کا باعث ہے گویا اس حالت میں اس کا تمامی اعتماد اور بھروسہ فقط بادشاہ اور امیر پر ہوا لیکن جب وہ اس حالت سے بھی ترقی کر کے یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ بادشاہ اور امیر بھی بعض اوقات میں درماندہ اور عاجز ہو کر اپنی التجائیں عالم الغیب کی طرف لے جاتے ہیں اور اسی طرف سے مطالب کے حاصل کرنے اور مرادوں کے برآنے میں مدد مانگتے ہیں تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ بادشاہ اور امیر بھی عاجز اور محتاج ہونے میں مجھ سے کچھ کم نہیں اور یہ کہ عالم کا سارا کارخانہ کسی دوسری ہستی کے ساتھ وابستہ ہے جس کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں پس ان تین صفتوں کے لانے میں اس طرف اشارہ ہوا کہ اگر بندہ طفل مزاج ہے اور سوائے تربیت اور پرورش کے کسی دوسری چیز کو نہیں جانتا تو اس کو معلوم کرنا چاہئے کہ یہ صفت میں بھی رکھتا ہوں چاہئے کہ وہ مجھ سے ہی التجا کرے کیونکہ میں رب الناس ہوں اور میری ربوبیت تمام آدمیوں پر حاوی ہے اور اگر بندہ کی عقل حد بلوغ کو پہنچ گئی اور اپنے بادشاہ اور امیر کو تمام امور کا مالک سمجھ گیا تو یہ صفت بھی بوجہ احسن میرے اندر موجود ہے کیونکہ میں تمام دنیا کا بادشاہ ہوں نہ خاص ایک اقلیم یا دو اقلیم کا اور اگر بندہ کو تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ باشادہ وامیر اور مادر و پدر سب کے سب کسی دوسری ذات کے محتاج ہیں جس کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں اور جس کا نام پاک صبح وشام وردزبان رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ صفت تو (سرسری نظر میں بھی) کسی دوسرے میں میرے سوا موجود نہیں ہے غرضیکہ بندہ کو ہر حالت میں تمام وسائط واسباب کو نظر انداز کر کے تنہا میری جناب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام معرفت التیام

معوذتین کی تفسیر میں علماء وحکماء نے حقائق ومعارف بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں، بالخصوص حافظ ابن قیم امام رازی محقق ابن سینا اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ اسرارھم نے جو حقائق ولطائف ذکر فرمائے ہیں ان میں سے بطور نمونہ چند اشارات یا اقتباسات ان دونوں سورتوں کی تفصیل میں ذکر کردیئے گئے ہیں لیکن میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قاسم العلوم والخیرات رحمۃ اللہ کی تحقیق ذکر فرمائی ہے وہ اپنی جگہ ایک عظیم شان رکھتی ہے۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے جس تعبیر اور سیاق وسباق سے اس تحقیق کو اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے یہ ناچیز اس تفسیر کے خاتمہ پر اس کو نقل کرتا ہے تاکہ اس تفسیر کے لئے حسن خاتمہ اور مؤلف کیلئے باعث سعادت ہو بطور تمثیل ہر دو سورت کے حقائق ومعارف اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ [1]

[1] ناچیز حضرت استاذ کا یہ کلام بعینہٖ انکی ہی عبارت میں نقل کر رہا ہے تاکہ حضرات قارئین اصل مضمون کے علاوہ نفس تعبیر میں جو حقائق ومعارف ہیں ان سے بھی مستفیض ہوں۔ ۱۲

یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتے ہوئے باہر نکلتا ہے تو باغبان اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔

اب غور کرنا چاہئے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جن کی انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اول ایسے چار سبزہ اور گیاہ کا کھانا داخل ہے۔ دوسرے کنوئیں یا نہر یا بارش کا پانی ہوا اور حرارت آفتاب غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی کے پہنچنے کا پورا انتظام۔ تیسرے اوپر سے برف اولہ وغیرہ ''جو اسکی حرارت غریزیہ کے احتقان اور رک جانے کا باعث ہو'' اس پر گرنے نہ پائے کیونکہ یہ چیزیں اسکی نشوونما اور ترقی کو روکنے والی ہیں۔ چوتھے مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ وبرگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہئے کہ وہ پودا بڑا ہو گا پھولے پھلے گا اور مخلوق اسکی پرمیوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض وسماء سے (جو رب الفلق اور فالق الحب والنوی اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک ہے) اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنی چاہئے جو اوپر مذکور ہوئیں پس معلوم کرنا چاہئے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض انکی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی اسی طرح "شر" کی اضافت "ما خلق" کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ھو مخلوق کے واسطہ سے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز انکی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

اس کے بعد دوسرے درجہ میں ﴿غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو، رات ہے جب خوب اندھیری ہو یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو ایک اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (یعنی کسی چیز کے نیچے چھپ جانے پر) مبنی ہے اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں (کیونکہ سبب کا وجود اسباب کے وجود پر موقوف ہوتا ہے) اور ہر چیز کا بقاء اسی پر موقوف ہے کہ وہ مہلکات و حوادث سے محفوظ رہے اور اگر وہ لگایا ہوا پودا اسباب بقاء و زندگی سے محروم ہو جائے تو لامحالہ وہ کملا کر خشک ہو جائے گا (تو آفات میں یہ دوسری قسم ہے آفت کی) اب اس کی بعد تیسرا تعوذ ﴿النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ سے کیا گیا جو ساحرانہ عمل ہے اور سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں سے اصل طبیعت کے

آثار اصلیہ وطبیعہ مغلوب ہو کر دب جاتے ہیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت مشابہ ہوگئی جو پودے پر برف وغیرہ کے گرنے اور حرارت غریزیہ کے مختقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا لبید بن الاعصم کے قصہ میں جو الفاظ آتے ہیں فقام علیہ الصلوۃ والسلام کانما انشط من عقال ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپالیا تھا جو جبریل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہوگئی اب ان آفات میں سے تحرز (پرہیز کرنا) ضرور قرار دیا گیا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بر بناء عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے تو شر کے اس مرتبہ کو ﴿مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن سے وہ خاص جوہر ہی چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی اور نشوونما ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب"۔ یا "سویداء تخم"۔ سے تعبیر کرتے ہیں یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا شاید اسی کی کی تلافی (یا مہلکات کی تکمیل) کے لئے دوسری سورت میں "الوسواس الخناس" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی کیونکہ وسواس ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے علاوہ کسی کے قبضہ میں نہیں لیکن وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھیرا تو دفع وسواس کے واسطے ان ہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی ومناشی شمار کئے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد وتسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شاہنشاہ مطلق پھر ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی وروحانی ضروریات کو بہم پہنچانے کے ہیں۔

اور یہ کام بجز اس ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑسکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اور اقتدار سے خارج نہ ہو سکے ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شاہنشاہ مطلق کہہ سکتے ہیں اور لاریب اسکی یہ شان ہونی چاہئے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ گویا مالکیت وملکیت ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ربوبیت سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ملک علی الاطلاق کا منصب ہے پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق کے ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت اور الوہیت کا سراغ بھی ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروانہ کی جائے تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد وبندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا اس لئے معبودیت اور الوہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک کے لئے ثابت ہوگئی پڑھو! ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾۔

غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء ہے وہ ربوبیت ہے اور اس کے بعد جو صفت ہے وہ ملکیت ہے اور ان سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لئے بارگاہ الٰہی میں جو چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح اس نے بالترتیب اپنی صفات رب الناس، ملك الناس اله الناس کو سورۃ "الناس" میں بیان فرمادیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ با، جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت بیان کی گئی ہیں اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو الوہیت کے مقابلہ میں رکھو کیونکہ جس طرح مستعاذ بہ حقیقی اله الناس ہے اور ملک و رب اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیئے گئے ہیں اس طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے خناس بیان فرمائی ہے خناس سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے اور جب کوئی بیدار ہوجائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور انکے دست تعدی سے رعایا کو مصئون اور مامون بنانا بادشاہاں وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل ملك الناس کو رکھا جائے اور ﴿الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ﴾ جو خناس کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس کو رب الناس کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ملك الناس کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے (انتھی کلامه)۔ [1]

غرض حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں سورتوں میں ہر قسم کی آفات اور ہلاکتوں سے بچنے کیلئے استعاذہ اور پناہ حاصل کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی۔

پہلی سورت میں رب فلق کی پناہ جن مہالک سے بیان کی انکی مناسبت سے سورۃ الناس میں حق تعالیٰ کی تین عظیم صفات رب الناس، ملك الناس، اله الناس کی پوری پوری مناسبت ظاہر ہوگئی اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ فتنوں اور ہلاکتوں میں ایک حسی اور ظاہری فتنے ہیں اور ایسے جرائم و خبائث ہیں جو مادی اور حسی طور پر نہایت ہی ہیبت ناک ہیں جو شیطان اسود (کالے شیطان) کا اغواء و اضلال ہے یہ اغواء و اضلال اگرچہ نہایت ہی قبیح و ہیبت ناک ہے جس میں قتل و غارت گری بدکاری جیسے وذی افعال ہیں لیکن ان سے بڑھ کر خطرناک فتنہ اور گمراہی شیطان ابیض (گورے شیطان) کی ہے جو عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کی گمراہی سے دنیا کو ہلاک اور تباہ کرتا ہے اس وجہ سے اس سے پناہ مانگتے ہوئے خدا کی تین صفتیں بیان فرمائی گئیں کہ اس ہلاکت سے بچاؤ اسکی ربوبیت مالکیت اور الوہیت ہی کی صفت اور شان سے ہوسکتا ہے اس قسم کی تباہی اور ہلاکت وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اس طرح فرمایا یصبح الرجل مومن اویمسی

[1] اس ناچیز کا حضرت الاستاذ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ تحقیق اختتام تفسیر پر بعینہ ان ہی کی تعبیر اور کلمات میں نقل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ خود شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے سورۃ والنجم کی آیات کی تفسیر اپنے استاد خاتم المحدثین حضرت شاہ سید محمد انور قدس اللہ سرہ انکی عبارت اور کلمات میں نقل فرمائی جس کا استاد محترم رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں بڑے اہتمام و عظمت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ۱۲

کافرا یمسی مومنا ویصبح کافرا کہ صبح کو اٹھے گا تو مومن ہوگا لیکن جب شام کا وقت آئے گا تو کافر ہوگا یا شام کو مومن ہے تو صبح کافر اٹھے گا تو اس قدر جلد تبدیلی ایمان وکفر کی یہ ایسے وساوس سے ہی ہوتی ہے جو شیطان ابیض کی طرف سے گمراہی اور ہلاکت کا ذریعہ ہوتی ہے کہ عقیدہ اور نظریہ کا بگاڑ یہ اسکی حرکت ہے ورنہ انسان میں عملی گمراہی اس قدر جلد نہیں آتی اور کبھی ایسا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ صبح کو ایک شخص عفیف وپاکدامن ہو اور شام کو چور، زانی، بدکار، اور شرابی نظر آئے اس وجہ سے اس ہلاکت کو اہم سمجھتے ہوئے اس سے تحفظ اور بچاؤ حق تعالیٰ شانہ کی تین عظیم صفتوں کے ساتھ استعاذہ میں فرمایا دیا گیا۔ اللھم احفظنا من الفتن ماظھر منھا وما بطن ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب۔

کلمات دعاء

یہ ناچیز گناہگار اپنی تقصیرات کا اعتراف کرتے ہوئے اس رب کریم کا شکر ادا کرتا ہے جس کی محض توفیق وتیسیر سے معارف القرآن کی تکمیل کی سعادت سے بہرہ ور ہورہا ہے اے اللہ تیرا شکر ہے کہ آج تیرے کلام پاک کی تفسیر تیرے ہی فضل وکرم سے اختتام پذیر ہورہی ہے تیرے بارگاہ قدس میں دست بدعا ہوں کہ اس کو قبول فرمالے درگزر کرتے ہوئے قبول فرمالے۔

اے میرے پروردگار میں معترف ہوں کہ نہ میں اخلاص کا حق ادا کرسکا اور نہ ہی اس عظیم خدمت کی عظمت و برتری کے شایان شان کچھ ہوسکا بس یہی ہے جھد المقل دموعه، ناتواں کی کوشش اس کے چند آنسو ہیں اے میرے پروردگار میں اپنی تمام تقصیرات وعیوب پر نادم وشرمندہ ہوں نہ میرے دامن میں علم ہے نہ ہی تقویٰ اور عمل صالح کا ذخیرہ ہے۔

اے اللہ میں اپنے قصور علم وفہم کی وجہ سے تیرے کلام پاک کے معارف وحقائق کے سمندر میں سے ایک قطرہ بھی نکال کر پیش نہ کرسکا میری یہ کاوش بس ایک بے قیمت اور کھوٹی پونجی ہے جو میں تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہوتے وہی التجاء کرتا ہوں جو تیرے پیغمبر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کی تھی ﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ کہ ہم ایک کھوٹی پونجی لے کر آئے ہیں لیکن اے تو یوسف علیہ السلام تو ہمارا پیمانہ بھر دیدے اور مزید انعام بھی فرما تو یوسف کریم ابن الکریم علیہ السلام کے رب کریم تیری بارگاہ میں یہی عرض ہے کہ یہ کھوٹی پونجی ہے مگر اس پر اجر وثوب کے پیمانے بھر بھر کر عطا فرمادینا تو تو رب کریم ہے اور میں ندامت وشرمندگی کے ساتھ بارگاہ میں طالب عفو ہوں کہ میری تقصیرات معاف فرمادے میری توبہ قبول فرماتے ہوئے جس طرح اے رب العالمین تو تائبین کے سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے اسی طرح جو میری برائیاں اور سیئات ہیں تو اپنے فضل وکرم سے انکو حسنات سے بدل دے۔ رب تقبل منی انك انت السمیع العلیم وتب علی انك انت التواب الرحیم، رب ھب لی من لدنك رحمة انك انت الوھاب، ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انك الرؤف

الرحیم، رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنات۔

اے اللہ تو میرے والد محترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی (قدس اللہ سرہٗ) وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت (اے توفی حکایۃ لحال الماضی) ویوم یعث حیا جن کی تفسیر کا یہ تکملہ میں آج پورا کررہا ہوں انکو اپنی بے پایاں عنایات سے اور رحمتوں سے سرفراز فرما جنت الفردوس میں انکے درجات بلند فرما انکے علوم وفیوض سے مسلمانوں کو متمتع فرما آمین یارب العالمین، آمین یارب العلمین، آمین یارب العلمین۔

وللہ الحمد اولا آخرا، ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا، ربا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم سبحان ربک رب العزۃ عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العلمین"۔

دعاء ختم القرآن

اللّٰھم انس وحشتی فی قبری اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم واجعلہ لی اماما ونورا وھدی ورحمۃ اللّٰھم ذکرنی منہ ما نسیت وعلمنی منہ ماجھلت وارذقنی تلا وتہ اناء الیل واناء النھار واجعلہ لی حجۃ یارب الغلمین۔

ناچیز عاصی وخاطی

محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ

یوم الاثنین بعد صلوۃ العصر ۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

۲۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء

*****

بسم اللہ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

جامع اشاریہ مضامین قرآنی

کتاب العقائد - توحید کے باب

اللہ تعالیٰ سارے جہان کا خالق (بنانے والا) ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۲۹	هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ
۷	الانعام	۱	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ... وَالْاَرْضَ
۷	الانعام	۷۳	وَهُوَ الَّذِيْ ... بِالْحَقِّ
۷	الانعام	۱۰۱	خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
۱۷	الانبیاء	۳۳	وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ ... الْقَمَرَ
۱۸	المؤمنون	۱۲تا۱۴	وَلَقَدْ خَلَقْنَا ... الْخٰلِقِيْنَ
۱۸	النور	۴۵	وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ ... يَشَآءُ
۱۸	الفرقان	۲	وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ... تَقْدِيْرًا
۲۱	لقمٰن	۱۰	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ... كَرِيْمٍ
۲۷	الرحمٰن	۱۴_۱۵	خَلَقَ الْاِنْسَانَ ... نَارٍ

اللہ تعالیٰ ہی سارے جہان کا مالک ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	آل عمران	۲۰	قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ ... قَدِيْرٌ
۵	النساء	۵۳	اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ ... نَقِيْرًا
۶	المائدة	۱۷	قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ ... شَيْـًٔا
۶	المائدة	۱۷	وَلِلّٰهِ مُلْكُ ... بَيْنَهُمَا
۶	المائدة	۷۶	اَتَعْبُدُوْنَ ... وَّلَا نَفْعًا
۱۴	النحل	۷۳	وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ ... لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
۱۵	بنی اسرائیل	۱۱۱	وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ
۱۸	المؤمنون	۸۸	بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ
۲۲	السبا	۲۲	لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ... ظَهِيْرٍ
۲۲	فاطر	۱۳	ذٰلِكُمُ ... الْمُلْكُ
۲۲	فاطر	۱۳	مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ
۲۴	الزمر	۴۳	لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا
۲۵	الزخرف	۸۶	وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ ... بِالْحَقِّ
۲۶	الفتح	۱۱	قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ ... نَفْعًا
۲۶	الفتح	۱۴	وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہر چیز کا نفع ونقصان اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدة	۴۱	فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ ... شَيْـًٔا
۹	الاعراف	۱۸۸	قُلْ لَّآ اَمْلِكُ ... مَا شَآءَ اللّٰهُ
۱۱	یونس	۴۹	// // // // // //
۱۱	یونس	۱۰۷	وَاِنْ يَّمْسَسْكَ ... لِفَضْلِهٖ
۱۳	الرعد	۱۶	اَفَاتَّخَذْتُمْ ... ضَرًّا
۱۵	بنی اسرائیل	۵۶	فَلَا يَمْلِكُوْنَ ... تَحْوِيْلًا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	الفرقان	۳	وَلَا يَمْلِكُوْنَ... نَفْعًا
۲۶	الفتح	۱۱	قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ... نَفْعًا
۲۸	الممتحنہ	۴	وَمَآ اَمْلِكُ... شَيْءٍ
۲۹	الجن	۲۱	قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ... رَشَدًا

رزق اور اس میں تنگی اور کشادگی فقط اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۲۱۲	وَاللّٰهُ يَرْزُقُ... حِسَابٍ
۷	المائدۃ	۸۸	وَكُلُوْا... طَيِّبًا
۱۲	ہود	۶	وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ... رِزْقُهَا
۱۳	الرعد	۲۶	اَللّٰهُ يَبْسُطُ... يَقْدِرُ
۱۷	الحج	۵۸	لَيَرْزُقَنَّهُمْ... حَسَنًا
۲۰	العنکبوت	۱۷	اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ... رِزْقًا
۲۱	العنکبوت	۶۰	وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ... اِيَّاكُمْ
۲۱	الروم	۴۰	خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ
۲۲	فاطر	۳	هَلْ مِنْ خَالِقٍ... وَالْاَرْضِ
۲۴	المؤمن	۱۳	وَيُنَزِّلُ... رِزْقًا
۲۵	الشوریٰ	۲۷	وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ... مَا يَشَآءُ
۲۷	الذٰریٰت	۵۸	اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ
۲۸	الطلاق	۳	وَّيَرْزُقْهُ... يَحْتَسِبُ
۲۹	الملک	۲۱	اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ... رِزْقَهٗ

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۶۳	وَاِلٰهُكُمْ... الرَّحِيْمُ
۳	البقرۃ	۲۵۵	اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
۳	آل عمران	۶۲	وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ
۶	النساء	۱۷۱	اِنَّمَا اللّٰهُ... وَكِيْلًا
۶	المائدۃ	۷۳	وَمَا مِنْ اِلٰهٍ... وَّاحِدٌ
۷	انعام	۴۶	مَّنْ اِلٰهٌ... يَاْتِيْكُمْ بِهٖ
۸	الاعراف	۶۵	مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ
۱۳	ابراہیم	۵۲	اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
۱۴	النحل	۲۲	اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
۱۴	النحل	۵۱	اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ... فَارْهَبُوْنِ
۱۵	بنی اسرائیل	۲۲	لَا تَجْعَلْ... اِلٰهًا اٰخَرَ
۱۶	الکہف	۱۱۰	اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
۱۷	الانبیاء	۱۰۸	اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
۱۷	الحج	۳۴	فَاِلٰهُكُمْ... الْمُخْبِتِيْنَ
۱۸	المؤمنون	۹۱	وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ... يَصِفُوْنَ
۲۰	النمل	۶۰	ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ
۲۰	القصص	۷۱	مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
۲۳	صٓ	۶۵	وَمَا مِنْ اِلٰهٍ... الْقَهَّارُ
۲۴	حٰم السجدۃ	۶	اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
۲۵	الزخرف	۸۴	وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ
۲۷	الطور	۴۳	اَمْ لَهُمْ... يُشْرِكُوْنَ

علم غیب خاصہ خدا تعالیٰ ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۳۳	اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
۷	المائدۃ	۱۰۹	قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا... اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
۷	المائدۃ	۱۱۶	لَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ... اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
۷	الانعام	۵۹	وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ... مُّبِيْنٍ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۷۳	عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
۱۰	التوبۃ	۷۸	يَعْلَمُ سِرَّهُمْ ... عَلَّامُ الْغُيُوبِ
۱۱	التوبۃ	۹۴	إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
۱۱	التوبۃ	۱۰۵	إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
۱۱	یونس	۲۰	إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ
۱۲	ہود	۱۲۳	وَلِلّٰهِ غَيْبُ ... كُلُّهُ
۱۵	الکہف	۲۶	لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
۲۲	فاطر	۳۸	عٰلِمُ غَيْبِ ... بِذَاتِ الصُّدُورِ
۲۲	السبا	۳	عٰلِمِ الْغَيْبِ ... مُبِينٍ
۲۶	الحجرات	۱۸	إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ... وَالْأَرْضِ

سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اعلان کہ

آپ عالم الغیب نہیں ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۵۰	قُلْ لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي ... وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ
۹	الاعراف	۱۸۷	يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ ... عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي
۹	الاعراف	۱۸۸	قُلْ لَّا أَمْلِكُ ... مَا مَسَّنِيَ السُّوءُ
۲۹	الجن	۲۵	قُلْ إِنْ أَدْرِي ... أَمَدًا

اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب میں سے جسے چاہے

اور جتنا چاہے عطا فرمائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۹	الجن	۲۶-۲۷	عٰلِمُ الْغَيْبِ ... إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُولٍ

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اولاد نہیں دے سکتا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۵	الشوریٰ	۴۹-۵۰	يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ ... عَلِيمًا

بیمار کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی شفا نہیں دے سکتا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۹	الشعراء	۸۰	وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ

مصیبت کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی کام نہیں آتا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۱	یونس	۱۲	وَإِذَا مَسَّ ... عَنْهُ ضُرَّهُ
۱۷	الانبیاء	۸۴	فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ
۱۵	بنی اسرائیل	۵۶	فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ
۲۴	الزمر	۳۸	هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهِ

سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے دعا نہ مانگی جائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۴۰-۴۱	أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ ... بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ
۸	الاعراف	۲۹	وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
۱۱	یونس	۱۰۶	وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
۱۳	الرعد	۱۴	لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ... بِبَالِغِهِ
۱۹	الفرقان	۶۸	وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ
۲۴	مؤمن	۱۴	فَادْعُوا اللّٰهَ ... الْكٰفِرُونَ

اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی بے قراری کو دیکھ کر

اس کی دعا قبول فرماتا ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۸۶	أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ
۲۰	النمل	۶۲	أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ ... السُّوءَ
۲۴	الزمر	۴۹	فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ ... عَلٰى عِلْمٍ

ابواب الرسالۃ

سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پیغمبر خدا تعالیٰ ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۱۱۹	إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا
۵	النساء	۷۹	وَأَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
١٣	الرعد	٣٠	كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ
١٥	بنی اسرائیل	١٠٥	وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا
١٧	الانبیاء	١٠٧	وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ
٢٢	الاحزاب	٤٥	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
٢٢	السبا	٢٨	وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ ... نَذِيْرًا
٢٢	یٰسٓ	٣	اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

پیغمبروں کو انسانی جامہ میں خدا سمجھنا کفر ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٦	المائدۃ	٧٢۔٧٣	لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ ... ابْنُ مَرْيَمَ

کسی نبی نے لوگوں کو اپنی بندگی کا سبق نہیں پڑھایا بلکہ بندہ خدا بنایا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٣	ال عمران	٧٩	مَا كَانَ لِبَشَرٍ ... رَبّٰنِيّٖنَ

سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٢٢	الاحزاب	٤٠	وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ
٢٢	السبا	٢٨	وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ ... نَذِيْرًا

حضور انور ﷺ کے اوصاف حمیدہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
١١	التوبۃ	١٢٨	حَرِيْصٌ ... رَّحِيْمٌ
١٧	الانبیاء	١٠٧	وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ
٢٢	الاحزاب	٤٥۔٤٦	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ... وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا
٢٢	السبا	٢٨	بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

رحمۃ للعالمین ﷺ کا فرض منصبی

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٣	ال عمران	٢٠	فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
٦	المائدۃ	٦٧	يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ... رِسَالَتَهٗ
٧	المائدۃ	٩٢	اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ
٧	المائدۃ	٩٩	مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ
١٣	الرعد	٤٠	فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
٢٥	الشوریٰ	٤٨	فَاِنْ اَعْرَضُوْا ... الْبَلٰغُ

حضور سراپا نور ﷺ مقربین دربار الٰہی (یعنی نمازیوں کے) امام ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٥	النساء	١٠٢	وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ ... فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ
١١	التوبۃ	١٠٣	وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ... سَكَنٌ لَّهُمْ

حضور انور ﷺ فیصلہ جات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاضی (جج) ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٥	النساء	٦٥	فَلَا وَرَبِّكَ ... تَسْلِيْمًا
٥	النساء	١٠٥	اِنَّآ اَنْزَلْنَآ ... لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

حضور انور شمع توحید پر قربان ہونے والے مجاہدوں کے قائد اعظم ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٤	ال عمران	١٢١	وَاِذْ غَدَوْتَ ... عَلِيْمٌ
٥	النسآء	٨٤	فَقَاتِلْ ... الْمُؤْمِنِيْنَ
١٠	الانفال	٥٧	فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ ... يَذَّكَّرُوْنَ
١٠	الانفال	٦٥	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ ... الْقِتَالِ

حضور انور فداہ ابی وامی ایک فاتح بادشاہ ہونے کے لحاظ سے قیدیوں کو شرائط رہائی پیش کرنے والے ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
١٠	الانفال	٧٠	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

سرور کائنات کی ایک شاہی شوریٰ (پریوی کونسل) ہے جس کے حضور والا سرتاج (پریذیڈنٹ) ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
٤	ال عمران	١٥٩	وَشَاوِرْهُمْ ... عَلَى اللّٰهِ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت

حضور انور ﷺ کا خلق عظیم

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	ال عمران	۱۵۹	وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا ... عَلَى اللهِ
۱۱	التوبة	۱۲۸	لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ ... رَءُوفٌ رَّحِيمٌ
۲۹	القلم	۴	وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

اخلاق عالیہ کا انتہائی ثبوت کہ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے ہدایت یافتہ نہ ہونے پر بے حد مغموم ہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۵	الکہف	۶	فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ ... أَسَفًا

قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۴	النحل	۸۴	وَيَوْمَ نَبْعَثُ ... شَهِيدًا
۱۴	النحل	۸۹	وَيَوْمَ نَبْعَثُ ... هَٰؤُلَاءِ

رسول اللہ ﷺ کی امت دوسری امتوں پر گواہ ہوگی

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۴۳	وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ ... شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

خلاف معمول جو فعل الٰہی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوا سے معجزہ کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو یہ اختیار نہیں تھا کہ جب چاہتے معجزہ ظاہر کر دکھاتے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۱۰۹	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ ... عِنْدَ اللَّهِ
۱۳	الرعد	۳۸	وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ ... إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

تقدیر الٰہی کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۱	یونس	۵	وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ
۱۴	الحجر	۲۱	وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ
۱۴	الحجر	۶۰	قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ
۱۸	المؤمنون	۱۸	وَأَنْزَلْنَا ... مَاءً بِقَدَرٍ
۱۸	الفرقان	۲	فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا
۲۲	الاحزاب	۳۸	وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا
۲۲	السبا	۱۸	وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ
۲۳	یٰس	۳۹	وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ
۲۴	حم السجدة	۱۰	وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا
۲۵	الشوریٰ	۲۷	وَلَٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ
۲۷	القمر	۱۲	عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ
۲۷	القمر	۴۹	إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ
۲۷	الواقعة	۶۰	نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ
۲۹	المزمل	۲۰	وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ
۲۹	المرسلٰت	۲۲	إِلَىٰ قَدَرٍ مَعْلُومٍ
۲۹	المرسلٰت	۲۳	فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ
۳۰	عبس	۱۹	خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ
۳۰	الاعلیٰ	۳	وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو نازل فرمایا ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۲۳	وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ ... صَادِقِينَ
۱	البقرة	۹۷	فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ
۲	البقرة	۱۸۵	شَهْرُ رَمَضَانَ ... أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
۳	ال عمران	۳	نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
۳	ال عمران	۷	هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ
۳	ال عمران	۴۴	ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ
۵	النساء	۸۲	أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ... كَثِيرًا
۶	المائدة	۴۸	وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ ... عَلَيْهِ
۷	الانعام	۱۹	وَأُوحِيَ إِلَيَّ ... مَنْ بَلَغَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۹۲	وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
۸	الانعام	۱۱۴	اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ
۸	الانعام	۱۵۵	وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
۸	الاعراف	۲	كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
۱۱	یونس	۳۷	وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ... مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
۱۱	یونس	۵۷	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ... مِّنْ رَّبِّكُمْ
۱۲	ہود	۱۴،۱۳	اَمْ يَقُوْلُوْنَ ... بِعِلْمِ اللّٰهِ
۱۲	ہود	۴۹	تِلْكَ مِنْ ... قَبْلِ هٰذَا
۱۲	یوسف	۲	اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ ... تَعْقِلُوْنَ
۱۳	یوسف	۱۰۲	ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ
۱۳	ابراہیم	۱	كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ ... الْحَمِيْدِ
۱۴	النحل	۸۹	وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
۱۵	بنی اسرائیل	۸۲	وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ... خَسَارًا
۱۵	بنی اسرائیل	۸۸	قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ ... ظَهِيْرًا
۱۶	طٰهٰ	۲	مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى
۱۶	طٰهٰ	۱۱۳	وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
۱۸	النور	۳۴	وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ
۱۸	الفرقان	۱	تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
۱۹	الشعراء	۱۹۲	وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
۲۱	السجدة	۲	تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ ... رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ
۲۳	یٰسٓ	۵	تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ
۲۳	صٓ	۲۹	كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ
۲۳	الزمر	۲۳	اَللّٰهُ نَزَّلَ ... مُّتَشَابِهًا
۲۴	حم السجدة	۲	تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
۲۵	الشوریٰ	۷	وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
۲۵	الزخرف	۳	اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا ... تَعْقِلُوْنَ
۲۵	الدخان	۳	اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ ... مُنْذِرِيْنَ
۲۵	الدخان	۵۸	فَاِنَّمَا ... يَتَذَكَّرُوْنَ
۲۷	الطور	۳۴،۳۳	اَمْ يَقُوْلُوْنَ ... صٰدِقِيْنَ
۲۷	الواقعة	۸۰	تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ
۲۹	الدہر	۲۳	اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا
۳۰	القدر	۱	اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

قرآن حکیم کے نازل ہونے کی کیا غرض ہے؟

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	آل عمران	۱۳۸	هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى ... لِّلْمُتَّقِيْنَ
۶	المائدة	۱۶،۱۵	قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ... مُّسْتَقِيْمٍ
۶	المائدة	۴۸	مُصَدِّقًا لِّمَا ... عَلَيْهِ
۷	الانعام	۹۰	اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ
۸	الانعام	۱۵۷	فَقَدْ جَآءَكُمْ ... رَحْمَةٌ
۱۱	یونس	۵۷	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ... لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
۱۴	النحل	۶۴	وَمَاۤ اَنْزَلْنَا ... يُّؤْمِنُوْنَ
۱۴	النحل	۸۹	نَزَّلْنَا عَلَيْكَ ... لِلْمُسْلِمِيْنَ
۱۵	بنی اسرائیل	۱۰،۹	اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ... اَلِيْمًا
۱۵	بنی اسرائیل	۸۲	وَنُنَزِّلُ ... خَسَارًا

معجزات اور خوارق عادات

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۵۷،۵۵	وَاِذْ قُلْتُمْ ... السَّلْوٰى
۱	البقرة	۶۰	وَاِذِ اسْتَسْقٰى ... مَّشْرَبَهُمْ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۶۳	وَاِذْ اَخَذْنَا ... الطُّوْرَ
۱	البقرۃ	۶۵	وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ... خٰسِئِیْنَ
۱	البقرۃ	۷۲، ۷۳	وَاِذْ قَتَلْتُمْ ... تَعْقِلُوْنَ
۲	البقرۃ	۲۴۳	اَلَمْ تَرَ اِلَی ... اَحْیَاھُمْ
۲	البقرۃ	۲۴۸	وَقَالَ لَھُمْ ... الْمَلٰٓئِکَۃُ
۳	البقرۃ	۲۵۹	اَوْ کَالَّذِیْ ... لَحْمًا
۳	البقرۃ	۲۶۰	وَاِذْ قَالَ ... سَعْیًا
۳	ال عمران	۱۳	قَدْ کَانَ لَکُمْ ... الْعَیْنِ
۳	ال عمران	۳۷	کُلَّمَا دَخَلَ ... عِنْدِ اللّٰہِ
۳	ال عمران	۳۹ تا ۴۱	فَنَادَتْہُ ... رَمْزًا
۳	ال عمران	۴۵ تا ۴۶	اِذْ قَالَتِ ... کَھْلًا
۳	ال عمران	۴۹	اَنِّیْٓ اَخْلُقُ ... بُیُوْتِکُمْ
۴	ال عمران	۱۲۳ تا ۱۲۵	وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ ... مُسَوِّمِیْنَ
۶	النساء	۱۵۷	وَّقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا ... شُبِّہَ لَھُمْ
۶	النساء	۱۵۷، ۱۵۸	وَمَا قَتَلُوْہُ ... اِلَیْہِ
۶	النساء	۱۵۹	وَاِنْ مِّنْ ... مَوْتِہٖ
۷	المائدۃ	۶۰	مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ ... الْخَنَازِیْرَ
۹	الاعراف	۱۰۷، ۱۰۸	فَاَلْقٰی ... لِلنّٰظِرِیْنَ
۹	الاعراف	۱۱۵، ۱۲۲	قَالُوْا یٰمُوْسٰی ... وَھٰرُوْنَ
۹	الاعراف	۱۳۰ تا ۱۳۳	وَلَقَدْ اَخَذْنَآ ... مُّفَصَّلٰتٍ
۹	الاعراف	۱۷۱	وَاِذْ نَتَقْنَا ... بِقُوَّۃٍ
۹	الانفال	۹	اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ ... مُرْدِفِیْنَ
۱۰	التوبۃ	۲۵، ۲۶	لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ ... الْکٰفِرِیْنَ
۱۰	التوبۃ	۴۰	اِلَّا تَنْصُرُوْہُ ... السُّفْلٰی
۱۲	ھود	۳۶ تا ۴۴	وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ ... الظّٰلِمِیْنَ
۱۲	ھود	۶۴ تا ۶۸	ھٰذِہٖ نَاقَۃُ ... لَّمْ یَغْنَوْا
۱۲	ھود	۶۹ تا ۷۳	وَلَقَدْ جَآءَتْ ... حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
۱۲	ھود	۷۷ تا ۸۳	وَلَمَّا جَآءَتْ ... عِنْدَ رَبِّکَ
۱۲	ھود	۹۳ تا ۹۵	وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا ... لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا
۱۲	یوسف	۲۳ تا ۲۷	وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ... الصّٰدِقِیْنَ
۱۳	یوسف	۸۳	عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِھِمْ جَمِیْعًا
۱۳	یوسف	۹۳	اِذْھَبُوْا ... بَصِیْرًا
۱۳	یوسف	۹۴ تا ۹۶	اِنِّیْ لَاَجِدُ ... تَعْلَمُوْنَ
۱۵	بنی اسرائیل	۱	سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ ... مِنْ اٰیٰتِنَا
۱۵	الکھف	۱۰ـ۱۲	اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ ... اَمَدًا
۱۵	الکھف	۱۷ـ۱۸	وَتَرَی الشَّمْسَ ... رُعْبًا
۱۵	الکھف	۲۵	وَلَبِثُوْا ... تِسْعًا
۱۵	الکھف	۶۰ـ۶۳	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی ... عَجَبًا
۱۶	مریم	۱۶ تا ۱۷	وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ ... سَوِیًّا
۱۶	مریم	۲۴ تا ۲۵	فَنَادٰھَا ... جَنِیًّا
۱۶	مریم	۲۹ تا ۳۱	قَالُوْا کَیْفَ ... حَیًّا
۱۶	طٰہٰ	۱۹ تا ۲۲	قَالَ اَلْقِھَا ... اُخْرٰی
۱۶	طٰہٰ	۲۵ تا ۳۶	قَالَ رَبِّ ... یٰمُوْسٰی
۱۶	طٰہٰ	۶۶ تا ۷۰	فَاِذَا حِبَالُھُمْ ... برب ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی
۱۶	طٰہٰ	۹۷	قَالَ فَاذْھَبْ ... لَا مِسَاسَ
۱۷	الانبیاء	۶۹	قُلْنَا یٰنَارُ ... الْاَخْسَرِیْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الانبیاء	۷۹	وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ ... وَالطَّيْرَ
۱۷	الانبیاء	۸۱ تا ۸۲	وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ... حٰفِظِيْنَ
۱۹	الشعراء	۶۰ تا ۶۶	فَاَتْبَعُوْهُمْ ... الْاٰخَرِيْنَ
۱۹	النمل	۷ تا ۱۲	اِذْ قَالَ مُوْسٰى ... وَقَوْمِهٖ
۱۹	النمل	۱۶ تا ۱۹	وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ ... قَوْلِهَا
۱۹	النمل	۲۰ تا ۲۸	وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ ... يَرْجِعُوْنَ
۱۹	النمل	۳۷ تا ۴۰	اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ ... فَضْلِ رَبِّيْ
۱۹	النمل	۴۸ تا ۵۱	وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ ... اَجْمَعِيْنَ
۲۰	القصص	۷ تا ۱۳	وَاَوْحَيْنَآ ... اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
۲۰	القصص	۲۴ تا ۳۵	فَقَالَ رَبِّ ... الْغٰلِبُوْنَ
۲۱	العنکبوت	۵۱	اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ ... يُتْلٰى عَلَيْهِمْ
۲۱	الاحزاب	۹	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ... لَّمْ تَرَوْهَا
۲۲	السبا	۱۰ تا ۱۴	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ... الْمُهِيْنِ
۲۳	الصّٰفّٰت	۱۴۰ تا ۱۴۶	اِذْ اَبَقَ اِلَى ... يَّقْطِيْنٍ
۲۳	ص	۱۷	وَاذْكُرْ عَبْدَنَا ... اَوَّابٌ
۲۳	ص	۳۶ تا ۳۷	فَسَخَّرْنَا لَهُ ... الْاَصْفَادِ
۲۳	ص	۴۲ تا ۴۳	اُرْكُضْ ... مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ
۲۴	المؤمن	۲۶ تا ۲۷	وَقَالَ فِرْعَوْنُ ... الْحِسَابِ
۲۵	الدخان	۲۴	وَاتْرُكِ ... مُّغْرَقُوْنَ
۲۶	الذریت	۲۸	وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ
۲۷	النجم	۱ تا ۱۸	وَالنَّجْمِ ... الْكُبْرٰى
۲۷	القمر	۱	اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ
۲۷	القمر	۳۷	وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ ... وَنُذُرِ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳۰	الفیل	۱ تا ۵	اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ... مَّاْكُوْلٍ

اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور اُن کے کارنامے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۳۰ تا ۳۴	وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ ... الْكٰفِرِيْنَ
۱	البقرۃ	۹۷ تا ۹۸	قُلْ مَنْ كَانَ ... لِّلْكٰفِرِيْنَ
۱	البقرۃ	۱۰۲	وَمَآ اُنْزِلَ ... وَزَوْجِهٖ
۷	الانعام	۹۳	وَلَوْ تَرٰۤى ... تَسْتَكْبِرُوْنَ
۹	الاعراف	۲۰۶	اِنَّ الَّذِيْنَ ... يَسْجُدُوْنَ
۱۳	الرعد	۱۱	لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ... اَمْرِ اللّٰهِ
۱۴	النحل	۴۹ تا ۵۰	وَلِلّٰهِ ... يُؤْمَرُوْنَ
۱۶	مریم	۶۴	وَمَا نَتَنَزَّلُ ... نَسِيًّا
۱۷	الانبیاء	۱۹ تا ۲۰	وَلَهٗ ... لَا يَفْتُرُوْنَ
۱۷	الانبیاء	۲۶ تا ۲۹	وَقَالُوا ... الظّٰلِمِيْنَ
۱۹	الفرقان	۲۳ ـ ۲۵	وَيَوْمَ ... عَسِيْرًا
۱۹	الشعراء	۱۹۲ تا ۱۹۴	وَاِنَّهٗ ... مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ
۲۲	السبا	۲۲ تا ۲۳	قُلِ ادْعُوا ... الْكَبِيْرُ
۲۲	فاطر	۱	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ... قَدِيْرٌ
۲۳	الصّٰفّٰت	۱۶۴ تا ۱۶۶	وَمَا مِنَّآ ... الْمُسَبِّحُوْنَ
۲۴	المؤمن	۷ تا ۹	اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ ... الْعَظِيْمُ
۲۴	حٰم السجدۃ	۳۸	فَالَّذِيْنَ عِنْدَ ... لَا يَسْـَٔمُوْنَ
۲۵	الشوریٰ	۵	وَالْمَلٰٓئِكَةُ ... الْاَرْضِ
۲۵	الزخرف	۷۷	وَنَادَوْا ... مّٰكِثُوْنَ
۲۵	الزخرف	۸۰	اَمْ يَحْسَبُوْنَ ... يَكْتُبُوْنَ
۲۶	ق	۱۶ تا ۱۸	وَلَقَدْ ... عَتِيْدٌ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۶	ق	۱۹تا۲۶	وَجَآءَتْ… الشَّيْطٰنِ
۲۷	النجم	۲۶	وَكَمْ مِّنْ… يَرْضٰى
۲۸	تحریم	۶	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ… يُؤْمَرُوْنَ
۲۹	الحاقۃ	۱۶ـ۱۷	وَانْشَقَّتِ… ثَمٰنِيَةٌ
۲۹	المدثر	۳۰ـ۳۱	عَلَيْهَا… اِلَّا مَلٰٓئِكَةً
۳۰	التکویر	۱۹تا۲۱	اِنَّهٗ لَقَوْلُ… اَمِيْنٍ
۳۰	الانفطار	۱۰تا۱۲	وَاِنَّ عَلَيْكُمْ… تَفْعَلُوْنَ
۳۰	القدر	۴	تَنَزَّلُ… كُلِّ اَمْرٍ

ابواب القیامۃ

قُربِ قیامت کے حالات

مثلاً یاجوج ماجوج کا نکلنا، دابۃ الارض کا ظاہر ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۶	الکھف	۹۸ـ۹۹	فَاِذَا جَآءَ… بَعْضٍ
۱۷	الانبیاء	۹۶	حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ
۲۰	النمل	۸۲	وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ
۲۵	الزخرف	۶۱	وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
۲۵	الدخان	۱۰ـ۱۱	فَارْتَقِبْ… يَغْشَى النَّاسَ
۲۶	محمد	۱۸	فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ… اَشْرَاطُهَا
۲۷	النجم	۵۷تا۵۸	اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ… كَاشِفَةٌ
۲۷	القمر	۱	اِقْتَرَبَتِ
۲۹	المعارج	۶ـ۷	اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ… قَرِيْبًا

قیامت کی ضرورت اور مرنے کے بعد جینے کا ثبوت

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۷۲ـ۷۳	وَاِذْ قَتَلْتُمْ… تَعْقِلُوْنَ
۱	البقرۃ	۲۵۹، ۲۶۰	اَوْ كَالَّذِيْ… عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ
۸	الاعراف	۲۹	كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ
۸	الاعراف	۵۷	حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ… تَذَكَّرُوْنَ
۱۴	النحل	۳۸تا۴۰	وَاَقْسَمُوْا… فَيَكُوْنُ
۱۴	النحل	۷۷	وَمَآ اَمْرُ… قَدِيْرٌ
۱۵	بنی اسرائیل	۹۸تا۹۹	ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ… فِيْهِ
۱۵	الکھف	۲۱	وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا… فِيْهَا
۱۶	مریم	۶۶ـ۶۷	وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ… شَيْئًا
۱۶	طٰہٰ	۱۵	اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ… تَسْعٰى
۱۷	الانبیاء	۱۰۴	كَمَا بَدَاْنَآ… فٰعِلِيْنَ
۱۷	الحج	۵تا۷	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ… فِي الْقُبُوْرِ
۲۰	النمل	۸۶	اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا… يُؤْمِنُوْنَ
۲۰	العنکبوت	۱۹تا۲۰	اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ… شَيْءٍ قَدِيْرٌ
۲۱	الروم	۱۹	يُخْرِجُ الْحَيَّ… تُخْرَجُوْنَ
۲۱	الروم	۲۷	وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا… الْحَكِيْمُ
۲۱	الروم	۵۰	فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ… قَدِيْرٌ
۲۲	السبا	۳	وَقَالَ الَّذِيْنَ… فِي الْاَرْضِ
۲۲	الفاطر	۹	وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ… النُّشُوْرُ
۲۳	یٰس	۳۳	وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ… يَاْكُلُوْنَ
۲۳	یٰس	۷۸تا۸۲	قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ… فَيَكُوْنُ
۲۳	الصٰفٰت	۱۱	فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ… لَّازِبٍ
۲۳	صٓ	۲۷تا۲۸	وَمَا خَلَقْنَا… كَالْفُجَّارِ
۲۴	الزمر	۴۲	اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ… يَتَفَكَّرُوْنَ
۲۴	المومن	۵۷	لَخَلْقُ… لَا يَعْلَمُوْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۴	حم السجدة	۳۹	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ... قَدِيْرٌ
۲۵	الدخان	۳۹-۴۰	مَا خَلَقْنٰهُمَا... اَجْمَعِيْنَ
۲۵	الجاثية	۲۱-۲۲	اَمْ حَسِبَ... بِمَا كَسَبَتْ
۲۶	الاحقاف	۳	مَا خَلَقْنَا... مُعْرِضُوْنَ
۲۶	الاحقاف	۳۳	اَوَلَمْ يَرَوْا... قَدِيْرٌ
۲۶	ق	۶ تا ۱۱	اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا... كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ
۲۶	ق	۱۵	اَفَعَيِيْنَا... جَدِيْدٍ
۲۶	الذريت	۱ تا ۶	وَالذّٰرِيٰتِ... لَوَاقِعٌ
۲۷	الطور	۱ تا ۱۰	وَالطُّوْرِ... سَيْرًا
۲۷	الواقعة	۵۷ تا ۶۲	نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ... تَذَكَّرُوْنَ
۲۹	القيمة	۳-۴	اَيَحْسَبُ... بَنَانَهٗ
۲۹	القيمة	۳۶-۴۰	اَيَحْسَبُ... الْمَوْتٰى
۲۹	المرسلت	۱ تا ۷	وَالْمُرْسَلٰتِ... لَوَاقِعٌ
۳۰	النبا	۶-۱۷	اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ... مِيْقَاتًا
۳۰	النزعت	۲۷ تا ۳۲	ءَاَنْتُمْ... اَرْسٰهَا
۳۰	الطارق	۵ تا ۸	فَلْيَنْظُرِ... لَقَادِرٌ
۳۰	التين	۴ تا ۸	لَقَدْ خَلَقْنَا... الْحٰكِمِيْنَ

عالم برزخ کے حالات

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۵۴	وَلَا تَقُوْلُوْا... لَا تَشْعُرُوْنَ
۴	ال عمران	۱۶۹ تا ۱۷۱	وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ... الْمُؤْمِنِيْنَ
۵	النساء	۹۷	اِنَّ الَّذِيْنَ... فِيْهَا
۷	الانعام	۶۲	ثُمَّ رُدُّوْٓا... الْحَقِّ
۸	الاعراف	۴۰	اِنَّ الَّذِيْنَ... الْجَنَّةَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	المومنون	۱۰۰	وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ... يُبْعَثُوْنَ
۲۱	السجدة	۱۱	ثُمَّ اِلٰى... ترجعون
۲۴	المومن	۴۶	اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ... عَشِيًّا
۲۶	ق	۴	قَدْ عَلِمْنَا... مِنْهُمْ

نفخ صور

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۵	الانعام	۷۳	وَيَوْمَ... الشَّهَادَةِ
۱۶	الكهف	۹۸ تا ۱۰۱	فَاِذَا جَآءَ... سَمْعًا
۲۰	النمل	۸۷ تا ۸۸	وَيَوْمَ يُنْفَخُ... السَّحَابِ
۲۳	ص	۱۵	وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ... فَوَاقٍ
۲۴	الزمر	۶۸	وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ... يَنْظُرُوْنَ
۲۶	ق	۲۰	وَنُفِخَ... الْوَعِيْدِ
۲۶	ق	۴۱-۴۲	يَوْمَ يُنَادِ... الْخُرُوْجِ
۲۹	الحاقة	۱۳-۱۷	فَاِذَا نُفِخَ... ثَمٰنِيَةٌ

حالات حشر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۱۱۳	فَاللّٰهُ يَحْكُمُ... يَخْتَلِفُوْنَ
۲	البقرة	۱۴۸	اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا... جَمِيْعًا
۲	البقرة	۱۷۴	اِنَّ الَّذِيْنَ... لَا يُزَكِّيْهِمْ
۲	البقرة	۲۱۰	هَلْ يَنْظُرُوْنَ... الْاَمْرُ
۴	ال عمران	۱۰۶ تا ۱۰۷	يَوْمَ تَبْيَضُّ... رَحْمَةِ اللّٰهِ
۵	النساء	۴۱-۴۲	فَكَيْفَ... حَدِيْثًا
۷	الانعام	۳۱	قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ... يَزِرُوْنَ
۷	الانعام	۳۶	وَالْمَوْتٰى... يُرْجَعُوْنَ
۷	الانعام	۳۸	وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ... يُحْشَرُوْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۸	الاعراف	۲۹	كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ
۸	الاعراف	۵۳	يَوْمَ يَاْتِىْ ۔ يَفْتَرُوْنَ
۱۰	التوبہ	۳۴۔۳۵	وَالَّذِيْنَ ۔ تَكْنِزُوْنَ
۱۱	یونس	۴	اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ... يَكْفُرُوْنَ
۱۱	یونس	۲۶ تا ۳۰	لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا ... يَفْتَرُوْنَ
۱۱	یونس	۴۵	وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ... بَيْنَهُمْ
۱۲	ھود	۱۸	مَنْ اَظْلَمُ ... رَبِّهِمْ
۱۲	ھود	۹۸	يَقْدُمُ ... النَّارَ
۱۲	ھود	۱۰۳ تا ۱۰۸	ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ... فَفِي الْجَنَّةِ
۱۳	ابرھیم	۴۸ تا ۵۱	يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ ... الْحِسَابِ
۱۴	الحجر	۲۴۔۲۵	وَلَقَدْ عَلِمْنَا ... يَحْشُرُهُمْ
۱۵	بنی اسرائیل	۵۲	يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ... قَلِيْلًا
۱۵	بنی اسرائیل	۷۱۔۷۲	يَوْمَ نَدْعُوْا ... سَبِيْلًا
۱۵	بنی اسرائیل	۹۷	وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ ... صُمًّا
۱۵	بنی اسرائیل	۱۰۴	فَاِذَا جَآءَ ... لَفِيْفًا
۱۵	الکھف	۴۷	وَيَوْمَ نُسَيِّرُ ... اَحَدًا
۱۵	الکھف	۵۲۔۵۳	وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا ... مَصْرِفًا
۱۶	مریم	۳۷ تا ۳۹	فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ... قُضِيَ الْاَمْرُ
۱۶	مریم	۶۸ تا ۷۲	فَوَرَبِّكَ ... جِثِيًّا
۱۶	مریم	۸۵ تا ۸۶	يَوْمَ نَحْشُرُ ... وِرْدًا
۱۶	مریم	۹۳ تا ۹۵	اِنْ كُلُّ ... فَرْدًا
۱۶	طٰہٰ	۱۰۰ تا ۱۱۲	مَنْ اَعْرَضَ ... ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا
۱۶	طٰہٰ	۱۲۴ تا ۱۲۶	وَمَنْ اَعْرَضَ ... تُنْسٰى

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الانبیاء	۴۰	بَلْ تَاْتِيْهِمْ ... هُمْ يُنْظَرُوْنَ
۱۷	الانبیاء	۱۰۳ تا ۱۰۴	لَا يَحْزُنُهُمُ ... فٰعِلِيْنَ
۱۷	الحج	۷۸	هُوَ سَمّٰكُمُ ... النَّاسِ
۱۸	المومنون	۱۰۰ تا ۱۰۱	وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ ... لَا يَتَسَآءَلُوْنَ
۱۹	الفرقان	۲۲	يَوْمَ يَرَوْنَ ... مَّحْجُوْرًا
۱۹	الفرقان	۳۴	اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ ... سَبِيْلًا
۱۹	الشعراء	۹۰ تا ۹۵	وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ ... اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ
۲۰	النمل	۸۳ تا ۸۵	وَيَوْمَ نَحْشُرُ ... لَا يَنْطِقُوْنَ
۲۰	القصص	۶۵ تا ۷۵	وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ ... يَفْتَرُوْنَ
۲۱	الروم	۱۴ تا ۱۶	وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ... مُحْضَرُوْنَ
۲۱	الروم	۲۲ تا ۲۵	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ... تَخْرُجُوْنَ
۲۱	الروم	۵۵ تا ۵۷	وَيَوْمَ تَقُوْمُ ... يُسْتَعْتَبُوْنَ
۲۱	السجدة	۵	يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ... تَعُدُّوْنَ
۲۳	یٰس	۴۸ تا ۵۹	وَيَقُوْلُوْنَ ... الْمُجْرِمُوْنَ
۲۳	الصّٰفّٰت	۲۰ تا ۲۶	وَقَالُوْا ... مُسْلِمُوْنَ
۲۴	الزمر	۷۵	وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ ... رَبِّهِمْ
۲۴	مومن	۱۵ تا ۱۷	يَوْمَ التَّلَاقِ ... الْحِسَابِ
۲۵	الشوریٰ	۴۷	يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ ... نَّكِيْرٍ
۲۵	الزخرف	۶۶۔۶۷	هَلْ يَنْظُرُوْنَ ... الْمُتَّقِيْنَ
۲۵	الدخان	۴۰	اِنَّ يَوْمَ ... اَجْمَعِيْنَ
۲۶	ق	۱۱	وَاَحْيَيْنَا بِهٖ ... الْخُرُوْجُ
۲۷	الطور	۷ تا ۱۲	اِنَّ عَذَابَ ... يَلْعَبُوْنَ
۲۷	الطور	۴۵	يَوْمَهُمُ ... يُصْعَقُوْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۷	القمر	۶	يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ
۲۷	الرحمن	۳۷تا۴۳	فَإِذَا انْشَقَّتِ...الْمُجْرِمُوْنَ
۲۷	الواقعۃ	۱تا۶	إِذَا وَقَعَتِ...مُنْبَثًّا
۲۷	الواقعۃ	۴۹تا۵۰	قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِيْنَ...مَعْلُوْمٍ
۲۷	الحدید	۱۲تا۱۵	يَوْمَ تَرَى...الْمَصِيْرُ
۲۸	التغابن	۹	يَوْمَ...التَّغَابُنِ
۲۹	القلم	۴۲تا۴۳	يَوْمَ يُكْشَفُ...ذِلَّةٌ
۲۹	الحاقۃ	۱۔۲	اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ
۲۹	المعارج	۱تا۱۰	بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ...جَمِيْعًا
۲۹	المعارج	۴۳تا۴۴	يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ...ذٰلِكَ
۲۹	المزمل	۱۲تا۱۴	إِنَّ لَدَيْنَا...مَهِيْلًا
۲۹	المزمل	۱۷۔۱۸	فَكَيْفَ...سَبِيْلًا
۲۹	المدثر	۸تا۱۰	فَإِذَا...يَسِيْرٍ
۲۹	القیمۃ	۷تا۱۲	فَإِذَا بَرِقَ...الْمُسْتَقَرُّ
۲۹	المرسلت	۸تا۱۵	فَإِذَا النُّجُوْمُ...لِّلْمُكَذِّبِيْنَ
۳۰	النبا	۱۷تا۲۰	إِنَّ يَوْمَ...سَرَابًا
۳۰	النبا	۴۰	يَوْمَ يَنْظُرُ...يَدَاهُ
۳۰	النزعت	۶تا۹	يَوْمَ تَرْجُفُ...خَاشِعَةٌ
۳۰	النزعت	۱۳تا۱۴	فَإِنَّمَا هِيَ...بِالسَّاهِرَةِ
۳۰	النزعت	۳۴تا۳۹	فَإِذَا...هِيَ الْمَأْوٰى
۳۰	عبس	۳۳تا۴۲	فَإِذَا جَاءَتِ...الْفَجَرَةُ
۳۰	التکویر	۱تا۱۴	إِذَا الشَّمْسُ...أَحْضَرَتْ
۳۰	الانفطار	۱تا۵	إِذَا السَّمَاءُ...أَخَّرَتْ
۳۰	الانفطار	۱۵تا۱۹	يَصْلَوْنَهَا...لِلّٰهِ
۳۰	المطففین	۱۵۔۱۷	كَلَّا إِنَّهُمْ...تُكَذِّبُوْنَ
۳۰	الانشقاق	۱۔۲	إِذَا السَّمَاءُ...حُقَّتْ
۳۰	الفجر	۲۱تا۳۰	كَلَّا إِذَا دُكَّتِ...جَنَّتِيْ
۳۰	الزلزال	۱تا۸	إِذَا...شَرًّا يَّرَهُ
۳۰	العدیت	۶تا۱۱	إِنَّ الْإِنْسَانَ...لَخَبِيْرٌ
۳۰	القارعۃ	۱تا۵	الْقَارِعَةُ...الْمَنْفُوْشِ

قیامت کے دن کی سختی اور اہل محشر کی بیقراری

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدۃ	۳۶	إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...أَلِيْمٌ
۷	الانعام	۳۱	حَتّٰى إِذَا...يَزِرُوْنَ
۱۳	ابرهيم	۴۲تا۴۳	وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ...هَوَاءٌ
۱۶	مریم	۳۹	وَأَنْذِرْهُمْ...الْأَمْرُ
۱۶	مریم	۷۱	وَإِنْ مِّنْكُمْ...مَقْضِيًّا
۱۶	طٰہٰ	۱۰۸	يَوْمَئِذٍ...هَمْسًا
۱۷	الانبیاء	۴۰	بَلْ تَأْتِيْهِمْ...يُنْظَرُوْنَ
۱۷	الانبیاء	۹۷	فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ...ظٰلِمِيْنَ
۱۷	الحج	۱۔۲	إِنَّ زَلْزَلَةَ...شَدِيْدٌ
۱۸	النور	۳۷	يَخَافُوْنَ...الْأَبْصَارُ
۱۹	الفرقان	۲۷	وَيَوْمَ يَعَضُّ...سَبِيْلًا
۲۲	السبا	۳۳	وَأَسَرُّوْا...كَفَرُوْا
۲۳	والصفت	۲۰	وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا...الدِّيْنِ
۲۳	والصفت	۲۲۔۲۳	اُحْشُرُوْا...الْجَحِيْمِ
۲۴	الزمر	۴۷۔۴۸	وَلَوْ أَنَّ...يَسْتَهْزِءُوْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۴	الزمر	۶۰	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ...لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ
۲۴	المؤمن	۱۸	وَاَنْذِرْهُمْ...يُطَاعُ
۲۴	حم السجدة	۲۹	وَقَالَ الَّذِيْنَ...الْاَسْفَلِيْنَ
۲۵	الشوریٰ	۲۲	تَرَى الظّٰلِمِيْنَ...بِهِمْ
۲۵	الشوریٰ	۴۵	وَتَرٰىهُمْ...خَفِيٍّ
۲۵	الزخرف	۳۷ تا ۳۹	وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ...مُشْتَرِكُوْنَ
۲۵	الجاثیۃ	۲۷ تا ۲۸	وَيَوْمَ تَقُوْمُ...جَاثِيَةً
۲۶	الذریت	۱۳ تا ۱۴	يَوْمَ هُمْ...تَسْتَعْجِلُوْنَ
۲۷	الطور	۴۵ تا ۴۶	فَذَرْهُمْ...لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ
۲۷	القمر	۸	يَقُوْلُ...عَسِرٌ
۲۷	القمر	۴۶	وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ
۲۷	الحدید	۱۳ تا ۱۵	يَوْمَ يَقُوْلُ...الْمَصِيْرُ
۲۹	الملک	۲۷	فَلَمَّا رَاَوْهُ...تَدَّعُوْنَ
۲۹	القلم	۴۳	خَاشِعَةً...ذِلَّةٌ
۲۹	الحاقۃ	۲۵ تا ۲۹	وَاَمَّا مَنْ...سُلْطٰنِيَهْ
۲۹	المعارج	۱۱ تا ۱۴	يَوَدُّ...يُنْجِيْهِ
۲۹	المزمل	۱۷	فَكَيْفَ...شِيْبًا
۲۹	المدثر	۹-۱۰	فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ...يَسِيْرٍ
۲۹	القیمۃ	۷ تا ۱۲	فَاِذَا بَرِقَ...الْمُسْتَقَرُّ
۲۹	الدھر	۱۰-۱۱	يَوْمًا عَبُوْسًا...ذٰلِكَ الْيَوْمِ
۲۹	المرسلٰت	۳۷ تا ۳۹	وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ...فَكِيْدُوْنِ
۳۰	النبا	۴۰	وَيَقُوْلُ...تُرٰبًا
۳۰	النزعت	۸ تا ۹	قُلُوْبٌ...خَاشِعَةٌ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳۰	عبس	۳۴ تا ۳۷	يَوْمَ يَفِرُّ...يُّغْنِيْهِ
۳۰	الطارق	۱۰	فَمَا لَهٗ...نَاصِرٍ
۳۰	الغاشیۃ	۱ تا ۳	هَلْ اَتٰىكَ...نَاصِبَةٌ
۳۰	الفجر	۲۳ تا ۲۶	يَوْمَئِذٍ...وَثَاقَهٗ اَحَدٌ
۳۰	الیل	۱۱	وَمَا يُغْنِيْ...تَرَدّٰى
۳۰	الزلزال	۳	وَقَالَ...مَا لَهَا
۳۰	القارعۃ	۴-۵	يَوْمَ...الْمَنْفُوْشِ

نافرمانوں کا دُنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرنا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۳	ابرٰھیم	۴۴-۴۵	وَاَنْذِرِ...الْاَمْثَالَ
۲۱	السجدۃ	۱۲	وَلَوْ تَرٰى...مُوْقِنُوْنَ
۲۵	الشوریٰ	۴۴	وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ...سَبِيْلٍ

نافرمانوں کا اپنے معبودوں سے عداوت کا اظہار اور معبود من دُونِ اللہ کی عاجزی

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۶۶ تا ۱۶۵	اِذْ تَبَرَّاَ...مِنَّا
۲۱	الروم	۱۳	وَلَمْ يَكُنْ...كٰفِرِيْنَ

قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور باطل معبود اور شیطان اپنے تابعداروں سے علیحدہ ہو جائیں گے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۶۵ تا ۱۶۷	وَلَوْ يَرَى...النَّارِ
۷	الانعام	۷۰	وَذَكِّرْ بِهٖ...لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا
۷	الانعام	۹۴	وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا...تَزْعُمُوْنَ
۸	الانعام	۱۶۴	وَلَا تَكْسِبُ...تَخْتَلِفُوْنَ
۱۱	یونس	۲۷ تا ۳۰	مَا لَهُمْ مِّنَ...يَفْتَرُوْنَ
۱۳	ابرٰھیم	۲۱-۲۲	وَبَرَزُوْا...عَذَابٌ اَلِيْمٌ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۴	النحل	۸۶تا۸۷	وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ...يَفْتَرُوْنَ
۱۵	الکہف	۵۲	وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا...مَّوْبِقًا
۱۶	مریم	۸۱تا۸۲	وَاتَّخَذُوْا...ضِدًّا
۱۸	المومنون	۱۰۱	فَاِذَا نُفِخَ...يَتَسَآءَلُوْنَ
۱۸	الفرقان	۱۷تا۱۹	وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ...وَّلَا نَصْرًا
۱۹	الشعراء	۸۸	يَوْمَ لَا...بَنُوْنَ
۲۰	القصص	۶۳تا۶۴	قَالَ الَّذِيْنَ...يَهْتَدُوْنَ
۲۰	العنکبوت	۲۵	وَقَالَ اِنَّمَا...نّٰصِرِيْنَ
۲۱	الروم	۱۳	وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ...كٰفِرِيْنَ
۲۱	لقمن	۳۳	وَاخْشَوْا يَوْمًا...شَيْئًا
۲۲	السبا	۳۱تا۳۳	وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ...اَنْدَادًا
۲۲	السبا	۴۲	فَالْيَوْمَ لَا...ضَرًّا
۲۲	فاطر	۱۴	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ...بِشِرْكِكُمْ
۲۲	فاطر	۱۸	وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ...ذَا قُرْبٰى
۲۳	الصفت	۲۵تا۳۳	مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ...مُشْتَرِكُوْنَ
۲۴	المومن	۱۸	مَا لِلظّٰلِمِيْنَ...يُطَاعُ
۲۵	حم السجدة	۴۸	وَضَلَّ...مَّحِيْصٍ
۲۵	الشوری	۴۶	وَمَا كَانَ لَهُمْ...سَبِيْلٍ
۲۵	الزخرف	۶۷	اَلْاَخِلَّآءُ...الْمُتَّقِيْنَ
۲۵	الدخان	۴۱تا۴۲	يَوْمَ لَا...رَّحِمَ اللّٰهُ
۲۶	الاحقاف	۶	وَاِذَا حُشِرَ...كٰفِرِيْنَ
۲۶	ق	۲۳تا۲۷	وَقَالَ قَرِيْنُهُ...بَعِيْدٍ
۲۸	الممتحنہ	۳	لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۹	الحاقة	۲۵تا۳۵	وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ...حَمِيْمٌ
۲۹	المعارج	۱۰تا۱۴	وَلَا يَسْـَٔلُ...يُنْجِيْهِ
۳۰	عبس	۳۴تا۳۷	يَوْمَ يَفِرُّ...يُّغْنِيْهِ
۳۰	الانفطار	۱۹	يَوْمَ لَا تَمْلِكُ...لِّلّٰهِ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ہوگی

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۴۸	وَاتَّقُوْا يَوْمًا...يُنْصَرُوْنَ
۳	البقرة	۲۵۴	يَوْمٌ لَّا...الظّٰلِمُوْنَ
۳	البقرة	۲۵۵	مَنْ ذَا الَّذِيْ...بِاِذْنِهٖ
۱۱	یونس	۳	مَا مِنْ...اِذْنِهٖ
۱۵	بنی اسرائیل	۷۹	عَسٰٓى...مَّحْمُوْدًا
۱۶	مریم	۸۷	لَا يَمْلِكُوْنَ...عَهْدًا
۱۶	طٰہٰ	۱۰۹	يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ...قَوْلًا
۲۵	الزخرف	۸۶	وَلَا يَمْلِكُ...يَعْلَمُوْنَ
۲۷	النجم	۲۶	وَكَمْ مِّنْ...يَرْضٰى

معبودانِ باطل، کفار اور مسلمانوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی گفتگو

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	المائدة	۱۰۹تا۱۱۹	يَوْمَ يَجْمَعُ...الْعَظِيْمُ
۷	الانعام	۲۲تا۲۳	وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ...مُشْرِكِيْنَ
۷	الانعام	۳۰	وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا...تَكْفُرُوْنَ
۷	الانعام	۹۴	وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا...تَزْعُمُوْنَ
۸	الانعام	۱۲۸تا۱۳۰	وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ...شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا
۸	الاعراف	۶-۷	فَلَنَسْـَٔلَنَّ...غَآئِبِيْنَ
۱۳	ابرٰہیم	۴۴-۴۵	فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...الْاَمْثَالَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۴	النحل	۲۷تا۲۹	ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ...خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
۱۵	الكهف	۴۸	وَعُرِضُوْا...مَّوْعِدًا
۱۶	طٰه	۱۲۵تا۱۲۶	قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ...تُنْسٰى
۱۸	المومنون	۱۰۵تا۱۱۴	اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ...لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
۱۸	الفرقان	۱۷تا۱۹	وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ...صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا
۲۰	النمل	۸۴	حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ...تَعْلَمُوْنَ
۲۰	القصص	۶۲تا۶۶	وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ...وَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ
۲۱	السجدة	۱۲تا۱۴	وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ...تَعْمَلُوْنَ
۲۲	السبا	۴۰تا۴۲	وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا...تُكَذِّبُوْنَ
۲۳	يٰس	۶۰تا۶۴	اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ...تَكْفُرُوْنَ
۲۳	الصفت	۲۴تا۲۵	وَقِفُوْهُمْ...لَا تَنَاصَرُوْنَ
۲۴	الزمر	۵۹	بَلٰى قَدْ...الْكٰفِرِيْنَ
۲۵	حم السجدة	۴۷	وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ...شَهِيْدٍ
۲۵	الجاثية	۲۸	اَلْيَوْمَ...تَعْمَلُوْنَ
۲۶	ق	۲۲تا۲۹	لَقَدْ كُنْتَ...لِّلْعَبِيْدِ
۲۹	المرسلت	۳۸تا۳۹	هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ...فَكِيْدُوْنِ

قیامت کے دن حساب وکتاب کا ہونا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۳	ابرھیم	۵۱	لِيَجْزِيَ اللّٰهُ...الْحِسَابِ
۱۴	النحل	۹۳	وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
۱۵	بنی اسرائیل	۱۳تا۱۴	وَنُخْرِجُ...حَسِيْبًا
۱۵	الكهف	۴۹	وَوُضِعَ...اَحَدًا
۱۶	الكهف	۱۰۵	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ...وَزْنًا
۱۶	مريم	۳۹	وَاَنْذِرْهُمْ...الْاَمْرُ
۱۷	الانبياء	۴۷	وَنَضَعُ...حٰسِبِيْنَ
۲۱	لقمٰن	۱۶	يٰبُنَيَّ...لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ
۲۳	يٰس	۶۵	اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ...يَكْسِبُوْنَ
۲۴	المومن	۷۸	فَاِذَا جَآءَ...الْمُبْطِلُوْنَ
۲۵	الزخرف	۱۹	سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ
۲۵	الزخرف	۴۴	وَاِنَّهٗ...تُسْـَٔلُوْنَ
۲۷	الرحمن	۳۱	سَنَفْرُغُ...الثَّقَلٰنِ
۲۸	الممتحنة	۳	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ...بَصِيْرٌ
۳۰	الغاشية	۲۶	اِنَّ اِلَيْنَا...حِسَابَهُمْ
۳۰	التكاثر	۸	ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ...النَّعِيْمِ

قیامت کے دن عملوں کا تلنا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۸	الاعراف	۸تا۹	وَالْوَزْنُ...يَظْلِمُوْنَ

نامہ اعمال کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	ال عمران	۳۰	يَوْمَ تَجِدُ...سُوْٓءٍ
۲۹	الحاقة	۱۹تا۲۹	فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ...سُلْطٰنِيَهْ
۳۰	التكوير	۸تا۱۰	وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ...نُشِرَتْ
۳۰	الانشقاق	۷تا۱۲	فَاَمَّا مَنْ...سَعِيْرًا

عملوں کی جزا اور سزا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	ال عمران	۱۸۵	وَاِنَّمَا...يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
۱۱	يونس	۴	يُعِيْدُهٗ...يَكْفُرُوْنَ
۱۲	هود	۱۰۶تا۱۰۸	فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا...مَجْذُوْذٍ
۱۲	هود	۱۱۱	وَاِنَّ كُلًّا...خَبِيْرٌ
۱۴	النحل	۱۱۱	وَتُوَفّٰى...لَا يُظْلَمُوْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الحج	۵۶تا۵۷	اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ... مُّهِيْنٌ
۱۸	المؤمنون	۱۰۲تا۱۰۳	فَمَنْ ثَقُلَتْ... خٰلِدُوْنَ
۱۸	النور	۲۳تا۲۵	اِنَّ الَّذِيْنَ... الْحَقُّ الْمُبِيْنُ
۲۰	النمل	۸۵	وَوَقَعَ... لَا يَنْطِقُوْنَ
۲۰	النمل	۹۰تا۹۳	مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ... تَعْمَلُوْنَ
۲۰	العنکبوت	۳	وَلَيَحْمِلُنَّ... يَفْتَرُوْنَ
۲۱	الروم	۱۴تا۲۳	يَوْمَئِذٍ... مِنْ فَضْلِهٖ
۲۲	یٰس	۵۳تا۵۴	فَاِذَا هُمْ... تَعْمَلُوْنَ
۲۲	الزمر	۱۰	يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ... حِسَابٍ
۲۴	الزمر	۷۰	وَوُفِّيَتْ... يَفْعَلُوْنَ
۲۴	المومن	۱۷	اَلْيَوْمَ تُجْزٰى... الْحِسَابِ
۲۴	المومن	۵۲	يَوْمَ لَا يَنْفَعُ... الدَّارِ
۲۴	حم السجدۃ	۲۴	فَاِنْ يَّصْبِرُوْا... الْمُعْتَبِيْنَ
۲۵	الجاثیۃ	۳۴تا۳۵	وَقِيْلَ الْيَوْمَ... يُسْتَعْتَبُوْنَ
۲۶	قٓ	۲۸تا۳۱	قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا... غَيْرَ بَعِيْدٍ
۲۷	الطور	۱۶تا۱۷	اِصْلَوْهَا... نَعِيْمٍ
۲۷	الواقعۃ	۷تا۴۴	اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً... كَرِيْمٍ
۲۷	الواقعۃ	۸۸تا۹۴	فَاَمَّا اِنْ كَانَ... جَحِيْمٍ
۲۸	التغابن	۹تا۱۰	يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ
۲۸	التحریم	۷	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ... تَعْمَلُوْنَ
۲۹	الحاقۃ	۱۸تا۳۲	يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ... فَاسْلُكُوْهُ
۲۹	القیٰمۃ	۲۲تا۲۵	وُجُوْهٌ... فَاقِرَةٌ
۲۹	المرسلت	۱۱تا۱۵	وَاِذَا الرُّسُلُ... لِّلْمُكَذِّبِيْنَ
۲۹	المرسلت	۳۵تا۳۹	هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ... فَكِيْدُوْنِ
۳۰	النزعت	۳۴تا۴۱	فَاِذَا جَآءَتِ... الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى
۳۰	الزلزال	۴تا۸	يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ... شَرًّا يَّرَهٗ
۳۰	القارعۃ	۶تا۹	فَاَمَّا مَنْ... هَاوِيَةٌ

کتاب الطہارۃ

وضو کے مسائل

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدۃ	۶	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... الْكَعْبَيْنِ
۶	المائدۃ	۶	اَوْ جَآءَ... الْغَآئِطِ

تیمم کے مسائل

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۵	النساء	۴۳	وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى... اَيْدِيْكُمْ

غسل کے مسائل

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدۃ	۶	وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا
۵	النساء	۴۳	وَلَا جُنُبًا... تَغْتَسِلُوْا

حیض کے مسائل

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۲۲۲	وَيَسْـَٔلُوْنَكَ... الْمُتَطَهِّرِيْنَ

کتاب الصلوٰۃ

نماز باجماعت پڑھنے کا حکم

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۴۳	وَاَقِيْمُوا... الرّٰكِعِيْنَ

مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۱۲۵	وَاتَّخِذُوْا... السُّجُوْدِ

نمازوں پر حفاظت کی تاکید

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۲۳۸	حٰفِظُوْا... قٰنِتِيْنَ

تیمم کن حالتوں میں کرنا چاہئے اور تیمم میں کن اعضا کا مسح کریں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۵	النساء	۴۳	یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ لَا تَقْرَبُوا... غَفُوْرًا

نماز میں قصر کرنے کا حکم اور میدان جنگ میں نماز پڑھنے کا طریقے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۸	النساء	۱۰۱-۱۰۳	وَاِذَا ضَرَبْتُمْ... مَوْقُوْتًا

نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدۃ	۶	اِذَا قُمْتُمْ... الْکَعْبَیْنِ

پانچ نمازوں کا ثبوت

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۵	بنی اسرائیل	۷۸-۷۹	اَقِمِ الصَّلٰوۃَ... مَّحْمُوْدًا

جہری نماز میں قراءت درمیانی آواز سے پڑھی جائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۵	بنی اسرائیل	۱۱۰	وَلَا تَجْهَرْ... سَبِیْلًا

نمازوں کے وقتوں کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۶	طٰہٰ	۱۳۰	وَسَبِّحْ... النَّهَارِ

نماز میں عاجزی کرنے کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	المؤمنون	۲	اَلَّذِیْنَ هُمْ... خٰشِعُوْنَ

نمازوں کی حفاظت کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	المؤمنون	۹	وَالَّذِیْنَ هُمْ... یُحَافِظُوْنَ

خرید وفروخت خدا پرستوں کو نماز سے نہیں روکتی

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	النور	۳۷	رِجَالٌ... اِقَامِ الصَّلٰوۃِ

نماز بے حیائیوں اور برے کاموں سے روکتی ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۱	العنکبوت	۴۵	اِنَّ الصَّلٰوۃَ... الْمُنْکَرِ

جمعہ کے دن جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ فوراً مسجد میں پہنچ جائیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	الجمعۃ	۹	اِذَا نُوْدِیَ... تَعْلَمُوْنَ

دکھلاوے کیلئے نماز پڑھنے والوں پر عذاب الٰہی کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳۰	الماعون	۴تا۶	فَوَیْلٌ... یُرَآءُوْنَ

کتاب الزکوۃ

زکوۃ، صدقات اور ان کے مصارف کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۲۱۵	قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ... ابْنِ السَّبِیْلِ
۳	البقرۃ	۲۶۷	اَنْفِقُوْا... فِیْهِ
۳	البقرۃ	۲۷۱	اِنْ تُبْدُوا... خَیْرٌ لَّکُمْ
۳	البقرۃ	۲۷۲تا۲۷۴	وَمَا تُنْفِقُوْا... یَحْزَنُوْنَ
۸	الانعام	۱۴۱	وَاٰتُوْا... حَصَادِهٖ
۱۰	التوبۃ	۶۰	اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ... حَکِیْمٌ
۱۸	النور	۵۶	وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ... تُرْحَمُوْنَ
۱۹	الفرقان	۶۷	وَالَّذِیْنَ اِذَآ... قَوَامًا
۲۱	الروم	۳۹	وَمَآ اٰتَیْتُمْ... الْمُضْعِفُوْنَ
۲۹	الدھر	۸تا۹	وَیُطْعِمُوْنَ... شُکُوْرًا

کتاب الصیام

روزہ اور اعتکاف کے مسائل اور لیلۃ القدر کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۱۲۵	اَنْ طَهِّرَا... الْعٰکِفِیْنَ
۲	البقرۃ	۱۸۳تا۱۸۵	کُتِبَ... تَشْکُرُوْنَ
۲	البقرۃ	۱۸۷	اُحِلَّ لَکُمْ... الَّیْلِ
۲	البقرۃ	۱۸۷	وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ... الْمَسٰجِدِ
۲۵	الدخان	۳تا۵	اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ... عِنْدِنَا
۳۰	القدر	۱تا۵	اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ... الْفَجْرِ

كتاب الحج

خانہ کعبہ کی تعظیم کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۱۲۵	وَاِذْ جَعَلْنَا...اٰمْنًا
۴	ال عمران	۹۶ تا ۹۷	اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ...سَبِيْلًا
۱۷	الحج	۲۶ تا ۲۷	وَاِذْ بَوَّاْنَا...عَمِيْقٍ

ایام حج کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۹۷ تا ۱۹۹	اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ...رَّحِيْمٌ

طواف زیارت کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الحج	۲۹	وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ

مقام ابراہیم میں دوگانہ پڑھنے کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	البقرة	۱۲۵	وَاتَّخِذُوْا...مُصَلًّى

صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۵۸	اِنَّ الصَّفَا...عَلِيْمٌ

عمرہ کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۹۶	وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

عمرہ میں سر کے بال منڈانا یا کترانا شرط ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۶	الفتح	۲۷	لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ...قَرِيْبًا

حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدة	۱	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...حُرُمٌ
۷	المائدة	۹۰	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...حُرُمٌ
۷	المائدة	۹۶	وَحُرِّمَ...حُرُمًا

احرام تمتع کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۹۶	فَاِذَآ اَمِنْتُمْ...الْعِقَابِ

قربانی کے جانور اور قلادہ کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	المائدة	۹۷	جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ...عَلِيْمٌ
۱۷	الحج	۲۸	وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ...الْفَقِيْرَ

قربانی کا جانور بے عیب ہو

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الحج	۳۰ تا ۳۳	ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ...الْعَتِيْقِ
۱۷	الحج	۳۶ یا ۳۷	وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا...الْمُحْسِنِيْنَ

حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	المائدة	۹۵	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...ذُو انْتِقَامٍ

احرام باندھنے کے بعد رک جانے کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۱۹۶	فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ...اَوْ نُسُكٍ

كتاب النكاح

جواز نکاح

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	النساء	۳	وَاِنْ خِفْتُمْ...اَلَّا تَعُوْلُوْا

کن عورتوں سے نکاح حرام ہے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۲۱	وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ...اَعْجَبَتْكُمْ
۵	النساء	۲۳ تا ۲۴	وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ...كِتٰبَ اللّٰهِ

ولی کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۵	النساء	۲۵	فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

مہر کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	البقرة	۲۳۶	لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ...بَصِيْرٌ
۵	النساء	۲۴	وَاُحِلَّ لَكُمْ...الْفَرِيْضَةِ
۲۰	القصص	۲۷-۲۸	قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ...وَكِيْلٌ
۲۲	الاحزاب	۵۰	قَدْ عَلِمْنَا...مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

کوئی مسلمان بلا نکاح نہ رہنے پائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	النور	۳۲	وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى...عَلِيْمٌ

ایک سے زائد بیویاں ہوں تو مساوات کا لحاظ رکھا جائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۵	النساء	۱۲۹	وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا... كَالْمُعَلَّقَةِ

کتاب الرضاع

دودھ پلانے اور چھڑانے کی مدت کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۳۳	وَالْوَالِدٰتُ...الرَّضَاعَةَ
۲۶	الاحقاف	۱۵	وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا

کتاب الطلاق

جواز طلاق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرہ	۲۲۹	اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ...بِاِحْسَانٍ
۲	البقرة	۲۳۱	وَاِذَا طَلَّقْتُمُ...هُزُوًا
۲	البقرہ	۲۳۲	وَاِذَا طَلَّقْتُمُ...بِالْمَعْرُوْفِ

تین طلاقوں کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرہ	۲۳۰	فَاِنْ طَلَّقَهَا...حُدُوْدَ اللهِ

بیوی کو طلاق کا اختیار دینا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۱	الاحزاب	۲۸_۲۹	يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ...عَظِيْمًا

رجعی طلاق دے کر عدت کے ایام میں رجوع کی اجازت

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۲۸	وَبُعُوْلَتُهُنَّ...اِصْلَاحًا

عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۲۶،۲۲۷	لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ...عَلِيْمٌ

خلع کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۲۹	وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ...افْتَدَتْ بِهٖ

ظہار کا حکم

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	المجادلة	۲ تا ۴	اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ...مِسْكِيْنًا

میاں بیوی کے لعان کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	النور	۶	وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ...لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ

عدت کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۲۸	وَالْمُطَلَّقٰتُ...اَرْحَامِهِنَّ

بیوہ کی عدت کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرة	۲۳۴	وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ...عَشْرًا
۲	البقرة	۲۴۰	وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ...اِخْرَاجٍ

غیر مدخولہ کے لیے کوئی عدت نہیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۲	الاحزاب	۴۹	اِذَا نَكَحْتُمُ...جَمِيْلًا

چھوٹی عمر کے باعث حیض آنا شروع نہ ہوا ہو یا بوڑھی ہونے کے باعث بند ہو چکا ہو، یا حاملہ ہو، ان تینوں کی عدت کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	الطلاق	۴	وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ...حَمْلَهُنَّ

مطلقہ کے نفقہ وغیرہ کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	الطلاق	۶_۷	اَسْكِنُوْهُنَّ...عُسْرٍ يُّسْرًا

کتاب السرقة

چور کی سزا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المآئدة	۳۸	وَالسَّارِقُ...حَكِيْمٌ

رہزن کی سزا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المآئدة	۳۳	وَيَسْعَوْنَ...عَظِيْمٌ

باب الحدود والتعزیرات

زانی کی سزا، اور تہمت لگانے والے اور ثبوت بہم نہ پہنچانے والے کی تعزیر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	النساء	۱۵، ۱۶	وَالّٰتِیْ... رَحِیْمًا
۱۸	النور	۲ تا ۴	اَلزَّانِیَۃُ... الْفٰسِقُوْنَ

پردہ کے احکام

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	النور	۲۷ تا ۳۱	لَا تَدْخُلُوْا... تُفْلِحُوْنَ
۱۸	النور	۵۸ تا ۶۰	لِیَسْتَاْذِنْکُمُ... سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ
۲۲	الاحزاب	۵۳، ۵۵	وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ... شَهِیْدًا
۲۲	الاحزاب	۵۹	یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ... جَلَابِیْبِهِنَّ

وصیت اور میراث کے احکام

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۸۰ تا ۱۸۲	کُتِبَ عَلَیْکُمْ... رَحِیْمٌ
۲	البقرۃ	۲۴۰	وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ... اِخْرَاجٍ
۴	النساء	۷-۸	لِلرِّجَالِ... مَعْرُوْفًا
۴	النساء	۱۱-۱۲	یُوْصِیْکُمُ... عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ
۵	النساء	۳۳	وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا... نَصِیْبَهُمْ
۶	النساء	۱۷۶	قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ... عَلِیْمٌ
۷	المائدۃ	۱۰۶ تا ۱۰۸	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ... وَاسْمَعُوْا
۱۰	الانفال	۷۵	وَاُولُوا... عَلِیْمٌ

کتاب البیوع

خرید و فروخت کے احکام

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۹۸	لَیْسَ عَلَیْکُمْ... مِنْ رَّبِّکُمْ
۳	البقرۃ	۲۷۵	وَاَحَلَّ اللّٰهُ... الرِّبٰوا
۳	البقرۃ	۲۸۲،۲۸۳	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ... تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ
۵	النساء	۲۹	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا... تَرَاضٍ مِّنْکُمْ
۱۸	النور	۳۷	تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ
۲۸	الجمعۃ	۱۰	فَاِذَا قُضِیَتِ... فَضْلِ اللّٰهِ
۲۹	المزمل	۲۰	وَاٰخَرُوْنَ... فَضْلِ اللّٰهِ

سود کا بیان

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	البقرۃ	۲۷۵	اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا... خٰلِدُوْنَ
۳	البقرۃ	۲۷۸ تا ۲۸۰	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا... تَعْلَمُوْنَ
۶	النساء	۱۶۱	وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا... عَنْهُ

کتاب الجہاد

رسول اللہ ﷺ کے غزوات

غزوۂ بدر کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	ال عمران	۱۳	قَدْ کَانَ لَکُمْ... الْاَبْصَارِ
۹	الانفال	۵ تا ۱۸	کَمَآ اَخْرَجَكَ... کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ
۱۰	الانفال	۴۱-۴۴	وَمَآ اَنْزَلْنَا... الْاُمُوْرُ
۱۰	الانفال	۴۸	وَاِذْ زَیَّنَ... الْعِقَابِ

غزوۂ احد کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	ال عمران	۱۲۱ تا ۱۲۷	وَاِذْ غَدَوْتَ... خَآئِبِیْنَ
۴	ال عمران	۱۴۰-۱۴۳	اِنْ یَّمْسَسْکُمْ... تَنْظُرُوْنَ
۴	ال عمران	۱۵۲-۱۵۵	وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ... غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ
۴	ال عمران	۱۶۵ تا ۱۷۱	اَوَلَمَّآ... اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ

غزوۂ بنو نضیر کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	الحشر	۲ تا ۶	هُوَ الَّذِیْٓ... قَدِیْرٌ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
			غزوۂ بدر صغریٰ کا ذکر
۳	آل عمران	۱۷۲ تا ۱۷۵	اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا...مُؤْمِنِیْنَ
			غزوۂ احزاب کا ذکر
۲۱	الاحزاب	۹ تا ۲۵	یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...عَزِیْزًا
			غزوۂ بنوقریظہ کا ذکر
۲۱	الاحزاب	۲۶۔۲۷	وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ...قَدِیْرًا
			صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کا ذکر
۲۶	الفتح	۱	اِنَّا فَتَحْنَا...مُّبِیْنًا
			غزوۂ فتح مکہ مکرمہ کا ذکر
۳۰	النصر	۱	اِذَا جَآءَ...الْفَتْحُ
			غزوۂ حنین مکہ مکرمہ کا ذکر
۱۰	التوبۃ	۲۵۔۲۶	لَقَدْ نَصَرَكُمُ...الْكٰفِرِیْنَ
			غزوۂ تبوک کا ذکر
۱۰	التوبۃ	۴۲ تا ۵۹	لَوْ كَانَ عَرَضًا...رٰغِبُوْنَ
۱۰	التوبۃ	۸۱۔۸۳	فَرِحَ...الْخٰلِفِیْنَ
۱۰،۱۱	التوبۃ	۹۰۔۹۶	وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ...الْفٰسِقِیْنَ
			مال غنیمت[1] اور فے کے احکام
۲	البقرۃ	۱۹۰ تا ۱۹۳	وَقَاتِلُوْا فِیْ...الْمُتَّقِیْنَ
۲	البقرۃ	۲۱۷	یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ...الْقِتَالِ
۵	النساء	۷۱	خُذُوْا...جَمِیْعًا
۵	النساء	۷۵۔۷۶	وَمَا لَكُمْ...ضَعِیْفًا
۵	النساء	۸۹ تا ۹۱	فَاِنْ تَوَلَّوْا...سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا
۵	النساء	۹۴	اِذَا ضَرَبْتُمْ...خَبِیْرًا
۹	الانفال	۱	یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ...وَالرَّسُوْلِ
۹	الانفال	۱۲۔۱۳	فَاضْرِبُوْا...رَسُوْلَهٗ
۹	الانفال	۱۵۔۱۶	اِذَا لَقِیْتُمُ...الْمَصِیْرُ
۹	الانفال	۳۹	وَقٰتِلُوْهُمْ...الْمَصِیْرُ
۱۰	الانفال	۴۱	وَاعْلَمُوْا...السَّبِیْلِ
۱۰	الانفال	۴۵ تا ۴۷	اِذَا لَقِیْتُمْ...مُحِیْطٌ
۱۰	الانفال	۵۷۔۵۸	فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ...الْخَآئِنِیْنَ
۱۰	الانفال	۶۰۔۶۱	وَاَعِدُّوْا...السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
۱۰	الانفال	۶۷۔۶۹	مَا كَانَ لِنَبِیٍّ...رَّحِیْمٌ
۱۰	الانفال	۷۲۔۷۳	اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...كَبِیْرٌ
۱۰	التوبۃ	۱ تا ۷	بَرَآءَةٌ مِّنَ...الْمُتَّقِیْنَ
۱۰	التوبۃ	۱۱۔۱۲	فَاِنْ تَابُوْا...یَنْتَهُوْنَ
۱۰	التوبۃ	۲۸۔۲۹	اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ...صٰغِرُوْنَ
۱۰	التوبۃ	۳۶۔۳۷	اِنَّ عِدَّةَ...الْكٰفِرِیْنَ
۱۰	التوبۃ	۴۱	اِنْفِرُوْا...تَعْلَمُوْنَ
۱۰	التوبۃ	۷۳۔۷۴	یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ...یَنَالُوْا
۱۴	النحل	۱۲۶	وَاِنْ عَاقَبْتُمْ...لِلصّٰبِرِیْنَ
۱۷	الحج	۳۹۔۴۰	اُذِنَ لِلَّذِیْنَ...رَبُّنَا اللّٰهُ
۲۲	الاحزاب	۶۰ تا ۶۲	لَئِنْ لَّمْ...تَبْدِیْلًا
۲۶	محمد	۴	فَاِذَا لَقِیْتُمُ...اَوْزَارَهَا
۲۸	الحشر	۵ تا ۱۰	مَا قَطَعْتُمْ...رَّحِیْمٌ
۲۸	الممتحنۃ	۱۰۔۱۱	اِذَا جَآءَكُمُ...مُؤْمِنُوْنَ

[1] کافروں سے لڑائی کے بعد جو مال ہاتھ آئے اُسے مال غنیمت کہتے ہیں اور جو لڑائی کے بغیر ہاتھ آئے اسے فے کہتے ہیں۔

غدار اور خائن دشمن سے سلوک

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۰	الانفال	۵۶ تا ۵۸	الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ... الْخَآئِنِيْنَ

دشمن صلح کرنا چاہے تو اس کی درخواست کو رد نہ کرنا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۰	الانفال	۶۰ تا ۶۳	وَاَعِدُّوْا... عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

دشمن سے بھی نقض عہد نہ کرنا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۰	التوبۃ	۱-۴	بَرَآءَةٌ مِّنَ... يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ

دشمن پناہ میں آنا چاہے تو امن دینا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۰	التوبۃ	۶	وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ... لَا يَعْلَمُوْنَ

دائرہ اسلام میں داخل کرنے کیلئے دشمن کو مجبور نہ کرنا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	البقرۃ	۲۵۶،۲۵۷	لَآ اِكْرَاهَ... خٰلِدُوْنَ

دشمن پر ظلم اور زیادتی نہ کی جائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۹۰	وَقَاتِلُوْا... الْمُعْتَدِيْنَ
۲	البقرۃ	۱۹۱ تا ۱۹۳	وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ... عَلَى الظّٰلِمِيْنَ
۲	البقرۃ	۱۹۴	اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ... مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

قصص القرآن

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا قصہ اور ابلیس کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۳۰ تا ۳۹	وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ... خٰلِدُوْنَ
۱	البقرۃ	۱۰۲	مَا تَتْلُوْا... السِّحْرَ
۲	البقرۃ	۱۶۸ تا ۱۶۹	خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ... لَا تَعْلَمُوْنَ
۳	البقرۃ	۲۶۸	اَلشَّيْطٰنُ... بِالْفَحْشَآءِ
۳	آل عمران	۳۳	اِنَّ اللّٰهَ... اٰدَمَ
۵	النسآء	۱۲۰	الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا
۸	الاعراف	۱۱ تا ۱۹	ثُمَّ قُلْنَا... مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
۸	الاعراف	۲۰-۲۲	فَوَسْوَسَ... مُبِيْنٌ
۸	الاعراف	۲۷	لَا يَفْتِنَنَّكُمُ... لَا يُؤْمِنُوْنَ
۹	الاعراف	۱۸۹	خَلَقَكُمْ... اِلَيْهَا
۱۰	الانفال	۴۸	وَاِذْ زَيَّنَ... الْعِقَابِ
۱۲	یوسف	۵	الشَّيْطٰنَ... مُبِيْنٌ
۱۲	یوسف	۴۲	فَاَنْسٰهُ... سِنِيْنَ
۱۴	الحجر	۱۷-۱۸	وَحَفِظْنٰهَا... مُبِيْنٌ
۱۴	الحجر	۳۱ تا ۴۴	اِلَّآ اِبْلِيْسَ... مَّقْسُوْمٌ
۱۴	الحجر	۲۸-۳۱	وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ... اِبْلِيْسَ
۱۴	النحل	۶۳	فَزَيَّنَ... اَعْمَالَهُمْ
۱۵	بنی اسرائیل	۵۳	اِنَّ الشَّيْطٰنَ... مُبِيْنًا
۱۵	بنی اسرائیل	۶۱ تا ۶۵	قَالَ ءَاَسْجُدُ... وَكِيْلًا
۱۵	الکہف	۵۰-۵۱	كَانَ مِنَ... عَضُدًا
۱۶	طٰہٰ	۱۱۵ تا ۱۲۴	وَلَقَدْ عَهِدْنَآ... اَعْمٰى
۱۷	الحج	۳-۴	كُلَّ شَيْطٰنٍ... السَّعِيْرِ
۱۷	الحج	۵۲	اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى... اُمْنِيَّتِهٖ
۱۸	النور	۲۱	وَمَنْ يَّتَّبِعْ... الْمُنْكَرِ
۱۹	الفرقان	۲۹	وَكَانَ الشَّيْطٰنُ... خَذُوْلًا
۱۹	الشعرآء	۲۱۰ تا ۲۱۱	وَمَا تَنَزَّلَتْ... لَمَعْزُوْلُوْنَ
۱۹	الشعرآء	۲۲۱ تا ۲۲۳	هَلْ اُنَبِّئُكُمْ... كٰذِبُوْنَ
۲۲	السبا	۲۰-۲۱	وَلَقَدْ صَدَّقَ... حَفِيْظٌ
۲۲	الفاطر	۶	اِنَّ الشَّيْطٰنَ... السَّعِيْرِ
۲۳	الصٰفٰت	۷ تا ۱۰	وَحِفْظًا... ثَاقِبٌ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۳	ص	۷۱-۷۴	اِذْ قَالَ...اِبْلِيْسَ
۲۴	حٰمٓ السجدة	۲۵	وَقَيَّضْنَا...خَلْفَهُمْ
۲۴	حٰمٓ السجدة	۳۶	وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ...الْعَلِيْمُ
۲۵	الزخرف	۳۶-۳۷	وَمَنْ يَّعْشُ...مُّهْتَدُوْنَ
۲۶	محمد	۲۵	اِنَّ الَّذِيْنَ...اَمْلٰى لَهُمْ
۲۸	المجادلة	۱۹	اِسْتَحْوَذَ...الْخٰسِرُوْنَ
۲۸	الحشر	۱۶-۱۷	كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ...الظّٰلِمِيْنَ
۳۰	الناس	۴ تا ۶	شَرِّ الْوَسْوَاسِ...الْجِنَّةِ

قصہ ہابیل وقابیل

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدة	۲۷ تا ۳۱	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ...النّٰدِمِيْنَ

حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	آل عمران	۳۳	اِنَّ اللّٰهَ...نُوْحًا
۷	الانعام	۸۴ تا ۹۰	وَنُوْحًا...هَدَى اللّٰهُ
۸	الاعراف	۵۹-۶۴	لَقَدْ اَرْسَلْنَا...عَمِيْنَ
۱۱	یونس	۷۱-۷۳	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ...الْمُنْذَرِيْنَ
۱۲	ہود	۲۵-۴۸	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...اَلِيْمٌ
۱۳	ابراہیم	۹-۱۷	اَلَمْ يَاْتِكُمْ...عَذَابٌ غَلِيْظٌ
۱۵	بنی اسرآئیل	۳	اِنَّهٗ كَانَ...شَكُوْرًا
۱۷	الانبیآء	۷۶-۷۷	وَنُوْحًا...اَجْمَعِيْنَ
۱۸	المؤمنون	۲۳ تا ۲۹	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...الْمُنْزِلِيْنَ
۱۹	الفرقان	۳۷	وَقَوْمَ نُوْحٍ...اٰيَةً
۱۹	الشعرآء	۱۰۵ تا ۱۲۰	كَذَّبَتْ قَوْمُ...الْبٰقِيْنَ
۲۰	العنکبوت	۱۴-۱۵	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...لِّلْعٰلَمِيْنَ
۲۳	الصّٰفّٰت	۷۵ تا ۸۳	وَلَقَدْ نَادٰىنَا...لَاِبْرٰهِيْمَ
۲۷	الذٰریٰت	۴۶	وَقَوْمَ نُوْحٍ...فٰسِقِيْنَ
۲۷	النجم	۵۲	وَقَوْمَ نُوْحٍ...اَطْغٰى
۲۷	القمر	۹ تا ۱۴	كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ...كُفِرَ
۲۷	الحدید	۲۶	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...فٰسِقُوْنَ
۲۸	التحریم	۱۰	امْرَاَتَ نُوْحٍ...الدّٰخِلِيْنَ
۲۹	الحاقة	۱۱	اِنَّا لَمَّا...الْجَارِيَةِ
۲۹	نوح	۱ تا ۲۸	اِنَّا اَرْسَلْنَا...تَبَارًا

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۸	الاعراف	۶۵ تا ۷۲	وَاِلٰى عَادٍ...مُؤْمِنِيْنَ
۱۲	ہود	۵۰	وَاِلٰى عَادٍ...هُوْدًا
۱۳	ابراہیم	۹ تا ۱۷	اَلَمْ يَاْتِكُمْ...عَذَابٌ غَلِيْظٌ
۱۹	الفرقان	۳۸-۳۹	وَعَادًا...تَتْبِيْرًا
۱۹	الشعرآء	۱۲۳ تا ۱۳۹	كَذَّبَتْ عَادٌ...فَاَهْلَكْنٰهُمْ
۲۰	العنکبوت	۳۸	وَعَادًا...مُسْتَبْصِرِيْنَ
۲۴	حٰمٓ السجدة	۱۳ تا ۱۶	صٰعِقَةِ عَادٍ...يُنْصَرُوْنَ
۲۶	الاحقاف	۲۱-۲۶	وَاذْكُرْ...يَسْتَهْزِءُوْنَ
۲۷	الذٰریٰت	۴۱-۴۲	وَفِيْ عَادٍ...كَالرَّمِيْمِ
۲۷	النجم	۵۰	وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى
۲۷	القمر	۱۸ تا ۲۰	كَذَّبَتْ عَادٌ...مُّنْقَعِرٍ
۲۹	الحاقة	۴-۸	كَذَّبَتْ...بَاقِيَةٍ
۳۰	الفجر	۶-۱۳	اَلَمْ تَرَ...سَوْطَ عَذَابٍ

حضرت صالح علیہ السلام اوران کی قوم ثمود کا ذکر

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۸	الاعراف	۷۳تا۷۹	وَإِلَىٰ ثَمُودَ... النّٰصِحِينَ
۱۲	ھود	۶۱_۶۸	وَإِلَىٰ ثَمُودَ... لِّثَمُودَ
۱۳	ابراھیم	۹_۱۷	أَلَمْ يَأْتِكُمْ... عَذَابٌ غَلِيظٌ
۱۴	الحجر	۸۰تا۸۴	وَلَقَدْ كَذَّبَ... يَكْسِبُونَ
۱۹	الفرقان	۳۸_۳۹	وَثَمُودَ... تَتْبِيرًا
۱۹	الشعرآء	۱۴۱تا۱۵۸	كَذَّبَتْ ثَمُودُ... الْعَذَابُ
۱۹	النمل	۴۵تا۵۸	وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا... مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ
۲۰	العنکبوت	۳۸	وَثَمُودَا... مُسْتَبْصِرِينَ
۲۴	حم السجدة	۱۳_۱۴	وَثَمُودَ... كٰفِرُونَ
۲۴	حم السجدة	۱۷_۱۸	وَأَمَّا ثَمُودُ... يَتَّقُونَ
۲۷	الذریت	۴۳_۴۵	وَفِي ثَمُودَ... مُنْتَصِرِينَ
۲۷	النجم	۵۱	وَثَمُودَا فَمَا أَبْقَىٰ
۲۷	القمر	۲۳تا۳۱	كَذَّبَتْ ثَمُودُ... الْمُحْتَظِرِ
۲۹	الحاقة	۴_۵	كَذَّبَتْ... بِالطَّاغِيَةِ
۳۰	الفجر	۹تا۱۳	وَثَمُودَ... سَوْطَ عَذَابٍ
۳۰	الشمس	۱۱،۱۵	كَذَّبَتْ... عُقْبٰهَا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۱۲۴تا۱۳۲	وَإِذِ ابْتَلَىٰ... أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ
۱	البقرة	۱۳۰تا۱۳۶	عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهِيمَ... إِلَىٰ إِبْرٰهِيمَ
۳	البقرة	۲۵۸	أَلَمْ تَرَ... كَفَرَ
۳	البقرة	۲۶۰	وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ... حَكِيمٌ
۳	آل عمران	۶۵تا۶۷	فِي إِبْرٰهِيمَ... الْمُشْرِكِينَ
۵	النسآء	۱۲۵	وَاتَّخَذَ اللّٰهُ... خَلِيلًا
۷	الانعام	۷۴تا۹۰	وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ... هَدَى اللّٰهُ
۱۱	التوبة	۱۱۴	وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ... حَلِيمٌ
۱۲	ھود	۶۹تا۷۶	وَلَقَدْ جَاءَتْ... مَرْدُودٍ
۱۲	یوسف	۶	كَمَا أَتَمَّهَا... إِبْرٰهِيمَ
۱۳	ابراھیم	۳۵تا۴۱	وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ... الْحِسَابُ
۱۴	الحجر	۵۱_۶۰	عَنْ ضَيْفِ... الْغٰبِرِينَ
۱۴	النحل	۱۲۰_۱۲۳	إِنَّ إِبْرٰهِيمَ... الْمُشْرِكِينَ
۱۶	مریم	۴۱_۴۹	وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ... جَعَلْنَا نَبِيًّا
۱۷	الانبیآء	۵۱_۵۳	وَلَقَدْ آتَيْنَا... لَهَا عٰبِدِينَ
۱۷	الحج	۲۶_۲۷	وَإِذْ بَوَّأْنَا... عَمِيقٍ
۱۹	الشعرآء	۶۹تا۸۷	نَبَأَ إِبْرٰهِيمَ... يُبْعَثُونَ
۲۰	العنکبوت	۱۲_۲۷	وَإِبْرٰهِيمَ إِذْ... لَمِنَ الصّٰلِحِينَ
۲۰	العنکبوت	۳۱_۳۲	وَلَمَّا جَاءَتْ... الْغٰبِرِينَ
۲۳	الصفت	۸۳تا۱۰۶	لَإِبْرٰهِيمَ... الْمُبِينُ
۲۳	ص	۴۵_۴۷	عِبٰدَنَا... الْأَخْيَارِ
۲۵	الزخرف	۲۶تا۲۸	وَإِذْ قَالَ... يَرْجِعُونَ
۲۶	الذریت	۲۴_۳۲	هَلْ أَتٰكَ... مُّجْرِمِينَ
۲۷	الحدید	۲۶	وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا... فٰسِقُونَ
۲۸	الممتحنة	۴	إِبْرٰهِيمَ... شَيْءٍ

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۸۶تا۹۰	وَلُوطًا... هَدَى اللّٰهُ
۸	الاعراف	۸۰_۸۴	وَلُوطًا... الْمُجْرِمِينَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۲	ہود	۷۴-۸۳	فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ...عِنْدَ رَبِّكَ
۱۴	الحجر	۵۸-۷۷	قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَا...لِلْمُؤْمِنِيْنَ
۱۷	الانبیآء	۷۴-۷۵	وَلُوْطًا...الصّٰلِحِيْنَ
۱۹	الشعرآء	۱۶۰تا۱۷۴	كَذَّبَتْ قَوْمُ...الْمُنْذَرِيْنَ
۱۹	النمل	۵۴-۵۸	وَلُوْطًا...الْمُنْذَرِيْنَ
۲۰	العنکبوت	۲۸-۳۰	وَلُوْطًا...الْمُفْسِدِيْنَ
۲۰	العنکبوت	۳۳-۳۵	وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ...يَعْقِلُوْنَ
۲۳	الصفت	۱۳۳تا۱۳۸	وَاِنَّ لُوْطًا...تَعْقِلُوْنَ
۲۷	الذریت	۳۲تا۳۷	قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ...الْاَلِيْمَ
۲۷	القمر	۳۳-۳۸	كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ...مُّسْتَقِرٌّ
۲۸	التحریم	۱۰	وَامْرَاَتَ لُوْطٍ...الدّٰخِلِيْنَ

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۱۲۵تا۱۲۹	وَعَهِدْنَآ...الْحَكِيْمُ
۱	البقرة	۱۳۳	نَعْبُدُ...اِسْمٰعِيْلَ
۷	الانعام	۸۶تا۹۰	وَاِسْمٰعِيْلَ...هَدَى اللّٰهُ
۱۶	مریم	۵۴-۵۵	وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ...مَرْضِيًّا
۱۷	الانبیآء	۸۵	وَاِسْمٰعِيْلَ...الصّٰبِرِيْنَ
۲۳	الصفت	۱۰۱تا۱۰۷	بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ...بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ
۲۳	ص	۴۸	وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ...الْاَخْيَارِ

حضرت اسحاق علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۱۳۳	نَعْبُدُ...وَاِسْحٰقَ
۷	الانعام	۸۴تا۹۰	اِسْحٰقَ...هَدَى اللّٰهُ
۱۲	یوسف	۶	كَمَآ اَتَمَّهَا...اِسْحٰقَ
۱۷	الانبیآء	۷۲-۷۳	وَوَهَبْنَا لَهٗ...عٰبِدِيْنَ
۲۳	الصفت	۱۱۲-۱۱۳	وَبَشَّرْنٰهُ...مُبِيْنٌ
۲۳	ص	۴۵تا۴۷	وَاِسْحٰقَ...الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۱۳۲	وَوَصّٰى بِهَآ...مُسْلِمُوْنَ
۴	ال عمران	۹۳	كُلُّ الطَّعَامِ...التَّوْرٰىةُ
۷	الانعام	۸۴تا۹۰	وَيَعْقُوْبَ...هَدَى اللّٰهُ
۱۲،۱۳	یوسف	۴تا۱۰۱	اِذْ قَالَ يُوْسُفُ...بِالصّٰلِحِيْنَ
۱۷	الانبیآء	۷۲-۷۳	يَعْقُوْبَ...عٰبِدِيْنَ
۲۳	ص	۴۵تا۴۷	وَيَعْقُوْبَ...الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ
۲۴	المؤمن	۳۴	وَلَقَدْ جَآءَكُمْ...رَسُوْلًا

حضرت شعیب علیہ السلام، اصحاب ایکہ اور اہل مدین کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۸،۹	الاعراف	۸۵تا۹۳	وَاِلٰى مَدْيَنَ...كٰفِرِيْنَ
۱۲	ہود	۸۴-۹۵	وَاِلٰى مَدْيَنَ...بُعْدًا لِّمَدْيَنَ
۱۴	الحجر	۷۸-۷۹	وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ...مُّبِيْنٍ
۱۹	الشعرآء	۱۷۶تا۱۸۹	كَذَّبَ اَصْحٰبُ...يَوْمٍ عَظِيْمٍ
۲۰	العنکبوت	۳۶-۳۷	وَاِلٰى مَدْيَنَ...جٰثِمِيْنَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام، بنی اسرائیل فرعون اور ہامان کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرة	۴۷تا۶۱	يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ...يَعْتَدُوْنَ
۱	البقرة	۶۳تا۷۵	وَاِذْ اَخَذْنَا...وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ
۱	البقرة	۸۴-۸۷	وَاِذْ اَخَذْنَا...بِالرُّسُلِ
۱	البقرة	۹۲-۹۳	وَلَقَدْ جَآءَكُمْ...بِكُفْرِهِمْ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۱۰۸	سُئِلَ...قَبْلُ
۱	البقرۃ	۱۳۶	وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی
۲	البقرۃ	۲۴۳تا۲۵۱	اَلَمْ تَرَ اِلَی...یَشَآءُ
۶	النسآء	۱۵۳تا۱۵۹	فَقَدْ سَاَلُوْا...عَظِیْمًا
۶	النسآء	۱۶۴	وَكَلَّمَ...تَكْلِیْمًا
۶	المآئدۃ	۱۲_۱۳	وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ...قَلِیْلًا مِّنْهُمْ
۶	المآئدۃ	۲۰تا۲۵	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی...الْفٰسِقِیْنَ
۶	المآئدۃ	۳۲	كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ...لَمُسْرِفُوْنَ
۶	المآئدۃ	۴۵	وَكَتَبْنَا...قِصَاص
۶	المآئدۃ	۷۰_۷۱	لَقَدْ اَخَذْنَا...یَعْمَلُوْنَ
۶	المآئدۃ	۷۸_۷۹	لُعِنَ...یَفْعَلُوْنَ
۷	الانعام	۸۴تا۹۰	وَمُوْسٰی...هَدَى اللّٰهُ
۸	الانعام	۱۴۶	وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا...بِبَغْیِهِمْ
۸	الانعام	۱۵۴	ثُمَّ اٰتَیْنَا...یُؤْمِنُوْنَ
۸	الانعام	۱۵۹	اِنَّ الَّذِیْنَ...یَفْعَلُوْنَ
۹	الاعراف	۱۰۳تا۱۵۷	ثُمَّ بَعَثْنَا...الْمُفْلِحُوْنَ
۹	الاعراف	۱۵۹تا۱۷۱	وَمِنْ قَوْمِ...تَتَّقُوْنَ
۱۰	الانفال	۵۴	كَدَاْبِ...ظٰلِمِیْنَ
۱۱	یونس	۷۵تا۹۳	ثُمَّ بَعَثْنَا...یَخْتَلِفُوْنَ
۱۲	ھود	۹۶_۹۹	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...الْمَرْفُوْدُ
۱۲	ھود	۱۱۰	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...مُرِیْبٍ
۱۳	ابرٰھیم	۵_۶	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...عَظِیْمٌ
۱۳	ابرٰھیم	۸	وَقَالَ مُوْسٰی...حَمِیْدٌ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۴	النحل	۱۲۴	اِنَّمَا جُعِلَ...فِیْهِ
۱۵	بنی اسرائیل	۲تا۷	وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی...تَتْبِیْرًا
۱۵	بنی اسرائیل	۱۰۱_۱۰۴	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...لَفِیْفًا
۱۵،۱۶	الکہف	۶۰_۸۲	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی...عَلَیْهِ صَبْرًا
۱۶	مریم	۵۱_۵۳	وَاذْكُرْ...هٰرُوْنَ نَبِیًّا
۱۶	طٰہٰ	۹_۹۸	وَهَلْ اَتٰىكَ...شَیْءٍ عِلْمًا
۱۷	الانبیاء	۴۸_۴۹	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...مُشْفِقُوْنَ
۱۸	المؤمنون	۴۵تا۴۹	ثُمَّ اَرْسَلْنَا...یَهْتَدُوْنَ
۱۹	الفرقان	۳۵_۳۶	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...تَدْمِیْرًا
۱۹	الشعرآء	۱۰تا۶۶	وَاِذْ نَادٰی...اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ
۱۹	النمل	۷تا۱۴	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی...الْمُفْسِدِیْنَ
۲۰	القصص	۳_۴۸	نَتْلُوْا عَلَیْكَ...كٰفِرُوْنَ
۲۰	العنکبوت	۳۹_۴۰	وَقَارُوْنَ...اَغْرَقْنَا
۲۱	السجدۃ	۲۳_۲۴	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...یُوْقِنُوْنَ
۲۲	الاحزاب	۶۹	لَا تَكُوْنُوْا...وَجِیْهًا
۲۳	الصّٰفّٰت	۱۱۴تا۱۲۲	وَلَقَدْ مَنَنَّا...الْمُؤْمِنِیْنَ
۲۴	المؤمن	۲۳،۴۵	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...سُوْٓءُ الْعَذَابِ
۲۵	الزخرف	۴۶_۵۶	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...لِلْاٰخِرِیْنَ
۲۵	الدخان	۱۷_۳۳	وَلَقَدْ فَتَنَّا...بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ
۲۵	الجاثیۃ	۱۶_۱۷	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...یَخْتَلِفُوْنَ
۲۷	الذّٰریٰت	۳۸تا۴۰	وَفِیْ مُوْسٰی...مُلِیْمٌ
۲۷	القمر	۴۱تا۵۵	وَلَقَدْ جَآءَ...مُّقْتَدِرٍ
۲۸	الصف	۵	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی...الْفٰسِقِیْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	الجمعۃ	۵-۶	مَثَلُ الَّذِیْنَ...صٰدِقِیْنَ
۲۸	التحریم	۱۱	امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ...الظّٰلِمِیْنَ
۲۹	الحاقۃ	۹-۱۰	وَجَآءَ فِرْعَوْنُ...رَّابِیَۃً
۲۹	المزمل	۱۵-۱۶	کَمَآ اَرْسَلْنَآ...وَّبِیْلًا
۳۰	النزعت	۱۵ تا ۲۵	ھَلْ اَتٰکَ...الْاُوْلٰی
۳۰	الفجر	۱۰-۱۳	وَفِرْعَوْنَ...سَوْطَ عَذَابٍ

قارون کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۰	القصص	۷۶ تا ۸۲	اِنَّ قَارُوْنَ...لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ
۲۰	العنکبوت	۳۹-۴۰	وَقَارُوْنَ...خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ
۲۴	المؤمن	۲۳-۲۴	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا...سٰحِرٌ کَذَّابٌ

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۱۰۲	مَا تَتْلُوْا...مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ
۲	البقرۃ	۲۵۱	وَقَتَلَ...یَشَآءُ
۶	النسآء	۱۶۳	وَسُلَیْمٰنَ...زَبُوْرًا
۶	المآئدۃ	۷۸	لُعِنَ...دَاوٗدَ
۷	الانعام	۸۴ تا ۹۰	دَاوٗدَ...ھَدَی اللّٰہُ
۱۷	الانبیآء	۷۸ تا ۸۲	وَدَاوٗدَ...حٰفِظِیْنَ
۱۹	النمل	۱۵-۴۴	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
۲۲	السبا	۱۰-۱۴	وَلَقَدْ اٰتَیْنَا...الْمُھِیْنِ
۲۳	صٓ	۱۷-۲۶	وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ...الْحِسَابِ
۲۳	صٓ	۳۰-۴۰	وَوَھَبْنَا لِدَاوٗدَ...حُسْنَ مَاٰبٍ

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۸۶ تا ۹۰	وَیُوْنُسَ...ھَدَی اللّٰہُ
۱۱	یونس	۹۸	فَلَوْلَا...حِیْنٍ
۱۷	الانبیاء	۸۷-۸۸	وَذَا النُّوْنِ...الْمُؤْمِنِیْنَ
۲۳	الصّٰفّٰت	۱۳۹-۱۴۸	وَاِنَّ یُوْنُسَ...اِلٰی حِیْنٍ
۲۹	القلم	۴۸ تا ۵۰	کَصَاحِبِ الْحُوْتِ...الصّٰلِحِیْنَ

حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۸۵-۹۰	وَاِلْیَاسَ...ھَدَی اللّٰہُ
۱۶	مریم	۵۶-۵۷	وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ...عَلِیًّا
۱۷	الانبیاء	۸۵	وَاِدْرِیْسَ...الصّٰبِرِیْنَ
۲۳	الصفت	۱۲۳ تا ۱۳۲	وَاِنَّ اِلْیَاسَ...الْمُؤْمِنِیْنَ

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۸۴ تا ۹۰	وَاَیُّوْبَ...ھَدَی اللّٰہُ
۱۷	الانبیاء	۸۳-۸۴	وَاَیُّوْبَ...لِلْعٰبِدِیْنَ
۲۳	صٓ	۴۱-۴۴	وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ...اَوَّابٌ

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	آل عمران	۳۸ تا ۴۱	ھُنَالِکَ...الْاِبْکَارِ
۷	الانعام	۸۵-۹۰	وَزَکَرِیَّا...ھَدَی اللّٰہُ
۱۶	مریم	۲-۱۵	ذِکْرُ رَحْمَتِ...حَیًّا
۱۷	الانبیاء	۸۹-۹۰	وَزَکَرِیَّآ...خٰشِعِیْنَ

حضرت الیسع علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۷	الانعام	۸۶ تا ۹۰	وَالْیَسَعَ...ھَدَی اللّٰہُ
۲۳	صٓ	۴۸	وَالْیَسَعَ...الْاَخْیَارِ

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الانبیاء	۸۵	وَذَا الْکِفْلِ...الصّٰبِرِیْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۳	صٓ	۴۸	وَذَا الْكِفْلِ...الْاَخْيَارِ

حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	البقرۃ	۲۵۹	اَوْ كَالَّذِيْ...قَدِيْرٌ
۱۰	التوبۃ	۳۰	وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ...ابْنُ اللّٰهِ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۸۷	وَاٰتَيْنَا عِيْسَى...الْقُدُسِ
۱	البقرۃ	۱۳۶	وَمَاۤ اُوْتِيَ...عِيْسٰى
۳	آل عمران	۳۵تا۳۷	اِذْ قَالَتِ...حِسَابٍ
۳	آل عمران	۴۲_۵۹	وَاِذْ قَالَتِ...فَيَكُوْنُ
۶	النسآء	۱۵۶_۱۵۹	وَقَوْلِهِمْ عَلٰى...شَهِيْدًا
۶	النسآء	۱۷۱	اِنَّمَا الْمَسِيْحُ...رُوْحٌ مِّنْهُ
۶	المآئدۃ	۴۶	وَقَفَّيْنَا عَلٰى...لِّلْمُتَّقِيْنَ
۶	المآئدۃ	۷۲	وَقَالَ الْمَسِيْحُ...مِنْ اَنْصَارٍ
۶	المآئدۃ	۷۵	مَا الْمَسِيْحُ...الطَّعَامَ
۶	المآئدۃ	۷۸	لِمَنَ...ابْنِ مَرْيَمَ
۶	المآئدۃ	۱۱۰تا۱۱۸	اِذْ قَالَ اللّٰهُ...الْحَكِيْمُ
۶	الانعام	۸۵_۹۰	وَعِيْسٰى...هَدَى اللّٰهُ
۱۰	التوبۃ	۳۰	وَقَالَتِ النَّصٰرَى...ابْنُ اللّٰهِ
۱۶	مریم	۱۶تا۳۱	وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ...حَيًّا
۱۷	الانبیآء	۹۱	وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ...لِّلْعٰلَمِيْنَ
۱۸	المؤمنون	۵۰	وَجَعَلْنَا...وَّمَعِيْنٍ
۲۵	الزخرف	۵۹تا۶۱	اِنْ هُوَ...مُّسْتَقِيْمٌ
۲۷	الحدید	۲۷	وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى...فٰسِقُوْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۸	الصف	۶	وَاِذْ قَالَ عِيْسَى...اَحْمَدُ
۲۸	الصف	۱۴	كَمَا قَالَ عِيْسَى...ظٰهِرِيْنَ
۲۸	التحریم	۱۲	وَمَرْيَمَ...الْقٰنِتِيْنَ

حضرت لقمان علیہ السلام کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۱	لقمٰن	۱۲تا۱۹	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا...الْحَمِيْرِ

ذوالقرنین کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۶	الکہف	۸۳تا۹۸	وَيَسْئَلُوْنَكَ...وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا

قوم سبا کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۹	النمل	۲۰تا۴۴	فَقَالَ مَا لِيَ...الْعٰلَمِيْنَ
۲۲	السبا	۱۵_۲۱	لَقَدْ كَانَ...حَفِيْظٌ

اصحاب الاخدود کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳۰	البروج	۴تا۱۱	قُتِلَ...الْكَبِيْرُ

اصحاب کہف اور رقیم کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۵	الکہف	۹تا۲۲	اَمْ حَسِبْتَ...مِّنْهُمْ اَحَدًا
۱۵	الکہف	۲۵	وَلَبِثُوْا فِيْ...تِسْعًا

ہاروت اور ماروت کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۱۰۲	وَمَآ اُنْزِلَ...وَلَا يَنْفَعُهُمْ

اصحاب الرس کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۹	الفرقان	۳۸_۳۹	وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ...تَتْبِيْرًا
۲۶	قٓ	۱۲تا۱۴	كَذَّبَتْ...وَعِيْدِ

اصحاب فیل کا قصہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳۰	الفیل	۱تا۵	اَلَمْ تَرَ...مَّاْكُوْلٍ

حقوق العباد

والدین، رشتہ داروں اور ہمسایہ کے حقوق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۷۷	وَاٰتَى...الْقُرْبٰى
۵	النساء	۳۶	وَبِالْوَالِدَيْنِ...اَيْمَانُكُمْ
۱۴	النحل	۹۰	وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى
۱۵	بنی اسرائیل	۲۳تا۲۵	وَبِالْوَالِدَيْنِ...غَفُوْرًا
۱۵	بنی اسرائیل	۲۶	وَاٰتِ...ابْنَ السَّبِيْلِ
۱۵	بنی اسرائیل	۲۸	وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ...مَّيْسُوْرًا
۱۶	مریم	۱۴	وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ
۱۶	مریم	۵۵	وَكَانَ يَاْمُرُ...الزَّكٰوةِ
۱۶	طٰهٰ	۱۳۲	وَاْمُرْ...بِالصَّلٰوةِ
۱۸	النور	۲۲	وَلَا يَاْتَلِ...الْقُرْبٰى
۲۰	العنکبوت	۸	وَوَصَّيْنَا...مَعْرُوْفًا
۲۱	الروم	۳۸	فَاٰتِ...الْمُفْلِحُوْنَ
۲۱	لقمٰن	۱۴-۱۵	وَوَصَّيْنَا...مَعْرُوْفًا
۲۱	الاحزاب	۶	وَاُولُوا...مَسْطُوْرًا
۲۶	الحجرات	۱۰	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ
۲۸	التحریم	۶	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...نَارًا
۳۰	البلد	۱۵	يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ

میاں بیوی کے حقوق اور باہمی حسن معاشرت

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۸۷	هُنَّ لِبَاسٌ...لَّهُنَّ
۲	البقرۃ	۲۲۳	نِسَآؤُكُمْ...لِاَنْفُسِكُمْ
۲	البقرۃ	۲۲۹	فَاِمْسَاكٌ...شَيْئًا
۲	البقرۃ	۲۳۱	وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ...نَفْسَهٗ
۲	البقرۃ	۲۳۳	وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ...عَلَيْهِمَا
۴	النساء	۳-۴	فَاِنْ خِفْتُمْ...مَّرِيْٓـًٔا
۴	النساء	۱۹تا۲۱	وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ...غَلِيْظًا
۵	النساء	۳۴-۳۵	اَلرِّجَالُ...خَبِيْرًا
۵	النساء	۱۲۸	وَاِنِ امْرَاَةٌ...خَبِيْرًا
۵	النساء	۱۲۹تا۱۳۰	وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا...حَكِيْمًا
۲۸	التغابن	۱۴	وَاِنْ تَعْفُوْا...رَّحِيْمٌ
۲۸	الطلاق	۶-۷	اَسْكِنُوْهُنَّ...اٰتٰىهَا

غلاموں، یتیموں، مسکینوں اور سائلوں کے حقوق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۷۷	وَاٰتَى الْمَالَ...الرِّقَابِ
۳	البقرۃ	۲۶۳تا۲۶۴	قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ...الْاَذٰى
۳	البقرۃ	۸۰	وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ...تَعْلَمُوْنَ
۴	النساء	۲-۳	وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى...فِي الْيَتٰمٰى
۴	النساء	۵-۶	وَلَا تُؤْتُوا...بِالْمَعْرُوْفِ
۵	النساء	۲۵	فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ...بِالْمَعْرُوْفِ
۵	النساء	۳۶	وَالْيَتٰمٰى...اَيْمَانُكُمْ
۵	النساء	۱۲۷	وَمَا يُتْلٰى...بِهٖ عَلِيْمًا
۱۵	بنی اسرائیل	۳۴	وَلَا تَقْرَبُوْا...اَشُدَّهٗ
۱۸	النور	۲۲	وَلَا يَاْتَلِ...وَالْمَسٰكِيْنَ
۱۸	النور	۳۳	وَالَّذِيْنَ...الدُّنْيَا
۲۱	الروم	۳۸	فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى...الْمُفْلِحُوْنَ
۲۸	الحشر	۷	وَالْيَتٰمٰى...مِنْكُمْ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳۰	الفجر	۱۷۔۱۸	کَلَّا بَلْ لَّا ... الْمِسْکِیْنِ
۳۰	البلد	۱۳تا۱۶	فَکُّ رَقَبَةٍ ... مَتْرَبَةٍ
۳۰	الضحٰی	۹	فَاَمَّا الْیَتِیْمَ ... تَنْهَرْ
۳۰	الماعون	۲۔۳	یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ... الْمِسْکِیْنِ

مہمان کا حق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۶	الکہف	۷۷	فَانْطَلَقَا ... عَلَیْهِ اَجْرًا

سائل کا حق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	البقرۃ	۲۶۴	یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ ... الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

سائل کے اصرار پر نرمی سے جواب دینا اور دینے کے بعد اُسے ایذا نہ پہنچانا اور احسان نہ جتلانا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۳	البقرۃ	۲۶۲تا۲۶۳	اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ ... غَنِیٌّ حَلِیْمٌ

یتیم کا حق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۸۳	وَاِذْ اَخَذْنَا ... مُعْرِضُوْنَ

یتیم کی خیر خواہی کا خیال رکھنا

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۲۲۰	وَیَسْئَلُوْنَكَ ... حَکِیْمٌ

یتیم کے مال کی حفاظت اور بیجا تصرف کی ممانعت

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	النساء	۲تا۶	وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی ... حَسِیْبًا

یتیم لڑکی کے ساتھ نکاح کیا جائے تو اُس کے حقوق کا پورا لحاظ رکھا جائے

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	النساء	۳	وَاِنْ خِفْتُمْ ... اَلَّا تَعُوْلُوْا

فقیر، مسکین اور مسافر کا حق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۷۷	لَیْسَ الْبِرَّ ... فِی الرِّقَابِ
۳	البقرۃ	۲۷۳	لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ ... عَلِیْمٌ

دشمن کا حق

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۶	المائدۃ	۸	یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ ... تَعْمَلُوْنَ
۶	المائدۃ	۴۱۔۴۲	سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ ... الْمُقْسِطِیْنَ

مسلمانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں معزز اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں مقرب وہ ہے جو پرہیزگار اور نیکوکار ہو

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	البقرۃ	۶۲	اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... یَحْزَنُوْنَ
۷	الانعام	۵۲۔۵۳	وَلَا تَطْرُدِ ... بِالشّٰکِرِیْنَ
۱۴	النحل	۹۷	مَنْ عَمِلَ صَالِحًا ... یَعْمَلُوْنَ
۱۵	الکہف	۲۸	وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ... فُرُطًا
۲۶	الحجرات	۱۳	یٰاَیُّهَا النَّاسُ ... اَتْقٰکُمْ
۳۰	عبس	۱تا۱۲	عَبَسَ ... ذَکَرَهٗ

قرآن حکیم کی دعائیں

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱	الفاتحہ	۵	اِهْدِنَا الصِّرَاطَ ... الضَّآلِّیْنَ
۱	البقرۃ	۱۲۶	رَبِّ اجْعَلْ ... الْاٰخِرِ
۱	البقرۃ	۱۲۷تا۱۲۹	رَبَّنَا تَقَبَّلْ ... الْحَکِیْمُ
۲	البقرۃ	۲۰۱	رَبَّنَآ اٰتِنَا ... النَّارِ
۳	البقرۃ	۲۸۵	غُفْرَانَكَ ... الْمَصِیْرُ
۳	البقرۃ	۲۸۶	رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ ... الْکٰفِرِیْنَ
۳	آل عمران	۸	رَبَّنَا لَا ... الْوَهَّابُ
۳	آل عمران	۶	رَبَّنَآ اِنَّنَآ ... النَّارِ
۳	آل عمران	۲۶۔۲۷	اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ ... حِسَابٍ
۳	آل عمران	۵۳	رَبَّنَآ اٰمَنَّا ... الشّٰهِدِیْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۴	ال عمران	۱۴۷	رَبَّنَا اغْفِرْ...الْكٰفِرِيْنَ
۴	ال عمران	۱۹۱ تا ۱۹۴	رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ...الْمِيْعَادَ
۷	المآئدۃ	۱۱۴	اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا...الرّٰزِقِيْنَ
۹	الاعراف	۸۹	رَبَّنَا افْتَحْ...الْفٰتِحِيْنَ
۹	الاعراف	۱۲۶	رَبَّنَا اَفْرِغْ...مُسْلِمِيْنَ
۹	الاعراف	۱۵۱	رَبِّ اغْفِرْ...الرّٰحِمِيْنَ
۹	الاعراف	۱۵۵ تا ۱۵۶	اَنْتَ وَلِيُّنَا...اِلَيْكَ
۱۱	التوبۃ	۱۲۹	حَسْبِيَ اللّٰهُ...الْعَظِيْمِ
۱۱	یونس	۸۵_۸۶	رَبَّنَا لَا...الْكٰفِرِيْنَ
۱۱	یونس	۸۸	رَبَّنَا اطْمِسْ...الْاَلِيْمَ
۱۲	ھود	۴۱	بِسْمِ اللّٰهِ...رَّحِيْمٌ
۱۲	ھود	۴۷	رَبِّ اِنِّيْ...الْخٰسِرِيْنَ
۱۳	یوسف	۱۰۱	فَاطِرَ...بِالصّٰلِحِيْنَ
۱۳	ابراھیم	۴۰_۴۱	رَبِّ اجْعَلْنِيْ...يَقُوْمُ الْحِسَابُ
۱۵	بنی اسرآئیل	۲۴	رَبِّ ارْحَمْهُمَا...صَغِيْرًا
۱۵	بنی اسرآئیل	۸۰	رَبِّ اَدْخِلْنِيْ...نَصِيْرًا
۱۵	الکہف	۱۰	رَبَّنَا اٰتِنَا...رَشَدًا
۱۶	مریم	۴ تا ۶	رَبِّ اِنِّيْ...رَضِيًّا
۱۶	طٰہٰ	۲۵_۲۶	رَبِّ اشْرَحْ...اَمْرِيْ
۱۶	طٰہٰ	۱۱۴	رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا
۱۷	الانبیآء	۸۳	اَنِّيْ مَسَّنِيَ...الرّٰحِمِيْنَ
۱۷	الانبیآء	۸۷	لَا اِلٰهَ...الظّٰلِمِيْنَ
۱۷	الانبیآء	۸۹	رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ...الْوٰرِثِيْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۷	الانبیآء	۱۲	رَبِّ بِالْحَقِّ
۱۸	المؤمنون	۲۶	رَبِّ...كَذَّبُوْنِ
۱۸	المؤمنون	۲۹	رَبِّ اَنْزِلْنِيْ...الْمُنْزِلِيْنَ
۱۸	المؤمنون	۹۳_۹۴	رَبِّ اِمَّا...الظّٰلِمِيْنَ
۱۸	المؤمنون	۹۷_۹۸	رَبِّ اَعُوْذُبِكَ...يَّحْضُرُوْنِ
۱۸	المؤمنون	۱۰۹	رَبَّنَا اٰمَنَّا...الرّٰحِمِيْنَ
۱۸	المؤمنون	۱۱۸	رَبِّ اغْفِرْ...الرّٰحِمِيْنَ
۱۹	الفرقان	۶۵	رَبَّنَا اصْرِفْ...جَهَنَّمَ
۱۹	الفرقان	۷۴	رَبَّنَا هَبْ...اِمَامًا
۱۹	الشعرآء	۸۳ تا ۸۷	رَبِّ هَبْ لِيْ...يُبْعَثُوْنَ
۱۹	الشعرآء	۱۱۸	فَافْتَحْ...الْمُؤْمِنِيْنَ
۱۹	الشعرآء	۱۶۹	رَبِّ نَجِّنِيْ...يَعْمَلُوْنَ
۱۹	النمل	۱۹	رَبِّ اَوْزِعْنِيْ...الصّٰلِحِيْنَ
۱۹	النمل	۴۴	رَبِّ اِنِّيْ...الْعٰلَمِيْنَ
۱۹	النمل	۵۹	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ...اصْطَفٰى
۲۰	القصص	۱۶_۱۷	رَبِّ اِنِّيْ...لِّلْمُجْرِمِيْنَ
۲۰	القصص	۲۱	رَبِّ...الظّٰلِمِيْنَ
۲۰	القصص	۲۴	رَبِّ اِنِّيْ...فَقِيْرٌ
۲۰	العنکبوت	۳۰	رَبِّ...الْمُفْسِدِيْنَ
۲۳	الصّٰفّٰت	۱۰۰	رَبِّ هَبْ...الصّٰلِحِيْنَ
۲۳	ص	۳۵	رَبِّ اغْفِرْ...الْوَهَّابُ
۲۴	المؤمن	۷ تا ۹	رَبَّنَا وَسِعْتَ...الْعَظِيْمُ
۲۶	الاحقاف	۱۵	رَبِّ اَوْزِعْنِيْ...الْمُسْلِمِيْنَ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۷	القمر	۱۰	فَدَعَا رَبَّهٗ...فَانْتَصِرْ
۲۸	الحشر	۱۰	رَبَّنَا اغْفِرْ...رَّحِيْمٌ
۲۸	الممتحنۃ	۴-۵	رَبَّنَا عَلَيْكَ...الْحَكِيْمُ
۲۸	التحریم	۸	رَبَّنَا اَتْمِمْ...قَدِيْرٌ
۲۸	التحریم	۱۱	رَبِّ ابْنِ...الظّٰلِمِيْنَ
۲۹	نوح	۲۴	وَلَا تَزِدِ...ضَلٰلًا
۲۹	نوح	۲۵تا۲۸	رَبِّ لَا...تَبَارًا
۳۰	الفلق	۱-۵	اَعُوْذُ...حَسَدَ
۳۰	الناس	۱-۶	اَعُوْذُ...الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

امثال القرآن

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲	البقرۃ	۱۷۱	وَمَثَلُ الَّذِيْنَ...لَا يَعْقِلُوْنَ
۲	البقرۃ	۱۷تا۲۰	مَثَلُهُمْ...قَدِيْرٌ
۳	البقرۃ	۲۶۱	مَثَلُ الَّذِيْنَ...حَبَّةٍ
۳	البقرۃ	۲۶۴تا۲۶۶	فَمَثَلُهٗ...تَتَفَكَّرُوْنَ
۳	آل عمران	۵۹	اِنَّ مَثَلَ...فَيَكُوْنُ
۴	آل عمران	۱۱۷	مَثَلُ مَا...فَاَهْلَكَتْهُ
۹	الاعراف	۱۷۶	فَمَثَلُهٗ...بِاٰيٰتِنَا
۱۱	یونس	۲۴	اِنَّمَا مَثَلُ...يَتَفَكَّرُوْنَ
۱۲	ھود	۲۴	مَثَلُ...تَذَكَّرُوْنَ
۱۳	ابراھیم	۱۸	مَثَلُ الَّذِيْنَ...الْبَعِيْدُ
۱۳	ابراھیم	۲۴تا۲۶	ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا...قَرَارٍ
۱۴	النحل	۷۵-۷۶	ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا...مُسْتَقِيْمٍ
۱۴	النحل	۱۱۲	وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا...يَصْنَعُوْنَ
۱۵	الکہف	۳۲-۴۳	وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا...مُنْتَصِرًا
۱۵	الکہف	۴۵	وَاضْرِبْ لَهُمْ...الرِّيٰحُ
۱۸	النور	۳۵	مَثَلُ نُوْرِهٖ...الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ
۲۰	العنکبوت	۴۱	مَثَلُ الَّذِيْنَ...يَعْلَمُوْنَ
۲۱	الروم	۲۸	ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا...يَعْقِلُوْنَ
۲۳	الزمر	۲۹	ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا...مَثَلًا
۲۷	الحدید	۲۰	كَمَثَلِ...حُطَامًا
۲۸	الجمعۃ	۵	مَثَلُ الَّذِيْنَ...الظّٰلِمِيْنَ
۲۸	التحریم	۱۱-۱۲	ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا...الْقٰنِتِيْنَ

باب الآداب

ادب ذکر الٰہی جل جلالہ وعم نوالہ

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۹	الانفال	۲	اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ...قُلُوْبُهُمْ

آداب قرآن حکیم

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۹	الاعراف	۲۰۴	وَاِذَا قُرِئَ...تُرْحَمُوْنَ
۹	الانفال	۲	وَاِذَا تُلِيَتْ...اِيْمَانًا
۱۱	التوبۃ	۱۲۴	فَزَادَتْهُمْ...يَسْتَبْشِرُوْنَ

آداب مجلس نبی کریم علیہ السلام

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۲۶	الحجرات	۱	لَا تُقَدِّمُوْا...وَاتَّقُوا اللّٰهَ
۲۶	الحجرات	۲	لَا تَرْفَعُوْٓا...صَوْتِ النَّبِيِّ
۲۶	الحجرات	۲	وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ...لَا تَشْعُرُوْنَ
۲۶	الحجرات	۳	اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ...عَظِيْمٌ

آداب مسجد

پارہ	سورت	آیت نمبر	آیت
۱۸	النور	۳۶-۳۷	فِيْ بُيُوْتٍ...عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ
29LG ھادیہ حلیمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37242117 0332-4377621
maktabah.hr@gmail.com
Maktabah Habiblyah Rashedoyah MHR